کتاب الفقہ

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور

کتاب الفقہ

علی المذاہب الاربعہ

جزء دوم

معاملات

تالیف : عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ : منظور احسن عباسی

شعبۂ مطبوعات محکمۂ اوقاف پنجاب لاہور

۱۹۷۳

ناشر

علماء اکیڈمی (شعبۂ مطبوعات) محکمۂ اوقاف حکومت پنجاب ، لاہور
حضوری باغ - بادشاہی مسجد
فون : ۵۵۸۴۵

طبع اول

تعداد	ایک ہزار
مورخہ	جون ۱۹۷۳
قیمت جزو دوم	چالیس روپے (مجلد)

زیر اہتمام
جاوید اقبال آہل
ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، اردو بازار - لاہور

مؤلف کتاب کا نذرانۂ عقیدت

میں اپنی اس تالیف کو ملت اسلامیہ کے عظیم المرتبت مصلح، امام اور استاد بزرگ شیخ محمد مصطفیٰ المراغی سربراہ جامعۂ ازہر شریف کی نذر کرتا ہوں جن کا ذہن روشن ہے اور جو دین اور دین داروں کے معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں۔

پیش لفظ

''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' فقہ اسلامی کی ایک مستند ، ضخیم اور بلند پایہ کتاب ہے ۔ اس کتاب کی سب سے اہم اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے چاروں فقہی مسالک (حنفی ، مالکی ، شافعی ، حنبلی) بیان کیے گیے ہیں اور ان میں کسی ایک مسلک کو ترجیح نہیں دی گئی ۔

کتاب عربی میں ہے ، اور اس کی چار جلدیں قاہرہ میں طبع ہو چکی ہیں ۔ محکمۂ اوقاف پنجاب نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کے اردو ترجمہ کا اہتمام کیا ، تا کہ علماء کے علاوہ دیگر اہل علم ، مساجد کے ائمہ اور خطباء بھی فقہ اسلامی اور مسالک اربعہ کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو سکیں ۔

گزشتہ سال جزو اول طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے ۔ جزو اول پر ملک کے مؤقر جرائد اور اہل علم نے اپنے آراء کا اظہار کیا ۔ مجموعی طور پر ان کے آراء ہمارے لیے حوصلہ افزا تھے ۔

اب محکمہ دوسری جلد اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ۔

جزو اول ، عبادات پر مشتمل ہے ، اور جزو دوم ،عاملات پر ، جزو دوم علماء اور خاص طور پر قانون داں حضرات کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔ جزو سوم کی طباعت انشاءاللہ ۱۹۷۳ کے آخر تک مکمل ہو جائے گی ۔

کتاب کی طباعت و تصحیح میں ہم نے جو معیار قائم کیا ہے وہ بلا شبہ بیروت اور قاہرہ کے طباعتی معیار سے کم نہیں ۔

جن اہل علم نے اوقاف کی اس علمی خدمت کو سراہا اور کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے ، ہم ان کے ممنون ہیں ۔ ہمیں امید ہے کہ ملک کے علماء ، دانشور ، اور دیگر اہل علم ہمیں اپنے مفید علمی مشوروں سے نوازتے رہیں گے ۔

ناچیز

محمد میاں صدیقی

(ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز آفیسر)

اوقاف ، پنجاب ۔ لاہور

مئی ۱۹۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از مترجم

الحمدللہ و کفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی اصطفاہ۔ اما بعد یہ کتاب، ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' تالیف عبدالرحمان الجزیری المتوفی ۱۳۶۰ھ م ۱۹۴۱ء کی جلد دوم کا اردو ترجمہ ہے جو بفضل الٰہی اس نحیف و ناتواں کے ہاتھوں چوہتر سالہ پیرانہ سالی میں انجام پایا۔ پہلی جلد (قسم عبادات) کا ترجمہ ۱۹۷۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مؤلف ممدوح کا مختصر تذکرہ پہلی جلد کے دیباچۂ مترجم میں کیا گیا ہے، یہ دوسری جلد ''قسم معاملات'' پر مشتمل ہے جو مباحث حلال و حرام، مباحث حجر (یا اسباب فقدان اہلیت معاملہ)، مزارعت و مساقات اور مضاربت پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد (قسم المعاملات) کا ترجمہ زیر تسوید ہے۔

پہلی جلد کے دیباچۂ مترجم میں بتایا گیا ہے کہ جلد اول کی تالیف و ترتیب میں علامہ الجزیری کے علاوہ دوسرے اساطین علماء کو بھی دخل تھا لیکن بقیہ حصے ان کے اپنے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔ میں نے دوران ترجمہ متعدد مقامات پر سبک تحریر میں اس فرق کو محسوس کیا ہے۔ یہ حصہ جلد اول کی بہ نسبت کسی قدر مغلق ہے۔ تاہم میں نے ترجمے کی روش وہی قائم رکھی ہے جو پہلی جلد کے ترجمہ کی تھی۔

پہلی جلد کا ترجمہ جن علمائے کرام و ارباب فضل کے ہاتھوں میں پہنچا انہوں نے اس ترجمہ اور اس کے نہج کو مفید تصور فرمایا اور سب نے اس کی تحسین فرمائی۔ منجملہ ان کے مولانا ساجدالرحمان صدیقی صاحب[1] نے ترجمہ کے مطالعہ میں خاصے انہماک سے کام لیا اور اصل کتاب سے موازنہ کرنے میں بڑی محنت فرمائی۔ ہر چند کہ ترجمہ کی فی الجملہ ستائش انہوں نے بھی فرمائی ہے،

۱۔ مدیر ماہ نامہ ''رشاد'' سیالکوٹ۔

تاہم تین فروگذاشتوں کی نشاندہی بھی کی ہے - اسی طرح مولانا محمد تقی عثمانی صاحب[1] نے بھی بعض فروگزاشتوں کی نشاندہی کی ہے، اگرچہ وہ ترجمہ سے زیادہ متن سے متعلق ہیں ، بہرکیف میں ان کی اس بذل توجہ کا شکر گزار ہوں ؛ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کر دی جائے گی -

زیر نظر ترجمہ کتاب‌الفقہ کی جلد دوم مطبوعہ مصر کے قدیم نسخہ کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے - اس نسخہ میں متعدد مقامات پر طباعت کی غلطیاں مشاہدہ میں آئی ہیں جن کے باعث اخذ مطالب میں کسی قدر دشواری بھی پیش آئی - مخلصم مولانا محمد میاں صدیقی صاحب مہتمم شعبۂ تالیفات و مطبوعات محکمۂ اوقاف پنجاب نے ازراہ کرم پوری کتاب کے ترجمہ کو بامعان نظر ملاحظہ فرمایا اور اصل متن کا کتاب‌الفقہ علی‌المذاہب الاربعہ کی جدید ترین اشاعت (۱۹۷۰) سے مقابلہ بھی کیا - یقین ہے کہ انہوں نے جہاں کوئی فروگزاشت ملاحظہ کی ہے بطور خود اس کی درستی فرما دی ہے اور فہرست مضامین کی ترتیب بھی ان ہی نے کی ہے - میں ان کا خاص طور پر شکر گزار ہوں -

پہلی جلد کے ترجمہ کی بابت جن اصحاب نے کلمات تحسین سے نوازا ہے ان کی فہرست خاصی طویل ہے لیکن ان میں کسی ایک کے ساتھ بھی اس عاجز کا براہ راست رابطہ نہیں ہے اس لیے ان کی آرا خلوص اور صدق نیت پر مبنی ہیں - میں ہر ایک کا شکر گزار و منت پزیر ہوں - ضخامت کتاب کے پیش نظر کچھ عجب نہیں کہ اس عاجز کی امکانی احتیاط اور دیانت کے باوجود کار ترجمہ میں کوتاہی یا فروگزاشت سرزد ہو گئی ہو - میں اس کی اصلاح و خطا پوشی کا ملتجی ہوں- اور بالآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے اور یہ کتاب علماء و طلباء بالخصوص اہل پاکستان کے لیے مفید و مستفاد ہو - آمین

دعائے نجات کا طالب

منظور احسن عباسی

(مہتمم دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری)

۱۱۲ - ڈی ماڈل ٹاؤن ، لاہور

۶ مئی ۱۹۷۳ء

---

۱ - مدیر ماہ نامہ ''البلاغ'' کراچی -

مقدمہ

(از مؤلف)

احمد اللہ تعالیٰ حمداً کثیراً و أصلی و أسلم علی نبیہ محمد خاتم الأنبیاء والمرسلین و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔ امابعد واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے حصہ ٔ اول کی تکمیل کروں جس میں عبادات کا ذکر ہے تو میں نے دیکھا کہ بالعموم اسے اس وجہ سے پسند کیا گیا ہے کہ اندریں باب مسالک مختلفہ کا علم حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے اور ایسے تمام متفرق مسائل کو یک جا کر دیا گیا ہے جس کی واقفیت حاصل کرنے کے لیے جمہور مسلمانان سے قطع نظر مخصصین اہل علم کوشاں رہتے ہیں ۔ اس عام حسن تلقی نے مجھے یہ سوچنے پر آمادہ کیا کہ فقۂ اسلامی کے تمام ابواب از قسم معاملات و قوانین شخصیہ پر مشتمل اسی طرح یا اس سے زیادہ واضح عبارت سے ایک تالیف پیش کروں تاکہ لوگوں کو اپنے مسلک کے امور متعلقۂ معاملات اور شخصی قوانین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے دلچسپی ہو اور اسی کے مطابق عمل کریں ۔ اور جب لوگوں کو اپنے دین حنیف کے ایسے احکام کا علم ہوگا جو خرید و فروخت ، عدالتی فیصلوں ، نکاح اور دوسرے امور کے متعلق ہیں اور وہ دیکھیں گے کہ تشریعی مشکلات کے باوجود ان میں کتنی وسعت ہے اور انسانی معاشرہ میں پیش آنے والے ہر چھوٹے بڑے معاملہ پر کس طرح محیط ہیں کہ ان کے سامنے تمام شریعتوں کے احکام اور تمام مقننین کے بنائے ہوئے قوانین، خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے، فرانسیسی ہوں یا رومی کیسے پھسپھسے ہیں تو ان احکام کی عظمت کا انھیں اعتراف کرنا پڑے گا اور ان کی باریکیاں اور وسعت انھیں مجبور کرے گی کہ ان کو اختیار کریں

اور دوسرے طریقوں سے انحراف کریں - اس طرح ان کی حیات عمرانی خوشگوار اور دل پسند ہو جائے گی کیونکہ (ان احکام کے نفاذ سے) انتشار کے وہ تمام اسباب دور ہو جائیں گے جو انسانی جان و مال کے ضایع ہونے کا موجب ہوتے ہیں - اور ان کی دولت جو منشاء الٰہی کے خلاف فضول جھگڑوں میں برباد ہوتی ہے بچ رہے گی - اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوابھا الی الحکام'' الآیہ (یعنی ناروا طریقے سے باہم ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ اور اس کے ذریعہ حاکموں سے مطلب برآری نہ کرو) -

یہ چند فوائد تو وہ ہیں جو احکام دین کے جاننے اور اس پر عمل کرنے سے اس دنیا میں حاصل ہوتے ہیں ، رہا آخرت کا معاملہ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر عمل کرنے والوں کے لیے دائمی بہشت اور ملک جاودانی کا وعدہ فرمایا ہے -

مجھ جیسے ایک ضعیف انسان کے لیے اس کام کا انجام دینا ایک بڑا کارنامہ معلوم ہوتا تھا نیز دنیوی زندگی کے معاملات اور مشغولیات نے مجھے سخت آزمائش میں ڈال دیا لیکن میں نے اپنے اللہ پر بھروسہ کیا جس نے مجھے پہلے حصہ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی اور مجھے اس امر کے اقدام پر آمادہ کیا جو میں نے سوچا تھا - میرے دل سے اس کی مشکلات دور ہو گئیں اور ہر دشواری سے بے خوف ہو گیا کیونکہ اس (تالیف) سے میرا مقصد اپنے پروردگار کی خوشنودی کے سوا اور کچھ نہیں ہے - ہر شے اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور سب کا مرجع اسی کی ذات ہے - اور مجھے اس کے سوا اور کچھ نہ چاہیے کہ اس روز جب کہ مال یا اولاد کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مجھے قبولیت حاصل ہو - اور جو شخص اپنے پروردگار سے مدد کا طالب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اعانت کا ضامن ہو جاتا ہے - وہی سب سے بہتر کارساز اور سب سے بہتر مدد گار ہے - میں صرف اسی کی جناب میں یہ دعا کرتا ہوں

کہ وہ میری اس تالیف کو محض اللہ کی خوشنودی کا موجب بنا دے اور اس دنیا میں فتنہ پردازوں کی شرارت سے محفوظ رکھے اور مجھے ایسے سعی عمل کے شر سے بچا لے کہ امور آخرت کو منافع دنیوی کے حصول کا ذریعہ بناؤں - اور دعا ہے کہ (کتاب کے) اس حصہ سے بھی مسلمانوں کو اسی طرح فائدہ حاصل ہو جس طرح پہلے حصہ سے ہوا -

اب جاننا چاہیے کہ باقی ماندہ احکامات دینی کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے - ان میں سے دو حصے معاملات کے بیان میں ہیں اور ایک حصہ شخصی قوانین اور فرایض (تقسیم وراثت) کے باب میں ہے - انشاء اللہ یہ تمام مسائل جلد ہی قارئین کے سامنے آ جائیں گے - کتاب کا یہ دوسرا حصہ ترتیب اور عبارت کے لحاظ سے تیسرے اور چوتھے حصہ کا نمونہ ہے - اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکوں تو میں اپنے پروردگار کا بار بار شکر ادا کروں گا کہ یہ سب اسی کی ہدایت کا کرشمہ ہیں ورنہ میں تو ایک ضعیف انسان ہوں - جہاں تک مجھے میرے خدائے علیم و قدیر نے توفیق بخشی میں نے اپنا کام انجام دیا -

بالآخر مجھے کہنا ہے کہ میرا ارادہ تھا کہ میں احکام شریعت کے ساتھ ان احکام شرعیہ کی حکمت بھی اسی طرح بتا دوں جس طرح ائمۂ فقہا کے دلائل بیان کیے ہیں - لیکن میں نے اسے نظرانداز کر دیا کیونکہ میں نے دیکھا کہ دلائل کے تتبع سے مضمون مشکل ہو جائے گا - ایسا کرنا اس ارادے کے مناسب حال نہیں ہے جو میں نے آسان عبارت اختیار کرنے کے بارے میں کیا ہے نیز یہ بھی میں نے محسوس کیا کہ امور تشریعی کی حکمتوں کا ذکر موجب طوالت ہوگا اور بعض اوقات مسائل شرعیہ کے سمجھنے میں دشواری ہوگی - لہٰذا میں نے تشریع احکام کی حکمت کا بیان اپنی (تالیف) ''کتاب الاخلاق'' کے دوسرے حصہ پر

اٹھا رکھا ہے - رہے دلائل سو اس بارے میں بکثرت اعاظم علمائے اسلام نے مستقل طور پر تالیفات کی ہیں اور ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں - تاہم اس میں شک نہیں کہ ایک ایسی تالیف کی ضرورت ہے جس میں فقہا کے اختلافات اور ان میں سے ہر ایک کے نقطہ ہائے نظر کی تفصیل آسان عبارت میں اور اس ترتیب سے بتائی جائے کہ (ان کا مطلب) آسانی سے سمجھ میں آ جائے - اسی مقصد کے پیش نظر میں نے ایک ایسی ہی تالیف کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ہوں - اس تالیف سے ہمہ جہتی فوائد تکمیل کو پہنچ جائیں گے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ائمۂ اسلام نے شریعت سمحہ کو کما حقہ سمجھا ہے - شرعی مسائل کے مفتشین جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے تمام احکام مصالح انسانی کے عین مطابق ہیں اور شرع اسلام اور اس کے حیرت انگیز نکات میں سے کوئی بات ایسی نہیں رہ گئی جس کا اشارہ نہ کیا گیا ہو - اور یہ احکام ہر مقام اور ہر عہد کے مناسب حال اور جاودانی ہیں جو ہر ظرف و زمان کے مطابق ہیں کیونکہ یہ خدائے دانا و حکیم کی طرف سے آئے ہیں -

توضیح

اس کتاب میں ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کو ائمۂ فقہا کے نزدیک ترجیح حاصل ہے۔ ایسے امور جن کو قابل ترجیح نہیں جانا گیا اکثر صورتوں میں اُن کی طرف توجہ نہیں دلائی گئی، تاہم جہاں مفید تھا اُن کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحظر و الاباحۃ

حلال اور حرام اشیا کا بیان

ایسے تمام پرندوں کا گوشت حرام ہے[1] جو پنجوں سے شکار کرتے ہوں، مثلاً شکرا، باز، شاہین، گدھ اور عقاب وغیرہ۔ بخلاف ایسے پرندوں کے جن کے پنجے تو ہیں لیکن ان سے شکار نہیں کرتے جیسے کبوتر، لہٰذا وہ حلال ہے۔

وہ تمام درندہ جانور جو کچلیوں سے دوسروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں[2] جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، ہاتھی، بندر، تیندوا، اور گیدڑ* جسے ابن اوے کہا جاتا ہے، اور بلی گھریلو ہو یا جنگلی۔ پس اس میں وہ کچلی کے دانت والے جانور داخل نہیں ہیں جن کے یہ دانت تو ہوں لیکن ان سے دوسروں پر حملہ نہ کرتے ہوں جیسے اونٹ کہ وہ حلال ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر ایسے جانور کا گوشت حلال ہے جو پاک ہو کسی کو نقصان نہ پہنچاتا ہو اور کسی دوسرے کا اس پر حق نہ ہو۔ لہٰذا ان کے نزدیک پنجہ دار شکاری پرندوں مثلاً باز اور گدھ وغیرہ کا گوشت حلال ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جھپٹنے والے درندے مثلاً شیر، چیتا وغیرہ (جن کا اوپر ذکر ہوا) حلال ہیں۔ البتہ بندر کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ حرام ہے اور دوسرے یہ کہ وہ مکروہ ہے۔ یہ قول زیادہ معتبر ہے۔

ان کے نزدیک بندر اور بن مانس کا ایک ہی حکم ہے۔

---

* اصل میں لفظ 'نمس' ہے جس کے معنی 'نیولا' کے ہیں۔ لیکن مؤلف کتاب نے اس کے معنی ابن اوے بتائے ہیں۔ عربی زبان میں ابن اوے گیدڑ کی کنیت ہے۔ (مصباح اللغات تحت لفظ اوی) نیازمند مترجم نے اسی معنی کو ترجیح دیا ہے۔

پرندوں میں ہد ہد[۱]، دریائی بھجنگا (ایک سیاہ رنگ کا مشہور پرندہ)، لٹورا (ایک بڑے سر والا پرندہ جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے۔ اس کی مخصوص غذا گوشت ہے)، آلو، چمگادڑ، جنگلی ابابیل، رخم (گدھ کی ایک قسم) عقعق[۲] (کوے کی قسم کا ایک چتکبرا پرندہ Magpie) اہل عرب اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور ابقع*(جنگلی کوا) کہ یہ بھی ایک چتکبرا کوا ہے جو مردار کے سوا کچھ نہیں کھاتا، یہ سب حرام ہیں۔ البتہ کھیت کا کوا حلال ہے۔ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے اور چونچ اور پاؤں سرخ ہوتے ہیں۔ غداف (زاغ کوہی) یہ بھی گدھ کی قسم کا ایک گھنیرے پروں والا پرندہ ہے؛ اس کو غراب القیظ* کہتے ہیں کیوں کہ یہ موسم گرما میں آتا ہے۔

چوپائے جانوروں میں سے پالتو گدھا[۳] حرام ہے۔ برخلاف جنگلی گدھے کے کہ وہ حلال ہے۔ اسی طرح وہ خچر بھی حرام ہے جس نے گدھی کا دودھ پیا ہو، لیکن وہ خچر جس کی ماں گائے ہو یا جس کا باپ جنگلی گدھا اور ماں گھوڑی ہو

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ہدہد کا گوشت حلال ہے لیکن مکروہ ہے۔ اسی طرح خطاف (دریائی بھجنگا) اور رخم اور تمام پرندے حلال ہیں، ماسوا وطواط (جنگلی ابابیل) کے جو مکروہ ہے اور کچھ لوگ اسے حرام سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں اقوال مشہور ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خطاف اور آلو کا گوشت حلال ہے اور لٹورا اور ہدہد مکروہ ہیں۔ خفاش کے بارے میں دو رائیں ہیں: مکروہ اور حرام۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقعق صرف مکروہ ہے (حرام نہیں)، کیوں کہ وہ دانہ بھی کھاتا ہے اور مردار بھی۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ کوا خواہ کسی قسم کا ہو سب حلال ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پالتو گدھے، گھوڑے اور خچر کے باب میں دو رائیں ہیں: عام رائے یہ ہے کہ وہ حرام ہیں۔ دوسری یہ کہ خچر اور گدھا مکروہ ہیں اور گھوڑے کا گوشت کراہت کے ساتھ روا ہے۔

---

* ہدایہ حاشیہ لفظ ابقع

* قیظ: سخت گرمی کا موسم

حلال ہے ، کیوں کہ وہ حلال جانوروں کا بچہ ہے - اسی طرح نیولا (یا راسو)[۱] حرام ہے - اور منجملہ حلال جانوروں کے یہ ہیں : گھوڑا[۲] ، زرافہ[۳] (شترگاؤپلنگ) ہرن اور نیل گائے کی تمام قسمیں -

سیہ[۴] (چھوٹی قسم کی ہو یا بڑی قسم کی) ، خرگوش ، یربوع (موش صحرائی)[۵] (جسے بالعموم جربوع کہتے ہیں) یہ ایک چوہے کی طرح کا چھوٹا سا جانور ہے جس کی دم اور کان نسبتاً زیادہ لمبے ہوتے ہیں اور زرافہ کے برعکس اس کے پچھلے پاؤں بھی اگلوں کی نسبت لمبے ہوتے ہیں ، گوہ[٦] ، بجو[۷] ، لومڑی[۸] ، سمور ، سنجاب[۹] (یہ ترکی لومڑیوں کی طرح کے جانور ہیں) اور فنک (یہ بھی لومڑی جیسا ایک جانور ہے جس کی کھال سے عورتیں سربند بناتی ہیں کیوں کہ وہ نہایت نرم ہوتا ہے) اور پرندوں میں سے ہمہ اقسام کے چڑے ، بٹیر ، چنڈول ، زرزور (چکور جیسا ایک پرندہ) بھٹ تیتر ، چکور ، بلبل ، طوطا[۱۰] ، شتر مرغ ، مور[۱۱] ، سارس

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ راسو کا گوشت حلال ہے -

۲ - حنفیہ کہتے ہیں کہ قول مفتیٰ بہ کے مطابق گھوڑا مکروہ تنزیہی ہے -

۳ - شافعیہ کہتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ زرافہ کا گوشت حرام ہے -

۴ - حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سیہ حرام ہے ، چھوٹی بھی بڑی بھی -

۵ - حنفیہ کہتے ہیں کہ جربوع حرام ہے -

٦ - حنفیہ کہتے ہیں کہ گوہ حرام ہے کیوں کہ اس کا شمار خبائث میں ہے - اور اس کے حلال ہونے کے بارے میں جو روایت ہے اس کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ اس آیت ''ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث'' کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے -

۷ - حنفیہ کہتے ہیں کہ بجو حرام ہے کیوں کہ اس کے منہ میں کچلی کے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ شکار کرتا ہے -

۸ - حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ لومڑی حرام ہے -

۹ - حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سنجاب، سمور اور فنک (بفتحتین) حرام ہیں -

۱۰ - شافعیہ کے نزدیک طوطے کا گوشت حلال نہیں ہے -

۱۱ - شافعیہ کہتے ہیں مور حلال نہیں ہے -

بطخ ، مرغابی وغیرہ دوسرے مشہور پرندے اور ٹڈی[1] حلال ہیں - پھل اور پنیر کو کیڑے سمیت کھانا حلال ہے -

ہڈی کے گودے کا بھی یہی حکم ہے - اسی طرح لوبیا اور گندم جس میں سرسری پڑ گئی ہو اس کو نکالے بغیر کھانا جائز ہے - اس باب میں مختلف مسائل تفصیل طلب ہیں -[2] اور حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑوں) کا کھانا حرام

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ ٹڈی اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ اسے ذبح نہ کیا جائے ، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایسے جانوروں کا ذبح کرنا یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنے کی نیت سے مارا جائے - لہٰذا مردار ٹڈی ہاتھ لگے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے -

۲ - حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے کیڑے حلال ہیں بشرطیکہ ان میں جان نہ پڑی ہو ؛ اگر جان پڑ گئی ہو تو ان کا کھانا جائز نہیں ہے ، زندہ ہوں یا مردہ اور پھل کے ساتھ کھائیں یا الگ کر کے - سرسری وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ پنیر اور میووں کے کیڑے جو اسی میں سے پیدا ہوئے ہوں تو ان اشیا کا کیڑوں سمیت کھا لینا جائز ہے - برخلاف اس کے شہد کی مکھی، جب شہد کے ساتھ خلط ملط ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ بالکل ریزہ ریزہ ہو کر شہد کے ساتھ گھل مل جائے - جہاں تک اس کے کھانے کے جواز کا تعلق ہے اس کے زندہ رہنے یا مر جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ، اور نہ اس بات سے کہ شہد میں اس کی تمیز ممکن ہے یا نہیں - البتہ اس صورت میں جب کہ وہ مکھی باہر نکل گئی ہو یا کسی نے اسے نکال دیا ہو اور پھر باوجود اس امکان کے کہ اسے اس میں نہ پڑنے دیا جاتا وہ آن پڑی تب اس کا کھانا جائز نہیں ، جیسا کہ یوں بھی اس کا کھانا بہرحال ناجائز ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ کیڑوں اور سرسریوں کا کھانا تبعاً (کیڑے لگی ہوئی اشیا کے ساتھ) جائز ہے، لہٰذا کیڑوں کے ساتھ میوہ کھا لینا حلال ہے - اور یہی حکم دہی اور سرکہ کا بھی ہے - البتہ کیڑوں اور سرسریوں کو پھلوں سے نکال کر علیحدہ کھانا جائز نہیں ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کھانے کی چیز میں کیڑے پڑ جائیں تو وہ بھی پھل اور ہڈی کے مغز کے کیڑوں کی طرح ہیں؛ مطلقاً بغیر کسی تفصیل کے کھائے ←

ہے[1] جیسے بچھو ، سانپ ، چوہا ، مینڈک اور چیونٹی وغیرہ -

کچھوا حرام ہے[2] خشکی کا ہو یا دریائی کچھوا ہو جو ترسہ کے نام سے

← جا سکتے ہیں خواہ زندہ ہوں یا مردہ - اور اگر کیڑے اس میں آپ پیدا نہیں ہوئے اور ان میں جان ہے تو ان کا مارنا ذبح کرنے کی نیت سے ضروری ہونا چاہیے - لیکن اگر مرگئے ہوں اور ان کی تمیز ہو سکتی ہے تو ان کو کھانے کی اشیا میں سے نکال دینا چاہیے - تمیز نہ ہو سکے تو وہ کھانے کی چیز کھائی جا سکتی ہے ، بشرطیکہ اس کی مقدار زیادہ ہو - اگر کھانا اور کیڑے برابر ہوں یا کیڑے کی مقدار زیادہ ہو تو کھانا جائز نہیں - اگر زیادتی کے بارے میں شک ہو تب بھی کھا سکتے ہیں کیوں کہ محض شک کی بنا پر کھانے کو پھینکا نہیں جا سکتا - یاد رہے کہ یہ تمام مسائل اسی صورت میں ہیں کہ نقصان دہ نہ ہو اور طبیعت گوارا کر لے ؛ بصورت دیگر ایسی غذا کھانا جائز نہیں ہے ، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا -

---

۱ - مالکیہ کے نزدیک اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ ہر نقصان دہ چیز حرام ہے لہٰذا مضرت رساں حشرات کا کھانا ایک قول کے مطابق جائز نہیں ہے - ہاں اگر کوئی قوم اس کی عادی ہو جائے اور ان کو یہ اشیا نقصان نہ دیتی ہوں اور ان کی طبائع گوارا کر لیں تو بموجب قول مشہور حرام نہیں ہے - پس اگر یہ ممکن ہو کہ مثلاً سانپ کے جسم کا کچھ حصہ سر اور دم کی جانب سے کاٹ دیا جائے اور زہر کا اثر باقی نہ رہے اور طبیعت اسے کھانا گوارا کرے اور اس سے ضرر نہ ہوتا ہو تو اسے کھانا حلال ہے - دوسرے حشرات الارض کا بھی یہی حکم ہے - بعض مالکیہ سے یہ منقول ہے کہ تمام حشرات الارض یک قلم حرام ہیں کیوں کہ یہ سب نجس ہیں اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے -

اور ان کا حلال ہونا جو مشہور ہے تو یاد رہے کہ یہ حلال نہ ہوں گے جب تک کہ تذکیہ (ذبح) نہ کیا جائے اور ان کا ذبح کرنا یہ ہے کہ ان کو ہلاک کرنے والا کوئی عمل (قصداً) کیا جائے ، خواہ جلا کر یا گرم پانی ڈال کر یا دانتوں وغیرہ سے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے -

۲ - حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ دریائی کچھوا (ترسہ) ذبح کرنے کے بعد حلال ہے - رہا برّی کچھوا سو اسے حرام قرار دینے کو ترجیح دی گئی ہے -

مشہور ہے - یہ خشکی میں بھی رہتا ہے اور تری میں بھی -

سور اور کتا[1] اور مردار جانور جو شریعت کے مطابق ذبح کیے بغیر مرجائے حرام ہے - خون(جگر اور تلی کے علاوہ) حرام ہے اور منخنقہ (گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور) موقوذہ (کسی آلے سے ہلاک کیا ہوا)، متردیہ (بلندی سے گر کر مر جانے والا) اور نطیحہ (جسے کسی اور جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو)، سوا اس کے کہ مرنے سے پہلے انھیں ذبح کرلیا جائے - اندریں باب مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں -[2]

---

۱ - کتے کے بارے میں مالکیہ کی دو رائیں ہیں : ایک قول کے مطابق وہ مکروہ ہے اور دوسرے قول کے بموجب وہ حرام ہے - اور یہی قول مشہور ہے - اور اس کا کھانا تو کسی نے حلال نہیں بتایا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ امام مالکؒ نے اسے حلال بتایا ہے تو اس کو سزا ملنی چاہیے -

۲ - مالکیہ کہتے ہیں کہ منخنقہ اور موقوذہ اور اس جیسے دوسرے جانوروں کا ذبح کرنے سے حلال ہونا اس حالت میں ہے جب کہ جانور اس حال میں نہ پہنچ گیا ہو کہ اس کا زندہ بچ جانا ممکن ہی نہ رہا ہو - اس کی صورت یہ ہے کہ گلے کی گھٹن یا زخم نے اسے ہلاکت کے بالکل قریب کر دیا ہو، مثلاً یہ کہ حرام مغز جو پیٹھ یا گردن کی ہڈیوں کا گودا ہوتا ہے وہ کٹ گیا ہو - لہٰذا اگر محض ہڈی ٹوٹی ہے اور حرام مغز نہیں کٹا تو ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا، اس واسطے کہ ممکن ہے وہ زندہ رہ جاتا - اسی طرح اگر سر کا مغز بکھر گیا کہ اس کا کسی قدر گودا یا کھوپڑی کا اندرونی مادہ باہر نکل پڑا ، اس حالت میں اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہتی ؛ اسی طرح وہ کیفیت کہ پیٹ کی انتڑی یا آلائش مثلاً جگر ، دل ، تلی وغیرہ باہر نکل پڑے کہ اس کا پھر اپنی جگہ پر لگانا ممکن نہ ہو ، یا کوئی آنت باہر آ پڑی ہو یا کٹ گئی ہو ، یہ تمام صورتیں مر جانے کے برابر ہیں ، اگرچہ ہنوز جانور میں جنبش باقی ہو ، اب ذبح کرنا بے سود ہے -

ایسے جانوروں کے علاوہ اور دوسرے حلال جانور جن کو ذبح کرنا ہے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ جانور مریض ہے یا صحت مند - اگر مرض ایسا ہے کہ اچھا ہونے کی امید نہیں ہے تو اس کا ذبیحہ درست ہونے کی دو شرطیں ہیں :

اول یہ کہ اس جانور کو جو تکلیف ہے اس سے ایسا عضو متاثر نہ ہو جو←

ہر ایسی چیز جو انسان کے بدن یا اس کی عقل کے لیے نقصان دہ ہو اس کا باہمی لین دین حرام ہے ۔ مثلاً افیون ، بھنگ ، کوکین ، اور ایسی ہی تمام اشیا جو نشہ آور ، نقصان دہ یا زہریلی ہوں ۔

← مدار حیات ہے مثلاً یہ کہ دماغ کا گودا منتشر ہو گیا ہو یا حرام مغز کٹ گیا ہو وغیرہ ، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ۔ دوسرے یہ کہ ذبح کے بعد اس میں تڑپن ہو یا خون کی تیز دھار بہنے لگے ۔ اور بہرحال اس کا کھانا حلال تبھی ہو گا کہ نقصان دہ نہ ہو ۔ لیکن اگر جانور صحتمند ہے تو اس کا ذبیحہ جائز ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ خون کی تیز دھار بہنے لگے ، بلکہ خون کا صرف نکلنا اور تڑپنا کافی ہے ، یعنی پاؤں کا کھنچنا اور سکڑنا ۔ اگر صرف کھنچنا ہو یا محض سکڑنا ہو تو یہ کافی نہ ہوگا ۔ اسی طرح آنکھ کی محض تھرتھراہٹ یا اس کا کھل جانا یا بند ہو جانا وغیرہ کافی نہیں ہے ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ منخنقہ اور ایسے ہی دوسرے جانوروں میں ذبح کے وقت اگر زندگی باقی ہو ، خواہ تھوڑی ہی باقی ہو ، تو ان کا گوشت حلال ہے ۔ کسی مریض بکری کو ذبح کرنے کی صورت میں دو باتیں ہیں : یا تو یقین ہوگا کہ ذبح کرنے سے پہلے وہ زندہ تھی یا نہ ہو گا ۔ اگر یقین ہو کہ زندہ تھی تو قطعاً حلال ہے ، اگرچہ ذبح کے وقت نہ اس میں جنبش ہوئی ہو اور نہ خون بہا ہو ۔ اور اگر ذبح کے وقت اس کی زندگی کا یقین نہ تھا تو دیکھنا چاہیے کہ اس ذبیحہ میں جنبش ہوئی یا خون نکلا ؟ اگر حرکت نہیں ہوئی اور نہ خون بہا لیکن اس نے منہ کھول دیا تو اس کا گوشت نہ کھانا چاہیے ، اور اگر اس نے منہ بند کر لیا تو کھا سکتے ہیں ۔ اسی طرح آنکھ کھول دے تو نہ کھایا جائے اور بند کرلے تو کھایا جائے ، اور پاؤں پھیلا دے تو نہ کھائیں سکیڑ لے تو کھائیں ۔ بال جھکے رہیں تو نہ کھایا جائے کھڑے ہو جائیں تو کھایا جائے ۔ تاہم کھانا اسی حالت میں چاہیے کہ نقصان دہ نہ ہو ورنہ بہرحال حرام ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جانور کے حلال ہونے کی شرط صرف یہ ہے کہ ذبح کے وقت گمان غالب یہی ہو کہ اس میں زندگی باقی ہے ۔ اندریں باب ان کے مسلک کی تفصیل جلد اول میں شروط ذکواۃ کے تحت بہ ضمن شرط سوم بیان ہوچکی ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ گلا گھونٹا ہوا یا اس جیسا کوئی اور جانور جس میں ←

دریائی جانور جو پانی میں رہتے ہیں حلال ہیں[1] اگرچہ ان کی شکل مچھلی جیسی نہ ہو بلکہ سور یا آدمی کی سی ہو - چنانچہ بام مچھلی[2] حلال ہے جس کی شکل سانپ جیسی ہوتی ہے - غرض تمام اقسام کی مچھلیاں سوائے مگرمچھ کے حلال ہیں -

ایسے جانور کا گوشت جو غلاظت کھانے لگا ہو جسے جلالہ* کہتے ہیں ، حلال ہے[3] ؛ لیکن اگر اس میں سے غلاظت کی بدبو آنے لگے یا اس کے گوشت کا مزہ

← جان باقی ہو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے ، اگرچہ اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کے زندہ نہ رہنے کا یقین ہو گیا ہو - شرط یہ ہے کہ اس کے ہاتھ ، پاؤں یا آنکھ میں جنبش ہوئی ہو یا اس کی دم ہلی ہو خواہ ہلکی سی جنبش ہو ، لیکن یہ حرکت اس کے علاوہ ہو جو ذبح کیے ہوئے جانور میں ہوتی ہے - اگر وہ جنبش ذبح کیے جانور کی جنبش کے مشابہ ہو تو اس کا ذبح کرنا بیکار ہے - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ گردن کٹ گئی ہو یا پیٹ کے اندر کی آلائش جگر ، تلی وغیرہ نکل پڑی ہو، کیوں کہ اس حالت میں وہ جانور مردار کے حکم میں ہے -

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے دریائی جانور جو مچھلی سے مشابہ نہ ہوں حلال نہیں ہیں - چنانچہ دریائی انسان ، دریائی سور اور دریائی گھوڑا اور اسی جیسے جانور حرام ہیں - البتہ جریث یا مار ماہی (جو سانپ کی ہمشکل ایک مچھلی ہے) حلال ہے - پس مچھلی کی تمام اقسام بجز 'طافی' کے حلال ہیں - طافی وہ مچھلی ہے جو پانی میں طبعی موت مر کر پلٹ گئی ہو کہ پیٹ اوپر اور پیٹھ نیچے ہو جائے - اس کا کھانا جائز نہیں ہے -

۲ - مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام دریائی جانور حلال ہیں اور کبھی کسی کو ان میں سے مستثنیٰ نہیں سمجھتے -

۳ - حنابلہ کہتے ہیں کہ جلالہ یعنی وہ گائے جو زیادہ تر غلاظت کھاتی ہو حلال نہیں ہے - اس کا دودھ بھی حرام ہے اور اس کا پسینہ ناپاک ہوتا ہے ، اس لیے اس پر سوار ہونا مکروہ ہے - لازم ہے کہ تین رات، تین دن اسے باندھ کر رکھا جائے اور پاک غذا کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہ دی جائے تب وہ حلال ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ ایسے نجاست خور جانور کا گوشت مباح ہے لیکن اس کا دودھ مکروہ ہے -

---

* لغت میں جلالہ اس گائے کو کہتے ہیں جو غلاظت کھانے لگے -

اس نجاست کے باعث بدل جائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے - اس کے دودھ اور انڈے کا بھی یہی حکم ہے - مسنون طریقہ یہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے اسے باندھ کر رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی بدبو جاتی رہے - کراہت کے دور کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ایسا اونٹ ہو تو اسے چالیس روز تک باندھ کر رکھیں اور چارہ دیتے رہیں؛ اور گائے بیل ہے تو تیس روز تک؛ بکری ہے تو سات دن تک اور مرغی ہے تو تین دن تک ایسا ہی عمل کریں - اونٹ کے متعلق اس کا حکم حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے اور اونٹ کے علاوہ دوسرے جانوروں کے متعلق دوسری روایت میں ہے -

پینے کی کون سی اشیاء حلال ہیں اور کون سی حرام ؟

شریعت اسلامیہ کی رو سے شراب کا پینا سخت حرام ہے - کبیرہ گناہوں میں یہ سب سے بڑا اور سخت ترین جرم ہے ، کیونکہ اس میں بہت سے اخلاقی ، جسمانی اور اجتماعی نقصانات ہیں ، اور اس کا حرام ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع امت سے ثابت ہے -

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''یا ایھاالذین آمنوا انماالخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون - انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلواۃ فھل انتم منتھون'' -

اس آیت شریفہ میں شراب کے حرام ہونے کی دس دلیلیں ہیں : اول یہ کہ اس عمل (شراب نوشی) کو جوا ، بتوں کے تھان ، اور پاسوں کے تیر کے ساتھ ملایا گیا ہے ، لہٰذا یہ بھی اسی طرح کی حرام شے ہوئی - دوسرے یہ کہ اس کو 'رجس' فرمایا اور رجس کے معنے حرام کے ہیں - تیسرے یہ کہ اس کو اعمال شیطانی میں شمار کیا گیا - چوتھے یہ کہ اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا - پانچویں یہ کہ نجات کو اس کے ترک پر منحصر رکھا - چھٹے یہ کہ شیطان چاہتا ہے کہ اس کو باہمی عداوت کا سبب بنائے - ساتویں یہ کہ شیطان اسے کینہ کا ذریعہ

بنانا چاہتا ہے - آٹھویں یہ کہ اس کی وجہ سے اللہ کی یاد سے باز رکھنا چاہتا ہے - نویں یہ کہ نماز سے روک دینا چاہتا ہے - اوردسویں بطریق استفہام تاکیدی ممانعت یہ فرما کر کی گئی ہے کہ فھل انتم منتھون ؟ (کہ اب تو باز آ جاؤ گے نا ؟) یہ طرز خطاب ایک اعلان تہدید ہے -

رہی سنت سو وہ ایسی احادیث سے بھری پڑی ہے جس میں شراب نوشی کو حرام فرمایا اور اس کے پاس تک پھٹکنے کی ممانعت کی - اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے :

''لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولایسرق السارق حین یسرق وھو مومن ولا یشرب الخمرحین یشربھا وھو مومن''-

یعنی بدکاری کرنے والا بدکاری کے وقت مومن نہیں رہتا ، اور چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا ، اور (شرابی) شراب پینے کے وقت مومن نہیں رہتا) -

(اجماع کے متعلق یہ ہے) کہ تمام مسلمان اور ائمۃ المسلمین اس امر پر متفق ہیں کہ شراب حرام ہے اور اس کا پینا بدترین گناہوں ، اور شدید ترین جرائم میں سے ہے-

خمر کے معنے وہ شے جو عقل پر پردہ ڈال دے ، یعنی اسے خبط کردے ، مدہوش بنادے اور کھو دے - پس ہر وہ شے جو عقل کھونے والی ہو وہ 'خمر' ہے ، خواہ وہ انگور سے آگ پر جوش دے کر بنائی جائے ، خواہ کھجور ، شہد ، گندم ، یا جو سے ، خواہ دودھ ، اشیائے خوردنی یا کسی اور چیز سے تیار کی جائے ، یہاں تک کہ نشہ آور ہو جائے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ ہر وہ شے جو زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے ، خواہ نشہ نہ لائے - حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ : ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنی جو شے زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے - (ابوداؤد - ترمذی ابن ماجہ اور بیہقی -)

انگور سے تیار کی ہوئی جو اشیاء نشہ آور ہیں ان کی چند قسمیں ہیں :

پہلی قسم 'خمر' ہے (یعنی مے) جو شیرۂ انگور کا خمیر اٹھا کر اور خوب جوش دے کر بنائی جاتی ہے اور پختگی پر آ کر نشہ آور ہوتی ہے-

دوسری قسم باذق (بادہ) ہے کہ شیرۂ انگور کو اس قدر جوش دیا جائے کہ تقریباً دو تہائی تحلیل ہو جائے اور تیار ہونے کے بعد نشہ آور ہو -

تیسری قسم منصف (دو آتشہ) ہے کہ انگور کو اتنا پکایا جائے کہ آدھا

تحلیل ہو جائے اور تیار ہو کر نشہ آور ہو -

چوتھی قسم مثلث (سہ آتشہ) ہے کہ انگور کو اتنا جوش دیا جائے کہ دو تہائی حصہ تحلیل ہو جائے اور تیار ہو کر زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو اور قلیل مقدار میں نہ ہو - اسی طرح کھجور سے تیار کی ہوئی شراب کی بھی کئی قسمیں ہیں -

اول سکر (بفتحتین - شراب خرما) وہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں یہاں تک کہ اس کی شیرینی جاتی رہے اور تندی آ جائے اور جوش دیے بغیر نشہ آور ہو جائے -

دوسری فضیخ (شراب خرمائے خشک) (بضاد و خاے معجمہ و یائے ساکن) یہ ہے کہ سوکھی کھجوروں کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں یہاں تک کہ اس کی مٹھاس جاتی رہے اور وہ تند اور نشہ آور ہو جائے -

تیسری قسم نبیذالتمر (عصادۂ خرما) ہے کہ اس کو کسی قدر جوش دے کر تیار کی جاتی ہے ؛ زیادہ مقدار میں نشہ آور ہوتی ہے ، تھوڑی مقدار میں نہیں ہوتی - یہ تمام اقسام حرام ہیں ، زیادہ ہوں یا کم ، خواہ ایک ہی قطرہ ہو -

یہی حکم خشک انگور (کشمش منقیٰ وغیرہ) کا ہے اگر اس کو جوش دیا جائے اور وہ تند اور نشہ آور ہو جائے - اسی طرح اگر انگور اور کھجور کے مرکب مشروب میں جسے الخشاف* (یعنی آبشورہ) کہتے ہیں ، تندی پیدا ہو اور نشہآور ہو جائے ، یا شہد ، زیتون اور جو وغیرہ سے تیار شدہ شراب یہ سب حرام ہیں - ان کی تھوڑی مقدار[1] کا حکم بھی وہی ہے جو کثیر مقدار کا ہے -

---

۱ - حنفیہ میں سے بعض لوگ جو بیر (Beer) وغیرہ پیتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر تھوڑی مقدار میں ہو تو حلال ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تھوڑی ہو یا بہت، مسلک حنفیہ میں بھی اسی طرح حرام ہے جیسا کہ دوسرے مسالک کے قول مفتیٰ بہ میں - بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو بالاتفاق حرام ہے - اختلاف صرف تین صورتوں میں ہے : اول مثلث کہ انگور کو اس قدر جوش دیا جائے کہ اس کا دوتہائی حصہ تحلیل ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہے - یہ زیادہ مقدار میں ہو تو نشہ لاتا ←

---

*ایک مشروب جو انگوروں کو پانی میں مسل کر تیار کیا جاتا ہے (منجد) -

شراب ہر مکلف عاقل (جس پر شریعت کے احکام عائد ہوتے ہیں) پر حرام ہے؛ مجبور اور ناچار پر نہیں ہے - اور جس طرح شراب کا پینا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ''ان الذی حرم شربہا حرم بیعہا'' (یعنی جس ذات پاک نے اس کا پینا حرام کیا ہے اسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کردی ہے) اور ایک دوسری روایت حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے متعلق دس اشخاص پر لعنت کی ہے : (۱) اس کا نچوڑنے والا (۲) نچڑوانے والا - (۳) پینے والا - (۴) اٹھا کر لانے والا - (۵) اور جس کے لیے اٹھائی جائے - (۶) اس کا پلانے والا - (۷) بیچنے والا - (۸) اس کی قیمت کھانے والا - (۹) اس کا خریدنے والا - (۱۰) اور وہ جس کے لیے خریدی جائے - (ابن ماجہ و ترمذی)

←ہے تھوڑی مقدار میں نہیں لاتا - اس کو طل* (شراب شیریں) کہتے ہیں - دوم نبیذ تمر (شیرۂ خرما) جو تھوڑا سا جوش دے کر تیار کی جاتی ہے - یہ بھی زیادہ مقدار میں نشہ آور ہوتی ہے ، تھوڑی مقدار میں نہیں ہوتی - تیسری وہ جو جَو یا گندم وغیرہ سے تیار کی جائے ؛ اگر مقدار زیادہ ہو تو نشہ لاتی ہے ، کم مقدار نشہ آور نہیں ہے - پس ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ تو کہتے ہیں کہ ایسی شراب اگر زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو حرام ہے تھوڑی مقدار میں نہیں ہے - اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ تھوڑی ہو یا بہت دوسری شرابوں کی طرح یہ بھی حرام ہے - یہی رائے امام محمدؒ کے ساتھ باقی تین اماموں کی بھی ہے ، لہٰذا یہی صحیح ہے اور تمام مسالک میں اسی پر فتویٰ ہے - اور حنفیہ کا مسلک اس باب میں وہی ہے جو امام محمدؒ کا ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ قلیل مقدار جس سے نشہ نہ ہو اور صرف دل بہلانے یا غم غلط کرنے کے لیے استعمال کی جائے ،جسم ضعیف کی تقویت کے لیے نہیں ، جیسا کہ اس کے پینے والے کرتے ہیں ، یہ ایک ہی قطرہ ہو تب بھی اسی طرح حرام ہے جیسا کہ زیادہ مقدار -

غرض تمام ائمۂ دین اور جمہور مسلمین کے نزدیک تمام قسم کی شراب بشمول بیر (Beer) حرام ہے ، تھوڑی ہو یا زیادہ -

---

*لغت میں یہ لفظ طلہ ہے جس کے معنے میٹھی شراب کے ہیں (الفرائد الدریہ)

علی ہٰذاالقیاس شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرنا بقول معتمد حرام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا کہ ''شراب دوا ہے'' ارشاد فرمایا ''لیست بدواء انماھی داء'' ۔ مسلم (یعنی یہ دوا نہیں یہ مرض ہے) نیز حضورؐ نے فرمایا ''ان اللہ عزوجل انزل الداء و الدواء وجعل لکل داء دواء ولاتتد او وابحرام'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے مرض اور علاج نازل فرمایا ۔ ہر مرض کی دوا پیدا کی ، اور حرام چیز کے ساتھ دوا مت کیا کرو) ۔[1]

اب رہی مشروبات کی وہ صورت جس کا پینا حلال ہے ، اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں[2] اور منجملہ اُن امور کے جو اس سلسلہ میں جائز ہیں رس نچوڑنا

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ شراب کا استعمال بطور دوا کے حرام ہے جب کہ وہ خالص ہو اور اس میں کوئی چیز جو اُس کی خاصیت کو ختم کردے مثلاً تریاق کبیر وغیرہ شامل نہ کی جائے ۔ یہی حکم اُس صورت میں ہے جب کہ وہ خالص ہو لیکن اتنی تھوڑی ہو کہ نشہ نہ لائے ۔ اس کا استعمال اسی صورت میں جائز ہوگا کہ دوسری دواؤں پر اُس کو ترجیح ہو، اور صرف وہی ایک علاج ہو اور کوئی پاکیزہ شے جو اُس کا بدل ہوسکے دستیاب نہ ہو اور اس کو کسی مسلمان حق پسند طبیب نے تجویز کیا ہو ۔ بعض دوسرے مواقع پر بھی اس کا استعمال جائز ہے ۔ مثلاً حلق میں پھندا پڑ جائے اُسے دور کرنے کے لیے کبھی اس کا استعمال واجب ہو جاتا ہے ۔ یہی حکم شراب کے سوا دوسری نجس اشیا کو بطور دوا استعمال کرنے کا ہے اور وہ جائز اُسی صورت میں ہے جب کہ اُس میں کوئی اور شے ملا دی جائے کہ وہ اس میں مل کر ختم ہو جائے ، اور کوئی دوسری پاک دوا موجود نہ ہو، بہ صورت دیگر اس کا بطور دوا استعمال حرام ہو گا ۔

۲ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ انگور کا رس تازہ نچوڑا ہوا اس سے پہلے کہ اُس میں تندی اور نشہ پیدا ہو، پینا حلال ہے ۔ اسی طرح ''فقاع'' بھی جائز ہے ۔ فقاع ایک مشروب ہے جو گندم اور کھجور سے تیار کیا جاتا ہے* ۔ یہ بھی کہا جاتا ←

---

*اہل لغت نے اس کے معنے جو کی شراب بتائے ہیں ۔ (جدید عربی ۔ اردو لغات۔ مصباح اللغات ۔ قاموس العصری ۔ عربی انجلیزی) صاحب 'المنجد' لوئیس معلوف نے جو کے علاوہ دوسرے میووں کی شراب کو بھی فقاع کا نام دیا ہے اور وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ اس میں جھاگ آتے ہیں ۔ (مترجم)

ہے تونبے (ظرف کدو) میں یا روغنی برتن میں یا کونڈی میں جو لکڑی کی ہو یا درخت کے تنہ کا ٹکڑا درمیان سے خالی کرکے بنائی جائے اور اس میں کھجور ،

← ہے کہ فقاع وہ پانی ہے جس میں خشک انگور وغیرہ کو بھگو رکھیں یہاں تک کہ وہ بالکل حل ہو جائے۔

اسی طرح 'سوبیا' مباح ہے۔ یہ چاول سے بنتا ہے۔ پانی میں اس قدر جوش دیا جائے کہ وہ بالکل گل جائے اور پھر نتھار کر اس میں شکر ملا لیں تاکہ وہ میٹھا ہو جائے۔*

اسی طرح ان اشیاء کا 'عقید' بھی مباح ہے۔ عقید یہ ہے کہ انگور کے رس کو خوب خوب جوش دیا جائے یہاں تک کہ وہ گاڑھا ہوجائے اور نشہ لانے کی خاصیت جو ابتداءً جوش دینے سے پیدا ہو جاتی ہے وہ جاتی رہے۔ اس کو الرب الصامت (گاڑھا شیرہ یا قوام) مربہ بھی کہتے ہیں۔ جوش دینے کی حد مقرر نہیں ہے (مثلاً یہ کہنا کہ دو تہائی حصہ تحلیل ہو جانا چاہیے) بلکہ پیش نظر یہ امر ہے کہ نشہ آور نہ رہے۔

بہرحال یہ تمام اشیا اسی صورت میں جائز ہیں جب کہ ان میں نشہ کا اندیشہ نہ ہو ، اگر اس کا اندیشہ ہو تو اس کا استعمال حرام ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ انگور وغیرہ کا رس اگر تین دن کا باسی نہیں ہے تو اس کا پینا جائز ہے ، گو اس عرصے میں شدت اور ابال نہ آیا ہے۔ لیکن اگر اس سے پہلے ہی اس میں جھاگ آجائیں اور ابلنے لگے تو حرام ہو جائے گا خواہ نشہ نہ بھی ہو۔ اگر حرام ہونے سے پہلے ہی اسے اتنا جوش دے لیا جائے کہ دو تہائی حصہ تحلیل ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو تو حلال ہے۔ نشہ آور ہو جائے تو خواہ تھوڑی مقدار ہو یا بہت حرام ہے ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو تہائی تحلیل ہونے کی شرط لازمی نہیں ہے بلکہ مقصد اس سے یہ ہے کہ نشہ کی خاصیت جاتی رہے۔ ←

---

*بظاہر سوبیہ سے مراد چاول کی پیچ ہے یا ایسی ہی کوئی چیز۔ لیکن سوبیہ کے معنے صاحب مصباح اللغات (عبدالحفیظ بلیادی) نے گیہوں کی شراب درج کیے ہیں۔

← 'خشاف' جس کو 'نبیذ' بھی کہتے ہیں، مباح ہے۔ خشاف یہ ہے کہ کجھور یا خشک انگور کو پانی میں بھگو دیں کہ پانی میٹھا ہو جائے۔ اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ تین دن کا پرانا نہ ہو۔ اس عرصے میں اگر ابل گیا ہو تب بھی اور نہ ابلا ہو تب بھی حلال ہے۔ تین دن کے بعد حرام ہوجائے گا خواہ اس میں نشہ نہ ہو۔ البتہ جھاگ یا ابال آنے سے پہلے اگر جوش دے لیا جائے، خواہ دو تہائی تحلیل نہ ہو اور تین دن گزر جائیں کہ وہ نشہ آور نہ رہے، جیسے پوست کا مشروب اور مربہ وغیرہ تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

اگر انگور میں نچوڑنے سے پہلے ہی تندی آ جائے اور ابلنے لگے، لیکن اس میں نشہ اور مضرت نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ حلال ہیں کہ وہ نشہ آور نہ ہوں، اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نشہ آور اشیاء کم مقدار میں ہوں یا زیادہ ان کے حرام ہونے کے متعلق امام محمدؒ کا قول قابل اعتماد ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام مشروبات جو چھوہارے یا کھجور یا جو یا چاول وغیرہ سے تیار کیے جائیں اگر ان میں نشے کا اندیشہ نہ ہو اور تندی و نشاط نہ ہو تو مباح ہیں۔ اور تندی و نشاط ہو کہ اس میں جھاگ اور پھین آ جائے تو خواہ وہ معمولی 'کشک'* ہی کیوں نہ ہو حرام ہو گا اور پینے والے کو حد ماری جائے گی اور نجس قرار پائے گی۔

---

*کشک کھٹی لسی یا دہی اور آٹے یا ستو کو ملا کر رکھ چھوڑتے ہیں اور پھر جوش دے کر مشروب بناتے ہیں۔

نیازمند مترجم کو ایسا ایک مشروب مابگر (ہند) کے علاقہ میں پینے کا اتفاق ہوا؛ اس کو رابڑی کہتے ہیں۔

میں انتباذ (شیرہ نچوڑنے) سے منع فرمایا تھا ، بعد میں اس ممانعت کو منسوخ فرمادیا ۔[1]

کون سا لباس پہننا اور استعمال کرنا حلال ہے اور کون سا حرام ؟

حرام ہے کہ کوئی شخص ایسا لباس پہنے جو مال حرام سے یا دھوکے اور بددیانتی سے یا ناجائز قبضہ کرکے حاصل کیا گیا ہو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز روزہ قبول نہ کرے گا جس نے چادر یا کرتا حرام کمائی کا پہن رکھا ہو ، جب تک اُسے ہٹا نہ دے ؛ یعنی اس چادر کو اپنے اوپر سے اتار نہ دے ۔ اسی طرح فخر و تکبر کے ارادے سے لباس پہننا حرام ہے ۔ اور اس بارے میں کہ کس قسم کا لباس حلال

---

١ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ان ظروف میں 'انتباذ' سے ممانعت منسوخ نہیں ہوئی ۔ اُن کے نزدیک اصلی بات یہ ہے کہ یہ ممانعت کراہیت کی بنا پر تھی ، لہٰذا ان ظروف میں 'انتباذ' (شیرہ کا نچوڑ رکھنا) مکروہ ہے ، خواہ ایک ہی چیز کا نچوڑ ہو یا دو اشیاء مثلاً انگور اور خرما کے مرکب کا ملا کر رکھنا ۔ ان ظروف کے علاوہ کسی اور برتن میں دو اشیاء کا انتباذ جس کو ''خلیطین'' کہتے ہیں مکروہ ہے ۔ خلیطین یہ ہے کہ مثلاً چھوہارے اور انگور کو توڑ کر ایک ساتھ کچلا اور کوٹا جائے اور پانی میں بھگو کر رکھا جائے ۔ اس کی ممانعت اُس صورت میں ہے جبکہ اُس نچوڑ کو رکھے ہوئے زیادہ عرصہ گزر جائے ؛ اگر تھوڑا عرصہ ہوا ہو کہ اُس کے نشہ آور ہو جانے کا تصور نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے ۔ یہی حکم اُس صورت میں ہے جبکہ کسی مریض کے لیے منقیٰ ، قراسیا* اور زرد آلو کو ایک برتن میں بھگو کر رکھا جائے ؛ اس میں کوئی کراہت نہ ہوگی بشرطیکہ اتنے عرصے تک نہ رہے کہ اس میں نشہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو ۔

---

*قراسیا یا قراصیہ سیاہ انگور کی مانند ایک پھل ہے ۔ لبنان میں بکثرت ہوتا ہے ۔ مصباح اللغات ، المنجد ۔ صاحب فرائدالدریہ نے اس کے معنے Cornelian cherry درج کیے ہیں ۔

ہے اور کیسا حرام ہے مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مردوں کے لیے حریر (ریشم) کا لباس حرام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جسے ابریسما کہتے ہیں۔ ابریسما، ابریشم سے جبکہ کرم پیلہ اس میں مر جاتا ہے بنتا ہے۔ دوسری قسم 'قز' ہے جو زندہ کرم پیلہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن ریشم کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ اس کا پہننا یا استعمال کرنا مردوں کو حرام ہے۔ مستثنیٰ صورتوں کا ذکر آگے آئے گا۔ مردوں کو جائز نہیں ہے کہ ریشم پر بیٹھیں یا اس سے تکیہ لگائیں، جب تک کہ درمیان میں کوئی اور چیز نہ ہو۔ مثلاً ریشم کے اوپر روئی وغیرہ کا کوئی گدا ہو تو اس پر بیٹھنا حلال ہے، خواہ یہ اس کے ساتھ جڑا ہوا نہ ہو۔ ایسے ریشمی لباس کا پہننا حلال ہے جس کا استر اونی یا سوتی ہو بشرطیکہ یہ استر ریشم کو ڈھانپ لے۔ اسی طرح اگر ریشم کا استر کسی غیر ریشمی کپڑے کے ساتھ سلا ہوا ہو تو حلال ہے۔ اس کے جائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس طرح گویا ریشم دوسرے کپڑے میں بھرا ہوا ہے اور ریشم کا بھرنا جائز ہے۔ ریشمی لباس سے گرم ہونا، اس پر نشست کرنا اور اس کا تکیہ بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کے ساتھ کسی اور کپڑے کا استر سلا ہوا ہو اور وہ درمیان میں حائل ہو تو گرم ہونے کے لیے استعمال جائز ہے۔ اور تکیہ کرنے کے لیے درمیانی کپڑا اگر سلا ہوا نہ بھی ہو تو مضایقہ نہیں۔ مردوں کے لیے اکہری ریشمی مچھردانی میں (جس میں استر نہ ہو) سونا جائز نہیں، خواہ بیوی بھی ساتھ ہو۔ اسی طرح ایسے خیمے کے اندر جانا جو ریشم کا ہو حرام ہے۔ اور اپنی بیوی کے ریشمی ملبوس میں گھسنا بھی حرام ہے البتہ اگر وہ ریشمی لباس میں ملبوس ہو تو اس سے اختلاط جائز ہے۔ ریشم پر مردوں کو لکھنا اور اس پر نقش و نگار بنانا حرام ہے۔ اسی طرح بغیر کسی مجبوری کے شادی اور آرایش کی تقریبات میں دیوار کو ریشمی کپڑوں سے ڈھانپنا حرام ہے۔ البتہ کعبے کا غلاف ریشم کا ہو سکتا ہے' لیکن سونا چاندی اس میں نہ ہو۔ نیز بقول راجح مویشی پر ریشمی جھول ڈالنا حلال نہیں ہے۔ البتہ ایک قول کے مطابق بچے اور دیوانے کو ریشمی لباس پہنانا جائز ہے۔ مرد کے لیے ریشمی رومال رکھنا اور استعمال کرنا حرام ہے؛ البتہ اگر کوئی عورت ریشمی رومال سے مرد کے بدن کو صاف کرے تو جائز ہے۔ ریشم کے استعمال کی چند ←

→ چیزیں مستثنیٰ ہیں ، مثلاً قرآن شریف کا غلاف - لیکن روپے رکھنے کی تھیلی جائز نہیں کیونکہ بموجب قول معتبر حرام ہے - قرآن شریف کا لٹکن (تسمہ) جس سے لٹکایا جائے ، چھرے اور تلوار کا ڈاب یا پرتلا ، نیز ترازو اور کنجی کی ڈور اور تسبیح کا ڈورا اور اس کا پھندنا بھی جائز ہے (بشرطیکہ اُسی ریشم کا ہو جس کا دھاگا ہے) اگر دھاگے سے جدا کوئی شے ہے تو بقول معتبر ناجائز ہو گا - مٹکے ، لوٹے اور کوزے کو ریشم سے ڈھکنا جائز ہے - لیکن مردوں کے لیے دستار کا سرپوش بنانا جائز نہیں البتہ اس طرح کا استعمال عورتوں کو جائز ہے - دوات میں ریشم کا صوف ، ریشمی ازار بند ، اور ترکی ٹوپی کا ریشمی پھندنا جائز ہے - مردوں کے لیے مجبوری یا کسی ضرورت سے ریشم کا لباس جائز ہے - چنانچہ مثلاً خارش کو روکنے اور جوں سے بچنے کے لیے یا نماز میں ستر عورت کے لیے اور لوگوں کی نظر سے ستر کو چھپانے کے لیے یا کسی ایسے ہی کام کے لیے جب کہ دوسرا لباس میسر نہ ہو اس کا استعمال جائز ہے - اسی طرح اگر خلوت میں بھی کوئی دوسرا لباس نہ ہو تو ریشم پہن لینا روا ہے ؛ اگر کوئی اور لباس دستیاب ہو تو حرام ہے - اور ایسا لباس بھی مرد کے لیے حلال ہے جس میں ریشم کے ساتھ روئی یا کتان یا اون وغیرہ ملا ہوا ہو - مگر ضروری ہے کہ ریشم برابر کا ہو یا کم ہو؛ اگر زیادہ حصہ ریشم ہوا تو ناجائز ہے - ریشم کا حاشیہ یعنی گوٹ اور بیل بھی جائز ہے بشرطیکہ بیل چار انگل سے زیادہ نہ ہو اور حاشیہ غیرمعمولی طور پر چوڑا نہ ہو- حضرت مسلمؓ سے دو ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے ریشمی حاشیہ اور بیل والے لباس کا مباح ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال فرمانا ثابت ہے - عورتوں کے لیے ریشم کا لباس اور فرش اور ہر طرح سے اُس کا استعمال جائز ہے - مجنون کے لیے بھی یہی حکم ہے - اور ''خنثیٰ مشکل''* مرد کے حکم میں ہے -

وہ کپڑا جو کل یا بیشتر زعفرانی رنگ سے رنگا ہوا ہو اُس کا پہننا حرام ہے بشرطیکہ اُس کو زعفرانی رنگ کا کہا جائے - اگر اُس پر صرف زعفرانی بوٹیاں ہوں تو وہ جائز ہے - لباس معصفر یعنی زرد لباس جس کو عصفر سے رنگا گیا ہو →

---

* خنثیٰ مشکل ایسے مخنث کو کہتے ہیں جس کی جنس متعین نہ کی جا سکے -

← اس کا پہننا مکروہ ہے - (عصفر ایک زرد رنگ کی مشہور بوٹی ہے جس سے زرد رنگ نکلتا ہے) - اس کی کراہت بھی اُسی حالت میں ہے کہ تمام کپڑا یا بیشتر حصہ اس کا زرد رنگ سے رنگا ہوا ہو ؛ برخلاف اُس صورت کے جبکہ صرف زرد رنگ کی بوٹیاں ہوں ، وہ لباس مکروہ نہیں ہے - اس کے علاوہ خواہ کوئی رنگ ہو نہ حرام ہے نہ مکروہ ہے ؛ خواہ سیاہ ہو یا سفید ہو یا پیلا ہو یا سرخ ہو یا دھاری دار ہو یا کسی اور طرح کا ہو - گندے لباس کے ساتھ یا ایسے لباس کے ساتھ جس پر معافی کی حد سے زیادہ نجاست لگی ہو نماز پڑھنا یا کوئی اور عبادت جس میں لباس کی پاکیزگی شرط ہے ، ادا کرنا حرام ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ ریشم کا استعمال بطور لباس وغیرہ کے مردوں کو حرام ہے ؛ خواہ ریشم خود استر ہو یا اس پر کوئی اور استر ہو - اسی طرح پاجامے کا ریشمی ازاربند یا تسبیح کا دھاگا ریشم سے بنانا حرام ہے - البتہ ریشمی بٹن اور ریشمی پھندنا جو کرتے اور ٹوپی کے ساتھ ہو جائز ہے - اسی طرح ریشمی کپڑے پر بیٹھنا ، اس سے ٹیک لگانا ، اس کا تکیہ بنانا اور لٹکانے کے لیے (بطور تسمہ) کام میں لانا یا دیوار پر پردہ بنانا حرام ہے - البتہ کعبے پر ریشم کا غلاف چڑھانا ناجائز نہیں ہے -

مردوں کو ایسا لباس پہننا حلال ہے جس میں ریشم کے ساتھ اون یا روئی یا کتان وغیرہ شامل ہو ؛ بشرطیکہ ریشم کا حصہ کم ہو یا برابر ہو، اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے - لیکن اس صورت میں جب کہ ریشم کا حصہ گو وزن میں زیادہ ہو مگر دوسری اشیا دیکھنے میں زیادہ معلوم ہوں تو اس کپڑے کا استعمال حلال ہو گا - اگر کپڑے کا تانا ریشم کا ہو اور بانا کسی دوسری شے کا تو مشہور قول یہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک حرام ہے - بعضوں نے اس کو جائز رکھا ہے - ریشم اور دیباج کا ایک ہی حکم ہے -

حنابلہ کے نزدیک بھی اس باب میں مخنث کے لیے وہی حکم ہے جو مردوں کے لیے ہے - اسی حکم میں بچے اور مجنون بھی شامل ہیں ؛ لہٰذا ان کو ریشم پہنانا حرام ہے - اگر ریشمی لباس نا گزیر ہو تو مرد کو پہننا مباح ہو گا - مثلاً جوں سے بچاؤ کے لیے ، یا کوئی ایسا مرض ہے جس میں ریشم کا لباس سود مند ہو -

جنگ کے دوران مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا بلا ضرورت بھی مباح ہے ←

← اور خود یا زرہ کا استر بنانا جائز ہے؛ نیز گرمی یا سردی کی شدت سے بچنے کے لیے یا دشمن کے حملے سے بچاؤ وغیرہ کے لیے ریشمی لباس حلال ہے۔ ایسا لباس جس کی گوٹ ریشم کی ہو لیکن چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو مردوں کے لیے حلال ہے۔ ریشم کا پیوند لگانا روا ہے لیکن پیوند معمولی چار انگل (جڑی ہوئی) سے زیادہ نہ ہو۔ یہی حکم (لبۃالطوق) حلقۂ گریبان کا ہے جس سے گردن نکلی ہوتی ہے۔ لبہ (گریبان) وہ حاشیہ دار حلقہ ہے جس کے درمیان میں گردن رہتی ہے۔ حلقۂ گریبان میں ریشم کی گوٹ چار انگل سے زیادہ نہ ہو تو جائز ہے۔ قرآن شریف کا ریشمی غلاف بنانا، اس کا ریشم سے سینا اور ریشمی پھندنا لگانا جائز ہے۔ جبہ اور فرش (توشک) میں ریشم کا بھرنا مباح ہے کیونکہ نہ یہ ریشمی لباس کے زمرے میں ہے نہ ریشمی بچھونے کے بلکہ ریشم اس میں ایک بھرتی کی چیز ہے اور نظر سے اوجھل رہتا ہے لہٰذا نہ اس میں فخر ہے نہ خودنمائی۔

مردوں کے لیے زعفرانی رنگ والا اور سرخ چہچہاتے رنگ (خالص سرخ رنگ) والا لباس مکروہ ہے۔ سرخی کے ساتھ اس میں کسی اور رنگ کی آمیزش ہو تو اس میں کراہت نہیں۔ استر خالص سرخ رنگ کا ہو تو مضائقہ نہیں۔ زرد رنگ کا لباس بھی مکروہ ہے۔ طیلسان* (کھلے گریبان کا ایک سبز رنگ لباس) جو ایک اوڑھنی کی مانند ہوتا ہے اور سر پر ڈال کر لٹکا لیا جاتا ہے مکروہ ہے۔ عورتوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا اور اس کا ہرگونہ استعمال جائز ہے۔ اور اسی طرح رنگین لباس خواہ کسی رنگ کا ہو بلا کراہت جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خالص ریشم جو ریشم کے کیڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے، اس کا پہننا مردوں کے لیے حرام ہے۔ لیکن اس کا بچھونا، اس پر سونا، اس کا سرہانا یعنی تکیہ (یا گل تکیہ) بنانا بقول مشہور جائز ہے۔ اسی طرح چار انگل تک چوڑا ریشمی کپڑا استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ لمبائی میں اس سے زیادہ ہو۔ لہٰذا ریشم کی گوٹ والا کپڑا جائز ہے اور ٹوپی کے اوپر ریشم کا پھندنا چار انگل سے زیادہ چوڑا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح لباس کے گرد چار انگل چوڑائی تک کا جسے حاشیہ کہہ سکتے ہیں اور کرتے کے گریبان اور قبا کے دامن میں ریشمی ←

---

* اس کو سرپیچ یا ہڈ کی طرح کا کوئی لباس کہہ سکتے ہیں۔

←اس کے ساتھ بیٹھی ہو - تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاوند کو اپنی بیوی کے گوٹ جو چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو تو جائز ہے - ریشمی دھاگے سے بنا ہوا ازاربند جس کی جالی چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو جائز ہے - ریشمی کپڑے کا ازاربند بنانا بقول صحیح کراہت کے ساتھ حلال ہے - دلائی کے اندر ریشم بھرنے میں کوئی حرج نہیں ، لیکن ریشم کا استر مکروہ ہے -

حنفیہ کے نزدیک بقول مشہور ریشم کا لباس پہننا حرام ہے خواہ لباس اور بدن کے درمیان کوئی اور کپڑا ہو، نیز ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ ریشم اگر بدن سے مس کرتا ہو تو حرام ہے ؛ درمیان میں کوئی حائل ہو تو حرام نہیں ہے - اور یہ بہت بڑی سہولت ہے -

خالص ریشم جس کو 'دیباج' کہتے ہیں ، اس کی بنی ہوئی مچھردانی جائز ہے لہٰذا اس کے اندر مرد کا سونا حلال ہے - ریشم کی ٹوپی یعنی سر کا لباس بنانا مکروہ ہے - اسی طرح ریشم کی جاکٹ یا جاکٹ پر ریشم کی کڑھائی چار انگل سے زیادہ چوڑی مکروہ ہے -

نقدی کی ریشمی تھیلی جائز ہے لیکن تعویذ کی ریشمی تھیلی وغیرہ جس کو گلے میں لٹکایا جائے ناجائز ہے -

ریشم کی بنی ہوئی جانماز پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے - اسی طرح تسبیح کا ریشمی ڈورا ، گھڑی کا ریشمی فیتہ جس سے لٹکاتے ہیں ، ترازو اور کنجی کی ڈور اور دوات کا صوف یہ سب جائز ہے -

ریشم کے اوراق پر لکھنا اور قرآن شریف کا ریشمی غلاف بنانا جائز ہے - اور بنا بر قول مشہور دروازوں اور روشندانوں پر ریشمی پردہ لٹکانا جائز ہے - اسی طرح بچے کے پلنگ یا اس کے سونے کی جگہ پر ریشمی گدیلہ بچھانا روا ہے - البتہ ریشم کا لحاف مکروہ ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ بالغ مردوں کے لیے ریشم کا استعمال حرام ہے - لیکن بچوں کو ریشم کا لباس پہنانا حلال بھی کہا جاتا ہے اور حرام بھی اور مکروہ بھی -

مالکیہ کے نزدیک ریشم کا لباس خارش ، چچڑی اور سوزش وغیرہ سے تحفظ کے لیے پہننا بھی ناجائز ہے ؛ نیز جنگ کے وقت بھی روا نہیں - اسی طرح بقول معتبر ریشم پر بیٹھنا حرام ہے ، خواہ اس کی بیوی کا ریشمی بستر ہو اور وہ بھی←

ساتھ اس کے ریشمی بچھونے پر بیٹھنا جائز ہے - ریشم کے بچھونے پر بیٹھنا حرام ہی رہے گا خواہ اس پر پلنگ پوش وغیرہ ڈال دیا جائے -

وہ لباس بھی حلال نہیں ہے جس کا استر ریشم کا ہو یا اس میں اندر ریشم بھرا گیا ہو - ریشم کی کڑھائی والا لباس بھی حلال نہیں ہے - اگر معمولی سی یعنی ایک انگل سے کم ہو تو روا ہے - اس سے زیادہ چار انگل تک مکروہ ہے - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار انگل تک جائز ہے اور چار انگل سے زیادہ چوڑا ہو تو حرام ہے - ریشمی کپڑے کا لٹکانا جو بیٹھنے کے کام نہ آئے جیسے پردہ جو دیواروں اور روشن دانوں پر لٹکایا جاتا ہے، بلا کراہت جائز ہے -

ریشم پر قرآن شریف لکھنا بلا کراہت حلال ہے -

وہ کپڑا جس کا تانا ریشم کا اور بانا روئی ، اون یا کتان (چھال) کا ہو صحیح ترین اقوال کے بموجب مکروہ ہے -

ریشمی کپڑے کا استعمال اعضائے بدن کو پونچھنے کے لیے (مثلاً ریشمی رومال) حلال ہے ، لیکن اس میں تکبر کا شائبہ نہ ہو - ریشم کا 'بشکیر' (تولیہ یا وہ کپڑا جو کھانے کے وقت زانو پر رکھ لیا جاتا ہے ، مکروہ ہے - ایسا لباس جس کا تانا ریشم کا اور بانا روئی ، کتان یا اون وغیرہ کا ہو حلال ہے- لیکن وہ کپڑا جس کا بانا ریشم کا اور تانا روئی (وغیرہ) کا ہو تو وہ صرف جنگ کے وقت حلال ہے - اور وہ کپڑا جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم کے ہوں وہ بھی جنگ کے وقت حلال ہے لیکن اس کے ساتھ نماز نہ پڑھنا چاہیے ؛ سوا اس صورت کے جب کہ دشمن کے حملہ کر دینے کا اندیشہ ہو - جنگ کی حالت میں ریشم کا لباس حلال ہونے کے لیے دو باتیں ہونی چاہئیں: ایک تو یہ کہ وہ کپڑا غف ہو کر ہتھیار کی ضرب سے بچاؤ کر سکے - دوسرے یہ کہ دشمن کے دل پر اس سے ہیبت طاری ہو- اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو حالت جنگ میں بھی ریشم کا پہننا اسی طرح حلال نہ ہو گا جس طرح حالت امن میں - مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کا لباس سرخ ہو یا زرد بقول مشہور مکروہ ہے - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرخ یا زرد رنگ کے لباس میں کوئی کراہت نہیں جیسے اور دوسرے تمام رنگوں میں کراہت نہیں ہے -

عورتوں کو ریشم کا لباس اور ہر طرح سے اس کا استعمال حلال ہے - اسی طرح ہر رنگ کا لباس بھی حلال ہے -

سونے چاندی کا پہننا اور اس کا استعمال کن صورتوں میں حلال ہے اور کن صورتوں میں حلال نہیں ہے ؟

مرد اور عورت کے لیے سونے اور چاندی کا استعمال حرام ہے[1] اور اس کے حرام ہونے کا سبب ظاہر ہے کہ اس طرح نقدی جس سے عوام کا کاروبار چلتا ہے کمیاب ہو جاتی ہے اور ناداروں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں ۔ ان کو وہ بات میسر نہیں آتی جس سے وہ بہ آسانی اپنے لیے ضروریات زندگی حاصل کر سکیں ۔ پھر وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرا شخص گلچھرے اڑا رہا ہے ؛ بے غل و غش اپنے پاس مال سمیٹے بیٹھا ہے ۔ ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو کر ان پر نہایت برا اثر

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے ظروف سے گھر کو سجانا جائز ہے لیکن اس کو ذاتی استعمال میں لانا روا نہیں ہے ۔ سجانے کی صورت میں شرط یہ ہے کہ سجاوٹ بڑائی کے اظہار کی غرض سے نہ ہو ، جیسے اگر فخریہ نہ ہو تو ریشم پر بیٹھنا اور اس سے ٹیک لگانا بھی جائز ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنی تلوار کو سونے چاندی سے سجائے ۔ یہ سونا چاندی خواہ تلوار کے ساتھ جڑا ہوا ہو مثلاً ، یہ کہ اس کا قبضہ بنایا جائے ، یا علیحدہ ہو ، مثلاً میان ۔ عورت کےلیے سونے چاندی کے استعمال کی اجازت ملبوسات تک محدود ہے ۔ یہی حکم دوسرے آلات جنگ کو سونے چاندی سے آراستہ کرنے کا ہے ۔

قرآن شریف کی عظمت کے پیش نظر اس کی جلد کو سونے چاندی سے مزین کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ شرط یہ ہے کہ سونا چاندی مصحف کے بیرونی حصے میں ہو ۔ قرآن شریف کے اندرونی حصے کو سونے چاندی سے زینت دینا یا اس سے لکھنا یا سونے چاندی کی جزبندی یہ سب مکروہ ہے ۔ قرآن شریف کے علاوہ باقی تمام کتابوں کو سونے چاندی سے آراستہ کرنا مطلقاً حرام ہے ۔

جس شخص کے دانت گر گئے ہوں اس کے عوض سونے یا چاندی کے دانت لگوانا جائز ہے ۔ اسی طرح جس کسی کی ناک کٹ گئی ہو اس کی بجائے سونے یا چاندی کی ناک لگوانا جائز ہے ۔

مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی دو درہم کے برابر وزن تک کی جائز ہے ←

ڈالتا ہے - یہی باعث ہے کہ شریعت اسلامیہ نے مردوں اور عورتوں کے لیے اس کا استعمال حرام قرار دیا ہے ، بجز ان صورتوں کے جو سونے چاندی کے استعمال کی متقاضی ہوں - چنانچہ عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ سونے چاندی سے خود کو آراستہ کریں کیونکہ عورت کے لیے زیب و زینت ضروریات میں سے ہے ، لہٰذا

← کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی وزن میں دو درہم کے برابر تھی - ہمارے لیے اس ارادے سے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے ایسی انگوٹھی رکھنا جائز ہے۔ لیکن یہ ایک ہی انگوٹھی ہونی چاہیے؛ کئی انگوٹھیاں رکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ سب کا مجموعی وزن دو ہی درہم کے برابر ہو - انگوٹھی وزن میں دو درہم سے زیادہ ہو تو وہ حرام ہے - اسی طرح وہ انگوٹھی بھی ناجائز ہے جس میں کچھ حصہ سونے کا اور کچھ چاندی کا ہو ؛ خواہ سونے کا حصہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ انگوٹھی کو بائیں ہاتھ کی چھنگلیا (سب سے چھوٹی انگلی) میں پہننا مستحب ہے ؛ دائیں ہاتھ میں پہننا مکروہ ہے - ملمع کی انگوٹھی یعنی اس انگوٹھی کے بارے میں جو سونے یا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی ہو اور اس پر سونے کا پانی چڑھا ہو ، دو اقوال ہیں: ایک قول کی رو سے وہ ناجائز ہے اور دوسرے قول کی رو سے مباح ہے - اور یہ دونوں اقوال مساوی حیثیت کے ہیں - کھوٹ والی انگوٹھی جو سونے یا چاندی کی ہو اور اس پر ملمع والی انگوٹھی کے برعکس تانبے یا پیتل کا پانی چڑھا ہو اس کے بارے میں بھی دو رائیں ہیں : ایک قول کی رو سے ناجائز اور دوسرے قول کی رو سے مباح ہے ، اور قول معتبر یہی ہے کہ وہ ممنوع ہے - ایسے ظروف جو لکڑی وغیرہ کے ہوں اور ٹوٹ جائیں پھر اس کو سونے یا چاندی کی پتی سے جوڑا جائے ، ان کے بارے میں بھی دو اقوال ہیں - ایک کی رو سے اس کا استعمال ممنوع اور دوسرے قول کی رو سے مکروہ ہے ، اور یہ دونوں رائیں مساوی حیثیت کی ہیں - یہی حکم ذوالحلقہ (بسکون لام) (حلقہ دار ظروف) کا ہے یعنی ایسا برتن جس میں لٹکانے کے لیے (سونے چاندی کے) چھلے (یا کنڈے) لگے ہوئے ہوں - جواہر، موتی اور یاقوت وغیرہ کے بنے ہوئے ظروف کی بابت بھی دو رائیں ہیں ، جائز بھی بتایا گیا ہے اور ناجائز بھی - اسی طرح چھرے ، خنجر یا لگام وغیرہ بھی ملمع دار ہوں تو ان میں بھی وہی اختلاف ہے جو اوپر ذکر ہوا - البتہ چھری وغیرہ کا دستہ ←

وہ سونے چاندی کے زیورات پہن سکتی ہے۔ اسی طرح مردوں کو بھی چاندی کی انگوٹھی پہننا روا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کو نگینے پر اپنا نام نقش کرانے کی ضرورت پڑتی ہے، اور اس طرح (انگوٹھی کی شکل میں) اس کا استعمال آسان ہوتا ہے، اور چوں کہ وہ ہاتھ میں رہتی ہے اس لیے محفوظ ہوتی ہے۔ اسی طرح (سونے چاندی کا) بہت معمولی سا استعمال کہ نقدی کے رواج میں کمی نہ ہو، روا ہے۔ اس

← سونے یا چاندی کا لگوانا ایک قول کے مطابق حرام ہے۔

لوہے، سیسے یا تانبے کی انگوٹھی مرد اور عورت دونوں کے لیے مکروہ ہے؛ البتہ عقیق وغیرہ کی انگوٹھی جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کو سونے یا چاندی کی مصنوعی ناک جائز ہے۔ اسی طرح جس کے دانت گر گئے ہوں اس کو سونے یا چاندی کا مصنوعی دانت لگوانا اور سونے کی سرانگشت لگانا جائز ہے۔

قرآن شریف کی زینت کے لیے اس پر چاندی لگانا (تحلیہ) مردوں اور عورتوں دونوں کو جائز ہے لیکن سونے کا (تحلیہ) صرف عورتوں کو روا ہے۔ تحلیہ سے مراد سونے چاندی کے باریک اوراق کو کتر کر چسپاں کرنا ہے۔ لیکن قرآن شریف پر سونے یا چاندی کا تمویہ (پانی چڑھانا) جائز نہیں ہے۔ تمویہ کی صورت یہ ہے کہ سونے یا چاندی کو پگھلا کر اس کا پانی چڑھایا جائے۔ اور سونے چاندی سے قرآن شریف کا لکھنا مرد اور عورت دونوں کے لیے (بقول معتبر) جائز ہے۔

سونے چاندی کا وہ برتن جس پر تانبا ایسا دبیز چڑھا ہو کہ آگ پر تپانے سے کچھ بھی نہ اترے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

مردوں کے لیے آلات حرب کا چاندی سونے سے سجانا اور سونے کا ملمع کرانا جائز ہے؛ عورتوں کےلیے جائز نہیں ہے۔ ظروف کی مرمت میں چھوٹی سی زنجیر یا پتر استعمال کیا جائے تو جائز ہے، بڑا پتر لگانا ناگزیر ہو تو مکروہ ہے؛ ناگزیر نہ ہو تو حرام ہے۔ بڑے پتر سے مراد یہ ہے کہ وہ برتن کے ایک رخ کو ڈھک لے؛ اس سے کم ہو تو اسے چھوٹا سمجھا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بڑا یا چھوٹا ہونا عرف عام کے اعتبار سے ہے۔ اگر کوئی مرد سونے چاندی کے زیورات اس لیے حاصل کرے کہ وہ ان لوگوں کو کرائے پر دے گا جنھیں اس کا استعمال جائز ہے تو جائز ہو گا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ←

کی تفصیل آگے آتی ہے - سونے اور چاندی کا برتن اور مردوں یا عورتوں کو اس میں کھانا پینا حرام ہے - کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : ''لاتشربوا فی آنیۃالذھب والفضہ و لا تاکلوا فی صحافھا فانھا لھم فی‌الدنیا و لکم فی‌الآخرۃ'' (یعنی سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو، نہ اس کے پیالوں میں کھاؤ -

---

← مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی حلال ہے بلکہ سنت ہے بشرطیکہ فضول خرچی سے کام نہ لیا گیا ہو اور یہ خیال رکھا گیا ہو کہ اس کا وزن اور تعداد غیر معمولی اور استعمال بے محل تو نہیں ؟ غیر معمولی ہو تو حرام ہے - اور بہتر یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہنا جائے - اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کا نگینہ ہتھیلی کے رخ ہو- سونے کی انگوٹھی پہننا مطلقاً حرام ہے- لیکن لوہے، تانبے اور سیسے کی انگوٹھی صحیح ترین قول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کھانا وغیرہ سونے اور چاندی کے برتن میں رکھا جائے اور کھانے والا ہاتھ ڈال کر یا چمچہ کے ذریعے لقمہ اٹھا کر کھا لے تو کوئی حرج نہیں - کراہت تحریمی اس میں ہے کہ کھانے والا سونے چاندی کے ظروف کو ہاتھ میں لے کر استعمال کرے - چنانچہ چاندی سونے کے ڈونگے کا استعمال مثلاً حمام میں ڈال کر پانی نکالنا اور سر پر ڈالنا مکروہ تحریمی ہے - ایسے برتن میں کھانا کوئی مضائقہ نہیں جس پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھا ہو - اسی طرح وہ برتن بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جس میں سونے یا چاندی کا جوڑ لگا ہو، بشرطیکہ سونے چاندی والا حصہ منہ میں نہ جائے- اسی طرح مضبب برتن یا کرسی یا میز(یا تخت) جس میں سونے چاندی کی پچی‌کاری ہو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ سونے یا چاندی والے حصے کو مس نہ کیا جائے- (مضبب وہ شکستہ اشیا ہیں جن کی درزوں کو سونے یا چاندی کا ٹانکا لگا کر جھال دیا گیا ہو) اور اس میں مضائقہ نہیں کہ آئینہ وغیرہ کا حلقہ سونے یا چاندی کا ہو - گھوڑے کی لگام یا زین میں چاندی یا سونا لگانا بھی منع نہیں ہے بشرطیکہ سونا چاندی لگے ہوئے حصے پر نشست نہ کی جائے -

جس کپڑے پر سونے یا چاندی سے پھول بوٹے بنائے گئے ہوں اس کا پہننا جائز ہے بشرطیکہ وہ ایسا ہو کہ پگھلانے کے بعد اس سے اتنا کچھ نہ نکلے جس کی کوئی قیمت ہو - ←

یہ دنیا میں ان (اغیار) کے لیے ہے اور آخرت میں تمھارے لیے) - اسی طرح سونے چاندی کے برتنوں میں سے عطر یا تیل وغیرہ لے کر لگانا حلال نہیں ہے - اور جس طرح ان کا استعمال حرام ہے اسی طرح ان کا بلاضرورت پاس رکھنا بھی حرام ہے - اس حکم میں وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ رکھنے کا مقصد ایسے شخص کو کرائے پر دینا ہو جس کے لیے اس کا استعمال روا ہے -

---

← خنجر کی نوک یا تلوار کے قبضے پر چاندی یا سونے کا لگانا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ استعمال کے وقت جہاں چاندی سونا لگا ہے ہاتھ نہ پڑے - تلوار اور اس کے پرتلے کو (یعنی اس تسمے کو جس کے ساتھ تلوار لٹکائی جاتی ہے) سونے چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے - لیکن ڈاب پر صرف چاندی لگائی جا سکتی ہے ، سونا لگانا مکروہ تحریمی ہے -

چھری ، مقراض (قینچی) ، قلمدان ، دوات اور آئینے میں سونا لگانا مکروہ تحریمی ہے - چاندی لگانے کے بارے میں دونوں صورتیں ہیں (جائز بھی مکروہ بھی)- گھڑی ، گھنٹہ میں اور دروازہ وغیرہ میں سونے یا چاندی کی کیل لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں - لیکن سونے یا چاندی کا دروازہ بنانا مکروہ تحریمی ہے - آلات حرب میں بھی سونا یا چاندی لگایا جائے تو مضائقہ نہیں - اسی طرح ہتھیار پر پانی چڑھانے یعنی سونے یا چاندی کا ملمع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں - سونے یا چاندی کے ملمع شدہ برتنوں کو کام میں لانے اور عقیق ، بلور ، کانچ ، پنے اور سیسے کے برتنوں اور ان کے استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے -

مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے بشرطیکہ انگوٹھی ایسی بنی ہوئی ہو جیسی کہ بالعموم مرد پہنتے ہیں - اگر ایسی ہو جیسی عورتیں پہنتی ہیں مثلاً یہ کہ اس میں دو نگینے لگے ہوں یا اور کوئی ایسی ہی بات ہو تو مکروہ تحریمی ہے -

چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً لوہے ، تانبے یا سیسے کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مکروہ ہے - عقیق کی انگوٹھی کے بارے میں اختلاف ہے لیکن صحیح تر امر یہ ہے کہ وہ جائز ہے - انگوٹھی کے نگینے کا سوراخ سونے کی کیل سے بند کیا جائے تو مضائقہ نہیں - انگوٹھی کا وزن ایک مثقال سے زیادہ درست نہیں ہے - چاندی کی انگوٹھی ایسے اشخاص کے لیے سنت ہے ←

سونے چاندی کے چمچہ سے کھانا یا ان کی بنی ہوئی سرمہ کی سلائی، آئینہ، قلم، کنگھی، بخوردان اور عطردانی کا استعمال حرام ہے۔ اسی طرح سونے یا چاندی کی بنی ہوئی قہوہ کی پیالی، گھڑی دان، سگریٹ کیس اور حقہ وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے۔ جو صورتیں جائز ہیں ان کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔

شکار اور ذبیحہ کے مسائل

اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ اشیا کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال فرمایا ہے منجملہ ان کے شکار کیا ہوا جانور ہے۔ یعنی ایسے حلال جانور جن کو شکار کیا جا سکتا ہے۔ اب حلال ہونے کے شرایط بیان کیے جاتے ہیں۔

← جس کو اس کی ضرورت ہو، جیسے قاضی اور حاکم کہ اپنا نام اس میں نقش کرائے (یعنی مہر)، اور چاہیے کہ انگوٹھی کو بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنے؛ دائیں ہاتھ میں پہننا بھی جائز ہے۔

دانتوں کی مضبوطی کے لیے ان میں چاندی کا بھرنا (یا لگانا) بلا اختلاف جائز ہے؛ البتہ سونے کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔ اکھڑے ہوئے دانت کی بجائے چاندی یا سونے کا دانت جائز ہونے میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے (یعنی چاندی کا بالاتفاق جائز ہے اور سونے کے دانت میں اختلاف ہے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پاک معدنی اشیا اور ان کے برتنوں کا استعمال مباح ہے، خواہ وہ بیش بہا ہوں، مثلاً جواہرات، بلور، یاقوت اور زمرد۔ اور یہی حکم (کم قیمت یا) بے قیمت اشیاء کے بنے ہوئے ظروف کا ہے، مثلاً لکڑی، لوہے یا تانبے کے بنے ہوئے ظروف۔ حرام وہ برتن ہیں جو سونے یا چاندی کے بنے ہوں۔ ان کا استعمال بھی حرام ہے۔ اور ایسے برتنوں کا استعمال بھی مردوں اور عورتوں کے لیے حرام ہے جن پر سونے یا چاندی کی قلعی پھری ہو۔ سونے یا چاندی کی بنی ہوئی سرمے کی سلائی ناجائز ہے اور سونے چاندی کا پانی چڑھا ہوا (یعنی ملمع کیا ہوا) برتن اور کٹلری اور سونے چاندی سے منقش آلات کا استعمال حرام ہے۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ میں سونے کا استعمال خواہ بہت معمولی ہو حرام ہے۔

جائز جو ہے وہ صرف سونے کا بنا ہوا نگینہ ہے۔

شکار اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس سے عوام کو نقصان نہ پہنچے مثلاً کھیتوں کا ضرر ہو یا گھروں میں رہنے والوں کی بے آرامی کا باعث ہو یا شکار کی غرض محض لہوولعب ہو - ایسی صورتوں میں شکار حرام ہے -

شکار حلال ہونے کے دلائل

شکار کی اجازت کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہے - قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

''یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ''

(یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا کیا اشیاء حلال ہیں؟ تو انھیں بتادو کہ تمہارے لیے پاکیزہ اشیاء حلال کی گئی ہیں ، اور وہ شکاری جانور جنھیں تم نے سدھا رکھا ہے اور ایسی باتیں سکھا رکھی ہیں جن کا طریقہ اللہ نے تمھیں سکھایا ہے ، اگر وہ (شکاری جانور) تمہارے لیے شکار کو دبوچ رکھیں تو وہ کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو) - اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''واذاحللتم فاصطادوا''

(یعنی جب تم حج سے فارغ ہوچکو تو شکار کر سکتے ہو) -

اس آیت میں شکار کی جو اجازت دی گئی ہے اس سے شکار شدہ جانور کا حلال ہونا نکلتا ہے -

اس بارے میں احادیث بکثرت وارد ہیں ؛ ان کے منجملہ وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے ابوثعلبہ سے روایت کی ہے :

''قال قلت یا رسول اللہ انا بارض صید اصید بقوسی او بکلبی الذی لیس بمعلم او بکلبی المعلم فمایصلح لی ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما صدت بقوسک فذکرت اسم اللہ علیہ فکل وما صدت بکلبک المعلم فذکرت اسم اللہ علیہ فکل وما صدت بکلبک الغیرالمعلم فادرکت ذکاتہ فکل''۔

(یعنی حضرت ابوثعلبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے (آنحضرتؐ سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسی سرزمین میں ہوں جہاں شکار دستیاب ہوتے ہیں - میں اپنی کمان سے اور سدھائے ہوئے کتے سے اور بے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا کرتا ہوں تو کیا یہ باتیں ٹھیک ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ جو تم نے اپنے تیر سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے کر تیر چلایا تو اسے کھاؤ اور وہ جو سدھائے ہوئے

کتے سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے لیا ہے تو وہ بھی کھاؤ اور بے سدھائے کتے سے جو شکار کیا اگر اسے ذبح کرسکے تو کھاؤ) - نیز بخاری و مسلم نے عدی بن حاتم رض سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے 'معراض' سے شکار کرنے کی بابت دریافت کیا - (معراض بر وزن محراب ایک قسم کا تیر ہے جس میں پر نہیں لگتے - اس کے دونوں پہلو دھار دار ہوتے ہیں اور درمیان سے موٹا ہوتا ہے - زخم اس کا پہلو سے لگتا ہے نوک سے نہیں لگتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عدی رض کے جواب میں) فرمایا :

''اذا اصبت بحدہ فکل و اذا اصبت بعرضہ فلاتاکل فانہ وقیذ''

(یعنی اگر شکار تیر کے پہلو سے زخمی ہوا ہے تو کھاؤ اور اگر درمیان سے ہوا، تو نہ کھاؤ - کیوں کہ اس صورت میں وہ وقیذ (یعنی چوٹ سے مارا ہوا جانور) ہو جائے گا (جس کے حرام ہونے کی نص وارد ہے) -

اور امام مسلم رح نے حضرت عدی بن حاتم رض سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''اذا رمیت بسھمک فا ذکر اسم اللہ فاذا وجدتہ میتاً فکل الا ان تجدہ قد وقع فی الماء فمات فانک لاتدری الماء قتلہ او سھمک''

یعنی تیر چلانا ہوتو اللہ کا نام لے کر چلاؤ - اب اگر شکار مرجائے تب بھی کھا سکتے ہو - لیکن اگر وہ پانی میں جا پڑا اور مر گیا تو تمہیں کیا معلوم کہ اس کی موت پانی سے واقع ہوئی یا تمہارے تیر سے (یعنی اس کا کھانا جائز نہیں) -

یہ چند احادیث ان میں سے ہیں جو شکار کے باب میں وارد ہوئیں - ظاہر ہے کہ یہ احادیث شکار کے متعلق اہم احکام پر مشتمل ہیں - ان (احکام) کی تفصیل آگے آئے گی -

اب رہا اجماع، سو اس کی بابت یہ ہے کہ تمام مسلمان شکار کے حلال ہونے پر متفق ہیں بشرطیکہ مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں :

شکار حلال ہونے کی شرطیں

شکار کیے ہوئے جانوروں کے حلال ہونے کی چند شرائط ہیں - ان شرائط میں سے بعض کا تعلق ان جانوروں سے ہے جن کا شکار جائز ہے اور بعض کا تعلق شکاری سے ہے، اور بعض شرائط کا تعلق ان آلات سے ہے جن سے شکار کیا جاتا ہے، مثلاً کتا یا دوسرے شکاری جانور یا تیر وغیرہ -

شکار کرنے کی شرائط اور شکار کھانے کے متعلق مسائل

جن جانوروں کا شکار حلال ہے وہ یا تو حلال جانور ہوں گے یا حلال نہ ہوں گے۔ اگر حرام جانور ہیں تو ان کا شکار کرنا یا مارنا ان کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لیے حلال ہے۔ اسی طرح شکار کی جن اشیاء کا استعمال جائز ہے، مثلاً دانت اور بال ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے بھی شکار حلال ہے۔

حلال جانور کا شکار جائز ہونے کی چند شرائط

منجملہ ان شرائط کے جانور کا فطری طور پر غیر مانوس ہونا ہے کہ دن ہو یا رات کبھی انسان سے مانوس نہیں ہوتا؛ جیسے ہرن، جنگلی گدھا اور جنگلی گائے (غالباً نیل گائے مراد ہے) اور جنگلی خرگوش وغیرہ۔ ایسے جانوروں کا شکار جائز ہے؛ اگرچہ وہ وحشت چھوڑ کر (عارضی طور پر) مانوس بھی ہوجائیں۔ لیکن اگر وہ انسان سے مستقل طور پر مانوس ہو گیا ہو تو ایسے جانور بغیر ذبح کیے حلال نہیں ہیں۔

ایسے جانور جو فطری طور پر انسان سے مانوس ہوتے ہیں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، بکری[1] وغیرہ تو وہ شکار کرنے سے حلال نہ ہوں گے۔ اُن کا کھانا حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُن کو شرعی قاعدے کے مطابق ذبح کیا جائے۔ لیکن اگر اُن میں سے کوئی جانور قابو سے باہر ہو جائے، مثلاً اونٹ یا بیل بدک جائے یا بکری بھاگ نکلے اور قابو میں لانا دشوار ہو تو 'عقر' کر کے کھایا جا سکتا ہے۔ عقر کے معنے یہ ہیں کہ تیر وغیرہ سے اُس کے بدن کے کسی حصے

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر بکری بھاگ کر جنگل میں چلی جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو دوسرے جانوروں اونٹ اور گائے کا ہے، لیکن اگر بھاگ کر شہر کے اندر ہی جائے تو وہ عقر (زخم لگا کر مارنے) سے حلال نہ ہوگی، کیونکہ اُس کا پکڑنا دشوار نہ ہوگا۔ بخلاف ان دونوں جانوروں (اونٹ۔ گائے) کے، کیونکہ بدکی ہوئی بکری کو پکڑنے کے لیے جم غفیر کی ضرورت نہیں پڑتی؛ البتہ اگر اونٹ وغیرہ بدک کر بھاگ نکلیں اور بغیر ایک جماعت کے قابو میں لانا ممکن نہ ہو تو اُس پر تیر وغیرہ چلایا جا سکتا ہے۔ ←

کو زخمی کردیا جائے۔ حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خون اس کے جسم سے بہے اور وہ جانور اسی زخم سے ہلاک ہوا ہو، اور 'عقر' کے وقت تذکیہ (ذبح کرنے) کی نیت رہی ہو، اور وہ شخص (عاقر) ذبح کرنے کا اہل بھی ہو - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی جانور کنوئیں وغیرہ میں گر پڑے اور قاعدے کے مطابق ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو روا ہے کہ اس کے بدن پر کسی بھی حصے کو تیر (وغیرہ) سے زخمی کیا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اس عمل (عقر) کا نام ذکاۃ الضروریہ (ذبح ناگزیر کا متبادل طریقہ) ہے۔

حلال جانور کا شکار جائز ہونے کی ایک اور شرط یہ ہے کہ اُس کا پکڑنا ممکن نہ ہو اور (بغیر شکار) وہ بس میں نہ آسکے۔ لہٰذا ایسے جانور جو پکڑے جا سکتے ہیں وہ شکار کے ذریعے حلال نہ ہوں گے؛ جیسے مرغی، پالتو بطخ، ہنس اور کبوتر؛ کیونکہ یہ جانور انسان سے مانوس ہوتے ہیں اور بس کے ہیں، برخلاف جنگلی کبوتر کے؛ ان میں وحشت ہوتی ہے اور گرفت میں نہیں آتے لہٰذا شکار کے ذریعے حلال ہو جاتے ہیں۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ اُس جانور کا کوئی دوسرا شخص مالک نہ ہو؛

← مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ حلال جانور جو اصل فطرت کے اعتبار سے مانوس ہوں ایسے جانوروں کا کھانا بغیر ذبح کیے جائز نہیں ہے؛ خواہ وہ وحشت سے باز آکر پھر مانوس ہوگیا ہو یا مستقل طور پر انسان سے بھاگتا ہو۔ پس اگر کوئی اونٹ یا بیل وغیرہ بدک کر بھاگ گیا اور کسی نے اس پر تیر چلا کر زخمی کردیا اور مار ڈالا تو وہ حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ جانور جسے کنوئیں میں ڈال دیا گیا شرعی قاعدے سے ذبح کیے بغیر حلال نہ ہوگا۔ بعض اصحاب نے بدکی ہوئی گائے کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ 'عقر' سے حلال ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی مانند ایک جانور ایسا ہے جس کا شکار حلال ہے۔ اس سے ان کی مراد جنگلی گائے ہے۔ لہٰذا اگر پالتو گائے بدک کر بھاگ جائے اور پھر اُسے زخمی کرکے ہلاک کردیا جائے تو اُس کا کھانا حلال ہے؛ اسی طرح جیسے جنگلی گائے کا شکار کرکے کھانا حلال ہے۔ اگر پالتو کبوتر بدک کر بھاگ گیا تو کہا جاتا ہے کہ شکار کے ذریعے حلال ہو جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حلال نہ ہوگا، اور قابل وثوق قول یہی ہے کہ وہ حلال نہ ہوگا۔

اگر ایسا ہو تو اُس کا شکار حرام ہے اور شکار کے ذریعے حلال نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ جانور کچلی اور پنجے سے خوراک کھانے والا جیسے بھیڑیا، درندہ جانور اور گدھ وغیرہ جن کا کھانا حلال نہیں ہے، نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ اُسے زندہ نہ پکڑا گیا ہو؛ اگر زندہ ہاتھ آیا تو بغیر ذبح کیے حلال نہ ہوگا۔ اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر شکار ہاتھ آ جائے اور اس میں دیرپا زندگی نہیں ہے، بلکہ صرف ذبح کیے ہوئے جانور کی سی تڑپ ہے تو اُسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ شکاری نے جو زخم لگایا ہے وہی ذبح کرنا ہے۔ پس اُس کا کھانا شرائط شکار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز ہے۔ یہی حکم اُس صورت میں ہے جب کہ (زخمی) شکار ہاتھ لگا اور اُس میں مذبوحی حرکات کے علاوہ بھی حرکت ہے، لیکن اتنا موقع نہ تھا کہ اُسے ذبح کیا جاتا تو وہ جانور بھی انھیں شرائط شکار کے ساتھ حلال ہے۔ البتہ اگر اس حال میں ہاتھ لگا کہ اس میں اپنی حرکت بھی ہے اور وقت بھی اتنا ہے کہ اُسے ذبح کیا جا سکے تو ذبح کیے بغیر اُس کا کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ اس حالت میں اُس کو ایسا جانور تصور کیا جائے گا جو انسان کے قابو میں ہو اور اُس کا حکم بھی وہی ہے جو دوسرے قابو میں رہنے والے جانوروں کا ہے۔ اگر ذبح کرنے کا کوئی آلہ موجود نہ ہونے کے باعث اسی حال میں وہ مر گیا تب بھی وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسا جانور متصور ہوگا جس کا کھانا بغیر ذبح کے روا نہیں ہے۔ اگر شکاری کے پاس کتا تھا اور (زخمی شکار پر) اسی حالت میں اُس نے کتے کو چھوڑا جس کے جھنجھوڑنے سے وہ مر گیا تو وہ حلال ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر (زخمی) شکار ہاتھ آیا اور اس میں مذبوحی حرکت کے علاوہ بھی حرکت ہے، بایں طور کہ وہ ایک آدھ روز زندہ رہا تو بغیر ذبح کیے حلال نہیں ہے۔ اگر اس حالت میں ہاتھ آیا کہ اس میں حرکت مذبوحی کے سوا اور کوئی حرکت نہیں ہے مثلاً کتے نے اُس کا پیٹ چاک کر دیا، یا تیر اُس کے دل میں پیوست ہو گیا تو ذبح کیے بغیر حلال ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس طرح زخم کھانے کے بعد کنوئیں میں جا پڑے تب بھی حلال ہے کیونکہ (زخم ایسا کاری تھا کہ) یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ وہ پانی میں ڈوبنے سے مرا ہے۔

→ درآنحالیکہ اُس میں ذبح کیے ہوئے جانور کی حرکت کے سوا اور کچھ باقی نہ تھا۔ پس اس کے ذبح کرنے کا وقت رہا ہو یا نہ رہا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بخلاف اس جانور کے جسے پٹخ کر گرا دیا گیا ہو ؛ اگر اُس کو ذبح کیا گیا اور ذبیحہ جانور کی سی حرکت پائی گئی تو وہ حلال ہے ، کیونکہ زندگی کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت (علامت) بھی ظاہر ہو ، بلکہ (اُس کے حلال ہونے کے لیے) اُس میں زندگی کا موجود ہونا کافی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا شکار ہو تو اُسے ذبح کرنا ضروری ہے ، گو اُس میں مخفی طور پر زندگی موجود ہو ، بایں طور کہ حرکت مذبوحی کے سوا اُس میں اور کوئی علامت (زندگی کی) باقی نہ رہی ہو۔

یہ تمام مسائل اُس صورت حال میں ہیں جب کہ شکار مل گیا ہو اور اُسے اُٹھا لیا ہو ؛ لیکن اگر مل تو گیا لیکن اُٹھایا نہیں گیا ، بلکہ یونہی پڑا رہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا ، حالانکہ اتنا موقع تھا کہ اُسے ذبح کر لیا جاتا تو اُس کا کھانا جائز نہیں ؛ اگر اتنا موقع نہ تھا تو جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنا شکار زندہ پایا اور اُس میں حرکت مذبوحی کے سوا اور کوئی جنبش نہ تھی ، بایں طور کہ اُس کا گلا کٹ گیا یا اُس کی انتڑی نکل پڑی تو ذبح کیے بغیر حلال ہے اور شکار کے آلے سے اس کا مرنا ذبح کی بجائے متصور ہوگا۔ لیکن مستحب طریقہ یہ ہے کہ چھری کو اُس کے حلق پر چلادیا جائے تاکہ اُس جانور کی موت آسان ہوجائے۔ لیکن اگر اس جانور کو اس حالت میں پایا کہ اُس میں مذبوحی تڑپن کے علاوہ کوئی مستقل حرکت بھی تھی تو دیکھنا چاہیے کہ اگر کوتاہی نہ کی جائے تو اُس کا ذبح کرنا دشوار ہے یا نہیں ہے ؟ اگر ذبح کرنا واقعی دشوار تھا اور کوتاہی سے کام نہیں لیا گیا تو وہ جانور حلال ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کا ذبح کرنا دشوار نہ تھا لیکن اُس کو یونہی چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا ، یا ذبح کرنے میں دشواری بے پروائی یا کوتاہی کے باعث تھی اور وہ مر گیا تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔

بغیر کوتاہی کی صورت میں دشواری کی مثال یہ ہے کہ ذبح کرنے کے لیے کسی آلے کی تلاش کی جاتی رہی اور ذبح کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی وہ ←

جانور مر گیا ، یا (مثلاً) اُس جانور میں اتنی قوت باقی تھی کہ ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا اور ذبح کرنے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مر گیا ، یا پھر اتنا وقت ہی نہ ملا کہ اُسے ذبح کیا جاتا - کوتاہی کے سبب جو دشواری ہو اُس کی مثال یہ ہے کہ ذبح کرنے کا آلہ موجود نہ تھا ، یا ضایع ہوگیا تھا تو اس حالت میں بھی وہ (جانور) حلال نہ ہوگا - اسی طرح اگر چھری تیز کرنے میں لگ گیا کیونکہ پہلے سے تیز کرکے نہ رکھا تھا ، اتنے میں وہ شکار کا جانور مر گیا تو اس کا بھی وہی حکم ہے - اگر شکار کو اوندھا پڑا پایا اور اُسے ذبح کرنے کے لیے سیدھا کرنا چاہا اور اسی میں وہ مر گیا تو حلال ہے - یا اگر چاہا کہ اُس کا منہ قبلے کی طرف موڑے اور ذبح کرنے سے پہلے مر گیا (تو اُس کا بھی یہی حکم ہے) -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر شکار زندہ دستیاب ہو گیا تو دیکھنا چاہیے کہ آیا زخم ایسی جگہ لگا ہے جہاں زخم لگنے سے موت یقینی ہو جاتی ہے ، مثلاً زخم سے پیٹ کی آلائش جگر ، گردہ یا تلی باہر نکل پڑے یا انتڑی پھٹ گئی ہو یا مغز باہر آ پڑا یا کوئی ایسی ہی بات ہے جس سے موت یقینی ہو جاتی ہے تو اُس کو بغیر ذبح کیے کھانا جائز ہے - لیکن اگر وہ شکار اس حالت میں ہاتھ لگا کہ اُس کا زخم ایسی جگہ نہیں ہے کہ موت کا باعث ہو تو اُس کا بغیر ذبح کیے کھانا روا نہیں ہے -

اگر ذبح کرنے میں تاخیر کی گئی مثلاً یہ کہ چھری کہیں رکھی ہوئی تھی اور اُس کے نکالنے میں اتنی دیر لگی کہ جانور مر گیا اور ذبح کی نوبت نہ آئی تو حرام ہو گیا - اسی طرح اگر شکار کو کسی کے حوالے کیا کہ اُسے لے کر آگے جائے اور جب یہ پہنچا تو اسے نہ پایا اور اس اثنا میں وہ جانور ذبح سے پہلے ہی مر گیا ، یا شکار شدہ جانور پر کتے کو چھوڑا اور اُس کا پیچھا کرنے میں سستی کی پھر جب شکار ملا تو مرچکا تھا ، تو وہ جانور حرام ہوگیا ، کیونکہ یہ احتمال تھا کہ اگر اُس کے پانے کی کوشش کی جاتی تو وہ زندہ مل جاتا اور اُسے ذبح کیا جا سکتا - البتہ اگر یہ امر متحقق ہو کہ کوشش پر بھی اُسے زندہ نہ پا سکے گا (تو حرام نہ ہوگا) -

بعض لوگوں نے اس کے علاوہ بھی کچھ شرطیں عائد کی ہیں ۔[1]

شکاری سے متعلق شرائط

شکاری کے متعلق (شکار کے باب میں) چند شرطیں ہیں :

منجملہ آن کے ایک یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو ۔ مجوسی ، بت پرست ، مرتد (دین اسلام سے پھر جانے والا) اور ہر وہ شخص جو کسی الہامی کتاب کا پیرو نہیں ہے اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہے جیسے آس کا ذبیحہ ۔ اہل کتاب کا مارا ہوا شکار اور آس کا ذبیحہ حلال ہونے کی چند شرطیں ہیں ۔ اندریں باب مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[2]

---

۱ ۔ حنفیہ نے ایک پانچویں شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ جانور دریائی جانوروں میں سے نہ ہونا چاہیے ، جیسے دریائی انسان ، دریائی گھوڑا دریائی سور اور دوسرے جانور جو مچھلی کی شکل کے نہیں ہوتے ۔ البتہ دریائی سانپ کا شکار جائز ہے اگرچہ وہ شکل میں میدانی سانپ جیسا ہوتا ہے لیکن آس کا شکار کرنا اور کھانا حلال ہے ۔ پس شکار کی وہ شرطیں جن کا تعلق ایسے حلال جانور سے ہے جو شکار کرکے کھایا جا سکتا ہے ، پانچ ہو گئیں کہ : وہ کیڑا مکوڑا (حشرات میں سے) نہ ہو ۔ آس پر قابو نہ پایا جا سکتا ہو بایں طور کہ آس کے پاؤں اور پر و بازو ہوں جس سے کہ وہ اپنی جان بچا سکے ۔ کچلی کے دانت اور پنجہ والا نہ ہو ۔ زخم کھانے یا تیر لگنے کے باعث زندہ ہاتھ آنے سے پہلے ہی مر گیا ہو بہ صورت دیگر آس کا ذبح کرنا واجب ہوگا ۔

۲ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کتابی کا ذبیحہ حلال ہے لیکن آس کا شکار کیا ہوا جانور اگر مر جائے یا زخم ایسی نازک جگہ پر لگایا ہو جہاں لگنے سے جانبر ہونا ممکن نہیں ہوتا تو وہ مباح نہیں ہے ۔ ہاں اگر آسے ذبح کرلیا ہو تو آس کا کھانا حلال ہے اگرچہ اس کتابی نے آسے اپنے مذہبی طریقے سے ذبح کیا ہو ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتابی کا کیا ہوا شکار حلال ہے جیسے آس کا ذبیحہ حلال ہے ، خواہ وہ جانور شکار سے مر گیا ہو یا نہ مرا ہو ۔

کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ اس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ پکارا گیا ہو ۔ اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارنا یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور ←

← معبود کا نام لیا ہو ؛ مثلاً صلیب کا یا کسی دیوی دیوتا کا یا حضرت عیسیٰؑ کا؛ اور یا یہ تصور کیا کہ کسی اور کا نام لینے سے وہ ذبیحہ حلال ہو جائے گا جس طرح اللہ کا نام لینے سے حلال ہوتا ہے، یا اُس نام میں ایسی برکت ہے جیسی اللہ کا نام لینے میں ؛ اس طرح کرنا گویا اللہ پر اعتماد نہ کرنا ہے ، لہٰذا ایسے ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں ہے ، خواہ اس جانور کو دیوتا پر بھینٹ چڑھانے کے لیے ذبح کیا ہو یا کھانے کے لیے - لیکن اگر اللہ کا نام لیا اور نیت یہ تھی کہ اس کا ثواب کسی دیوتا کو پہنچے ، جیسا کہ مسلمانوں میں بھی بعض لوگ اسی طرح ولیوں کو ثواب پہنچانے کے لیے کرتے ہیں تو وہ ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے لیکن مکروہ ہے - اور اگر ذبح کیا اور اس پر نہ اللہ کا نام لیا اور نہ کسی اور کا تو وہ بلا کراہت کھایا جا سکتا ہے کیونکہ کتابی کے مذہب میں ذبح کے لیے نام لینے کی کوئی شرط نہیں ہے -

بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ کتابی کے ذبیحہ میں جو حرام ہے وہ ایسا ذبیحہ ہے جو کسی معبود پر چڑھاوا چڑھانے کے لیے ذبح کیا جائے - یہ اُن کھانوں میں سے نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمارے لیے مباح فرمایا ہے : ”وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم“ (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے) کیونکہ وہ لوگ (چڑھاوے کے) کھانے کو تو کھاتے ہی نہیں ، بلکہ اُسے اپنے معبودوں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں ؛ یہ کھانا اُس کھانے سے مختلف ہے - رہا وہ جو کھانے کے لیے ذبح کرتے ہیں اُس کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے ، خواہ اُس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے ؛ لیکن یہ کھانا مکروہ ضرور ہے -

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ جانور جو کتابی نے ذبح کیا ہے وہ اُس کا اپنا مال ہو - اگر ایسا جانور ذبح کیا جس کا مالک کوئی مسلمان ہے وہ بھی اگرچہ حلال ہے لیکن ترجیح اس قول کو ہے کہ وہ مکروہ ہے -

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسا جانور ذبح نہ کیا گیا ہو جس کا حرام ہونا اُن پر ہماری شریعت کی تصریحات سے ثابت ہو ، لہٰذا ناخون رکھنے والا جانور یہودی کا ذبح کیا ہوا حلال نہیں ہے ، مثلاً اونٹ ، بطخ ، مرغابی اور زرافہ (شتر گاوپلنگ) اور دوسرے تمام ایسے جانور جن (کے پنجہ) کی انگلیاں جدا جدا نہیں ہیں کیونکہ ان کا کھانا ان پر حرام کیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں یہ بتایا گیا ←

→ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان پر حرام کیا ہے - لیکن ایسے جانور جن کا حرام ہونا اُن پر ہماری شریعت کی رو سے ثابت نہیں ہے، جیسے کبوتر اور مرغی وغیرہ ایسے جانوروں کو اگر کتابی ذبح کرے تو ہمارے لیے کھانا جائز ہے - اگر اہل کتاب کہیں کہ فلاں جانور اُن پر حرام ہے لیکن ہماری شریعت نے اُن کے لیے اس جانور کا حرام ہونا نہیں بتایا تو وہ کراہت کے ساتھ حلال ہے - چنانچہ اگر کوئی کتابی ایسا ہے جس کے نزدیک مردار کھانا حلال ہو اور اُس نے کوئی جانور ذبح کیا تو اُس جانور کا کھانا صرف اس صورت میں حلال ہوگا جب کہ اسے کسی ایسے مسلمان کے سامنے ذبح کیا گیا ہو جو ذبیحہ کے شرعی احکام سے واقف ہو - اگر اس نے (ایسے شخص کی موجودگی کے بغیر) تنہائی میں ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے -

واضح ہو کہ گو اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے لیکن شرایط قربانی کی تکمیل کا معاملہ اس سے جدا ہے، کیونکہ قربانی (کا جانور) ذبح کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو اور کار ثواب کا اہل ہو -

اگر کسی شخص نے اپنی بجائے کسی مجہول الحال آدمی سے ذبح کرایا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسلمان نہ تھا تو یہ قربانی جائز نہ ہوگی، کیونکہ (قربانی کے باب میں) شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے کے لیے نائب بنانا ہے تو کسی مسلمان کو بنایا جائے - لیکن کھال اُتارنے اور گوشت کاٹنے وغیرہ کے کاموں میں یہ شرط نہیں ہے -

ان تمام مسائل کا خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک جن لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اُن کی تعداد چھ بتائی جاسکتی ہے : بچہ جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو - پاگل انسان جو حالت جنون میں ہو - بدمست جس کو تمیز نہ رہی ہو - آتش پرست (مجوسی) - دین سے پھرا ہوا (مرتد) اور بے دین (زندیق) -

جن کا ذبیحہ مکروہ ہے ان کی تعداد بھی چھ ہے : نابالغ (جو باشعور ہو)، مخنث، عورت، آختہ (عضو مخصوص بریدہ) انسان اور بدکار -

اسی طرح چھ ایسے اشخاص ہیں جن کے متعلق اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ ان کا ذبیحہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے: (۱) بے نمازی، (۲) نشہ باز جس سے خطا سرزد ہو اور صواب بھی (یعنی ذہنی طور پر ناقابل ←

← اعتبار ہو)، (۳) بدعتی جس کے کافر ہونے میں اختلاف ہو، (۴) عرب کا رہنے والا عیسائی، (۵) وہ عیسائی جو مسلمان کے لیے جانور ذبح کرے، (۶) اور وہ عجمی جس نے بالغ ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا ہو۔

واضح ہو کہ با شعور نابالغ اور عورت کے ذبیحہ کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس کا ذبیحہ مکروہ ہے اس کا مارا ہوا شکار بھی مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب 'یہودی یا نصرانی' کا ذبیحہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس جانور پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ مثلاً (اللہ کے نام کی بجائے) حضرت مسیح[ؑ] کا نام یا صلیب کا یا حضرت عزیر[ؑ] وغیرہ کا نام لیا گیا۔ پس اگر کوئی مسلمان ذبح کے وقت موجود تھا اور اس شخص نے (ذبح کرنے والے) کتابی کو حضرت مسیح[ؑ] کا نام یا حضرت مسیح[ؑ] کے نام کے ساتھ اللہ کا نام بھی لیتے ہوئے سنا تو اس کا ذبیحہ کھانا اس شخص کو حرام ہے۔ اور اگر اس شخص نے کچھ نہ سنا تو حسن ظن کی بنا پر یہ مان کر کہ ذبح کے وقت دل میں اللہ کا نام لیا گیا ہے، اس اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی جب کہ وہ شخص (ذبح کے وقت) موجود نہ تھا اور نہ اس نے سنا (کہ ذبح کرنے والے کتابی نے کسی کا نام لیا یا نہیں) تو اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ یہ ذبیحہ حلال ہے، خواہ (فی الواقع) اس نے کہا ہو کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، یا نہ کہا ہو، اور خواہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حضرت عزیر[ؑ] اللہ کے بیٹے تھے یا نہ ہو۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ بغیر مجبوری کے ایسے ذبیحہ کو نہ کھایا جائے۔

اس امر سے (احکام ذبیحہ میں) کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ذبح کرنے والا عیسائی عربی النسل ہو، بنی تغلب میں سے ہو، یورپ کا ہو، آرمینیا کا ہو یا ایسا کوئی صابی (ستارہ پرست) ہو جو حضرت عیسیٰ[ؑ] کو مانتا ہو۔ اسی طرح (ذبح کرنے والا) یہودی خواہ سامری ہو یا کوئی اور یہودی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ایسا جانور جو کنیسا (کے مقاصد) کے لیے ذبح کیا جائے حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، خواہ اس پر اللہ کا نام ←

← لیاجائے یا نہ لیا جائے۔ لیکن (حلال ہونے کی) شرط یہ ہے کہ غیر اللہ مثلاً صلیب ، مسیح[۴] یا عزیر[۴] وغیرہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اس صورت میں وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ اسی طرح وہ ذبیحہ بھی (حرام ہوگا) جو 'کنیسا' کے لیے ذبح کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جانور کو مسلمانوں کی طرح اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اگر قصداً اللہ کا نام نہ لیا یا غیر اللہ (مسیح[۴] وغیرہ) کا نام لے کر ذبح کیا تو اس کو نہ کھانا چاہیے۔ اگر یہ علم ہی نہ ہو کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا یا نہیں تو اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ اگر کوئی جانور اہل کتاب کی عید یا کسی اور کلیسائی تقریب میں ذبح کیا جائے اور اس کو کسی مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو تو وہ حلال ہے ، مگر مکروہ ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی اہل کتاب نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا۔ (یعنی کراہت کے ساتھ حلال ہے)۔

اہل کتاب کے سوا کسی اور نے ذبح کیا اور اللہ کا نام قصداً نہ لیا تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس بچے کا شکار حلال ہے ، جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو ، نیز مجنون ، اور بد مست کا بھی ، لیکن شرط یہ ہے کہ انھوں نے شکار کا ارادہ کیا ہو ، جیسے ان لوگوں کا ذبیحہ اس صورت میں حلال ہے جب کہ یہ لوگ ذبح کے طریقے کو جانتے ہوں۔ حنفیہ اس میں اس شرط کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ وہ تسمیہ سے بھی واقف ہوں ، اگر انھیں یہ نہیں معلوم کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے تو ان کا ذبیحہ حلال نہ ہو گا۔

شافعیہ ذبح کے حلال ہونے میں تسمیہ کو شرط قرار نہیں دیتے ، ان کا کہنا یہ ہے کہ تسمیہ کے بغیر ذبیحہ مکروہ ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شکار کرنے والا جانور چھوڑنے ، یا تیر چلانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں ہے جیسا کہ ذبیحہ کے وقت تسمیہ شرط نہیں ہے ، بلکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا مؤکد طریقے سے مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بالارادہ ، یا بھول کر تسمیہ چھوٹ گیا تو شکار ، اور ذبیحہ دونوں حلال ہوں گے ، بلا اختلاف تمام ائمہ کے نزدیک۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ۔ تسمیہ ، بچے کے ، مجنون کے اور بد مست کے حق میں شرط نہیں ہے۔

اگر ذبح یا شکار کے وقت اللہ کا نام لینا یاد نہ رہا تو ایسا شکار اور ذبیحہ حلال ہیں - اللہ کا نام صحیح طور پر لینے کی چند شرطیں ہیں - اندریں باب مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں -[1]

۱- حنفیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام لینے (بسم اللہ کہنے) کے لیے چند شرایط (صحت) ہیں - ان میں سے بعض کا تعلق شکار سے ہے اور بعض کا تعلق ذبح سے ہے -

ایک شرط یہ ہے کہ اللہ کا نام خود شکار کرنے والا لے؛ کسی اور کے نام لینے سے اس کا مارا شکار حلال نہ ہوگا -

دوسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو چھوڑنے یا تیر وغیرہ چلانے کے ساتھ ہی اللہ کا نام لے؛ اگر دانستہ اس وقت نہ لیا تو وہ شکار نہ کھانا چاہیے - (اگرچہ بعد میں نام لے لیا ہو اور تیر کے ساتھ شکاری جانور کو ڈانٹ کر لشکارا ہو اور وہ جھپٹا ہو) -

اگر تیر چلانے اور شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ لیا تو اب اس سے جو شکار بھی ہوگا وہ حلال ہوگا ؛ قطع نظر اس سے کہ جس شکار کا ارادہ کیا تھا وہی زخمی ہوا یا اس کے علاوہ کوئی اور شکار (اسی تیر یا جانور سے) ہوگیا ، کیونکہ اللہ کا نام آلۂ شکار پر لینا چاہیے تھا اور یہ شرط پوری ہوگئی ، لہٰذا اس سے جو شکار بھی کیا گیا وہ حلال ہے - چنانچہ مثلاً اگر اپنے شکاری کتے کو ہرن پر چھوڑا لیکن ہرن کی بجائے اس نے خرگوش کو پکڑ لیا تو اس کا کھانا حلال ہے - ذبح کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ ذبح کرنے کے لیے اللہ کا نام ذبح ہونے والے جانور پر لیا جاتا ہے ، لہٰذا اگر کسی بکری کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے کی غرض سے گرایا ، پھر اسے چھوڑ دیا ، اس کے بعد دوسری بکری کو گرایا تو یہ دوسری بکری پہلی بار کے بسم اللہ کہنے سے حلال نہ ہوگی ، بلکہ لازم ہے کہ اس پر پھر سے نام لیا جائے - اس کے برخلاف اگر ہاتھ میں چھری لے کر (ذبح کرنے کے لیے) بسم اللہ کہا ، لیکن اس چھری کو چھوڑ کر کسی اور چھری سے (دوسری بار) بسم اللہ کہے بغیر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام جانور پر لیا جاتا ہے، آلۂ ذبح پر نہیں - چنانچہ اگر کوئی تیر اٹھا کر (شکار کے لیے) اللہ کا نام لیا لیکن اسے چھوڑ کر کوئی اور تیر (بغیر اللہ کا نام لیے) چلا دیا تو شکار حلال نہ ہوگا -

←

تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ کا نام خود شکار کرنے والا لے ؛ کسی اور کے اللہ کا نام لینے سے اس کا مارا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔

ذبح کرنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ اللہ کا نام خود ذبح کرنے والا لے۔

نام لینے کی شرط پوری کرنے کے لیے سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ محض اللہ کا ذکر ہو جائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام لے لیا جائے، خواہ اس (نام) کے ساتھ کوئی صفت لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔ یعنی چاہے تو اللہ اکبر یا اللہ اعظم کہہ دے یا محض نام لے اور کوئی صفت اس کے ساتھ نہ ہو مثلاً اللہ یا الرحمٰن کہہ دے؛ لیکن مستحب یہی ہے کہ "بسم اللہ اللہ اکبر" کہے۔

ذبح کی دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت اللہ کا نام لے اور جگہ بدلے بغیر نام لینے کے بعد ہی (جانور) ذبح کر دیا جائے۔ اگر ذبح کرنے والا (ذبح کے لیے بسم اللہ کہہ کر) کھانے یا پینے میں مشغول ہو گیا اور ذبح میں کچھ دیر لگ گئی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ دیر کی حد یہ ہے کہ دیکھنے والا اسے دیر سمجھے۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کا نام لیتے وقت ذبح کے علاوہ کوئی اور نیت جیسے برکت کے لیے کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہتے ہیں، نہ ہو۔ اگر یہ شرط پوری نہ ہوئی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل ذبیحہ کے باب میں پہلے ہو چکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام لینا (حلت ذبیحہ) کی شرط نہیں ہے، (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) بلکہ یہ سنت ہے۔ اس کی بھی یہ شرط ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام نہ لیا جائے۔ چنانچہ اگر مثلاً کہا کہ بسم اللہ و اسم محمد تو اگر اس کا مقصد اللہ کے ساتھ شرک کرنا تھا تب تو یہ کفر ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہو ہی گیا، لیکن اگر اللہ کے ساتھ شریک کرنے کی نیت نہ تھی تو ذبیحہ حلال ہے۔ اور اگر غیر اللہ کا ذکر حصول برکت کے خیال سے کیا گیا تو مکروہ ہے۔ اگر بغیر کسی خاص ارادہ کے یوں ہی منہ سے بول دیا تب بھی حرام ہے کیونکہ اس میں شائبۂ شرک باللہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ ذکواۃ (ذبح) کے باب میں اوپر بیان ہوا۔

→ مالکیہ کہتے ہیں کہ شکاری جانور وغیرہ کو شکار کے لیے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لینا شرط (صحت) ہے ۔ اسی طرح کسی جانور یا قربانی کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام لینا (ضروری) ہے لیکن یہ شرط مسلمانوں کے لیے ہے ، اہل کتاب کے لیے اللہ کا نام لینا شرط نہیں ہے ۔

اللہ کا نام لینے (یعنی تسمیہ) سے مراد صرف اللہ کا نام لے لینا ہے ، خاص طور پر بسم اللہ کہنا ہی ضروری نہیں ہے ۔ ہاں افضل طریقہ یہی ہے کہ ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہا جائے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (شکار پر) تیر چلانے یا شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت 'بسم اللہ' کہنا شرط ہے ۔ اسی طرح حلال کرنے کے لیے ذبح (گلے پر چھری پھیرنے) ، یا نحر (چھاتی پر زخم کرنے) یا عقر (زخمی کرنے) کے وقت جب ہاتھ چلایا جائے (تو ساتھ کے ساتھ) بسم اللہ کہنا واجب ہے ۔ کچھ اور کہنا بسم اللہ کا قائم مقام نہیں ہوسکتا ۔ بہتر یہ ہے کہ ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ۔

بسم اللہ ذبح سے پہلے کہا جائے یا فوراً ہی بعد میں کہہ لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

اگر شکاری جانور کو چھوڑا اور چھوڑنے کے وقت بسم اللہ نہیں کہا اور بڑی دیر ہوگئی تب کہا اور شکاری جانور کو ڈانٹ کر لشکارا اور لشکارنے پر وہ غضبناک ہوگیا تو اس کا شکار حلال ہے اور اس تاخیر سے کوئی حرج نہیں ۔

قصداً اللہ کا نام نہ لینے سے شکار اور ذبیحہ دونوں حرام ہوتے ہیں ؛ ہاں اگر سہواً یا بے خبری کی بنا پر بسم اللہ کہنا رہ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا ، لیکن شکار حلال نہ ہوگا ، اس واسطے کہ ذبح کا کام اکثر اوقات ہوتا رہتا ہے اور اس میں اکثر بھول ہوسکتی ہے ، بہ خلاف شکار کے کہ اس میں ایسی فروگزاشت نہ ہونی چاہیے ۔ اگر کسی شکار کے لیے بسم اللہ پڑھی گئی (وہ تو زخمی نہ ہو) اس کی بجائے کوئی اور جانور شکار ہوگیا تو حلال ہے ۔ لیکن اگر ایک تیر (بسم اللہ کہہ کر) شکار پر چلانا چاہا پھر اُسے چھوڑ کر کوئی اور تیر (بغیر بسم اللہ کہے) چلا دیا تو اُس کا مارا ہوا شکار کھانا جائز نہیں ، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ذبح کے لیے بسم اللہ جانور پر کہا جاتا ہے اور شکار کے لیے آلۂ شکار پر (جس سے شکار کیا جائے) ۔

شکاری کے متعلق ایک شرط یہ ہے کہ شکاری کتے یا کسی شکاری جانور کو شکار پر اُس طرح چھوڑا جائے جس طرح مختلف مسالک میں بتایا گیا ہے۔[۱]

ایک شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا یا ذبح کرنے والا اس جانور کو حلال کرنے کی نیت کرے؛ اگر نیت نہ کی، مثلاً کسی جانور کو کسی آلہ سے ضرب لگائی جس سے اس کا گلا زخمی ہو گیا اور وہ مر گیا تو وہ حلال نہ ہوگا،

۱۔ شکار پر شکاری جانور کو کس طرح چھوڑنا چاہیے، اس بارے میں مالکیہ کی دو رائیں ہیں اور دونوں قوی ہیں: ایک تو یہ کہ شکاری اُس جانور کو تھامے ہوئے ہو یا اُس کے ساتھ بندھا ہوا ہو، مثلاً یہ کہ اُس نے پیروں کے نیچے دبا رکھا ہو یا اُس کے تسمے میں بندھا ہوا ہو۔ اگر اُس کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ چھٹا ہوا ہے، اور شکار کے لیے روانہ کر دیا تو اُس کا مارا شکار نہیں کھانا چاہیے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس کو شرط (صحت) قرار نہ دیا جائے، بلکہ اگر شکاری جانور کھلا ہوا ہے اور اُسے شکار پر چھوڑا تو اُس کا مارا شکار حلال ہے۔ اگر شکاری جانور خادم کے پاس ہے اور شکار پر چھوڑنے کا مالک نے حکم دیا اور خادم نے اُسے چھوڑا تو اُس کا شکار کھایا جائے؛ اس واسطے کہ اس باب میں خادم کا ہاتھ خود مالک کے ہاتھ کی مانند ہے، لہٰذا شکار کا حکم دینے والے کی نیت اور اللہ کا نام لینا کافی ہے۔ یہاں پر یہ بھی شرط نہیں ہے کہ خادم مسلمان ہی ہو کیونکہ یہاں خادم کی نیت ضروری نہیں ہے، مالک کی نیت کافی ہے اور شکار پر چھوڑا جانا حکماً مالک ہی کا فعل ہوا۔

نیت کے بارے میں تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حلت صید کے لیے یہ شرط ہے کہ شکاری جانور کو خود شکاری نے (شکار) پر چھوڑا ہو، خواہ وہ جانور بندھا نہ رہا ہو۔ لیکن اگر شکاری کتا یا کوئی اور شکاری جانور پر وہ زیادہ غضبناک نہ ہوا ہو تو اُس کا مارا شکار حلال نہ ہو گا۔ اور اگر اُکسانے سے وہ شکاری جانور اور زیادہ غضبناک ہو گیا تو اس صورت میں دو اقوال ہیں اور صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ حلال نہ ہو گا۔ اور اگر اُس کو ڈانٹ کر روکا لیکن وہ نہ رکا پھر لشکارا تو اُس کا شکار حلال نہ ہو گا۔

کیونکہ اس ضرب سے اُس جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ تھی ۔ اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر شکار کرنے والا یا ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو شکار یا ذبیحہ کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ اُس نے (شکار یا ذبح کے وقت) حقیقتاً یا حکماً اس نیت سے شکار ذبح کیا ہو کہ اُس شکار یا ذبیحہ کا کھانا اُسے حلال ہو جائے۔ حکماً نیت کرنا یہ ہے کہ جانور کو شرعاً حلال کرنے کا ارادہ ہو؛ خواہ اُس کا کھانا حلال کرنا ملحوظ خاطر نہ ہو ۔ یہ ارادہ بھی حکماً اس کا کھانا حلال ہونے کی نیت ہے ، کیونکہ شریعت کے قاعدے سے حلال کرنے کے معنے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ یہ عمل اُس جانور کا گوشت حلال ہونے کا سبب ہے ۔ یہ ارادہ اس یقین کے لیے کافی ہے کہ اُس نے حلال کرنے کی نیت کی تھی ؛ حتیٰ کہ اگر اُس کے حلال ہونے میں شبہ رکھا تو وہ حلال نہ ہو گا ۔

اگر حلال یا ذبح کرنے والا اہل کتاب ہے تو (شکار یا ذبیحہ کو حلال ہونے کے لیے) یہ کافی ہے کہ اُس نے صرف (شکار یا ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہو، اگرچہ دل میں اس طرح حلال کرنے کی نیت نہ ہو؛ اس واسطے کہ اگر اُس کے عقیدے میں ہے کہ سارا جانور حلال ہے تو اُس کا ذبیحہ حلال ہو گا ، بشرطیکہ اس نے ایسے مسلمان کے سامنے ذبح کیا ہو جو ذبیحہ کے احکام سے واقفیت رکھتا ہو ، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ اہل کتاب کا نیت کرنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ جانور حلال ہونے کے لیے ذبح کی شرط اُس کے عقیدے میں داخل ہے ۔

مکلف اشخاص کے لیے حرام ہے کہ ارادۂ ذبح کے بغیر شکار کرے ۔ مثلاً یہ کہ شکار کے وقت کوئی نیت ہی نہ ہو (یونہی شکار کر لیا) یا محض کھیل کے طور پر شکار کیا ۔ ہاں اگر شکار کسی شرعی مقصد سے ہو مثلاً کتے کو شکار سکھانا یا شکار کی تجارت کرنا تاکہ خود کو اور بال بچوں کو فراغت حاصل ہو، اگرچہ مقصد تعیش ہو جیسے پھل کھانا، تو جائز ہے ۔ لیکن اگر جانور کا شکار تماشہ دکھانے اور اُس کو پیشہ بنانے کے لیے ہو کہ اس کو ذریعۂ معاش بنایا جائے تو اس میں دو رائیں ہیں : بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ممنوع ہے ۔ ←

→ حنفیہ کہتے ہیں کہ (شکار کے وقت) اللہ کا نام لینا از روے نص شرط ہے اور یہ ارادے پر موقوف ہے ، لہٰذا نیت ضروری ہوئی - اسی لیے ایسا شخص جو بالکل دیوانہ ہو اور اس کا اپنا ارادہ ہی کچھ نہ ہو ذبح کرے تو صحیح نہ ہو گا - لیکن ایسا فاترالعقل جس میں ارادے (کی صلاحیت) ہو اور بسم اللہ (کا لفظ) سمجھتا ہو اور ذبح کے شرعی قاعدے سے واقف ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ بسم اللہ نہ کہا ہو ، اس لیے کہ اسے اس کا شرط لازم ہونا معلوم ہی نہیں ہے ، کیوں کہ ناواقف کی مثال بھولنے والے کی سی ہے اور فاترالعقل کی مثال اس معاملہ میں بچے اور مخمور کی سی ہے - اگر بسم اللہ تو کہا لیکن نیت کا تصور نہ تھا تو اس کا ذبیحہ اس کی ظاہری حالت کے پیش نظر کہ اس نے ذبح کا ارادہ کیا ہے حلال ہو گا - اگر (بسم اللہ کی بجائے) الحمدللہ یا سبحان اللہ یا لاالہ الااللہ کہا تو اس صورت میں نیت ضروری ہو گی کیوں کہ یہ الفاظ تسمیہ (اللہ کا نام لینے) کے لیے بطور کنایہ کے ہیں اور کنایہ میں نیت لازم ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ شکار یا ذبح کا قصد کرنے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس نے کسی معین شے (کے شکار یا ذبح) کا ارادہ کیا ہو - اگرچہ اس نے اپنے ذہن میں جو کچھ متعین کیا تھا اس کے تعین میں غلطی ہوئی یا کسی جنس کا ارادہ ہو اور نشانہ خطا ہو گیا (یعنی جس پر نشانہ لگایا اس کی بجائے کوئی ہم‌جنس شکار ہو گیا)، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ جس کو پتھر سمجھ کر تیر چلایا وہ جانور نکلا اور تیر لگنے سے مر گیا تو اس کا کھانا جائز ہے کیوں کہ اس نے (نشانہ) ایک معین شے پر تیر چلانے کے لیے لگایا تھا ، اگرچہ اس کے ذہن نے غلطی کی (کہ جانور کو پتھر سمجھ لیا)- دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ ہرن کی ڈار پر تیر چلایا اور وہ کسی بھی ہرن پر جا لگا تو اس کا کھانا حلال ہے ، کیوں کہ اس نے ہرن کے شکار کا ارادہ کیا تھا - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی خاص جانور کا ارادہ کیا اور کوئی دوسرا شکار ہو گیا - اگر (ذبح یا شکار کے لیے) کسی متعین شے کا ارادہ کیا اور نہ کسی جنس کا تو وہ جانور حلال نہ ہو گا - مثلاً کوئی چھرا کسی جانور پر گر پڑا جس سے وہ ذبح ہو گیا تو حلال نہ ہو گا -

واضح ہو کہ نیت کے شرط ہونے کا تعلق ذبح سے نہیں ہے بلکہ فعل ذبح سے ہے - مثلاً اگر کسی شخص پر کوئی جانور حملہ آور ہوا اور اس نے تلوار سے ←

آلات شکار سے متعلق شرائط

آلات شکار کی دو قسمیں ہیں : بے جان (آلات) اور جاندار (آلات)۔ پہلی قسم کی مثال شکاری کا تیر ہے اور دوسری قسم کی مثال شکاری جانور جیسے چیتا ، تیندوا اور شیر جسے شکار کے لیے سدھایا گیا ہو ۔ اسی میں شکاری پرندے شاہین وغیرہ بھی شامل ہیں ۔

پہلی قسم کے آلات (سے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے) کی چند شرطیں ہیں ، مثلاً یہ کہ جانور آلہ کی دھار یا نوک کے زخم سے مرا ہو ؛ چنانچہ اگر چھری ، تلوار ، نیزہ یا تیر مارا اور اس کی دھار یا نوک لگنے سے جانور مرا تو حلال ہے۔ اگر وہ آلہ چوڑان کی طرف سے لگا اور اس کے صدمہ سے مرا اور اسے زندہ پا کر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ حلال نہ ہو گا ۔ اسی طرح اگر اسے لاٹھی یا لکڑی یا بے دھار کے پتھر سے مارا اور چوٹ کھا کر وہ مر گیا تو حلال نہ ہو گا ۔ ایسے ہی اگر کوئی جال یا پھندا لگایا گیا اور جانور کا گلا اس میں پھنس گیا اور ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ حلال نہ ہو گا ۔ اسی طرح بندوق کی گولی یا چھرے سے مرا ہوا جانور حلال نہ ہو گا ۔[1] اور اگر حیوان نے گولی کا زخم جھیل لیا

← ضرب لگا کر اس جانور کو مار ڈالا تو وہ حلال ہو گا اگرچہ اس کے ذبح کرنے کا ارادہ نہ تھا ، کیوں کہ یہاں اس فعل کا ارادہ لازم تھا جس سے ذبح ہو اور وہ ارادہ پایا گیا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (حلت کے لیے) ذبح کرنے کا ارادہ واجب ہے ۔ چنانچہ اگر احیاناً کسی جانور کی جائے ذبح پر تلوار جا پڑے اور وہ مر جائے تو اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا ، کیوں کہ ارادۂ ذبح نہیں پایا گیا ۔ اور (حلت کے لیے) ذبح کرنے کا ارادہ کافی ہے ؛ یہ شرط نہیں ہے کہ گوشت کو روا کرنے کی بھی نیت ہو ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بندوق سے مارے ہوئے شکاروں کی بابت متقدمین نے کوئی صراحت نہیں فرمائی ، لیکن متأخرین میں اکثر ثقہ اصحاب کہتے ہیں کہ گولی سے مارا ہوا شکار حلال ہے ، کیوں کہ گولی لگنے سے خون بہتا ہے اور کسی اور طرح سے حلال کرنے کی بہ نسبت اس میں جان آسانی سے نکل جاتی ہے ۔ شرعی طور پر جو ذبح کیا جاتا ہے اس میں بھی یہی امر ملحوظ خاطر ہوتا ہے کہ جانور ←

مثلاً کوئی بڑا جانور تھا اور زخم کھا کر زندگی باقی رہ گئی اور اسے ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا - غرض بندوق سے شکار کرنا (اور اس کا کھانا) جائز ہے جب کہ شکاری واقف کار ہو اور حیوان چوٹ کو جھیل لے اور زندہ ہاتھ لگ جائے (اور اسے ذبح کر لیا جائے) -

---

← کی جان جلدی سے نکل جائے تاکہ تکلیف سے بچا رہے ؛ لہٰذا جو طریقہ بسرعت جان نکالنے کے لیے اختیار کیا جائے بہتر ہے - یہ ضروری نہیں ہے کہ زخم پھاڑنے والا ہو ، اگر سوراخ والا زخم ہو تب بھی صحیح ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں اصل بات (جو قابل لحاظ ہے) یہ ہے کہ گولی کے شکار میں) شبہ رہتا ہے ؛ شبہ اس امر میں کہ شکار کی موت زخم سے ہوئی ہے چوٹ سے نہیں ہوئی - پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شکار گولی کی چوٹ سے مرا ہے یا اس کا شبہ ہو تو اس کا کھانا حلال نہ ہو گا جب تک کہ وہ فی الواقع زندہ ہاتھ نہ آئے اور اسے حلال نہ کیا جائے ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا -

پس اگر شکار کو بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ؛ اگرچہ گولی لگنے سے خون بہتا ہے اور جسم پھٹ جاتا ہے پھر بھی اس امر میں شبہ رہتا ہے کہ اس جانور کی موت گولی کے جھپیٹے سے واقع ہوئی یا گولی کے زخم سے مرا ، چوں کہ اس میں شک رہا اس لیے وہ حلال نہ ہو گا - تاہم اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ شکار زخم ہی سے مرا ہے ، گولی کے صدمے سے نہیں مرا ، تو حلال ہے -

چھروں سے شکار کیے ہوئے جانور کا حکم بھی گولی (کے شکار) کی طرح ہے - پس اگر کسی جانور کو چھرے سے شکار کیا تو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ جانور بڑا ہے جس کی بابت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کے محض صدمے سے مر سکتا ہے تو وہ حلال ہے ، کیوں کہ اس صورت میں اس کی موت (چھرے کی تکلیف سے نہیں بلکہ) بے شبہ زخموں سے ہوئی ہے - لیکن اگر چھرا کسی چھوٹے سے کمزور جانور پر چلایا گیا جیسے ناتواں چڑا جس کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ چھرے کے صدمہ ہی سے مر جائے گا تو وہ جانور حلال نہ ہو گا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ گولی کے زخم ہی سے مرا ہے اور چوٹ (یا دھماکے) سے نہیں مرا -

شکار کے حلال ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ آلۂ شکار سے جانور کا کوئی عضو بدن زخمی ہو جائے[1] اور وہاں سے خون بہے ؛ خواہ وہ 'کان' ہی کیوں نہ ہو -

اور ایک شرط یہ ہے کہ اس شکار کا اسی تیر یا آلۂ شکار سے مرنا ثابت ہو اور اس کی موت میں کسی اور سبب کو دخل نہ ہو - چنانچہ مثلاً اگر شکار پر تیر چلایا اور وہ اس طرح جا کر لگا کہ اس کا زندہ رہ جانا ممکن تھا لیکن ہنوز زندہ تھا کہ کہیں ایسے پانی میں جا پڑا جہاں ڈوب کر مرجانے کا امکان ہے اور وہاں وہ شکار مردہ پایا گیا تو وہ حلال نہ ہو گا کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے وہ (زخم کھا کر) پانی میں جا پڑا اور ڈوب کر مر گیا -

ایسی صورت میں اس کے مرنے کے دو سبب ہو گئے : ایک سبب تو ایسا تھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یعنی تیر کا زخم - اور دوسرا سبب ایسا تھا جو حلت سے مانع ہے یعنی پانی میں ڈوب کر مرنا - اب احتیاطاً اس سبب کو ترجیح دی جائے گی جو اس کے حلال ہونے سے مانع ہے - اسی طرح کی ایک مثال یہ ہے کہ کسی جانور پر ، جو کسی پہاڑی یا ٹیلے پر تھا تیر چلایا گیا ؛ تیر لگ کر وہ جانور اتنے اوپر سے نیچے گر پڑا جہاں سے گر کر جانور بالعموم مر جاتے ہیں تو وہ شکار حلال نہ ہو گا - البتہ اگر تیر اس جانور کے اعضاے رئیسہ میں سے کسی میں پیوست ہو گیا اور اس عضو کو چور چور کر دیا اور اس کی موت کا تحقق ہو گیا بایں طور کہ اس میں حرکت مذبوحی کے سوا کوئی (اختیاری) حرکت باقی نہ رہی تھی اور اسی حالت میں وہ پانی میں گر گیا یا اونچی جگہ سے گر پڑا تھا جہاں سے گر کر موت کا آ جانا قرین قیاس ہے تو (اس صورت میں) وہ حلال ہو گا -

---

۱- (حلت شکار کے لیے) خون بہنے کی (شرط) کے متعلق حنفیہ میں باہم اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی قید نہیں ہے ، خواہ زخم چھوٹا ہو یا بڑا ہو- بعض کہتے ہیں کہ خون کا بہنا سرے سے شرط صحت ہے ہی نہیں؛ صرف زخم کا ہونا کافی ہے خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو - بعض اصحاب نے یوں تفصیل کی ہے کہ اگر زخم بڑا ہو تو خون بہنا ضروری نہیں اور اگر زخم چھوٹا ہو تو خون بہنا ضروری ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ شکار حلال ہونے کے لیے خون بہنا شرط ہے ، حتیٰ کہ ←

اس حکم سے ایسے ناگزیر حالات جن سے مفر نہ ہو مستثنیٰ ہیں، چنانچہ اگر کسی اُڑتے ہوئے پرندے پر تیر چلایا اور وہ زمین پر یا زمین پر بکھری ہوئی اینٹوں پر آ کر گرا تو وہ حلال ہو گا اور شبہ کو نظرانداز کر دیا جائے گا کہ شاید وہ گرنے سے مرا (تیر کے زخم سے نہ مرا ہو)، کیوں کہ اگر ایسے شبہات پر بھروسہ کر لیا جائے تو کبھی شکار حلال نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی پرندہ دریا یا پانی پر اڑ رہا ہو اور اس پر تیر چلایا اور وہ پانی میں گرا تو حلال ہو گا[1] بشرطیکہ وہ پانی میں ڈوب نہ گیا ہو اور صرف آلۂ شکار کے زخم سے یہ قیاس نہ کیا جا سکتا ہو کہ اس کی موت اسی زخم سے ہوئی ہے کیوں کہ اس صورت میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ (زخم سے نہیں بلکہ) ڈوب کر مرا ہے۔

اگر کوئی جانور آلۂ شکار کے زخم سے دو ٹکڑے ہو جائے تو اس کے تمام اجزا حلال ہیں۔ اسی طرح اگر تیر چلایا گیا اور شکار کا سر کٹ گیا یا آدھا کٹا یا اس کے ساتھ اس کے جسم کا کچھ حصہ کٹا کہ (اس کٹے ہوئے حصے) کے ساتھ وہ زندہ نہیں رہ سکتا تو اس جانور کا اور اس کے جسم کے کٹے ہوئے حصہ کا کھانا حلال ہے۔ لیکن اگر ایسا عضو کٹا کہ اس کے بغیر اس جانور کے زندہ رہنے کا

← جلد پھٹ جائے اور خون نہ بہے تو حلال نہ ہوگا۔ البتہ اگر جانور مریض ہو تو اس صورت میں خون کا بہنا شرط نہیں ہے اور خون بہنے کے لیے جلد کا پھٹنا لازم ہے۔ اگر جلد نہ پھٹے تو جانور حلال نہ ہو گا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ ایسے پانی میں جا پڑا جہاں اس کا ڈوبنا اور مر جانا عادۃً قرین قیاس ہے اور وہ مر گیا تو کسی حال میں حلال نہیں، اگرچہ آلۂ شکار نے اس کے اعضاے رئیسہ کو کاٹ دیا ہو۔ البتہ اگر وہ کوئی پرندہ پانی کے اوپر اڑ رہا تھا اور زخمی ہو کر پانی میں گر گیا تو معاف ہے۔ اسی طرح شکار شدہ پرندہ ہوا سے زمین پر گر پڑے تو معاف ہے (یعنی اس شبہ کو دخل نہ دینا چاہیے کہ ممکن ہے وہ زخم سے نہ مرا ہو بلکہ گرنے کی چوٹ سے مرا ہو)۔

اگر شکار شدہ جانور پانی میں اس طرح گرے کہ جسم پانی میں اور سر پانی سے باہر ہو تو وہ بہر حال حلال ہے۔

خیال ہو سکتا ہے ، مثلاً ہاتھ ، پاؤں ، ران یا ایک تہائی کولھا (کٹ جائے) اور وہ جانور اس زخم سے مر جائے[1] یا زندہ ہاتھ آئے اور اسے ذبح کر لیا جائے تو اس جانور کا کھانا حلال ہے ، لیکن وہ عضو جو اس سے کٹ کر الگ ہوگیا حرام ہے ، کیوں کہ جسم کا وہ حصہ جو زندہ جانور سے جدا کر لیا جائے مردار ہوتا ہے ، سوا اس صورت کے جب کہ کٹا ہوا حصہ اس سے بالکل علیحدہ نہ ہو گیا ہو ، بایں طور کہ گوشت کے ساتھ لٹکا ہوا ہو اور اگر اس جانور کی زندگی رہ جاتی تو اس زخم کا بھر جانا اور اپنی حالت پر آ جانا ممکن ہوتا ۔ ایسی صورت ہو تو اس جانور کو ذبح کرنے میں وہ حصۂ عضو بھی جو ہنوز اس کے ساتھ وابستہ ہے ذبیحہ کے حکم میں ہے ۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ کٹا ہوا حصہ برائے نام جڑا ہوا ہے مثلاً کھال سے[2] یا کسی رگ سے لٹکا رہ جائے کہ اس کے بھر جانے اور اپنی پہلی صورت پر آ جانے کی امید نہ ہو (تو وہ حصہ ذبیحہ کے حکم میں نہ ہو گا) ۔

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر شکار کا ہاتھ یا پاؤں یا کوئی ایسا جزو کٹ گیا ہو جس کے بغیر اس کا زندہ رہنا ممکن تھا ، لیکن وہ زخم کھا کر مر گیا تو وہ جانور، اس کے جسم سے جدا شدہ ہاتھ یا پاؤں کھایا جا سکتا ہے ۔ لیکن یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ زخم ایسا تھا جس سے فوری ہلاکت ہو سکتی ہے ؛ اور (زخمی شکار) ہاتھ نہیں آیا اور اس میں زخمی ہونے کے بعد زندگی باقی تھی اور اسے مارنے کے لیے کوئی اور زخم نہیں لگایا گیا وغیرہ ۔ اگر وہ پہلے زخم سے نہیں مرا اور اسے دوسرا زخم لگا کر مارا گیا تو اس صورت میں صرف وہ ثابت اعضا جو اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں کھائے جا سکتے ہیں اور جو عضو اس کی زندگی ہی میں الگ ہو گیا وہ عضو نہیں کھایا جائے گا ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ شکار زندہ ہاتھ آ جائے اور اس میں زندگی ہو اور اسے ذبح کر لیا گیا ۔ یعنی اس کا جدا شدہ حصہ بھی حلال نہیں ہے ۔

۲ ۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر شکار شدہ جانور کا مقطوع حصہ اس کی کھال کے ساتھ لٹکا ہوا ہو اور اس شکار کا کھانا حلال ہو تو اس حصے کا کھانا بھی حلال ہے اور وہ دوسرے اعضا کی طرح ہو جائے گا ۔

شکاری جانوروں کے صحت شکار وغیرہ کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

---

۱ - حنابلہ کہتے ہیں کہ شکاری جانوروں کی دو قسمیں ہیں : ایک تو وہ جانور جو اپنی کچلیوں سے (یعنی منہ سے بھنبھوڑ کر) شکار کرتے ہیں جیسے کتا اور چیتا اور ہر ایسا جانور جو اس طرح شکار کرے۔ دوسرے ذومخلب (یعنی پنجے والے شکاری جانور) جیسے باز ، شکرہ ، عقاب اور شاہین وغیرہ۔ ان دونوں قسم کے شکاری جانوروں کا مارا ہوا شکار حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شکار کے لیے سدھائے گئے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمو نہن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم''

(یعنی ایسے شکاری جانور جنھیں تم شکار کے لیے سدھاتے اور انھیں ایسی باتیں سکھا دیتے ہو جن کا طریقہ تمھیں اللہ نے سکھایا ہے یہ جانور اگر تمھارے لیے شکار کو دبوچ رکھیں تو اس شکار کو کھا سکتے ہو)۔

ان جانوروں میں سے پہلی قسم یعنی کتے وغیرہ کا سدھ جانا تین باتوں پر موقوف ہے :

پہلی بات یہ ہے کہ جب شکار پر چھوڑا جائے تو اپنے مالک کا حکم مانے۔ دوسرے یہ کہ جب ڈانٹ کر روکا جائے تو رک جائے ، خواہ یہ کیفیت شکار نظر آنے کے وقت ہو یا کسی اور وقت۔ تیسرے یہ کہ شکار شدہ جانور میں سے خود کچھ نہ کھائے۔

یہ تینوں شرطیں خصوصیت کے ساتھ کتے کے لیے ہیں ؛ چیتے وغیرہ کے لیے تیسری شرط میں صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ کھانے سے باز رہیں کیوں کہ ڈانٹ کر روکنے سے ان کا رک جانا دشوار ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ بار بار ان کے نہ کھانے کا تجربہ ہوا ہو ، بلکہ ایک بار کا تجربہ (سدھا ہوا تسلیم کرنے کے لیے) کافی ہے۔ پس اگر (شکاری جانور نے) شکار میں سے کچھ کھا لیا تو جس جانور میں سے کھایا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ لیکن ایسی صورت رونما ہونے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جانور سدھا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایسے جانور نے پھر کوئی شکار کیا اور اس میں سے کچھ نہ کھایا تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوگا۔ شکاری کتا اگر شکار شدہ جانور کا خون چاٹ لے اور گوشت میں سے کچھ نہ کھایا ہوئے تو شکار حرام نہ ہو گا۔

←

→ دوسری قسم کے سدھے ہوئے شکاری جانور میں دو باتیں ہونی چاہئیں : ایک تو یہ کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو وہ مالک کی اطاعت کرے ، اور جب واپس بلایا جائے تو واپس آ جائے - رہا شکار کا نہ کھانا ، تو یہ شرط ایسے شکاری پرندوں کے لیے لازم نہیں ہے ، لہٰذا (شکاری پرندوں کا مارا) شکار حلال ہے ، گو اس میں سے کچھ اس نے کھایا ہو - پنجوں سے شکار کرنے والے جانوروں (کے مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے) میں یہ شرط ہے کہ شکار زخمی ہو گیا ہو لہٰذا اگر دبا کر یا گلا دبوچ کر مارا ہوا شکار ہے تو وہ مباح نہیں ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ وحشی کالے کتے کا مارا ہوا شکار حرام ہے اور اس کا پالنا حرام ہے جیسا کہ ایک حدیث سے بظاہر یہی حکم نکلتا ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس امر کی تحقیق کہ کوئی جانور شکار کے لیے سدھا ہوا ہے چار امور پر موقوف ہے :

اول یہ کہ مالک اس کو شکار پر چھوڑنے کے وقت روکے تو وہ اس کے ڈانٹنے سے رک جائے - اگر مالک نے اسے رکنے کے لیے ڈانٹا اور وہ نہ مانا تو اس جانور کو سدھا ہوا شمار نہ کیا جائے گا - اسی طرح اگر اس وقت ڈانٹا جب کہ وہ برانگیختہ ہو کر سخت غصے میں ہو اور اس کے ڈانٹنے کو وہ نہ مانے تو بقول صحیح اس کو سدھا ہوا نہ مانا جائے گا -

دوم یہ کہ جب شکار کے لیے چھوڑا جائے تو وہ شکار کے لیے تیار ہو جائے بایں طور کہ مالک کے لشکارنے پر وہ برانگیختہ ہو جائے -

تیسرے یہ کہ شکار کو پکڑ کر اپنے مالک کے لیے روک رکھے اور اسے چھوڑ نہ دے -

چوتھے یہ کہ اس میں سے خود کچھ نہ کھائے -

یہ چاروں شرطیں شکاری کتے اور اسی جیسے درندہ شکاری جانوروں کے لیے ہیں ، لیکن شکاری پرندے کے لیے یہ شرط ہے کہ جب شکار کے لیے اسے اکسایا جائے تو وہ برانگیختہ ہو جائے اور بقول معتبر یہ بھی شرط ہے کہ شکار کو خود نہ کھائے - لیکن جب (شکار پر) وہ اڑ کر جھپٹ پڑے تو پھر اس کا ڈانٹنے سے رک جانا شرط نہیں ہے - اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ شکار پر جھپٹنے سے پہلے روکے سے رک جائے (تب ہی اسے سدھا ہوا شمار کیا جا سکے) - تاہم یہ ضروری ←

← ہے کہ ان صفات کا بار بار تجربہ کر لیا جائے تاکہ یہ گمان غالب ہو جائے کہ وہ شکاری پرندہ سدھ گیا ہے۔ نیز اس بارے میں واقف‌کار لوگوں سے شکاری جانور کی بابت تصدیق کر لی جائے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ جانور سدھ گیا ہے تو اس کا مارا شکار کھایا جائے۔ اس بارے میں قابل وثوق قول یہ ہے کہ ایک یا دو بار (کی آزمائش) سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا اگر شرائط بالا میں سے کوئی شرط (شکاری جانور کے تربیت یافتہ ہونے کی) نہ پائی گئی تو اس کا شکار حرام ہوگا۔ البتہ زندہ ہاتھ آ جائے اور اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہوجائے گا۔

شکاری جانور (کا مارا شکار حلال ہونے) کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس نے شکار کو زخمی کیا ہو۔ اگر دبوچ کر مارا یا کسی دیوار سے ٹکرا کر یا کسی پتھر یا زمین پر پٹخ کر مارا یا ایسے ہی کسی اور طریقے سے مارا تو حلال ہوگا۔

جس کتے کا تربیت یافتہ ہونا متحقق ہو اس نے اگر اپنے شکار میں سے کچھ کھا لیا تو امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک زیادہ مشہور قول کی بنا پر وہ شکار حلال نہ ہو گا اور کتے کو نئے سرے سے سدھانا پڑے گا۔

اگر کتا اپنے شکار کا خون چاٹ لے تو اس کے تربیت یافتہ ہونے میں خلل نہیں ہے۔

لازم ہے کہ کتے نے شکار کو جس جگہ پر کاٹا ہے اس جگہ کو بقول راجح مٹی اور پانی سے دھو لیا جائے جس طرح دوسری خالص نجاستوں کو دھویا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اتنے حصے کو کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ قابل درگزر ہے، دھونا ضروری نہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ جگہ پاک ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جانور کا سدھا ہوا ہونا اس حالت میں مانا جائے گا کہ جو شکار اس نے کیا ہے اسے روک رکھے اور مالک کے لیے دبائے رہے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے اور بلایا جائے تو حکم مانے اور جب شکار پر چھوڑا جائے تو وہ جھپٹ پڑے۔ اور اس کا تربیت یافتہ ہونا بقول صحیح درست نہ مانا جائے گا جب تک کہ ان باتوں کا تجربہ تین بار نہ کرلیا جائے۔ اس کے بعد چوتھی بار اس کا مارا شکار مباح ہو گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیسری بار کا مارا شکار بھی مباح ہے۔

یہ تمام احکام کتے اور دوسرے درندہ شکاری جانوروں کے متعلق ہیں۔ شکاری پرندہ جانوروں مثلاً شاہین، جرہ اور باز کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ←

→ شکار میں سے خود نہ کھائیں (تب ہی انھیں تربیت یافتہ سمجھا جائے) ۔ اگر مالک کے بلانے پر وہ عمل کرنے لگے تو اس کو سدھا ہوا تسلیم کر لیا جائے گا ۔ پس اگر تیسری بار مالک کے بلانے پر 'شکاری پرندہ' گوشت کا لالچ دیے بغیر آ جائے تو وہ سدھا ہوا شکاری پرندہ ہے ۔ لیکن اگر گوشت کا لالچ دے کر بلانے پر آئے تو اس کے تربیت یافتہ ہونے کا اعتبار نہیں ہے ۔ یہاں تک تو مضائقہ نہیں کہ پہلی بار یا دوسری بار بلانے پر (شکاری پرندہ) نہ آئے، لیکن اگر تیسری بار بلانے پر بھی وہ نہ آئے تو اس جانور کو سدھا ہوا خیال نہیں کیا جائے گا ۔

(حلت شکار کے لیے) بقول معتبر یہ ضروری ہے کہ شکاری جانور اس کو زخمی کر دے ۔ اگر شکاری جانور نے پرندہ کا گلا دبوچ کر یا اسے دبا کر یا ایسے ہی کسی اور طریقہ سے مار ڈالا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے ۔ لیکن اس حکم سے باز اور شکرا مستثنیٰ ہیں یعنی یہ لازم نہیں ہے کہ وہ شکار کو زخمی کردیں (تب ہی حلال ہو) ۔ ان شکاری پرندوں کا مارا شکار بالاتفاق حلال ہے اگرچہ وہ گلا دبوچ کر یا دبا کر مارا گیا ہو ۔

خون نکلنے کے بارے میں اختلاف ائمہ کی وہ ہی صورت ہے جیسا کہ آلات شکار سے شکار کے بیان میں گزر چکا ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تربیت یافتہ شکاری جانور وہ ہیں کہ جب شکار کے لیے انھیں چھوڑا جائے تو وہ اس کے مطابق کریں، اور جب پکار کر ان کو روکا جائے تو رک جائیں ۔ سوائے باز کے کہ اس کو (شکار پر چھوڑنے کے بعد) روکا نہیں جا سکتا ۔ اگر شکاری جانور احیاناً ایک بار کہنے کو نہ مانے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ وہ تربیت یافتہ نہیں ہے ۔ چنانچہ ایک بار حکم ماننے سے تربیت پانے والا جانور سدھا ہوا مان لیا جاتا ہے ۔

اور (حلت شکار کی) یہ شرط ہے کہ شکاری جانور نے اسے زخمی کیا ہو اور اس سے خون نکلا ہو ۔ البتہ اگر شکار مریض ہے تو اس کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی جلد پھٹ گئی ہو گو خون نہ بہا ہو، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ۔ پس اگر شکار کو اپنے بوجھ سے یا زمین پر پٹخ کر یا کسی اور طرح (بغیر زخمی کیے) مارا تو وہ حلال نہیں ہے ۔

دعوت ولیمہ کا بیان

لغت کی رو سے ولیمہ، طعام العرس کا نام ہے (یعنی کتخدائی کی خوشی کی دعوت) - اس کا اطلاق حقیقی معنیٰ میں کسی اور شے پر نہیں ہوسکتا - 'عرس' (بضم عین) کا لفظ عقد ازدواج اور زفاف (یاخلوت) کے لیے بولا جاتا ہے لیکن فقہا اس سے وظیفۂ زوجیت (خلوت صحیحہ) ہی مراد لیتے ہیں - لہٰذا فقہا کے نزدیک ولیمۃ العرس سے مراد زفاف اور کتخدائی کی خوشی میں کھانے کی دعوت کرنا ہے - اس کے علاوہ اور کھانے کی دعوتیں جو لوگوں کو بالعموم تقریبات مسرت پر دی جاتی ہیں، ان کے نام دوسرے ہیں جن کو حقیقی معنیٰ میں ولیمہ نہیں کہا جاتا -

ایسی دعوتیں بہت سی ہیں مثلاً وہ دعوت جو عقد سے پہلے زوجہ کی طرف سے دی جاتی ہے؛ اس کو طعام الاملاک (بکسرالف) کہتے ہیں - 'املاک' کے معنے زوجیت میں دینے کے ہیں - اس دعوت کو شندخ (بضم شین و سکون نون و فتح دال) کہتے ہیں - یہ لفظ اہل عرب کے قول ''فرس مشندخ'' سے ماخوذ ہے - اس کے معنے ہیں ''دوسروں پر پیش قدمی کرنے والا گھوڑا'' - اس دعوت کا یہ نام اس لیے ہے کہ یہ کھانا نکاح اور زفاف سے پہلے ہوتا ہے -

ختنہ کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو اعذار بکسرالف (یعنی تقریب ختنہ کی دعوت) کہتے ہیں -

عورت کے دردزہ سے نجات پانے اور بچے کے پیدا ہو جانے پر جو کھانے کی دعوت ہوتی ہے اس کا نام 'خرس' (بضم خا و سکون را) ہے (یعنی تقریب ولادت کی دعوت) -

سفر سے واپس آنے کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو ''نقیعہ'' کہتے ہیں - یہ لفظ 'نقع' سے مشتق ہے جس کے معنے غبار کے ہیں - (یعنی سفر سے غبار آلودہ مسافر کی بخیر واپسی کی دعوت) -

بچے کے قرآن شریف وغیرہ ختم کرنے کی تقریب میں جو دعوت ہو اس کو 'حِذاق' (بکسر حا و تخفیف ذال) کہتے ہیں - یہ لفظ 'حذق' سے مشتق ہے - اس میں بچہ کی مہارت (علمی) کی جانب اشارہ ہے -

اسی میں وہ کھانا بھی ہے جو غم کی تقریبات میں دیا جاتا ہے - اس کو 'وضیمہ' کہتے ہیں (یعنی میت کا کھانا) -

تعمیر مکان کی خوشی میں جو کھانا ہوتا ہے اس کا نام 'وکیرہ' ہے (یہ لفظ غالباً وکر سے ماخوذ ہے جس کے معنے پرندہ کا آشیانہ میں آنا ہے)۔

کھانے کی ایک دعوت "عقیقہ" ہے (یعنی مونڈن کی تقریب کا کھانا)

ولیمہ وغیرہ سے متعلق احکام

جیسا کہ معلوم ہوا ولیمہ اس ضیافت طعام کو کہتے ہیں جو کتخدائی (کی خوشی) میں کی جائے۔ یہ ایک سنت[1] مؤکدہ ہے۔ عورت کے ساتھ تعلقات زناشوئی قائم کرنے کی خوشی میں یہ سنت اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ خاوند اپنی مرضی کے مطابق اور اس کی حیثیت کے لوگ جیسی توفیق رکھتے ہوں اس کے پیش نظر ولیمہ کی دعوت کرے۔ پس اگر جانور کے ذبح کرنے کا مقدور ہے تو سنت یہ ہے کہ ایک بکری سے کم نہ ہو۔ صاحب توفیق کے لیے یہ مطالبہ کم سے کم ہے؛ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان بن عوفؓ کو ارشاد فرمایا کہ "اولم و لوبشاۃ" (یعنی ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو)۔ ماخوذ از حدیث بخاری۔ اگر مقدور نہ ہو تو حسب استطاعت جو بھی ہو سکے کافی ہے۔ چنانچہ بخاری ہی میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقام مدین کسی زوجۂ مطہرہ سے نکاح کی تقریب پر جَو کے دانوں سے ولیمہ کیا تھا۔

ولیمہ کے علاوہ دوسری مسرت بخش تقریبات میں، جن کے نام اوپر بتائے گئے ہیں، جو کھانا کھلایا جاتا ہے ان کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[2]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ولیمہ ایک امر مندوب (پسندیدہ کام) ہے؛ نہ واجب ہے اور نہ بقول صحیح سنت ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر خوشی کے موقع پر کھانے کی تیاری اور ضیافت سنت ہے، خواہ وہ کتخدائی کی تقریب ہو یا ختنہ کی یا سفر وغیرہ سے واپسی کی خوشی کی تقریب ہو جس کا ذکر اوپر کیا گیا، لہٰذا دعوت ولیمہ ہی خصوصیت کے ساتھ سنت نہیں ہے۔ چنانچہ 'ولیمہ' جس طرح شادی کتخدائی کے کھانے پر صادق آتا ہے، اسی طرح دوسری تقریبات کے کھانوں پر بھی صادق آتا ہے لیکن اس کا مصداق بیشتر شادی ہی کی دعوت ہوتی ہے۔

سفر اگر ایسا ہو جس کو بالعموم لمبا خیال کیا جاتا ہے یا دور دراز کے

علاقوں کا ہو تو واپسی پر دعوت طعام سنت ہے۔ لیکن آسان سفر ہو یا کسی قریب کے علاقے کا ہو تو اس صورت میں وہ سنت نہیں ہے۔

رہا وضیمہ یعنی میت کا کھانا تو سنت یہ ہے کہ وہ میت کے پڑوسیوں کی طرف سے ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ 'سنت' صرف دعوت ولیمہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص شادی کے بعد اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس خوشی میں سنت یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں اور احباب کو مدعو کرے؛ ان کے لیے کھانا تیار ہو اور جانور ذبح کیا جائے۔

باقی رہیں ولیمہ کے سوا دوسری ضیافتیں، مثلاً تقریب ختنہ وغیرہ کی دعوت جن کا ذکر کیا گیا، تو وہ جائز ہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی دینی برائی نہ ہو۔

میت کا کھانا جو غمی کے موقعوں پر ہوتا ہے سو جائز ہے کہ میت کے گھر والوں کے علاوہ اور لوگ کھانا تیار کرکے لائیں اور اہل میت کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں، کیونکہ وہ لوگ (اس روز تجہیز و تکفین میں) مشغول رہتے ہیں۔ دوسرے تیسرے روز یہ عمل مکروہ ہے۔ مصیبت کے ایام میں تین روز کی یہ ضیافت ہم لوگ روا نہیں سمجھتے۔ تاہم اگر ایسی کوئی ضیافت کی جائے تو اس کے کھانے میں مضایقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر محتاجوں کے لیے کھانا پکایا جائے تو اچھی بات ہے لیکن یہ شرط ہے کہ یہ کھانا (وارث) بچوں کے مال سے نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ محض مندوب (امر (پسندیدہ) ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اس کے علاوہ دوسرے کھانے مثلاً ختنہ وغیرہ کی تقریب کی دعوت سو وہ محض جائز ہیں، نہ واجب ہیں نہ مستحب ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ تو صرف دعوت ولیمہ مسنون ہے، اس کے علاوہ دوسرے اقسام کی دعوتیں جن کا اوپر ذکر ہوا جائز ہیں، مگر غمی کے مواقع پر کھانے کی ضیافت مکروہ ہے۔

تقریب ختنہ کی دعوت کے بارے میں دو قول ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں مکروہ ہے، کچھ کہتے ہیں جائز ہے۔

عقیقہ کی دعوت سنت ہے۔

دعوت ولیمہ کا وقت

دعوت ولیمہ مذکورہ کس وقت ہونی چاہیے ، اس کی بابت مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ کا وقت وہ ہے جب بیوی کے پاس جانا ہو ؛ خواہ اس سے پہلے کردی جائے یا بعد میں ہو ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بیوی کے پاس جانے (یعنی خلوت) سے پہلے مستحب ہے، کیونکہ اس دعوت کا مقصد نکاح کا اعلان ہے ، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ یہ اعلان 'خلوت' سے پہلے ہو۔ اور وہ جو امام مالکؒ سے مروی ہے کہ دعوت ولیمہ بیوی کے پاس جانے کے بعد ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر خلوت سے پہلے نہ ہوئی ہو اور یا دوبارہ کرنا ہو تو (خلوت کے بعد کی جائے) ۔ پس امر مندوب یہ ہے کہ دعوت طعام ولیمہ ایک بار ہو اور دوبارہ ضیافت بھی مختلف اوقات میں صحیح ہے، بشرطیکہ دوسری بار جو لوگ بلائے جائیں وہ پہلی بار بلائے جانے والوں سے مختلف ہوں ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ بیوی کے پاس جانے پر ہوتی ہے اور خلوت والے دن کے بعد اگلے دن بھی اس کا وقت رہتا ہے ۔ اس کے بعد دعوت شادی ولیمہ بند ہو جاتی ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ کا مستحب وقت وسیع ہے ۔ اس کا وقت عقد نکاح کے بعد سے کدخدائی (یا خلوت) کے انجام پانے تک ہے ؛ کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے ، لہٰذا یہ جو عام دستور ہے کہ بیوی کے پاس جانے سے کچھ دیر پہلے دعوت ولیمہ ہوتی ہے ، اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے ۔

دعوت ولیمہ کا وقت شروع ہونے کے بعد دو دن تک جاری رہتا ہے ، یعنی پہلے دن اور دوسرے دن اور تیسرے دن یہ مکروہ ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

الولیمة اول یوم حق و الثانی معروف والثالث ریاء وسمعة (ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ) ۔

یعنی ولیمہ پہلے روز کا ادائے حق ہے ، دوسرے روز کا نیکی ہے ، تیسرے روز کا ریا اور نمائش ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ولیمہ کا وقت عقد کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور ←

دعوت ولیمہ وغیرہ کا قبول کرنا

دعوت ولیمہ جو خصوصیت کے ساتھ تقریب کتخدائی کی دعوت کو کہتے ہیں ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ، اس کا قبول کرنا فرض ہے[1] ، لہٰذا جسے مدعو کیا جائے اسے جائز نہیں ہے کہ انکار کرے - البتہ ولیمہ کے علاوہ دوسری دعوتیں جن کا اوپر ذکر ہوا ، یعنی تقریب ختنہ کی دعوت یا سفر سے واپسی وغیرہ کی دعوتوں کا قبول کرنا سنت ہے -[2] لیکن ان کے واجب یا سنت ہونے کی

← خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے وہ ختم نہیں ہوتا - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کنواری کے ساتھ شادی ہو تو ولیمہ کا وقت سات دن تک ہے ، اور بیوہ کے ساتھ ہو تو تین دن ؛ اس کے بعد ولیمہ کی قضا ہے (ادا نہ ہو گا) - اور بہتر یہ ہے کہ ولیمہ خلوت کے بعد کیا جائے -

---

۱ - اس بارے میں حنفیہ کی دو رائیں ہیں : ایک یہ ہے کہ دعوت کا قبول کرنا سنت ہے قطع نظر اس سے کہ وہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت ہو ، بشرطیکہ شرایط (صحت) دعوت پوری ہوں -

دوسری رائے یہ ہے کہ دعوت کا قبول کرنا سنت ہے ، اور وہ دعوت جو 'ولیمہ' کے نام سے مشہور ہے (اس کا قبول کرنا) واجب کے قریب ہے - لیکن ولیمہ کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کر لینا انکار سے بہتر ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے ، اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے -

۲ - مالکیہ کہتے ہیں کہ قبولیت دعوت طعام کی پانچ قسمیں ہیں : پہلی قسم واجب ہے ؛ وہ تو نکاح کے بعد ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا ہے -

دوسری مستحب ہے ؛ وہ دوستانہ دعوت کا قبول کرنا ہے جس کو 'مأدبة' (بضم و بفتح دال) کہتے ہیں - یہ وہ دعوت ہے جو باہم موانست کے لیے کی جائے -

تیسری قسم مباح ہے ؛ یہ وہ دعوت ہے جو کسی نیک مقصد کے لیے کی جائے ، برا مقصد نہ ہو - (نیک مقصد) جیسے بچہ کے عقیقہ کی دعوت یا نقیعہ جو سفر سے واپس آنے کی خوشی میں کی جائے یا وکیرہ جو تعمیر مکان کی خوشی میں کی جائے یا خرس جو زچہ کے نفاس سے فارغ ہونے کی تقریب میں کی جائے یا اعذار جو ختنہ کی تقریب پر کی جائے - ←

چند شرایط ہیں؛ منجملہ ان کے یہ کہ دعوت دینے والا علانیہ بدکاری میں مبتلا یا ظالم نہ ہو ، یا (دعوت کرنے سے) کوئی ناجائز غرض وابستہ نہ ہو ، جیسے اپنی بڑائی اور فخر کا اظہار ہو، یا جن کو دعوت دی گئی ہے ان پر دباؤ ڈالنا (مقصود ہو) تا کہ کسی ناجائز کام میں ان کی خدمات حاصل کی جائیں ، مثلاً کسی جج کو دعوت پر اس لیے بلانا کہ وہ دعوت جج اور منصفانہ فیصلے کے درمیان رکاوٹ ڈال دے -

ایک شرط یہ ہے کہ جس کو بلایا گیا ہے وہ شرعی نقطۂ نظر سے معذور نہ ہو، یعنی ایسا عذر نہ ہو جو اس کی جماعت نماز میں شرکت سے باز رہنے کی وجہ موجہ ہو جیسے مرض وغیرہ -

اور ایک شرط یہ ہے کہ جس کو مدعو کیا ہے وہ متعین ہو- اگر بلا تعین عام طور پر لوگوں کو کہا کہ چلو دعوت کھانے کو ؛ ایسی دعوت قبول کرنا کسی پر واجب نہیں ہے -

اور یہ کہ اس دعوت میں کوئی امر حرام یا مکروہ نہ ہو -

اگر یہ شرایط نہ ہوں تو دعوت کا قبول کرنا نہ تو فرض ہے اور نہ سنت ہے- اور اگر دعوت قبول کرنا ہو تو اس کے بھی شرایط ہیں - اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

چوتھی قسم مکروہ ہے یعنی ایسی دعوت کا قبول کرنا جو (اظہار) فخر یا ناموری کے لیے کی جائے-

پانچویں قسم حرام ہے - اس سے مراد ایسی دعوت کا قبول کرنا ہے جو کسی ایسے شخص کے اعزاز میں کی جائے جس کا تحفہ قبول کرنا حرام ہو جیسے فریقین مقدمہ میں سے کسی کا منصف کو دعوت کرنا -

---

۱ - حنابلہ کہتے ہیں کہ دعوت قبول کرنے کی چند شرطیں ہیں :

اول یہ کہ جس کو دعوت دی گئی ہو وہ متعین شخص (یا اشخاص) ہوں - اگر لوگوں کو دعوت عام دی ، مثلاً دعوت دینے والے نے ایک گروہ کو کہا کہ لوگو کھانا کھانے کو چلو تو اس صورت میں کسی پر بھی قبول کرنا واجب نہیں - اسی طرح کسی نے اپنے فرستادہ کو یوں کہا کہ جسے جی چاہے یا جو مل جائے اسے (کھانے کے لیے) بلا لاؤ تو کسی کو بھی ایسی دعوت کا قبول کرنا واجب نہیں ہے -

→ دوسرے یہ کہ دعوت دینے والا مسلمان ہو ۔ اس کا ترک کرنا حرام ہے ۔ اگر کسی ذمی (اسلامی ملک میں رہنے والا غیر مسلم) نے دعوت دی تو اس کا قبول کرنا مکروہ ہے ۔ اسی طرح ظالم ، بدکار ، بدعتی یا فخریہ دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے ۔

تیسرے یہ کہ دعوت کرنے والے کی کمائی رزق حلال ہو ؛ اگر اس کی تمام کمائی حرام ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ حرام ہے ۔ اگر اس کی کمائی کچھ حلال ہے اور کچھ حرام ہے تو اس کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے ۔ بعض اصحاب نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ وہ حرام ہے ۔ تیسرے یہ کہ ایسی صورت ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اگر بیشتر کمائی حرام کی ہے تو اس کا کھانا حرام ہوگا ورنہ نہیں ۔

چوتھے یہ کہ جس کو دعوت دی گئی ہے اس کا شریک دعوت ہونا ممکن نہ ہو مثلاً خود مریض ہے یا کسی مریض کا تیار دار ہے یا اپنے مال یا دوسرے مال کی حفاظت کر رہا ہے یا سخت گرمی یا نہایت ٹھنڈ ہو یا بارش ہو جس میں کپڑے بھیگ جانے کا اندیشہ ہے یا کیچڑ ہو ۔ ان حالات میں دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے ، کیونکہ یہ عذر ایسے ہیں جن میں جماعت (صلواۃ) ترک کرنا مباح ہے ، لہٰذا دعوت ولیمہ کا قبول نہ کرنا بھی مباح ہے ۔

پانچویں یہ کہ اس دعوت ولیمہ میں بری باتیں ہوں مثلاً یہ کہ وہاں گندی اور جھوٹی باتوں سے ہنسانے والا ہو یا بازاری عورتیں ناچ وغیرہ بے حیائی کی حرکتیں کریں ، یا دعوت میں شراب ہو ، یا سونے چاندی کے برتن ہوں ، یا ستار سارنگی وغیرہ ہوں ۔ ان تمام صورتوں میں دعوت قبول کرنا واجب نہیں بلکہ حرام ہے ۔

البتہ اگر کسی شخص کو یہ اختیار ہو کہ ان بری باتوں سے باز رکھ سکے تو اس کو وہاں جانا اور روکنا واجب ہے ۔ اس طرح دو امور واجب ادا ہو جائیں گے : ایک واجب تو برائی سے روکنا اور دوسرا واجب دعوت کا قبول کرنا ہے ۔

اگر کسی صاحب کو ان برائیوں کا علم نہ ہو اور (تقریب میں) پہنچ گیا اور برائیاں دیکھیں تو واجب ہے کہ انہیں بند کرا دیں ؛ اگر یہ نہ ہوسکے تو واجب ہے کہ وہاں سے واپس آ جائیں ۔ اگر کسی برائی کا علم ہو لیکن آنکھوں سے نہیں ←

← دیکھا تو وہاں بیٹھ سکتے ہیں اور کھانا کھا سکتے ہیں لیکن لازم یہ ہے کہ (معاً) واپس آ جائیں۔

چھٹے یہ کہ دعوت ولیمہ پہلے دن کا ہو؛ اگر دوسرے دن بلایا گیا تو قبول کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور اگر تیسرے روز بلایا گیا تو قبول کرنا مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا فرض ہے، بشرطیکہ یہ باتیں ہوں:

اول یہ کہ مدعو متعین ہو؛ یہ تعین اصلاً ہو یا ضمناً۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ کسی کو دعوت کرنے والے نے خود یا اپنے فرستادہ کی معرفت بلایا ہو، خواہ یہ فرستادہ اس کا غلام ہی ہو۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ کوئی فرستادہ بھیجا جائے کہ کسی خاص محدود محلہ کے لوگوں کو (کھانے کی دعوت کا) بلاوا دے۔ اس صورت میں اس مقام کے تمام اصحاب بضمن یک دیگر متعین اصحاب کے زمرے میں ہو جائیں گے۔ اگر دعوت دینے والے نے صراحتاً یا ضمناً کوئی تعین نہیں کی مثلاً اپنے فرستادہ کو یہ کہا کہ جو بھی ملے یا فقیروں کو بلا لاؤ اور ان کی کوئی حد متعین نہیں کی تو ایسی دعوت کا قبول کرنا واجب نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ شرکائے دعوت میں کوئی ایسا ذلیل اور کمینہ شخص نہ ہو جس کے ساتھ مل کر بیٹھنا مدعو کے لیے موجب اذیت ہو کہ اس سے مدعو کی شرافت یا مذہب پر زد پڑنے کا خوف یا دکھ پہنچنے کا اندیشہ ہو (تو ایسی دعوت کا قبول کرنا واجب نہ ہوگا)۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص شریک دعوت ہے کہ محض اس کے دیکھنے سے مدعو کو تکلیف پہنچتی ہو تو یہ اس سے قبولیت دعوت کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔

تیسرے یہ کہ دعوت ولیمہ میں کوئی امر ایسا نہ ہو جو شرعاً ممنوع ہے، مثلاً ریشم کا فرش جس پر اسے بیٹھنا ہو یا دوسروں کو بیٹھا دیکھے، خواہ ان کی نشست درمیان میں حائل ہونے والی کسی شے پر ہو۔ یا اس دعوت میں سونے چاندی کے برتن استعمال کیے جائیں یا وہاں ناجائز آلات (مزامیر وغیرہ) کے ساتھ ایسے گانے گائے جا رہے ہوں جن کا سننا حرام ہے (تو اجابت دعوت واجب نہیں)۔ البتہ ایسی بری باتیں کہیں فاصلہ پر ہو رہی ہوں کہ سنائی دیں اور نظر نہ آئیں ←

← تو اس صورت میں دعوت سے انکار کرنا روا نہیں ہے؛ بہ صورت دیگر روا ہے، کیونکہ گناہ کی بات کا سننا بھی حرام ہے اور دیکھنا بھی۔

چوتھے یہ کہ جہاں دعوت ولیمہ ہے وہاں کسی حیوان یا انسان کا پورا مجسمہ نصب نہ ہو۔ پورے مجسمہ سے مراد یہ ہے کہ اس میں جاندار کے ایسے تمام لازمی اعضا بنے ہوئے ہوں جن کے بغیر زندگی ممکن نہیں ہے اور اس کا سایہ نہ پڑتا ہو بایں طور کہ وہ مجسمہ دیوار کے وسط میں بنا ہو تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں کیونکہ ذی عقل جاندار کی جو تصویر حلال ہے وہ وہی ہے جس میں یہ شرایط موجود نہ ہوں۔ اس کی بابت مفصل بیان آگے آئے گا۔

بعض اصحاب نے ایسے ولیموں میں جہاں خلاف شرع امور ہوں شامل ہونے کی اجازت ایسی صورت میں دے دی ہے جب کہ دعوت دینے والا کوئی صاحب اقتدار و اختیار شخص ہو کہ (دعوت کے انکار پر) اس کی بد سلوکی کا اندیشہ ہو۔

پانچویں یہ کہ وہاں پر بہت زیادہ ہجوم نہ ہو۔

چھٹے یہ کہ مدعو پر دروازہ نہ بند کیا جائے، اگرچہ اس کے خلاف مشورہ کے لیے ہی بند کیا گیا ہو۔ لیکن اگر طفیلیوں کی روک کے لیے دروازہ بند کیا یا انتظامی طور پر بند کیا ہے تو اس طرح دروازہ بند کیے جانے پر دعوت سے انکار کرنا روا نہیں ہے۔

ساتویں یہ کہ دعوت کرنے والا مسلمان ہو اور مدعو کوئی ایسا شرعی عذر رکھتا ہو جو دعوت سے انکار کرنے کو جائز قرار دے، مثلاً مرض وغیرہ۔ اور یہ کہ دعوت کرنے والا بدکار یا شر پسند یا شیخی خورا ہو یا دعوت دینے والی غیر محرم عورت ہو جس کی دعوت قبول کرنا باعث تہمت ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ شرایط نہ ہوں دعوت کا قبول کرنا مسنون نہیں ہے:

اول یہ کہ دعوت کرنے والا علانیہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ بدکار اور ظالم کی دعوت قبول کرنا مسنون نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔ لازم ہے کہ ظالموں کا کھانا کھانے سے پرہیز کیا جائے، خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ دعوت کرنے والے کی کمائی کا زیادہ حصہ حرام نہ ہو۔ پس اگر اس کا علم ہو جائے تو دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے اور اس کا کھانا نہ ←

← کھانا چاہیے جب تک کہ یہ نہ بتایا جائے کہ جس مال سے دعوت کی گئی ہے وہ حلال ہے ، اس کے ورثہ میں آیا ہے وغیرہ - اگر اس کی کمائی کا بیشتر حصہ حلال کا ہو تو اس دعوت کو قبول کرنے اور کھانے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے -

تیسرے یہ کہ دعوت ولیمہ میں گناہ کی بات مثلاً شراب وغیرہ نہ ہو - پس اگر کسی نے دعوت ولیمہ پر بلایا اور یہ معلوم ہوا کہ وہاں خلاف شرع باتیں ہیں تو اس کا قبول کرنا مسنون نہیں ہے - اگر اس کا علم نہ ہو تو دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط نہ ہوگا - دعوت میں آنے کے بعد اگر گناہ کی بات کا علم ہوا مثلاً شراب پینا یا مجسمہ کا موجود ہونا؛ اگر یہ دعوت کھانے کی جگہ پر ہی ہو تو وہاں بیٹھنا نہ چاہیے بلکہ منہ موڑ کر چلا آنا چاہیے - لیکن اگر معصیت کی بات کھانے کی جگہ سے فاصلہ پر ہو اور وہاں سے آواز سنائی دیتی یا وہ بات نظر آتی ہے اور اس کا روکنا بس میں ہے تو واجب ہے کہ اسے روکا جائے ؛ اگر بس میں نہ ہو اور وہ خود با اثر شخصیت ہے جس کی پیروی دوسرے کرتے ہوں تب بھی وہاں سے واپس چلا آنا واجب ہے؛ ورنہ خیر بیٹھ جائے اور کھا لے - اگر جانے سے پہلے ہی یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو وہاں جانا حلال نہیں ہے - البتہ اگر اس کا لوگوں پر اثر ہے کہ اس کے سامنے یہ بری باتیں نہ ہوں گی تو ایسی صورت میں دعوت قبول کرنا اور بری باتوں سے باز رکھنے کے لیے وہاں جانا واجب ہے -

یہودیوں اور عیسائیوں کی دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں ہے ، کیونکہ ان کا کھانا کھانے میں کوئی خرابی نہیں ، خواہ ان کا ذبیحہ ہو یا کچھ اور - البتہ مجوسیوں کا ذبیحہ حرام ہے گو ان کے ہاں کا کھانا حلال ہے -

چوتھے یہ کہ جسے دعوت دی گئی ہے اس کو قبولیت دعوت سے روکنے والا کوئی عذر شرعی نہ ہو -

پانچویں یہ کہ دعوت کرنے والے نے جس کو بلایا ہے اس کی صراحتاً یا ضمناً تعیین کر دی ہو -

چھٹے یہ کہ دعوت ولیمہ اس وقت ہو جو اس کے لیے شرعاً مقرر ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے ، اور ولیمہ کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا سنت ہے - لیکن اس کے واجب یا سنت ہونے کی چند شرطیں ہیں : ←

اول یہ کہ دعوت کرنے والے نے خاص طور پر دولت مندوں ہی کو نہ بلایا ہو - امیروں کو بھی بلایا ہو اور غریبوں کو بھی - اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام انسانوں کو دعوت دی گئی ہو بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ وہ دعوت امیروں کے لیے مخصوص نہ ہو اور دعوت سے غرض مطلب برآری ، منافقت ، فخر اور نمایش نہ ہو - ایسی باتیں دین کی رو سے نا پسندیدہ ہیں اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو دوسروں پر ٹھونسنے کا اسے کوئی حق نہیں - لیکن اگر اتفاقاً یا قصداً جن کو بلایا گیا وہ امیر ہی لوگ تھے مثلاً وہ سب اس کے پڑوسی یا ہم مشرب و ہم پیشہ اصحاب تھے تو (دعوت قبول کرنے میں) کوئی مضایقہ نہیں -

دوسرے یہ کہ وہ دعوت ایام ولیمہ میں سے پہلے دن کی ہو؛ اگر تین دن یا اس سے زیادہ مثلاً سات دن تک ولیمہ کی دعوت ہوئی تو صرف پہلے دن کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے اور دوسرے دن کی دعوت مستحب ہے ؛ اس کے بعد کے دنوں کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے -

تیسرے یہ کہ دعوت کرنے والا مسلمان ہو ؛ کافر کی دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے - ذمی کی دعوت قبول کرنا سنت غیر مؤکدہ ہے -

چوتھے یہ کہ دعوت کرنے والے کو کلی طور پر تصرف (خرچ وغیرہ کرنے) کا اختیار حاصل ہو - اگر دعوت کرنے والے کو (صاحب مال کی) اجازت نہیں تھی اور اس کے مال سے دعوت کی تو اس کا قبول کرنا حرام ہے - ہاں اگر ولی (نگران مال) نے اپنے مال سے دعوت کی ہے تو قبول کرنا واجب ہے -

پانچویں یہ کہ دعوت کرنے والا بذات خود یا اپنے فرستادہ کی معرفت مدعو اصحاب کی تعیین کردے (کہ کس کی دعوت ہے) -

چھٹے یہ کہ وہ دعوت مدعو کے خوف سے یا اس کے اقتدار سے فائدہ اٹھانے کے لالچ سے یا کسی ناجائز کام میں اس کی اعانت حاصل کرنے کے لیے نہ کی گئی ہو -

ساتویں یہ کہ جس کی دعوت کی گئی ہے وہ دعوت کرنے والے سے معذرت نہ کرے اور داعی اس کی معذرت بخوشی قبول کر لے ، اور یہ بات قرائن ہی سے معلوم ہو سکتی ہے -

آٹھویں یہ کہ دعوت کرنے والا بدکار، شرارت پسند اور متکبر نہ ہو - ←

→ نویں یہ کہ دعوت کرنے والے کی کمائی کا زیادہ تر حصہ حرام نہ ہو ؛ اگر ایسا ہو تو دعوت کا قبول کرنا مکروہ ہے - اور اگر یہ علم ہو جائے کہ وہ خاص کھانا جو کھایا جا رہا ہے وہ مال حرام سے ہے تو اس کا کھانا حرام ہے ؛ مگر جب مال حرام اتنا عام ہو جائے کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت کھانا جائز ہو گا -

اگر دعوت کرنے والے کے مال کا زیادہ حصہ حرام نہ ہو لیکن اس میں شبہ ہو تو اس صورت میں دعوت کا قبول کرنا نہ واجب ہے نہ سنت ہے بلکہ صرف مباح ہے -

دسویں یہ کہ جس نے دعوت دی ہے وہ اجنبی عورت نہ ہو اور کوئی محرم بھی وہاں موجود نہ ہو ، یا جس کو دعوت دی گئی ہے اسے ایسی خلوت کا اندیشہ ہو، جو اس عورت کے ساتھ ، اس کے لیے ممنوع ہے ، گو فی الواقع ایسی خلوت نہ ہوئی ہو (یعنی اس صورت میں دعوت قبول کرنا سنت نہیں ہے) -

گیارہویں یہ کہ یہ دعوت ، ولیمہ کے وقت کے اندر دی گئی ہو اور اس کا وقت عقد کے وقت سے شروع ہوتا ہے ، جیسا کہ پہلے بیان ہوا -

بارہویں یہ کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ قاضی (جج) یا ایسا ہی کوئی عہدہ دار نہ ہو - ایسے شخص کو اپنی جائے تعیناتی پر دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے بالخصوص جب کہ دعوت کرنے والے کا کوئی معاملہ اس قاضی کے پاس تصفیہ طلب ہو - ایسی صورت میں دعوت قبول کرنا حرام ہے -

تیرہویں یہ کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ شمولیت دعوت سے معذور ہو اور وہ عذر ایسا ہو جس کی وجہ سے جماعت (صلواۃ) میں نہ شامل ہونا روا ہو جاتا ہے ، مثلاً شدید مرض -

چودہویں یہ کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ کوئی عورت ہو یا بے ریش لڑکا ہو جس سے کسی برائی کا اندیشہ ہو یا دعوت دینے والے کی آبرو پر حرف آتا ہو -

پندرہویں یہ کہ دعوت کرنے والے چند مختلف اصحاب نہ ہوں - کئی جگہ سے بلاوا ہو تو سب سے پہلے دعوت دینے والے کو قبولیت کے لیے مقدم رکھا جائے ، پھر اس کو جو قرابت میں نزدیک ہو ، پھر جو پڑوس کے لحاظ سے قریب ہو ، اور اگر سب لوگ اس کی نظر میں برابر ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے -

دعوت کو قبول کر لینے پر قبولیت دعوت کا فرض یا سنت (جو بھی صورت ہو) وہ ادا شدہ ہے اور کھانا کھانے کی پابندی (ادائے فرض یا سنت کے لیے) ضروری نہیں ہے ؛ البتہ کھانا کھا لینا مستحب ہے۔[1] پس اگر کسی روزہ دار کو بلایا گیا تو چاہیے کہ دعوت ولیمہ میں پہنچے اور دعوت کرنے والے کو بتائے کہ وہ روزہ دار ہے؛ اور پھر اس کے حق میں دعائے خیر کرکے واپس آجائے۔ اگر یہ امر دعوت دینے والے کو شاق ہو اور کھانا نہ کھانے پر اسے رنج پہنچے تو مدعو کے لیے مستحب یہ ہے کہ اگر وہ روزہ نفلی ہے تو اسے توڑ دے[2] (اور کھانا کھا لے) کیونکہ اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرنا اور اس کا دل نہ توڑنا نفل روزہ سے بڑھ کر ہے۔ روزہ فرض ہو تو کسی حال میں بھی روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ واضح ہو کہ ایسی صورت میں دعوت کرنے والے کو چاہیے کہ (روزہ دار کے) عذر کو قبول کرلے اور کھانے پر اصرار نہ کرے۔

---

۱ - مالکیہ کے اس بارے میں دو اقوال ہیں : ایک تو یہ کہ کھانا واجب نہیں : واجب صرف دعوت کا قبول کرنا تھا ؛ اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے ؛ دوسرا قول یہ ہے کہ روزہ نہ ہو تو کھانا واجب ہے۔

۲ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اسے اپنے اوپر یہ بھروسا ہے کہ وہ اس روزے کی قضا رکھ لے گا تو افطار کر لے تاکہ ایک مسلمان بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور اگر اپنے اوپر بھروسا نہ ہو کہ قضا رکھ لے گا تو افطار نہ کرنا چاہیے، خواہ دعوت کرنے والے کو اس میں رنج پہنچے۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ زوال سے پہلے روزہ توڑنے کا سوال ہو ، ورنہ افطار حلال نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ معاملہ والدین کی نافرمانی پر منتج ہو (یعنی ایسی صورت ہو تو روزہ توڑنا ہی پڑے گا)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ روزہ توڑنا جائز نہیں ہے اگرچہ روزہ نفلی ہو ؛ سوا اس صورت کے جبکہ یہ مطالبہ والدین کی طرف سے ہو۔ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یہاں تک کہ اگر قسم کھالی ہے کہ روزہ توڑوں تو بیوی پر تین طلاق (تب بھی بامتثال امر روزہ توڑنا ہی پڑے گا)۔ لیکن اگر قسم توڑنے پر کسی شرعی آزمایش میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے ، مثلاً یہ کہ قسم کھانے والے کا دل بیوی کے ساتھ وابستہ ہے اور ڈر ہے کہ طلاق کے بعد اس سے ملنا نہیں چھوڑا جاسکتا تو ایسی حالت میں مدعو کو چاہیے کہ روزہ افطار کرلے اور اس پر قضا واجب نہ ہوگی۔

تصویر کے احکام

دعوت ولیمہ قبول کرنے کے سلسلہ میں تصویر کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدعو کو یہ علم ہو کہ دعوت میں (جہاں جانا ہے وہاں) تصویر بھی ہے تو دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہ حکم ساقط نہ ہوگا، سوا اس صورت کے جب کہ وہ تصویر حرام نہ ہو کہ شرعاً اس کو دیکھنا مباح نہ ہو۔ پس اگر (تصویر) جائز ہو تو قبولیت دعوت کا حکم دعوت کی جگہ پر تصویر کے موجود ہونے سے ساقط نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ یہ تصویر یا تو کسی بے جان شے کی ہوگی مثلاً سورج، چاند، درخت یا مسجد کی، یا کسی جاندار ذی عقل یا غیر ذی عقل کی۔ پہلی قسم کی تصویر تو جائز ہے جس میں کلام نہیں؛ دوسری قسم کی تصویر کے متعلق مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں[1] کیونکہ شرعی نقطۂ نظر سے وہ تصویر حرام ہے جو فاسد اغراض

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تصویر بلا شبہ حرام ہے، بشرطیکہ یہ چار امور پائے جائیں:

ایک یہ کہ وہ تصویر کسی جاندار کی ہو؛ خواہ وہ ذی عقل ہو یا غیر ذی عقل۔ جاندار کے سوا کسی اور شے مثلاً کشتی، مساجد، یا اذان دینے کے مینار کی تصویر قطعی طور پر مباح ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ مجسم ہو خواہ کسی پائدار مادہ مثلاً لکڑی، لوہا، مٹی یا کھانڈ سے بنی ہوئی یا کسی اور (ناپائیدار) شے، مثلاً خربوزے کے چھلکے سے کہ اگر اس کو بنا کر رہنے دیا جائے تو وہ مجسمہ سوکھ کر چرمر ہو جائے گا اور اس میں کچھ باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ بعض اصحاب مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مجسمہ کسی ایسی شے سے بنایا جائے جو دیرپا نہیں ہوتی تو روا ہے۔ لیکن اگر تصویر مجسمہ کی شکل میں نہ ہو جیسے کسی جانور یا انسان کی صورت گری جو ورق، کپڑے، دیوار اور چھت وغیرہ پر بنائی جائے، اس باب میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض اصحاب تو کہتے ہیں کہ یہ بغیر کسی تشریح کے مطلقاً مباح ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت مباح ہے جب کہ کپڑے پر یا فرش یا بچھونے وغیرہ پر بنی ہو؛ اگر دیوار پر ہو تو ممنوع ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر فرش کے طور پر←

سے بنائی گئی ہو - مثلاً وہ مجسمے جو غیر اللہ کی پرستش کے لیے بنائے جاتے ہیں - ایسا کرنے والا بدترین عذاب کا مستوجب ہے - یہی حکم ان تصاویر کا ہے جو ایسے مجسموں کی مانند ہوں، یا شہوات نفسانی کو برانگیختہ کرنے والی ہوں - ایسی تصاویر کا موجود ہونا گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا نہ ان کا بنانا جائز ہے نہ ان کا رکھنا، اور نہ ان کو دیکھنا - البتہ اگر تصاویر کی غرض، علم سکھانا اور علم حاصل کرنا ہو تو مباح ہے، اس میں گناہ نہیں ہے - اسی لیے بعض مسالک میں لڑکیوں کو چھوٹی گڑیوں سے کھیلنے کی اجازت دی گئی ہے، لہٰذا اس کا بنانا اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے، کیونکہ اس اجازت سے غرض صرف یہ ہے کہ خردسال بچیوں کو تربیت اولاد کی سوجھ بوجھ حاصل ہو - اور یہ مقصد اس کے مباح ہونے کے لیے کافی ہے - اسی طرح اگر فرش پر، بستر پر، یا تکیئے پر تصویر بنی ہو تو جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس تصویر کا استعمال توہین آمیز ہے، لہٰذا اسے بتوں کے برابر سمجھا جانا خلاف قیاس ہے - الغرض شریعت اسلامیہ کا مقصد صورت گری یا بت پرستی کی مخالفت اور بہر طور اس کے آثار مٹانا ہے، لہٰذا ہر وہ شے جو بت پرستی کے قریب قریب ہو یا اس کا ذکر

→استعمال کیے جانے والے کپڑے پر بنی ہوئی ہو تو مباح ہے، اس کے علاوہ اور کسی جگہ ہو تو ممنوع ہے - بہرحال اس باب میں سہولت رکھی گئی ہے -

تیسرے یہ کہ تصویر میں وہ تمام اعضا پورے بنے ہوئے ہوں جن کے بغیر انسان یا جانور زندہ نہیں رہ سکتے، لہٰذا اگر تصویر کے پیٹ یا سر وغیرہ میں رخنہ کر دیا گیا ہو تو وہ حرام نہ ہوگی -

چوتھے یہ کہ اس مجسمہ کا سایہ ہو - پس اگر مجسم تصویر ہے، لیکن اس میں سایہ نہیں، بایں طور کہ وہ دیوار پر بنائی گئی ہو اور سوا اس حصے کے جس کا سایہ نہیں پڑتا اور کوئی حصہ ظاہر نہ ہو تو وہ حرام نہیں ہے - ان احکام سے لڑکیوں کے کھیلنے کی مصنوعی گڑیاں مستثنیٰ ہیں - ان کی صورت گری اور خرید و فروخت جائز ہے، خواہ وہ جسم والی ہوں کیونکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ لڑکیوں کو کام کرنے کا سلیقہ اور تربیت اولاد کا علم حاصل ہو - یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ بہر حال صورت گری کے حرام کیے جانے کی غرض یہ ہے کہ اس چیز کی تردید کی جائے جو بت پرستی سے مشابہ ہو -

باقی رکھے وہ حرام ہے؛ اس کے علاوہ باقی سب (طرح کی تصویر) جائز ہے۔ مسالک مختلفہ کی تفصیل جو ذیلی حاشیہ میں آ رہی ہے اسی خیال کی نشاندہی کرتی ہے۔[1]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جاندار کے علاوہ ہر چیز کی تصویر جائز ہے جیسے درختوں، کشتیوں یا چاند سورج کی تصویر۔ جاندار کی تصویر بنانا حلال نہیں ہے، خواہ وہ حیوان ذی عقل ہو یا غیر ذی عقل۔ اگر کوئی تصویر بنائی گئی ہے تو وہ یا تو مجسد (جسم والی یعنی مجسمہ) ہوگی یا بے جسم کی۔ اگر تصویر جسم والی نہیں ہے تو اس کا دیکھنا حلال ہے بشرطیکہ زمین پر ہو یا فرش کے اوپر جہاں پاؤں پڑتے ہوں، یا پھر کسی گاؤ تکیہ یا تکینی پر ہو جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے کیونکہ ایسی تصویر کی عظمت مقصود نہیں ہوتی جس سے شائبہ بت پرستی ظاہر ہو۔ جسم والی تصویر کا تماشا کرنا (نظارہ) جائز ہے بشرطیکہ تصویر میں جاندار جس حال میں دکھایا گیا ہے اس حال میں زندہ رہنا محال ہو، مثلاً سر یا درمیان سے دھڑ کٹا ہوا یا پیٹ پھٹا ہوا ہو۔ یہیں سے فلمی تصویرات 'سینما' کی نمائش کا جواز معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور ناجائز امر نہ ہو، کیونکہ فلمی تصاویر ناقص ہوتی ہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کی گڑیاں (عدم جواز کے حکم سے) مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ ان کا بنانا اور خریدنا جائز ہے۔ اور بعض اصحاب نے اس کے لیے ناقص ہونے کی شرط لگائی ہے (یعنی صرف وہ گڑیاں جائز ہیں جو مکمل نہ ہوں)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جاندار کے علاوہ اور اشیا مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر جائز ہے۔ جاندار کی تصویر حلال نہیں ہے، خواہ جاندار ذی عقل ہو یا غیر ذی عقل؛ بجز اس صورت کے جب کہ ایسے کپڑے پر بنائی گئی ہو جس پر پاؤں پڑتے ہوں یا تکیہ پر جس سے ٹیک لگائی جاتی ہے۔ تصویر اگر مجسمہ کی صورت میں ہو تو وہ بھی حلال ہے بشرطیکہ اس کا ایسا کوئی عضو نہ دکھایا گیا ہو جس کے بغیر جانور زندہ نہیں رہ سکتا جیسے سر وغیرہ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جاندار کے سوا اور اشیا مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر جائز ہے۔ جاندار کی تصویر اگر فرش یا تکیہ پر یا بچھے ہوئے کپڑے پر یا پتے پر ہو تو جائز ہے؛ کیونکہ اس طرح تصویر کی (توقیر نہیں بلکہ) توہین ہوتی ہے۔ ایسی تصویر بھی جائز ہے جس میں کوئی ایسا عضو کٹا ہوا (دکھایا گیا) ہو جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا جیسے 'سر' وغیرہ۔ تاہم اگر اس کو احترام سے رکھا گیا ہو یا تصویر کے ایسے تمام اعضا کامل ہوں تو وہ حلال نہ ہوگی۔

غنا کے مسائل

پیش لفظ

منجملہ ان اشیاء کے جن کا تعلق ولیمہ (کی دعوت) سے ہے ، غنا بکسر غین والمد (یعنی راگ گانا) اور اس کا سننا بھی ہے - سوال یہ ہے کہ اگر ولیمہ کی دعوت میں گانا اور تماشا ہو، جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا دستور ہو گیا ہے، تو کیا ایسی صورت میں دعوت قبول کرنے کا حکم جاتا رہتا ہے ؟

جواب یہ ہے کہ دعوت کے قبول کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ وہ گانا اور کھیل تماشا ایسا نہ ہو جو شرعاً روا نہیں ہے - اگر کوئی معمولی کھیل تماشا اور جائز گانا ہو تو اس سے وجوب اجابت ولیمہ ساقط نہیں ہوتا - اس لیے کہ شریعت اسلامیہ میں رواداری بہت ہے اور جو احکام بھی دیے گئے ہیں، ان کی غرض ، اخلاق کا سنوارنا اور طبائع کو بری خواہشات کی گندگی اور گناہ سے بچانا ہے - اسی لیے انسان کے ہر ایسے عمل کو جس میں خرابی کا شائبہ ہے حرام قرار دیا گیا ہے ، خواہ وہ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو - چنانچہ 'گانا' بایں نقطۂ نظر کہ وہ لحن کے ساتھ آواز کی تکرار کا نام ہے جائز ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے- لیکن اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں شامل ہوجاتی ہیں جو اسے حرام اور مکروہ بنا دیتی ہیں - یہی حال کھیل تماشے کا ہے - چنانچہ ایسا گانا ممنوع قرار دیا گیا ہے جس کا نتیجہ پرائی عورت یا بے ریش لڑکے پر مفتون ہوجانا ہو- اسی طرح اس امر کی ممانعت ہے جس کا نتیجہ شراب نوشی کی رغبت یا ضیاع وقت کا موجب ہو اور امور واجب کی ادائیگی میں حارج ہو - اگر ایسی کوئی برائی نہ ہو تو روا ہے - چنانچہ ایسا گانا جو کسی خاص زندہ عورت کی تعریف میں ہو حلال نہیں ہے کیوں کہ یہ امر اس عورت کے لیے خواہش نفس کو بھڑکاتا اور اس کا مفتون بناتا ہے - ہاں کسی وفات یافتہ عورت کی صفت بیان کی جائے تو مضائقہ نہیں کیوں کہ اس کے حاصل کرنے سے انسان مایوس ہوتا ہے- بے ریش لڑکے کے متعلق بھی یہی حکم ہے - اسی طرح ایسے گانے جو شراب کی تعریف و ترغیب میں ہوں، حلال نہیں ہیں - کیوں کہ اس سے مے نوشی اور شراب کی محفلوں میں شریک صحبت ہونے کی ترغیب ہوتی ہے - یہ باتیں شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہیں - یہی حکم اس گانے کا ہے جس میں انسان کی مذمت (ہجو) کی گئی ہو ؛ خواہ انسان مسلمان ہو یا

ذمی ، کیوں کہ ایسا کرنا دین اسلام میں حرام ہے ، لہٰذا ایسا گانا اور اس کا سننا جائز نہیں ہے ۔ البتہ ایسے گانے جس میں حکمت اور نصیحت ہو ، یا وہ گانے جو گل و غنچہ و سبزہ و رنگ اور پانی وغیرہ کی تعریف میں ہوں ، یا جس میں غیر معین انسان کے حسن و جمال کی تعریف ہو اور اس گانے سے کسی امر حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ، مباح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

ایسا کھیل تماشا جس میں گندی اور جھوٹی باتیں ہوں اور ممنوعہ اعضائے بدن (عورت) کی نمائش ہو ، اور لوگوں کے ساتھ تمسخر ہو اور غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا ناچ ہو، جیسا کہ بعض بے عقل کرتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں کو ولیموں میں ناچنے کے لیے بلایا جاتا ہے ، یہ سب باتیں حرام ہیں ۔ ایسے ولیمہ میں نہ شرکت حلال ہے اور نہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا جائز ہے ۔ یہاں جو مسائل بیان کیے گئے وہ دین کے تقاضوں کے موافق اور اہل فکر علما کی عبارتوں سے ماخوذ ہیں ۔ انھوں نے اقوال ائمہ کی تعبیر اسی طرح فرمائی ہے ۔ اب ذیلی حاشیہ میں ان (ائمہ) کی اصل عبارتیں بیان کی جاتی ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ شافعیہ کا نقطۂ نظر :

امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ: ''نصوص (دینی تصریحات) سے ثابت ہے کہ گانا ، ناچنا ، دف بجانا اور خوشی میں ڈھال اور نیزے کے ساتھ زنگیوں اور حبشیوں کا ناچ دیکھنا مباح ہے ۔ یہ حکم (اس) تقریب یوم عید پر قیاس کیا گیا ہے (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) ، کیونکہ وہ خوشی کا موقع ہوتا ہے اور اس میں شادی کی تقریب اور ولیمہ ، عقیقہ ، ختنہ اور سفر سے واپسی اور ایسی تمام مسرت آگیں تقریبات اور مواقع داخل ہیں جن میں شرعاً اظہار مسرت جائز ہے چنانچہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کرنا ، ان کو دیکھنا اور ایک جگہ اکھٹا ہو کر کھانا کھانا اور بات چیت کر کے خوش ہونا ، جائز ہے اور یہی مواقع ہیں جن میں عموماً گانا وغیرہ ہوتا ہے ۔

بات یہ ہے کہ امام غزالیؒ نے گانے کے بہت سے اقسام بتائے ہیں؛ منجملہ ان کے وہ ہیں جن میں کوئی خرابی یا امر خلاف شریعت یا دینی نقطۂ نگاہ سے گھٹیا قسم کے مضمون پر مشتمل ہو۔ ایسے ہی گانوں کے متعلق انھوں نے فرمایا ہے کہ وہ حرام ہیں اور (جس رقص کو انھوں نے جائز کہا ہے اس) رقص سے مراد←

← مردوں کی ایسی حرکتیں ہیں جن میں نفسانی خواہشات کا تصور نہ ہو؛ اور جن کے سامنے وہ (رقص) کیا جائے وہ بھی ایسے ہی ہوں (کہ شہوانی خیالات نہ رکھتے ہوں)۔ لیکن عورتوں کا ناچ اور ایسے اشخاص کے سامنے جن پر وہ حلال نہیں ہیں (یعنی غیر محرم ہیں) بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ اس میں شہوانی تحریک ہوتی ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے؛ نیز غیرت و حمیت کے منافی ہے - یہی خرابی بے ریش لڑکوں (کے ناچ وغیرہ) میں ہے، جب کہ ایسے لوگوں کے سامنے کیا جائے جن کی نفسانی خواہشات برانگیختہ ہوں اور ان پر مفتون ہو جانے کا اندیشہ ہو -

امام غزالیؒ نے جواز رقص کا استدلال حبشیوں اور زنگیوں کے اس ناچ سے کیا ہے جو (ایک بار) عید کے روز مسجد نبوی میں ہوا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہونے دیا اور اپنی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے روا رکھا کہ اس کو دیکھیں اور آپ خود ان پر آڑ کیے ہوئے تھے - ظاہر ہے کہ اس سے کوئی برا خیال نہیں پیدا ہوتا - غرض وہ ناچ جس میں برے خیالات نہ پیدا ہوں مباح ہے -

اور احیاءالعلوم میں یہ بھی منقول ہے کہ: ''امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے علمائے حجاز میں سے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جس نے گانے کو مکروہ بتایا ہو، بجز ان گانوں کے جن میں حسن صورت وغیرہ کا بیان ہو۔ چنانچہ نوائے شتربان (حدی) اور آثار و عمارات کے تذکرے ور اشعار کا لحن کے ساتھ خوش گلوئی سے پڑھنا مباح ہے - اور وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃاللہ علیہ سے یہ جو منقول ہے کہ گانا لہو، مکروہ اور لغویات سے مشابہ ہے سو یہ اس کی اباحت کے منافی نہیں ہے؛ اس سے ان کی مراد گانے کی وہی قسم ہے جو مکروہ ہے کیونکہ لفظ لہو کا مطلب بے فائدہ کام ہے اور بے فائدہ کام حرام نہیں ہوتا جب تک کے اس میں کوئی امر شرعاً ممنوع نہ ہو - یہی کیفیت 'لغو' سے مشابہ امور کی ہے - انھوں نے تو غنا کے مباح ہونے کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے جو چاہے وہاں ملاحظہ کر لے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ حرام گانا وہ ہے جس میں نا جائز مضامین ہوں، مثلاً بے ریش لڑکوں یا کسی متعین زندہ عورت کی تعریف اور شراب کا وصف جس سے اس (کے استعمال) کا شوق پیدا ہو، یا میخانوں کی تعریف یا کسی مسلمان یا ذمی ←

← (غیر مسلم شہری) کی مذمت جو محض برائی کی غرض سے کی جائے۔ چنانچہ اگر ایسے گانوں سے کوئی ثبوت بہم پہنچانا ہو یا مقصد محض اظہار فصاحت و بلاغت ہو تو وہ حرام نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر گانا جمالیات کے موضوع پر ہو جیسے غنچہ و گل کی خوبیاں یا چشموں اور پہاڑوں اور بادل وغیرہ کی منظر کشی تو ایسے گانوں کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" (اقتباس تمام شد۔ بحوالہ فتح القدیر) اور وہ جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ وہ گانا فعل مکروہ اور اس کا سننا گناہ بتاتے ہیں، وہ اسی گانے کے متعلق ہے جو ممنوع ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گوٹ اور شطرنج کا کھیلنا اور ستار، سارنگی، بربط، بنسری اور نفیری وغیرہ کا بجانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی تفصیل مسابقت (مقابلہ کے کھیلوں) کے بیان میں آئے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ آلات لہو کا استعمال نکاح کے اعلان وغیرہ کے لیے جائز ہے؛ خاص کر دف اور ڈھول وغیرہ جن میں گھونگرو نہ ہوں۔ بنسری اور نفیری بھی (جائز ہے)، بشرطیکہ غفلت میں نہ ڈال دے۔ یہ سب مردوں اور عورتوں کے لیے (یکساں) جائز ہے۔ بعض (اصحاب) حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں صرف مخصوص موقع پر جائز ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شادی میں اور نکاح کے وقت اور ہر خوشی کی تقریب میں جائز ہیں؛ شادی کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن گانا وہی جائز ہے جو اسی طرح کا رجز ہو جو انصاری لڑکیوں کے اس گانے سے مشابہ ہو:

اتینا کم اتینا کم فحیونا نحییکم
ولولا الحبة السمراء لم نحلل بوادیکم

(یعنی ہم تمہارے ہاں آئے، ہم تمہارے ہاں آئے۔ تم ہمیں مبارکی دو ہم تمہیں مبارکی دیتے ہیں۔ اگر گندمی رنگ کے دانے نہ ہوتے تو ہم تمہاری وادی میں نہ آتے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ: بانسری، نفیری، ڈھول؛ اور طبل وغیرہ اور ان جیسے دوسرے آلات سرور جائز نہیں ہیں، جیسے کہ گوٹ اور شطرنج وغیرہ کھیلنا حرام ہے۔ جب دعوت ولیمہ ان امور میں سے کسی پر مشتمل ہو تو اس دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن غناء، اگر وہ حسن صوت، اور ترنم کی حد تک ہو تو فی حد ذاتہ جائز ←

بال کٹوانے اور ناخن ترشوانے کے احکام

بال کٹوانے اور ناخن ترشوانے کے احکام سے متعلق مختلف فقہی مسالک کی تفصیل حسب ذیل ہے[1]۔

← ہے۔ بلکہ حنابلہ کا کہنا ہے کہ تلاوت قرآن میں ترنم اور حسن صوت مستحسن ہے ، بشرطیکہ کسی لفظ میں ، یا تلفظ میں کمی بیشی ، اور تغیر و تبدل واقع نہ ہو ۔ لیکن اگر قرآنی تلفظ میں تغیر ، اور الفاظ میں کمی بیشی ہو تو حرام ہے۔ ترنم ، اور حسن صوت ، اگر وعظ و تقریر اور نصیحت وغیرہ میں ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے ۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ گا گا کر تلاوت قرآن کرنا مکروہ ہے ، اور سماع بھی مکروہ ہے ۔

---

١ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ روز جمعہ کی مطلوبہ سنتوں میں موچھوں کا اس قدر چھوٹا کرانا ہے کہ لب کی سرخی دکھائی دینے لگے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں اتنی تراشی جائیں کہ بال گم ہو جانے سے نیچے کی سطح نظر آنے لگے ۔ تاہم بال کا جڑ تک کتروانا مکروہ ہے ، لہٰذا مونچھوں کا منڈوانا مکروہ ہے ۔ ہاں ! کچھ حصہ تراشا جائے اور کچھ حصہ منڈوایا جائے تو جائز ہے ۔ داڑھی منڈوانا اور زیادہ کتروا لینا مکروہ ہے ۔ اگر (داڑھی) ایک مٹھی سے زیادہ لمبی ہو تو اس میں سہولت رکھی گئی ہے ۔

یوم جمعہ کی سنتوں میں بغل کے بال کا دور کرنا بھی ہے ۔ جو شخص اُسے اُکھاڑ سکتا ہو اُسے مونڈنا مکروہ ہے ۔ البتہ بال اُکھاڑنے میں تکلیف ہو تو اُس کے لیے منڈوانا مکروہ نہیں ہے ۔

مردوں کے لیے موئے زیر ناف کا مونڈنا اور عورتوں کے لیے اُس کا اکھاڑنا یوم جمعہ کی سنتوں میں سے ہے ۔ اگر خاوند کہے تو عورت پر اس کا دور کرنا لازم ہے ۔

ناک کے بال کا نوچنا مکروہ ہے ۔ اگر بڑھ جائے تو اُس کا کترنا سنت ہے ۔ اگر اُس کے رکھنے میں کوئی طبی مصلحت ہو تو اُسے چھوڑ دینا چاہیے ۔

سر کے بال منڈوانا مباح ہے ۔ بالوں کو صاف ستھرا رکھے جانے کا خاص خیال رکھا جائے تو اُس کے رکھنے میں مضایقہ نہیں ، سوا اُس صورت کے جب کہ بال بڑھانے کی غرض ایک خاص گروہ (مثلاً متصوفین و فقرا) کی سی ←

← صورت بنا کر لوگوں کو دھوکا دینا ہو۔ اس صورت میں بال بڑھانا جائز نہیں ہے۔

جمعہ کی مطلوبہ سنتوں میں بڑھے ہوئے ناخنوں کا ترشوانا ہے، جب کہ حالت احرام نہ ہو۔

جمعرات اور دوشنبہ کے ایام بھی جمعہ کی مانند ہیں۔ ناخن ترشوانے کی پسندیدہ صورت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی کلمہ والی انگلی سے شروع کر کے چھوٹی انگلی تک کے ناخون تراشے جائیں۔ اس کے بعد انگوٹھے کا ناخن اور تب بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے شروع کر کے انگوٹھے تک کے ناخن تراشے جائیں۔ اور دونوں پاؤں کے ناخنوں کا تراشنا دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بالترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے ڈاڑھی کا بال منڈوانا حرام ہے اور سنت یہ ہے کہ مٹھی بھر سے زیادہ لمبے نہ ہوں۔ اگر اس سے زیادہ لمبے ہوں تو ترشوائے جا سکتے ہیں۔ ڈاڑھی کے پہلوؤں کے بال کٹوانے، بغلوں کے بال منڈوانے اور سفید بالوں کے چنے جانے میں مضایقہ نہیں ہے۔ مونچھوں کا کتروانا یہاں تک سنت ہے کہ اوپر کے ہونٹ کے کنارے کے مساوی ہو جائے۔

بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ مونچھوں کا منڈوانا سنت ہے اور اس قول کو وہ ابوحنیفہؒ اور صاحبین (امام محمدؒ و امام یوسفؒ) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مرد کے لیے موئے زیر ناف کا مونڈنا یا بال صفا سے دور کرنا مستحب ہے، لیکن عورت کے لیے سنت یہی ہے کہ اس کو اکھاڑا جائے۔ بغل کے بالوں کا مونڈنا اور اکھاڑنا دونوں طرح سنت ہے، لیکن اکھاڑنا بہتر ہے۔ پیٹھ اور سینے کے بالوں کو مونڈوانا خلاف ادب (نامناسب) ہے۔

چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک ناخن تراشنے، مونچھیں کتروانے اور بغل کے بال دور کرنے سے باز رہنا مکروہ تحریمی ہے۔ سر کے بالوں کے باب میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ احرام کی حالت نہ ہو تو ہر جمعہ کو سر منڈانا سنت ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سر منڈانا اور بال بڑھانا دونوں جائز ہیں، لیکن اگر بال بڑھے ہوئے ہیں تو سنت یہ ہے کہ اس میں مانگ نکالی جائے۔ اس میں مضایقہ نہیں ہے کہ سر کو بیچ میں سے کچھ مونڈ دیا جائے اور باقی بن گندھا رہنے دیا جائے کیونکہ اس کا گوندھنا مکروہ ہے۔ ←

→ عورت کو بغیر مجبوری کے بال منڈوانا حرام ہے ، اگرچہ خاوند نے اس کا حکم دیا ہو ، کیونکہ عورت کو حلال نہیں ہے کہ وہ مردوں کا روپ بھرے جیسے مردوں کو حلال نہیں ہے کہ وہ عورت کا روپ بھریں ۔ اسی وجہ سے ڈاڑھی منڈوانا حرام ہوا ۔

دانتوں کے سوا کسی بھی شے سے ناخن تراشنا مستحب ہے بشرطیکہ احرام کی حالت نہ ہو۔ اس کے بارے میں کوئی خاص طریقہ یا معین روز ثابت نہیں ہے ۔ اور مستحب یہ ہے کہ ناخون ، بال ، خون اور لتہ حیض کو دفن کر دیا جائے ۔ اس میں جو سلیقہ مندی اور پاکیزگی مدنظر ہے وہ ظاہر ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے اور مونچھ کتروانا سنت ہے ۔ اس سے مراد پوری مونچھ کتروا دینا نہیں ہے ، بلکہ سنت یہ ہے کہ اس قدر بال جو اوپر کے ہونٹ کے دائرے پر پڑے ہوتے ہیں ترشوا دیے جائیں اور ان کو اتنا چھوٹا کر دیا جائے کہ لب کا کنارہ نظر آئے ۔ اس سے زیادہ بال مکروہ ہوگا ۔ بغل کے بالوں کو اکھاڑنا سنت ہے اور یہ عمل مونڈنے یا بال صفا کے استعمال سے بہتر ہے ۔ بال پہلے دائیں بغل کے لینے چاہئیں (اس کے بعد بائیں بغل کے) اور بال کو نوچنے کے بعد ہاتھ دھونا سنت ہے ۔

موئے زیر ناف کا مونڈنا مردوں کے لیے اور بال صفا کا استعمال عورتوں کے لیے سنت ہے ۔ اس کا اکھاڑنا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مکروہ ہے ۔

جسم کے اوپر جہاں جہاں بھی بال ہیں ، مثلاً سینے پر ، دونوں بازوؤں پر ، بغل اور پاخانہ کے مقام پر ان کا مونڈنا مباح ہے ۔ سر کے بال منڈوانا اس کے لیے جو عمامہ نہ باندھتا ہو مکروہ ہے ، اور مشہور یہ قول ہے کہ عمامہ والے کے لیے مباح ہے ۔ اور عورت پر واجب ہے کہ ہر ایسی بات جو منافی جمال ہو دور کر دی جائے ، لہٰذا واجب ہے کہ اس کے جسم پر جہاں کہیں بال ہو ، اگر خاوند کو برا لگتا ہے تو اسے دور کر دے ۔ اگر ڈاڑھی پر بال آگ آئے ہیں تو اس کو منڈا دینا واجب ہے ۔ اسی طرح بالوں میں جو دلکشی ہے اس کا خیال نہ رکھنا حرام ہے ۔ اسی لیے عورت کو سر کے بال کٹوانا حرام ہے ۔

ناخن ترشوانا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت ہے بشرطیکہ احرام کی حالت نہ ہو ۔ کم از کم ہر جمعہ کو ناخون ترشوا لینے چاہئیں ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈانا حرام ہے ۔ ایک مٹھی سے زیادہ ہو تو ←

بالوں کو رنگنے (خضاب وغیرہ) کا بیان

بال رنگنے (خضاب وغیرہ) کے متعلقہ مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← (منڈانے میں) حرج نہیں ۔ لہٰذا نہ اس سے زیادہ حصہ کا کاٹنا مکروہ ہے اور نہ چھوڑنا مکروہ ہے ۔ اسی طرح پاخانہ کے مقام سے نیچے کی جانب جو بال ہوں اُن کا لینا بھی مکروہ نہیں ہے ۔ سفید بالوں کا چننا مکروہ ہے ۔ مونچھوں کے بال کتروانے کا خاص خیال رکھنا سنت ہے ۔ سر کے بالوں کا بڑھا لینا سنت ہے بشرطیکہ اُس کو صاف ستھرا رکھنے کی جانب پوری توجہ مبذول ہو ؛ لہٰذا اگر بال بڑھا لیے گئے تو سنت یہ ہے کہ اُن کی دیکھ بھال کی جائے ، مثلاً دھونا اور کنگھی وغیرہ کرنا ۔ اس میں پہل دائیں جانب سے کرنا چاہیے ۔ اور مانگ نکالنا اور اگر بال کندھے سے لٹکنے لگیں تو اُن کو گوندھ لینا چاہیے ۔

عورت کے لیے سر مونڈ لینا یا بغیر کسی عذر مثلاً زخم وغیرہ کے بال کترنا مکروہ ہے ۔ اور کسی مصیبت (یا حادثہ ، غم وغیرہ) پر عورت کو سر منڈوا لینا حرام ہے ۔ موئے زیر ناف کا دور کرنا سنت ہے ، خواہ مونڈ کر یا کتر کے یا بال صفا کے ذریعہ ۔ بغل کے بالوں کا اُکھاڑنا سنت ہے ؛ اگر اس میں تکلیف ہو تو مونڈا جا سکتا ہے ۔ اور چہرہ یا ابرو کے بال کاٹنا مکروہ نہیں ہے ۔ دوسرے کے ناخون کا تراشنا ہر طرح سے سنت ہے ۔ ناخن تراشنے کا وہ خاص طریقہ جو بیان کیا جاتا ہے وہ ثابت نہیں ہے ۔ البتہ چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک بغل کے بال یا موئے زیر ناف کا نہ لینا مکروہ ہے ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مردوں کا اپنے سفید بالوں کو سیاہ کرنا مکروہ ہے ۔ یہ کراہت اُس حال میں ہوگی جب کہ ایسا کرنے سے کوئی شرعی مقصد وابستہ نہ ہو ، مثلاً دشمن کو مرعوب کرنا ۔ یہ غرض ہو تو (سیاہ خضاب میں) حرج نہیں بلکہ ثواب ہوگا ۔ لیکن اگر اس سے کوئی برا مقصد ہے ، مثلاً یہ کہ کسی عورت سے شادی کرنا ہے اور اُسے غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے خضاب کیا تو حرام ہے ۔ ایسا خضاب جو بالوں کا رنگ زرد کر دے جیسے مہندی مکروہ نہیں ہے ۔ پس مردوں کے لیے جائز ہے کہ سر اور ڈاڑھی پر مہندی کا ←

← خضاب لگا لیں - ہاں! بلا ضرورت ہاتھ پاؤں میں مہندی رچانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کام عورتوں کا ہے جو زینت (سنگھار) کے لیے مہندی لگاتی ہیں - مردوں کو عورتوں کی مشابہت جائز نہیں ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کو ڈاڑھی اور سر میں خضاب لگانا مستحب ہے لیکن ہاتھ پاؤں کا رنگنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے - اسی طرح بغیر کسی شرعی مقصد کے بالوں کو سیاہ رنگنا مکروہ ہے - اگر کوئی شرعی مقصد ہو، مثلاً دشمن پر رعب جمانا تو اچھی بات ہے - اور اگر عورتوں کے سامنے اپنی خوشنمائی کے لیے خضاب کیا ہے تو اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی کہ مکروہ نہیں ہے اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں جیسے مرد یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے لیے سنگھار کرے، تو ایسے ہی کوئی عورت اپنے شوہر کے لیے اس بات کی خواہش مند ہے تو اس مرد کے لیے خضاب کرنا جائز ہو گا -

حنابلہ کہتے ہیں کہ مہندی یا اسی طرح کی کوئی شے جیسے زعفران کا خضاب سنت ہے لیکن کالے رنگ کا خضاب مکروہ ہے، تاوقتیکہ اس کا کوئی شرعی مقصد نہ ہو؛ ایسی صورت میں وہ مکروہ نہ رہے گا - لیکن اگر کوئی برا مقصد ہو؛ مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کو دھوکا دینے کے لیے بال کالے کر لیتا ہے تو (ایسا خضاب) حرام ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اور سر کے بال کو سیاہ کر لینا مکروہ ہے؛ البتہ زرد یا سرخ رنگ کا خضاب جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی غرض ہو، جیسے بہادری دکھانے کا وقت ہے اور اپنی بہادرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہے، یا جنگ وغیرہ میں دشمنوں کو (اپنی جوانی کا) دکھانا ہے، (تو مضایقہ نہیں)- لیکن اگر اس سے کوئی برا مقصد ہے، مثلاً دینداروں کی سی صورت بنانے کے لیے (سرخ خضاب کرنا) بری بات ہے - اسی طرح بالوں پر سفید رنگ کرنا تاکہ بڑی عمر معلوم ہو اور مقاصد ذمیمہ حاصل ہو سکیں، مثلاً یہ کہ عزت و احترام زیادہ ہونے لگے اور گواہی تسلیم کی جائے وغیرہ مکروہ ہے - واضح ہو کہ جس طرح ڈاڑھی کے بالوں کو سفید رنگنا مکروہ ہے اسی طرح سفید بالوں کا چننا بھی مکروہ ہے -

اسپ دوانی اور تیراندازی وغیرہ کے مقابلے کا بیان

شریعت اسلامیہ میں کھانے کے لیے ذبح کرنے کے علاوہ ، کسی طرح سے جانوروں کو ستانا ممنوع ہے ؛ چنانچہ جانور کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لاد کر اذیت دینا جائز نہیں ہے - اسی طرح اتنا زیادہ چلانا کہ اس کی طاقت سے باہر ہو جائز نہیں ہے - لیکن گھوڑوں کا باہم یا گھوڑے کا اونٹ کے ساتھ یا اونٹوں کا باہم دوڑ میں مقابلہ اس قاعدے سے مستثنیٰ اور مباح ہے ، کیونکہ اس قسم کے مقابلے 'جہاد' کی تیاریوں میں سے ہیں ؛ اسی لیے بعض ائمہ کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب جہاد اور علاقائی تحفظ کا یہی ذریعہ ہو - مختلف مسالک میں اس کی تفصیل بتائی گئی ہے -[1]

شریعت اسلامیہ میں پانسہ ڈالنا اور قمار بازی سخت ممنوع ہے ، اس کی تمام قسمیں حرام ہیں ، اور مسلمانوں کے لیے اس کے تمام طور طریقوں کا سدباب کر دیا گیا ہے اور کسی طرح سے بھی اس کے پاس پھٹکنے سے باز رکھا گیا ہے - تاہم گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں انعام کا مقرر کرنا یا 'رہان' (گھوڑ دوڑ میں شرط لگانا) مباح رکھا گیا ہے ، کیونکہ اس میں ایک بہت بڑی عمومی مصلحت ہے

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جہاد اور شہروں کے تحفظ کی غرض سے اسپ دوانی کا مقابلہ ضروری ہو تو یہ فرض ہے اور ضروری نہ ہو تو مباح ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ سواری کے جانوروں کی دوڑ کرانا سنت ہے ، اور اگر جہاد کی تیاری اس پر موقوف ہو تو فرض ہے - لیکن اگر کوئی فعل حرام پیش نظر ہے مثلاً ڈاکہ ڈالنا تو حرام ہے - اسی طرح اگر مقصد کوئی فعل مکروہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہوگا - اگر کوئی مقصد نہ ہو یا کوئی مباح مقصد ہو تو یہ بھی مباح ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اسپ دوانی کا مقابلہ مستحب ہے ، بشرطیکہ اس کا مقصد ریاضت ہو یا جنگی مشق ہو؛ کوئی مقصد نہ ہو تو یہ فعل مباح ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اسپ دوانی (یا گھوڑ دوڑ) جائز ہے ؛ اس کے لیے معاوضہ رکھا گیا ہو یا بلامعاوضہ ہو - تفصیل آگے آ رہی ہے -

جس کی ضرورت بسا اوقات پڑتی رہتی ہے۔ اور یہ اجازت (اسلام میں) اس لیے ہے کہ اسلامی شرع شریف (کے احکام) کی غرض ہمیشہ نفع حاصل کرنا اور مضرت کو دور کرنا ہے۔ لیکن انعام (کے تعین) اور رہان (یعنی گھوڑ دوڑ میں شرط) کے صحیح ہونے کے لیے چند ضوابط ہیں۔ مسالک مختلفہ میں اس کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دوڑ کے مقابلے کی صحت کے لیے چند شرطیں ہیں:

اول یہ ہے کہ جہاں سے دوڑ شروع ہو اور جہاں پر ختم ہو وہ مقامات متعین ہوں۔ ان میں فاصلے کا مساوی ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ دو فاصلوں میں سے ایک فاصلہ دوسرے سے کم ہو۔

دوسرے یہ کہ دوڑ میں حصہ لینے والا جانور گھوڑا ہو یا اونٹ متعین ہونا چاہیے۔ محض خصوصیات کا ذکر کر دینا کافی نہیں ہے، بلکہ لازم ہے کہ جو جانور مقابلے میں شریک ہوں اُن کا تعین کر دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ انعام جو مقرر کیا گیا ہے وہ بھی متعین اور معلوم ہو۔ پس اگر انعام کی نوعیت معلوم نہ ہو، یا کوئی ایسی شے انعام میں رکھی جائے جس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو، جیسے شراب، سور یا مردار تو وہ انعام صحیح نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کپڑا سینے یا کسی اور معروف کام کی یا جرمانے کو معاف کر دینے وغیرہ ایسے کام کی شرط کی جائے جس کو معاوضہ کہا جا سکے۔

چوتھے یہ کہ اگر مقابلہ تیراندازی کا ہے تو تیرانداز متعین ہوں اور نشانے پر لگانے کی گنتی مقرر ہو اور یہ کہ نشانے پر تیر لگنے کی کیفیت کیا ہو۔ کیا نشانہ محض سوراخ ہو جائے گو اس میں پیوست نہ ہو؛ یا یہ بھی شرط ہو کہ تیر پیوست ہو جائے وغیرہ۔ (تیر اندازی کے مقابلے میں) یہ ضروری نہیں ہے کہ تیر جس سے نشانہ لگانا ہے وہ بھی متعین کر دیا جائے، اور یا کسی خاص وضع اور مخصوص طریقے سے چلایا جائے۔ اسی طرح تیر کے چلے کا تعین بھی ضروری نہیں ہے۔

←

→ واضح ہو کہ مقابلے کی شرطیں معاہدے کی حیثیت رکھتی ہیں جسے فریقین میں سے کسی کو توڑنے کا اختیار نہیں ہے ، اور اس معاہدے کے لیے بھی وہی شرطیں لازم ہیں جو شرایط اجازہ میں ہوتی ہیں ، یعنی معاہدہ کرنے والے کا مکلف اور بالغ ہونا - چونکہ تیر اندازی کے مقابلے میں تیر کا تعین شرط نہیں ہے ، لہذا ہر شریک مقابلہ کو اختیار ہے کہ جون سا تیر چلائے چلائے -

اور منجملہ شرایط مقابلہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے گھوڑے کی رفتار سے بے خبر ہو - اور یہ کہ معاوضہ (یا انعام) کوئی دیانت دار شخص جو خود مقابلے میں حصہ لینے والا نہ ہو مقرر کرے - پس اگر کسی شخص نے اس کے لیے مال وغیرہ پیش کیا جس کا گھوڑا یا اونٹ بازی لے جائے تو سبقت لے جانے والے کے لیے اس کا لینا حلال ہے - اسی طرح وہ رقم جو خود مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک نے مقرر کی ہو دوسرے نے نہ کی ہو ، مثلاً دو مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک نے یہ شرط لگائی کہ اگر فریق ثانی (مقابلے میں) بازی لے جائے تو وہ اس قدر مال وغیرہ اسے دے گا - لیکن دوسرے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ، اور وہی مقابلہ جیت گیا تو معاوضہ لینا حلال ہوگا - اور اگر معاوضہ دینے والا سبقت لے گیا تو اب اس کو اپنی مقرر کردہ رقم میں سے خود کچھ لینے کا حق نہیں ہے بلکہ وہ رقم حاضرین کو ملے گی - لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے معاوضہ مقرر کیا کہ جو جیتے وہ لے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ شکل جوئے کی ہے - البتہ اگر ایسا ہو کہ دونوں نے مال کی شرط لگائی کہ جو جیتے وہ دوسرے سے اس قدر مال لے گا اور اس مقابلے میں ان دونوں کے ساتھ ایک اور شخص شامل ہوگیا جس نے کوئی معاوضہ مقرر نہیں کیا ؛ اب اس تیسرے شخص کو اپنے گھوڑے کی رفتار کا علم ہے کہ ان دونوں کے گھوڑوں سے جنھوں نے شرط لگا رکھی ہے وہ سبقت لے جائے گا یا یہ معلوم ہے کہ نہیں لے جائے گا - اگر اول الذکر صورت ہوئی (کہ اس کا گھوڑا بازی لے گیا) تو اسے بازی پر لگی ہوئی رقم لینے کا حق نہیں ہوگا ، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ''من ادخل فرساً بین فرسین وھو یعلم انہ یسبقھا فھو قمار'' (یعنی اگر کوئی شخص دو مقابلے میں شریک ہونے والے گھوڑوں میں اپنا گھوڑا مقابلے کے لیے شامل کرے اور جانتا ہو کہ اس کا گھوڑا ان دونوں سے بازی لے جائے گا ←

← تو یہ جوا ہے) ۔ اور اگر دوسری صورت پیش آئی (یعنی اُس کا گھوڑا رہ گیا) اور اُن دونوں میں سے جنھوں نے رقم لگائی تھی ایک سبقت لے گیا تو اُسے کچھ لینے کا حق نہیں ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں معاوضہ یا انعام مقرر کیا جائے تو اُس کے صحیح ہونے کی دس شرطیں ہیں :

اول یہ کہ فاصلہ معلوم ہو اور ہر ایک کو یکساں فاصلہ طے کرنا ہو اور ایک ہی جگہ سے روانہ ہوں ، لہٰذا اُن میں سے کسی کو جگہ یا وقت میں پیش دستی حاصل نہ ہو ۔ اور جو مطمح نظر ایک کا ہے وہی دوسرے کا ہو ۔ یہ امور اُس صورت میں ہیں جب کہ جانوروں کی دوڑ ہو ۔

دوسرے یہ کہ اگر مقابلہ تیراندازی کا ہے تو تیراندازی کا طریقہ معلوم ہو ؛ بایں طور کہ تیر اندازوں کو بتا دیا جائے کہ نشانہ پر تیر لگنے کی کیا کیفیت ہو ۔ آیا تیر نشانے پر پیوست ہو جائے یا پیوست ہونا ضروری نہ ہو ، یا یہ کہ لگ کر آر پار ہو جائے ۔

تیسرے یہ کہ جن جانوروں کا مقابلہ ہے وہ جانور جنگ میں کار آمد ہوں ۔ ایسے جانور مثلاً گھوڑا ، خچر ، اونٹ ، گدھا اور ہاتھی ہیں ۔ اونٹ کے سبقت لے جانے کا فیصلہ اُس کے مونڈھوں کے آگے نکل جانے پر ہوگا ، گردن سے نہیں ، کیونکہ اونٹ دوڑتے وقت گردن اُٹھا لیتا ہے اس لیے اول آنے والے کا فیصلہ ممکن نہیں رہتا ۔ یہ حالت اُس وقت ہوگی جب کہ دونوں پہلو بہ پہلو ہوں؛ اگر دونوں میں کھلا ہوا فاصلہ ہو تو فیصلہ واضح ہوگا ۔

چوتھے یہ کہ گھوڑ دوڑ کے سوار مقابلے میں شریک جانوروں کی تعیین کر دیں، مثلاً یہ کہ ہمارا مقابلہ ان دونوں گھوڑوں پر ہوگا ۔

پانچویں یہ کہ دونوں سوار مقابلہ کے جانوروں کی مخصوص صفات بتا دیں ، مثلاً یہ کہہ دیں کہ ہمارا مقابلہ ان گھوڑوں پر ہے جن کی خصوصیات یہ ہیں ۔

چھٹے یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بازی لے جانے کا امکان ہو (یعنی جوڑ برابر کی ہو) ، لہٰذا اگر اُن میں سے ایک ناتواں ہے جس کا ہار جانا یقینی ہے یا تنومند ہے جس کا جیت جانا قطعی ہے (تو ایسا مقابلہ درست نہیں ہے) ۔ ←

→ ساتویں یہ کہ مقابلہ میں شریک جانوروں پر سوار موجود ہوں ؛ اگر بغیر سواری کے دوڑا دیے گئے تو (مقابلہ) صحیح نہ ہوگا۔

آٹھویں یہ کہ مسافت مقررہ معقولیت کی بنا پر ہو یعنی اس کا طے کر لینا بغیر ٹھہرے اور غیر معمولی دشواری کے ممکن ہو۔

نویں یہ کہ معاوضہ یا انعام کی نوعیت ، مقدار اور خصوصیت متعین ہو ؛ لہٰذا اگر انعام غیر معلوم مقدار مال ہو ، مثلاً یہ کہنا کہ کچھ رقم پر مقابلہ کرلو، صحیح نہ ہوگا۔

دسویں یہ کہ (مقابلے کے لیے) کوئی ایسی شرط نہ لگائی جائے جو اس شرط ہی کو باطل کر دے ؛ مثلاً یوں کہا جائے کہ اگر تم بازی لے گئے تو ہم اتنی رقم دیں گے بشرطیکہ دوستوں کی دعوت کا وعدہ کرو۔

تیراندازی کے مقابلہ میں تیر یا کمان کا متعین کیا جانا ضروری نہیں ہے ، لہٰذا اگر متعین بھی کر دی جائے تو جائز ہے کہ (تیرانداز) اس کی بجائے کوئی اور تیر کمان استعمال کریں۔ اگر یہ قید لگا دی جائے کہ اس تیر کمان کو بدلا ہی نہ جائے تو یہ معاہدہ ہی ختم ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ مقابلے کے معاہدے کی ضروری شرطیں جب پوری طے ہو جائیں تو (فریقین کو) اس کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ اور انعام یا معاوضہ کا تعین جب صحیح ہوگا کہ ایک جانب سے ہو، مثلاً ایک فریق کہے کہ میں اس قدر مال دیتا ہوں اگر تم بازی لے گئے، اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا۔ اب اگر وہ جیت گیا جس نے کچھ دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا تو وہ مال لے گا جس پر شرط لگی تھی، اور اگر شرط پیش کرنے والا بازی لے گیا تو اس کا مال اس کو واپس مل جائے گا۔

اگر فریقین میں سے دونوں نے مال پیش کیا کہ جو سبقت لے جائے وہ اتنا مال لے گا ، تو یہ شرط حلال نہیں ہے۔ البتہ اگر مقابلہ کرنے والوں میں کوئی اور شخص شریک ہو جائے جسے ''محلل'' (یعنی حلال کر دینے والا) کہتے ہیں تو وہ معاہدہ حلال ہو جائے گا۔ مقابلے میں اگر محلل سبقت لے گیا تو وہ انعام جو دونوں نے مقرر کیا تھا یہ (محلل) لے لے گا۔ اگر وہ دونوں جیت گئے تو محلل انہیں کچھ نہ دے گا۔ اور اگر وہ دونوں ایک ساتھ بازی ←

→ لے گئے ہیں تو اُن میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر یکے بعد دیگر جیتے ہیں تو اول آنے والے کا اپنا مال تو اُسی کا تھا، دوسرے نے جو مال شرط پر لگایا تھا وہ لے لے گا۔ اور اگر اُن میں سے ایک اول رہا اور محلل درمیان میں آیا تو اول آنے والا اپنا مال تو لے گا ہی دوسرے کا مال بھی لے گا اور محلل کو کچھ نہ ملے گا، اسی طرح اُس صورت میں بھی جب کہ محلل اخیر والے کے برابر پہنچے (یعنی برابر رہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ معاوضہ والے دوڑ کے مقابلہ کے لیے بقول مشہور کوئی لازمی شرایط معاہدہ نہیں ہیں، لیکن شرط پوری ہو جائے تو مال (شرط) کا لینا مباح ہے۔ اگر دینے سے انکار کیا جائے تو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو معاہدہ کیا گیا وہ لازم ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ اسپ دوانی (یا دوڑ) کے مقابلے میں جو انعام رکھا جاتا ہے اس کے حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ فریقین مقابلہ میں سے صرف ایک جانب سے مال پیش کیا گیا ہو۔ بایں طور کہ ان میں سے ایک فریق یہ کہے کہ اگر تم سبقت لے گئے تو اس قدر رقم تم کو دوں گا اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہیں لوں گا۔

یا کوئی تیسرا شخص یوں کہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں جو بازی لے جائے گا میں اسے اس قدر عطا کروں گا۔ لیکن اگر مقابلہ کرنے والے فریقین میں سے ہر ایک کی طرف سے مال شرط پر لگایا جائے تو حلال نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ جوا ہوجائے گا۔ البتہ اگر مقابلے میں کوئی تیسرا شامل ہوجائے جسے ''محلل'' کہتے ہیں، تو اس صورت کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ محلل کا گھوڑا ان دونوں کے (گھوڑوں کے) ہم پلہ ہو، بایں طور کہ اس گھوڑے کے سبقت لے جانے کا امکان سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ مقابلہ کرنے والے مان لیں کہ اگر 'محلل' جیت جائے گا تو ان دونوں کا شرط پر لگایا ہوا مال اس کا حق ہوگا، اور اگر وہ دونوں جیت جائیں گے تو 'محلل' سے کچھ نہ لیں گے، البتہ ان دونوں میں سے جو بازی لے جائے گا وہ دوسرے کا لگایا ہوا مال لے لے گا۔ پس اگر محلل جیت گیا تو دونوں کا داؤ پر لگایا ہوا مال لے جائے گا۔ اور اگر ہار گیا ←

← تو ان دونوں کو کچھ نہ دے گا ۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر سبقت لے گیا تو دوسرے کا لگایا ہوا مال لے لے گا ۔ اگر وہ دونوں جیت گئے اور برابر رہے تو ان میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا ۔ اور اگر محلل ان میں کسی کے ساتھ برابر رہا اور دوسرا اس کے بعد آیا تو محلل کے برابر جو آیا تھا اسے کچھ نہ ملے گا ، بلکہ وہ مال جو دوسرے نے لگایا تھا وہ محلل کو ملے گا ۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ ان دونوں میں سے ایک پہلے آئے ، پھر دوسرا آئے تو بعد میں آنے والا پہلے کو (شرط پر لگا ہوا مال) دے گا اور محلل کو کچھ نہ ملے گا ۔ اور مسافت کی حد قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ فاصلہ اتنا ہو جسے گھوڑا برداشت کر سکے اور یہ کہ مقابلے کے گھوڑوں میں سے ہر ایک کے اول آنے کا احتمال ہو ۔ شتر دوانی کے مقابلے میں سبقت لے جانے کے لیے (اونٹ کے) مونڈھوں کا اعتبار ہوگا (یعنی جس اونٹ کا مونڈھا آگے ہوگا وہ اول مانا جائے گا) ۔گھوڑے کی دوڑ میں گردن کا اعتبار ہوگا (یعنی جس گھوڑے کی گردن نشان پر پہلے پہنچے گی وہ اول ہوگا) ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دوڑ کے مقابلے میں معاوضہ ، انعام مقرر کرنا درست ہے اور فریقین مقابلہ میں سے ہر ایک کو اس معاہدے کا توڑ دینا جائز ہے ، خواہ دوڑ شروع ہو گئی ہو ۔ لیکن اگر ایک کی برتری دوسرے کے مقابلہ میں نظر آنے لگے مثلاً یہ کہ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ایک آگے بڑھ گیا ہو ، یا (تیر اندازی کے مقابلے میں) ایک تیرانداز کا تیر دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دفعہ نشانے پر لگ گیا ہو تو اس حالت میں ہارتے ہوئے فریق کو معاہدہ توڑنا جائز نہ ہوگا ؛ البتہ برتری حاصل کرنے والا فسخ معاہدہ کر سکتا ہے ۔

مقابلے کے معاہدے کا صحیح ہونا پانچ شرایط پر موقوف ہے :

اول گھوڑسواروں کا تعین فی المشافہہ (ایک دوسرے کی موجودگی میں) کیا جائے ، اور یہ کہ شروع سے آخیر تک برابر وہی رہیں گے ۔ اور (تیراندازی کی صورت میں اسی طرح) تیراندازوں کا تعین ۔

دوسرے یہ کہ دونوں گھوڑ سوار باہم اور دونوں گھوڑے باہم ایک ہی نوع کے ہوں ۔ چنانچہ عربی (اصیل) گھوڑے کا مقابلہ 'ھجین' (دوغلے) کے ساتھ صحیح نہیں ہے ۔ ھجین وہ گھوڑا ہے جس کا صرف باپ عربی نسل کا ہو ۔ اسی طرح ←

← تیر اندازی کے مقابلے میں عربی کمان جسے قوس نبل کہتے ہیں کا مقابلہ فارسی کمان کے ساتھ جسے قوس نشاب کہتے ہیں صحیح نہیں ہے -

تیسرے یہ کہ مسافت اور منزل کی حد مقرر ہو، بایں طور کہ دوڑ جہاں سے شروع ہو اور جہاں پر ختم ہو اس کے تعین میں کسی کو اختلاف نہ ہو ، کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص دوڑ کے دوران پہلے ڈھیل کر دے اور بعد میں تیز ہو جائے - اور ضروری ہے کہ تیراندازی کے لیے فاصلہ مقرر کر دیا جائے - یہ فاصلہ معمول کے مطابق یا گزوں سے ناپ کر متعین کیا جا سکتا ہے اور اس شرط پر تیر کا مقابلہ کہ جس کا تیر سب سے آگے جائے وہی اول ہے صحیح نہیں ہے -

چوتھے یہ کہ معاوضہ جو مقرر کیا گیا ہے وہ معلوم ہو ، خواہ آنکھوں کے سامنے ہو یا (انعام میں دی جانے والی شے کی) مقدار بتا دی جائے یا (اس شے کی) صفت بیان کر دی جائے - معاوضہ خواہ فوری طور پر ادا کر دیا جائے یا تاخیر سے دونوں طرح جائز ہے - لیکن یہ شرط ہے کہ (معاوضہ کی) شے مباح ہو ، لہٰذا گھوڑ دوڑ یا تیر اندازی کے لیے سور یا شراب کی شرط صحیح نہیں ہے -

پانچویں یہ کہ اس مقابلے (کی دوڑ) میں قمار سے مشابہت نہ ہو، بایں طور کہ تمام شرکائے مقابلہ کی طرف سے مال کی پیشکش (شرط) نہ ہو، بلکہ ان میں سے کوئی شریک شرط سے خارج ہو (یعنی اس نے جیتنے والے کو کچھ دینے کی شرط نہ لگائی ہو) -

اگر انعام کی رقم کوئی حاکم بیت المال سے نکالے تو جائز ہے کیونکہ اس کام میں نیکی بھی ہے اور تعلیم جہاد کی ترغیب بھی اور مسلمانوں کو فائدہ بھی ہے - اسی طرح کسی اور شخص کا (جو شریک مقابلہ نہ ہو) عطیہ پیش کرنا صحیح ہے - اگر مقابلے میں شریک ہونے والے تمام فریقوں نے رقم لگائی تو (یہ معاہدۂ مقابلہ) حلال نہ ہوگا جب تک ان (شرکاء) میں کوئی ایسا شخص شامل نہ ہو جس نے کوئی رقم نہ لگائی ہو - اس کو محلل (حلال بنانے والا) کہتے ہیں - محلل کے شامل ہونے سے مقابلہ کرنے والوں میں کوئی بھی انعام لے سکتا ہے - لیکن محلل کی شمولیت کا فائدہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ چند شرطیں پائی جائیں کہ اگر تیر اندازی کا مقابلہ ہے تو محلل خود بھی تیر اندازی میں دوسروں کا ہم پلہ ہو، اور اگر دوڑ کا مقابلہ ہے تو لازم ہے کہ محلل کا گھوڑا یا اونٹ یا کوئی اور ←

واضح ہو کہ گھوڑ دوڑ ، شتر دوانی یا تیر اندازی کے علاوہ انعام کی شرط

←(مقابلے میں شریک ہونے والا) جانور دوسروں کے جانوروں کا ہم پلہ ہو ۔

اب اگر محلل جیت گیا تو ان دونوں نے جو مال شرط پر لگایا تھا وہ ، اور اگر وہ دونوں ایک ساتھ اول آئے (یعنی برابر رہے) تو ان میں سے ایک دوسرے کو کچھ نہ دے گا اور نہ محلل ہی کو کچھ ملے گا کیونکہ وہ اول نہیں آیا اور نہ محلل کسی کو کچھ دے گا ۔ اور اگر انعام کی رقم لگانے والوں میں سے کوئی اول رہا تو دونوں میں جو اول رہا وہ انعام پائے گا اور محلل کو کچھ نہ ملے گا۔ اگر محلل ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ اول آنے میں برابر رہا تو پیچھے رہ جانے والے نے جو رقم لگائی تھی وہ ان دونوں میں تقسیم کی جائے گی اور محلل کے ساتھ اول آنے والے کو کچھ دینا نہ پڑے گا ، کیونکہ وہ دونوں سبقت لے جانے میں شریک تھے، لہٰذا انعام میں بھی شریک رہیں گے ۔ اگر تمام برابر رہے اور کوئی اول نہ آیا تو ان میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا ۔

(دوڑ کے مقابلے میں) یہ شرط بھی ہے کہ (مقابلے کے) گھوڑوں یا اونٹ کو ایک ساتھ دوڑایا جائے اور دوڑ کے شروع ہونے کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو ان کو برابر کھڑا کرے اور دوڑ کی نگرانی کرے اور جہاں دوڑ ختم ہوتی ہے وہاں بھی کوئی شخص موجود ہو جو اول آنے والے کا تعین کرے تا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو ۔

اور ایسے جانوروں (کے مقابلے) میں جن کی گردنیں یکساں لمبی ہوتی ہیں جیسے گھوڑا، ان کے سر کو دیکھا جاتا ہے (یعنی جس کی گردن نشان پر پہلے پہنچے وہ اول قرار دیا جائے گا) لیکن اگر گردنیں مختلف ہوں جیسے گھوڑے اور اونٹ کے درمیان مقابلہ ہو تو مونڈھے کو دیکھا جائےگا (یعنی جس کا مونڈھا پہلے نشان پر پہنچے وہ اول قرار دیا جائے گا) ۔ اگر یہ شرط ہو کہ جس کا قدم پہلے پہنچے وہ اول ہے تو یہ (مقابلہ) صحیح نہ ہوگا ۔ اور ایسا کرنا حرام ہے کہ دوڑ میں شامل ہونے والا اپنے گھوڑے کے ساتھ کوئی اور گھوڑا دوڑائے یا اپنے گھوڑے کے پیچھے کوئی دوسرا گھوڑا دوڑادے تا کہ اس کے گھوڑے کو اور تیز دوڑنے پر اکسایا جا سکے ۔ دوڑانے کے وقت اس کو للکارنا بھی حرام ہے ۔

کے ساتھ کسی اور دوڑ کا مقابلہ صحیح نہیں ہے[۱] البتہ کوئی رقم کی شرط نہ ہو تو دوسرے مقابلے مثلاً کشتی رانی اور پیدل دوڑ وغیرہ بھی درست ہیں ۔ مختلف مسالک میں اس کی تفصیل بتائی گئی ہے ۔[۲]

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ انعام کی شرط پر خچر ، گدھے اور ہاتھی کے مقابلے بھی بقول معتبر صحیح ہیں ۔

۲ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کشتی رانی وغیرہ کا مقابلہ اور پیدل دوڑ کا مقابلہ بھی حلال ہے ۔ اسی طرح پرندوں کا مقابلہ بھی حلال ہے کہ کون جلدی خبر پہنچاتا ہے ، اور کشتی گیری اور وزن کا اٹھانا بھی ہے ۔ لیکن ان تمام مقابلوں کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں : ایک تو یہ کہ بے مضرت اور بلا معاوضہ ہو ، دوسرے یہ کہ اس کی غرض محنت برداشت کرنے کی مشق اور امور واجب کی بجا آوری اور جہاد کے لیے طاقت بڑھانا پیش نظر ہو ۔ اگر اس کی غرض محض فوقیت دکھانا اور کھیل ہو تو حرام ہے ، اور وہ کھیل جس میں پاسا پھینکا جاتا ہے اور شطرنج کا کھیل حرام ہے خواہ بغیر شرط معاوضہ کے ہو ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیلوں ، کتوں اور پرندوں کا مقابلہ کسی معاوضہ کی شرط رکھے بغیر جائز ہے ۔ بادبانی کشتیوں کا مقابلہ جائز نہیں ہے ۔ اس کے علاوہ دخانی کشتیوں اور موٹروں اور آبدوزوں اور ہوائی جہازوں کا مقابلہ جائز ہے ، کیونکہ شافعیہ کے ہاں یہ اصول ہے کہ ہر وہ شے جو جنگی کارروائیوں میں بکارآمد ہے اس کا مقابلہ میں حصہ لینا جائز ہے ۔ کشتی گیری اور شناوری یعنی پانی میں تیرنے کا مقابلہ اور تیز قدمی کا مقابلہ اور ایک پاؤں پر کھڑے ہونے اور شطرنج اور گیند کے مقابلے اور وزن اٹھانے اور پنجہ کشی کا مقابلہ ، یہ تمام مقابلے معاوضہ کی شرط کے بغیر ہوں تو حلال ہیں ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شرط معاوضہ کے بغیر تمام مقابلے حلال ہیں ماسوا شطرنج کے ، جو ان کے نزدیک حرام ہے ۔ کیونکہ شطرنج باز اس کھیل میں بری طرح منہمک ہو کر رہ جاتا ہے ۔ پرندوں کا مقابلہ کرانے کے بارے میں حنفیہ کا باہم اختلاف ہے ۔ بندوق یا گوپیے کی نشانہ بازی حنفیہ کے نزدیک تیر اندازی کے برابر ہے ۔ یہ تمام امور جسمانی ورزش کے ارادے یا جسمانی طاقت کو بڑھانے کی غرض سے ہوں تو جائز ہیں ۔ اگر دل بہلانے یا وقت گزاری کے ارادے سے ہوں تو جائز نہیں ہیں ۔ ←

سلام کو عام کرنے کا بیان

''سلام'' کے معنے سلامتی کے ہیں ، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو گویا وہ کہتا ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ ہر مضرت رساں شے سے مامون و محفوظ رہیں۔ ظاہر ہے کہ سلام کرنے کا عام رواج اسلام کا ایک عظیم الشان دستور ہے ، کیونکہ (سلام کرنا) بنی نوع انسان کے درمیان امن کا اعلان عام ہے۔ امن حیات انسانی کی ضروریات اور خصوصیات میں سے ہے جس کے باعث انسان کو وحشی جانوروں سے امتیاز حاصل ہے جن کی زندگی محض نفسانی تقاضوں کو پورا کرنا اور چھین جھپٹ کر اپنا مطلب نکالنا ہے۔ دراصل سلام کرنا ایک اسلامی معاہدہ ہے جس میں لوگ باہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی جان ، آبرو اور مال پر ناحق درازدستی سے باز رہے گا۔ سلام کا طریقہ عوام میں پھیلانا یہ اعلان کرنا ہے کہ شر پسند عناصر اسلام کے بنیادی

→ حنابلہ کہتے ہیں کہ شرط معاوضہ کے بغیر ہو تو یہ سب مقابلے جائز ہیں۔ تیز قدمی کا مقابلہ ، جانوروں مثلاً اونٹ ، گھوڑا ، گدھا ، ہاتھی وغیرہ کی دوڑ ، پرندوں کی اڑان کا مقابلہ جس میں بقول اصح کبوتر بھی شامل ہیں اور کشتی رانی کا مقابلہ ، ہاتھ یا گوپیے کے ذریعہ ڈھیلوں (یا گولوں کا پھینکنا) اور تیراندازی کا مقابلہ اور وزن پھینکنے کا مقابلہ کہ کتنا سخت پھینکا جا سکتا ہے ، اور اسی طرح کے تمام مقابلے جن سے مقصد جسمانی ورزش اور قوت جہاد حاصل کرنا ہو سب روا ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''واعدوا لھم ما استطعتم من قوہ''۔ (یعنی دشمنان دین سے مقابلے کی تیاری کے لیے جہاں تک تم سے ہو سکے اپنی طاقت بڑھاؤ) ۔ اور حدیث صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 'مضمرہ' (چھریرے بدن کے) گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ مضمرہ ایسے گھوڑوں کو کہتے ہیں جن کے موٹاپے کو کم کرنے کے لیے صرف چارہ پر رکھا جائے۔

ناچ اور شعر کی محفلیں اور ہر قسم کا کھیل جیسے گولیوں کا کھیل اور کنکریوں کا کھیل جسے ''منقلہ'' کہتے ہیں اور پانسے کا کھیل اور شطرنج مکروہ ہیں۔ اور ایسی تمام باتیں جن میں امر ناجائز کا ارتکاب ہو ، تاوقتیکہ اس میں کوئی بڑی مصلحت نہ ہو ، حرام ہیں۔

اصول کی حد سے باہر ہیں - ساتھ ہی سلام کرنا اسلام کے ارشادات کریمانہ کی تائید کرنا ہے ، مثلاً رفاقت باہمی ، برادرانہ جذبہ (اخوت) . محبت ، باہمی اعانت ، پائداری امن اور ایک دوسرے کی شرارتوں سے تحفظ -

(سلام کے) ان ہی محاسن کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت احادیث میں اس کی ترغیب فرمائی ہے - منجملہ ان کے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ :

''ای الاسلام خیر ؟'' (یعنی اسلام میں کون سی بات اچھی ہے ؟)

ارشاد ہوا :

''تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت و من لم تعرف'' - (بخاری و مسلم وغیرہ) -

یعنی کھانا کھلایا کرو اور سلام کیا کرو واقف کو بھی نا واقف کو بھی - ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ :

''لن تدخلوا الجنة حتی تومنوا ولن تومنوا حتی تحابوا ، الا ادلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم - افشوا السلام بینکم''- رواہ مسلم وغیرہ

(یعنی ایمان کے بغیر ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے اور صاحب ایمان نہ ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو - تو کیا میں تمھیں وہ بات نہ بتا دوں کہ اگر اس پر عمل کرو تو باہم محبت کرنے لگو گے - (سنو) ایک دوسرے کو سلام کرنا عام کردو) -

سلام میں پہل کرنے کا حکم
اور سلام کا جواب دینا

سلام کرنے میں پہل کرنا ہر فرد کے لیے سنت عین ہے[1] اور جماعت کے لیے سنت کفایہ ہے ؛ لہٰذا (جماعت میں سے) ایک شخص کے سلام کرنے سے سب کی

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات سلام کرنے میں پہل کرنا فرض ہوجاتا ہے ؛ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی سوار کی پیدل چلنے والے سے بیابان میں ملاقات ہو تو سوار پر فرض ہے کہ وہ سلام کرے تاکہ امان (تحفظ) کا اطمینان ہو جائے۔

طرف سے سلام ادا ہو جائے گا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ سب سلام کریں تاکہ ہر ایک کو سنت پر عمل کرنے کا ثواب حاصل ہوجائے۔

سلام کی ابتدا کرنے والا دو طرح سے الفاظ سلام ادا کر سکتا ہے: ایک ''السلام علیکم'' دوسرا ''سلام علیکم'' لیکن اول الذکر الفاظ میں سلام کرنا افضل ہے۔ سلام کی ابتدا کرنے والے کو ''علیک السلام'' کہنا یا ''سلام اللہ علیک'' کہنا مکروہ ہے؛ کیونکہ اس طرح مُردوں کو کہا جاتا ہے، زندوں کو نہیں۔

دراصل سنت تو اسی طرح پوری ہوگی کہ کہا جائے السلام علیکم یا سلام علیکم[1] (بصیغۂ جمع)، خواہ وہ شخص جس کو سلام کیا گیا ایک ہو یا زیادہ ہوں۔

واضح ہو کہ سلام کا جواب دینا فرد کے لیے فرض عین ہے اور جماعت کے لیے فرض کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے کسی ایک نے بھی سلام کا جواب دے دیا تو (یہ جواب) سب کی طرف سے کافی ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ سلام کا جواب فوراً دیا جائے۔ اگر اس میں بلا عذر تاخیر ہوئی تو گناہ ہوگا۔ اور چاہیے کہ سلام کا جواب اس طرح دیا جائے کہ سلام کرنے والا سن لے؛ اگر اس نے نہیں سنا تو (جواب کا) فرض ادا نہیں ہوا۔ اگر (سلام کرنے والا) بہرا ہے تو واجب ہے کہ سلام کا جواب اس طرح دیا جائے کہ وہ اشارے سے یا لبوں کی جنبش سے سمجھ لے۔ اور جواب سلام کے الفاظ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ ''وعلیکم السلام'' کہا جائے۔ (اس میں) واو اور 'کم' ضمیر جمع (کا استعمال) ہونا چاہیے؛ یوں تو ''سلام علیک'' کہہ دینا بھی صحیح ہے۔

مسلمان کے لیے سنت یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو کلام سے پہلے سلام کرے۔ اگر دو آدمی ہوں اور دونوں نے سلام کیا تو دونوں کو جواب دینا واجب ہے۔ اور چاہیے کہ سلام اونچی آواز سے کرے تاکہ جن کو سلام

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ 'سلام' کی سنت ''السلام علیکم'' کہے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ اگر سلام کی ابتدا کرنے والے نے سلام علیکم کہا تو بقول صحیح وہ سلام نہیں ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ 'السلام علیک' کہنے سے بھی سنت پوری ہو جائے گی۔

کیا گیا ہے وہ سب اچھی طرح سن لیں - اور سنت ہے کہ ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کیا جائے - اگر خالی گھر میں جانا ہو جہاں کوئی انسان نہ ہو تو ''السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین'' کہنا چاہیے - اور سنت یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو ، سوار پیدل کو ، کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو ، اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام پہلے کرے - اگر اس کے برعکس کیا گیا تب بھی سلام کی سنت ادا ہو جائے گی اور جواب دینا واجب ہوگا ، لیکن ترتیب مقررہ میں جو فضیلت ہے وہ حاصل نہ ہوگی - اور جب کوئی شخص کسی کو سلام کہلا بھیجے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ سلام کا جواب دے - اور مستحب (طریقہ) یہ ہے کہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پہل اس پر سلام سے کی جائے جس نے پیغام سلام پہنچایا - یعنی یوں کہنا چاہیے کہ ''وعلیک و علیہ السلام'' (یعنی تم پر بھی سلام ہو اور اس پر بھی جس کا سلام تم نے پہنچایا) - اسی طرح اگر خط میں سلام لکھا ہو تو اس کا جواب دینا واجب ہے -

ایک مرد کے لیے مکروہ ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کو سلام کرے[1] البتہ اگر وہ عورت عمر رسیدہ بڑھیا یا بھونڈی شکل کی ہو جس کے متعلق برا خیال نہ پیدا ہو تو اور بات ہے - لیکن محرم عورتوں کو سلام کرنا اسی طرح سنت ہے جیسے واقف آدمیوں کو سلام کرنا - غسل خانہ کے اندر سلام کرنا مکروہ ہے - ننگے آدمی کو اور اس کو جو ایسی حالت میں ہو کہ سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو، یہاں تک کہ اگر سلام کا جواب نہ دے تو گناہ گار نہ ہوگا ، سلام کرنا مکروہ ہے - پس جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھ رہا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے -[2] اسی طرح اگر کوئی علمی (دینی) مسائل بیان کر رہا ہے

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر جوان عورت اکیلی کسی مکان میں ہو تو مرد کے لیے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے - اسی طرح اس عورت کا جواب دینا یا سلام کرنا بھی مکروہ ہے ، خواہ کیسی ہی بھونڈی شکل کی ہو ، برا خیال پیدا ہو یا نہ ہو - البتہ بڑھیا عورت مرد کے حکم میں ہے - ہاں ، اگر کوئی اور مرد یا عورت موجود ہو تو سلام اور جواب کے متعلق وہی حکم ہے جو مردوں کے لیے ہے -

۲ - شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کی حالت میں سلام کرنا ←

یا اذان دینے یا تکبیر کہنے میں مصروف ہے ؛ [1] یا قاضی فیصلہ کے لیے مجلس قضا میں ہے یا واعظ وعظ کر رہا ہے (تو سلام کرنا مکروہ ہے) ؛ اور اگر سلام کیا جائے تو جواب دینا واجب نہیں ہے - اگر کوئی شخص جماعت میں سے کسی خاص شخص کو سلام کرے مثلاً کہے ''السلام علیک یا محمد'' ایسی صورت میں محمد پر جسے سلام کیا گیا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ خود سلام کا جواب دے - اگر حاضرین میں سے کسی نے جواب دیا تو اس پر سے فرض ساقط نہ ہوگا - لیکن اگر کہا کہ ''السلام علیک'' اور محمد کی طرف صرف اشارہ کیا لیکن نام نہیں لیا اور حاضرین میں سے کسی نے جواب سلام دے دیا تو فرض ادا ہو گیا ، کیونکہ اشارہ میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے وہ سلام سب کے لیے ہو - اسی طرح اگر کہا 'السلام علیک' اور کسی کی طرف اشارہ بھی نہ تھا اور ان میں سے کسی نے جواب دے دیا تو باقیوں کی جانب سے بھی فرض جواب ادا ہوگیا ، کیونکہ ضمیر واحد سے کسی مجمع کو خطاب کرنا صحیح ہے - جو شخص درس دینے میں یا علم حاصل کرنے میں مصروف ہے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے - اگر کچھ لوگ

← سرے سے سنت ہے ہی نہیں - یہی حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جو عبادت ، دعا، نماز یا کھانے میں مصروف ہیں -

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ نہ اذان و اقامت کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے اور نہ قاضی کو مجلس قضا میں ، اور نہ ان لوگوں کو جن کا ذکر کیا گیا - شافعیہ کے نزدیک سلام میں پہل کرنا مسنون ہے - انھوں نے بجز جوان عورت کے جو تنہا ہو اور کسی کو سلام کرنے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا ، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا - مرد کسی جوان عورت کو تنہائی میں سلام کرے یا وہ عورت اس مرد کو سلام کرے دونوں صورت حرام ہے - جس طرح اس مرد کو سلام کرنا حرام ہے اسی طرح ایسے شخص کو سلام کرنا حرام ہے جو علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو - ایسے شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا حرام ہے - جوان عورت اور مخنث دونوں کا حکم ایک ہے - اور جو خطبہ سن رہا ہو اسے سلام کرنا مکروہ ہے ؛ لیکن اگر سلام کیا جائے تو جواب دینا واجب ہے -

کھانا کھا رہے ہوں تو ان کو سلام کرنے کے متعلق مسالک فقہا تفصیل طلب ہیں۔[1]

بچوں کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ انھیں سلام کیا جائے تاکہ وہ ادب سیکھیں۔ ان بچوں کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں (یعنی احکام شرعیہ ان پر لاگو نہیں ہوتے)۔ لیکن اگر کوئی بچہ کسی مکلف کو سلام کرے تو اس کا جواب دینا فرض ہے، بشرطیکہ وہ بچہ صاحب شعور ہو۔ لیکن اگر کچھ مکلفین ہیں جن میں بچہ بھی ہے اور کسی بچے نے سلام کیا تو بقول صحیح جواب واجب نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ مکلفین میں سے کوئی اس کا جواب دے دے۔

دیوانہ، مخمور، سوئے ہوئے انسان یا تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا اور خود بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو اور یہ معلوم ہے کہ اگر سلام کیا گیا تو وہ شریک طعام ہونے کی دعوت دے دے گا تو سلام کرلیں ورنہ نہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سلام تو کرنا چاہیے لیکن کھانے والے کے منہ میں لقمہ ہے اور جواب نہیں دے سکتا تو جواب سلام اس پر واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کھانے والے شخص کو بہرحال سلام کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں دو اقوال ہیں: ایک تو یہ کہ اس حال میں سلام کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ کھانے میں مصروف ہے اور جو مشغول ہے وہ سلام کرنے میں پہل نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ 'مکروہ نہیں ہے'۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سوا ان کے جنھیں سابقاً بتا دیا گیا ہے کہ وہ مستثنیٰ ہیں، باقی کسی کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے؛ نہ کھاتے ہوئے انسان کو نہ کسی اور کو۔

واضح ہو کہ سلام کے لیے زیادہ سے زیادہ الفاظ 'برکاتہ' تک ہیں، لہٰذا سلام کرنے اور جواب دینے والے کو اس پر اضافہ کرنا مکروہ ہے (یعنی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' سے زیادہ کچھ نہ کہنا چاہیے)۔

چھینکنے والے کو دعا دینے کا بیان

لفظ تشمیت (’ش‘ سے یا ’س‘ سے) کے معنے نیکی اور برکت کے لیے دعا کرنے کے ہیں اور وہ دعا یہ ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ (الحمد للہ کہے) تو سننے والا کہے یرحمک اللہ (یعنی اللہ تجھ پر رحمت نازل فرمائے) ۔ اور جو خوبیاں اس عظیم الشان اسلامی حکم میں ہیں وہ ظاہر ہے، کیونکہ اس کی غرض بنی نوع انسان سے دوستی کا اعلان، روابط الفت و اخوت کی استواری اور اپنے بھائی کے حق میں خیر خواہی کی تمنا اور عداوت، بغض، کینہ اور حسد سے بیزاری کا اظہار اور ایسے ہی دوسرے مکارم اخلاق کی تلقین ہے جس کے لیے اسلام نے تمام چھوٹے بڑے معاملات میں ترغیب دی ہے۔

چھینکنے والے کو تشمیت (یعنی دعائے خیر کا دینا) فرض کفایہ ہے[1] اسی طرح جیسے سلام کا جواب دینا ۔ اس کے فرض ہونے کی تین شرطیں ہیں : اول یہ کہ چھینکنے والے نے (چھینک آنے پر) الحمد للہ، یا الحمدللہ رب العلمین، یا الحمدللہ علی کل حال، کہا ہو ؛ اگر نہیں کہا تو وہ اس دعا کا مستحق نہیں ہے ۔ چھینکنے والے کے لیے اللہ کا شکر بجا لانا مستحب ہے ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ چھینکنے والے کے (الفاظ حمد) سنے گئے ہوں، اگر نہیں سنا تو ’تشمیت‘ بھی واجب نہیں ہے ۔ اور جس طرح سے سننے والے کو چھینکنے والے کے حق میں دعا کرنا واجب ہے، اسی طرح چھینکنے والے پر اس (دعا) کے جواب میں یہ کہنا فرض ہے کہ ”یغفر اللہ لی ولکم“ یا ”یھدیکم اللہ و یصلح بالکم“ (یعنی اللہ تعالیٰ میری اور تمھاری مغفرت فرمائے ۔ یا اللہ تعالیٰ تمھاری ہدایت فرمائے اور تمھاری طبیعت ٹھیک رہے) ۔ اگر بار بار چھینک آئے تو پہلی، دوسری اور تیسری بار کی چھینک میں یہ دعائیں کرنی چاہئیں، اس سے زیادہ ہوں تو یہ واجب نہیں ہیں ۔ چھینک کے

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ چھینک کی یہ دعا سنت ہے (فرض نہیں ہے) ۔

بارے میں عورتوں کے متعلقہ مسائل وہی ہیں جو "سلام" کے ہیں - یعنی اگر اجنبی اور جوان ہے کہ برا خیال پیدا ہو سکتا ہو اس کی چھینک پر دعا نہ کرنی چاہیے ، جیسا کہ اس کے سلام کا جواب - ہاں اگر کوئی بڑھیا یا ایسی عورت ہو جس کے متعلق برا خیال نہیں پیدا ہو سکتا تو اس کی چھینک کا جواب دیا جا سکتا ہے ، محرم عورتوں کو مردوں کی طرح دعا دی جا سکتی ہے - عورتوں کو بھی باہم ایک دوسرے کی تشمیت اسی طرح کرنی چاہیے -

کتاب الیمین

قسم کھانے کے مسائل

تعریف

ازروئے لغت یمین کا لفظ دائیں ہاتھ ، قوت یا قسم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہ لفظ ان تینوں معنیٰ میں مشترک ہے۔ بعد میں اس کا استعمال ''حلف'' (قسم کھانے) کے لیے ہونے لگا ، کیونکہ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) میں یہ دستور تھا کہ جب لوگ باہم کسی بات پر حلف اٹھاتے (یعنی قسم کے ساتھ قول و قرار کرتے) تو ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر قسم کھاتے تھے۔ اور یا اس لیے کہ حلف اٹھانے والا اپنے قول کو قوی ظاہر کرنے کے لیے قسم کھاتا ہے جس طرح کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے زیادہ صاحب قوت سمجھا جاتا ہے۔

حکم

حلف کی شرعی حیثیت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ حلف اٹھانا واجب ہو جاتا ہے جب کہ حلف اٹھانے پر کسی امر واجب کی تعمیل موقوف ہو۔ مثلاً ایک بے قصور انسان کو جس نے خون نہیں کیا موت سے بچانا حلف اٹھانے پر موقوف ہو (تو اس وقت حلف اٹھانا واجب ہے)۔ کبھی حلف اٹھانا حرام ہوتا ہے ، مثلاً کسی حرام فعل کے ارتکاب کی قسم یا ایسے کام کے لیے حلف اٹھانا جس پر حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کی اور صورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی تفصیل مختلف مسالک میں بتائی گئی ہے۔[1]

---

[1] ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اصولاً یہ امر جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے ، اگرچہ اس کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔

قسم کھانا کبھی مستحب ہوتا ہے جب کہ کسی دینی (نیک) کام کی اہمیت جتانا یا اس کی رغبت دلانا یا کسی بری بات سے نفرت دلانا مقصود ہو۔ ←

→ تاہم بلا ضرورت کثرت سے قسم کھانا عہد سلف کے بعد میں پیدا ہونے والی بدعتوں میں سے ہے۔ جن صورتوں میں قسم کھانا مباح ہے، اُن صورتوں میں اُس کا توڑ دینا بھی مباح ہے اور اُس کا کفارہ (تلافی) لازم ہے۔ سوا اس کے کہ قسم توڑنے میں ہی بہتری ہو۔ اُس صورت میں قسم توڑنے کی حیثیت اُس کام کے تابع ہوگی (جس کے لیے قسم کھائی گئی) چنانچہ اگر کسی امر واجب کے ترک کرنے کی قسم کھائی گئی تو اُس کا توڑنا بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی گناہ کے اختیار کرنے کی قسم کھائی تو توڑنا واجب ہے۔ (اگر قسم کی صورت اس کے برعکس ہو تو) حکم بھی برعکس ہوگا، مثلاً کسی امر واجب کے عمل کرنے کی قسم کھائی (تو اُس کا نہ توڑنا واجب ہے) یا کسی گناہ کے چھوڑ دینے کی قسم کھائی (تو اُس کا بھی نہ توڑنا واجب ہے) وغیرہ (یعنی ایسی صورتوں میں قسم کا توڑنا واجب تو کیا ہوتا اُلٹا گناہ ہوگا۔)

حنابلہ کہتے ہیں کہ حلف واجب بھی ہوتا ہے اور حرام بھی، جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا۔ اسی طرح حلف مکروہ بھی ہوتا ہے، مثلاً کسی امر مکروہ کے اختیار کرنے کی قسم کھائی یا کسی اچھے کام کو ترک کرنے کی قسم کھائی۔

مکروہ قسم کے حلفوں میں خرید و فروخت کے وقت قسم کھانا داخل ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''الحلف منفق للسلعة ممحق للبركة'' (یعنی خرید و فروخت میں قسم کھانے سے مال میں گھاٹا ہوتا ہے اور برکت جاتی رہتی ہے) ابن ماجہ۔

حلف امر مستحب ہو جاتا ہے جب کہ اُس کے ساتھ کوئی مصلحت وابستہ ہو؛ مثلاً جھگڑا کرنے والوں کا جھگڑا مٹانے کے لیے قسم کھانا؛ اگرچہ یہ صورت ہو کہ خود جھگڑنے والوں ہی میں سے کوئی حلف اُٹھائے۔ مسلمان کے دل سے کینہ دور کرنے کے لیے یا کسی مسلمان کو یا مسلمان کے علاوہ کسی کو بھی شر سے بچانے کے لیے (قسم کھانا مستحب ہے)۔ لیکن طاعت الٰہی کے لیے یا ترک معصیت کے لیے قسم کھانا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے، مثلاً اسی طرح کسی مباح کام کے کرنے یا اُس کو چھوڑنے کے لیے قسم کھائی جائے یا کسی ایسی بات کو بتانے کے لیے ←

← کسی نے قسم کھائی جو فی الواقع سچی ہے یا خود کو سچا خیال کرتا ہے ۔ طاعت الٰہی کا بجا لانا یا ترک معصیت کی قسم کھانا اسی حکم میں داخل ہے ۔ پھر اگر کسی شخص نے کوئی گناہ کرنے کی یا کسی امر واجب کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو قسم کو توڑ دینا واجب ہے ۔ نہ اُس گناہ کا ارتکاب کرے نہ اُس واجب کو ترک کرے ۔ اور صورت اس کے برعکس ہوگی اگر قسم کھائی کہ نماز پڑھے گا اور زنا جو فعل حرام ہے ترک کرے گا (یعنی اس صورت میں قسم کا نہ توڑنا واجب ہے) ۔ اسی طرح اُس صورت میں جب کہ کسی امر مستحب (کار ثواب) کے کرنے کی قسم کھائی یا کسی امر مکروہ (بری بات) کو ترک کرنے کی قسم کھائی تو لازم ہے کہ قسم پوری کی جائے۔ اگر صورت اس کے برعکس ہے یعنی کسی امر مستحب کو نہ کرنے یا کسی امر مکروہ کو کرنے کی قسم کھائی تو اس قسم کا پورا کرنا مکروہ ہے اور توڑ دینا مستحب ہے ۔ لیکن اگر کسی امر مباح کے کرنے یا اُس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تو اُس قسم کو توڑ دینا اور نہ توڑنا دونوں مباح ہیں لیکن قسم توڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اُس کو پورا کیا جائے ، کیونکہ قسم پر قائم رہنا اولیٰ ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو قسم کھانا مکروہ ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ”ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم“ (یعنی قسم کھا کر اللہ کو مقصد برآری کا نشانہ نہ بناؤ) ۔ یہ قسم کبھی مباح ہو جاتی ہے مکروہ نہیں رہتی مثلاً کسی نیک کام کے کرنے کی قسم کھائی یا کسی بری بات کو نہ کرنے کی قسم کھائی ، یا حاکم کے روبرو سچ بات پر حلف اُٹھایا یا تاکید مدعا کے لیے قسم کھائی ، بشرطیکہ فی الواقع تاکید کی ضرورت ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : ”فو اللہ لایمل حتی تملوا“ خدا کی قسم ، اللہ تو نہیں اُکتائے گا ، مگر تم اُکتا جاؤ گے (اور تھک جاؤ گے) ۔ یا کسی امر کی اہمیت جتانے کے لیے قسم کھائی جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : ”واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً و لبکیتم کثیرا“ (یعنی بخدا اگر وہ بات جو مجھے معلوم ہے تمھیں معلوم ہو جائے تو بلاشبہ تم کو ہنسی کم آئے اور رونا زیادہ آئے) ۔ ←

→ وہ قسم مستحب ہو جاتی ہے جس پر کسی اچھے کام کا اختیار کرنا یا بری بات کا نہ کرنا موقوف ہو ۔

قسم کا توڑنا ایک ایسا عمل ہے جس پر پانچوں احکام وارد ہوتے ہیں : کبھی (قسم توڑنا) واجب ہوتا ہے جب کہ فعل گناہ کے ارتکاب یا ترک واجب کی قسم کھائی ۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھا کر کہا کہ شراب پیوں گا ، یا یہ کہا کہ نماز نہیں پڑھوں گا تو اُس پر فرض ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ (شرعی طریقے سے تلافی) واجب ہے ۔ کبھی (قسم کا توڑنا) حرام ہوتا ہے جب کہ صورت اس کے برعکس ہو، مثلاً قسم کھائی کہ نماز مفروضہ قائم کروں گا یا یہ کہ بدکاری نہ کروں گا تو اُس پر فرض ہے کہ قسم پوری کرے ۔ اس کا توڑنا حرام ہے ۔ کبھی قسم مستحب ہوتی ہے ، مثلاً کسی امر مستحب کے کرنے یا امر مکروہ کے نہ کرنے کی قسم کھائی ۔ کبھی قسم مکروہ ہوتی ہے مثلاً کسی امر مستحب کو نہ کرنے یا کسی امر مکروہ کو کرنے کی قسم کھائی ۔ کبھی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہوتا ہے مثلاً کسی مباح کام جیسے (کسی غذا کے) نہ کھانے یا پینے کی قسم کھائی تو بہتر یہی ہے کہ اللہ کے نام کا پاس رکھتے ہوئے اُس قسم کو پورا کرے ۔ اگر قسم توڑ دی تو بہرحال کفارہ واجب ہوگا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اللہ کی یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا بنیادی طور پر جائز ہے ، لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کی کثرت نہ کی جائے ۔ پھر اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی ، مثلاً یہ قسم کھائی کہ اپنے ماں باپ سے ایک دن یا ایک مہینہ کلام نہ کروں گا تو اُس پر فرض ہے کہ قسم توڑ دے ۔ اگر کسی گناہ کے نہ کرنے کی قسم کھائی ، مثلاً حلف اُٹھا لیا کہ شراب نہ پیوں گا تو اُس پر فرض ہو گیا کہ قسم پر قائم رہے اور اُس کو نہ توڑے ۔ اسی طرح اگر کسی امر واجب کے بجا لانے کی قسم کھائی تو قسم کو پورا کرنا فرض ہے ۔ اگر کسی امر واجب کے نہ کرنے کی قسم کھائی تو قسم توڑ دینا فرض ہے ، واجب کو ترک نہ کرے ۔ اگر کسی ایسے کام کی قسم کھائی کہ اُس کا نہ کرنا بہتر تھا ، مثلاً قسم کھائی کہ آج میں پیاز کھاؤں گا ، یا کوئی ایسا کام نہ کرنے کی قسم کھائی جس کا کرنا نہ کرنے سے ←

قسم کا شرعی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا شرع میں آیا ہے۔ اور اس کو احکام شریعت میں شامل کرنے کی غرض یہ ہے کہ عہد کو پورا کرنے کی ترغیب ہو، نیز اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا اعتراف ہو۔

قسم قرآن اور حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان''

(یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں کرتا البتہ اُن

← بہتر تھا، مثلاً یہ قسم کھائی کہ میں آج نماز چاشت پڑھوں گا، یا کسی ایسی بات کی قسم کھائی جس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، مثلاً یہ قسم کہ میں روٹی نہیں کھاؤں گا، ان صورتوں میں دو مختلف اقوال ہیں:

اول یہ کہ پہلی مثال میں یعنی یہ قسم کہ میں آج پیاز کھاؤں گا، قسم کو توڑ دینا بہتر ہے۔ دوسری مثال میں یعنی یہ قسم کہ میں آج نماز چاشت پڑھوں گا قسم کو پورا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح تیسری مثال میں کرنے یا نہ کرنے کی بابت جو قسم کھائی اُسے پورا کرنا بہتر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قسم پر قائم رہنا بہرحال امر واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''واحفظوا ایمانکم'' (یعنی اپنی قسموں پر قائم رہا کرو) لہٰذا قسم توڑ دینا یا قسم پر قائم رہنا دونوں باتیں امر واجب میں واجب اور امر حرام میں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور صورتوں میں قول ثانی کے مطابق قسم کو پورا کرنا واجب ہے اور یہی ٹھیک ہے۔

واضح ہو کہ قسم اُس وقت تک نہیں ٹوٹتی جب تک کہ (جس بات کی قسم کھائی ہے اُس کے لیے) کوئی وقت مقرر نہ کیا جائے، مثلاً قسم کھانا کہ میں ایسا کروں گا اور ایسا آج کروں گا یا اس مہینے میں کروں گا۔ اگر ایسی قید نہیں لگائی گئی تو زندگی کا آخری لمحہ آنے سے قبل تک یہ قسم نہ ٹوٹے گی۔ پس چاہیے کہ مرنے سے پہلے کفارے کی وصیت کر دی جائے۔ اگر کسی شخص کی بابت قسم کھائی اور وہ شخص قسم پوری ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو کفارہ واجب ہو گا۔

قسموں پر مواخذہ کرے گا جو تم نے کسی مقصد سے کھائی ہیں)۔

قسم کے بارے میں متعدد احادیث ہیں ، منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا : ''واللہ لاغزون قریشا'' (یعنی خدا کی قسم میں قریش سے ضرور جہاد کروں گا) یہ الفاظ حضور نے تین بار کہے اور تیسری (آخری) بار میں یہ الفاظ بڑھا دیے کہ ''ان شاء اللہ'' (یعنی اگر اللہ نے چاہا) ۔ اور منجملہ ایسی روایتوں کے وہ ہے جو صحیحین میں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں قسم کھاتے تھے : ''لاومقلب القلوب'' (یعنی خدائے مقلب القلوب کی قسم ہے) اور بعض اوقات ان الفاظ میں قسم کھاتے : ''والذی نفسی بیدہ'' (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) یعنی سب کچھ اُس کے اختیار میں ہے وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ۔

اس پر سب کا اجماع ہے کہ قسم کھانا امور شرع میں سے ہے ۔

قسم کی قسمیں

قسم کی چند قسمیں ہیں :-

'قسم لغو' جس میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کفارہ واجب ہوتا ہے ۔

'قسم منعقدہ' وہ قسم ہے جس کے ٹوٹنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے ۔

'قسم غموس' وہ قسم ہے جو گناہ ہے اور کفارہ سے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی؛[1] اس کے متعلقہ مسائل فقہیہ تفصیل طلب ہیں ۔

---

١ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قسم غموس یہ ہے کہ کوئی شخص دیدہ و دانستہ اللہ کی جھوٹی قسم کھائے ۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے وہ اس وقت ماضی کا واقعہ ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کا ہو جیسے کوئی کہے کہ واللہ میں نے محمد کو نہیں مارا ، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ مارا ہے ۔ اور کبھی یہ قسم کسی حالیہ فعل کے متعلق نہیں ہوتی مثلاً یہ کہنا کہ ''واللہ یہ تو سونا ہے'' حالانکہ اسے علم ہے کہ یہ چاندی ہے ۔ اسی طرح یہ کہنا کہ خدا کی قسم فلاں کے ہزار روپے میرے ذمہ نہیں ہیں، حالانکہ اسے علم ہے کہ فی الواقع اس کے ذمے ہیں ۔ لیکن بیشتر 'غموس' کا تعلق کسی ماضی کے واقعے سے ←

→ ہوتا ہے ، کیونکہ اکثر جو شخص جھوٹ بولنا چاہتا ہے وہ بات ماضی سے تعلق رکھتی ہے ، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے (ایسا) کیا ہے یا یہ کہنا کہ نہیں کیا ہے (یہ ماضی ہی کی باتیں ہیں)۔ واضح ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے تو اس کو قسم غموس قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ایسی قسم کا (جو اللہ کے سوا کسی اور کی ہو) کفارہ نہیں ہوتا ۔ البتہ (غیراللہ کی) قسم کھانے والا گنہگار ہو گا اور توبہ لازم ہے ۔ لیکن غیر اللہ کی قسم ، مثلاً طلاق کے باب میں دانستہ جھوٹی قسم کھا لی تو وہ قسم پڑ جائے گی اور طلاق ہو جائے گی ۔ طلاق، لغو قسم کھانے سے بھی پڑ جاتی ہے ۔ قسم غموس کے گناہ کبیرہ ہونے کے متعلق دو قول ہیں : ایک تو یہ کہ وہ قطعاً گناہ کبیرہ ہے ، کیونکہ اس (جھوٹے حلف) میں اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین ہے ۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ 'قسم غموس' گناہ کبیرہ اس صورت میں ہو گی جب کہ اس سے کسی کی حق تلفی ہو یا ناحق کسی کو اذیت پہنچے ، کسی بری الذمہ کے سر قرض تھپ جائے وغیرہ ۔ اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو یہ گناہ صغیرہ ہے، کبیرہ نہیں ہے ۔

لغو قسم کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کسی بات کو سچ جانتے یا سچ خیال کرتے ہوئے قسم کھائی جائے پھر معلوم ہو کہ وہ بات صحیح نہ تھی ؛ مثلاً کوئی شخص قسم کھا کر کہے کہ وہ کل فلاں شخص کے گھر نہیں گیا اور اسے یقین یا گمان یہی ہے کہ وہ اس بات کے کہنے میں سچا ہے ، حالانکہ فی الواقع وہ اس کے گھر گیا تھا ۔ اسی طرح قسم کھا کر یہ کہنا کہ اس وقت میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے ، اور اسے گمان بھی یہی ہے کہ واقعی اس کے پاس کچھ نہیں ہے حالانکہ اس کے پاس ہے ۔ حنفیہ کے نزدیک یہ گمان پختہ ہو یا کمزور ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا (یعنی بہرحال وہ قسم لغو قرار دی جائے گی) ۔

قسم لغو کی دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بلا ارادہ قسم نکل جائے اور اس قسم سے قطعاً کوئی مقصد نہ ہو یا مقصد کچھ ہو ، اور منہ سے کچھ اور نکل جائے ، مثلاً یہ کہنا کہ ''نہیں واللہ'' یا ''ہاں واللہ'' (ہم لوگ بھی اکثر اوقات کہتے ہیں بھئی قسم خدا کی کیا بات کہی ہے) ۔

حنفیہ کے نزدیک قسم لغو صرف امر ماضی یا حال کے متعلق ہوتی ہے جیسا کہ مثال سابق سے واضح ہے؛ لیکن اگر امر مستقبل کے بارے میں قسم کھائی جائے ←

← مثلاً یہ کہنا کہ خدا کی قسم میں کل ضرور سفر پر روانہ ہوں گا" یہ قسم پڑ جائے گی۔ اگر ٹوٹ گئی (یعنی سفر نہ کیا) تو کفارہ واجب ہو گا، خواہ یہ قسم قصداً کھائی یا بے ارادہ منہ سے نکل گئی ہو۔

قسم غموس اس سے مختلف ہے کہ وہ مستقبل ہی کے بارے میں ہوتی ہے اور بنیادی طور پر وہ قصداً جھوٹ بولنا ہے۔ چنانچہ مثلاً اگر قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا اور دل میں پکا ارادہ اس گھر میں جانے کا ہے تو یہ 'غموس' ہے۔

'قسم لغو' کا حکم یہ ہے کہ اس کا مواخذہ نہ آخرت میں ہو گا اور نہ دنیا میں، لہٰذا نہ اس کا کفارہ ہے اور نہ یہ گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم کے سوا (کسی اور قسم پر) لغو کا اطلاق نہیں ہوتا، البتہ غیراللہ کی قسم مؤثر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر طلاق دینے یا آزاد کرنے یا صدقہ دینے کی قسم کھائی، خواہ وہ لغو ہو، طلاق پڑ جاتی ہے اور بردہ کا آزاد کرنا اور منت کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔

قسم منعقدہ، اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ تفصیل آگے آتی ہے:

مالکیہ کہتے ہیں قسم غموس دو امور پر مشتمل ہو سکتی ہے:

امر اول یہ کہ جھوٹی بات پر عمداً قسم کھائی جائے۔ یہ قسم انسان کو جہنمی بنا دیتی ہے، یا (یوں کہا جائے) کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو دوزخ میں ڈالے جانے کا سبب ہے۔ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس کی تلافی کفارے سے نہیں ہو سکتی۔ ایسی قسم کھانے والے کو چاہیے کہ توبہ کرے اور جہاں تک بن پڑے صوم و صدقات وغیرہ سے خوشنودی باری تعالیٰ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

امر دوم یہ کہ کسی شبہ یا گمان ضعیف، کی بنا پر قسم کھائی جائے، مثلاً یہ کہنا کہ "خدا کی قسم میں کل فلاں شخص سے نہیں ملا" حالانکہ اسے خود کو معلوم نہیں کہ ملا ہے یا نہیں ملا۔ ایسی صورت میں تین باتیں پیش آسکتی ہیں: یا تو اس کی قسم سچ ثابت ہو گی یا جھوٹ نکلے گی یا کچھ پتا نہ چلے گا۔ پس اگر وہ قسم جھوٹ نکلی یا کچھ پتا نہ چل سکا اور شک یا گمان ضعیف باقی رہا تو یہ عمداً ←

← ارتکاب کذب کا گناہ ہو گا - لیکن اگر قسم سچ نکلی تو اس صورت میں دو قول ہیں : اول یہ ہے کہ وہ قسم میں سچا متصور ہو گا اور اس پر کوئی گناہ عائد نہ ہو گا - دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا گناہ اس کے سر رہے گا ، کیونکہ یقین کے بغیر جھوٹی قسم کھانے کی جرأت کرنا اور اس کا ارتکاب گناہ ہے ، اور اس کا کفارہ صرف توبہ ہے ، اگرچہ یہ ظاہر ہوا ہو کہ قسم امر واقعہ کے مطابق تھی - اتنی بات ضرور ہے کہ شک اور گمان ضعیف کی بنا پر قسم کھانے کا گناہ اس سے کم ہے جو قصداً جھوٹی بات پر قسم کھانے کا ہے - اگر وہ قسم پختہ یقین یا گمان قوی کی بنا پر کھائی گئی اور حقیقت اس کے خلاف ظاہر ہوئی تو اس کو قسم غموس قرار نہ دیا جائے گا بلکہ وہ قسم لغو ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے -

اگر قسم غموس کسی پچھلے واقعہ کی بابت ہو تو تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا کفارہ نہیں ہے ؛ مثلاً کسی نے کہا کہ بخدا میں نے ایسا نہیں کیا حالانکہ اسے پختہ یقین ہے کہ اس نے ایسا کیا - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اسے شبہ یا گمان ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا -

اگر قسم معلقہ (ان ہونی بات کی قسم) کھائی ، یعنی ایسی بات جس کا واقع ہونا ممکن ہی نہیں یا کسی ایسی بات کی قسم جس کی بابت معلوم ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے - اول کی نظیر مثلاً یوں کہنا کہ ”قسم خدا کی میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا“ اور ثانی الذکر کی مثال مثلاً یوں کہنا کہ ”خدا کی قسم میں فلاں کو قتل کروں گا“ حالانکہ اسے معلوم ہے کہ وہ شخص مر چکا ہے - اسی طرح یہ کہنا کہ ”خدا کی قسم کل سورج نہیں نکلے گا“ وغیرہ - ان قسموں کی بابت فقہا کی رائیں مختلف ہیں - بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ قسم غموس ہے جس کا کفارہ نہیں، بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا کفارہ ہے ، کیونکہ غموس کا تعلق ماضی کے واقعات سے ہے - اگر وہ قسم مستقبل یا حال کے متعلق ہو تو اس قسم کو قسم غموس قرار ہی نہ دیا جائے گا - یہی رائے قابل اعتماد ہے -

'قسم لغو' یہ ہے کہ ایسی بات کی قسم کھائی جائے جس کے متعلق قسم کھاتے وقت یقین یا گمان قوی یہ تھا کہ ایسا ہی ہے، پھر پتا چلا کہ حقیقت اس کے خلاف ہے - مثلاً کوئی کہے کہ قسم خدا کی میرے پاس کوئی روپیہ نہیں ہے اور اس کو یقین یا گمان غالب بھی یہی ہے ، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے ←

← پاس روپے تھے - ایسی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا - اگر جس بات کی قسم کھائی ہے وہ کوئی ماضی کا واقعہ ہے تو بالاتفاق اس کا کفارہ نہیں ہے، مثلاً کسی نے کہا کہ ''قسم خدا کی محمد نہیں آیا'' اور اسے وثوق ہے کہ فی‌الواقع وہ نہیں آیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آیا - پھر اگر وہ قسم کسی امر مستقبل کی بابت ہے ؛ مثلاً یہ کہنا کہ خدا کی قسم محمد کل نہیں آئے گا اور اس کا یقین ہے کہ واقعی وہ نہیں آئے گا ، اس مسئلے میں اختلاف ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ قسم لغو امر مستقبل کی بابت نہیں ہوتی - اگر کوئی مستقبل کی بابت قسم کھاتا ہے جو غیب کی بات ہے تو اس نے جرأت (گستاخی) کی ہے اور اس کا کفارہ لازم ہے بخلاف اس قسم کے جو واقعۂ ماضی کے متعلق کھائی جائے کیونکہ (اس صورت میں) قسم کی بنا وہ علم ہے جو ماضی کے متعلق قسم کھانے والے کو ہے، مستقبل کی باتوں کو علم سے کوئی تعلق نہیں ہے - بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ایسی (یعنی امور مستقبل کی) قسموں پر امور ماضی و حال پر قسم کھانے کی طرح کفارہ نہیں ہے -

واضح ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے تو اس کو 'قسم لغو' قرار نہیں دیا جا سکتا - اگر کسی نے طلاق دینے ، بردہ آزاد کرنے یا صدقہ دینے پر حلف اٹھایا یا وہ 'قسم لغو' تھی تو ان تمام امور میں وہ قسم مؤثر ہوگی یعنی (قسم جھوٹی ہونی) تو طلاق واقع ہو جائے گی ، بردہ کا آزاد کرنا اور نذر صدقہ کا پورا کرنا لازم ہو گا ، خواہ وہ نذر مبہم رہی ہو (یعنی مقدار صدقہ وغیرہ کی وضاحت نہ کی گئی ہو) -

شافعیہ کہتے ہیں کہ قسم کی دو قسمیں ہیں: لغو (غیرمؤثر) اور منعقدہ (مؤثر)- قسم لغو کی تین کیفیتیں ہیں : اول یہ کہ وہ ارادہ نہ تھا جس کے لیے زبان سے قسم نکل گئی، مثلاً ارادہ تو یہ کہنے کا تھا کہ ''قسم خدا کی میں کل ضرور کھانا کھاؤں گا'' لیکن زبان سے یہ نکلا کہ ''قسم خدا کی میں کل محمد کو ضرور ماروں گا'' اور بظاہر اس امر کی تصدیق بھی ہوتی ہو کہ اس کے لیے قسم کا ارادہ نہ تھا، خاص کر اس صورت میں جب کہ وہاں جھوٹ بولنے کا کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو یہ قسم لغو (غیر مؤثر) ہو گی بجز تین صورتوں کے یعنی طلاق ، عتاق اور ایلا (یعنی بیوی کے پاس وقت مقررہ تک نہ جانے کی قسم) - ظاہر ہے کہ بہرحال ایسی قسم کے بارے میں یہ نہیں مانا جا سکتا کہ یہ قسم بے ارادہ کھائی گئی ہے کیونکہ اس کا تعلق دوسروں کے حقوق سے ہے - ←

→ (قسم لغو کی) دوسری کیفیت یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے بلا ارادہ الفاظ قسم نکل جائیں ، مثلاً غصے میں آ کر کوئی شخص کہے ''ہرگز نہیں بخدا'' ''ہاں بخدا'' اور ان الفاظ کو (زبان سے) ادا کرنے کے سوا اور کچھ ارادہ نہ ہو -

تیسری کیفیت یہ ہے کہ بات کرنے میں کوئی قسم بڑھا دی جائے ، مثلاً کوئی بات کہہ کر کبھی تو کہا جائے 'بلی واللہ' اور کبھی کہہ دیا جائے 'لا واللہ' (جیسا کہ بعض اصحاب دوران کلام میں کہتے ہیں ہاں یار خدا کی قسم ، یا نہیں یار خدا کی قسم فلاں بات تو بہت ہی حیرت ناک ہے) اور کبھی یہ دونوں قسمیں لا واللہ اور بلا واللہ زبان سے اکھٹی ادا ہو جاتی ہیں - یہ تمام قسمیں بقول معتمد 'لغو' ہیں -

قسم کی دوسری قسم منعقدہ ہے - اس کی صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم متذکرہ آیندہ شرایط کے ساتھ کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے کھائی جائے ؛ یعنی قسم منعقدہ (یا مؤثر) میں ضروری ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے اس کو امر واقعہ ثابت کرنا مقصود ہو - قسم لغو اس سے مختلف ہے ، جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا -

شافعیہ کے نزدیک قسم لغو یا قسم منعقدہ امر ماضی اور امر مستقبل دونوں کے باب میں ہو سکتی ہے ؛ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ؛ چنانچہ (ان کے نزدیک) قسم لغو امر مستقبل کے باب میں بھی ہو سکتی ہے ، مثلاً یہ کہہ دینا کہ خدا کی قسم میں کل سفر میں جاؤں گا حالانکہ کہنا یہ تھا کہ ''میں محمد کے گھر جاؤں گا''- اسی طرح امر ماضی کے بارے میں قسم لغو ہو سکتی ہے جیسے یہ کہنا کہ ''خدا کی قسم میں نے کل سیب نہیں کھایا'' حالانکہ مقصد 'انار' تھا - قسم منعقدہ بھی امر ماضی اور امر مستقبل دونوں کےلیے ہوسکتی ہے مثلاً یوں کہا کہ ''قسم خدا کی میں نے فلاں کام کیا'' یا یوں کہنا کہ 'نہیں کیا' (یہ ماضی کی مثال ہے) اور یہ کہنا کہ خدا کی قسم میں ایسا کروں گا ، یا نہیں کروں گا (یہ مستقبل کی مثال ہے) - پس اگر یہ قسم پوری نہ کی گئی تو بہرحال کفارہ واجب ہوگا - غرض وہ تمام 'قسمیں' جن کو دوسرے اصحاب غموس قرار دیتے ہیں شافعیہ کے نزدیک ان کے توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے ، خواہ وہ قسم کسی امر ماضی کے متعلق ہو یا امر مستقبل کے متعلق - البتہ لغو قسم کی قسم کا کوئی ←

← کفارہ نہیں ہے اور قسم کھانے والے سے کوئی بازپرس نہیں؛ خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قسم کی تین قسمیں ہیں: 'منعقدہ'، 'لغو' اور 'غموس'۔ منعقدہ قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یہ کہنا کہ قسم خدا کی میں کل اعتکاف کروں گا اور یا یہ کہنا کہ "قسم خدا کی میں کبھی بدکاری نہیں کروں گا"۔ قسم منعقدہ جو امر مستقبل کے متعلق کھائی جائے منعقد ہو جاتی ہے (یعنی پڑ جاتی ہے اور مؤثر ہوتی ہے)، اگرچہ کسی ناممکن بات کی قسم کھائی جائے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

قسم لغو کی تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ بلا ارادہ زبان سے قسم نکل جائے، مثلاً درمیان کلام میں لا واللہ اور بلی واللہ کے الفاظ کہے جائیں؛ اگرچہ یہ قسم کسی امر مستقبل کے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی بات کو اپنے خیال میں سچ سمجھ کر قسم کھائی جائے لیکن بعد میں جو کہا تھا اس کے خلاف ثابت ہو۔ اس قسم کا تعلق جہاں تک اللہ کی قسم کھانے یا منت ماننے یا ظہار سے ہو، لغو متصور ہوگی؛ لیکن اگر طلاق یا بردہ آزاد کرنے کے متعلق ہو تو یہ قسم پڑ جائے گی (یعنی طلاق واقع ہو جائے گی اور بردہ کو آزاد کرنا ہوگا)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس امر مستقبل کے بارے میں قسم کھائی جائے اس کے سچ ہونے کا گمان تھا لیکن ویسا نہ ہوا، مثلاً کسی شخص کے متعلق یہ یقین ہے کہ وہ اس کے کہنے پر عمل کرے گا اور اسی تیقن کی بنا پر قسم کھائی گئی (کہ فلاں شخص یہ کام ضرور کرے گا)، لیکن اس نے نہ مانا یا وہ کچھ کیا جو قسم کھانے والے کا مطلب نہ تھا، اس لیے کہ وہ اس کا مقصد نہ جان سکا تھا۔ اس طرح کی تمام قسمیں "قسم لغو" ہیں۔ ایسی قسموں پر نہ کوئی مؤاخذہ ہے اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے۔

"غموس" یہ ہے کہ (واقعہ) امر ماضی کے متعلق دانستہ جھوٹی قسم کھائی جائے (یعنی دروغ حلفی کی جائے) اور یہ علم ہو کہ یہ جھوٹی بات ہے۔ ایسی قسم کا کفارہ نہیں۔ اس کو 'غموس'* اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹی قسم (یعنی ←

---

*غموس کے معنے ڈبو دینے والی چیز۔

قسم واقع ہونے کی شرطیں

قسم کے واقع ہونے کی چند شرطیں ہیں ۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ قسم کھانے والا مکلف ہو ، لہٰذا نابالغ اور دیوانے کی قسم واقع نہیں ہوتی ۔ اور یہ کہ وہ صاحب اختیار ہو، لہٰذا اگر جبراً قسم کھانی پڑے تو وہ قسم بھی واقع نہ ہوگی۔[1] اسی طرح بھول چوک میں یا ناواقفیت کی وجہ سے (قسم ٹوٹ جائے تو اس سے) کچھ نہیں ہوتا ۔

← دروغ حلفی) کھانے والے کو گناہ میں غرق کر دیتی ہے اور اس کے لیے جہنم ہے ۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مجبور آدمی کے قسم کھانے سے قسم پڑ جاتی ہے ، لہٰذا جس بات کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ کام کیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا ، خواہ جبراً کرنا پڑا ہو۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ کسی اور شخص نے وہ کام زبردستی کرایا ہو ، مثلاً قسم کھائی کہ یہ پانی ہرگز نہ پیوں گا لیکن کسی نے زبردستی کرکے اس کے حلق میں پانی ڈال دیا تو اس کو حانث (قسم توڑنے والا) قرار نہ دیا جائے گا ۔ اگر کسی نے بھولے سے قسم توڑ دی ، مثلاً حلف اٹھایا کہ ہرگز قسم نہ کھاؤں گا لیکن بھولے سے قسم کھا لی تو اس صورت میں بھی اس پر کفارہ واجب ہوگا ۔ اسی طرح اس حال میں بھی کفارہ لازم ہوگا جب کہ حالت جنون یا مدہوشی میں قسم توڑ دی جائے ۔ البتہ اگر حالت جنون یا مدہوشی میں قسم کھائی ہے تو وہ قسم واقع نہ ہوگی ، کیونکہ قسم کے تحقق کے لیے لازم ہے کہ عقل بجا ہو ۔ اسی طرح وہ قسم بھی واقع ہو جائے گی جو غلطی سے کھائی گئی ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مجبوری کی قسم منعقد نہیں ہوتی ، اب اگر بلا جبر کے قسم کھائی تو یہ قسم یا تو کسی فعل کے عمل میں لانے کی ہوگی، مثلاً یہ کہنا کہ ”خدا کی قسم میں چپاتی ضرور کھاؤں گا“ اسے یمین حنث (یعنی قسم ایجابی) کہتے ہیں ۔ یا کسی بات کے نہ کرنے کی قسم کھائی، مثلاً یہ کہا کہ ”قسم خدا کی میں اس گھر کے اندر نہیں جاؤں گا“ ۔ اس کو یمین بر (یعنی قسم سلبی) کہتے ہیں ۔ ←

← اس یمین بر کے توڑنے پر مجبور ہو کر اگر گھر میں داخل ہونا پڑا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہے، اگرچہ اس قسم کے توڑنے کا سبب انسان کے علاوہ کوئی اور شے ہو، مثلاً کوئی شخص سواری کے جانور پر تھا پھر وہ جانور بے قابو ہوگیا اور اسے لے کر اس گھر میں گھس گیا اور اس کے سوار کو اترنا یا اسے روک لینا ممکن نہ ہوا۔ البتہ اگر بلا ضرورت اس پر سے اترنا یا اس کی باگ کو کھینچ لینا ممکن تھا یا اپنے پاؤں جوڑ سکتا تھا لیکن یہ کچھ نہ کیا تو ایسے شخص کو حانث (قسم توڑنے والا) قرار دیا جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ جبراً کسی نے اسے گھر میں داخل کیا اور وہ بغیر کچھ ضرر اٹھائے اس سے نکل سکتا تھا لیکن ایسا نہ کیا تو اسے بھی قسم توڑنے والا قرار دیا جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔

یمین حنث کی صورت میں بھی جب کہ کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی اور کوئی امر مجبوری اس کے کرنے سے مانع آیا تو اس باب میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص حانث قرار دیا جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔ یہی قول مشہور ہے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ 'حانث' (قسم توڑنے والا) قرار نہ دیا جائے گا۔ یہ حکم قیاسی (عام قاعدے کی بنا پر) ہے۔

واضح ہو کہ یمین بر کی صورت میں یعنی یوں کہنے میں کہ فلاں کام نہ کروں گا، اگر جبراً وہ کام کرنا پڑا تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ قسم اس صورت میں ٹوٹتی ہے جب کہ وہ کام اس نے خود کیا ہو، مثلاً اگر قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہ جائے گا تو جب اس میں وہ خود جائے تب ہی قسم ٹوٹے گی، بخلاف یمین حنث (قسم ایجابی) کے کہ اس میں بر کا تعلق اس کام کے نہ کرنے سے ہے۔ چونکہ ترک فعل کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں اس لیے اس میں تنگی رکھی گئی ہے، اور اختیار فعل کے اسباب کم ہیں اس لیے اس میں گنجایش رکھی گئی ہے۔

واضح ہو کہ حالت جبر میں حانث قرار نہ دیے جانے کی چھ شرطیں ہیں:

اول یہ کہ قسم کھانے کے وقت اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ وہ قسم کھا رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس نے کسی کو یہ نہ کہا ہو کہ وہ جبراً اس سے وہ کام کرائے۔ ←

← تیسرے یہ کہ اس نے ایسے شخص کی بابت قسم نہ کھائی ہو جسے قسم کھانے والا مجبور کر کے وہ کام کرائے، مثلاً اگر یہ قسم کھائی کہ میری بیوی ہرگز اس گھر میں نہ جائے گی، پھر خود ہی بیوی کو زبردستی اس گھر میں داخل کرے تو 'حانث' (قسم توڑنے والا) قرار دیا جائے گا، بخلاف اس صورت کے جب کہ اس کی بیوی کو کسی اور شخص نے جبراً گھر میں داخل کر دیا ہو (تو اس صورت میں وہ خلاف ورزی کرنے والا متصور نہ ہوگا)۔

چوتھے یہ کہ اس کو شرعاً مجبور نہ کیا گیا ہو، مثلاً قسم کھائی کہ میں جیل میں نہ جاؤں گا لیکن کسی شرعی جرم کی پاداش میں اسے جیل میں ڈال دیا گیا تو وہ 'حانث' متصور ہوگا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ یہ قرض میں اس مہینے کے اندر ہرگز نہ ادا کروں گا لیکن قاضی نے اس کی ادائیگی پر مجبور کیا تو 'حانث' ہو جائے گا۔

پانچویں یہ کہ وہ قسم اس طرح کی نہ ہو کہ (بخدا) میں فلاں کام بخوشی خود یا جبراً (کسی صورت بھی) نہ کروں گا۔ ہاں اگر یوں قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں بخوشی، یا بہ مجبوری (کسی حال میں بھی) نہ جاؤں گا اور پھر اسے گھر کے اندر جانے کے لیے مجبور کیا گیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔

چھٹے یہ کہ یوں کہا کہ اگر مجبوری نہ ہوئی تو گھر میں داخل نہ ہوں گا۔ اب اگر جبراً اسے گھر میں داخل کیا گیا اور بعد میں وہ جبر جاتا رہا اور دوبارہ اپنی خوشی سے داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا اور اسے کفارہ دینا ہوگا۔

اسی طرح بھول کر قسم توڑنے سے بھی حانث قرار دیا جائے گا، چنانچہ اگر قسم کھائی کہ فلاں چیز نہیں کھاؤں گا اور بھولے سے اسے کھا لیا تو 'حانث' ہو جائے گا، بشرطیکہ قسم کھانے کے وقت بھول چوک کی شرط نہ لگا دی ہو، مثلاً یہ کہا ہو کہ قسم خدا کی اس چیز کو بے بھولے یا بے خبری کی حالت کے بغیر (یعنی دیدۂ و دانستہ) نہ کھاؤں گا۔ اگر اس حال میں اسے کھا لیا تو 'حانث' متصور نہ ہوگا، کیونکہ قسم میں یہ شرط اس نے لگا دی تھی۔

واضح ہو کہ خطا اور جہل بھی بھول ہی کی طرح ہے۔ خطا کی مثال یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں نہیں جاؤں گا، لیکن اس کے گھر میں کسی اور کا گھر سمجھ کر داخل ہو گیا، تب بھی وہ حانث متصور ←

اور منجملہ شرائط انعقاد قسم یہ ہے کہ قسم قصداً کھائی گئی ہو، لہٰذا ایسی قسم جو زبان پر بلا ارادہ عادۃً آ جائے اسے قسم قرار نہ دیا جائے گا۔ اور یہ کہ جس کی قسم کھائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا صفات باری میں سے کوئی صفت ہو (تب ہی وہ قسم کہلائے گی)۔ اس کی تفصیل الفاظ قسم کے بیان میں آئے گی۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے وہ امر عقلاً اور عادۃً معرض ظہور میں نہ آ سکتا ہو، اگر ایسی قسم کھائی ہے تو اس کو قسم قرار نہ دیا جائے گا بلکہ وہ ایک فعل لغو ہو گا۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ "قسم اللہ کی یہ جسم ٹھوس ہے"۔ ایسا کہنا قسم نہیں ہے کیونکہ مجسم اشیا کا عقل اور عادت کی رو سے ٹھوس ہونا لازم ہے۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ "اللہ کی قسم سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے" یا "قسم اللہ کی ہم مر جائیں گے"۔ یہ بھی قسم نہیں ہوگی، کیونکہ سورج کا مشرق سے طلوع ہونا عادۃً ضروری ہے۔ یہی حال موت کا ہے (کیونکہ وہ نا گزیر ہے)۔ اسی قسم کی مثال یہ بھی ہے کہ قسم اللہ کی میں آسمان پر ہرگز نہ چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا نہ بناؤں گا، یا گزرے ہوئے دن کو واپس نہ لاؤں گا، کیونکہ آسمان پر نہ چڑھ سکنا، پتھر کو سونا نہ بنانا، اور گزرے ہوئے دن کو واپس نہ لا سکنا، عادۃً امر نا گزیر ہے، لہٰذا ایسی قسم واقع نہ ہو گی۔ ان صورتوں کے علاوہ دوسری قسمیں جو اس طرح کی نہ ہوں پڑ جاتی ہیں۔ اس کی چار صورتیں ہیں: اول یہ کہ (جس بات کی قسم کھائی جائے) وہ ازروئے عقل و عادت ممکن ہو؛ مثلاً کسی شخص کا اثباتاً کہنا کہ قسم اللہ کی میں اس گھر میں ضرور جاؤں گا یا نفیاً کہنا کہ اس گھر میں ہر گز داخل نہ ہوں گا؛ یہ قسم پڑ جائے گی، کیونکہ گھر میں داخل ہونا عقلاً اور عادۃً ممکن ہے۔ دوم یہ کہ وہ بات صرف عادۃً ناممکن ہو جیسے کسی کا کہنا کہ "قسم اللہ کی میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا" یا "اس پہاڑ کو

← ہوگا۔ جہل (ناواقفیت) کی مثال یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ آج رات کو فلاں گھر میں ضرور جاؤں گا اور (مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر) یہ سمجھا کہ رات کے اندر اس گھر میں داخل ہونا ضروری نہیں ہے؛ اس خیال سے وہ گھر میں داخل نہ ہوا یہاں تک کہ رات گزر گئی، تو اب وہ حانث قرار دیا جائے گا اور اس ناواقفیت کا عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

اٹھا لوں گا"۔ ایسی قسم کھاتے ہی قسم ٹوٹ جاتی ہے۔[1]

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی نے کہا کہ "اللہ کی قسم فلانے کو میں جان سے مار ڈالوں گا" حالانکہ وہ مرا ہوا انسان ہے۔ اس قسم کی قسم کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[2] تیسرے یہ کہ (جس بات کی قسم

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس بات کی قسم کھائی ہے اگر وہ عادۃً ناممکن ہے تو قسم کھاتے ہی وہ قسم ٹوٹ جائے گی (اور اس شخص کو حانث قرار دیا جائے گا) بشرطیکہ قسم کو کسی مدت کے ساتھ وابستہ نہ کیا گیا ہو۔ اگر اس کے لیے کوئی وقت مقرر کیا ہے تو اس وقت کے گزر جانے پر ہی وہ قسم ٹوٹے گی۔ چنانچہ اگر کہا کہ قسم اللہ کی ایک سال بعد میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا تو جب تک کہ سال نہ گزرجائے قسم نہ ٹوٹے گی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو ضرور قتل کر دوں گا حالانکہ وہ شخص مرا ہوا ہے تو اس صورت میں (دیکھنا چاہیے کہ) یا تو قسم کھانے والے کو قسم کھانے کے وقت معلوم تھا کہ وہ مر چکا ہے یا معلوم نہ تھا۔ اگر مرنے کا علم نہ تھا اور بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کو قسم کا ٹوٹنا نہیں کہیں گے، کیونکہ یہ قسم تو اس نے اس بنا پر کھائی تھی کہ وہ شخص زندہ موجود ہے اور اس کے موجود ہونے کا اسے یقین ہے۔ ہاں اگر اسے یہ علم ہے کہ وہ مر چکا ہے اور اسے مارنے کی قسم کھائی تو اسے حانث قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ جس بات کے کرنے کی قسم کھائی ہے اگرچہ وہ عادۃً محال ہے لیکن عقلاً تو امکان سے خالی نہیں، لہٰذا اس کی قسم پڑ جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو دوبارہ زندہ کر دے، بخلاف "مسئلۂ کوزہ" کے۔ کوزے کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس پیالے کا پانی ضرور پیوں گا۔ لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا اور اس کوزے میں پانی بھی موجود تھا۔ اگر اس پانی کو قسم کھانے والے نے خود ہی یا کسی اور نے پھینک دیا، یا وہ برتن ہی گر گیا اور اس کا پانی بہہ گیا تو یہ قسم ٹوٹ جائے گی (اور وہ شخص حانث قرار پائے گا)۔ ان دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری مثال میں وہ پانی جو برتن سے گر گیا، اس پانی کا دوبارہ اس میں لانا ہرگز ممکن نہیں ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ کوزہ میں کوئی اور پانی بھر دیا جائے۔ جو ←

کھائی وہ عقل اور عادت دونوں اعتبار سے ناممکن ہو ، مثلاً یہ کہ قسم اللہ کی میں فلاں شخص کے اندر زندگی اور موت کو جمع کر دوں گا ، (ظاہر ہے کہ) دو

← پانی گر کر ضائع ہو گیا ہے عقلاً ناممکن ہے کہ اس کو پھر کوزے میں ڈالا جائے - اگر اللہ کی قدرت سے احیاناً اس میں پھر پانی بھر جائے تو یہ پانی وہ نہ ہو گا جس کے پینے کی قسم کھائی گئی تھی - وہ تو صرف وہی پانی ہے جو قسم کھانے کے وقت کوزہ میں موجود تھا اور جو پھینک دیا گیا - اور رہی وہ پہلی صورت سو اگر واقعی زندگی واپس آ جائے تو انسان کا وہ وجود تو بدلا نہیں وہ تو وہی ہے جو پہلے تھا (جس کے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی ، لہٰذا وہ قسم قائم رہے گی) -

جاننا چاہیے کہ مسئلۂ کوزہ میں چار صورتیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ وہ قسم وقت کی قید کے ساتھ ہو اور کوزے میں پانی نہ ہو ، مثلاً یہ کہا کہ قسم اللہ کی میں اس کوزہ کا پانی آج نہیں پیوں گا حالانکہ اس میں پانی تھا ہی نہیں -

دوسری صورت یہ ہے کہ قسم وقت کی قید کے ساتھ ہو اور اس کوزہ میں پانی رہا ہو لیکن وہ پانی پھینک دیا گیا ہو - ان دونوں صورتوں میں قسم کھانے والا حانث نہ قرار دیا جائے گا - کیونکہ پہلی صورت میں تو قسم پڑی ہی نہیں (ٹوٹنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا) دوسری صورت میں قسم تو پڑی لیکن بے کار ہوگئی اس واسطے کہ اس قسم کے ساتھ کوزے میں پانی ہوتا تو قسم رہ جاتی جب پانی نہ رہا تو قسم باطل ہو گئی -

تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کے ساتھ وقت کی کوئی قید نہ ہو اور نہ کوزے میں پانی ہو، مثلاً یوں کہا کہ ''اللہ کی قسم میں اس کوزے کا پانی پیوں گا'' حالانکہ اس میں پانی نہیں ہے - اس صورت میں بھی قسم نہیں ٹوٹی کیونکہ قسم سرے سے پڑی ہی نہیں کیونکہ پانی اس میں تھا ہی نہیں - غرض تینوں صورتوں میں قسم نہ ٹوٹے گی خواہ یہ معلوم ہو کہ کوزے میں پانی ہے یا نہ معلوم ہو -

چوتھی صورت یہ ہے کہ قسم میں وقت کی کوئی قید نہ ہو اور کوزے میں پانی ہو مثلاً یہ کہا کہ 'اس کوزے کا پانی پیوں گا' اس کے لیے وقت کی قید نہیں لگائی اور کوزے میں پانی تھا جیسا کہ مسئلے کی پہلی صورت میں بتایا گیا - یہ قسم ٹوٹ جائے گی (اور قسم کھانے والے کو حانث قرار دیا جائے گا) ، خواہ اسے پانی ←

متضاد اشیاء کو بیک وقت جمع کرنا عقلاً اور عادۃً محال ہے - ایسی قسم کھاتے ہی وہ قسم ٹوٹ جاتی ہے (یعنی وہ شخص حانث مان لیا جاتا ہے) - چوتھے یہ

← کے موجود ہونے کا علم ہو یا نہ ہو اور قطع نظر اس کے کہ پانی بہہ گیا ہو یا اس نے خود اسے پھینک دیا ہو یا کسی اور نے پھینکا ہو - اس مسئلے (کوزہ) سے چند اور مسائل نکلتے ہیں - منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے واجبات کل ادا کر دوں گا لیکن اگلا دن آنے سے پہلے دونوں میں سے کسی کو موت آ گئی تو یہ قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم پڑنے کے بعد ہی وہ قسم بے کار ہوگئی - یہ صورت ایسی ہی ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے کل نماز نہ پڑھی تو تجھے طلاق ہے ، لیکن ہوا یہ کہ نماز کا وقت گزرنے سے پہلے ہی یا صرف ایک رکعت پڑھنے کے بعد ہی ناپاک ہو گئی تو بقول صحیح وہ قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ جس بات کی قسم تھی یعنی نماز وہ ناپاکی کی حالت میں بھی ممکن تھا - غرض ناپاکی لاحق ہونے سے قسم باطل نہیں ہوتی - چنانچہ دیکھیے کہ استحاضہ کی مریضہ کے لیے اجرائے خون کے باوجود نماز پڑھنا صحیح ہے - لہٰذا ایسا کوئی امر مانع نہیں ہے کہ شارع حالت حیض میں نماز مشروع کر دے - بخلاف کوزے والے مسئلے کے ، اس صورت میں جس بات کے کرنے کی قسم کھائی وہ قطعاً ناممکن ہے لہٰذا اسے قسم ٹوٹنا قرار دیا جائے گا - اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ ''اللہ کی قسم میں دن کا کھانا کھانے کے بعد آج کا روزہ رکھوں گا - اس صورت میں قسم پڑ کر ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ کھا کر بھی روزہ رکھنا ممکن ہے جیسے بھولے سے کھا لینے کی حالت میں کہ اگر کسی نے بھول کر کچھ کھا پی لیا تو کھایا بھی اور روزہ بھی رکھا - گویا یہ صورت ممکن ہوئی کہ روزہ بھی ہو اور کھایا بھی جائے - اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے صبح ہوجانے کے بعد کہا کہ اگر رات کو میں نے تیرے ساتھ ہمبستری نہ کی تو تو ایسی ہے - ان الفاظ سے اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو رات کے لفظ سے آنے والی رات مراد ہوگی، اور اگر اس نے گزشتہ رات کی نیت کی تو یہ قسم واقع ہی نہ ہوگی تو ٹوٹے گی بھی نہیں - اسی طرح اگر کسی نے طلوع فجر کے بعد یہ کہا کہ ''قسم اللہ کی میں رات کو نہیں سوؤں گا'' اور اسے یہ علم نہیں ہے کہ (رات ختم ہوچکی ہے اور) فجر طلوع ہو گئی ہے تو وہ حانث قرار نہ دیا ←

کہ ایسی بات کرنے کی قسم کھائی جائے جو شرعاً واجب ہو یا ممنوع ہو ۔ اول کی مثال یہ کہنا ہے کہ ''قسم اللہ کی میں ظہر کی نماز ضرور پڑھوں گا''

← جائے گا ۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ فلاں جگہ سے جو مال تو نے اٹھایا ہے اگر واپس نہیں کرے گی تو تجھے طلاق ہے ۔ حالانکہ وہ مال اس نے اٹھایا ہی نہیں ، بلکہ وہ اسی جگہ موجود ہے تو یہ قسم کا ٹوٹنا نہ ہو گا کیونکہ جس بات کی قسم کھائی ہے اس کا ہونا ممکن ہے اس لیے کہ جس مال کو اس نے اٹھایا ہی نہیں اس کا واپس کر دینا کیسے ممکن ہے ؟ اسی طرح یہ مسئلہ کہ اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو فلانی شے نہ دوں گا جب تک کہ زید اجازت نہ دے ۔ پس اگر زید مر گیا ہے اور وہ چیز دے دی ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اور اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا قرضہ کل ادا کردوں گا اور وہ قرضہ اسی روز ادا کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ وہ روٹی کل ضرور کھاؤں گا اور اسے آج ہی کھا لیا تو وہ شخص حانث نہ ہوگا ۔ یا قسم کھائی کہ فلاں شخص کو کل ضرور قتل کروں گا اور وہ اسی روز مر گیا تو قسم نہیں ٹوٹی ۔ اگر قسم کھانے والے کو اس روز جنون لاحق ہو گیا تو حانث ہو جائے گا ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی امر اس بات سے مانع ہوا جس کے کرنے کی قسم کھائی ہے تو اب دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ امر مانع عقلی ہے (یعنی عقل تسلیم کرتی ہے کہ اس کا کرنا محال ہے) مثلاً یہ قسم کھائی کہ فلاں شخص کو ضرور قتل کروں گا ، حالانکہ وہ مر چکا ہے ۔ یا یہ کہا کہ اس کے کبوتر کو ضرور مار ڈالوں گا ، حالانکہ وہ پہلے ہی مرچکا ہے تو ان مثالوں میں موت مانع عقلی ہے (یعنی ازروئے عقل اس قسم کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے) ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مانع عادی ہو (یعنی ایسی رکاوٹ جو عملاً محال ہے گو عقلاً محال نہ ہو) مثلاً یہ قسم کھائی کہ فلاں شخص کے کبوتر کو مار ڈالوں گا لیکن وہ کبوتر چوری ہو گیا (یہ رکاوٹ عادی ہے) ۔ تیسری صورت مانع شرعی کی ہے (یعنی کوئی ایسی رکاوٹ جو عقل اور عادت کی رو سے ممکن ہو لیکن شرعاً اس کام کا کرنا ممنوع ہو) مثلاً قسم کھائی کہ آج بیوی سے ہم‌بستر ضرور ہوں گا لیکن وہ ناپاکی کی حالت میں ہو گئی تو یہ مانع شرعی ہوا ۔ اس تفصیل کے بموجب 'مانع' کی تین قسمیں ←

اور دوسری کی مثال یہ کہنا ہے کہ ''قسم اللہ کی میں شراب ضرور پیوں گا'' - ایسی قسمیں بھی پڑ جاتی ہیں -

---

→ ہیں : عقلی ، عادی اور شرعی - اگر مانع عقلی پیش آ گیا (اور قسم کھانے والا اپنی قسم پوری نہ کر سکا) تو اسے حانث قرار نہ دیا جائے گا درانحالیکہ یہ مانع قسم کھانے کے بعد پیش آیا ہو اور جس بات کی قسم کھائی ہے اس کے لیے وقت مقرر نہ کیا ہو اور اس کام کے کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لیا ہو ، چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اس کبوتر کو ضرور ذبح کروں گا ، وہ کبوتر قسم کھانے کے بعد مر گیا اور اس کے ذبح کرنے میں اس نے کوتاہی کی تھی تو حانث ہو جائے گا - ہاں اگر یوں کہا کہ میں اس کو کل ضرور ذبح کر ڈالوں گا اور اگلا روز آتے ہی اس کے ذبح کرنے میں جلدی کی لیکن دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس صورت میں اسے حانث قرار نہ دیا جائے گا - لیکن اگر قسم کھانے سے پہلے ہی وہ کبوتر مر چکا تھا مثلاً کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اسے ضرور ذبح کروں گا اور وہ کبوتر اس قسم سے پہلے ہی مر چکا تھا تو اسے قطعاً حانث نہیں کہیں گے ، خواہ اس نے قسم پوری کرنے کے لیے وقت کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اور کوتاہی کی ہو یا نہ کی ہو -

اب اگر وہ مانع امر عادی ہے مثلاً دیکھا کہ کبوتر چوری ہو گیا تو اس صورت میں دیکھنا ہو گا کہ اگر وہ کبوتر قسم کھانے سے پہلے چوری ہوا ہے تو وہ حانث نہ ہو گا ، خواہ ذبح کرنے میں اس نے کوتاہی کی ہو یا نہ کی ہو اور وقت کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو - ہاں اگر قسم کھانے کے بعد وہ کبوتر چوری ہو گیا تو اسے قطعاً حانث قرار دیا جائے گا خواہ وقت کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اور خواہ کوتاہی کی ہو یا نہ کی ہو -

اگر وہ مانع شرعی تھا ، مثلاً قسم کھائی کہ اپنی بیوی سے اس رات ہم بستر ہو گا لیکن وہ ناپاکی کی حالت میں ہو گئی تو اسے مطلقاً حانث قرار دیا جائے گا اگرچہ وہ قسم ناپاکی لاحق ہونے سے پہلے کھائی ہو بایں طور کہ جب قسم کھائی اس وقت وہ پاک تھی ؛ قسم کھانے کے بعد بیوی کو یہ حالت لاحق ہوئی اور تمام رات اس حال میں گزر گئی؛ یا قسم کھائی اور قسم سے پہلے ہی بیوی کو یہ حالت لاحق ہو گئی تھی - غرض مانع شرعی اسے 'حانث' قرار دے گا خواہ وہ قسم ←

منجملہ قسم واقع ہونے کی شرائط کے ، یہ بھی ہے کہ وہ استثناء (یعنی انشاء اللہ سے) خالی ہو - چنانچہ یہ قسم نہ پڑے گی اگر کوئی شخص یوں کہے

← کھانے سے پہلے لاحق ہوا ہو یا بعد میں - لیکن اگر ہم بستری کرنے کی قسم کھائی اور ساتھ ہی ''آج رات'' کی قید نہیں لگائی اور دیکھا کہ بیوی ناپاکی کی حالت میں ہے تو اس کے دور ہونے کا انتظار کرے اور پھر اپنی قسم پوری کرے تو حانث نہ ہوگا - اگر کسی نے (اپنی اس قسم کو) حالات ناپاکی ہی میں پورا کیا تو اس کے پورا ہونے کے بارے میں اختلاف ہے- بعض اصحاب تو یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹی کیونکہ بہر حال اس نے جس بات کی قسم کھائی تھی لغوی اعتبار سے اسے پورا کیا - بعض احباب کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ مباشرت کا جو شرعی مفہوم ہے اس کے خلاف عمل ہوا- یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ قسم بیوی کی حالت ناپاکی میں کھائی ؛ اگر اس حالت سے پہلے یہ قسم کھائی اور قسم کے پورا کرنے میں ڈھیل سے کام لیا یہاں تک یہ حالت لاحق ہو گئی تو قیاس یہ کہتا ہے کہ اس قسم کے ٹوٹ جانے پر سب کا اتفاق ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو قتل کروں گا اور وہ پہلے ہی مر چکا ہے تو اس کی قسم قطعاً ٹوٹ جائے گی خواہ اس کو قسم کھانے سے پہلے اس کی موت کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ کل میں اس جانور کو ضرور ماروں گا اور وہ جانور اس کے مارنے سے پہلے ہی مر گیا تب بھی اسے حانث قرار دیا جائے گا ، اگرچہ اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ اس کے اندر مارنے کی قسم پوری کر سکتا - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ کل یہ کھانا ضرور کھاؤں گا لیکن اگلا دن آنے سے پہلے ہی وہ کھانا ضائع ہو گیا تب بھی وہ حانث ہو جائے گا ، قطع نظر اس کے کہ وہ کھانا خود اس نے اپنے اختیار سے تلف کیا ہو یا (اس کا تلف ہونا) اختیار سے باہر رہا ہو - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ آج اس پانی کو ضرور پیوں گا یا اس غلام کو ضرور سزا دوں گا لیکن قسم پوری کرنے سے پہلے ہی وہ پانی ضائع ہوگیا یا وہ غلام مر گیا تو پانی کے ضائع ہونے یا غلام کے مرنے کے ساتھ ہی وہ حانث ہو جائے گا - اسی طرح اگر قسم میں وقت کی کوئی قید نہ تھی اور یوں کہا تھا کہ ''قسم اللہ کی یہ روٹی میں ضرور کھاؤں ←

کہ ''قسم اللہ کی میں انشاء اللہ (یعنی اگر اللہ نے چاہا) یہ کام ہرگز نہ کروں گا''
یا ساتھ ہی یوں کہہ دیا کہ ''سوا اس کے کہ اللہ چاہے'' - واضح ہو کہ

← گا'' لیکن کھانے سے پہلے ہی وہ روٹی ضائع ہو گئی تو اس کے ضائع ہوتے ہی وہ حانث ہو جائے گا - اگر کہا کہ میں فلاں شخص کو کل ضرور ماروں گا اور کل کا دن آنے سے پہلے ہی اسے مارا تو قسم سے بری الذمہ ہوجائے گا - یہی حال اس صورت میں ہے جب کہ یہ قسم کھائی کہ جمعے کے دن روزہ رکھوں گا اور یہ روزہ اس نے جمعرات ہی کو رکھ لیا - اگر کوئی (اگلے روز کی بابت قسم کھانے والا) اگلا دن آنے سے پہلے ہی مر گیا یا اس پر جنون طاری ہوگیا یہاں تک کہ اگلا دن ختم ہو گیا تو اسے حانث نہ قرار دیا جائے گا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کو ضرور قتل کروں گا حالانکہ وہ شخص پہلے ہی مر چکا ہے تو وہ قطعاً حانث ہوجائے گا - اگر کہا کہ ''قسم اللہ کی میں یہ کھانا کل ضرور کھاؤں گا'' لیکن وہ کھانا خراب ہو گیا یا کسی شخص نے اسے ضائع کر دیا اور ضائع کرنے سے باز رکھنا اسے ممکن تھا لیکن باز نہ رکھا تو اگلا دن آنے پر اتنا وقت گزر جانے کے بعد جس میں وہ کھانا کھا سکتا تھا اور نہیں کھایا تو حانث ہو جائے گا - غرض اتنا وقت گزر جانے پر ہی اسے حانث مانا جائے گا اگرچہ کھانا دن کے اخیر حصے میں ضائع ہوا ہو - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ (قسم کھانے والا) اگلے روز مر گیا کہ اگر اتنا وقت اسے مل گیا تھا کہ موت سے پہلے وہ کام کر لیتا تو حانث ہو جائے گا - غرض وقت گزرنے ہی پر اسے حانث قرار دیا جائے گا اگرچہ موت دن کے آخری حصے میں آئی ہو - چنانچہ اگلا روز آنے سے پہلے خود ہی اگر اس کھانے کو تلف کر دیا تو اس کے تلف کرنے کے وقت 'حانث' نہ ہو گا بلکہ اس وقت 'حانث' قرار پائے گا جب کہ اگلے روز اتنا وقت گزر جائے جس میں وہ اپنی قسم پوری کر سکتا - اگر کسی شخص نے جس بات کی قسم کھائی تھی وہ کام اس وقت سے پہلے یا بعد میں کیا جس وقت میں کرنے کی قسم کھائی تھی حالانکہ اس کے لیے ممکن تھا کہ اس وقت کے اندر کرتا تب بھی وہ حانث قرار پائے گا - چنانچہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق واجب سورج غروب ہونے کے وقت ادا کروں گا اور سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ادا کر دیا حالانکہ اگر ←

استثناء کے مسائل اور اس کی شرطوں کا بیان ازروے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہے۔[۱] اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ قسم کے الفاظ منہ سے ادا کیے جائیں، لہٰذا اگر دل میں قسم کا ارادہ تھا اور منہ سے قسم کے الفاظ ادا نہیں کیے تو قسم نہیں پڑے گی۔

بعض مسالک نے (تحقق قسم کی) اور بھی شرایط ذکر کی ہیں۔

→ چاہتا تو اسی وقت مقررہ پر ادا کرتا، ایسی صورت میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر اس کی ادائیگی واجب کے لیے ابتدائی امور مثلاً ناپ تول وغیرہ وقت سے پہلے ہی سے شروع کر دے اور ادائیگی کرتے کرتے وقت زیادہ لگ گیا تو اسے حانث قرار نہ دیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس بات کے کرنے کی قسم کھائی ہے اگر عقلاً اور عادۃً اس کا ہونا محال ہے تو نہ قسم پڑتی ہے نہ باقی رہتی ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ استثناء (کی مختلف شکلیں ہیں)؛ یا تو یہ لفظ مشیت کے ساتھ ہو گا یا لفظ 'الا' (سوا اس کے) یا ایسے ہی کسی اور لفظ کے ساتھ ہو گا۔ استثناء بالمشیت کا فائدہ صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ اللہ کی قسم اور یا نذر مبہم (کی قسم) میں ہو۔ نذر مبہم سے مراد یہ ہے کہ جس بات کی نذر مانی گئی ہے اس کو متعین نہ کیا گیا ہو، چنانچہ اگر یوں کہا کہ "قسم اللہ کی میں ہرگز ایسا نہ کروں گا انشاء اللہ" یا یوں کہہ دیا کہ (میں ہرگز ایسا نہ کروں گا) "سوا اس کے کہ اللہ چاہے"۔ اور پھر بھی وہ کام کر لیا تو اس پر بشرایط آیندہ قسم کا کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح (اس صورت میں بھی نہ ہوگا) جب کہ نذر کے طور پر کہا کہ میں "ایسا کروں گا انشاء اللہ" یا ایسا کروں گا الا ان شاء اللہ۔ لیکن اگر کہا کہ مجھ پر طلاق واجب ہوگی اگر ایسا کیا یا (یوں کہا کہ) اگر ایسا نہ کیا ان شاء اللہ اور یہ نذر توڑ دی تو طلاق دینا اس پر لازم ہو جائے گا، اور اس استثنائے مشیت کا استعمال بے فائدہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اس قسم کے استثناء کے بارے میں جس میں اللہ کے ارادے یا قضا و قدر الٰہی کا ذکر ہو، اور اس بارے میں کہ آیا وہ بھی انشاء اللہ کہنے کی ←

←مانند ہے یا نہیں ہے (فقہا میں) اختلاف ہے۔ سو بعض اصحاب تو یہ کہتے ہیں کہ وہ بھی استثناء مشیت (یعنی انشاء اللہ کہنے) کی مانند ہے۔ چنانچہ آن کا کہنا ہے کہ اگر یوں کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا اگر اللہ کا یہی ارادہ ہوا یا یوں کہا کہ اگر تقدیر یا قضائے الٰہی میں یہی ہوا (تو میں یہ نہیں کروں گا) اور اس قسم کو توڑ دیا (یعنی وہی کام کر لیا) تو ظاہر ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ (اس بارے میں) مؤثر استثناء وہی ہے جو لفظ مشیت کے ساتھ ہو (یعنی انشاء اللہ کے ساتھ قسم کھائی جائے)۔ رہا وہ استثناء جو لفظ ''الا'' (یعنی سوا اس کے) یا اسی طرح کے اور الفاظ کے ساتھ ہو وہ ہر طرح کی قسم میں مؤثر ہے۔ چنانچہ اگر کہا کہ قسم اللہ کی میں زید سے جمعرات کے سوا یا بجز آس دن کے جب وہ آئے، یا آس کی شادی کے دن کے علاوہ یا آس دن کو چھوڑ کر جس میں وہ غمزدہ ہو یا آس روز کو نکال کر جس میں وہ بیمار ہو یا ماسوا اس روز کے جس میں آس کی موت واقع ہو ہرگز بات نہ کروں گا۔ تو یہ تمام استثناء مؤثر مانے جائیں گے (یعنی اس کے بغیر کسی بھی دن اگر بات کر لی تو آسے حانث قرار دیا جائے گا)۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو فلاں گھر میں ایک دفعہ کے سوا گئی تو تجھ پر تین طلاق، تو اس میں بھی بشرائط آیندہ استثناء مؤثر ہوگا (یعنی ایک دفعہ سے زیادہ گئی تو طلاق ہو جائے گی)۔

واضح ہو کہ یہ استثنا قسم کے متعلقہ تمام صورتوں میں مؤثر ہو گا، خواہ آس قسم کا تعلق مستقبل سے ہو یا ماضی سے اور خواہ وہ قسم منعقدہ (یعنی پڑ جانے والی) ہو یا قسم غموس (یعنی دانستہ جھوٹی قسم) ہو۔ قسم غموس کے مؤثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آس میں گناہ نہ ہوگا، چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ سارے دریا کا پانی پی جائے گا یا پہاڑ کو آٹھا لے گا یا مردہ کو مار ڈالے گا اور اس کے ساتھ لفظ مشیت یا 'سوا اس کے' وغیرہ کے ساتھ استثناء کیا تو اس میں گناہ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ الا (سوا اس کے) جیسے الفاظ سے استثناء کرنا ایسا ہے جیسے (کسی امر کو) کسی شرط یا صفت یا عرض پر منحصر کر دیا جائے۔ مثلاً اگر کہا کہ میں زید کے گھر آس کی موجودگی میں نہیں جاؤں گا یا یہ کہا←

← کہ میں زید کے بڑے گھر میں نہیں جاؤں گا یا یوں کہا کہ ایسے ایسے وقت میں زید کے گھر نہیں جاؤں گا یا یہ کہ جب تک کہ وہ غائب رہے گا یا مریض رہے گا یا اس مہینے میں (اُس کے گھر نہ جاؤں گا) تو یہ تمام شرایط مؤثر ہوں گی۔ (یعنی ان شرایط کی موجودگی میں زید کے گھر میں جانے سے حانث ہو جائے گا)۔

جاننا چاہیے کہ استثناء کے درست ہونے کی پانچ شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ استثناء مستثنٰے منہ سے متصل ہو، خواہ وہ استثناء لفظ مشیت کے ساتھ ہو یا کسی اور طرح سے۔ ہاں اگر کوئی ناگزیر خارجی امر جو استثناء کے الفاظ قسم کے ساتھ لانے سے مانع ہو (تو قابل در گزر ہے)، مثلاً کھانسی یا چھینک آ جائے یا دم گھٹ جائے (اُچھو ہو جائے) یا جمائی آ جائے۔ البتہ اگر (قسم اور استثناء میں فرق) کسی سوچ میں پڑ جانے یا سلام وغیرہ کا جواب دینے کے باعث پڑ جائے تو یہ استثنا بے فائدہ ہو گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ لفظ استثناء کے بولنے کے وقت واقعی استثناء کی نیت بھی ہو۔ اگر بھولے سے یہ (انشاء اللہ وغیرہ) زبان پر آ جائے اور دل میں ارادہ نہ رہا ہو تب بھی وہ مؤثر نہ ہو گا، خواہ لفظ مشیت کے ساتھ ہو یا الا (سوا اس کے) وغیرہ کے ساتھ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ استثناء کے اختیار کرنے کی غرض یہ ہو کہ (استثنائی صورت میں) قسم باطل ہو جائے گی۔ یہ ارادہ قسم کھانے کے شروع میں ہی ہو یا قسم کھانے کے دوران میں ہوا ہو، یہ استثناء بہرحال مفید ہو گا۔ اگر یہ ارادہ قسم کھانے کے بعد بھی ہو تب بھی استثناء بقول مشہور مؤثر ہو گا، بشرطیکہ استثناء بطریق متذکرہ بالا قسم کے ساتھ ہی کیا گیا ہو۔ اور اس کو اُس حال میں بھی مؤثر مانا جائے گا جب کہ کسی دوسرے شخص کے یاد دلانے سے کیا گیا ہو، مثلاً (کسی بات کے لیے) کوئی قسم کھائے اور ساتھ ہی کوئی کہے کہ ''انشاء اللہ کہہ'' اور اُس نے اس شخص کے کہنے پر جس بات کی قسم کھائی ہے اُس کے بعد ہی ''انشاء اللہ'' کہہ دیا اور قسم اور استثناء کے درمیان فاصلہ نہیں ہوا اور ارادہ بھی یہ تھا کہ قسم اُٹھ جانے کے لیے استثناء کیا ہے تو یہ استثناء مؤثر ہو گا۔ لیکن ←

← اگر قسم اٹھ جانے کا ارادہ (بصورت استثناء) نہیں کیا ، بلکہ محض بطور تبرک کے "انشاء اللہ" کہہ دیا یا (ذہن میں) کوئی ارادہ نہ تھا تو اس سے استثنا کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ استثناء کے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں ، خواہ محض زبان کو ہلا کر آہستہ سے ادا کیا ہو۔ لیکن آہستہ استثناء کا فائدہ اس حال میں ہوگا جب کہ اس قسم کا تعلق کسی اور کے حق سے نہ ہو ، مثلاً بیع یا اجرت وغیرہ کا معاملہ نہ ہو ، کیونکہ اس صورت میں وہ قسم حلف اٹھانے والے کی نیت پر منحصر ہوگی اور (ممکن ہے کہ فریق ثانی) اس استثناء کو تسلیم نہ کرے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ ابتدائے قسم میں اس امر کو داخل کرنے کی نیت نہ رہی ہو جس کو بعد میں استثناء کرکے خارج کیا ہے۔ اگر ابتداءً یہی ارادہ تھا کہ وہ امر بھی قسم میں شامل ہے اور پھر اسے استثناء سے خارج کرنا چاہا تو یہ استثناء بے فائدہ ہو گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس امر کے خارج کرنے کا ارادہ ابتدا ہی سے رہا ہو۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ تمام حلال باتیں مجھ پر حرام ہیں ایسا نہ کروں گا ؛ اس قسم کے کھانے میں ابتدا ہی سے یہ نیت ہونی چاہیے کہ اس میں بیوی داخل نہیں ہے۔ اور پھر اپنی قسم کو پورا کیا تو بیوی مستثنیٰ رہے گی (یعنی وہ حرام نہ ہو گی)۔ لیکن اگر ابتدا سے قسم میں اس کو بھی شامل کرنے کی نیت تھی اور پھر قسم کھانے کے بعد اسے مستثنیٰ کرنے کے الفاظ استعمال کیے تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اس صورت مسئلہ کا نام (اصطلاح شرع میں) 'محاشاۃ' (یعنی بچاؤ کر لینا) ہے ، کیونکہ اس نے پہلے ہی بیوی کو قسم کے اثر سے بچا لیا ، یعنی اس کو قسم سے خارج کر دیا تھا اور جب بیوی قسم سے خارج ہوگئی تو قسم سرے سے لغو ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ بیوی اور کنیز کے علاوہ دوسری عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی قسم ایک فعل عبث ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ استثناء ہر طرح کی قسم اور ہر معاملے میں مؤثر ہوتا ہے لیکن اس کی پانچ شرطیں ہیں :

اول یہ کہ استثناء کو مستثنیٰ منہ کے ساتھ ہی ادا کیا جائے اور اس طرح ←

← کہ ان دونوں کو بالعموم باہم مربوط تسلیم کیا جائے، لہٰذا اگر احیاناً سانس ٹوٹ جانے، عجز کلام سے یا آواز کے گھٹ جانے یا معمولی کھانسی آ جانے سے دونوں کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو مضایقہ نہیں ہے ۔ البتہ اگر دیر تک کھانسی آتی رہے تو ربط میں حرج متصور ہوگا ۔ اسی طرح غیر متعلقہ گفتگو درمیان میں آ جائے، خواہ وہ معمولی ہو تب بھی ٹھیک نہیں ہے ۔ اسی طرح زیادہ دیر تک کی خاموشی جو سانس لینے یا بولنے میں رکاوٹ ہونے یا آواز گھٹ جانے کے وقفہ سے زیادہ دیر تک ہو، تب بھی اتصال جاتا رہے گا ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ استثناء کے لانے سے ارادہ بھی یہ ہو کہ (اگر مستثنیٰ صورت پیش آئی تو) قسم اٹھ جائے گی ۔ اگر یہ ارادہ نہیں تھا تو استثناء سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ استثناء کی نیت پوری قسم کے الفاظ ادا کرنے سے پہلے پہلے ہو ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس بات کا استثناء کیا ہے وہ پورا کا پورا مستثنیٰ منہ نہ ہو، مثلاً یہ کہنا کہ مجھ پر تین طلاق واجب ہیں بجز تین کے فضول ہے کیونکہ جس چیز کا استثناء کیا ہے وہی کامل مستثنیٰ منہ ہے ۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ الفاظ استثناء کو اس طرح استعمال کرے کہ خود قسم کھانے والے کو سنائی دے ۔ بشرطیکہ اُس کی قوت سمع معتدل اور شور و غل بھی نہ ہو رہا ہو ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قسم کے لیے لازم ہے کہ اُس میں کوئی استثناء نہ ہو، خواہ وہ استثناء بالفاظ مشیت ہو یا کسی اور طرح کا ۔ چنانچہ اگر (قسم کھا کر) یوں کہا کہ ''میں ایسا نہ کروں گا ان شاء اللہ'' یا 'بجز اس کے کہ خدا چاہے' یا ''ماشاء اللہ'' (جیسا کہ اللہ چاہے) یا 'ماسوا اس کے کہ مجھے اس کے علاوہ کوئی اور بات سمجھ میں آ جائے یا ''بلا سوچے'' یا بغیر اس کے کہ کوئی اور بات پسند آ جائے' (اس طرح استثناء کے بعد) اب وہی بات کر لی تو وہ 'حانث' (قسم توڑنے والا) قرار نہ دیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر کہا کہ ایسا نہیں کروں گا، بشرطیکہ اللہ نے میری مدد کی، یا اسے آسان کر دیا، یا اللہ ←

← کی مدد ہوئی یا اللہ نے سہولت دی تب وغیرہ وغیرہ ۔ اگر اس کے بعد وہی کام کر لیا تو نہ قسم ٹوٹی اور نہ کفارہ لازم ہوا ۔

حنفیہ کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کی قسم وغیرہ میں استثنا مؤثر ہے ۔ لیکن طلاق کے بارے میں یہ الفاظ کہے کہ اگر 'اللہ نے مدد کی' یا اللہ کی مدد سے ، اور ان الفاظ سے اس کی مراد استثناء ہو ، تو اس کا فیصلہ قسم کھانے والے اور اللہ کے درمیان ہے ؛ قاضی اس کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا ۔ (یعنی اس طرح کے استثناء سے طلاق ہو گی یا نہ ہو گی یہ صرف اللہ جانتا ہے ؛ عدالت مجاز کوئی فیصلہ نہیں دے گی) ۔

واضح ہو کہ استثناء کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں :

اول یہ کہ استثناء منہ سے بول کر کیا جائے ، بایں طور کہ قسم کھانے والا ان الفاظ کو سن سکے اگر ایسی آواز ہو کہ سنائی نہ دے تو بقول صحیح استثناء درست نہ ہو گا ؛ ہاں اگر کوئی گونگا ہو تو اور بات ہے ۔

دوسری یہ کہ استثناء ساتھ کے ساتھ ہو ۔ اگر استثناء اور مستثنیٰ منہ کے درمیان غیر ضروری فاصلہ ہوا تو وہ استثنا بے فائدہ ہے ۔ ہاں گلا بیٹھ جانے ، چھینک آ جانے ، ڈکار یا زبان میں گرانی کے باعث مجبوراً توقف ہو گیا اور پھر کہا انشاء اللہ تو صحیح ہو گا ۔ اس کے لیے ارادہ کرنا کوئی شرط نہیں ہے ۔ چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق اور ساتھ ہی بلا ارادہ زبان سے استثناء کے الفاظ (مثلاً انشاء اللہ) نکل گئے تو طلاق واقع نہ ہو گی ۔ ظاہر مسلک یہی ہے ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ میں مستثنیٰ منہ سے کچھ زیادتی ہو ؛ مثلاً یہ کہنا کہ ھی طالق ثلاثاً الا اربعاً ، یعنی بجز چار کے اسے تین طلاق ہے ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں برابر ہوں ، مثلاً کوئی کہے کہ بجز تین کے اسے تین طلاق ہے ۔ چنانچہ اگر کل کا استثنا کل سے بغیر لفظ استثناء کے کیا تو استثناء درست ہو گا جس طرح یوں کہنا کہ میری بیویوں کو طلاق ہے بجز زینب ، فاطمہ اور سلمیٰ کے ، اور اس کی بیویاں ان تین کے سوا نہیں تو یہ کل کا استثناء کل سے بغیر لفظ استثناء کے ہو گیا اور یہ صحیح ہو گا ۔ ←

→ حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر اس قسم میں جس میں کفارہ کو دخل ہے استثناء مفید ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ، ظہار کرنا (بیوی کے پاس نہ جانے کا عہد کرنا ، یا ادائیگی نذر کی قسم کھانا (ان تمام قسموں میں استثناء مؤثر ہے) - طلاق والی قسم میں استثناء سے کچھ فائدہ نہیں ، چنانچہ اگر کہا کہ قسم اللہ کی ایسا نہیں کروں گا انشاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا) یا یہ کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ ایسا کروں گا بجز اس کے کہ اللہ چاہے ایسی قسم نہیں پڑے گی - اور مشیت الٰہی کی طرح 'ارادۂ الٰہی' کہنا بھی ہے بشرطیکہ اس سے 'مشیت' ہی مراد ہو - لیکن اگر 'ارادۂ الٰہی' کے لفظ سے ''اللہ کی محبت'' یا ''اس کا حکم'' مراد لیا تو اس استثناء کا کچھ اثر نہ ہوگا - اسی طرح اگر الفاظ ''مشیت'' یا ''ارادہ'' سے قسم کا پختہ کرنا مقصود ہو، مشروط کرنا مقصود نہ ہو تو اس سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہے -

واضح ہو کہ استثناء کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں :

اول یہ کہ مستثنیٰ منہ کے ساتھ ہی مستثنیٰ کا ذکر ہو ، لہٰذا اگر دونوں کے درمیان فاصلہ ہوا تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا - ہاں اگر دونوں کے درمیان معمولی سا وقفہ مثلاً سانس لینے یا کھانسی، چھینک ، قے یا جمائی کے باعث ہوجائے تو اسے حکماً دونوں کو متصل ہی سمجھا جائے گا -

دوم یہ کہ قسم کھانے والا استثناء کے الفاظ منہ سے بول کر ادا کرے ، لہٰذا اگر اپنے دل میں استثناء کے الفاظ کہہ لیے تو بیکار ہوں گے - ہاں اگر کوئی مظلوم ہو (کہ اندیشۂ جان سے کھل کر استثنا نہ کر سکے) تو اور بات ہے -

سوم یہ کہ مستثنیٰ منہ کے الفاظ ختم کرنے سے پہلے ہی استثنا کا ارادہ رکھتا ہو ، لہٰذا اگر استثناء کا قصد کیے بغیر قسم کھائی اور جب پوری قسم کھا لی اور تب استثناء کا خیال آیا تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا- یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ پکے ارادہ سے کسی بات کی قسم کھائی پھر اس کی زبان پر استثناء کے الفاظ بلا ارادہ جاری ہو گئے - یا کسی کی عادت ہی یہ ہے کہ استثناء کے الفاظ (یعنی انشاءاللہ وغیرہ) اس کی زبان پر جاری رہتے ہیں اور اس لیے بغیر کسی ارادہ کے استثناء کے الفاظ زبان سے نکل گئے -

حنفیہ نے قسم کی شرایط میں یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے اس میں اور الفاظ قسم میں از قسم خاموشی وغیرہ کوئی امر حائل نہ ہو-←

ان الفاظ کا بیان جن کے ادا کرنے سے قسم پڑ جاتی ہے

اللہ کا نام لے کر قسم کھائی جائے تو وہ قسم پڑ جاتی ہے ؛ مثلاً واللہ ، باللہ ، تاللہ (یعنی اللہ کی قسم) ۔ اسی طرح اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے تو وہ قسم بھی پڑ جاتی ہے ۔ اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← لہٰذا اگر کسی نے یہ ارادہ کیا کہ دوسرے سے حلف لے اور اس سے کہا کہ ''کہا اللہ کی قسم'' اس نے قسم کھائی پھر اس سے کہا کہ اب یہ کہہ کہ ''میں نے ایسا نہیں کیا'' اور اس نے اسی طرح کہہ دیا تو یہ قسم نہیں پڑے گی ۔ کیونکہ اس نے دوسرے کی بات کو صرف دہرایا ہے اور اللہ کا نام لینے اور اس بات کے درمیان جس کی قسم کھائی ہے جو خاموشی رہی وہ فاصلہ ہے ۔

اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ اللہ شاہد ہے اور رسول شاہد ہے کہ یہ کام ضرور کروں گا اور پھر بھی وہ کام نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹی کیونکہ الفاظ قسم یعنی 'اللہ شاہد ہے' اور اس بات کے درمیان جس کی قسم کھائی ہے (یعنی ایسا ضرور کروں گا) ''رسول شاہد ہے'' کے الفاظ درمیان میں آ گیے ۔

اس کے علاوہ ایک شرط کا اور بھی اضافہ کیا ہے یعنی ''مسلمان ہونا'' لیکن یہ شرط اس قسم کے لیے ہے جس میں عبادت مثلاً کفارہ یا نماز یا روزہ واجب ہوتا ہے ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قسم دو طرح سے پڑتی ہے : ایک تو یہ کہ اللہ کریم کا نام لے کر قسم کھائی جائے مثلاً واللہ ، باللہ (یعنی اللہ کی قسم ہے) ۔ اس کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو یہ کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے مخصوص نام کی ہو ؛ دوسرا اور کوئی نام نہ لیا جائے ، مثلاً اللہ اور الرحمان (کی قسم)۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ قطعاً پڑ جاتی ہے ۔ اس میں نہ تو نیت کی ضرورت ہے اور نہ طریقۂ معروف کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے ۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جو نام قسم میں لیا گیا وہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص نہ ہو ، بلکہ ایسا لفظ ہو جس پر اللہ کا بھی اور دوسروں کا بھی اطلاق ←

← ہوتا ہو، جیسے الفاظ علیم ، حلیم ، مالک وغیرہ ۔ ایسی قسم کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسے نام کی قسم کھائے تو دیکھنا چاہیے کہ آیا اس سے قسم کھانا ہی مقصود تھا یا کچھ اور مقصود تھا یا کوئی بھی خاص مقصد نہ تھا ۔ اگر قسم ہی کھانے کا ارادہ تھا تو وہ قسم ہو جائے گی ؛ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے ۔ اگر قسم کا ارادہ نہیں تھا تو قسم واقع نہ ہوگی ، کیونکہ اس نے ایسی بات کی نیت کی ہے جس کا احتمال اس کے کلام سے ہو سکتا تھا ، لہٰذا بجز ایسے امور کے جن کا تعلق دوسروں کے حقوق سے ہو، مثلاً طلاق یا ایلا (ہر امر میں) قسم کھانے والے کی بات مانی جائے گی ۔ چنانچہ اگر کہا کہ میں نے قسم کھائی تو میری بیوی پر طلاق یا یہ کہا کہ (اگر میں نے قسم کھائی تو) چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا (کہ یہ بھی گویا طلاق ہی ہے) پھر اسی طرح کی قسم کھا لی اور یہ کہا کہ میرا ارادہ قسم کھانے کا نہ تھا ؛ ایسی صورت میں قاضی اس کے کہنے کی تصدیق نہیں کرے گا ؛ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا ۔ اگر یہ قسم کوئی ارادہ کیے بغیر کھائی تو بقول راجح وہ قسم منعقد متصور ہوگی کیونکہ اس قسم کے کھانے سے حلف متعین ہو جاتا ہے ۔ اگر کسی نے کہا کہ بسم اللہ (بنام خدا) میں کھڑا نہ ہوں گا ، یا یوں کہا کہ واسم اللہ (یعنی اللہ کے نام کی قسم) میں آپ کو ایک درہم دوں گا جیسا کہ بعض نصاریٰ اسی طرح قسم کھاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ یہ قسم نہ ہوگی کیونکہ اسے حلف کے مخالف نہیں کہا جاسکتا ۔ اور بعض اصحاب نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ اسم اور مسمیٰ دونوں سے ایک ہی ہستی مراد ہوتی ہے ۔ بعض اصحاب نے اسی قول کو ترجیح دی ہے ۔ دوسری طرح کی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے ۔ اور صفت سے مراد اس مقام پر محض اس کا کوئی وصف ہے، مثلاً اللہ کی قدرت ، اس کی عزت یا اس کی عظمت کی قسم ۔ رہے وہ الفاظ جو اللہ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتے ہیں جیسے علیم وغیرہ ، سو اس کے متعلقہ مسائل پہلی طرح کی قسم کے سلسلہ میں بتائے گئے ہیں ۔ صفت (کی قسم) میں خواہ وہ ہستی باری کا کوئی وصف ہو یا اس کے کسی فعل کی صفت ہو، کوئی فرق نہیں ہے ۔ لیکن صفات الٰہی کی قسم واقع ←

← ہونے کی شرط یہ ہے کہ بالعموم اسے حلف تصور کیا جاتا ہو ۔ یعنی قسم کی بنا اس امر پر ہے کہ وہ الفاظ قسم ہی کے طور پر مشہور ہوں ، (یعنی قسم وہ ہے جو عرف عام میں قسم خیال کی جاتی ہے) اور یہی خیال درست ہے ۔

واضح ہو کہ قرآن یا کلام اللہ کی قسم کھائی جائے تو وہ قسم پڑ جاتی ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات عزت و جلال کی مانند اس کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے اور اس کو حلف ہی سمجھا جاتا ہے ، قطع نظر اس کے کہ اس کلام الٰہی کو نفسی (دل میں ڈالی ہوئی بات) قرار دیا جائے یا لفظی (سنائی دینے والی آواز) تصور کیا جائے ۔ لیکن قرآن پر حلف اٹھانے کا وہ طریقہ ، جو عوام میں رائج ہے کہ قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں کہ ''اس قرآن کی صداقت کی قسم''سو یہ کوئی حلف نہیں ہے ۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ میں اس بات کی قسم کھاتا ہوں جو اس کتاب کے اندر ہے تو وہ قسم ہے ۔ نیز ایسی صفت کی قسم جس کو عام لوگ قسم خیال نہیں کرتے قسم متصور نہ ہوگی جیسے اللہ کی رحمت ، اس کے علم ، اس کے حلم ، اس کی رضا ، اس کے غضب ، اس کے قہر ، اس کے عذاب ، اس کی ہستی ، اس کی شریعت ، اس کے دین ، اس کے احکام ، اس کی صفت اور سبحان اللہ وغیرہ کی قسم کھانا ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جن الفاظ سے قسم پڑ جاتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں :

پہلی قسم یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے وہ 'لفظ' ذات الٰہی کے لیے مخصوص ہو اور اس کا اطلاق کسی اور پر نہ ہوتا ہو ؛ خواہ وہ لفظ مشتق ہو جیسے رب العالمین یا مشتق نہ ہو جیسے لفظ 'اللہ' اور خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہو، جیسے رحمان اور رحیم ، یا اس کی دوسری صفات ہوں جیسے ''خالق مخلوقات'' یا یہ کہ ''جس کے قبضہ میں میری جان ہے'' اس کی قسم ۔

دوسری قسم ایسے الفاظ سے قسم کھانا ہے جو اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں ، لیکن بیشتر ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے جیسے رحیم ، رزاق ، رب ، خالق باضافت خلق کے الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کے لیے بھی کسی قید کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں ، مثلاً جھوٹ کا خالق ، قلب کا رحیم ، لشکروں کا رازق اور رب دار (گھر کا مالک) وغیرہ ۔ ←

تیسری قسم ایسے الفاظ کے ساتھ قسم کھانا ہے جو اللہ اور غیر اللہ کے لیے یکساں استعمال ہوتے ہیں، جیسے موجود، عالم، حی (زندہ)۔ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ مطلقاً غیر اللہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ان تینوں قسم کے الفاظ سے جو قسم کھائی جائے اور نیت قسم ہی کی ہو تو پڑ جاتی ہے؛ اگر نیت قسم کی نہ ہو تو قسم نہیں ہوتی۔ غرض اس کی تین صورتیں ہیں: یعنی یا تو قسم کی نیت ہو گی یا قسم کی نیت نہ ہو گی یا کوئی نیت ہی نہ ہو گی بلکہ یونہی بغیر کچھ سوچے قسم کھا لی۔ اب اگر نیت قسم کی تھی یا کوئی نیت نہ تھی تو ان تینوں قسم کے الفاظ سے قسم پڑجائے گی لیکن اگر قسم کی نیت نہ تھی تو ان میں کسی کی قسم کھانے سے قسم نہیں پڑے گی اور قسم کھانے والا جو کچھ کہے ظاہر الفاظ کی بنا پر مان لیا جائے گا، بجز طلاق، عتاق اور ایلاء کے۔ پس اگر کہا کہ میں نے اللہ کی قسم کھائی تو مجھ پر طلاق ہے یا چار ماہ سے زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اس کے بعد اللہ کی قسم کھا لی اور کہا کہ میری نیت حلف کی نہیں تھی تو ظاہر الفاظ کے پیش نظر اس کی بات نہ مانی جائے گی گو باطن میں وہ گنہ گار نہ ہو۔ اس مسئلہ میں تین اور صورتیں نکلتی ہیں: یعنی اس لفظ سے اللہ تعالیٰ مراد ہو یا اللہ مراد نہ ہو کوئی اور مراد ہو یا کچھ بھی ذہن میں نہ ہو۔ اگر ذات باری ہی مراد ہے تو بہرحال وہ حلف ہے۔ اگر اللہ کے سوا کچھ اور مراد ہے تو صرف پہلی صورت میں قسم ہو جائے گی اخیر کی دو صورتوں میں نہ ہوگی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو لفظ اللہ کے لیے مخصوص ہے اس سے بہرحال اللہ کی ذات مراد ہوگی، خواہ کوئی ارادہ کرے یا نہ کرے۔ بخلاف ایسے لفظ کے جو اللہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور غیراللہ کے لیے بھی۔ ایسی صورت میں قسم جب ہی پڑے گی جب کہ اللہ کی ذات مراد لی جائے۔ غرض قسم نہیں پڑے گی بجز اس کے کہ قسم میں اللہ کی ذات مراد ہو۔ اگر اللہ یا غیر اللہ میں سے ارادہ کسی کا بھی نہیں تھا تو پہلی دو صورتوں میں وہ قسم پڑ جائے گی۔ ان میں سے ایک صورت تو وہ ہے کہ جس کی قسم کھائی ہے اس سے اللہ کی ذات ہی مراد ہو، اور دوسری وہ ہے کہ جس کی قسم کھائی ہے اس سے اللہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور غیر اللہ بھی۔ رہی تیسری صورت جس میں وہ لفظ بولا جائے جو یکساں طور پر اللہ کے لیے بھی اور اللہ کے علاوہ دوسرے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تو یہ قسم واقع نہ ہوگی جب تک کہ

← ارادہ اللہ کی قسم کا نہ ہو ، کیونکہ ایک لفظ کا اطلاق جب دو پر یکساں ہو تو وہ 'کنایہ' سے مشابہ ہے اور کنایہ کی صورت میں وہی بات مانی جاتی ہے جس کی نیت کی جائے۔

چوتھی قسم اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا ہے ، مثلاً اللہ کے علم ، اس کی قدرت، اس کی عزت ، اس کے کلام، اس کی مشیت؛ اس کی حقانیت ، یا اس کی عظمت کی قسم کھانا (یہ سب قسم ہے) - لیکن اللہ کے کاموں مثلاً خلق یا رزق کی قسم سو اس کا شمار قسم میں نہیں ہے - اور اللہ کی صفات سلبیہ کی قسم کے بارے میں اختلاف ہے (کہ اسے قسم مانا جائے یا نہ مانا جائے) -

اگر جس 'صفت' کی قسم کھائی ہے اس کے کچھ اور معنے ، جو اس لفظ سے نکلتے ہوں ، مراد لیے جائیں تو قسم نہ ہو گی ، مثلاً کوئی شخص علم سے معلوم ، قدرت سے مقدور اور باقی الفاظ سے ان صفات کے آثار کا ظاہر ہونا مراد لے ، جیسے ظالموں کی ہلاکت اس کی عظمت و کبریائی کا نشان ہے ، اور کسی کا بس اس پر نہ چل سکنا اس کی برتری و بزرگی کی علامت ہے ، اور حروف و اصوات اس کے کلام کے آثار ہیں وغیرہ (ان اشیاء کی قسم کھانے سے قسم نہیں پڑتی) -

اگر کوئی کہے کہ اللہ کی کتاب کی قسم ، اللہ کے دست راست کی قسم اور قرآن کی قسم اور مصحف کی قسم اور توریت اور انجیل کی قسم تو یہ قسم پڑجائے گی۔ لیکن اگر قرآن سے مراد خطبہ یا صلواۃ (یعنی تقریر یا نماز) ہو، جیسا کہ (بعض مقامات پر ان ہی معنوں میں آیا ہے ، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''و اذا قری القرآن فاستمعوالہ (یعنی جب خطبہ سنایا جا رہا ہو تو اس پر کان دھرو)۔ یہاں قرآن سے مراد خطاب (یا تقریر) ہے - اور اللہ کے ارشاد و قرآن الفجر میں قرآن کے معنے 'فجر کی نماز' ہے - اگر قرآن کے ان معنوں کے پیش نظر قسم کھائی تو وہ قسم نہ ہوگی - اسی طرح اگر کتاب اللہ سے مراد اس کے اوراق اور اس کی جلد ہے تب بھی وہ قسم نہیں ہے - نیز اگر قرآن سے مراد محض حروف اور آواز ہو یا قرآن سے محض الفاظ و نقوش مراد ہوں تو وہ بھی قسم نہ ہو گی ، اور یہ کہنے سے قسم پڑ جاتی ہے کہ ''میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں'' - اور یا کہا کہ ''میں نے اللہ کی قسم کھائی'' اور ''اللہ کا حلف ←

← آٹھایا،، تو یہ بھی قسم ہے ، بشرطیکہ اس سے مراد محض خبر دینا نہ ہو کہ میں نے ماضی میں یہ کیا یا یہ کہ آیندہ ایسا کرنے کا ارادہ ہے (یعنی قسم کا عزم پختہ ہے)۔ اس طرح کہنے سے بقول راجح قسم نہیں ہوتی - اور بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ محض یہ صراحت کہ میں حلف آٹھا لیتا اور قسم کھا لیتا ہوں قسم نہیں ہو جاتی -

مالکیہ کہتے ہیں کہ قسم پڑنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی نام کی قسم ہو ، خواہ صرف ہستی باری کے لیے وضع ہوا ہو جیسے اللہ کا لفظ ، یا آس کی اور آس کی صفات میں سے کسی کے لیے موضوع ہو جیسے الرحمان یا الرحیم - اسی طرح اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کا نام لے کر قسم کھانے سے قسم پڑ جاتی ہے ، خواہ وہ صفت نفسی یعنی وجود باری تعالیٰ کی ہو یا آس کی صفت معنوی ہو جیسے اللہ کی قدرت ، آس کی حیات اور یا آس کے علم کی قسم -

اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ مثلاً آس کی بقا ، قدم اور وحدانیت (یعنی آس کے لافانی ، غیر حادث اور بے ہمتا ہونے) کی قسم کے بارے میں باہم اختلاف ہے - بعض اصحاب جو یہ کہتے ہیں کہ یہ (اللہ تعالیٰ کی) صفت حقیقی ہے آن کے نزدیک یہ ''قسم،، ہے ، اور جن اصحاب کا یہ نظریہ ہے کہ یہ صفات اعتباری ہیں آن کے نزدیک یہ قسم نہیں ہے - اور اللہ تعالٰی کی جو صفات افعال ہیں ، مثلاً پیدا کرنا ، رزق عطا کرنا ، اور موت دینا ، ان کے بارے میں سب کا اتفاق ہے ، کہ قسم واقع نہیں ہوتی -

واضح ہو کہ قسم کھانے کے لیے منہ سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری ہے لہٰذا دل میں کہہ لینے سے بقول راجح قسم واقع نہیں ہوتی - ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ منہ سے نام لینے کے برابر ہی مان لیا جائے تو کافی ہوگا (اس کو حکمی یا معنوی طور پر 'کہنا' مان لیا جاتا ہے) ، چنانچہ اگر مثلاً یہ کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں یا شہادت دیتا ہوں (اقرار کرتا ہوں) ، اور اللہ کا نام نہیں لیا تو یہاں پر لفظ اللہ کو مقدر مان کر اسے قسم قراو دیا جائے گا ، بشرطیکہ نیت قسم کھانے ہی کی ، کی ہو اور ان الفاظ کو ادا کرنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے ، یعنی اللہ ، ھا اللہ ، ایم اللہ ، حق اللہ ، عظمة اللہ ، جلال اللہ ، ←

← ارادت اللہ ، کفالۃ اللہ - کلام اللہ (جب کہ بمعنی کلام اللہ القدیم ہو) - اسی طرح و القرآن اور و المصحف (یعنی قرآن کی قسم اور کتاب اللہ کی قسم) کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس سے مراد (اللہ کا) کلام قدیم ہو - اگر اس سے محض اوراق اور تحریر مراد ہو یا کچھ بھی ارادہ نہ ہو تو وہ قسم نہ ہوگی اور یہ کہنے سے کہ اللہ کی عزت کی قسم ہے یہ قسم واقع ہو جائے گی ، بشرطیکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت یعنی اس کی قوت اور غلبہ مراد ہو ، لیکن اگر اس سے وہ عزت مراد ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے تو وہ قسم نہ ہوگی اور ایسی قسم کھانا جائز نہیں ہے - اسی طرح اللہ کی 'امانت' اور اُس کے 'عہد' کی قسم اور اللہ کے عہد کے نام پر قسم کھانا بھی قسم ہے، بشرطیکہ امانت سے مراد اللہ کا کلام اور عہد سے اللہ کا عہد (وعدۂ الٰہی) ہی مراد ہو ؛ لیکن اگر امانت سے وہ امانت معروف مراد ہے جس کا اشارہ اللہ کے قول انا عرضنا الامانۃ (یعنی ہم نے امانت کو پیش کیا) میں ہے- اور عہد سے مراد وعدۂ معروف ہے تو وہ قسم نہ ہوگی اور ایسی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے - اور 'اعزم باللہ' کہنے سے قسم ہو جاتی ہے ، کیونکہ اس کے معنی اقصد باللہ کے ہیں (یہ دونوں الفاظ عربی میں قسم کے لیے استعمال میں آتے ہیں) - تاہم ان الفاظ کے ساتھ منہ سے اللہ کا نام بولنا ضروری ہے بخلاف الفاظ حلف ، قسم اور شہادت کے کہ ان میں اللہ کے نام کو مقدر مان لینا کافی ہے ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا (یہ تینوں الفاظ بھی عربی میں قسم کے معنے میں آتے ہیں) - اس طرح کہنے سے قسم نہ ہوگی کہ میرے اوپر تمھاری قسم ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے یا ایسا ضرور کروں گا - اسی طرح یہ کہنے سے بھی قسم نہیں پڑے گی کہ تم نے جو قسم دلائی ہے وہ میں پورا کرتا ہوں کہ میں ایسا کرکے رہوں گا یا یہ کہ نہیں کروں گا - اور یہ بھی قسم نہیں ہے کہ میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ یہ بات نہ کہنا یا ایسا کرنا - اور یہ کہنا قسم نہیں ہے کہ حاشا للہ میں نے ایسا نہیں کیا، اور نہ یہ قسم ہے کہ معاذ اللہ میں نے یہ کام نہیں کیا ، یا یہ کہ معاذ اللہ ایسا کروں گا - (یہاں پر) معاذ اللہ کے معنے اللہ کی پناہ مانگنے اور اُس کی امان چاہنے کے ہیں - اگر (معاذ کی بجائے) معاد دال مہملہ سے کہا جس←

← کے معنے اللہ کی جانب مڑنے اور اُس کی طرف رجوع کے ہیں تو قسم پڑ جائے گی۔ اور اگر کہا کہ اللہ راع یا اللہ کفیل (یعنی اللہ نگہبان یا اللہ ضامن ہے) اور مراد اس سے محض ایک امر واقعہ کا اظہار ہے تو یہ قسم نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان الفاظ سے قسم کا ارادہ کیا تو قسم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر زبان سے اللہ کا نام لیا اور حرف قسم مقدر مان لیا تو قسم ہو جائے گی اگرچہ قسم کا ارادہ نہ ہو۔ اور جس کی قسم کھائی یعنی اللہ اور اُس بات کے درمیان جس کی قسم کھائی گئی کوئی لفظ مثلاً کفیل یا راعی لگا دیا گیا (جیسے کہا کہ قسم ہے اللہ کفیل اور اللہ راعی کی کہ فلاں کام کیا ہے یا کروں گا) تو ایسی قسم کے واقع ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اگر کہا کہ ''خدا جانتا ہے'' اور مراد اس سے قسم ہے تو قسم ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قسم پڑنے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں:

اول اللہ کے نام پر قسم کھانا، مثلاً واللہ باللہ اور تاللہ (یعنی قسم ہے اللہ کی)۔ اس طرح کہنے سے قسم پڑ جاتی ہے، خواہ اس سے قسم کی نیت نہ ہو، کیونکہ (جس لفظ کو قسم میں استعمال کیا گیا ہے) وہ لفظ اللہ کے لیے خاص ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا لفظ ہو جو (یوں تو) غیر اللہ پر بھی بولا جائے لیکن جب وہ مفرد بولا جائے تو اُس سے اللہ ہی سمجھا جاتا ہے جیسے الفاظ عظیم، رحیم، رب، مولیٰ تو ان الفاظ سے بھی قسم ہو جائے گی، بشرطیکہ اللہ کی ذات مراد لی ہے یا کچھ بھی مراد نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ (کی ذات) مراد ہی نہ لی ہو، بلکہ کچھ اور مراد لیا ہو تو قسم نہ ہوگی۔ اگر ایسے لفظ سے قسم کھائی کہ اگر مطلقاً اس کو استعمال کیا جائے تو اس سے اللہ نہ سمجھا جائے لیکن اس کے اللہ پر اطلاق ہونے کا احتمال ہو، جیسے الفاظ الموجود، الحی العالم، المومن، الواحد، المکرم اور الشاکر ہیں کہ ان کی قسم کھانے سے بھی قسم ہو جائے گی، بشرطیکہ اللہ کی ہستی مراد لی گئی ہو، کیونکہ اس میں اللہ کی ذات مراد لینے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اللہ مراد نہ لیا یا کچھ بھی مراد نہ لیا تو قسم نہ ہوگی۔ اگر ایسی شے کی قسم کھائی جس کی اضافت اللہ کے نام سے کی گئی ہو تو قسم پڑ جائے گی، جیسے حق اللہ، عہد اللہ، ←

← اسم اللہ ، ایمن اللہ - ایمن یمین (یعنی دست راست) کی جمع ہے - میثاق اللہ ، کبریاء اللہ اور جلال اللہ وغیرہ کی قسم تو یہ قسم پڑ جائے گی اور اسے توڑا تو کفارہ لازم ہوگا - اسی طرح اگر کہا "مجھے اللہ کے عہد و پیمان کی قسم ہے" تو قسم واقع ہو جائے گی ، کیونکہ اس میں ایک لفظ کو اللہ کے ساتھ اضافت کی گئی ہے - امانت الٰہی کی قسم کھانے سے بھی قسم پڑ جائے گی لیکن یہ قسم مکروہ ہے ؛ لیکن کس درجہ کی کراہت ہے اس میں اختلاف ہے - کہا جاتا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے - اگر محض عہد ، میثاق یا امانت وغیرہ کی قسم کھائی اور ان الفاظ کی اللہ کے نام کے ساتھ اضافت نہیں کی گئی تو اس سے قسم واقع نہ ہوگی - ہاں اگر اس سے اللہ کی صفت مراد لی گئی ہو تو ہو جائے گی - اللہ کی عمر کی قسم بھی پڑ جاتی ہے - یہاں عمر کے معنے بقائے باری تعالیٰ اور اُس کی حیات کے ہیں -

دوسری بات جس سے قسم پڑ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا ہے، جیسے رحمان ، قدیم ، ازلی ، خالق ، رازق ، عالمین ، رب العلمین ، ہر بات کے جاننے والے ، آسمان و زمین کے پروردگار ، زندہ لایموت ، وہ ذات جس سے پہلے کوئی شے نہیں اور مالک یوم الدین کی قسم اور قسم ہے اُس کی عظمت ، قدرت ، عزت اور ارادے کی نیز اُس کے علم ، جبروت اور مرتبہ کی قسم - ان تمام صفات کی قسم کھانے سے قسم پڑ جائے گی اگرچہ قسم کی نیت نہ کی ہو یا اللہ کے سوا کچھ اور مراد لیا ہو ، مثلاً قدرت سے مقدور اور علم سے معلوم مراد لیا وغیرہ (تب بھی قسم پڑ جائے گی) ، کیونکہ یہ الفاظ اپنے مدعا میں واضح ہیں ؛ اس میں (تحقق قسم کے لیے) نیت کی ضرورت نہیں -

کلام اللہ کی قسم کھانے سے قسم پڑ جاتی ہے ، کیونکہ (کلام بھی) اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے - اور مصحف (کتاب اللہ) کی قسم بلا کراہت منعقد ہو جاتی ہے ، کیونکہ اس قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اُس کی قسم کھائی گئی ، یعنی قرآن کی قسم - قرآن کی قسم یا اُس کی کسی سورت کی یا کسی آیت کی قسم یا حقانیت قرآن کی قسم کھانے سے قسم ہو جاتی ہے - نیز توریت ، انجیل ، زبور یا فرقان اور صحف ←

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا بیان

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے قسم نہیں پڑتی ، چنانچہ اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائے یا کعبہ یا فرشتہ جبرئیل یا کسی ولی وغیرہ عظیم شخصیت کی قسم کھائے (تو قسم نہیں پڑے گی) ؛ لہٰذا اگر ایسی قسم توڑ دی جائے تو اس کا کفارہ بھی نہیں ہے ۔ اگر اس قسم میں اللہ کی عظمت کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا تصور ہو تو یہ شرک ہے ۔ اگر اس قسم سے نبی یا رسول؏ وغیرہ کی توہین ہوتی ہو تو یہ کفر ہے ۔ لیکن اگر ایسی کوئی بات پیش نظر نہیں ، بلکہ محض قسم کھانے کا ارادہ ہے تو ازروئے مسالک اس کے مسائل

← ابراہیم کی قسم بھی پڑ جاتی ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کا کلام ہے ۔ اور قسم اسی کی کھائی گئی ہے (جو خالص کلام الٰہی ہے) جس میں تغیر و تبدل نہیں کیا گیا ۔

الفاظ حلف ، شہادت ، قسم اور عزم کے ساتھ اللہ کی قسم پڑ جاتی ہے (ان الفاظ میں سے ہر ایک کے معنے قسم کے ہیں) چنانچہ اقسمت ؛ شہدت ، حلفت ، آلیت یا عزمت باللہ کہنے سے قسم ہو جاتی ہے (ان تمام الفاظ کے معنے ہیں کہ میں نے اللہ کی قسم کھائی) ۔ لیکن اگر ان الفاظ کے ساتھ اللہ کا نام نہ لیا جائے تو قسم نہ پڑے گی ۔ ہاں اگر دل میں ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی نیت ہو تب بھی قسم پڑ جائے گی ۔

اگر کسی نے کہا کہ میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے وغیرہ اور یہ بتایا کہ میں نے (اب قسم نہیں کھائی ، بلکہ) پہلے جو قسم کھائی تھی اُس کا ذکر کیا ہے تو قانونی طور پر اُس کا یہ قول تسلیم کر لیا جائے گا ۔

واضح ہو کہ ان الفاظ سے قسم نہیں پڑتی خواہ قسم کا ارادہ ہو : استعین باللہ (یعنی میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں) ۔ اعتصم باللہ ، اتوکل علی اللہ (یعنی خدا پر بھروسہ کرتا ہوں) یا علم اللہ (یعنی اللہ کو علم ہے) ، یا عزاللہ (یعنی اللہ کی عزت ہے) یا تبارک اللہ (یعنی اللہ کی ذات برکت والی ہے) یا الحمدللہ (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) یا سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) وغیرہ ۔

تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حلف بالتعلیق (یعنی قسم کے ساتھ کسی امر کو وابستہ کرنا) مثلاً یہ کہنا کہ ایسا نہیں کروں گا خواہ مجھے بیوی کو چھوڑنا پڑے یا اگر ایسا کیا تو مجھ پر طلاق دینا لازم ہو گا ۔ اگر ایسی بات کہنے کی غرض محض تاکید عہد یعنی فریق ثانی کو اپنی قسم کے پختہ ہونے کا یقین دلانا ہے تو بلا کراہت کے یہ عمل جائز ہے ۔ اگر یہ مقصد نہ ہو یا کسی گزشتہ امر کی بابت اس طرح کہا تو یہ فعل مکروہ ہے ۔ اسی طرح یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ تیرے باپ کی قسم اور تیری جان کی قسم وغیرہ ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا مکروہ ہے جب کہ اس کی قسم کھانے سے کچھ ارادہ (عظمت وغیرہ کا) نہ ہو، جیسا کہ متن کتاب میں مذکور ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اللہ یا اس کی صفات کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا حرام ہے ، خواہ کسی نبی یا ولی کی قسم ہو ۔ اگر کسی اور کی قسم کھائی تو چاہیے کہ اللہ کی جناب میں توبہ و استغفار کرے اور اپنی اس زیادتی پر نادم ہو۔ تاہم اس قسم (کے توڑنے پر) کوئی کفارہ نہیں ہے اور طلاق دینے یا آزاد کرنے کے ساتھ قسم کو وابستہ کرنا مکروہ ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسی اشیاء جس کی شرعاً عظمت ہو ، مثلاً نبی یا کعبہ وغیرہ کی قسم کے بارے میں دو رائیں ہیں: ایک تو حرام ہونا دوسرے مکروہ ہونا، اور قول مشہور یہی ہے کہ یہ حرام ہے ۔ لیکن ایسی اشیاء جن کی شرع میں کوئی عظمت نہیں ہے ، مثلاً تھانوں اور چڑھاووں (یا قربانیوں) کی قسم ، جیسا کہ عہد جاہلیت میں کھائی جاتی تھیں ، یا اللہ کے سوا دوسرے معبودوں میں سے کسی کی قسم کھانا ، سو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ، بشرطیکہ (قسم کھانے سے) ان کی عظمت پیش نظر نہ ہو ۔ اگر ان کی عظمت کے خیال سے قسم کھائی ہے تو یہ فعل کفر ہے ، جیسا کہ متن کتاب میں درج ہے ۔ اسی بنا پر بزرگوں ، شریفوں اور بادشاہوں کے سروں کی اور ان کی زندگی (یا جان) کی قسم یا اسی طرح کی اور کوئی قسم کے حرام ہونے میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے ۔

دوسرے کی طرف سے قسم کھانے، اور قسم دلانے کا بیان

اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں تم پر حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گے، یا ایسا ہرگز نہ کرو گے؛ اس کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ واللہ یا باللہ تم ایسا ضرور کرو گے اور اس سے مقصد مخاطب کو قسم دلانا ہے، یہ ارادہ نہیں ہے کہ کہنے والا خود قسم کھا رہا ہے، تو یہ نہ تو قسم ہو گی اور نہ اس سے کسی پر کچھ واجب ہو گا۔ لیکن اگر اس سے قسم کھانے کا ارادہ تھا یا کچھ ارادہ نہ تھا (بلکہ یونہی یہ الفاظ کہہ دیے) تو اب یہ قسم ہو گئی، لہٰذا اگر مخاطب نے وہ کام نہ کیا تو یہ شخص حانث ہو جائے گا۔ اگر یوں کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گے یا یوں کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کی سوگند ہے کہ تم ایسا ضرور کرو گے؛ اب ان الفاظ کے ساتھ "تمھاری طرف سے" کے الفاظ بھی کہے ہوں یا نہ کہے ہوں بہرحال یہ قسم پڑ جائے گی اور قسم کھانے کے مسائل اس پر عائد ہوں گے؛ مخاطب پر کچھ لازم نہ ہو گا۔ تاہم اگر اس طرح کہنے کا مقصد مخاطب سے (اس کا ارادہ) دریافت کرنا ہو تو یہ قسم نہ ہو گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی طرف سے قسم کھائی اور کہا کہ میں تمھاری طرف سے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گے یا ایسا نہ کرو گے اور مخاطب نے اس کی بات نہ مانی تو قسم کھانے والا حانث ہو جائے گا اور کفارہ واجب ہو گا، دوسرے شخص پر کچھ واجب نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر صرف یہ کہا کہ میں تمھاری طرف سے (فلاں کام کی) قسم کھاتا ہوں اور دوسرے شخص نے (وہ کام) نہیں کیا، تب بھی کفارہ قسم کھانے والے پر واجب ہو گا۔ ہاں اگر اس سے قسم کا ارادہ نہ ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ اس سے کچھ لازم نہ ہو گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ الفاظ بغیر کسی ارادے کے کہے ہوں۔ اگر کہا کہ میں تیرے لیے حلف سے کہتا ہوں اور اس کے ساتھ اللہ کا لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ دل میں اللہ کی نیت کی تو ←

← اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کہا کہ میں تجھ پر اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا قسم کھا لی ہے اور بخدا تجھ سے التجا ہے، اور ان الفاظ سے قسم کا ارادہ نہیں تھا تو بقول صحیح یہ قسم نہ مانی جائے گی۔ تاہم جب کسی سے اللہ کی قسم کے ساتھ کسی بات کو کہا جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کی قسم کو پورا کر دیا جائے۔ لیکن سائل کو بھی چاہیے کہ بار بار کہنے، اصرار کرنے اور لوگوں کو تنگ کرنے سے پرہیز کرے۔ اگر قسم ایسی ہو کہ (دوسرے شخص کے وہ کام نہ کرنے سے، قسم کھانے والے پر) کفارہ واجب ہوتا ہو تو اس صورت میں اس امر مستحب کو پورا کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گے یا اللہ کی قسم ہے کہ تم ایسا ضرور کرو گے تو یہ قسم متصور ہو گی، بشرطیکہ اس سے اپنی قسم مراد لی ہو۔ اگر اس سے مقصد مخاطب کو قسم دلانا مراد ہو یا اس کام کے کرانے کی سفارش (درخواست) مطلوب ہو، یا بغیر کسی ارادہ کے کہا ہے تو یہ قسم نہ ہو گی۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کی بابت حلف سے کہا کہ وہ (کھانا) کھاتا ہے اور اس سے مقصد اس کے کھانے کی تحقیق و تصدیق ہے اور یہ امر ضروری ہے تو یہ قسم ہو جائے گی۔ اور اگر اس کا مقصد یہ کہنا تھا کہ میں اللہ کی قسم دے کر تمہیں کہتا ہوں کہ کھانا کھا لو یا یہ مقصد تھا کہ مخاطب کو قسم دلائے کہ وہ یہ کام ضرور کرے تو یہ قسم نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ اس نے خود کسی بات کی قسم کھائی ہے اور نہ مخاطب نے قسم کھائی ہے۔ اور جب قسم مطلق ہو تو اس سے سفارش مراد ہوتی ہے۔ اگر ان الفاظ سے خود قسم کھانے کا ارادہ تھا تو مخاطب کے لیے اس کی قسم کا پورا کرنا سنت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کے متعلق قسم کھائی اور کہا کہ اے فلانے اللہ کی قسم تو ایسا ضرور کرے گا یا ایسا ہرگز نہ کرے گا، اور اس نے وہ بات نہ کی تو قسم کھانے والا حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہو گا۔ اور بقول راجح وہ دوسرا شخص جس نے اس کی بات کو پورا نہیں کیا حانث نہ ہو گا۔ اگر یوں کہا کہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ بخدا تو ایسا ضرور کرے گا اور اس سے ارادہ اس کا قسم کھانے کا تھا تو یہ قسم ہو جائے گی اور ←

کفارۂ یمین (قسم کا کفارہ) اور اس کو واجب کرنے والے امور

قسم کا کفارہ ان صورتوں میں جس کی تفصیل مسالک مختلفہ میں آئی ہے واجب ہو جاتا ہے۔[۱]

←اس میں بھی حلف اٹھانے والے پر کفارہ لازم ہو گا۔ لیکن اگر اس سے محض سفارش مقصود ہو تو وہ قسم نہیں ہو گی تاہم ایسی صورت میں دوسرے شخص (مخاطب) کے لیے قسم کا پورا کرنا سنت ہے؛ اسی طرح جیسے اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کے سوال کو قبول کرنا سنت ہے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ان حالات میں کفارہ واجب ہوتا ہے:

اول یہ کہ کوئی شخص ان شرایط مذکورہ سابقہ کے مطابق قسم کھائے جن سے قسم پڑ جاتی ہے اور پھر اس قسم کو توڑ دے۔

دوم، 'نذر مطلق' جس سے مراد نذر غیر متعین ہے، یعنی جس بات کی نذر مانی ہے اس کی تعیین نہیں کی، مثلاً یوں کہا کہ میں منت مانتا ہوں یا یوں کہا کہ اللہ کی نذر اپنے ذمہ لیتا ہوں، خواہ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہو کہ ''اگر ایسا کروں'' یا نہ کہا ہو، اس سے ''کفارۂ یمین'' (قسم کا کفارہ) واجب ہوجاتا ہے۔ بشرطیکہ نذر کرنے والے نے کسی امر کے بجا لانے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ اگر نذر کسی خاص بات کو پورا کرنے کی مانی ہے تو وہی بات پوری کرنی چاہیے۔ (یعنی اگر نماز پڑھنے کی نیت کی تھی تو نماز پڑھے اور صدقہ کی نیت تھی تو صدقہ دے ورنہ یمین کا کفارہ ادا کرے)۔

سوم، جب کہ کسی حلال شے کو باستثناء بیوی کے اپنے اوپر حرام کرلیا ہو، مثلاً ایسا شخص جس کی بیوی نہیں ہے یہ کہے کہ اللہ نے جو امور مجھ پر حلال کیے ہیں وہ اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ ایسا کہنے پر بیوی ہو تو وہ حرام ہوجائے گی اگر نہ ہو تو لازم ہے کہ 'کفارۂ یمین' ادا کرے، پھر کوئی شے اس پر حرام نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر کہا کہ اگر یہ چیز کھاؤں تو حرام کھاؤں یا اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے وغیرہ تو اس پر بھی کفارۂ یمین دینا ہوگا اور وہ چیز حرام نہ ہوگی۔ ←

→ چہارم یہ کہنا کہ مجھ پر قسم ہے اگر میں نے ایسا کیا ، اور پھر وہ کام نہیں کیا تو اس پر کفارہ لازم ہو گا ۔ اسی طرح اگر کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میرا مال مسکینوں کا ہو جائے گا ، اور اس سے مراد قسم تھی ، اگر اس قسم کو توڑا تو اس پر قسم کے احکام عاید ہوں گے ۔

پنجم خارج از اسلام ہو جانے کی قسم کھانا ، مثلاً یوں کہنا کہ اگر ایسا کیا تو میں یہودی یا عیسائی یا کافر یا مجوسی یا اللہ کا منکر یا صلیب کا پجاری ہوں گا ؛ یا یوں کہا کہ اگر ایسا کروں تو اللہ یا قرآن یا رسول اللہؐ سے پھروں ؛ یا یہ کہا کہ اگر ایسا کروں تو میں نے زنا کیا ، یا شراب پی یا ترک صلواۃ یا ترک صوم کیا ؛ ان تمام صورتوں میں اگر وہ بات کرلی جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو کفارہ لازم ہوگا ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس پر کفارہ نہیں ہے اور نہ ایسا کہنے والا کافر قرار دیا جائے گا ، لیکن ایسا کہنا فعل حرام ہے اور اس سے توبہ لازم ہے ۔

ششم یوں کہنا کہ مجھ پر اسلامی ایمان (قسمیں) لازم ہیں اگر ایسا کروں ، اور ایسا نہیں کیا ، تو اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا ، بشرطیکہ قسم کی نیت کی ہو ، اگر اس سے نماز یا ظہار (یعنی بیوی سے وقتی قطع تعلق) یا کسی بات کی منت کی نیت کی ہو تو جس بات کی نیت کی وہی لازم ہے ، کیونکہ لفظ ''ایمان المسلمین'' میں کنایہ ہے اور اس سے اللہ کی قسم ، طلاق ، نذر ، ظہار ، اور عتاق ، جو کچھ بھی معنے لیے جائیں درست ہوگا ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چار باتیں ہیں جن سے کفارۂ یمین واجب ہوتا ہے : پہلی بات 'نذر مبہم' ہے یعنی ایسی منت ماننا جس میں کوئی امر متعین نہ کیا گیا ہو ، مثلاً کوئی کہے کہ اگر ایسا کروں یا ایسا نہ کروں تو مجھ پر نذر اللہ ہے یا مجھ پر نذر اللہ کا پورا کرنا واجب ہوگا ۔ اب اگر یہ قسم توڑ دی تو کفارۂ یمین واجب ہوگا ۔ اسی طرح اگر کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر نذر ہے ، یا مجھ پر اللہ کی نذر واجب ہے ؛ اب اگر اللہ نے مریض کو شفا دے دی تو کفارۂ یمین ادا کرنا واجب ہو گا ۔

نذر معین وہ ہے جس میں اس بات کا تعین کر دیا جائے جس کے کرنے کی منت مانی ہے ؛ مثلاً کوئی کہے کہ میں اللہ کے آگے نذر مانتا ہوں کہ میں اتنے ←

←روزے رکھوں گا یا اس قدر صدقہ کروں گا - ایسی صورت میں وہی امر لازم ہوگا جس کی تعیین منہ سے کہہ کر یا دل میں نیت کر کے کی ہو -

دوسری بات یمین (قسم) کے الفاظ کا استعمال کرنا ہے ، مثلاً کوئی کہے کہ مجھ پر یمین ہے یا اللہ کی مجھ پر قسم ہے یا یہ کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر یمین عاید ہوگی - اگر اس قسم کو توڑ دیا تو کفارہ واجب ہوگا -

تیسری وہ قسم ہے جو حالت بر میں منعقد ہو اس سے مراد منفی بات کے لیے قسم کھانا ہے جیسے کوئی کہے کہ اللہ کی قسم ، میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا - اس کو ''یمین بر'' اس لیے کہتے ہیں کہ جب تک قسم کھانے والا گھر میں نہ جائے گا وہ (قسم پوری کر رہا ہے اور) الزام سے بری ہے -

چوتھی وہ قسم ہے جو حالت حنث میں منعقد ہو - یہ قسم امر مثبت کے لیے ہوتی ہے ، مثلاً کوئی شخص کہے کہ اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا ، یا یہ کہ میں نے یہ کام نہیں کیا - اس کو یمین حنث کہتے ہیں ، کیونکہ ایسی قسم کھانے والا حالت حنث (یعنی قسم ٹوٹنے کی حالت) میں رہتا ہے جب تک کہ وہ بات نہ کر لے جس کی قسم کھائی ہے - چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ ''قسم خدا کی میں سفر میں جاؤں گا'' اس قسم کے کھانے سے 'سفر' کا کرنا اس پر عاید ہوگیا لہٰذا اس وقت تک وہ گویا حالت حنث میں رہے گا جب تک سفر نہ کرلے - یہ کہنا بھی اسی میں داخل ہے کہ اگر میں سفر میں نہ گیا تو مجھ پر یہ لازم ہوگا - ان دونوں قسم کے الفاظ قسم میں حانث ہونے کی شرط یہ ہے کہ (قسم کے پورا کرنے کے لیے) کوئی وقت مقرر نہ کیا ہو - چنانچہ اگر یوں کہا کہ قسم خدا کی میں ایک ماہ بعد سفر میں ضرور جاؤں گا تو یہ قسم اس وقت تک 'حلف بر' متصور ہوگی جب تک کہ مہینہ نہ گزر جائے - اگر مہینہ گزرگیا اور سفر میں نہیں گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ کوئی امر شرعی یا عادی ایسا پیش نہ آجائے جو اس کام کے کرنے سے مانع ہو ، لہٰذا اس باب میں مانع عقلی کا اعتبار نہیں ہے - واضح ہو کہ 'یمین حنث' اس وقت تک نہیں ٹوٹتی جب تک کہ موت نہ آ جائے - چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ قسم خدا کی میں ضرور ہی سفر کروں گا یا یہ کہا کہ میں فلاں شخص سے بات کروں گا تو یہ شخص مرتے دم تک حانث نہ ہوگا - اسی طرح اگر کہا کہ قسم خدا کی میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا تو بیوی ←

← کی موت تک اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی - اگر کسی نے کہا کہ ''میں ایسا کروں تو یہودی یا نصرانی یا مرتد یا ملت اسلام سے خارج ہو جاؤں وغیرہ'' اور وہ کام نہیں کیا تو گو اس پر کفارہ نہیں ہے لیکن اس طرح کا حلف اٹھانا حرام ہے - چنانچہ اگر قسم کے علاوہ کسی اور طرح سے یہ الفاظ کہے تو کہنے والا مرتد ہو جائے گا خواہ مذاق سے کہا ہو -

حنفیہ کہتے ہیں کہ جن باتوں سے کفارہ واجب ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قسم جو شرایط مذکورہ سابقہ کے مطابق منعقد ہوئی ہو اس کو توڑ دیا جائے - اگر قسم نہیں ٹوٹی تو کفارہ واجب نہ ہوگا - قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں ہے -

ایک یہ ہے کہ وہ نذر غیر معین ہو، مثلاً یوں کہا کہ منت مانتا ہوں کہ یہ بات نہیں کروں گا یا کروں گا - اب اگر اس کہنے کے خلاف کیا تو کفارۂ یمین لازم ہو گا - گو اس میں نذر کا تعین نہیں کیا لیکن اس طرح کہنے سے کفارۂ یمین لازم ہوجاتا ہے جیسے کفارہ کی نیت مانی ہو - یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ نذر کی تعیین نہ کی ہو؛ اگر کوئی بات متعین کی ہے تو اس بات کو پورا کرنا لازم ہے -

ایک یہ کہ یوں کہے کہ مجھے قسم ہے کہ ایسا ضرور کروں گا ؛ اگرچہ اس میں اللہ کا نام نہ لیا ہو پھر بھی یہ قسم ہوجائے گی - اگر قسم توڑدی تو کفارہ واجب ہوگا، بشرطیکہ اس طرح کہنے سے محض بتانا مقصود نہ ہو کہ اس پر کوئی قسم (پہلے سے) عاید ہے -

اور یہ کہ کوئی شخص اپنے اوپر حلال کو حرام کر لے ، مثلاً یوں کہنا کہ اس چیز کا کھانا مجھ پر حرام ہے - اس طرح کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہو جاتی ، لیکن اگر کھایا تو کفارۂ یمین دینا لازم ہوگا - اگر یوں کہا کہ میں یہ کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں پھر وہی کھانا کھایا تو اس سے کچھ لازم نہیں ہوتا ، کیونکہ پہلی صورت میں تو کھانے کو اس وقت اپنے پر حرام کیا جب کہ وہ موجود تھا - لیکن دوسری صورت میں اس کو کھانے سے پہلے حرام قرار نہیں دیاگیا -گویا اس کھانے کو حرام قرار دیا جو اس وقت موجود ہی نہ تھا (یعنی جو کھانا موجود تھا اس کو تو حرام اس وقت قرار دیا جاتا جب کہ کھایا جاتا) - اسی طرح اگر کسی حرام شے کو اپنے لیے حرام کیا بایں طور کہ یوں کہا کہ ←

← شراب پینا مجھ پر حرام ہے؛ اب اگر اس نے پی لی تو اس کا کفارۂ یمین دینا ہوگا بشرطیکہ قسم کھانے کی نیت کی ہو، لیکن اگر اس کا مقصد محض (حرمت شراب کی) اطلاع دینا تھا یا کچھ بھی ارادہ نہ تھا تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص کا مال مجھ پر حرام ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ ہر حلال شے، یا وہ شے جسے اللہ نے حلال کیا، یا مسلمانوں کو حلال ہے، وہ مجھ پر حرام ہے۔ اب اگر اس کی بیوی ہے تو اس کے متعلق قول مفتیٰ بہ (یعنی جس پر فتویٰ ہے) یہ ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑجائے گی۔ اگر کئی بیویاں ہوں تو ایک ہی طلاق سے سب بائنہ (یعنی نکاح سے خارج) ہوجائیں گی۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اگر قسم کھانے کے وقت کوئی بیوی نہ ہو تو قسم پڑ جائے گی اور کھانے پینے کے ساتھ ہی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارۂ یمین لازم ہوگا۔ بشرطیکہ یہ قسم آئندہ کے لیے ہو۔ اگر امر ماضی کے متعلق قسم ہو (یعنی یہ کہا ہو کہ میں نے ہر حلال کو حرام کر رکھا ہے) تو یہ قسم غموس (دانستہ کذب بیانی) ہوگی جب کہ قصداً جھوٹ بولنے ہی کا ارادہ ہو۔ اگر یہ ارادہ نہ تھا تو وہ قسم لغو ہوگی۔

منجملہ موجبات کفارہ کے یہ کہنا ہے کہ اگر ایسا کروں تو اللہ سے پھروں؛ اگر یہ قسم توڑی تو کفارہ لازم ہوگا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ میں رسول ؐ سے یا قرآن سے یا کتاب اللہ سے یا کتاب اللہ کی کسی آیت سے یا تمام آیات قرآنی سے پھروں تو اس پر کفارۂ حنث (یعنی قسم ٹوٹنے والا کفارہ) لازم ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کتب اربعہ سماویہ سے پھرنے کا ذکر کیا۔

اگر متعدد بار بری ہونے (پھرنے) کا لفظ استعمال کیا ہو تو جتنی بار کہا اتنی بار قسم ٹوٹی۔ چنانچہ اگر کہا کہ میں اللہ سے بری ہوں، رسول ؐ سے بری ہوں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر کیا تو دو حلف میں حانث قرار پائے گا۔ اگر اس پر اور اضافہ کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ؐ اس سے بری ہیں تو اس پر چار قسمیں عاید ہوں گی۔ اگر کہا کہ میں اسلام سے یا قبلے سے یا روزۂ ماہ رمضان سے یا نماز سے یا مسلمانوں سے بری ہوں تو یہ بھی قسم ہے؛ اس سے کفارہ لازم ہے۔ ←

← اور منجملہ موجبات کفارہ یہ کہنا ہے کہ اگر ایسا کروں تو گواہ رہنا کہ میں عیسائی ہوں یا یہودی یا نصرانی ہوں ، یا کافروں کے زمرہ میں ہوں یا کافر ہوں - اگر وہ کام کر لیا تو کفارہ لازم ہوگا بشرطیکہ وہ قسم کسی آئندہ کے کام کے متعلق ہو- لیکن اگر اس کا تعلق امر ماضی سے ہے اور اسے علم ہے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ امر واقعہ کے خلاف ہے تو یہ قسم غموس (دروغ حلفی) ہوگی اور قسم کھانے والا اگر اس بات کو قسم ہی خیال کرتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ اسے اسلام سے مرتد (پھرنے والا) قرار نہ دیا جائے گا اور اگر اس کو یقین ہے کہ وہ اس (بات کے کہنے) یا ایسی شرط لگانے سے کافر ہوگا تو ایسے حلف سے مرتد (خارج از اسلام) ہو جائے گا کیونکہ گویا وہ (دیدہ و دانستہ) کفر پر راضی ہے -

منجملہ الفاظ قسم کے یہ کہنا ہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے روزے یہودی کے روزے ہوں - اس روزے سے مراد اگر عبادت ہو تو یہ قسم ہوگی لیکن اگر اس سے مراد ثواب ہو تو یہ قسم نہ ہوگی - اگر یوں کہا کہ میں نے ایسا کیا تو آسمان پر اللہ نہیں ہے ، ایسا کہنے سے کفارہ لازم نہ ہوگا - اسی طرح یہ کہنے سے بھی کہ میں اللہ کی شہادت دیتا ہوں (یعنی اقرار کرتا ہوں یا خدا شاہد ہے) یا یہ کہنا کہ میں اس کے فرشتوں کی شہادت دیتا ہوں (یعنی اقرار کرتا ہوں یا اس کے فرشتے شاہد ہیں) یا یوں کہا کہ میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہوں (کفارہ لازم نہ ہوگا) -

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی قسم کھانے سے جو بہ شرایط قسم منعقد ہو جائے کفارہ لازم ہو جاتا ہے - نیز یمین غموس (دانستہ دروغ بافی) یعنی قسم کھاکر یہ کہنے پر کہ ”فلاں شخص کے ذمہ میرا اتنا کچھ واجب الادا ہے“ اور بار بار جھوٹی قسمیں کھانے پر بھی (کفارہ لازم ہوتا ہے) - اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر فلاں سے بات کروں تو اس قدر نذر دوں گا - ایسی قسم کو ”نذر اللجاج“ (یعنی نذر مخاصمت) کہتے ہیں - اس کی تفصیل آگے آرہی ہے - ایسا کہنے کے بعد اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو اس صورت میں تین رائیں ہیں : ایک رائے یہ ہے کہ اس شخص پر کفارہ لازم نہ ہوگا - دوسری یہ کہ جو نذر مانی ہے اسے پورا کرے - تیسرے یہ کہ اسے اختیار ہوگا ، چاہے تو کفارۂ یمین دے اور چاہے وہ←

کفارۂ یمین ادا کرنے کا طریقہ

کفارۂ یمین (قسم کا کفارہ) دس محتاجوں کو کھانا کھلانا، یا کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ ان میں کسی کو فوقیت حاصل نہیں ہے؛ لہٰذا ان تینوں باتوں میں جس طرح جی چاہے کفارہ ادا کیا جائے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی بات نہ کر سکتا ہو تو اب تین روزے رکھ سکتا ہے۔ اور روزہ اسی صورت میں رکھا جا سکتا ہے جب کہ ان تین باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکتا ہو۔ غرض کفارۂ یمین میں اختیار اور ترتیب کو دخل ہے یعنی قسم کھانے والے کو اختیار ہے دس محتاجوں کو کھانا کھلائے، یا کپڑے پہنائے، یا غلام آزاد کرے۔ لیکن روزے کے بارے میں اختیار نہیں ہے (کہ جی چاہے تو

→بات پوری کرے جس کی نذر مانی تھی، اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اگر کار خیر (عبادت) کے علاوہ کسی اور بات کی نذر مانی مثلاً یوں کہا کہ میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں چیز کھاؤں گا یا پیوں گا تو اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا۔ اگر کہا کہ فلاں جگہ جاؤں تو مجھ پر کفارۂ یمین یا کفارۂ نذر لازم ہے تو اس جگہ جانے پر کفارۂ یمین دینا ہوگا۔ اگر کہا کہ وہاں جاؤں تو مجھ پر نذر عاید ہوگی اور اس نذر کا تعین نہیں کیا تو اختیار ہے کہ کوئی خیر خیرات کردے یا کفارۂ یمین دے۔ اگر یوں کہا کہ اللہ نے میرے مریض کو صحت دی تو میں منت اتاروں گا تو اس صورت میں اسے کوئی کارخیر یا خیرات کرنا ہوگی جس کو وہ خود معین کرے گا، کیونکہ ثانی الذکر صورت 'نذر تبرر' (یعنی کار خیر کے لیے نذر ماننے) کی ہے لہٰذا کفارہ دے دینا کسی حال میں کافی نہیں ہے۔ اگر کہا کہ 'مجھ پر قسم ہے' تو یہ لغو بات ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اگر ایسا کروں تو میں یہودی ہوں یا اسلام سے خارج ہوں، یا اللہ یا قرآن یا رسولؐ سے جدا ہوں یا اور کوئی ایسی ہی بات کہی تو اس سے قسم منعقد نہ ہوگی، بلکہ وہ لغو بات ہے اور اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس حلف سے غرض کسی کام سے اپنے تئیں دور رکھنا ہے، یا کچھ بھی مقصد پیش نظر نہیں ہے تو کافر نہ ہوگا، البتہ ایسا کہنا سخت گناہ ہے لہٰذا چاہیے کہ اللہ سے توبہ استغفار کرے اور کلمہ پڑھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ہاں اگر دل میں اسی حال پر راضی رہنے کا ارادہ ہوا تو ایسے شخص پر فوراً کفر عاید ہو جائے گا۔

روزہ رکھ کر کفارہ ادا کر دے) - ادائے کفارہ کی ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کی کیفیت اور اس کی شرایط کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا کھلانے کے متعلق چند شرایط کو ملحوظ رکھنا چاہیے :

پہلی شرط یہ ہے کہ دس محتاجوں میں سے ہر محتاج کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو دیا جائے یا پھر ان کی قیمت دے دی جائے - گندم کا آٹا گندم کے دانوں کی مانند ہے ؛ پس گندم کی بجائے نصف صاع گندم کا آٹا دینا جائز ہے - اسی طرح جو کا آٹا جو کے دانوں کے برابر ہے ، لہٰذا اس کی بجائے ایک صاع جو کا آٹا دینا جائز ہے - لیکن ہر غذائی جنس جس کی صراحت شرع میں آئی ہے اس کے بدلے میں کوئی اور جنس جس کی صراحت نہ آئی ہو ، نہیں دی جا سکتی چنانچہ اعلیٰ درجہ کی نصف صاع کھجور کا ، گو اس کی قیمت ایک صاع گندم سے زیادہ ہو (گندم کے عوض میں) دینا جائز نہیں ہے -

واضح ہو کہ نصف صاع $1\frac{1}{3}$ قدح (پیمانے) کے برابر ہوتا ہے اور اباحت حاصل ہونا دے دینے کے برابر ہے بایں طور کہ دس مسکینوں کو صبح اور شام (دونوں وقت کا) کھانا کھلا دیا جائے -

دوسری شرط یہ ہے کہ (جنس کفارہ کی) پوری مقدار ایک ہی محتاج کو ایک ہی دن ایک ہی دفعہ یا دس دفعہ کرکے نہ دے دی جائے - پس ایک ہی شخص کو ہر گھنٹے کے بعد نصف صاع دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر ہر روز نصف نصف صاع دے کر پوری مقدار (یا قیمت) دس دن میں دی گئی تو جائز ہے کیونکہ ہر روز (خوراک کی) نئی ضرورت کے لاحق ہونے سے ایک مسکین کی حیثیت نئے محتاج کی سی ہے - اس طرح گویا دس مسکینوں کو غذا کی قیمت دی گئی -

تیسری شرط یہ ہے کہ تمام دس کے دس مسکینوں میں سے ہر ایک کو (دونوں وقت) صبح شام کا کھانا دیا جائے - پس اگر کسی ایک مسکین کو صبح کا کھانا کھلایا اور دوسرے کو شام کا کھانا کھلا دیا تو جائز نہ ہوگا ، کیونکہ اس طرح گویا دس آدمیوں کی غذا کو بیس افراد میں تقسیم کیا گیا - لہٰذا یہ عمل درست نہیں ہے - اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ ایک شخص کی خوراک دو آدمیوں میں بانٹ دی جائے ، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ پہلے کسی کو ←

← دیا گیا اسے نظرانداز کر کے دوسروں کو پوری خوراک دی جائے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مسکین کو صبح کا کھانا کھلایا جائے اور شام کو کھانے کی قیمت دے دی جائے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ہر روز صبح اور شام کا کھانا دیا جائے۔ ایک دن صبح کا اور دوسرے دن شام کا کھانا کھلانا جائز نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جائز ہے۔ چنانچہ اگر ماہ رمضان میں کفارہ دیا اور صبح کے کھانے کی بجائے اگلی شب کا کھانا دے دیا تو جائز ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ جو، یا مکی کی روٹی کے ساتھ سالن بھی دیا جائے تاکہ پیٹ بھر کر کھایا جا سکے۔ گیہوں کی روٹی میں یہ شرط نہیں ہے تاہم اس کے ساتھ سالن دینا مستحب ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ ان دس مسکینوں میں کوئی دودھ چھڑایا ہوا بچہ نہ ہو اور یہ کہ کھانے سے پہلے ان میں سے کوئی شکم سیر نہ ہو۔

لباس دینے کے بارے میں بھی چند امور کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

ایک یہ کہ وہ کپڑا اوسط درجے کے لوگوں کے مناسب ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ مضبوط ہو، کہ تین ماہ سے زائد عرصے تک پہنا جا سکے۔ پرانا کپڑا یا ایسا نیا کپڑا جو باریک ہو، اور جسے اتنے عرصے تک استعمال نہ کیا جاسکے، دینا جائز نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ (اس کپڑے سے) پورے بدن یا بیشتر حصۂ بدن کو ڈھانپا جاسکے، لہٰذا چوغہ، قمیص، چادر، قبا (دو پاٹ کا چوغہ) اور لٹکتا ہوا تہبند جس کی بکل ماری جا سکے دیا جا سکتا ہے۔ لیکن پگڑی یا پاجامہ دینا بقول صحیح جائز نہیں ہے۔ عورت کے لیے کپڑوں کے ساتھ اوڑھنی ضروری ہے۔ اگر کسی محتاج کو ایسا کپڑا دیا جو بیشتر حصۂ جسم کو نہ ڈھانپ سکے مثلاً پاجامہ، لیکن اس کی قیمت اتنی ہو جس میں ایک شخص کو کھانا کھلایا جا سکے یعنی نصف صاع گندم، یا ایک صاع کھجور کے برابر ہو تو وہ (کفارہ کے لیے) کافی ہے۔ ظاہر مسلک کی رو سے ایسا کپڑا دے کر کھانا کھلانے کی نیت کرنا شرط نہیں البتہ کفارہ کے صحیح ہونے کے لیے نیت بہرحال شرط ہے۔ ←

→ واضح ہو کہ اطعام بالتملیک (یعنی کھانے کا مالک بنا دینا) اور کپڑا پہنا دینا (ادائے کفارہ کے لیے) صحیح ہے۔ یہ تملیک سے پہلے اور تملیک کے بعد بھی جب تک کہ صدقہ کی چیز فقیر کے پاس موجود ہے، ہو سکتی ہے۔ لیکن اطعام بالاباحۃ (یعنی کھانے کو مباح کر دینا) بایں طور کہ مسکینوں کے سامنے کھانا ہو اور وہ اسے کھا لیں، اس کے بعد کھلانے والا کفارے کی نیت کرے تو جائز نہ ہو گا کیونکہ جو کھانا کفارے کے طور پر کھلایا تھا وہ نیت کے وقت مسکین کے پاس موجود نہ تھا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے کے بعد کفارے کی نیت تسلیم نہیں کی جائے گی۔ پس اگر پہلے غلام کو آزاد کیا اور آزاد کرنے کے بعد کفارے کی نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔ اور کفارے کی چیز ایسے شخص کو دینا جسے زکواۃ ناجائز ہے درست نہیں ہے۔ اس حکم سے ذمی محتاج اشخاص مستثنٰی ہیں۔ لہٰذا ان کو کفارہ کی چیز دی جاسکتی ہے تاہم مسلمان فقرا کو دینا مستحسن ہے،

(کفارہ میں) غلام آزاد کرنے کی شرط یہ ہے کہ پورے غلام کو آزاد کیا جائے، اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص غلام کا مالک ہو اور کفارے کی نیت ہو جیسا کہ ذکر ہوا۔ اس کے لیے اس غلام کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

اب رہا روزوں سے کفارہ ادا کرنا، سو اس کے لیے تین روزے مسلسل رکھنے شرط ہیں۔ اگر عورت اثنائے صوم میں ناپاک ہوجائے تو اس کا کفارہ ٹوٹ جائے گا۔

واضح ہو کہ روزے کا کفارہ صرف اسی حال میں مناسب ہے جب کہ کوئی شخص سابقہ تین طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے کفارہ نہ دے سکتا ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ اور یہ مجبوری اس وقت معتبر مانی جائے گی جب ادا کرنے کا وقت آئے نہ کہ اس وقت جب کہ قسم ٹوٹی ہو، چنانچہ اگر قسم ٹوٹنے کے وقت کوئی شخص مالدار تھا لیکن بعد میں مال جاتا رہا تو اب وہ روزے رکھ کر کفارہ دے سکتا ہے، خواہ وہ پھر مالدار ہو جائے، اس کے وہی روزے کافی ہو جائیں گے۔ کیونکہ ادائے کفارہ کے وقت وہ عاجز تھا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ عاجزی اس وقت تک رہنی چاہیے جب تک کہ کفارے کے روزے پورے نہ ہو جائیں، چنانچہ اگر دوسری طرح کفارہ دینے سے عاجز ہونے کے باعث کسی نے روزے رکھے اور دو ہی روزے رکھے تھے کہ تیسرا روزہ رکھنے سے پہلے وہ مالدار ہو گیا تو اب وہ روزے کفارے کے لیے کافی نہ ہوں گے۔ ←

واضح ہو کہ وہ شخص جس کے پاس اتنا مال ہو کہ گزارے کے اخراجات نکال کر کفارہ دے سکے اس کو صاحب مقدور قرار دیا جائے گا۔ گزارے کا مطلب یہ ہے کہ رہنے کے لیے گھر ہو، پہننے اور تن ڈھانپنے کے لیے لباس ہو اور اس دن کی خوراک ہو۔ اگر کسی کے پاس مال ہو اور جتنا مال ہے اتنا ہی قرضہ واجب الادا ہے تو اب اگر اس نے کفارہ دینے سے پہلے قرضہ چکا دیا تو روزے رکھے؛ اگر قرض ادا نہیں کیا تو اس صورت میں کہا گیا ہے کہ مال سے کفارہ ادا کرے اور یہ بھی کہا گیا کہ روزوں سے کفارہ دے سکتا ہے۔

خاوند کو یہ حق ہے کہ اپنی بیوی کو (جو مال سے کفارہ ادا نہیں کرسکتی) روزے رکھ کر کفارہ دینے سے باز رکھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (کفارہ میں) کھانا کھلانے کے لیے چند شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہیے: اول یہ کہ محتاج اور فقیر کو ایک مد (اناج) کا مالک بنا دے اور مد اوسط درجے کے لپ (دونوں ہاتھ بھر کر) کی مقدار ہوتا ہے جس میں دونوں ہاتھوں کو نہ بالکل کھلا رکھا گیا ہو اور نہ بالکل بند رکھا گیا ہو۔ ازروے پیمانہ تین مصری قدح کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ کفارۂ صیام میں ذکر کیا گیا۔ اور یہ شرط ہے کہ کھانا ان اجناس کی اقسام میں سے ہو جو صدقۂ فطر میں دی جا سکتی ہیں۔ یہ اجناس نو قسم کی ہیں: گندم، جو، سلت (چھلے ہوئے جو)، خشک انگور (منقیٰ)، باجرا، مکئی، جوار، چاول اور پنیر۔ یعنی خشک دودھ جو مکھن سے خالی ہو۔

جو لوگ شہر میں نہیں رہتے ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ ایک مد سے زیادہ دیا کریں، یہ شہر والوں کے لیے مستحب نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس مال کم ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (کفارۂ طعام) میں (مساکین) کو دو رطل بغدادی جو مصری رطل سے وزن میں کچھ کم ہوتا ہے روٹی دے دی جائے۔

کفارے میں بقول راجح بغیر سالن کے روٹی دینا کافی ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ سالن بھی ساتھ دیا جائے۔

یاد رہے کہ کھجور اور سبزی بھی سالن میں داخل ہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ مساکین کو دن میں دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے یا پھر دو وقت صبح کا اور دو وقت شام کا کھانا دیا جائے خواہ

← دو بار مسلسل ہو یا نہ ہو اور ان میں فاصلہ زیادہ ہو یا زیادہ فاصلہ نہ ہو ، اور خواہ دسوں مساکین کو اکھٹا کھلائیں یا متفرق طور پر ، اور خواہ سب کی خوراک یکساں ہو یا نہ ہو ۔ بعض لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ ان سب کی خوراک کا تقریباً یکساں ہونا شرط ہے ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جن فقیروں کو کھانا دیا جا رہا ہے وہ آزاد اور مسلمان ہوں ، اور اُن کا نفقہ کفارہ دینے والے پر واجب نہ ہو ؛ چنانچہ یہ جائز نہیں ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ، یا کوئی شخص اپنے محتاج بیٹے کو کفارے کی چیز دے ۔ ہاں یہ جائز ہے کہ بیوی اپنے خاوند کو یا اپنے محتاج بیٹے کو کفارہ کی چیز دے کیونکہ اس پر اُن کا نفقہ واجب نہیں ہے ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو بار بار نہ دیا جائے ، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ ایک ہی شخص کو دس مد (اناج) دس دنوں میں دے دیا جائے ، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں ۔ لباس کے بارے میں بھی یہی مسئلہ ہے ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ کم نہ کیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ ہر فقیر کو پورا پورا حصہ دیا جائے ۔ چنانچہ یہ جائز نہیں ہے کہ بیس مسکینوں کو دس مد بحساب فی کس نصف مد دے دیا جائے ۔ لہٰذا چاہیے کہ اُن میں سے دس مسکینوں کو مزید نصف نصف مد دے کر کمی کو پورا کر دیا جائے ۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ کفارہ دو یا زیادہ اقسام کو ملا کر نہ دیا جائے ۔ پس یہ جائز نہیں ہے کہ کفارے کی چیز میں کچھ کھانا ہو اور کچھ لباس ہو ، چنانچہ پانچ مسکینوں کو کھانا اور پانچ کو لباس دینے سے ادا نہ ہوگا ۔ سوا اس کے کہ ان میں سے پانچ کے کفارے کو باطل قرار دے دیا جائے ۔ اگر لباس کو باطل قرار دیا تو مزید پانچ آدمیوں کو کھانا دیا جائے ، یا اس کے برعکس ۔ ہاں ایک ہی جنس کی چیزوں کو اس طرح دہرایا جا سکتا ہے کہ کچھ کو مد (پیمانے) کے حساب سے اور کچھ کو 'رطل' (وزن) کے اعتبار سے دیا جائے ۔ لیکن چیز ایک ہی ہونی چاہیے ۔ اور دہرا کر دیے ہوئے کفارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ اُسی وقت مقدار کو پورا کیا جائے جب کہ وہ فقیر ←

← کے پاس موجود ہو ، بلکہ اُسے پورا کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ فقیر کے ہاتھ سے جاچکی ہو - یہی حکم مکرر دیے جانے کا ہے ، یعنی دس آدمیوں سے کم کو دیا گیا ہو (تو اُن میں سے بعض کو دوبارہ دے کر کفارہ پورا کیا جا سکتا ہے) - اس کمی کو جو دس آدمیوں میں سے زیادہ میں تقسیم کرنے سے پیدا ہوئی پورا کرنے کے لیے بعض اصحاب نے یہ شرط لگائی ہے کہ فقیر کو جو کچھ مل چکا ہے اور وہ اُس کے پاس موجود ہو (تب ہی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے) لیکن قول راجح یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے -

کفارہ میں لباس دینے کی شرط یہ ہے کہ اگر فقیر مرد ہے تو اتنا کپڑا ہونا چاہیے کہ اُس کے بدن کو ڈھانپ لے یا تہبند ایسا ہو جس میں نماز پڑھی جا سکے ، لہٰذا پگڑی دینا یا ایسا تہبند دینا جس میں نماز نہ ہو سکتی ہو ، جائز نہیں ہے - اگر عورت ہو تو اُسے کرتا اور دوپٹہ دیا جائے - کپڑے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اہل شہر کے متوسط طبقہ کے لباس جیسا ہو ، بلکہ اگر اوساطالناس کے لباس سے کم حیثیت کا ہو تب بھی کافی ہے - لیکن کھانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ کھانا اہل شہر کی غذا کے مطابق ہو ؛ مسکین کی خوراک کا لحاظ نہیں کیا جائے گا - اگر چھوٹی عمر والے کو لباس دینے کا ارادہ کیا تو بقول معتمد اتنا دینا چاہیے جو بڑے آدمی کو دیا جاتا - اسی طرح اگر کم عمر والے کو کھانا کھلانا ہو تب بھی اتنا دینا چاہیے جتنا بڑی عمر والے کو دیا جاتا ہے - اگر کوئی ایسا ہے جس کی خوراک دودھ ہے تب بھی ضروری ہے کہ اُسے بمقدار ایک مد کے یا دو رطل وزن کی روٹی کفارہ دیا جائے - یہی قول معتبر ہے - غلام آزاد کرنے کی صورت میں لازم ہے کہ وہ مسلمان ، صحیح سالم اور بے عیب ہو - اگر کوئی شخص ان تین باتوں یعنی کھانا کھلانے ، کپڑا دینے یا غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو کہ اس کے پاس اتنا کچھ نہ ہو کہ مساکین پر خرچ کر سکے تو اُسے چاہیے کہ تین روزے رکھے - ان روزوں کا مسلسل رکھنا مستحب ہے ، واجب نہیں ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ (کفارہ میں) کھانا کھلانے کے لیے تین امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے : اول یہ کہ ہر مسکین کو ایک ایک مد غذائی جنس دی ←

←جائے۔ یہ مقدار وزن میں ایک رطل اور ایک تہائی رطل (۱ $\frac{1}{3}$ رطل) یا نصف مصری قدح (پیالہ) اور کیلہ (ایک مصری پیمانہ) کے آٹھویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ معیاری رطل کا وزن ۱۲۸ $\frac{4}{7}$ درہم کے برابر ہوتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کھانا اُس شہر میں عام غذا کے طور پر کام آتا ہو جہاں پر حلف یمین اٹھانے والے کی رہائش ہے، خواہ وہ خود کفارہ دے یا اُس کی جانب سے کوئی اور شخص کفارہ ادا کر رہا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص کسی کی بجائے کفارہ ادا کر رہا ہو تو اُسے اپنے شہر کی غذائی اجناس میں ادا کرنا چاہیے۔ پس کھجور اور پنیر یعنی خشک دودھ جس کا مکھن نکال لیا گیا ہو، اگر اس شہر کے بیشتر باشندوں کی غذا، جیسا کہ صدقۂ فطر کے بیان میں بتایا گیا ہے نہ ہو، تو اُسے کفارے میں دینا جائز نہیں ہے۔

اشیاء کفارہ کی ترتیب از روے فضیلت یوں ہے: پہلے گندم، پھر بھوسی نکلا ہوا جو، یعنی شعیر نبوی۔ اس کے بعد (عام) جو، پھر مکی، پھر چاول پھر چنے، پھر مسور، پھر لوبیا، پھر کھجور، پھر خشک انگور یا انجیر (یا منقیٰ) پھر پنیر، پھر دہی، پھر دودھ۔

اگر شہر کے بیشتر باشندے صدقۂ فطر کی غذاؤں کے علاوہ کسی اور شے مثلاً 'گوشت' کے عادی ہوں تو کفارے میں اُس کو دینا جائز نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ تمام مساکین میں سے ہر ایک کو پورا ایک مد دیا جائے، لہٰذا اگر دس مد کی مقدار گیارہ مسکینوں کو دیا گیا تو کفارہ پورا نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دس مد پانچ اشخاص کو دیا تب بھی پورا نہ ہوگا۔ اگر پانچ مساکین کو کھانا دیا اور پانچ کو کپڑا دیا تو کفارہ کے لیے کافی نہیں ہے۔

کپڑے میں کفارہ دینے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ ایسی شے ہو جسے لباس کہا جائے اور جو بالعموم پہننے کے کام میں آتا ہو۔ مثلاً قمیض یا عمامہ یا خمار (اوڑھنی) یا کساء (دوتہی) یا فوطہ (انگوچھا)۔ پس اگر دس مسکینوں کا ارادہ کیا اور دس میں تقسیم کر دیا تو کافی ہے۔ اور موزہ اور دستانہ (جو←

← ہاتھوں میں پہنا جاتا ہے) اور جوتی اور پٹکا اور ٹوپی جس سے سر پیچ کی طرح سر کو ڈھکا جاتا ہے، کفارہ میں دینا کافی نہیں ہے۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ کپڑا مضبوط ہو جسے استعمال کیا جا سکے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ کپڑا نیا ہی ہو، بلکہ جائز ہے کہ وہ لباس پہنا ہوا ہو؛ خواہ دھلا ہوا ہو لیکن پھٹا ہوا نہ ہو۔

غلام آزاد کر کے کفارہ دینے کی شرط یہ ہے کہ جسے آزاد کیا جائے وہ مسلمان ہو اور اس میں ایسا کوئی عیب نہ ہو جو کام کرنے یا کمانے میں خلل انداز ہوتا ہو۔ اب اگر کوئی شخص ان تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی کفارہ دینے میں عاجز ہو کہ اس کے پاس اتنا کچھ نہ ہو کہ اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کے بیشتر حصۂ عمر کی ضروریات سے پس انداز ہو سکے، گو مالک نصاب ہو، تو اس صورت میں روزہ رکھ کر کفارہ دے سکتا ہے۔ اسے چاہیے کہ تین دن روزہ رکھے جس میں کفارہ کی نیت شرط ہے۔ اور بقول اظہر ان روزوں کا مسلسل رکھنا شرط نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کفارہ کے لیے کھانا کھلانے میں شرط یہ ہے کہ دس مسلمان اور آزاد مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے خواہ وہ چھوٹی عمر کے ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک مد گیہوں دیا جائے۔ اس کی مقدار ایک رطل عراقی پورا اور ایک تہائی رطل کے برابر ہوتی ہے۔ عراقی رطل ایک سو اٹھائیس درہم کا ہوتا ہے یا پھر نصف صاع کھجور یا جو یا منقیٰ (انگور خشک) یا پنیر یعنی شیر جمایا ہوا دیا جائے۔ نصف صاع مصری پیمانہ سے ایک قدح (پیالہ) کے برابر ہوتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ انھیں روٹی یا غلہ خراب یعنی کرم خوردہ، پرانے یا گیلے دانے دیے جائیں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ ان مسکینوں میں کوئی ایسا نہ ہو جس کی کفالت کفارہ دینے والے کے ذمہ واجب ہو، مثلاً بیوی ہو یا بہن جس کا کوئی خاوند وغیرہ نہ ہو، یا اس کی اصل یا شاخ میں ہو (یعنی باپ، دادا، پڑدادا، وغیرہ یا بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ ہو)۔ اس کی تفصیل کفارۂ صوم کے بیان میں آ چکی ہے۔

کفارے میں کپڑا دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ اتنا ہو کہ بدن کے اس قدر حصے کو ڈھک لے جس کا ڈھکنا نماز میں شرط ہے۔ مرد کو ایک لباس دیا جائے۔ ←

کفارۂ یمین کے ادا کرنے کا وقت

'کفارۂ یمین' قسم توڑنے سے پہلے اور بعد میں بھی دیا جا سکتا ہے - اس کے

→ خواہ پرانا ہو لیکن کمزور نہ ہو - اگر کپڑا پھٹ گیا اور بوسیدہ ہو گیا ہو تو وہ کفارے کے لیے سود مند نہ ہوگا - یا ایک قمیض (لمبا کرتا) دیا جائے جو ایسا ہو کہ اس میں فریضہ نماز ادا کیا جا سکے - اس کے لیے ستر عورت کی خاطر کچھ اور اضافہ ہونا چاہیے - محض ایک انگوچھے کا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی - ہاں پاجامہ دینا جائز ہے - عورت کو ایک قمیض تن ڈھانکنے کے لیے اور ایک اوڑھنی دی جائے کہ اس میں نماز پڑھی جا سکے - لہٰذا اگر ایک ہی کپڑا ایسا دیا گیا جس سے وہ اپنے بدن اور سر کو ڈھانپ سکے تو جائز ہے - یہ شرط نہیں ہے کہ کفارہ میں ایک ہی جنس کی اشیاء دی جائیں ، لہٰذا بعض مساکین کو گندم اور بعض کو کھجور دے دی جائے تو جائز ہے - اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو کھانا اور بعض کو کپڑا دیا جائے -

غلام (بردہ) آزاد کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اس میں عیب نہ ہو -

اگر کھانا کھلانے ، کپڑا دینے اور غلام آزاد کرنے سے معذوری ہو تو تین مسلسل روزے رکھ کر کفارہ دے ، بشرطیکہ اس دوران کوئی ایسا عذر لاحق نہ ہو جو مسلسل روزے رکھنے میں مانع ہو ، مثلاً ماہواری کا آ جانا -

روزے کے علاوہ کفارہ کسی اور طرح سے دینا اس حال میں واجب ہے جب کہ اس جیسی حیثیت کے اشخاص کی بنیادی ضروریات مثلاً رہنے کے لیے گھر ، سواری کے لیے جانور اور خدمات ناگزیر کے لیے خادم کے مصارف سے زیادہ ہو - اگر اس کے پاس ایسی شے ہو کہ اس کو کفارے میں لگا دے تو اسے کاروبار مثلاً تجارت میں مشکل ہو یا سامان خانہ ہو جس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے یا عورت کے زیور وغیرہ ہوں تو (کفارہ کے لیے) ان میں سے کسی چیز کو فروخت کرنا ضروری نہیں ہے ، بلکہ روزہ رکھ کر کفارہ دینا چاہیے -

متعلقہ مسائل ازروئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[۱]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قسم کے ٹوٹنے (حانث ہونے سے) پہلے کفارۂ یمین دینا مطلقاً صحیح نہیں ہے ، خواہ یہ کفارہ روزہ رکھ کر یا باقی تین طریقوں میں سے یعنی کھانا یا کپڑا دے کر یا غلام آزاد کر کے دیا جائے ، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہونے کا موجب قسم کا ٹوٹنا ہے اور موجب سے پہلے امر واجب کا انجام دینا صحیح نہیں ہے ۔ اگر کسی نے قسم ٹوٹنے (حانث ہونے) سے پہلے کفارہ دیا اور محتاجوں کو (صدقہ) دیا جا چکا ہے تو اب اسے واپس لینا جائز نہیں ہے ، کیونکہ یہ کام گویا کار ثواب سمجھ کر کیا گیا اور اس کا کفارے سے تعلق نہیں ہے ۔ چونکہ فقیر کو بخشش کرنے کے بعد تقرب اور ثواب حاصل ہو چکا ہے تو اب یہ نہ چاہیے کہ دیے ہوئے صدقہ کو واپس لے کر اسے ضائع کر دیا جائے ۔

کفارہ حانث ہونے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے ، اس کے دینے میں تاخیر کرنا گناہ ہے اور موت کے بعد بھی یہ اس کے ذمہ واجب رہتا ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا درست ہے خواہ اس کا حانث ہونا نذر مبہم کی حلف کا ہو یا قسم یا کفارہ کا یا اللہ کا نام لیا گیا ہو اور خواہ (حلف کے) الفاظ ''بر'' کے ہوں یا ''حنث'' کے (یعنی حلف منفی ہو یا حلف مثبت بموجب تفصیل سابقہ) ۔ لیکن اگر الفاظ حلف بر کے ہوں تو امام مالکؒ کے نزدیک زیادہ بہتر یہی ہے کہ قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ نہ دیا جائے ، اگرچہ پہلے دینا بھی جائز ہے ۔ اسی طرح اگر الفاظ حنث کے ہوں جس میں کسی مدت کا تعین ہو تو مستحب یہی ہے کہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے کفارہ نہ دیا جائے ۔

واضح ہو کہ بظاہر حانث ہونے کے ساتھ ہی فوراً کفارہ دینا واجب ہے ، لہٰذا حانث ہونا کفارہ واجب ہونے کی شرط ہے اور یمین (حلف) اس کا سبب ہے اور جب کفارے کا سبب (یعنی یمین) اس شرط (حنث) پر مقدم ہو تو اس سبب کی بنا پر (کفارہ کا) حکم لگایا جا سکتا ہے لیکن سبب سے پہلے (یعنی حلف سے پہلے ہی) کفارہ ادا کرنا بالاتفاق ناجائز ہے اور کفارہ ان شرائط کے ساتھ واجب الادا ہوتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ۔ ان شرائط میں مجبور نہ ہونا بھی ہے ۔ ←

→ شافعیہ کہتے ہیں کہ کفارۂ یمین (قسم) کے دو سبب ہوتے ہیں: ایک یمین (قسم) دوسرے "حنث" (قسم کا ٹوٹنا)۔ ان دونوں اسباب کے پورا ہونے یعنی یمین کے ٹوٹنے سے پہلے کفارہ دینا بشرطیکہ روزہ رکھ کر نہ ہو ، جائز ہے۔ لیکن قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارے کا روزہ رکھ لینا جائز نہیں ہے ، کیونکہ یہ ایک بدنی عبادت ہے لہٰذا واجب ہونے سے پہلے اس کا ادا کر لینا بغیر کسی خاص ضرورت کے جائز نہیں ہے جیسے ماہ رمضان کے روزے کہ رمضان سے پہلے جب کہ وہ واجب ہوتے ہیں ادا نہیں کیے جاسکتے۔ ہاں عبادت بدنیہ کا (واجب ہونے سے) پہلے کسی خاص ضرورت سے ادا کرنا جائز ہے جیسے وہ دو نمازیں جو بصورت تقدیم جمع کی جاسکتی ہیں۔ لیکن اس شے کا کفارہ جس کا ایک ہی سبب ہو جیسے رمضان میں مباشرت کر لینا ، ایسی صورت ہو تو واجب ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کفارۂ یمین پہلے دے دیا اور قسم نہیں ٹوٹی تو کفارہ دینے والے کو حق ہے کہ کفارے میں دی ہوئی شے واپس لے لے ، بشرطیکہ واپسی کی شرط ہو یا اس مسکین کو علم ہو کہ یہ کفارہ تعجیلی ہے (یعنی جو وقت سے پہلے ہی ادا کیا گیا)۔ اگر ایسا نہ ہو تو واپس لینا جائز نہیں ہے۔ اور قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے خواہ (وہ قسم توڑنے والا عمل) فعل حرام ہی ہو ، مثلاً وہ قسم امر واجب کو ترک کرنے یا فعل حرام کے ارتکاب سے ٹوٹی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کفارۂ یمین اور کفارۂ نذر حانث ہوتے ہی واجب ہوجاتا ہے اور حلف کرنے والے کو اجازت ہے کہ حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ دے دے۔ ایسی صورت میں اس شخص کو حانث ہونے کے بعد کفارہ دینے والا اور یمین کی پابندی کو قبل از وقت اٹھا دینے والا قرار دیا جائے گا ، کیونکہ کفارے کا سبب یمین ہے اور کفارے کو واجب کرنے والی شرط حانث ہونا ہے لہٰذا حانث ہونے سے پہلے کفارہ صحیح ہے۔ ہاں یمین سے پہلے کفارہ دینا درست نہیں ہے کیونکہ کسی شے کو اس کے سبب پر مقدم نہیں کیا جا سکتا ؛ البتہ حنث (قسم ٹوٹنے) سے پہلے کفارہ دینا درست ہے اگرچہ قسم توڑنے والا فعل حرام ہو ، مثلاً کوئی شخص حلف اٹھائے کہ شراب نہیں پیوں گا۔

واضح ہو کہ کفارہ خواہ روزہ رکھ کر ہو یا کسی اور طرح سے اگر پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو جائز ہے۔

متعدد قسموں کی صورت میں متعدد کفاروں کا بیان

اگر چند بار قسم کھائی جائے تو کفارہ بھی چند بار دینا ہوگا۔ اس کے متعلق مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

---

١ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں دو قول ہیں:

اول یہ کہ جتنی بار قسم کھائی اتنی ہی بار کفارہ ادا کیا جائے، خواہ وہ قسم ایک ہی جگہ پر کھائی ہو یا متعدد جگہوں پر۔ اگر وہ کہے کہ دوسری قسم بھی وہی ہے جو پہلے کھائی تھی تو اس کا یہ کہنا تسلیم نہ کیا جائے گا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ متعدد کفارے عاید نہ ہوں گے، لہٰذا اگر متعدد قسمیں ہوں تو وہ سب مل کر ایک ہو جائیں گی اور ایک ہی بار کفارہ ادا کرنے سے تمام قسموں کے کفارے ادا ہو جائیں گے۔ امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کو ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر متعدد بار قسمیں کھائی ہیں تو اس کی صورت یا تو یہ ہو گی کہ دوسری قسم کا کفارہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ پہلی قسم کا کفارہ یا پھر ایسا نہ ہوگا؛ اگر ویسا ہی ہو مثلاً کوئی کہے کہ اللہ کی قسم میں نہیں کھاؤں گا۔ اللہ کی قسم میں نہیں پیوں گا۔ اللہ کی قسم میں نہیں پہنوں گا تو ان سب کا کفارہ ایک ہی بار ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر قسم کا کفارہ ایک ہی جیسا ہے تو سب کا مل کر ایک ہی کفارہ ہوگا۔ قطع نظر اس کے تمام قسم توڑی یا کوئی توڑی اور کوئی باقی رکھی۔ اسی طرح وہ صورت ہے کسی نذر کے لیے حلف اٹھائی اور وہی قسم دو تین بار اٹھائی تو ان سب کا کفارہ اکھٹا ہو کر ایک ہی ہوگا، کیونکہ سب کے کفارے یکساں ہیں۔ لیکن اگر ان کے کفارے مختلف ہیں مثلاً اللہ کی قسم کھائی اور ظہار کی قسم کھائی تو کفارے بھی متعدد ہوں گے، کیونکہ دونوں کے کفارے مختلف ہیں (یعنی ایک کفارۂ یمین ہوگا اور دوسرا کفارۂ ظہار) لہذا ان دونوں میں تداخل نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی نے ایک قسم بار بار کھائی جس کا موجب بھی ایک ہے اور وہ کام ایک ہے جس کی قسم کھائی ہے، مثلاً یہ کہا کہ خدا کی قسم میں نہیں کھاؤں گا، قسم خدا کی نہیں کھاؤں گا، قسم خدا کی نہیں کھاؤں گا؛ تو اس کا ایک ہی ←

← کفارہ ہوگا کیونکہ اس کا موجب ایک ہے لہٰذا بار بار کی قسم ظاہر ہے کہ تاکید کے لیے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چند امور ہیں جن سے کئی کفارے لازم ہوتے ہیں :

اول یہ کہ قسم کھانے کے وقت ہی بار بار قسم توڑنے کا تصور ذہن میں ہو، مثلاً یہ کہا کہ اللہ کی قسم میں زید سے بات نہ کروں گا اور دل میں یہ خیال ہو کہ جب کبھی بات کروں گا ہر بار میری قسم ٹوٹے گی۔ ایسی صورت میں جس بات کی قسم کھائی ہے وہ کام جتنی بار بھی کرے گا اتنی ہی بار کفارہ دینا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ قسم کے الفاظ ایسے ہوں جو بالعموم مدعا کے اعتبار سے، نہ کہ الفاظ کی ساخت کے اعتبار سے بار بار قسم توڑنے کا مفہوم رکھتے ہوں، مثلاً کسی شخص نے وتر نہیں پڑھی اور اس کے ترک کرنے پر سختی کی گئی تو اس نے قسم کھائی کہ اسے ترک نہ کروں گا۔ ایسی صورت میں جب کبھی وہ وتر کو ترک کرے گا کفارہ لازم ہوگا، کیونکہ اس طرح کہنے سے بالعموم یہی سمجھا جائے گا کہ وہ شخص نہ تو بالکل ترک کرے گا اور نہ ایک بار بھی ترک کرے گا، لہٰذا گویا اس نے یوں کہا کہ جب کبھی وتر ترک کروں مجھ پر کفارہ لازم ہوگا۔

تیسرے یہ کہ کسی ایک بات کے لیے بار بار قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا کہ واللہ میں اندر نہ آؤں گا، واللہ اندر نہ آؤں گا، واللہ اندر نہ آؤں گا، اور دل میں بھی یہی خیال ہے کہ جب اندر آؤں گا تو سب کفارے واجب ہوں گے، تو اب اگر اندر آیا تو قسم کے مطابق تین کفارے لازم ہوں گے۔ لیکن اگر بار بار قسم کھانے کا مقصد ایک ہی بات کی محض تاکید تھی؛ کئی کفاروں کا خیال نہ تھا تو متعدد کفارے عاید نہ ہوں گے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر (اس تکرار سے) مقصد قسم کی تجدید تھی تو اس صورت میں اختلاف ہے اور مشہور قول یہ ہے کہ اس سے متعدد کفارے عاید نہ ہوں گے، خواہ قسم ایک ہی مجلس میں کھائی ہو یا متعدد مجلسوں میں کھائی ہو۔ اسی طرح اگر متعدد باتوں کی قسم کھائی، مثلاً کہا کہ ''قسم اللہ کی میں اندر نہ آؤں گا اور (فلاں کپڑا) نہیں پہنوں گا''۔ اب اگر دل میں یہ خیال تھا کہ اس سے متعدد کفارے ہوں گے تو متعدد ←

← کفارے لازم ہوں گے۔ اور اگر مقصد محض تجدید قسم تھا تو اس میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے اور مشہور قول یہ ہے کہ کئی کفارے عاید نہ ہوں گے۔ اور اس طرح کی قسم سے تاکید نہیں سمجھی جاسکتی، کیونکہ تاکید تو جب ہوتی جب ایک ہی بات کی بار بار قسم کھائی جاتی۔

چوتھے یہ کہ ایسے الفاظ میں قسم کھائی کہ وہ جمع کی صورت میں بار بار عمل کرنے کے معنے پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً یوں کہا کہ "اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر قسمیں اور کفارے عاید ہوں"۔ ایسا کہنے سے جمع کی کم سے کم تعداد یعنی تین کفارے لازم ہوں گے، بشرطیکہ اس سے زیادہ کفاروں کی نیت نہ ہو۔ اگر یہ کہہ دیا کہ مجھ پر دس کفارے ہوں گے تو دس ہی لازم ہوں گے۔

پانچویں یہ کہ جن الفاظ کے ساتھ قسم کھائی ہے وہ الفاظ اپنی ساخت کے اعتبار سے تکرار پر دلالت کرتے ہوں، مثلاً الفاظ 'کلما یا مہما' (یعنی جب کبھی یا جب جب بھی) میں ایسا کروں مجھے قسم لگے یا کفارہ واجب ہوگا۔ ایسی صورت میں جتنی بار وہ کام کیا جائے اتنی ہی بار کفارہ لازم ہوگا کیونکہ 'جب کبھی' یا 'جب جب' کے الفاظ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بار بار کے عمل پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر یوں کہا کہ جب کبھی میں ایسا کروں گا۔۔۔ تو اس صورت میں تکرار عاید نہ ہوگی، بلکہ پہلی بار وہ کام کرتے ہی قسم ختم ہوجائے گی۔ یہی قول راجح ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ قرآن، توریت اور انجیل کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا اور وہی کام کیا تو کفارہ کی تکرار عاید نہ ہوگی۔ اور اس طرح کہنے سے بھی کفارہ کی تکرار نہ ہوگی کہ "اللہ کی قسم میں اس شخص سے نہ کل بولوں گا اور نہ کل کے بعد۔" پھر دوبارہ قسم کھائی کہ میں کل اس سے نہیں بولوں گا اور اگلے روز اس سے بات کرلی تو اس پر صرف ایک کفارہ واجب ہوگا کیونکہ دوسری قسم کا تعلق پہلی قسم کے ایک جزو سے ہے۔ یعنی پہلی قسم میں دو باتیں ہیں: 'کل' اور 'کل کے بعد' اور دوسری قسم صرف کل کے لیے ہے۔ لہٰذا اس کا پہلی قسم کے ایک جزو سے تعلق ہے۔ اس کے برعکس اگر قسم کھائی کہ میں کل فلاں سے بات نہیں کروں گا اس کے بعد پھر قسم کھائی کہ نہ کل اور نہ کل کے بعد اس سے بات کروں گا اور اگلے روز بات کر لی تو اسے دو کفارے دینے ہوں گے کیونکہ دوسری قسم اس بات کا جزو نہیں ہے جس کی قسم پہلی بار کھائی ←

ان اصول کا بیان جن کا لحاظ قسم کے باب میں ضروری ہے

چند بنیادی اصول ہیں جن کو 'قسم بر' یا قسم حنث' (یعنی مثبت اور منفی قسموں) کے بارے میں فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ان امور میں نیت، عرف اور لفظ کے لغوی یا شرعی معنیٰ کا خیال اور ان اسباب کو پیش نظر رکھنا جن کی وجہ سے قسم کھائی گئی، شامل ہیں۔ ان تمام امور کی بابت مسالک فقہیہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

→ ہے۔ اگر کسی نے اس کے بعد بھی بات کی تو دو کفاروں سے زیادہ لازم نہ ہوں گے۔ لیکن اگر اگلے روز بات نہ کی بلکہ اس کے بعد بات کی تو صرف ایک کفارہ واجب ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یمین قسامہ، چاروں قسموں اور غموس کے قسم کی قسمیں متعدد بار کھائی جائیں تو متعدد کفارے عاید ہوں گے۔ ایسی قسم سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ فلاں شخص پر اس کا اتنا کچھ واجب ہے اور یہ حلف کئی بار اٹھائے (تو اتنی ہی بار کفارہ دے)۔

اگر کوئی کہے کہ جب بھی میں آپ کے پاس آؤں گا سلام کروں گا؛ اب اگر آ کر ہر بار سلام نہ کیا تو حانث ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔ اگر کہا کہ قسم خدا کی اس گھر میں نہیں جاؤں گا اور یہ قسم کئی بار کھائی تو کفارہ صرف ایک بار دینا ہوگا؛ اگرچہ کئی بار دیر دیر سے گھر میں داخل ہوا ہو۔ ہاں اگر پہلی بار کا کفارہ دے دیا ہے (تو اب دوبارہ داخل ہونے پر پھر کفارہ دینا ہوگا)۔

١۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ان امور کو ملحوظ رکھنے کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ان میں پہلی بات 'عرف' (یعنی مفہوم معروف) ہے اور یہ ان کے نزدیک عام اصول ہے جس پر تمام قسموں کی بنیاد ہے، لہٰذا دوسرے تمام اصول مذکورہ پر اس کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ قسم میں جس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے، دیکھنا چاہیے کہ اس کا عام مفہوم جو معروف ہے وہ کیا ←

← ہے ، خواہ وہ مفہوم خاص طبقہ میں معروف ہو یا عام لوگوں میں ۔ اس سے قطع نظر کہ اس لفظ کے لغوی یا شرعی معنے کیا ہیں ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ خدا کی قسم میں سر (سری) نہیں کھاؤں گا تو اگر اس نے وہ سر کھا لیا جو بھیڑ ، بکری یا گائے وغیرہ کا بازاروں میں فروخت ہوتا ہے تو حانث ہو جائے گا ۔ اس لفظ کے وہی معنے مراد ہوں گے جو عوام لفظ سری سے جو کھائی جاتی ہے سمجھتے ہیں ۔ پس اگر کسی پرندے مثلاً بطخ یا مرغابی کی سری کھائی یا چڑیا کا سر کھایا اور یا مچھلی کا سر کھایا ، بشرطیکہ بالعموم بازاروں میں اسے سر کے نام سے نہ بیچا جاتا ہو تو وہ شخص حانث نہ ہوگا ۔ حالانکہ لفظ سر اس پر بھی بولا جا سکتا ہے اور عام ہے لیکن اس لغوی معنے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا بلکہ وہی معروف معنے مراد لیے جائیں گے جیسا کہ بتایا گیا ۔

اسی طرح اگر کہا کہ قسم خدا کی میں وتد (میخ) پر نہیں چڑھوں گا ۔ اگر وہ شخص پہاڑ پر چڑھ گیا تو حانث نہ ہوگا ۔ اگرچہ قرآن میں پہاڑ کو وتد (میخ) کہا گیا ہے لیکن وتد کے معنی معروف پہاڑ کے نہیں ہیں ۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ (قسم میں) ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے اس کے مقصود معنی معروف سمجھے جا سکیں ۔ اگر کوئی معروف مفہوم عبارت سے سمجھا جائے بغیر اس کے کہ لفظ اس کی تائید کرتا ہو تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ ''قسم خدا کی میں اس دروازے سے باہر نہیں آؤں گا'' اب اگر وہ شخص دروازے سے تو نکلا نہیں بلکہ چھت کے اوپر سے آ گیا تو وہ حانث نہ ہوگا ، اگرچہ بالعموم اس طرح کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں آئے گا خواہ دروازے سے باہر آئے یا چھت کے اوپر سے ۔ لیکن عبارت میں ایسا لفظ استعمال نہیں کیا گیا جو اس معنی معروف کو ظاہر کرتا تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا ، کیونکہ عرف عام کا یہ کام نہیں ہے کہ جو لفظ مذکور نہ ہو اسے مذکور قرار دیا جائے ۔ اسی طرح اگر کہا کہ میں اسے درے نہیں ماروں گا اور (دروں کی بجائے) لاٹھی سے مارا تو حانث نہ ہوگا ، اگرچہ اس کا مطلب عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے قطعاً مارنے کی اذیت نہ دے گا ، نہ تو ←

← کوڑے سے اور نہ لاٹھی سے - لیکن چونکہ عصا (لاٹھی) کا لفظ اس میں مذکور نہیں ہے تو اُس کے مفہوم کو اس میں داخل نہ کیا جائے گا -

اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس مال کو میں دس میں نہیں دوں گا ، لیکن اُسے نو میں دے دیا تو حانث نہ ہو گا - کیونکہ گو اس طرح کہنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس سے معروف مفہوم مراد لیا جائے گا کہ وہ اس کو دس سے زیادہ میں بیچنا چاہتا ہے اور نو میں نہیں دے گا - لیکن چونکہ یہ مفہوم معروف لفظ سے ظاہر نہیں کیا گیا ؛ اُس نے صرف دس کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق نو پر نہیں ہوتا اور 'معروف مفہوم' کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ مذکور نہ ہو تو اُسے مذکور قرار نہ دیا جائے گا - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں اس مال کو دس میں نہ بیچوں گا اور گیارہ میں بیچ دیا تو حانث نہ ہوگا ، کیونکہ اس کا مدعا دس سے زیادہ میں بیچنے کا ہے ، دس میں بیچنے کا نہیں ہے - اور لفظ دس کا اطلاق صرف دس پر بھی ہوتا ہے اور اس پر بھی جس میں دس کے ساتھ کوئی اور عدد بھی شامل ہو - اور عرف میں یہ لفظ صرف دس کے لیے مخصوص ہوتا ہے ، کیونکہ یہی اُس کا مدعا تھا لہٰذا حانث نہ ہوگا - لیکن اگر قسم کھائی کہ اس مال کو میں دس میں نہیں خریدوں گا اور گیارہ میں خرید لیا تو حانث ہو جائے گا ، کیونکہ عام طور پر اس طرح کہنے سے یہ مدعا ہوتا ہے کہ وہ اس مال کو دس سے کم میں خریدے گا ، زیادہ میں نہیں خریدے گا ، اور یہ لفظ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے ، کیونکہ دس کا لفظ محض دس پر بھی بولا جاتا ہے اور اُس پر بھی جس میں دس کے ساتھ اور عدد بھی شامل ہو ، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ، لہٰذا گیارہ میں خریدا تو حانث ہو جائے گا - قسم ٹوٹنے کی شرط میں زیادتی قسم ٹوٹنے سے مانع نہیں ہوتی - اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں دس میں تو اس چیز کو نہ خریدوں گا اور سات میں خریدی تو حانث نہ ہوگا ، کیونکہ اس عدد میں نہ دس کا عدد مفرد حیثیت میں شامل ہے اور نہ کسی عدد کے ساتھ مل کر شامل ہے - ان مثالوں سے واضح ہے کہ قسم کی بنیاد الفاظ کے معروف مفہوم پر اور اُس مقصد پر ہے جس پر وہ الفاظ دلالت کرتے ہیں - لیکن وہ زائد معروف مقصد جو الفاظ سے ہٹ کر ہو اُس کا اعتبار نہیں ہے - ←

→ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس چیز کو دس میں نہیں فروخت کروں گا، اور گیارہ میں بیچ دیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کی بات سے جو مقصد بالعموم سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ دس سے زیادہ میں فروخت کرے گا، لہٰذا یہ مقصد (گیارہ میں بیچنے سے) حاصل ہو گیا۔ اور لفظ بھی اس مقصد پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ 'دس' کے لفظ کا اطلاق محض دس پر بھی ہوتا ہے اور اس پر بھی جس میں دس کے ساتھ اور کوئی عدد شامل ہو۔ اور بیچنے والے کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ محض دس میں نہ دے گا (بلکہ دس سے زیادہ میں بیچے گا)، لہٰذا گیارہ میں فروخت کیا تو حانث نہ ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ یوں کہا کہ میں اسے دس میں نہیں خریدوں گا، اس سے اس کی غرض یہی سمجھی جائے گی کہ نہ دس میں خریدے گا اور نہ دس سے زیادہ میں؛ کیونکہ اس کا مقصد کم قیمت میں خریدنا تھا لہٰذا زیادہ میں خریدا تو حانث ہو جائے گا۔

اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس چیز کو دس میں نہیں خریدوں گا اور نو میں خرید لیا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس نو کے عدد میں دس کا لفظ نہ مفرد حیثیت میں شامل ہے اور نہ عدد کے ساتھ مل کر۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اسے دس میں نہیں بیچے گا اور نو میں بیچ دیا (تب بھی حانث نہ ہوگا)۔

ایک لفظ کئی مفہوم رکھتا ہو اور قسم کھانے والا کسی ایک مفہوم کی تعیین کر لے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر آج وہ چل پڑے تو اس کی بیوی کو طلاق ہے اور چل پڑنے سے اس کا مطلب سفر ہو تو اس کے قول کو دیانتاً صحیح مان لیا جائے گا؛ اس لیے کہ چل پڑنے کے دو معنے ہیں: سفر میں جانا یا قیام گاہ سے چلنا، یا مسجد سے نکلنا وغیرہ۔ اب اگر ان معنوں میں سے کسی کا بھی ارادہ کیا تو دیانتاً اس کے قول پر بھروسا کرتے ہوئے تسلیم کر لیا جائے گا؛ لیکن اس پر محکمہ یا قاضی فیصلہ نہ دے گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک مقام پر سکونت اختیار نہ کرے گا، کیونکہ ٹھہرنے کے دو مفہوم ہیں: ایک تو کسی خاص گھر میں اکٹھے سکونت کرنا ←

← اور دوسرے کسی بھی گھر میں ساتھ ٹھہرنا ۔ اگر کوئی خاص گھر مراد ہے تو اس کو تسلیم کر لیا جائے گا، کیونکہ اس لفظ مشترک المعنیٰ میں اس مفہوم کا احتمال ہے ۔ لیکن اگر (پہلی مثال) میں چل پڑنے کا مقصد شام کے خاص سفر کا ارادہ ہو اور ایک ساتھ ٹھہرنے سے یہ نیت ہو کہ کرایہ کے مکان میں بھی اس کے ساتھ نہ رہے گا تو اس کو صحیح نہ مانا جائے گا؛ نہ لفظ ان معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور نہ اس مفہوم کا متحمل ہے ۔ اور لفظ کے معنی عام (معنی معروف) اسی وقت مانے جائیں گے جب کہ اس لفظ کو کسی اور معنے میں مجازاً استعمال نہ کیا جاتا ہو، مثلاً قسم کھائی کہ 'اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا' اس عبارت کے معنے تو گھر میں (واقعی) قدم رکھنے کے ہیں لیکن اس عبارت سے یہ معنے بالعموم نہیں لیے جاتے بلکہ اس کا استعمال مطلقاً گھر میں داخل ہونے کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اگر گھر میں داخل ہوئے بغیر اس گھر میں قدم رکھ دیا تو حانث نہ ہوگا ۔ ای طرح اگر کہا کہ ''واللہ میں اس درخت سے نہیں کھاؤں گا'' اور اس درخت میں پھل نہیں لگتے تو اس قسم کو اس درخت کی قیمت سے فائدہ اٹھانے کے مفہوم کی طرف پھیر دیا جائے گا ۔ لہٰذا اگر اس درخت میں سے کچھ کھا لیا (مثلاً پتہ یا چھال وغیرہ) تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ (اس عبارت سے) اس درخت کی لکڑی کے کھانے کا مفہوم عرف عام میں نہیں نکلتا ۔ پس ایسی حالت میں لفظ کو نہ دیکھا جائے گا (بلکہ مفہوم معروف مراد ہوگا) ۔

دوسری قابل لحاظ چیز نیت ہے ۔ الفاظ میں کئی مطالب کا احتمال ہوتا ہے ۔ نیت ان میں سے کسی ایک مطلب کو متعین کرتی ہے گو وہ مطلب معروف نہ ہو ۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں ''گھر نہ اجاڑوں گا'' اور دل میں مکڑی کے گھر کا ارادہ کیا تو اب اگر مکڑی کے گھر کو اجاڑا تو حانث ہو جائے گا، اگرچہ عرف عام میں یہ لفظ (گھر) مکڑی کے جالے کے لیے نہیں بولا جاتا؛ لیکن چونکہ قسم کھانے والے نے اس لفظ سے وہ معنی مراد لیے جس کی گنجائش لفظ میں تھی (گو عرف میں نہ تھی) لہٰذا نیت کا اعتبار کیا جائے گا ۔ غرض نیت (کسی لفظ کے) عام مفہوم کو خاص کر دیتی ہے ۔ اگر اللہ کی قسم کھانے والا مظلوم ہو تو اس کی نیت پر اعتبار کیا جائے گا، ←

→ چنانچہ اگر زبردستی کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ کوئی کام کرنے کی قسم کھائے اور اُس نے قسم کھائی لیکن اپنی قسم میں اُس کام کی نیت نہیں کی جس کے لیے اُسے قسم کھانے مجبور کیا گیا تھا تو قسم کھانے والا حانث نہ ہوگا۔ لیکن اگر حلف کرنے والا ظالم ہو تو اُس صورت میں حلف پر مجبور کرنے والے کی نیت پر اعتبار کیا جائے گا (یعنی جس مقصد کے لیے کسی ظالم کو حلف پر مجبور کیا جائے اُس مقصد کا تعین حلف دینے والا کرے گا)۔ اسی طرح اگر طلاق کے بارے میں کسی کو مجبور کیا جائے اور وہ شخص مظلوم ہو تو قسم کھانے میں جو نیت اُس نے کی ہے دیانتاً (یعنی اُسے مسلمان سمجھتے ہوئے) اُس پر اعتبار کیا جائے گا۔ بصورت دیگر (یعنی اگر مظلوم نہیں ہے) دیانتاً اور قضاءً (قانوناً) بہرحال اُسے حانث قرار دیا جائے گا بخلاف معنی معروف کے جس کا تعین دیانتاً اور قضاءً حلف اُٹھانے والا ہی کرے گا۔ یہی حال 'جنس' سے کسی 'نوع' کا ارادہ کرنے کا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی لفظ میں چند معنیٰ کا احتمال ہو تو اُن میں سے کسی ایک معنے کے تعین کا انحصار بھی نیت پر ہے۔ لیکن اگر خاص (مفہوم والے لفظ) سے عام (مفہوم) کی نیت ہو بایں طور کہ 'خاص' بولا جائے اور عام مراد ہو، مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فلاں کا پانی نہیں پیوں گا اور مراد اس سے قطعاً قطع تعلق ہو نی میں اُس کے کسی مال کا زیربار احسان نہ ہوں گا تو اس نیت کا کوئی اثر نہ ہوگا، کیونکہ لفظ میں اس معنے کا احتمال نہیں ہے۔ اور 'عام' بول کر 'خاص' مراد لینے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا، اور نیت کسی خاص غذا کے نہ کھانے کی ہو تو اس کی نیت کو دیانتاً تسلیم کیا جائے گا، قضاءً (قانوناً) نہیں۔ لیکن اگر کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا اور کھانے کا لفظ نہیں کہا اور نیت خاص غذا نہ کھانے کی بتائی تو اس کو نہ دیانتاً تسلیم کیا جائے گا نہ قانوناً، کیونکہ اس عبارت میں کوئی عام مفہوم کا لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کہا کہ میں اُسے پچاس (ضرب) لگاؤں گا (ماروں گا) اور دل میں ارادہ خاص کوڑے سے مارنا تھا تو وہ حانث نہ ہوگا خواہ کسی شے سے مارے، کیونکہ اس میں کوڑے کا لفظ نہیں تھا جس سے خاص کوڑا مراد لیا جاتا۔ چونکہ←

← نیت صرف بولے ہوئے الفاظ ہی میں ہو سکتی ہے ، لہٰذا اس حال میں (جب کہ لفظ عام بولا ہی نہیں گیا) نیت کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ نیز عام (مفہوم کے لفظ) سے خاص (مفہوم) کی نیت معتبر جب ہوگی کہ عام بول کر اُس عام کے کسی ایک فرد کی نیت کی جائے۔ اگر لفظ عام کے (کسی فرد کی نہیں بلکہ اُس کے) متعلقات میں سے کسی شے کی نیت ہو تو وہ نیت بے کار ہوگی۔ چنانچہ اگر یہ کہا کہ قسم خدا کی میں طعام (غذا) نہیں کھاؤں گا اور طعام کے متعدد افراد میں سے ایک فرد گوشت کے نہ کھانے کی نیت کی تو یہ نیت مؤثر سمجھی جائے گی ، کیونکہ غذا ایک ایسی چیز ہے جس کے تحت متعدد چیزیں ہیں ، مثلاً گوشت ، میوے اور روٹی وغیرہ۔ پس اگر اس عام مفہوم کے تحت ان اشیاء میں سے کسی ایک شے کی نیت کی تو درست ہے۔ لیکن اگر کسی ایسی شے کی نیت کی جو اس عام کے تحتی افراد سے خارج ہے ، گو اُس کے متعلقات میں سے ہو تو وہ نیت بے کار ہو گی ، مثلاً (ان الفاظ سے) دل میں یہ مراد لی جائے کہ میں خاص وقت یا مخصوص جگہ پر غذا نہیں کھاؤں گا۔ چونکہ وقت یا جگہ غذا کے افراد میں داخل نہیں ہے ، لہٰذا اگر دل میں اس کا ارادہ ہو تو بے کار ہے۔

جنس بول کر اس کی انواع میں سے کسی نوع کے مراد لینے کی مثال یہ ہے کہ قسم کھائی کہ کسی عورت سے شادی نہ کروں گا اور ارادہ یہ تھا کہ عورتوں کی جنس میں سے ایک خاص نوع مثلاً عربیہ کی نیت کی تو دیانتاً اسے مان لیا جائے گا کیونکہ انسان ایک جنس ہے جس کی مختلف انواع ہیں مثلاً عربی ، حبشی ، زنگی یا ترک وغیرہ لہٰذا اس جنس کے تحت جو مختلف انواع ہیں ان میں سے کسی نوع کا نیت میں خاص کر لینا درست ہے۔ اس کو ''انواع مختلفہ میں سے کسی نوع کی تخصیص'' بھی کہتے ہیں۔ اگر کسی نوع کی مختلف صفات ضروریہ میں سے کسی ایک صفت کو خاص کیا مثلاً یہ کہ وہ عورت مصریہ ، عراقیہ یا شامیہ ہو تو یہ نیت مفید نہ ہوگی ؛ نہ دیانتاً ، نہ قضاءً ، کیونکہ صفت کو عورت کے مفہوم میں دخل نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک خصوصیت ہے جو کسی خاص علاقہ میں رہنے کی وجہ سے ہوئی لہٰذا یہ نیت بیکار ہوگی۔

تیسرا امر (کسی لفظ کے) لغوی معنے ہیں۔ لیکن عرف عام میں کسی لفظ ←

→ کا جو مطلب لیا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ بجز اس صورت کے جب کہ وہ لفظ اپنے لغوی اور عرفی معنے میں مشترک ہو۔ ایسی صورت میں اس کے لغوی معنے ہی مراد ہوں گے، کیونکہ عرف کا تقاضا بھی یہی ہے یہی حکم شرعی معنی کے بارے میں ہے (کہ وہ بھی معنی معروف کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگا)۔

چوتھا امر وہ سبب ہے جس نے قسم کھانے پر آمادہ کیا؛ چنانچہ اگر کسی کے قسم کھانے کی بنیاد وہ صفت ہے جو اس شے میں پائی جاتی ہے جس کی بابت قسم کھائی، اور وہ صفت جاتی رہی تو اس کام کے کرنے سے وہ حانث نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ صفت زایل نہیں ہوئی اور یا یہ کہ قسم کھانے کے وقت ہی وہ صفت قطعاً موجود نہ تھی تو اس (قول کے توڑنے) سے حانث ہو جائے گا۔ ایسی صورت کی مثال جب کہ کسی شے کی صفت کی وجہ سے قسم کھائی اور وہ صفت جاتی رہی یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ میں تازہ انگور نہیں کھاؤں گا۔ اب اگر وہ تازہ نہ رہا اور سوکھ کر منقیٰ بن گیا تب اسے کھایا تو حانث نہ ہوگا، لیکن اگر اس کی رطوبت ہنوز زایل نہیں ہوئی (خشک نہیں ہوا) تو ظاہر ہے کہ اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔

اس صورت کی مثال کہ وہ صفت قسم کھانے کے وقت موجود ہی نہ تھی یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ قسم خدا کی میں اس بچے سے نہیں بولوں گا۔ یا اس (جانور) کے پیٹ میں جو میمنہ (بھیڑ یا بکری کا بچہ) ہے میں اسے نہیں کھاؤں گا تو اگر اس بچے کے بڑا ہو جانے پر اس سے بات کی یا میمنہ کے مینڈھا ہو جانے پر اس کا گوشت کھایا تب بھی حانث ہوجائے گا کیونکہ صغرسنی کی جو صفت بچے اور پیٹ کے میمنہ میں پائی جاتی وہ اشارہ کرنے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی اور محض اس ہستی کا اعتبار کیا جائے گا جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور وہ ہستی بہرحال چھوٹی عمر اور بڑی عمر دونوں حالت میں باقی ہے اس اعتبار سے (کہ اشارہ کرنے سے چھوٹی عمر کی صفت جو بچے یا میمنے میں پائی جاتی ہے، اس کا لحاظ جاتا رہا) گویا وہ صفت قسم کے وقت موجود ہی نہ تھی، لہٰذا قسم میں اس صفت کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس قسم کا باعث اس کا بچہ ہونا نہ ہو، بلکہ کچھ اور سبب ہو تو قسم کا رخ اسی سبب کی طرف موڑ دیا جائے گا، مثلاً یہ قسم کھائی ←

→ کہ میں اس بچے سے بات نہیں کروں گا ، اس اندیشہ سے کہ مبادا وہ اس کی ہتک کردے یا بایں لحاظ کہ وہ بیوقوف ہو - لیکن جب وہ بڑا ہو گیا اور یہ سبب (بات نہ کرنے کی قسم کھانے کا) جاتا رہا اور اس لیے اس سے بات کرلی تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ وہ بات جو قسم کھانے کے وقت تھی وہ جاتی رہی ، کیونکہ یہاں اشارہ ذات کی طرف موجود نہیں ہے تو وہ حانث نہ ہوگا - یہ مسئلہ مالکیہ کے ''مسئلہ بساط الیمین'' کے مشابہ ہے - (بساط الیمین کا مسئلہ قسم کے مفہوم کو پھیلانے سے متعلق ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) -

پانچواں امر ایسی بات کی قسم کھانا ہے جو کچھ عرصہ جاری رہنے والی ہو ، مثلاً کھڑے رہنا ، بیٹھنا ، پہننا ، ٹھہرنا ، سواری کرنا اور اسی طرح کے دوسرے امور ایسی باتیں ہیں جن کے جاری رہنے کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہے - چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ گھڑی بھر کھڑا رہا ، ایک دن بیٹھا ، مہینے بھر رہا اور اسے دو دن پہنا وغیرہ - اب اگر ایسی بات کی بابت قسم کھائی جو جاری رہنے والی ہے اور سر دست وہ اسی حال میں ہے ، مثلاً کہا کہ قسم خدا کی میں کھڑا نہ ہوں گا ، حالانکہ وہ کھڑا ہے؛ یا یوں کہا کہ اللہ کی قسم میں نہیں بیٹھوں گا ، حالانکہ وہ بیٹھا ہوا ہے؛ یا کہا کہ واللہ میں نہیں ٹھہروں گا ، اور ٹھہرا ہوا ہے تو اس بارے میں (حانث ہونے کی بابت) مختلف رائیں ہیں - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے کوئی سبب نہیں کہ قسم ٹوٹ جائے ، اور بعض کہتے ہیں کہ جس بات کی قسم کھائی ہے اسے فوراً پورا کرنا واجب ہے - صرف اتنی دیر معاف ہے کہ جتنی دیر میں وہ عمل کیا جاسکے - چنانچہ اگر سوار نہ ہونے کی قسم کھائی حالانکہ سوار ہے ، تو لازم ہے کہ فوراً اتر جائے ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی - اور اگر کھڑے ہونے کی حالت میں قسم کھائی کہ میں کھڑا نہ ہوں گا تو لازم ہے کہ معاً بیٹھ جائے ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی وغیرہ - اگر ایسی بات کی قسم کھائی جس حال میں وہ سردست نہیں ہے ، مثلاً قسم کھائی کہ سوار نہ ہوں گا اور سوار نہیں ہے پھر سوار ہو گیا تو سوار ہوتے ہی اور سواری پر قائم رہتے ہی حانث ہو جائے گا اور ہر اتنے وقفہ پر جس میں سواری سے اتر سکتا حانث ہوتا رہے گا - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بہرحال صرف اسی وقت قسم ٹوٹے گی جب سواری پر سوار ہوگا - بعضوں نے اسی قول کو ترجیح دی ہے - اور تحقیقی امر یہ ہے کہ ان ←

← تمام حالات میں عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر سواری پر رہنے یا کھڑے رہنے یا بیٹھے رہنے وغیرہ کو عرف عام میں سوار ہونا یا کھڑا ہونا اور بیٹھنا کہا جاتا ہے تو اس حالت پر قائم رہنے سے قسم ٹوٹ جائے گی، ورنہ نہیں ٹوٹے گی۔ اب رہیں ایسی باتیں جن میں ایک حال پر استمرار کا مفہوم نہیں ہے، مثلاً داخل ہونا، خارج ہونا، طہارت کرنا، نکاح کرنا وغیرہ؛ ایسے امور کی بابت اگر قسم کھائی اور وہ اسی حال میں ہے تو حانث نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ "شادی نہیں کروں گا" حالانکہ وہ شادی شدہ ہے، اور یا یہ قسم کھائی کہ "میں طاہر نہ ہوں گا حالانکہ وہ حالت طہارت میں ہے یا یہ کہا کہ "میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا" حالانکہ گھر میں موجود ہے، یا یہ کہ "اس گھر سے باہر نہ جاؤں گا" حالانکہ باہر ہی ہے تو اس حال میں رہتے ہوئے وہ حانث نہ ہوگا اس بارے میں کچھ اور قاعدے ہیں جن کو محل مناسب پر بیان کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قسم کے (تحقق) کے بارے میں پانچ اصول کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اول نیت۔ اس کو تمام اصول پر فوقیت حاصل ہے۔ نیت کے ذریعے لفظ عام کو مخصوص، مطلق کو مقید اور مجمل کو معین کیا جاتا ہے۔ لفظ عام یعنی وہ لفظ جس کے مفہوم میں وہ تمام افراد بلا تعیین شامل ہوں جن پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ خدا کی قسم میں گھی نہیں کھاؤں گا۔ اس میں گھی کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کے گھی کو شامل ہے۔ بکری کا، گائے کا، بھینس کا اور یا اونٹ کا۔ اب اگر قسم کھانے والے نے اس عام مفہوم میں سے کسی خاص گھی کی نیت کی تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ قسم کھانے والے نے اپنے دل میں صرف بکری کا گھی کھانے سے باز رہنے کا ارادہ کیا اور اس کے علاوہ گائے، اونٹ وغیرہ کا گھی روا رکھا، یا پھر اس کے دل میں صرف یہ ہے کہ بکری کا گھی نہیں کھائے گا باقی کسی اور قسم کے گھی کے خیال سے خالی الذہن تھا۔ ان دونوں صورتوں میں اس کی نیت معتبر اور مؤثر ہوگی۔ پہلی صورت میں تو اس کی نیت کے مؤثر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس نے در حقیقت اس لفظ کے معنی عام سے مخالفت کی نیت کی ہے۔ اس عام لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے دل میں (اس لفظ کی عمومیت کے پیش نظر) ہر ←

→ قسم کے گھی کا تصور موجود ہے ؛ لیکن نیت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ اس نے اپنے اوپر بکری کے گھی کے سوا گھی کی تمام اقسام کو روا رکھا ۔ ان دونوں میں سے ہر ایک حقیقی معنیٰ میں دوسرے کی نفی کرتا ہے ۔ بعض اصحاب نے (اس قسم کے حلف میں) منافات کا موجود ہونا شرط قرار دیا ہے ؛ ایسی صورت میں وہ شرط پائی جاتی ہے لہٰذا یہ نیت بلا اختلاف مؤثر متصور ہوگی ۔ دوسری مثال میں بھی بقول معتبر نیت کا اثر ہوگا ۔ اس لیے کہ نیت نے لفظ کے عام مفہوم کو خاص مفہوم میں بدل دیا ہے اور لفظ عام یعنی گھی سے خاص معنی یعنی بکری کا گھی مراد لیا ہے ۔ اس عام اور اس کے افراد کے ما بین حقیقی منافات نہیں ہے کیونکہ بکری کا گھی جو خاص مفہوم ہے لفظ 'گھی' کے عام مفہوم کا ایک فرد ہے ، اور عام مفہوم اور اس کے افراد میں کوئی منافات نہیں ہوتی ۔ ہاں یہ دونوں مختلف ہوتے ہیں اور یہی اختلاف (نیت کے مؤثر ہونے کو) کافی ہے ؛ حقیقی منافات کا پایا جانا شرط نہیں ہے ۔

مطلق (بول کر مقید مراد لینے) کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ ''قسم خدا کی میں آدمی سے نہیں بولوں گا'' اور نیت یہ کی کہ جاہل آدمی سے ، یا مسجد میں یا اس رات کو نہیں بولے گا ۔ لہٰذا اگر کسی عالم سے یا مسجد سے باہر آ کر یا دن کے وقت کلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں آدمی کی توقیر کروں گا اور دل میں ارادہ زید کا تھا تو کسی اور آدمی کی توقیر سے قسم پوری نہ ہوگی کیونکہ لفظ آدمی مطلق ہے لیکن اس نے 'زید' کی قید لگا دی تو اب قسم کے معنے یہ ہوئے کہ وہ زید ہی کی توقیر کرے گا (کسی اور کی نہیں) ۔

(قسم میں) لفظ مجمل کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے کہ زینب کو طلاق ہے اور اس کی دو بیویاں ہیں اور ان دونوں کا نام زینب ہے ، لہٰذا یہ لفظ مجمل (غیر واضح) ہے اب اگر اس نے کہا کہ میرا ارادہ اس زینب سے ہے جو فلاں شخص کی بیٹی ہے تو اس کو طلاق ہو جائے گی ۔ یاد رہے کہ اگر طلاق وغیرہ کی قسم ہو تو اس کے لیے (نیت سے تعین کی) شرط یہ ہے کہ اس لفظ عام یا لفظ مطلق میں اس مفہوم کا یکساں احتمال ہو جس کی نیت کی ہے ، مثلاً کسی نے اپنی بیوی کے لیے طلاق کی قسم اس طرح کھائی کہ جب تک بیوی کی حیات ہے ←

← دوسری شادی نہیں کرے گا اور اس سے مطلب اس کا یہ تھا کہ جب تک وہ بیوی اس کی زوجیت میں رہے گی (وہ دوسری شادی نہیں کرے گا) - اب اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی اور اس کے بعد شادی کر لی اور یہ بیان کیا کہ اس نے اپنی قسم میں یہ ارادہ کیا تھا کہ جب تک وہ بیوی زوجیت میں رہے گی (تب تک دوسری شادی نہیں کرے گا) تو اس کا قول قضاءً تسلیم کر لیا جائے گا ، کیونکہ لفظ حیات مفرد مضاف ہے اور یہ بیوی کی حیات کے ہر لمحہ کو عام ہے اس میں وہ وقت بھی ہے جب کہ وہ اس شخص کی زوجیت میں داخل ہے اور اس کے علاوہ دوسرے اوقات بھی شامل ہیں - لہٰذا ان اوقات میں سے اس خاص وقت کی نیت کرنا جس میں وہ اس کی بیوی رہی گویا عام کے افراد میں سے کسی فرد کو خاص کر لینا ہے اور لفظ کے مفہوم میں اس خاص وقت اور اس کے علاوہ کسی بھی خاص وقت کی نیت کرنے کی یکساں گنجائش ہے - لیکن اگر لفظ (عام) تمام افراد پر یکساں محتمل نہ ہوتا ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی : یا تو جس خاص بات کی نیت کی ہے وہ لفظ کے ظاہر مفہوم سے قریب تر ہوگی یا اس کے بہت مخالف ہوگی - اگر وہ بات لفظ کے مفہوم سے قریب تر ہوئی تو مفتی (شرع) مطلقاً اسے قبول کرے گا - خواہ یہ قسم اللہ کی ہو یا طلاق یا عتاق سے وابستہ ہو - اگر اللہ کی قسم ہے تو اسے قاضی (یا حاکم) بھی تسلیم کرے گا ؛ ہاں طلاق یا عتاق کے ساتھ وابستہ ہو تو (قضاءً) قبول نہ کی جائے گی - اگر اس کا ارادہ لفظ کے مفہوم سے بہت بعید ہے تو اس کا دعویٰ مفتی اور قاضی کوئی تسلیم نہ کرے گا -

کسی لفظ کے متعدد مفہوموں میں سے جس مفہوم کی نیت کی ہے اس کے دوسرے مفہوموں سے یکساں ہونے میں کسی قدر اختلاف کی مثال وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ، یعنی ''قسم خدا کی میں گھی نہ کھاؤں گا'' کہہ کر محض بکری کے گھی کی نیت کرنا - گھی کا لفظ عام ہے جو بکری کے گھی کو جس کے نہ کھانے کی نیت کی ہے اور دوسری اقسام کے گھی کو شامل ہے، لیکن لفظ کے ظاہری مفہوم سے عام طور پر بکری کا گھی مراد نہیں ہوتا بلکہ مثلاً بھینس کا گھی ہے تاہم بکری کا گھی اس مفہوم سے زیادہ بعید نہیں ہے (بلکہ صرف کسی قدر مختلف ہے) لہٰذا اس لفظ کا استعمال اس مفہوم میں خاص کر جب کہ نیت اسی کی ہو بقول معتبر صحیح ←

← ہے، قطع نظر اس کے کہ اس گھی کے علاوہ دوسرے گھی کو قسم سے خارج کرنے کی نیت رہی ہو یا نہ رہی ہو - یہ مثال اسی صورت میں (یہاں منطبق) ہے جب کہ گھی کے لفظ کا بیشتر استعمال بھینس یا گائے کے گھی کے لیے ہوتا ہو - لیکن اگر بکری کے گھی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تو ظاہر لفظ سے سب پر یکساں اطلاق متصور ہوگا (یہ مثال قریب بعید کی مثال نہ ہوگی) -

لفظ کے مفہوم ظاہر سے (نیت میں) زیادہ اختلاف کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میری بیوی طلاق یافتہ ہے یا حرام ہے اور طلاق سے وفات یافتہ بیوی کی طلاق مراد لی ہو یا حرام ہونے کا یہ مطلب ذہن میں ہو کہ اس کی بیوی کو یتیم کا مال حرام ہے تو ایسا ارادہ کرنا مفہوم لفظ سے بہت بعید ہے ، لہٰذا اس کو قاضی یا مفتی نہیں مانے گا تاوقتیکہ کوئی قرینہ اس ارادے کے صحیح ہونے کا موجود نہ ہو -

منجملہ اصول قسم کے دوسری چیز 'بساط یمین' (یعنی قسم کی توسیع) ہے - اس سے مراد اس سبب کا دیکھنا ہے جس نے کسی کو قسم پر آمادہ کیا ، پس اگر واضح طور پر کوئی نیت نہ ہو اور کوئی نیت متعین نہ کی جا سکے تو قسم کھانے کے سبب کو نیت قرار دیا جائے گا - اور وہی سبب نیت کی بجائے ہوگا اور وہی سبب نیت کی طرح عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرسکے گا ، مثلاً کسی شخص نے قصاب کی دکان پر ہجوم کو دیکھ کر کہا کہ قسم خدا کی آج رات گوشت نہ خریدوں گا - لیکن جب ہجوم ہٹ گیا یا کسی اور قصاب کی دکان سے جس پر ہجوم نہ تھا (گوشت) خرید لیا تو وہ حانث متصور نہ ہوگا ، کیونکہ جس سبب سے (گوشت نہ خریدنے کی) قسم کھائی تھی وہ سبب قسم کو ہجوم کے ساتھ خاص کر دیتا ہے - اسی طرح اگر کسی طبیب کو یہ کہتے سنا کہ مریض جانور کا گوشت نقصان دہ ہے اور قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو تندرست جانور کا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ وہ قسم مخصوص جانور کے گوشت کے لیے مخصوص تھی - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا مکان خریدوں گا لیکن مالک مکان نے مناسب قیمت پر فروخت کرنے سے انکار کر دیا تو بقول صحیح وہ حانث نہ ہوگا ، کیونکہ اس کی قسم (فی الواقع مطلق نہ تھی) بلکہ اس قید کے ساتھ ←

→تھی کہ اگر اُس کا مالک فروخت کرنے پر راضی ہوا - یہی صورت اس قسم کی ہے کہ میں اپنا مکان بیچ دوں گا ، لیکن اُس کی واجبی قیمت سے کم قیمت ملتی ہو (اور نہ بیچے تو حانث نہ ہوگا) - ایسا ہی اُس صورت میں کہ کوئی شخص لوگوں سے اُن کے مال کی زکواۃ وصول کرتا ہو تاکہ فقیروں میں تقسیم کر دے اور کوئی اُسے کہے کہ تو یہ پیسے اپنے لیے وصول کرتا ہے ؛ اس پر وہ شخص قسم کھا کر کہے کہ میں زکواۃ دینے کا ہی نہیں اور تعین نیت کچھ نہ تھی تو اب اگر وہ شخص خود زکواۃ دے تو حانث نہ ہوگا البتہ دوسروں کے لیے زکواۃ وصول کرنے سے حانث ہوگا - اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس سے اقرار نامہ کھویا جائے اور پھر بیوی کے طلاق کی شرط پر شہادت دے کہ وہ اقرارنامہ کھویا گیا ہے اور گھر میں نہیں ہے اس لیے اُس کے حق میں دوسرا اقرارنامہ لکھ دیا جائے لیکن بعد میں وہ اقرارنامہ گھر میں ہی مل گیا تو وہ حانث قرار نہ دیا جائے گا -

قسم کا تیسرا اُصول عرف (یعنی مفہوم معروف) ہے - اس کی دو قسمیں ہیں : عرف قولی (جس کی بنا قول ہو) اور عرف فعلی (جس کی بنا فعل ہو) - عرف قولی کسی بات کے متعارف مدعا کو کہتے ہیں ، مثلاً لفظ دابہ (جانور - چوپایہ) کا لفظ (عربوں میں) گدھے کے معنوں میں متعارف ہے اور لفظ مملوک (غلام) سفید فام (غلاموں) کے لیے خاص ہے اور لفظ ثوب (کپڑا) بولا جائے تو اس سے کرتا مراد ہوتا ہے - اب اگر کسی نے کہا کہ میں جانور نہیں خریدوں گا اور گھوڑا خریدا تو حانث نہ ہوگا ، بلکہ گدھا خریدنے سے حانث ہوگا - اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں غلام نہیں خریدوں گا اور (سفید فام غلام کی بجائے) ایک حبشی کو خریدا تو حانث نہ ہوگا - یا کسی نے قسم کھائی کہ میں ثوب (کپڑا یا لباس) نہیں خریدوں گا اور کوئی عمامہ خرید لیا تو حانث نہ ہوگا -

'عرف فعلی' وہ شے ہے جس کے استعمال سے لوگ متعارف ، ہوں مثلاً قسم کھائی کہ میں روٹی نہ کھاؤں گا اور کسی شہر کے لوگ صرف جو کی روٹی سے متعارف ہیں کہ جو کے سوا اور کچھ نہیں کھاتے ، حالانکہ روٹی کا لفظ جو اور گندم دونوں (کی روٹیوں) کے لیے مستعمل ہے - تاہم گندم کی روٹی →

دے. کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف فعلی نے اس لفظ کو جو (کی روٹی) کے لیے خاص کر دیا ہے - (اس مسئلہ میں) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرف فعلی سے تخصیص نہیں ہوتی، لہٰذا گندم کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی - لیکن 'پہلی بات' ظاہر ہے - یاد رہے کہ عرف کا لحاظ اُسی وقت ہوگا جب کہ نیت یا بساط (سبب قسم) موجود نہ ہو -

منجملہ اصول قسم کے چوتھی بات شرعی مدلول (مفہوم شرعی) ہے، چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ نماز نہ پڑھے گا یا طاہر نہ ہوگا یا زکواۃ نہ دے گا تو (ان الفاظ سے) ارکان شرعیہ مراد ہوں گے، لغوی معنے مراد نہ ہوں گے- لہذا اگر ظہر یا عصر وغیرہ کی نماز پڑھی تو حانث ہو جائے گا اور بقول راجح شرعی مفہوم کو ہمیشہ لغوی مفہوم پر ترجیح ہوگی -

پانچواں اصولی امر مدلول لغوی (لغوی معنے) ہیں چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ 'دابہ' پر سوار نہ ہوں گا تو کوئی بھی جانور جو دابہ (زمین پر چلنے والا) ہو اُس کی سواری کرنے سے حانث ہو جائے گا، خواہ وہ مگرمچھ ہی کیوں نہ ہو - اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں لباس نہیں پہنوں گا تو عمامہ پہننے سے بھی حانث متصور ہوگا - یاد رہے کہ لغوی معنے کا لحاظ اُسی حال میں کیا جائے گا جب کہ سابقہ بیان کردہ اصول میں سے کوئی موجود نہ ہو -

حنابلہ کہتے ہیں کہ قسم کے بارے میں سب سے پہلے نیت کا لحاظ کیا جائے - اور قسم کھانے والے کی نیت کو ملحوظ رکھنے کی دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ اُس کی طرف سے ظلم نہ ہوا ہو' اگر وہ ظالم ہے تو اس کی نیت کا اعتبار نہ کیا جائے گا، بلکہ قسم دینے والے کی نیت کا لحاظ ہوگا - دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی لفظ بول کر اُس کے جس مفہوم کی نیت کی ہے اُس کی گنجایش اُس لفظ میں موجود ہو - اب اگر وہ مفہوم قریب الفہم ہو یا قریب و بعید کے درمیان کا ہو تو قسم کھانے والا جو کہے اُسے دیانتاً اور قضاءً مانا جائے گا - لیکن اگر اُس کے مفہوم کا احتمال بعید ہو تو اُسے صرف دیانتاً مانا جائے گا - یعنی (بطور ایک مسلمان کے اُس کا کہا مان لیا جائے گا لیکن) اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے - اگر اُس لفظ میں اُس مفہوم کی گنجائش ہی ←

→ نہ ہو جس کی قسم کھائی ہے ۔ مثلاً قسم کھائی کہ میں روٹی نہ کھاؤں گا اور نیت یہ کی کہ گھر میں نہیں جاؤں گا تو اس نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔

جن صورتوں میں نیت کا اعتبار ہوگا اُس کی چند قسمیں ہیں :

منجملہ اُن کے یہ کہ عام (مفہوم کا) لفظ بول کر خاص (مفہوم) کی نیت کی جائے ، مثلاً کوئی قسم کھائے کہ گوشت نہیں کھاؤں گا ۔ ظاہر ہے کہ لفظ گوشت کے تحت متعدد گوشت آتے ہیں : بکری کا گوشت ، گائے کا گوشت ، اونٹ کا گوشت ، مرغی کا گوشت وغیرہ ؛ اب اگر کسی عام لفظ (گوشت) سے کسی ایک گوشت کی نیت کی تھی تو وہ نیت صحیح ہوگی اور اس بارے میں قسم کھانے والے کی بات مان لی جائے گی اسی طرح اگر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی اور دل میں نیت اُس کام کی کسی خاص وقت کے لیے تھی ، مثلاً قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھاؤں گا اور ارادہ یہ کیا ہے کہ 'آج' نہیں کھاؤں گا ۔ یا یہ کہا کہ قسم خدا کی میں نے نہیں کھایا ، مراد اس سے کسی خاص وقت میں نہ کھانا تھا ، تو ایسی صورتوں میں وہ نیت قابل اعتبار ہوگی اور اُس کی قسم کو اُس وقت کے لیے جس کی نیت کی ہے مخصوص قرار دیا جائے گا ۔

منجملہ ایسی صورتوں کے جن میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا یہ ہے کہ اُس نے جس بات کی قسم کھائی ہے وہ اُس کے خلاف ہو جو سننے والا سمجھا ، مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو تین بار طلاق یافتہ ہے اور نیت (طلاق کی نہیں کی بلکہ) بندش سے آزاد کرنے یا سینے پرونے کے کام سے آزاد کرنے کی تھی تو اُسے طلاق نہ ہوگی ، لیکن یہ معاملہ اللہ کے اور اُس کے درمیان رہے گا ، تاہم حاکم (قاضی) اُس کی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کیونکہ لفظ 'طلاق' کے جو معنے اُس نے لیے ہیں اُس کی گنجایش مشکل سے ہے ۔

ایک شرط یہ ہے کہ 'خاص' بول کر 'عام' مفہوم مراد لیا جائے مثلاً یوں کہا "کہ قسم خدا کی میں پیاسا بھی ہوں گا تو اس کا پانی نہیں پیوں گا" ۔ اس خاص عبارت سے اُس کی نیت یہ ہے کہ میں اُس کی کسی چیز سے استفادہ کا احسان مند نہ ہوں گا ، خواہ کھانا ہو یا کپڑا یا نقدی وغیرہ ۔ غرض عام مفہوم کے لیے خاص عبارت کا استعمال (نیت کے باب میں) درست ہے ۔ ←

→ تحقق قسم کے لیے دوسری چیز سبب ہے ، چنانچہ اگر جن الفاظ میں قسم کھائی ہے اُن میں سے کسی ظاہر لفظ سے نیت کا تعین ہو اور نہ الفاظ کے معانی میں ایسی کوئی گنجایش موجود ہو (جس سے نیت معلوم ہوتی ہو) تو اُس بات کو دیکھا جائے گا جو قسم کھانے کا سبب ہوئی - پس اگر کسی شخص کا کچھ قرضہ دوسرے پر ہے اور اُس نے سختی سے اُس کا مطالبہ کیا اور قرض دار نے قسم کھائی کہ اُس کا قرضہ اگلے روز ادا کر دے گا - لیکن اگلا دن آنے سے پہلے ہی وہ قرضہ چکا دیا تو اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ قسم جلد قرضہ چکانے کی بابت تھی اور (عجلت ادائے قرض) جو سبب ہے قسم کا ، یہی نیت پر دلالت کرتا ہے -

اگر ایسی صورت ہو کہ قسم سے نہ نیت کی تعیین ہوتی ہو اور نہ اُس کا سبب معلوم ہو تو قسم میں جس دن ادائے قرض کا وعدہ تھا اگر اُس سے پہلے یا اُس کے بعد قرض ادا کیا تو حانث ہو جائے گا -

تیسری چیز یہ ہے کہ جس شے کا قسم میں ذکر ہے اُس کی صفت تبدیل ہو کر اُس کا نام جاتا رہے پھر وہی صفت اُس میں واپس آ جائے ، مثلاً کسی درخت کا ٹہنا ٹوٹ گیا ، اور پھر نکل آیا یا قلم ٹوٹ کر پھر بن گیا ، یا کوئی گھر ڈھے جانے کے بعد پھر تعمیر ہو گیا - اب اگر کسی نے قسم کھائی تھی کہ میں اس ٹہنے کے سائے میں نہیں بیٹھوں گا اور وہ ٹہنا ٹوٹ کر پھر نکل آیا اور تب وہ شخص اُس کے سائے میں بیٹھا تو حانث ہوگا - اسی طرح قسم کھائی تھی کہ اس قلم سے نہیں لکھوں گا ؛ وہ قلم ٹوٹ گیا لیکن پھر بن گیا اور اُس سے لکھا تو حانث ہو جائے گا - یا قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا ، وہ گھر منہدم ہو گیا اور پھر تعمیر کر لیا گیا تو اُس میں جانے سے حانث ہو جائے گا -

چوتھی چیز یہ ہے کہ اُس شے کی صفت بدل جائے لیکن اُس کا نام نہ بدلا ہو - (تب بھی قسم باقی رہے گی) ، مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ گوشت بھنا ہوا نہیں کھاؤں گا اگر پکا ہوا کھایا تب بھی حانث ہو جائے گا - لیکن اگر قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنوں گا اور وہ کپڑا ایک چادر تھا پھر اُس چادر سے کوئی اور لباس سی کر بنا لیا اور اُس کو پہن لیا تو حانث نہ ہوگا ، کیونکہ اُس کے استعمال کے لیے اُس کی وہی حالت شرط تھی - ←

← پانچویں یہ کہ ان امور کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ وہ اسم کس مفہوم پر دلالت کرتا ہے - (دلالت کی) تین قسمیں ہیں: عرفی ، شرعی اور لغوی ، جسے حقیقی بھی کہتے ہیں - ان میں سب سے پہلے لفظ کے مدلول شرعی کا اعتبار کیا جائے گا - چنانچہ اگر قسم کھائی کہ صلواۃ نہیں پڑھوں گا اور اس لفظ سے کوئی خاص مفہوم خیال میں نہ تھا تو اس کی قسم میں جو لفظ صلواۃ آیا ہے اس کا شرعی مفہوم یعنی نماز لیا جائے گا ، لغوی معنے یعنی دعا نہ لیا جائے گا - ایسا شخص اگر جنازے کی نماز پڑھے گا تب بھی حانث قرار پائے گا کیونکہ شرع کی اصطلاح میں وہ بھی صلواۃ ہے - اور واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ نیت کرتے ہی وہ مصلی (صلواۃ پڑھنے والا) قرار پائے گا - اور اگر یوں کہا کہ بخدا میں نماز نہیں پڑھوں گا تو حانث نہ ہوگا جب تک کہ ایک رکعت پوری نہ پڑھ لے، کیونکہ نماز کا اطلاق ایک رکعت پر ہی ہوتا ہے - نیز قسم اسی صورت میں ٹوٹے گی جب کہ نماز صحیح طور سے ادا کی گئی ہو- لہٰذا اگر طہارت کے بغیر یا تکبیر تحریمہ کے بغیر پڑھی تو حانث نہ ہوگا - یہی حال دوسرے عقود کا بھی ہے - اگر عمل درست نہ ہو بلکہ فاسد ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی ماسوائے حج کے کہ اگر حج فاسد ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی -

شرعی معنی کے بعد عرفی معنے کو لغوی معنے پر فوقیت دی جائے گی ، چنانچہ اگر قسم کھائی کہ فلاں کا حق (یا قرض) کل ادا کروں گا اور غرض (نیت) ٹال مٹول ہے (فی الواقع اگلے روز ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے) ، لیکن اگلا دن آنے سے پہلے ہی ادا کر دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ قسم کا انحصار نیت پر ہے اور یہ عمل نیت کے خلاف ہوا - اگر قسم کھائی کہ یہ مال ایک سو میں فروخت کروں گا اور سو یا اس سے زیادہ میں فروخت کیا تو حانث نہ ہوگا ؛ اس سے کم میں فروخت کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ ، قرینۂ حال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نیت زیادہ قیمت میں بیچنے کی تھی - اس کے برعکس اگر قسم کھائی کہ میں سو میں نہیں خریدوں گا اور سو میں یا اس سے کم میں خریدا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور زیادہ میں خریدا تو ٹوٹ جائے گی کیونکہ قرینہ حال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نیت کم میں خریدنے کی تھی - اور اگر قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنوں گا کیونکہ اس میں کسی کا احسان مند ہونا ہے لہٰذا اسے →

←فروخت کر دیا اور اُس سے کوئی اور کپڑا خرید کر پہن لیا تو حانث ہو جائے گا۔ ہاں اگر اُسے اس طرح بیچا کہ احسان مند ہونے کا شائبہ نہ رہا اور یا یہ کہ اُس کپڑے کو (قیمت دے کر) خرید لیا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ زیر بار احسان ہونے کا تصور (جس کے باعث نہ پہننے کی قسم کھائی تھی) جاتا رہا۔

قسم میں چھٹی چیز قابل اعتبار اشارہ سے کسی شے کا تعین کرنا ہے۔ چنانچہ اگر قسم کھانے کی کوئی نیت نہ ہو اور نہ قسم کا سبب معلوم ہو تو اشارہ کا لحاظ کیا جائے گا، کیونکہ اشارہ سے بھی مقصد کا تعین ہوتا ہے اور قسم کھانے والے کی غرض پر لفظ کے مفہوم و معنے سے بڑھ کر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر معین شے کے متعلق قسم کھائی مثلاً کہا کہ قسم خدا کی میں یہ انڈا نہیں کھاؤں گا تو اس انڈے کو کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی، بشرطیکہ اس نے کسی اور مفہوم کی نیت نہ کی ہو جو اس لفظ سے نکلتے ہوں اور نہ کوئی امر ایسا ہو جسے اس قسم کا سبب قرار دیا جا سکے۔

واضح ہو کہ اگر کسی معین چیز کی بابت قسم کھائی اور اس چیز کی صفت (یا خصوصیت) جاتی رہی، مثلاً یہ قسم کھائی تھی کہ یہ انڈا نہیں کھاؤں گا اور وہ انڈا اب چوزہ بن گیا تو اس تبدیلی صفت کی تین صورتیں ہوں گی: ایک صورت یہ ہے کہ اس کی خصوصیت جاتی رہی، اس کے اجزا تحلیل ہوگئے اور نام بدل گیا جیسے انڈے کے اجزا تبدیل ہو کر وہ چوزہ بن جائے۔ یا گندم کھیت، اور شراب سرکہ بن جائے تو اس صورت میں چوزہ یا کھیتی کے کھانے یا سرکہ پینے سے وہ شخص حانث ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صفت جاتی رہے اور اس کے ساتھ نام بھی جاتا رہے لیکن اس کے اجزا باقی رہیں، مثلاً تازہ کھجور چھوہارا یا شیرہ بن جائے یا اسے پکا کر مربا بنا لیا جائے۔ اس طرح اجزا معدوم نہیں ہوتے لیکن اس کی صفت بدل جاتی ہے اور نام بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر قسم کھائی تھی کہ اس کھجور کو نہیں کھاؤں گا اور چھوہارے یا مربے کی شکل میں کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس بچے سے گفتگو نہیں کروں گا اور اس کے بڑا ہو جانے پر اس سے بات کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ گو صفت جاتی رہی اور نام بھی بدل گیا (یعنی اب وہ بچہ نہیں رہا) لیکن اس کے اجزا←

→ باقی ہیں - ایسی ہی ایک مثال یہ کہنا ہے کہ میں اس میمنہ (بکری کے بچہ) کو نہیں کھاؤں گا لیکن جب وہ بکرا ہو گیا تو اس کا گوشت کھا لیا - اسی طرح قسم کھائی کہ اس گندم کو نہیں کھاؤں گا اور اس کا آٹا کھایا یا حلیم کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی -

تیسری صورت نسبت کا بدل جانا ہے ، مثلاً کسی نے کہا کہ قسم خدا کی میں فلاں شخص کے اس گھر میں نہیں جاؤں گا اور وہ گھر اس نے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا ، یا کہا کہ قسم خدا کی میں اپنی بیوی سے بات نہیں کروں گا پھر اسے طلاق ہو گئی ، اب طلاق ہو جانے کے بعد اس سے بات کی یا اس گھر کے فروخت ہو جانے کے بعد اس میں داخل ہوا تو وہ حانث قرار پائے گا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائی تو اس کو مفہوم معروف پر مبنی خیال کیا جائے گا- خواہ وہ مفہوم مجازی ہو اور خواہ وہ مفہوم مجازی متعارف ہو یا نہ ہو- لیکن اگر طلاق کی قسم کھائی تو اس لفظ کے مفہوم کو اس کے لغوی معنے پر مبنی خیال کیا جائے گا اور معنی عرفی کا لحاظ نہ کیا جائے گا - چنانچہ اگر کہا کہ قسم خدا کی میں اس پیڑ سے نہیں کھاؤں گا تو اس کا پھل کھانے سے حانث ہوجائے گا، حالانکہ لفظ 'پیڑ' کا حقیقی مفہوم اس کی شاخیں، اور پتے ہیں، لیکن چونکہ یہ عبارت عرف میں درخت کے پھل کے لیے استعمال ہوتی ہے اس لیے اس کا وہی مفہوم معروف لیا جائے گا اسی طرح اگر کسی حاکم نے قسم کھائی کہ اپنے گھر کی تعمیر نہیں کروں گا اور کسی دوسرے شخص نے اس کی تعمیر کردی تو قسم ٹوٹ جائے گی - اور اگر قسم کھائی کہ اپنا سر نہیں مونڈوں گا لیکن اس کے کہنے سے کسی اور نے سر مونڈا تو مفہوم معروف کے پیش نظر بقول معتبر وہ حانث ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے اپنے دل میں کچھ اور نیت نہ کی ہو ایسا ہوا تو اس کی نیت پر عمل ہوگا - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ بخدا میں یہ انڈا نہیں کھاؤں گا اور اسے بغیر چبائے نگل گیا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ نگل لینا بھی عرف میں کھانا ہی ہے - اور طلاق کے بارے میں جو قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کی بنیاد لغوی معنے پر ہوتی ہے ، معنئ معروف پر نہیں ہوتی جیسا کہ بتایا گیا - لیکن تمام قسموں میں نیت پر اعتبار کیا جاتا ہے، بشرطیکہ ایسی نیت نہ ہو جس کا احتمال اس لفظ سے نہ ہو سکتا ہو - اور یہ بات پہلے بتا دی گئی ہے کہ اگر کسی ←

کھانے پینے کے بارے میں قسم کھانے کا بیان

اس عنوان کے تحت اور اس کے بعد ایسے مسائل کا ذکر کیا جائے گا جو اصول مذکورۂ بالا پر مبنی ہیں۔ ان مسائل میں سے بعض ایسے ہیں جو دوسرے مسائل کے لیے اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو دوسرے اصول پر مبنی ہیں۔ ان مسائل کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[۱]

← نے کہا کہ 'اللہ' میں نے ایسا نہیں کیا اور ان الفاظ سے یہ نیت کی کہ وہ اللہ ہے تو قسم منعقد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کہا کہ باللہ میں نے ایسا کیا اور اس سے مراد (قسم نہیں) بلکہ مطلب یہ تھا کہ "اللہ کی مدد سے" میں نے یہ کیا تو اس کی یہ بات دیانتاً قبول کر لی جائے گی قضاءً نہیں مانی جائے گی۔ کیونکہ قسم میں توریہ (ابہام سے کام لینا) درست ہے لیکن توریہ حاکم کے سامنے روا نہیں ہے اگر نیت ایسی بات کی ہو جو امر محال ہو تو وہ قسم بیکار ہوگی مثلاً قسم ہے جناب رفیع (بارگاہ اعلیٰ) کی اور اس لفظ سے مراد اللہ کی ذات لی تو یہ قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ لفظ 'جناب' کے معنے انسان کے گھر کے سامنے کا میدان ہے اور اللہ تعالیٰ کے باب میں یہ تصور محال ہے۔ اور ایسے محال تصور کی قسم بیکار ہے۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف عام میں اسے نماز نہیں کہتے، اگرچہ شرعی اصطلاح میں یہ نماز ہے لیکن چونکہ قسم کے باب میں عرف مقدم ہے۔ لہذا وہ حانث متصور نہ ہوگا جب تک کہ ٹھیک ٹھیک نماز جس میں رکوع، سجود ہوں نہ پڑھی جائے۔ ہاں نماز فاسد ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی یہی حال دوسرے عقود کا بھی ہے کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا تو جب تک صحیح طور پر وہ کام نہ کیا جائے حانث نہ ہوگا۔ بجز عمل حج کے۔ البتہ اگر قسم میں یہ بات تھی کہ میں حج فاسد نہیں کروں گا تو حانث ہو جائے گا۔

---

۱ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ میں یہ روٹی نہیں کھاؤں گا اور اس میں سے ایک لقمہ بھی کھا لیا تو بقول مشہور حانث ہوجائے گا اگرچہ یہ کہا ہو کہ پوری روٹی نہیں کھاؤں گا۔ یہ مسئلہ اسی صورت میں ہے جب کہ کوئی اور نیت نہ رہی ہو اور نہ قسم کا کوئی سبب رہا ہو۔ بصورت دیگر ان ←

← تمام باتوں پر عمل کیا جائے گا جو اوپر بیان کی گئیں ۔ اس کے برعکس اگر قسم کھائی کہ میں اس روٹی کو کھاؤں گا اگر پوری نہ کھائی تب ہی حانث ہوگا ۔ محض ایک لقمہ کھانے سے قسم پوری نہ ہوگی اگرچہ قسم میں پوری روٹی کھانے کو نہ کہا ہو ۔ غرض یہ ہے کہ کسی ایسی شے کے ترک کرنے کی قسم کھائی جس کے اجزا ہیں تو اس کے کسی ایک جزء پر عمل کرنے سے حانث ہو جائے گا قطع نظر اس کے کہ اس شے کے کل کا ذکر کیا ہو یا کچھ حصہ کا بشرطیکہ اس بارے میں نیت نہ کی ہو ۔ یہی قول مشہور ہے ۔ اگر کسی ایسی شے کے کرنے کی بابت قسم کھائی جس کے اجزا ہیں تو اس کے کسی ایک جزو کے ترک کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ کچھ نیت نہ ہو یا کوئی قرینہ ایسا موجود نہ ہو جو اس کے ارادہ کو ظاہر کرتا ہو ۔ اگر قسم کھائی کہ رات کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور آخر شب سحری کھا لی تو قسم نہیں ٹوٹے گی جب تک کہ پوری رات کھانا نہ کھانے کی نیت نہ کی ہو ۔ اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو مچھلی یا پرندے کا گوشت کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی بجز اس صورت کے جب کہ کوئی نیت کی ہو یا اس کی قسم کا کوئی سبب ہو ۔ اگر انڈا نہ کھانے کی قسم کھائی ہے تو مچھلی یا پرندے کا انڈا 'بطارخ' یا مگرمچھ اور کچھوے کا انڈا کھایا یا قسم کھائی کہ عسل (شہد یا شیرہ) نہیں کھاؤں گا لیکن وہ عسل جو تازہ پھلوں مثلاً گدرائے ہوئے کھجور اور انجیر سے نکلے کھایا تو حانث ہوجائے گا ، بشرطیکہ یہ پابندی نہ کردی ہو کہ اس کی نیت بکری کے گوشت ، مرغی کے انڈے اور سرکنڈے کے شہد سے ہے ۔ یا پھر یہ کہ اس کی قسم کا کوئی سبب ہو یا عرف عام میں اس کا کوئی مفہوم ہو ، جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا ۔ چونکہ اب عرف میں گوشت سے بھیڑ بکری کا گوشت اور انڈے سے مرغی کا انڈا اور عسل سے بانس کا رس یا شہد کی مکھی کا یا شکر کا شہد (یا شیرہ) مراد ہوتا ہے تو (اس عرف عام کے خلاف) اور شے کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ بجز اس صورت کے جب کہ یہ اشیاء خاص کر کھائی جاتی ہوں ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھاؤں گا اور نان پاؤ ، پیسٹری ، یا کیک کھایا تو آج کل کے عرف کی بنا پر حانث نہ ہوگا کیونکہ ہمارے عرف میں اس کو روٹی نہیں کہا جاتا ۔ اسی طرح اگر نان پاؤ یا ←

← کیک وغیرہ مخصوص اشیاء کے نہ کھانے کی قسم کھائی اور روٹی کھا لی تو حانث نہ ہوگا - اگر قسم کھائی کہ لحم غنم نہیں کھاؤں گا تو بھیڑ یا بکری کسی کا بھی گوشت کھانے سے حانث ہو جائے گا - اگر مرغی کا گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو مرغی کا ہو یا مرغ کا اس گوشت کے کھانے سے حانث ہو جائے گا - اگر قسم کھائی کہ گھی نہیں کھاؤں گا اور ایسی کوئی شے کھائی جو مکھن سے تیار ہو جیسے کیک یا 'کھانا' تو قسم ٹوٹ جائے گی - یہی قول مشہور ہے، خواہ منہ سے گھی کی خوشبو آئے یا نہ آئے - اسی طرح اگر زعفران نہ کھانے کی قسم کھائی تو جس چیز میں بھی زعفران ڈال کر پکایا جائے اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا اگرچہ اس میں زعفران بالکل تحلیل ہو گیا ہو - ہاں اگر سرکہ، لیمو یا نارنگی وغیرہ کے نہ کھانے کی قسم کھائی اور ان کو کھانے میں ڈال کر پکایا گیا ہو اور اس کھانے میں حل ہو گئی ہوں تو اس کھانے کو کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - لیکن اگر یوں کہا کہ میں اس سرکے یا سنترے میں سے کچھ نہیں کھاؤں گا تو اس کو کھانے میں پکانے اور تحلیل ہو جانے کے بعد بھی کھانے سے حانث ہو جائے گا - اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ وہ بھی گوشت کا ایک حصہ ہے - اس کے برعکس اگر چربی نہ کھانے کی قسم کھائی اور گوشت کھا لیا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ گوشت چربی کا حصہ نہیں ہے بدیں جہت کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر چربی کو حرام کیا ہے - چونکہ چربی میں گوشت شامل نہیں ہے، لہٰذا گوشت کھانا ان پر حرام نہ تھا - اگر قسم کھائی کہ اس کھجور کے گابھے میں سے نہیں کھاؤں گا - گابھا کھجور کے ابتدائی گچھے کو کہتے ہیں، تو اس کے کھجور کھانے سے خواہ وہ تازہ ہو یا خشک ہو جائے یا تیار کھجور بن جائے قسم ٹوٹ جائے گی - نیز ہر وہ شے جو اس سے نکلتی ہے مثلاً شیرہ وغیرہ کھانے سے حانث ہو جائے گا - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں اس گندم میں سے کچھ نہیں کھاؤں گا تو اس کے کھانے یا اس سے بنی ہوئی کسی چیز، مثلاً آٹا، ستو، دلیا اور سوئیاں اور کیک وغیرہ کے کھانے سے حانث ہو جائے گا - اسی طرح اگر کہا کہ میں اس دودھ میں سے نہیں کھاؤں گا تو اس سے بنی ہوئی ہر چیز، مثلاً مکھن، گھی اور دہی وغیرہ کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی - اور اگر کہا کہ میں اس درخت کے گابھے میں سے نہیں کھاؤں گا تو اس درخت کے گابھے میں سے جو ←

→ کچھ بھی نکلے، پہلے یا بعد میں ، اس کے کھانے سے حانث ہوجائے گا ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ کہا کہ میں اس بھینس کے دودھ میں سے کچھ نہیں کھاؤں گا ۔ لیکن اگر کسی نے کہا کہ میں یہ گابھا نہیں کھاؤں گا اور کچھ بھی کا لفظ اضافہ نہیں کیا تو اس بارے میں اختلاف ہے ؛ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے نکلی ہوئی کوئی شے کھانے سے حانث نہ ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ حانث ہو جائے گا ۔ لیکن جو لوگ حانث ہو جانے کے قائل ہیں وہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جو چیز اس سے نکلی ہو وہ اصل شے سے بہت قریب ہو ۔ یاد رہے کہ اس سے نکلی ہوئی چیز کے کھانے سے حانث ہونا اسی صورت میں ہوگا جب کہ اس قسم میں کوئی نیت نہ ہو یا اس قسم کے لیے کوئی بساط (سبب) نہ ہو ۔ ایسا ہو تو اسی (نیت یا سبب) کے بموجب عمل کیا جائے گا ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔ اگر قسم کھائی کہ 'گابھا' یا خاص گابھا نہ کھاؤں گا لیکن اس کے ساتھ (حرف اشارہ) 'یہ' کا استعمال نہیں کیا تو اس گابھے میں سے جو کچھ بھی کچا پھل یا شیرہ وغیرہ نکلے ان میں سے کسی چیز کے کھانے سے حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ خاص دودھ یا کوئی بھی دودھ نہیں پیوں گا تو دودھ سے بنی ہوئی کسی بھی چیز کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ البتہ پانچ صورتیں ایسی ہیں جن سے قسم ٹوٹ جاتی ہے ، کیونکہ ان صورتوں میں اصل شے جس کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے یہ اشیاء اس سے قریبی مشابہت رکھتی ہیں :

اول جب کہ کسی نے قسم کھائی کہ کوئی خشک انگور یا کوئی خاص خشک انگور نہیں کھائے گا تو اس کا شیرہ پینے سے حانث ہو جائے گا ۔

دوم جب کہ قسم کھائی کہ کوئی گوشت یا خاص گوشت نہ کھائے گا اور اس کا شوربا پی لیا تو حانث ہو جائے گا ۔

سوم جب کہ قسم کھائی کہ کوئی گوشت یا خاص گوشت نہ کھائے گا اور اس کی چربی کھالی تو حانث ہو جائے گا ۔

چہارم جب کہ قسم کھائی کہ کوئی گندم یا خاص گندم نہیں کھائے گا اور اس کی روٹی کھائی تو حانث ہو جائے گا ۔

پنجم جب کہ قسم کھائی کہ کوئی انگور یا خاص انگور نہیں کھائے گا اور ←

→ اس کا رس پی لیا تو حانث ہو جائے گا ، جیسا کہ خشک انگور کی صورت میں بتایا گیا ، بلکہ یہ صورت تو اور بھی زیادہ اصل سے قریب ہے ۔

ان پانچوں صورتوں میں اصل چیز سے نکلی ہوئی اشیاء کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ قسم کی عبارت میں الفاظ ''میں سے'' یا اسم اشارہ ''یہ'' استعمال نہ کیا گیا ہو (یعنی یہ نہ کہا گیا ہو کہ فلاں شے ''میں سے'' یا ''یہ'' شے نہ کھاؤں گا) ۔

اگر قسم کھائی کہ گندم نہیں کھاؤں گا تو اس گندم سے جو پودا اگا اس کے دانۂ گندم کو کھایا تو حانث ہو جائے گا ، خواہ اس کے لیے لفظ ''میں سے'' اور اسم اشارہ استعمال کیا ہو یا کچھ نہ کیا ہو یا ان میں سے ایک بات کی ہو اور دوسری نہ کی ہو ، اور اس سے بھی قطع نظر کہ وہ لفظ بصورت معرفہ ذکر کیا ہو یا بصورت نکرہ ۔ نیز اس غلے میں سے کچھ بیچ کر اس کی قیمت سے اور دانے خرید لیے ہوں تب بھی حانث ہو جائے گا ۔ البتہ اس حالت میں حانث نہ ہو گا جب کہ قسم کے وقت نیت یہ کی ہو کہ اس کو کھا کر کسی کا زیر بار احسان نہیں ہونا چاہتا ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے (احسان جتاتے ہوئے) کہا کہ اگر میں گندم کے دانے نہ دیتا تو بھوک سے تو مر جاتا ؛ اس پر اس نے قسم کھا لی کہ میں اسے کھانے کا ہی نہیں تا کہ احسان مندی ختم ہو جائے (تو صورت مسئلہ وہ ہو گی جو اوپر مذکور ہوئی) ۔ لیکن اگر نہ کھانے کی قسم اس لیے کھائی تھی کہ وہ گندم خراب ہے تو اس گندم سے جو اناج پیدا ہو گا اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا اور نہ اسے بیچ کر دوسرا اناج کھانے سے حانث ہو گا ۔ اسی طرح اگر کھانا خراب پکا ہوا ہو اور اس کے نہ کھانے کی قسم کھائی لیکن پھر اس سے اور روٹی مثلاً اچھی پکائی گئی اور اسے کھایا تو حانث نہ ہو گا ۔

اگر قسم کھائی کہ ''کھانا نہیں کھاؤں گا'' لیکن دودھ وغیرہ یا کوئی اور غذا پی لی تو قسم ٹوٹ جائے گی ، بشرطیکہ قسم کھانے کی غرض (یا نیت) بھوکا رہ کر اپنے نفس پر سختی کرنا ہو ۔ لیکن اگر قسم میں صرف نہ کھانے کی نیت تھی تو (کسی شے کے) پینے سے حانث نہ ہو گا ۔ اور اگر نہ کھانے کی قسم کھائی اور زمزم کا پانی پی لیا تو حانث نہ ہو گا ۔ ہاں اگر اپنی جان کو بھوکا رکھنے ہی کا ارادہ کیا تو پیٹ بھرنے کے ارادے سے زمزم کا پانی پی لیا تو حانث ہو جائے →

← گا۔ اگر قسم کھائی کہ فلاں چیز نہ کھائے گا اور نہ پیے گا اور اس کھانے یا پانی کو زبان پر رکھ کر چکھا اور وہ کھانا یا پانی پیٹ میں نہیں پہنچا تو حانث نہ ہو گا؛ ہاں پیٹ میں چلا گیا تو حانث ہو جائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا کوئی کھانا نہیں کھاؤں گا اور وہ شخص وفات پا گیا تو اس کے بعد اس کا مال کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی بشرطیکہ اس قسم میں اس کا زیر بار احسان نہ ہونے کی نیت رہی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی نے اس سے کہا کہ اگر میں نہ ہوتا تو کوئی شخص تجھے کھانا دینے والا نہ ملتا، اس پر قسم کھا لی کہ تیرے احسان جتانے پر میں تیرے کھانے میں سے قطعاً کچھ نہ کھاؤں گا۔ اسی طرح اگر اس قسم کے کھانے کا سبب یہ ہو کہ اس شخص کا مال فاسد تھا تو اس شخص کے، جس کا مال نہ کھانے کی قسم کھائی ہے، مر جانے کے بعد اس کا مال کھایا تو حانث نہ ہو گا، کیونکہ اس مال کی خرابی متروکہ ورثہ ہوجانے کے باعث جاتی رہے گی۔ اگر ان دونوں اسباب (یعنی احسان مندی سے بچنے یا مال کے فاسد ہونے) کے علاوہ کسی اور سبب سے قسم کھائی تھی تب بھی مرنے کے بعد حانث نہ ہو گا۔ لیکن اس کی دو شرائط ہیں:

اول یہ کہ اس کے مال متروکہ پر کوئی قرض نہ ہو، اگر (مرنے والا) مقروض ہو اور ادائے قرض اور مستحقین میں مال متروکہ کی تقسیم سے پہلے کھایا تو حانث ہو جائے گا۔ ہاں اگر ادائیگی قرض کے بعد کھایا تو حانث نہ ہو گا گو تقسیم سے پہلے کھایا ہو۔

دوم یہ کہ ایسی صورت نہ ہو کہ متوفی نے اپنے مال میں سے کسی غرض خاص لیکن غیر معین کے لیے کچھ خرچ کرنے کی وصیت کی ہو، اور اس مقصد کے اخراجات کے واسطے ترکہ کے مال کو بیچنے کی ضرورت ہو، مثلاً اس نے سو دینار کسی خاص غرض کے لیے خرچ کرنے کی وصیت کی اور یہ ممکن نہ ہو جب تک کہ مال متروکہ کو فروخت نہ کیا جائے تو اگر اسی حال میں اس کے مال سے کچھ کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر کسی معین شے کی بابت وصیت کی مثلاً (وصیت میں) یہ کہہ دیا کہ 'اس گھر' (کو فروخت کیا جائے) یا کچھ اور یا ایسی معمولی بات کی وصیت کی جس کو پورا کرنے کے لیے مال متروکہ کو بیچنا ضروری نہ ہو، مثلاً یوں وضاحت کر دی کہ مال متروکہ کا ایک چوتھائی ←

حصہ (کام میں لایا جا سکتا ہے) تو اس صورت میں متوفی کا متروکہ مال کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شے کی بابت کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا، اب اگر وہ شے ایسی ہے جس کو کھایا جاتا ہے مثلاً غذا یا میوہ تو اس کے کھانے سے جب کہ پیٹ میں پہنچ جائے قسم ٹوٹ جائے گی خواہ اسے چبا کر کھایا ہو یا بغیر چبائے کھایا ہو اور اس کا مزہ چکھا ہو یا نہ چکھا ہو۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ انڈا نہیں کھاؤں گا اور انڈا چھلا ہوا ہو یا بغیر چھلا، نگل لیا تو حانث ہوجائے گا۔ لیکن اگر اسے چبایا اور (حلق سے) پیٹ میں نہیں اتارا تو اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر پینے کی چیز مثلاً دودھ وغیرہ اشیاء مائع کی بابت قسم کھالی کہ اس کو نہیں کھاؤں گا تو اس کے پینے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ پس اگر کہا کہ 'قسم خدا کی میں دودھ نہیں کھاؤں گا' اور اسے (کھایا نہیں بلکہ) پیا یا اس کے ساتھ کوئی اور شے مثلاً چائے میں دودھ ڈال کر پیا تب بھی حانث نہ ہو گا۔ لیکن اگر اس میں روٹی بھگو لی یا چھوہارا وغیرہ یا کوئی خوردنی چیز ڈال کر کھایا تو حانث ہو جائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ گھی نہیں کھاؤں گا اور ایسا کھانا کھایا جس میں گھی تھا تو حانث نہ ہو گا، لیکن اگر گھی نمایاں ہو کہ نتھارنے سے نتھر جائے تو (اس کے) کھانے سے حانث ہوجائے گا ورنہ نہ ہوگا، اگرچہ اس کی خوشبو منہ میں محسوس ہوتی ہو۔ اسی طرح اگر قسم کھا لی کہ دودھ نہ پیوؤں گا اور اس میں چاول ڈال کر پکا لیا تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی بجز اس صورت کے جب کہ اس میں اتنا دودھ ہو کہ اس کو نتھارا جا سکے (تو حانث ہو جائے گا)۔ یہی حکم دوسری سیال اشیاء، مثلاً سرکہ اور شہد کا ہے کہ اگر قسم کھائی کہ ان میں سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا تو ان کے پینے سے حانث نہ ہو گا۔ اگر ان چیزوں کو دوسری اشیاء کے ساتھ ملا کر کھایا بایں طور کہ وہ ان اشیاء میں اس طرح تحلیل ہو جائے جس طرح کہ پہلے بتایا گیا کہ اگر اس کو نتھارنا چاہیں تو نتھارا نہ جا سکے تو حانث نہ ہو گا؛ بصورت دیگر حانث ہو گا۔

اگر قسم کھائی کہ انگور نہیں کھاؤں گا تو اس کے چوسنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ چوسنے کو کھانا نہیں کہتے۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ

← انگور نہیں پیوؤں گا تب بھی چوسنے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ 'چوسنا' 'پینا' نہیں ہے۔ اگر قسم کھائی کہ انار نہیں پیوں گا اور اسے چوس چوس کر بیج پھینک دیا تو حانث نہ ہو گا، کیونکہ اس کو پینے کی چیز نہیں کہتے، کیونکہ پینے کی شے وہ ہوتی ہے جو منہ میں ڈالنے کے وقت مائع شکل میں ہو، لیکن ان صورتوں میں جب کہ یہ اشیاء منہ میں داخل کی گئیں تو وہ جامد حالت میں تھیں۔ اگر میوہ کو نچوڑ لیا اور نچوڑنے کے بعد منہ میں ڈال لیا اور قسم کھائی تھی کہ نہیں پیوؤں گا تو اس طرح کرنے سے حانث ہو جائے گا، اگرچہ چسکی لگائی۔ اس کے برعکس اگر قسم کھائی تھی کہ انگور نہیں کھاؤں گا اور اس کا شیرہ نچوڑ لینے کے بعد چھلکا کھا لیا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ چھلکا کھایا جاتا ہے (پیا نہیں جاتا) گو اس کا رس نچوڑ لیا گیا تب بھی اس شے کو 'ماکول' کی حیثیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اگر قسم کھائی کہ یہ شکر نہیں کھاؤں گا تو اس کے چوسنے سے حانث نہ ہو گا، بجز اس صورت کے جب کہ شکر کا چوسنا بالعموم کھانا شمار کیا جاتا ہو۔ اگر قسم کھائی ہو کہ فلاں شے نہیں چکھوں گا اور اسے کھا لیا تو حانث ہوجائے گا بشرطیکہ چبا کر کھایا ہو اور وہ شے گھل گئی ہو جس سے ذائقے کا پتہ چل جائے۔ ہاں اگر اسے نگل لیا اور منہ میں گھلایا نہیں کہ اس کے ذائقے کا پتا چل جاتا تو حانث نہ ہو گا۔ اگر قسم کھائی کہ یہ چیز نہیں کھاؤں گا اور اسے صرف چکھا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کھانے کے معنی کسی شے کو معدے میں داخل کرنا ہے اور چکھنا محض کسی شے کا ذائقہ منہ میں محسوس کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر قسم کھائی کہ اس درخت میں سے نہیں کھاؤں گا تو اس کا پھل اور اس کا گوند اور ہر وہ شے جو اس سے نکلتی ہے کھانے سے حانث ہو جائے گا تا آنکہ اس میں کسی عمل جدید سے تبدیلی نہ آ جائے اور اس کے ساتھ روٹی یا کھانے کی کوئی اور شے کھائی جائے تو اس طرح کھانے سے حانث ہوجائے گا، کیونکہ اس کے حاصل کرنے میں اسے کوئی جدید عمل نہیں کرنا پڑا۔ اسی طرح وہ شیرہ جو تر کھجور سے رس کر نکلتا ہے، کے کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ وہ بھی کسی عمل جدید کے بغیر ہی (قدرتی طور پر) نکلتا ہے۔ ہاں اگر کھجور کو پکایا جائے اور پکانے سے اس میں تبدیلی آ جائے تو ←

← اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ علی ہٰذا نبیذ اور سرکہ اور ابلی ہوئی پتیاں اور اسی طرح کی ہر وہ شے جس میں کوئی عمل جدید کرنا پڑے اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ میں اس درخت میں سے کچھ نہ کھاؤں گا اور اس درخت میں پھل نہیں ہے لیکن اس کو بیچ کر کوئی چیز خریدی تو اس کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ اس بکری سے کچھ نہ کھاؤں گا اور اس کا دودھ یا گھی کھایا تو حانث نہ ہو گا اور اگر قسم کھائی کہ انگور نہ کھاؤں گا اور اس کا منقیٰ یا رس کھایا تو حانث نہ ہو گا ۔ اور اگر قسم کھائی کہ یہ آٹا نہ کھاؤں گا تو اس کی روٹی کھانے سے حانث ہو جائے گا ۔ ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر ایسی چیز کی بابت قسم کھائی جو خود کھائی جاتی ہو تو قسم میں صرف اس چیز کا کھانا مراد ہو گا نہ کہ وہ اشیاء جو اس سے نکلتی ہوں ، مثلاً اگر قسم کھائی کہ بکری نہیں کھاؤں گا تو چونکہ بکری کھائی جاتی ہے اس لیے اس کی قسم میں صرف بکری کا کھانا مراد ہو گا ، اس کا گھی یا دودھ مراد نہ ہو گا ۔ اور اگر قسم ایسی شے کی بابت ہے جس کو بعینہ کھایا نہیں جاتا مثلاً درخت خرما تو قسم سے وہ تمام چیزیں مراد ہوں گی جو اس درخت سے پیدا ہوتی ہیں ، بشرطیکہ اس پر عمل جدید کر کے کچھ اور چیز نہ بنا دیا گیا ہو ۔ اگر اس شے سے کوئی چیز نکلتی ہی نہ ہو تو قسم میں اس کی قیمت مراد ہو گی ۔ اگر قسم ایسی چیز کی بابت تھی جو کھائی نہیں جاتی ، باوجود اس کے اس میں سے کچھ (توڑ کر) کھا لیا ، مثلاً (قسم کھائی کہ درخت سے کچھ نہ کھائے گا لیکن) درخت میں سے کچھ نوچ کر نگل لیا تو اس کے متعلق اختلاف رائے ہے ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی بجز اس صورت کے جب کہ یہی نیت رہی ہو ، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بہرحال حانث ہو جائے گا ، کیونکہ یہاں پر حقیقی معنوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ، لہٰذا اس معنی کو ترک کرنا واجب ہو گا اور مجازی معنی ہی پر عمل ہو گا ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

اگر قسم کھائی کہ اس درخت میں سے نہیں کھاؤں گا اور اس درخت کی کوئی ٹہنی کاٹ لی اور کسی درخت کے ساتھ اچھا پھل لینے کے لیے پیوند لگایا ←

← تو اب دیکھنا ہو گا کہ آیا دونوں درخت ایک ہی نوع کے ہیں یا مختلف انواع کے ہیں ۔ اگر دونوں ایک ہی نوع کے ہوں تو اس درخت کی شاخ سے جس کی بابت قسم کھائی تھی جو پھل پیدا ہو گا اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ اس طرح عرف عام میں وہ ایک اور درخت کی شاخ شمار ہو گی ۔ لیکن اگر دو مختلف درخت ہوں، مثلاً سیب اور ناشپاتی کے درخت، اور قسم کھائی کہ میں سیب کے درخت سے نہیں کھاؤں گا اور سیب کا نام بھی لیا، اور اس درخت کی ایک شاخ کی قلم ناشپاتی کے درخت سے لگائی اور اس درخت کی شاخ کا پھل کھایا جس کے نہ کھانے کی قسم کھائی تھی تو حانث نہ ہو گا لیکن اگر سیب کا نام نہیں لیا اور صرف یہ کہا کہ میں اس درخت سے نہیں کھاؤں گا تو اس شاخ سے جو سیب کے درخت سے ناشپاتی کے درخت کے لیے لی گئی تھی اس کا پھل کھانے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ اب وہ عرف عام میں دوسرا درخت ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ دودھ نہیں کھاؤں گا اور دودھ کا دہی بن گیا یا اس کی ربڑی بنا لی گئی تب بھی اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس انگور کو نہیں کھاؤں گا، اور وہ انگور خشک ہو کر منقیٰ بن گیا اور اسے کھایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ نیز اگر قسم کھائی کہ خشک انگور (منقیٰ) نہیں کھاؤں گا اور انگور کھایا تو حانث نہ ہو گا ۔ یا یہ قسم کھائی کہ یہ انڈا نہیں کھاؤں گا لیکن اس کے چوزے کھائے تو حانث نہ ہو گا ۔ اگر قسم کھائی کہ یہ شراب نہ چکھوں گا لیکن وہ شراب سرکہ بن گئی پھر اسے تناول کیا تو حانث نہ ہو گا ۔ یا قسم کھائی کہ اس درخت کا شگوفہ نہیں کھاؤں گا اور وہ شگوفہ بادام بن گیا یا سخت ہو گیا تو اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں یہ بسر (خرمائے نارسیدہ یا گدرایا ہوا کھجور) یعنی ناپختہ یا خشک کھجور نہیں کھاؤں گا تو اس کا تازہ پختہ پھل کھانے سے حانث نہ ہو گا ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے قسم کھائی کہ بچے سے بات نہ کروں گا یا بکری کے پیٹ کا بچہ نہیں کھاؤں گا تو اگر اس لڑکے کے بڑا ہو جانے پر اس سے بات کی اور یا اس پیٹ کے بچے (میمنہ) کے بڑے ہو جانے پر جب کہ اسے پیٹ کا بچہ نہ کہا جاسکے، کھایا تو حانث نہ ہو گا؛ چھوٹے بچے کو پورا آدمی نہیں کہا جاتا ۔ بخلاف اس کے اگر کہا کہ قسم خدا کی اس بچے سے بات نہ کروں گا یا اس ←

← پیٹ کے خاص بچے سے کچھ نہ کھاؤں گا تو اب اگر بڑا ہونے کے بعد اس بچے سے بات کی یا اس پیٹ کے میمنہ کو مینڈھا ہوجانے کے بعد کھایا تو حانث ہو جائے گا ۔ چنانچہ قسم کے اصول اور ان کے متعلقہ قواعد کے بیان اور اس کی مثالوں میں یہ بات بتائی جا چکی ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ میں پختہ کھجور نہیں کھاؤں گا اور ایسی کھجور کھائی جس کا بیشتر حصہ پختہ اور کنارے ناپختہ تھے تو حانث ہوجائے گا ۔ اور اگر قسم کھائی کہ میں ناپختہ کھجور نہیں کھاؤں گا اور ایسی کھجور کھائی جس کے صرف کنارے پختہ تھے تو حانث ہو جائے گا ۔ مسئلے کی ان دونوں صورتوں میں اگر کیفیت برعکس ہو تو اس میں اختلاف رائے ہے ۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ پختہ کھجور نہیں کھاؤں گا اور ایسی کھجور کھائی جس کے کنارے پختہ اور باقی ناپختہ تھا تو ایک قول کے مطابق حانث ہوجائے گا ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے جب کہ قسم کھائی کہ میں ناپختہ کھجور نہیں کھاؤں گا اور ایسی کھجور کھائی جس کے کنارے ناپختہ تھے اور باقی پختہ تھا ۔

اگر قسم کھائی کہ تازہ کھجوریں نہیں خریدوں گا اور گچھے کا گچھا خرید لیا جس میں تازہ کھجوریں بھی تھیں اور خشک بھی، لیکن خشک زیادہ تھیں تو حانث نہ ہو گا ۔

اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو مچھلی کھانے سے حانث نہ ہو گا ؛ ہاں اگر نیت میں وہ شامل ہو تو اور بات ہے ۔ یاد رہے کہ عام طور پر مچھلی کو بھی گوشت کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح شوربا کھانے سے بھی حانث نہ ہو گا بجز اس صورت کے جب کہ قسم میں اس کی نیت کی ہو یا یہ کہ اس (شوربے) میں گوشت کا ذائقہ محسوس ہوتا ہو ، ایسا ہو تو اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا ۔ اور گوشت کے لفظ میں اونٹ ، گائے ، بھینس اور بکری نیز پرندوں کا گوشت شامل ہے ، خواہ وہ گوشت پکا ہوا ہو یا بھنا ہوا یا خشک گوشت ہو ۔ لیکن ظاہر امر یہی ہے کہ چربی کھانے سے حانث نہ ہو گا ۔ اسی طرح اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی اور سور کا یا آدمی کا گوشت کھایا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ اس کو کھانے کا گوشت نہیں سمجھا جاتا ۔ اگرچہ چربی اور سور یا انسان کے گوشت پر ←

→ بھی عام طور پر 'گوشت' کا لفظ بولا جاتا ہے ، لیکن کھانے کا لفظ عرفاً اس گوشت کے لیے نہیں آتا ، لہٰذا اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ واضح ہو کہ اوجھڑی ، تلی اور کلیجی گوشت نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ بالعموم اسے بھی گوشت میں شمار کر لیا جائے ۔ اہل شہر اس کو گوشت نہیں کہتے ۔ اگر گوشت نہ خریدنے کی قسم کھائی اور سری پائے خریدے تو حانث نہ ہو گا لیکن اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تھی اور سری پائے کھائے تو حانث ہو جائے گا ؛ کیونکہ پہلی صورت میں (خریدنے والے کو) یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے گوشت خریدا بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے سری پائے خریدے اور دوسری صورت میں کہا جاتا ہے کہ اس نے گوشت کھایا ، کیونکہ سری میں گوشت شامل ہوتا ہے ۔

اگر گائے کا گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو بھینس کا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ بکرے کا گوشت نہیں کھائے گا اور بھیڑ کا گوشت کھایا تو حانث نہ ہو گا ۔ اگر چربی (چکنائی) نہ کھانے کی قسم کھائی تو پیٹ کے پھیر کی چربی ہو یا انتڑیوں کی ، جون سی بھی کھائے گا بالاتفاق حانث ہو جائے گا ۔ لیکن وہ چربی جو گوشت کے ساتھ ہوتی ہے یعنی جو فربہ جانور کے گوشت میں ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا ۔ اسی طرح چکتی کے کھانے سے بھی حانث نہ ہو گا ، کیونکہ اسے نہ چربی کہا جاتا ہے اور نہ گوشت ۔ لہٰذا اگر گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی اور چکتی کھائی تو حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر گوشت نہ خریدنے کی قسم کھائی تھی تو چکتی کے خریدنے سے حانث نہ ہو گا ۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ ''گندم نہیں کھاؤں گا'' تو اس کی تین صورتیں ہوں گی :

ایک تو یہ کہ گندم کی ڈھیری کی طرف اشارہ کر کے کہا ہو کہ یہ 'گندم' تو اب اس گندم کو بھگو کر یا آگ پر بھون کر کھانے سے حانث ہو جائے گا ۔ لیکن اگر اس کا آٹا یا ستو یا روٹی پکا کر کھایا یا اسے کچا ہی کھایا تو حانث نہ ہو گا ۔ ہاں اگر نیت میں یوں نہ کھانا بھی تھا تو حانث ہو جائے گا ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ (اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں یہ نہ کھاؤں گا ←

← اور لفظ گندم نہیں کہا تو اس گندم کے کھانے سے (جس کی طرف اشارہ کیا تھا) حانث ہوجائے گا، خواہ ایک دانہ کھائے اور اگر اس کی روٹی کھائی تب بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ کسی شے کا نام لیے بغیر اگر اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو خاص وہی شے مراد ہوتی ہے جس کی طرف اشارہ کیا خواہ وہ اسی حالت میں رہے یا اس کا نام کچھ اور ہو جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ 'حنطہ' (گندم) کا لفظ بصورت نکرہ استعمال کیا جائے ایسی حالت میں بعینہ گندم کھانے سے حانث ہوجائے گا خواہ ایک دانہ کھایا ہو ہاں اگر اس کی روٹی یا آٹا یا ستو کھایا تو حانث نہ ہو گا؛ تا آنکہ اگر گندم بویا اور اس سے کھیتی آگی اور اس کی پیداوار سے کچھ کھایا تب بھی حانث ہوجائے گا۔ درانحالیکہ 'حنطہ' کا لفظ بصورت تنکیر استعمال ہوا ہو ورنہ اس سے جو پیداوار ہوئی اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا۔

اگر قسم کھائی کہ اس آٹے سے کچھ نہ کھائے گا تو اس سے جو کچھ بھی بنایا جائے مثلاً، روٹی، سوئیاں، مکرونہ، کسکسی یا دلیہ وغیرہ کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ لیکن اگر آٹے کی پھنکی ماری تو بقول صحیح حانث نہ ہوگا۔ اگر قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھاؤں گا تو وہ چیز جو شہر میں روٹی کے نام سے رائج ہے اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اگر شہر میں گندم کے سوا اور کچھ نہ کھایا جاتا ہو تو اسی (کی روٹی کے) کھانے سے حانث ہوگا، کسی اور شے کی روٹی سے حانث نہ ہوگا چنانچہ مکی یا جو کی روٹی کھائی تو حانث نہ ہوگا لیکن اگر گندم کا رواج نہ ہو تو جو شے خاص طور پر رائج ہوگی قسم میں اسی کی روٹی کا اعتبار کیا جائے گا چپاتی کا شمار روٹی ہی میں ہوتا ہے لیکن پیسٹری سنبوسہ، کیک، رس، بند اور پڈنگ وغیرہ، اگر ان میں سے کسی چیز کو عرف میں روٹی نہیں کہا جاتا تو اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کی روٹی نہیں کھاؤں گا اور اس سے مراد وہ روٹی ہے جس کا مالک وہ شخص ہے تو اس کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی خواہ اس روٹی کو کسی اور نے گوندھا اور پکایا ہو، لیکن اگر اس سے مراد وہ روٹی ہے جو اس شخص نے پکائی ہو تو اسی روٹی کے کھانے سے حانث ہوگا جو اس شخص نے تنور میں پکانے کے لیے اسے ڈالا ہو۔ اگر اس شخص نے صرف آٹا گوندھا ←

← اور اس کے پیڑے کاٹے ہوں اور تنور میں کسی اور نے لگایا ہو تو یہ روٹی اس شخص کی پکائی ہوئی نہیں ہوگی، لہذا اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی کہ شواء (بھنی ہوئی شے) نہیں کھاؤں گا اور نیت یہ تھی کہ بھنی ہوئی کوئی چیز نہیں کھائے گا تو نیت کے مطابق عمل ہوگا۔ اگر یہ نیت نہیں تھی تو شواء کا مطلب صرف 'بھنا ہوا گوشت' ہوگا لہذا بھنی ہوئی گاجر یا آلو وغیرہ کھانے سے حانث نہ ہوگا، کیونکہ شواء (یا بریاں) کہا جائے تو عام طور پر اس سے بھنا ہوا گوشت ہی مراد ہوتا ہے۔ اگر قسم کھائی کہ 'طبیخ' (پختہ کھانا) نہیں کھاؤں گا، تو چونکہ لفظ 'طبیخ' پانی میں پکے ہوئے گوشت کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہذا اس کے کھانے یا اس کا شوربا کھانے سے حانث ہوجائے گا اور اس کے سوا کوئی اور شے جو بغیر گوشت کے پکائی جائے اس کے کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی؛ البتہ اگر بغیر گوشت کے پکی ہوئی شے کو بھی 'طبیخ' (طعام پختہ) کہا جاتا ہو، جیسا کہ شہر والوں میں رواج ہے، تو اس کے کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ طعام نہیں کھاؤں گا تو جب تک کوئی پکی ہوئی چیز جسے طعام کہا جاتا ہے نہ کھائی جائے قسم نہیں ٹوٹے گی؛ لہذا دہی یا میوہ کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ لغت کی رو سے یہ بھی غذا (یا طعام) میں داخل ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عرف عام میں طعام کا لفظ پکے ہوئے کھانے کے لیے خاص ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ میں سر نہیں کھاؤں گا تو عام رواج کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ شہر والوں میں 'سر' سے مراد سری ہے جو بالعموم کھائی جاتی ہے اور بازار میں فروخت ہوتی ہے؛ جیسے بکری، بھینس اور گائے کی سری۔ قسم میں بھی مراد ان ہی اشیاء کا نہ کھانا ہے۔ پس اگر گھوڑے کی سری یا پرندوں کا سر جو کچا یا پکا بازار میں فروخت نہیں ہوتا کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ البتہ ان شہروں میں جہاں گھوڑوں وغیرہ کی سری عام فروخت ہوتی ہے وہاں اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ غرض ان مسائل میں عام رواج کو پیش نظر رکھا جائے گا اور قول مفتیٰ بہ یہی ہے کہ لغوی (حقیقی) معنیٰ کو نظرانداز کر دیا جائے گا۔

اگر فاکہہ (میوہ) نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کا اطلاق ہر ایسی شے پر ہوگا جس پر فاکہہ (میوہ) کا نام صادق آتا ہے، مثلاً انجیر، انگور، سیب، تربوز، ←

← آڑو ، انار ، کھجور ، نارنگی ، شفتالو ، بہی اور ناشپاتی ، کہ ان تمام چیزوں کو اہل شہر فاکہہ (میوہ) کہتے ہیں ۔ ان کی اصطلاح میں ، اخروٹ ، بادام اور چلغوزہ وغیرہ کو فاکہہ نہیں کہتے ، بلکہ ان کو نقل کہتے ہیں ۔

اگر قسم کھائی کہ میٹھا پھل یا شیرینی نہیں کھائے گا تو ہر ایسا میوہ جس میں مٹھاس ہو کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی، جیسے انجیر ، انگور ، بسکٹ ، مٹھائی اور حلوہ وغیرہ ، کیونکہ عام طور پر یہ دستور ہے کہ ایسی اشیاء کھانا کھانے کے بعد (بطور میٹھی شے کے) کھائی جاتی ہیں اور انہیں حلوا (مٹھاس) کہتے ہیں ۔ لیکن حلوا نام ہے اس چیز کا جو شکر یا شیرہ خرما کے ساتھ آٹا یا نشاستہ ملا کر تیار کی جاتی ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ لاون (سالن) نہیں کھاؤں گا یا کسی شے کو لاون نہیں بناؤں گا ، تو صرف ایسی شے کے کھانے سے حانث ہو جائے گا جس کو جداگانہ نہیں کھایا جاتا ، مثلاً نمک ، سرکہ ، روغن زیتون اور پکی ہوئی مسور یا پکی ہوئی سبزی وغیرہ ہر ایسی چیز جس میں روٹی ڈبو کر کھائی جائے ۔ اگر ایسی چیز کھائی جو علیحدہ کھائی جاتی ہے ، جیسے گوشت ، کھجور ، منقیٰ اور دوسرے فواکہ تو حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کھاؤں گا لیکن اس قدر کھایا کہ آدھا پیٹ بھر گیا تو حانث ہو جائے گا ، بشرطیکہ بیک وقت کھایا جائے ۔ اگر دو لقمہ کھا کر کچھ دیر توقف کیا جس کو فاصلہ کہہ سکیں اور پھر دو لقمے اسی طرح کھا لیے تو اسے ناشتہ نہیں کہتے ۔ ہاں اگر اس طرح ناشتہ کیا جس طرح شہر کے بیشتر لوگ کرتے ہیں تو حانث ہو جائے گا ۔ چنانچہ اگر کوئی بدوی (بطور ناشتہ) دودھ پی لے تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اہل قریہ کے ناشتے کا بالعموم یہی طریقہ ہے ۔ البتہ شہر کا رہنے والا اسی صورت میں حانث ہوگا جب کہ (ناشتے میں) روٹی کھائے ۔ پس اگر کسی نے روٹی کے بغیر گوشت کھایا یا کھجور یا چاول یا سبزی کھا لی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عام طور پر ان چیزوں کو بغیر روٹی کے ناشتہ کے طور پر نہیں کھایا جاتا ۔ ناشتے کا وقت بعض اصحاب کے نزدیک طلوع آفتاب سے دوپہر تک کے وقت میں جو کھانا کھایا جاتا ہے اسے خطور (ناشتہ) کہتے ہیں اور دن کے کھانے کا وقت اس کے بعد عصر تک ہوتا ہے ۔ اہل ←

← شام میں بھی یہی رواج ہے - عشاء (رات کے کھانے) کا وقت عصر کے بعد سے آدھی رات تک ہوتا اور آدھی رات سے طلوع فجر تک سحری کا وقت ہوتا ہے - بہرحال ان تمام امور کا انحصار عرف (یعنی معروف رواج) پر ہے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شے میں سے پانی نہیں پیوں گا اور وہ شے ایسی ہو کہ منہ سے چسکی لگا کر پیا جا سکے ، یعنی منہ سے براہ راست پانی پیا جا سکے ، مثلاً نہر یا دہانہ آب یا حوض ؛ اب اگر ایسی جگہ سے چلو میں یا کسی برتن میں پانی لے کر پی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور صرف اسی صورت میں حانث ہوگا جب کہ منہ سے چسکی لگا کر پیا جائے ، بشرطیکہ قسم میں یہ نیت نہ رہی ہو کہ مطلقاً پانی نہیں پیے گا - ایسی نیت رہی ہو تو خواہ کسی طرح بھی پانی پیا جائے قسم ٹوٹ جائے گی -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ 'سر' نہیں کھاؤں گا تو صرف سری کے کھانے سے جس کی خرید و فروخت کا رواج ہے ، مثلاً چوپاؤں یعنی گائے بھیڑ بکری وغیرہ کی سری کھانے سے حانث ہوگا - پرندوں اور مچھلی وغیرہ کا سر کھانے سے حانث نہ ہوگا ، بجز اس صورت کے جب کہ عوام میں اس کی خرید و فروخت کا رواج ہو - بقول معتمد خواہ یہ رواج اہل شہر میں ہو یا اور لوگوں میں - اگر (قسم میں) رؤس (سروں) کا لفظ بصورت نکرہ استعمال کیا تو جب تک تین سریوں میں سے نہ کھائے حانث نہ ہوگا ، کیونکہ جمع کی کم از کم تعداد یہی ہے - لیکن اگر (قسم میں) 'الرؤس' (خاص سروں) کا ذکر کیا (یعنی الرؤس کا لفظ 'ال' حرف تعریف کے ساتھ استعمال کیا) اور پوری سری کھائی تب ہی حانث ہوگا ؛ اگر سری کا کچھ حصہ کھایا تو حانث نہ ہوگا - لیکن 'خطیب' اور 'ابن عبدالحق' کہتے ہیں کہ ایک سری کا کچھ حصہ کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا - اس مسئلہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اللہ کی قسم کھائی کہ نساء (عورتوں) سے شادی نہ کرے گا تو تین عورتوں سے شادی کرنے ہی پر حانث ہوگا - اور اگر 'النساء ، کا لفظ (بصورت معرف باللام بمعنی خاص عورتیں) استعمال کرتے ہوئے کہا کہ ''النساء'' سے شادی نہیں کروں گا تو ایک عورت سے بھی شادی کرلی تو حانث ہو جائے گا - لیکن اگر (سری نہ کھانے کی) قسم کے ساتھ طلاق کی قید بھی لگائی تو جب تک کہ تین عورتوں سے شادی نہ کرے اور تین سریاں نہ ←

← کھائے حانث نہ ہوگا خواہ 'نساء' اور 'رؤس' کا لفظ بصورت نکرہ استعمال کیا ہو یا النساء اور الرؤس کے الفاظ بصورت معرفہ استعمال ہوں۔

اگر قسم کھائی کہ ناشتا نہیں کروں گا اور زوال سے پہلے نہیں کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ناشتے کا وقت طلوع فجر سے زوال آفتاب تک ہوتا ہے اور ناشتے میں کھانے کی مقدار جس سے قسم ٹوٹتی ہے آدھے پیٹ سے زیادہ کھانا ہے۔ اگر قسم کھائی کہ عشاء (رات کا کھانا) نہیں کھائے گا تو قسم نہیں ٹوٹے گی جب تک کہ زوال کے بعد آدھے پیٹ سے زیادہ نہ کھائے کیونکہ عشاء (رات کے کھانے) کا وقت زوال سے آدھی رات تک ہوتا ہے۔ اگر سحری نہ کھانے کی قسم کھائی تو آدھی رات کے بعد کھانا کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا تو ہر حلال جانور کا گوشت کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ کچا گوشت کھایا ہو۔ ہاں اگر ایسے جانور کا گوشت جو حلال نہ کیا گیا ہو یا کسی جنگلی جانور کا گوشت کہ ان کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹتی تو حانث نہ ہوگا۔ اور بقول راجح گوشت میں سری اور زبان شامل ہیں؛ قول مرجوح ان کو شامل نہیں کرتا اور آج کل رواج عام اس کی تائید کرتا ہے۔ اوجھڑی، جگر، تلی، دل اور پھیپڑے پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ عرف عام میں اس کو گوشت نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح مچھلی اور ٹڈی کو بھی گوشت نہیں کہتے، لہٰذا ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ یہ تمام مسائل اس صورت کے ہیں جبکہ مطلق لحم (گوشت) کا لفظ بولا جائے۔ لیکن اگر لفظ لحم (گوشت) سے خاص (گوشت) کی نیت کی تو اسی نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ گوشت کے لفظ میں پٹھ اور پلے کی چربی شامل ہے کیونکہ یہ فربہ جانور کے گوشت کا حصہ ہے، لیکن پیٹ کی چربی (جسے پھیر کہتے ہیں) اور انتڑیوں کی چربی جس سے مراد وہ چکنائی ہے جو اس کے اوپر ہوتی ہے، اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹتی کیونکہ اسے گوشت نہیں کہا جاتا۔ بنا بریں اگر قسم کھائی کہ چربی نہیں کھاؤں گا تو پٹھ اور پلو (پہلو) کی چربی (رواج) کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ چکتی اور کوہان (یا کبھ) کو نہ گوشت کہا جاتا ہے اور نہ چربی لہٰذا ان کو نہ گوشت میں شمار کیا جائے گا نہ چربی میں۔ لیکن ←

← چکنائی دونوں کو کہا جاتا ہے لہٰذا اگر قسم کھائی کہ 'چکنائی' نہیں کھاؤں گا تو چکتی، کوہان، پیٹ کی پلوؤں کی اور انتڑیوں کی چربی اور یا جانور کی چکنائی جو گوشت سے خالی ہو جیسے گھی کھانے سے حانث ہو جائے گا - رہی حیوان کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً بادام، اخروٹ، اور تل کی چکنائی سو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ چکنائی (کے مفہوم) میں شامل ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہے - اور اگر قسم کھائی زفر حیوان نہیں کھاؤں گا اور جانور کا گوشت یا روغن یا انڈا خواہ وہ مچھلی کا انڈا ہو کھایا تو حانث ہوجائے گا - لیکن مردار مچھلی یا ٹڈی کے کھانے سے حانث نہ ہوگا -

اگر قسم کھائی کہ بقر (گائے) کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو گائے کا گوشت ہو یا بھینس کا یا نیل گائے کا اگر کھایا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ 'بقر' کا لفظ سب کو شامل ہے - لیکن اگر قسم کھائی کہ بھینس کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو گائے کا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ بھیڑ کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو بکری کا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اگر قسم کھائی کہ بکری کا گوشت نہ کھاؤں گا اور بھیڑ کا گوشت کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ گو لفظ غنم ان دونوں کو شامل ہے، کیونکہ جنس کے اعتبار سے دونوں کا گوشت ایک ہے، لیکن ان دونوں میں سے ایک نام کا اطلاق دوسرے پر نہیں ہوتا نہ لغت میں نہ عرف میں -

اگر روٹی نہ کھانے کی قسم کھائی تو روٹی کی کوئی سی قسم بھی کھائی جائے اس سے قسم ٹوٹ جائے گی، خواہ وہ روٹی گندم کی ہو یا جو کی یا مکی، چاول، لوبیے یا آلو وغیرہ کی اور خواہ وہ کسی خاص شہر والے کے مخصوص طریقہ سے تیار کی جاتی ہو اور عرفاً اسے روٹی نہ کہا جاتا ہو، بہر حال حانث ہو جائے گا، کیونکہ روٹی کے لغوی معنے ان سب پر منطبق ہوتے ہیں - ہاں اگر اس گمان سے کھایا کہ روٹی کا لفظ اس پر عاید نہیں ہوتا تو بعض اصحاب کے قول کے مطابق وہ حانث نہ ہوگا -

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں عرف پر عمل نہیں کیا جائے گا؛ اگرچہ سابقاً بتایا گیا ہے کہ جس بات کے لیے اللہ کی قسم کھائی جائے وہ عرف عام پر مبنی ہوتی ہے، کیونکہ معنی معروف جو پیش نظر ہوتے ہیں وہ ہی معناً معروف ہوتے ہیں

← جو عام طور پر رائج اور متداول ہوں ، جیسے سری اور انڈے کے مسائل ہیں۔ لیکن وہ معنی معروف جو رائج و شایع نہیں ہیں ان کی مثال 'روٹی' کے متعلقہ مسائل ہیں، کیونکہ یہ لفظ اہل شہر کے عرف میں مختلف مفہوم رکھتا ہے ۔ کہیں تو مکی کی روٹی کھائی جاتی ہے کہیں گندم کی اور کہیں (خاص قسم کے) آلو وغیرہ کی۔ ایسی صورت میں لغوی معنی کی روسے فیصلہ ہوگا اور عرف کو نظر انداز کر دیا جائے گا ۔ اگر روٹی کو شوربا میں ڈال کر خوب حل کر لیا اور پھر اسے پی لیا تو حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر خوب پکایا کہ اس کے اجزا باہم گھل مل گئے اور دلیا بن گیا پھر اسے کھایا تو حانث نہ ہوگا ۔ لیکن اگر روٹی (گھلنے ملنے سے) رہ گئی اور لگدی بن گئی اور اس کے اجزا کا آپس میں امتیاز کیا جا سکے تو اس کے کھانے سے حانث ہو جائے گا ۔

واضح ہو کہ خبز 'روٹی' کے مفہوم میں ہر وہ چیز شامل ہے جسے ابتداءً (روٹی کی طرح) پکایا جائے اگرچہ بعد میں اسے گھی یا روغن زیت میں بسکٹ ، پیسٹری ، مٹھائی اور سنبوسہ کی طرح تل لیا جائے ۔ لیکن اگر بھوننے تلنے سے پہلے جب کہ وہ کچے آٹے کی شکل میں تھا ، تلا تو اسے روٹی نہیں کہتے جیسے جلیبی ، مٹھائی اور لقمة القاضی (خاص قسم کے سیو) کہ ان کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹتی۔ یاد رہے کہ روٹی میں رس اور چپاتی شامل ہیں، ستو وغیرہ شامل نہیں ہیں ۔

اگر قسم کھائی کہ طعام (غذا) نہیں کھاؤں گا اور کوئی غذا یا میوہ کھا لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ دونوں اشیاء غذا میں شامل ہیں ۔ ہاں اگر کوئی دوا کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جہاں تک قسم کا تعلق ہے ، غذا کا لفظ اس پر عاید نہیں ہوتا اور قسم کی بنیاد مفہوم معروف پر ہوتی ہے ۔ لیکن خرید و فروخت کے سلسلہ میں طعام (غذا) کا لفظ آئے تو اس میں دوا شامل ہوگی کیونکہ بیع کی بنا لغوی معنی پر ہوتی ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا ۔

اگر فاکہہ (میوہ) نہ کھانے کی قسم کھائی تو میوہ خشک ہو یا تر اس کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ، لہٰذا تازہ کھجور ، انگور ، انار ، کشمش ، چھوہارا ، لیموں ، بیر ، خربوزہ (یا تربوز) اور پستہ و چلغوزہ کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اور میوہ میں حلوی شامل ہے ۔ اس سے مراد وہ شے ہے جو شیریں پھل جو کھٹا نہ ہو ، کے شیرے اور شکر سے تیار کی جائے ۔ خالص شیرہ یا فقط ←

←۔ شکر کو حلوی نہیں کہتے ۔ حلوی وہی ہے جو ان سے ملا کر تیار کیا جائے ۔ پس اگر صرف شیرہ خرما کو آگ پر پکا لیا جائے تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹتی نیز آگ پر پکائے ہوئے نشاستہ سے بھی نہیں ٹوٹتی ، بلکہ شیرہ اور نشاستہ یا کسی اور شے کے مرکب کو کھانے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ کھجور نہیں کھاؤں گا تو خشک کھجور کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی ۔ لیکن اگر رطب (تازہ پختہ) کھجور نہ کھانے کی قسم کھائی تو چھوہارا کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اس کے برعکس صورت میں بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر قسم کھائی کہ میں انگور نہیں کھاؤں گا تو منقی کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ یہی حال اس کے برعکس میں ہے ۔ اگر قسم کھائی کہ میں انگور یا انار نہیں کھاؤں گا تو اس کا شیرہ پینے سے حانث نہ ہوگا ۔ اور چوس کر پھوک پھینک دینے سے بھی حانث نہ ہوگا کیونکہ اس (چوسنے) کو کھانا نہیں کہتے ۔

اگر قسم کھائی کہ انڈا نہیں کھاؤں گا تو کسی جانور کا بھی انڈا کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی خواہ وہ جانور حلال ہو، جیسے مرغی اور شتر مرغ وغیرہ یا حرام ہو جیسے گدھ وغیرہ ، لیکن وہ نقصان دہ زہریلا جانور نہ ہو۔ ایسے جانور کا انڈا کھانا حرام ہے ، کیونکہ وہ مضر ہے ۔ اور حانث ہونا اس صورت میں ہوگا جب کہ بیضہ دینے والے زندہ جانور نے وہ انڈا دیا ہو اور یا یہ کہ وہ انڈا بذات خود کھایا جاتا ہو خواہ وہ زندہ جانور کا ہو یا مردہ جانور کا ۔ اگر یہ صورت نہ ہو ، جیسے مچھلی کے انڈے جسے بطارخ (انڈوں کا جھول) کہتے ہیں ، اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا ، کیونکہ وہ انڈے پانی کے باہر زندہ مچھلی کے نہیں ہوتے ، بلکہ مچھلی کا پیٹ چاک کر کے نکالا جاتا ہے، یہی حکم ٹڈیوں کے انڈوں کا ہے کہ وہ علیحدہ نہیں کھائے جاتے بلکہ ٹڈی کے ساتھ اس کے انڈے بھی کھائے جاتے ہیں ۔ ایسے انڈوں کو اگر علیحدہ کر کے کھا بھی لیا جائے تو قسم نہیں ٹوٹتی اسی طرح وہ انڈا بھی جس کا خول سخت نہ ہوا ہو اور مرغی کے پیٹ سے ذبح کرنے کے بعد نکلا ہو کھانے سے حانث نہ ہوگا ، کیونکہ زندہ جانور کے لیے ایسا انڈا دینا ممکن نہیں ہے ۔ ہاں وہ انڈا جو مرغی کے پیٹ سے ذبح کرنے کے بعد←

← نکلا اور وہ سخت ہے تو اس کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ وہ انڈا ایسا ہی ہے جیسا زندہ جانور کا دیا ہوا انڈا۔

واضح ہو کہ ککڑی، کھیرا، گاجر اور بینگن میوے میں شامل نہیں ہیں لہذا جس نے میوہ نہ کھانے کی قسم کھائی ہو ان اشیاء کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

اگر قسم کھائی کہ میں گندم نہیں کھاؤں گا تو کسی شکل میں بھی گندم کھانے سے حانث ہو جائے گا خواہ کچا کھائے یا پکا کر، بھگو کر یا آگ میں بھون کر یعنی بوری بنا کر، لیکن اگر اسے آٹے کی شکل میں یا روٹی وغیرہ بنا کر کھایا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اسے گندم نہیں کہا جاتا۔ لیکن اگر گندم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا نام لیے بغیر کہا کہ میں اس کو نہیں کھاؤں گا تو اس گندم کو اسی حالت میں کھانے یا اس کا آٹا یا روٹی یا کوئی اور چیز جو اس سے بنتی ہے بنا کر کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ یہ رطب (تازہ خرما) نہیں کھاؤں گا اور تمر (کھجور) کی صورت میں کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قسم کھائے کہ اس بچے سے کلام نہیں کروں گا اور پھر اس کے بالغ ہونے پر اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اب وہ بچہ نہیں رہا۔

اگر قسم کھائی کہ اس درخت میں سے نہیں کھاؤں گا تو اس درخت کی ایسی شے کھانے سے جو کھائی جاتی ہے جیسے اس کا پھل اور گوند، حانث ہو جائے گا، لیکن اگر اس کے پتے اور لکڑی میں سے کچھ کھا لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف عام میں یہ چیز کھانے کی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس گائے سے کچھ نہیں کھاؤں گا تو اس گائے کا بچہ کھانے یا اس کا دودھ پینے سے حانث نہ ہوگا بلکہ (گائے کی) صرف اس شے کے کھانے سے حانث ہوگا جو کھائی جاتی ہے، مثلاً اس کا گوشت یا اوجھڑی وغیرہ۔

اگر قسم کھائی کہ میں پتلی شے نہیں کھاؤں گا اور اسے روٹی کے ساتھ (لگا کر) کھایا تو حانث ہو جائے گا، لیکن اگر اسے پی لیا تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ پتلی چیز نہیں پیوں گا اور اسے روٹی کے ساتھ کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ ←

→ اگر قسم کھائی کہ گھی نہیں کھاؤں گا لیکن اس کو دلیا (کھچڑ) وغیرہ میں ڈال کر کھایا تو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ گھی اس میں دکھائی دیتا ہے تو حانث ہوجائے گا اور اگر وہ اس میں جذب ہوگیا ہے اور نظر نہیں آتا تو حانث نہ ہوگا۔ اور گھی کو (کھانے کی بجائے) پی لیا تو حانث نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا، تو چربی، گودا جو ہڈیوں میں ہوتا ہے، جگر، تلی، دل، اوجھڑی، انتڑی، چکتی مغز (کھوپڑی کا گودا) پپوٹا، گردہ، پائے، سری، کلے اور جیب (زبان) وغیرہ تمام چیزیں جن کو گوشت نہیں کہا جاتا اور نام و صفات کے اعتبار سے وہ ایک جدا شے ہوتی ہے، کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ ہاں اگر قسم کھانے والے نے چربی کے بڑھ جانے (موٹاپے) سے بچنے کی نیت سے یہ قسم کھائی تھی تو ان سب چیزوں میں سے کسی کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی امر ایسا ہے جو گوشت کھانے سے باز رہنے کو متقاضی ہے، ایسی قسم کھائی تب بھی ان اشیاء کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔

اگر کسی نے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو گوشت کھانے سے حانث ہوجائے گا خواہ وہ گوشت حرام ہو، مثلاً سور یا مردار جانور کا گوشت یا غصب کیا ہوا گوشت۔ اسی طرح مچھلی اور شکار، پرندوں کا گوشت، کیونکہ ان سب کو گوشت کہا جاتا ہے۔

اگر چربی نہ کھانے کی قسم کھائی تو جانور کی ہر ایسی چیز کھانے سے جو آگ پر پگھل جاتی ہے، قسم ٹوٹ جائے گی، لہٰذا پٹھہ، پلے یا گردن کی چربی یا فربہ (چکنا) گوشت یا چکتی اور کبھ کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ ہاں اگر سرخ گوشت جس میں چکنائی دکھائی نہ دیتی ہو کھائی تو حانث نہ ہوگا۔

اگر قسم کھائی کہ دودھ نہ پیوں گا تو اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری یا شکار کا دودھ یا انسان کا دودھ پینے سے حانث ہو جائے گا، خواہ یہ دودھ رقیق ہو یا خشک یا جما ہوا۔ لیکن اگر وہ مکھن یا گھی یا کشک (دودھ اور آٹے سے بنی ہوئی ایک غذا) یا دودھ کی لگدی یا دہی ہو تو حانث نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس میں دودھ کا ذایقہ ہو تو حانث ہو جائے گا۔ ←

← اگر قسم کھائی کہ مکھن نہیں کھاؤں گا تو گھی یا دہی کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ، بشرطیکہ مکھن کا ذایقہ اس میں نہ ہو ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی اسی طرح اگر قسم کھائی کہ مکھن نہیں کھاؤں گا اور دہی کھا لیا یا کوئی ایسی چیز جو دودھ سے بنتی ہے ، مثلاً ڈبل روٹی ، یا باقرخانی وغیرہ کھائی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کو مکھن نہیں کہا جاتا ۔ اگر گھی نہ کھانے کی قسم کھائی اور مکھن کھایا تو حانث نہ ہوگا ۔ ہاں اگر خالی گھی کھایا یا دلیا اور گھی میں پکی ہوئی غذا وغیرہ جس میں گھی کا ذایقہ پایا جاتا ہے کھایا تو حانث ہوجائے گا ۔ ہاں اس کا مزہ ظاہر نہ ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اگر دودھ نہ کھانے کی قسم کھائی اور ایسی چیز کھا لی جو دودھ میں پکی ہو اور اس میں دودھ کا عنصر نمایاں ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر کسی نے میوہ نہ کھانے کی قسم کھائی تو انگور ، خرما ، انار ، بہی ، سیب ، ناشپاتی ، آڑو ، لیمو ، بیری ، کیلا ، خربوزہ ، خشک و تر کھجوریں ، انجیر ، زرد آلو ، عناب ، بادام اور پستہ وغیرہ نیز ہر ایسی شے جسے میوۂ خشک یا تر کہا جاتا ہے ، کھانے سے حانث ہو جائے گا ، ککڑی ، کھیرا ، خس اور زیتون کے کھانے سے حانث نہ ہو گا ۔ لیکن نبق (جھڑبیری جیسا ایک پھل) جسے زعرور کہتے ہیں اور جو ذایقہ اور کسیلے پن میں بیری کی مانند ہوتا ہے ، نیز جنگلی شفتالو اور ہر ایسے درخت کا پھل جو 'شیریں ثمر' نہ ہو کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اسی طرح گاجر ، شلجم ، لوبیا ، اروی اور دوسری سبزیاں جنھیں میوہ نہیں کہتے ، کھانے سے بھی قسم نہیں ٹوٹتی ۔

اگر قسم کھائی کہ بسر (گدرایا کھجور) نہ کھاؤں گا اور ایسی کھجور کھائی جس کے کنارے تر اور باقی حصہ خشک تھا یا ایسی کھجور جو آدھی خشک اور آدھی تر تھی تو حانث ہو جائے گا ۔ نیز اگر تر اور خشک حصوں کو الگ الگ کھایا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی ۔ ہاں اگر صرف خشک حصہ کو کھایا اور تر حصہ چھوڑ دیا تو حانث نہ ہوگا ۔ ایسا کھجور وہ ہوتا ہے جو پتے میں دب جاتا ہے ۔ اس کے بعد کھجور کچا ہوتا ہے جسے 'ملج' کہتے ہیں ، پھر 'بسر' (گدرایا ہوا کھجور) کہلاتا ہے ۔ بسر وہ ہے جو لمبا ہو کر سرخ یا زرد ←

← رنگ پکڑنے لگے ۔ اس کے بعد اسے رطب (تازہ خرما) اور پھر 'تمر' (پختہ خرما) کہا جاتا ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ انگور نہیں کھاؤں گا تو خشک انگور (منقیٰ) کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اسی طرح اگر جدی (ایک سال تک کا میمنہ) نہ کھانے کی قسم کھائی اور 'تیس' (بکرا) کھا لیا تو حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ 'جوان آدمی' سے نہیں بولوں گا اور بوڑھے آدمی سے بات کی تو حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ اس گائے میں سے کچھ نہ کھاؤں گا تو اس کے بچھڑے کا گوشت کھانے یا اس گائے کا دودھ پینے سے حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ اس آٹے میں سے نہیں کھاؤں گا تو اس آٹے کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ یہ چیز نہیں کھاؤں گا اور اسے (کھایا نہیں) ، بلکہ بغیر چبائے نگل لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ کھانے کے اصل معنے چبا کر نگلنے کے ہیں ۔

اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کھاؤں گا اور زوال کے بعد کھایا تو حانث نہ ہوگا ، کیونکہ ناشتے کا وقت طلوع آفتاب سے زوال کے وقت تک ہے اور اس کے بعد کا جو وقت ہے اس میں کھانے کا نام 'عشاء' (رات کا کھانا) ہے ۔ اگر قسم کھائی کہ عشاء (رات کا کھانا) نہ کھاؤں گا اور آدھی رات گزرنے کے بعد کھایا تو حانث نہ ہوگا ، کیونکہ عشاء (رات کے کھانے) کا وقت زوال آفتاب سے لے کر آدھی رات ہوتا ہے ۔ اگر سحری نہ کھانے کی قسم کھائی اور آدھی رات کے بعد کھایا تو حانث ہو جائے گا اور حانث اسی صورت میں ہوگا جب کہ آدھی بھوک (یا آدھے پیٹ) سے زیادہ کھا لیا ہو ، اگر صرف آدھے پیٹ یا اس سے کم کھایا تو حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ 'لاون' نہیں کھاؤں گا تو ہر ایسی شے جس کو روٹی کے ساتھ یا ڈبو کر کھانے کا رواج ہے ، جیسے سالن ، شوربا ، زیتون ، انڈا ، نمک ، کھجور اور انگور خشک وغیرہ کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ خوراک (کھانا) نہیں کھاؤں گا تو روٹی کھانے سے اور گیہوں ، جو ، مکی ، باجرا ، آٹا اور میوہ : کھجور ، خشک انگور ، زرد آلو ، ←

اندر جانے اور باہر آنے کی قسم کھانے اور گھر کے متعلقہ مسائل کا بیان

کسی گھر میں جانے یا باہر آنے اور گھر کے متعلقہ امور کی بابت قسم کھانے کے مسائل ، ازروے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← انجیر ، شہتوت ، گوشت اور دودھ اور اسی طرح کی اور اشیاء کھانے سے حانث ہو جائے گا ، ہاں انگور اور سرکہ وغیرہ کھانے سے حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ طعام (غذا) نہ کھاؤں گا تو ہر وہ شے جو کھائی جاتی ہے یا پی جاتی ہے اُس کے استعمال سے حانث ہو جائے گا ، مثلاً کھانا ، سالن ، شیرینی ، اس میں کوئی چیز سخت ہو یا پتلی شے اور ہر وہ سبزی جس کے کھانے کا رواج ہے ۔ ہاں پانی یا دوا پینے اور درخت کی پتی اور برادۂ چوب کھانے سے حانث نہ ہوگا ۔ یاد رہے کہ ان تمام مسائل پر متذکرہ سابقہ اُصول کو ملحوظ رکھنا چاہیے ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ میں کسی بھی گھر کے اندر نہ جاؤں گا تو کعبہ ، مسجد ، یہودیوں کے کنیسہ اور عیسائیوں کے گرجا میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ عمارتیں رہائش کے لیے نہیں ہیں ۔ اسی طرح دہلیز اور دروازے کے آگے کے سائبان میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی بشرطیکہ وہ رہایش (شب باشی) کے قابل نہ ہوں ۔ نیز اگر دار (مکان) کا لفظ بصورت تنکیر استعمال کرتے ہوئے کہا کہ کسی مکان میں داخل نہ ہوں گا اور اُس جگہ داخل ہوا جہاں کھنڈر ہے اور تعمیر نہیں ہے تو حانث نہ ہوگا ۔ لیکن اگر مکان کا لفظ اشارے کے ساتھ بطور معرفہ استعمال کیا کہ اس مکان میں نہیں جاؤں گا تو اُس مکان کے کھنڈر میں بھی جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی ، خواہ وہ میدان بن گیا ہو ۔ اسی طرح اگر کسی کے صحن ، چبوترے یا نشست گاہ میں داخل ہوا ، اگرچہ وہ چھتا ہوا نہ ہو تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ وہ بھی موسم گرما میں رہایشی مقصد (شب باشی) کے لیے استعمال ہو سکتا ہے ۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہیں جاؤں گا اور کسی دوسرے مکان کی چھت سے اُس مکان کی چھت پر پہنچ گیا اور وہاں توقف کیا تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ ←

← حانث ہو جائے گا ، کیونکہ (گھر) سے مراد وہ عمارت ہے جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہو ، خواہ یہ گھیراؤ نیچے کی جانب سے ہو یا اُوپر سے دونوں حالتوں میں وہ گھر کا اندرونی حصہ کہا جائے گا ، خواہ چھت کے چاروں طرف دیواریں ہوں یا نہ ہوں ۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے وہ قسم نہ ٹوٹے گی بجز اُس صورت کے جب کہ چھت دیواروں یا جنگلوں سے محصور ہو ، کیونکہ اندر جانے کا اطلاق عرف عام میں اسی حالت میں ہو سکتا ہے ۔ لیکن اگر اُس چھت پر پردہ کی دیواریں نہیں ہیں تو وہ شخص گویا اُس عمارت کی فضا میں ہے، اُس کو گھر کے اندر جانے والا نہیں کہا جا سکتا ۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ اس طرح کی قسموں میں عرف پر انحصار ہوتا ہے، لہٰذا اگر عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہو کہ چھت پر چڑھنا اور کسی دیوار یا درخت کے اُوپر جانا اُس کے اندر جانے کے لیے بولا جاتا ہو تو گو کوئی شخص مکان کے اندر نہ جائے اُس کو حانث قرار دیا جائے گا بصورت دیگر گھر میں جائے بغیر قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر کوئی شخص (اُس مکان کی) ڈیوڑھی کی چوکھٹ پر دونوں قدموں سے اس طرح کھڑا ہو کہ دروازہ بند کرنے پر وہ باہر ہی رہے تو حانث نہ ہوگا ، البتہ اگر اس طرح کھڑا ہو کہ دروازہ بند کرنے سے اندر ہو جائے تو حانث ہو جائے گا ۔

اگر قسم کھائی کہ ممکن ہوا تو اگلے روز فلاں کے پاس جائے گا تو اُس پر لازم ہے کہ اگر بیماری یا حکم حاکم یا بھول یا جنون مانع نہ ہو تو اُس کے پاس ضرور جائے ۔ اگر یہ یا اسی جیسا کوئی امر مانع نہ ہوا اور نہ گیا تو حانث ہو جائے گا ۔

اگر بیوی کے متعلق قسم کھائی کہ وہ اُس کی اجازت ، حکم یا اُس کے علم اور رضامندی کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے گی اور وہ اُس کی اجازت یا حکم یا اُس کے علم اور یا رضامندی کے بغیر چلی گئی تو حانث ہو جائے گی ۔ اور اس صورت میں ہر بار (جب گھر سے نکلے) اجازت لازم ہے ۔ اس میں یہ شرط ہے کہ بیوی نے اُس کی اجازت کو سمجھ لیا ہو اور کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جس سے پایا جائے کہ اجازت کا ارادہ نہ تھا ۔ چنانچہ اگر خاوند نے کہا کہ گھر سے چلی جا اللہ تجھے ذلیل کرے یا تجھ پر عذاب ہوگا ۔ اس صورت میں اگر وہ گھر سے نکلی تو اُس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اسی طرح دھمکاتے ہوئے اُس کا یہ کہنا بھی ←

→ ہے کہ 'گھر سے نکل تو سہی' لیکن اگر (خاوند نے) گھر سے باہر جا کر کوئی ضرورت کی چیز خریدنے کے لیے کہا تو یہ گھر سے باہر جانے کی اجازت ہوگی - اگر بیوی نے ماں کے گھر جانے کی اجازت لی اور وہ گھر سے نکل کر بھائی کے ہاں چلی گئی تو اس سے وہ شخص حانث نہ ہوگا - (واضح ہو کہ اس مسئلہ میں) جہاں تک خاوند کی رضامندی کا تعلق ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ بیوی کو اس کی رضا کا علم بھی ہو بخلاف اجازت اور حکم کے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ بیوی نے خاوند کی اجازت یا حکم کو خود اس سے یا اس کے کسی فرستادہ سے سنا اور سمجھ لیا ہو -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کی اجازت کے بغیر فلاں شخص سے بات نہ کروں گا تو اس کے لیے صرف ایک بار اجازت لینا کافی ہوگا (ہر بار اجازت لے کر بولنا ضروری نہیں ہے) اور اس صورت میں جب کہ بیوی سے کہا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں یا یوں کہا کہ میں اجازت نہ دوں تو گھر سے نہ نکلیو ، تو ایک بار کی اجازت کافی ہو گی البتہ اگر اس کی نیت ہر بار اجازت سے تھی تو اس کی بات پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ سختی اس نے خود اپنے اوپر اختیار کی ہے -

اگر قسم کھائی کہ اس شہر یا اس آبادی یا اس گاؤں میں نہیں رہوں گا تو اس کے آبادی سے باہر چلے جانے سے قسم پوری ہو جائے گی لیکن اسی حالت میں جب کہ جانے کے بعد واپس آنے کی نیت نہ ہو بصورت دیگر اسے وہاں رہنے والا ہی مانا جائے گا -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا اور کسی گھر کے ایک ہی کمرے میں دونوں ٹھہرے تو حانث ہو جائے گا - البتہ اگر وہ کوئی بڑا گھر ایک محلہ کی مانند ہے تو اس میں ٹھہرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - اگر دونوں نے ایک دیوار درمیان میں کھڑی کرکے ایک گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا اور وہ گھر جس میں ساتھ نہ رہنے کی قسم کھائی تھی کوئی مخصوص گھر تھا مثلاً یوں کہا تھا کہ میں اس خاص گھر میں تیرے ساتھ نہیں رہوں گا تو (دیوار کھڑی کرکے تقسیم کے باوجود) اس گھر میں رہنے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر کوئی گھر متعین نہ کیا تھا تو (اس طرح تقسیم کے بعد رہنے سے) حانث نہ ہوگا -

←

← اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ مہینہ بھر سکونت اختیار نہ کروں گا اور اس کے بعد گھڑی بھر بھی ساتھ رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ ساتھ رہنا اگرچہ ایسی بات ہے جس میں مدت کا تعین اور اُس کے لیے خاص مدت ہوتی ہے لیکن کسی کے ساتھ رہنا تو تھوڑے عرصہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ کے لیے بھی - ساتھ رہنے کے (تحقق کے) لیے کم یا زیادہ عرصہ کی پابندی نہیں ہے بلکہ مدت کی قید مہینہ بھر ایک ساتھ سکونت پذیر ہونے سے باز رہنے کے لیے ہوسکتی ہے (محض ساتھ رہنے سے مانع نہیں ہے) لہٰذا گھڑی بھر بھی ساتھ رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی - لیکن اگر مہینے بھر تک ساتھ نہ ٹھہرنے کی قسم کھائی تھی تو اس مدت کی پابندی ہو جائے گی لہٰذا جب تک ایک ساتھ مہینہ بھر تک نہ رہے حانث نہ ہوگا -

اگر قسم کھائی اس مکان سے مہینہ بھر نہیں نکلے گا ، لیکن کوئی اور شخص اُسے اُٹھا کر زبردستی باہر لے گیا تو اُس کی قسم نہیں ٹوٹے گی - ہاں اگر اُس کے کہنے پر اُٹھا کر لے گیا ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ سفر کو جاؤں گا اور بہ نیت سفر آبادی سے باہر اتنی دور چلا گیا جس کا فاصلہ مسافت سفر کے برابر ہو تو قسم پوری ہو جائے گی ، خواہ پھر واپس آ جائے -

اگر قسم کھائی کہ اُس کی بیوی فلاں شخص کی شادی میں نہیں جائے گی لیکن وہ شادی سے پہلے ہی چلی گئی اور شادی کی تاریخ وہیں پر گزار دی تو وہ شخص حانث نہ ہوگا -

اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں یا اس محلہ میں نہیں رہے گا اور وہاں سے چلا گیا لیکن اپنا کنبہ اور سامان چھوڑ گیا تو اب دیکھنا چاہیے اگر وہ سامان تمام خانگی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے تو وہ حانث ہو جائے گا، ہاں اگر تھوڑا سا سامان جو خانگی ضروریات کےلیے مکتفی نہ ہو چھوڑا تو حانث نہ ہوگا - قول مفتیٰ بہ یہی ہے - اب اگر وہ شخص اُس گھر میں کسی دوسرے کے سہارے رہایش پذیر ہو جیسے کوئی لڑکا اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہو تو محض اُس کے چلے جانے سے قسم پوری ہو جائے گی - اسی طرح اگر بیوی نے اُس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اسی پر قائم رہی اور وہ شخص تنہا چلا گیا تو قسم ←

← پوری ہو جائے گی - اگر چوری وغیرہ کے اندیشہ سے گھر سے جانا ممکن نہ ہو تو اُسے معذور سمجھا جائے گا اور اس وجہ سے ٹھہرنا پڑا تو حانث نہ ہوگا - اسی طرح اگر دروازہ باہر سے بند کر لیا جائے اور نہ کھل سکے یا کسی اور مکان کی تلاش میں کچھ دنوں وہاں ٹھہرنا پڑا تاکہ اپنا سامان (نئی جگہ پر) منتقل کر سکے، تو گو یہ ممکن ہو کہ کرایہ کے جانور پر سامان لے جا سکے تاہم (اس توقف سے) حانث نہ ہوگا -

اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے مکان میں نہیں جاؤں گا ، اور اس شخص کے متعدد مکان ہیں اُن میں سے کسی ایسے مکان میں گیا جہاں اُس کی رہائش نہیں ہے تو اس مسئلہ میں دو رائیں ہیں : ایک تو یہ کہ وہ قطعاً حانث ہو جائے گا کیونکہ وہ ایسے مکان میں گیا جو اُس شخص کا مملوکہ ہے اور یہ اُس کا مکان کہا جاتا ہے ، گو اُس میں نہ رہتا ہو - دوسری رائے یہ ہے کہ اگر اُس شخص کا وہ مکان کسی شخص نے کرایہ پر لے رکھا ہو تو (اُس میں جانے سے) حانث نہ ہوگا کیونکہ بقول ان اصحاب کے کرایہ پر دینے یا کسی کے حوالے کر دینے سے اُس کی جانب جو نسبت تھی وہ جاتی رہی جیسے فروخت کردینے سے جاتی رہتی ہے - البتہ اگر اُس مکان میں کسی اور شخص کی رہایش نہ ہو تو اُس میں جانے سے بہرحال قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اُس مکان کی نسبت اُس کی طرف کی جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ 'زید' کے گھر نہ جائے گا اور زید کے مرنے کے بعد اُس میں گیا تو قسم نہیں ٹوٹی کیونکہ اب وہ مکان (اُس کا نہیں بلکہ) اُس کے وارثوں کا ہے اور وہ اُس کا مالک شمار نہ کیا جائے گا اگرچہ متوفی کو مکان کی قیمت کے برابر قرضہ دینا ہو - اسی قول پر فتویٰ ہے ؛ کیونکہ گو ادائیگی قرض کے لیے وہ مکان متوفی کا مملوکہ قرار دیا جاتا ہے لیکن ہر لحاظ سے متوفی اُس کا مالک نہیں ہے -

اگر کسی عورت نے گھر سے باہر جانے کی تیاری کی ، مثلاً جانے کے لیے کپڑے وغیرہ پہن لیے لیکن خاوند نے کہا کہ اگر نکلی تو طلاق ہے اس پر وہ واپس آ گئی اور بیٹھ گئی اور گھڑی بھر گزارنے کے بعد نکلی تو اُس شخص کی قسم نہیں ٹوٹی - قطع نظر اس کے کہ جس حال میں وہ باہر جا رہی تھی وہ حالت تبدیل کر دی ہو یا نہ بدلی ہو - مثلاً باہر جانے کے لیے کپڑے جو پہنے تھے وہ ←

→ اتار دیے ہوں یا نہ اتارے ہوں ۔ لیکن اگر کوئی عورت اپنے باپ کے گھر میں ہو اور اس سے خاوند نے کہا کہ اگر تو فوراً اٹھ کر میرے گھر نہیں چلتی تو تجھے طلاق ہے ۔ اس پر وہ فوراً اٹھی اور جانے کے لیے کپڑے پہنے اور گھر سے باہر آ گئی لیکن معاً واپس آ کر بیٹھ گئی یہاں تک کہ اس کا خاوند چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد وہ بھی اس کے گھر چلی گئی تو اس شخص کی قسم نہیں ٹوٹی ، بشرطیکہ وہ عورت اسی حال میں رہی ہو جس حال میں باہر جانے کا ارادہ کیا تھا ۔ ہاں اگر اس نے وہ کپڑے اتار لیے اور بیٹھ گئی تو اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی ۔ ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جس بات کی قسم کھائی تھی وہ گھر سے نہ نکلنا تھا یعنی (نکلنے کا عمل) ترک کرنا ۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ گھر سے نکلنے کے برعکس وہ گھر میں ٹھہری رہی ۔ اب درآنحالیکہ وہ گھر سے نکلنے کی بجائے جس کے خلاف اس شخص نے قسم اٹھائی تھی گھر میں بیٹھ رہی تو وہ شخص حانث نہ ہوگا کیونکہ باہر جانے کا فعل اس سے سرزد نہیں ہوا خواہ اپنی حالت (تیاری کی) اس نے بدلی ہو یا نہ بدلی ہو ۔ اس کے برخلاف دوسری صورت جس میں قسم کی بنیاد خاوند کے گھر جانے پر تھی ، یہ فعل مثبت نوعیت کا تھا جو متحقق نہیں ہوتا جب تک کے عمل میں نہ آ جائے ۔ تو جب اس کی تیاری کر لی تو اس کا عمل میں لانا مقصود ہوا ۔ رہا اس کا (واپس آ کر) بیٹھ جانا سو یہ تو خاوند کے انتظار میں تھا اور جانے کے ارادے ہی سے بیٹھی تھی ۔ اس کا مقصد سرتابی نہ تھا ، بلکہ وہ اسی کام کا تہیہ کیے ہوئے تھی ۔ لیکن اس صورت میں (حانث نہ ہونے کی) یہ شرط ضرور ہے کہ بیوی کی حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ گویا وہ اسی کام میں (یعنی جانے کی تیاری میں) لگی ہوئی ہے ، سرتابی نہیں ہے ۔ ہاں اگر اس کی حالت بدل گئی اور اس کام کے کرنے سے سرتابی کا اظہار کیا (تو وہ شخص حانث ہو جائے گا) ۔

واضح ہو کہ اس قسم کو 'یمین الفور' (یعنی وہ قسم جو فوری عمل کی متقاضی ہو) کہتے ہیں اور فوری عمل کا وقت گھڑی بھر کے اندر ہے ۔ جس بات کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس کے لحاظ سے قسم کی تین قسمیں ہیں :

یمین مؤبدہ یا مطلقہ (قسم دائمی یا قسم بلا قید) لفظاً اور معناً

یمین مؤقتہ (قسم بقید وقت) لفظاً و معناً اور ←

→ وہ یمین (قسم) جو لفظاً مؤبدہ ہو اور معناً مؤقتہ ہو (یعنی لفظ کے اعتبار سے دائمی اور مفہوم کے اعتبار سے بقید وقت ہو) اور یہی دراصل یمین فور ہے؛ لہٰذا اس میں حال (وقت موجودہ) کی پابندی ہے کیونکہ اس قسم کی بنا کسی امر حال (فوری) پر ہے۔ اس کی مثال اوپر آ چکی ہے۔ یا پھر (یہ صورت ہو کہ) وہ قسم کسی ایسی بات کے جواب میں کھائی گئی ہو جس بات کا تعلق حال (موجودہ وقت) سے ہو مثلاً کسی نے دوسرے شخص کو کہا کہ ''آؤ میرے ساتھ ناشتا کر لو!'' اُس کے جواب میں اُس شخص نے کہا ''اگر میں ناشتا کروں تو میری بیوی پر طلاق'' ۔ اب جہاں تک اس قسم کے الفاظ کا تعلق ہے وہ مطلق ہیں اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس میں زمانۂ حال کی قید ہے کیونکہ یہ قسم اس بات کے جواب میں ہے جو کسی نے کہی تھی کہ ''میرے ساتھ ناشتا کر لو'' لہٰذا یہ قسم اُسی صورت میں ٹوٹے گی جب کہ فوری طور پر اُس شخص کے ساتھ ناشتا کیا جائے۔ اگر اُس نے تنہا ہی ناشتا کر لیا تو حانث نہ ہوگا، خواہ کھانا وہی ہو جس کے لیے بلایا گیا تھا۔ ہاں اگر کہنے والے نے یوں کہا ہو کہ آؤ میرے ساتھ ناشتے میں یہ چیز (مثلاً نہاری) کھا لو اور اُس نے ناشتہ نہ کرنے کی قسم کھائی تو اس چیز کے کھانے سے جس کے لیے بلایا گیا تھا، حانث ہو جائے گا (خواہ علیحدہ کھائے)۔ اور اگر کسی نے کہا کہ بخدا آج میں ناشتا نہیں کروں گا تو محض ناشتا کرنے سے حانث ہو جائے گا (خواہ کچھ بھی کھائے)، کیونکہ جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ (عملی حیثیت سے) کچھ زیادہ پابندی تھی، اور وہ ایک مستقل قسم کی حیثیت ہو گئی (جوابی حیثیت نہیں رہی)۔ ہاں اگر اُس کی نیت (مستقل قسم کی) نہ رہی ہو (بلکہ جوابی حیثیت سے یہ کہا ہو) تو دیانتاً اُس کی بات مان لی جائے گی۔

اگر قسم میں فوری عمل کے لیے کوئی قرینہ نہ ہو، جیسا کہ سابقہ مثالوں میں ہے، تو لفظ اذا (یعنی جب) کو فوری عمل کے لیے اور لفظ 'ان' (اگر) کو تاخیر کے مفہوم میں لیا جائے گا۔ پس اگر کہا کہ جب ایسا کروں تو مجھ پر یہ ہے، تو لازم ہے کہ فوری طور پر قسم کو پورا کر لے، تاخیر کی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ بخلاف اس کے لفظ 'جب' کی بجائے ''اگر'' استعمال کیا تو فعل مطلق مراد ہوگا۔ یہاں پر یہ مثال 'یمین فور' کے سلسلہ میں آ گئی ہے۔ دراصل اس کا محل 'کھانے کی قسم کھانے' کے بیان میں ہے۔ ←

→ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جائے گا تو حمام ، قہوہ خانہ ، کارواں سرائے ، دکان ، ڈھابہ ، بھٹی خانہ یا قید خانہ میں داخل ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ عام رواج کی رو سے گھر کا لفظ ایسی رہایش گاہ کے لیے خاص نہ ہو جہاں لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ رہتے ہوں ، جیسا کہ آج کل اہل مصر میں یہ لفظ اسی مفہوم میں مشہور ہے - ایسی صورت ہو تو جب تک رہایشی مکان میں نہ داخل ہو قسم نہ ٹوٹے گی - اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے گھر میں نہیں ملوں گا ، لیکن وہ اُس شخص کے پڑوسی کے گھر گیا اور ناگاہ وہ شخص بھی وہاں موجود تھا جس سے نہ ملنے کی قسم کھائی تھی تو اس صورت میں وہ قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ (قسم میں) کچھ اور نیت نہ رہی ہو یا اُس قسم کے لیے کوئی ایسی بساط (خاص سبب) نہ ہو جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے کیونکہ اُس کے پڑوسی کا گھر اُس کے اپنے گھر کی مانند ہے - ایک پڑوسی کا حق دوسرے پر ہوتا ہی ہے -

واضح ہو کہ عربی لفظ ''بیت'' تعمیر کے علاوہ خیمہ (اونی چھولداری) کے معنیٰ پر بھی مشتمل ہے ، جب کہ خاص طور پر اس سے تعمیر شدہ گھر ہی مراد ہو یا پھر اس مفہوم کے لیے کوئی بساط (سبب یا قرینہ) ہونا چاہیے- مثلاً کسی نے دیکھا کہ کوئی ''بیت'' ساکنان بیت کے اوپر ڈھے پڑا ؛ اس کو دیکھ کر کسی شخص نے قسم کھا لی کہ میں اب کسی 'بیت' میں نہ رہوں گا تو اس قسم میں (جو بیت کے منہدم ہو جانے کے باعث کھائی گئی) خصوصیت کے ساتھ تعمیر ہی مراد ہوگی - اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے وہ کسی گھر میں نہیں ملے گا اور قید خانہ میں جہاں وہ تھا اس کو بھی حکماً رکھا گیا اور قید خانہ میں جانے کا وہ سزاوار بھی تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی - لیکن اگر اسے قیدخانہ میں ناحق داخل کیا گیا تو حانث نہ ہوگا -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر نہ جاؤں گا ، حالانکہ وہ اسی کے گھر میں ہے ؛ اب اگر وہ وہیں پر ٹکا رہا تو حانث ہو جائے گا ، کیونکہ اس صورت میں اس کا وہیں پر ٹکا رہنا ایسا ہے جیسے کوئی اس میں (قسم کے بعد) پہلی بار داخل ہوا - لیکن اگر قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا ، حالانکہ اسی گھر میں ہے اور وہیں ٹھہرا رہا تو ٹھہرے رہنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - ←

→ اگر قسم کھائی کہ کسی جانور پر سوار نہ ہوں گا ، حالانکہ جانور پر سوار ہے یا یہ کہ لباس نہ پہنوں گا اور لباس پہنے ہوئے ہے یا یہ کہ گھر میں نہیں رہوں گا حالانکہ گھر ہی میں رہتا ہے ۔ اور قسم کے بعد بھی اسی طرح جانور پر سوار رہا ، لباس پہنے رہا اور مکان ہی میں رہا لیکن ترک سکونت کرنا ممکن تھا تو حانث ہو جائے گا ۔ اگر کوئی شخص مثلاً دو دن کی مسافت کے سفر میں ہے اور قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سوار رہوں گا اور اس وقت بھی سوار ہے تو یہ قسم اسی صورت میں پوری ہوگی جب کہ پوری مسافت (اسی جانور پر) طے کر لی جائے ۔ رات کے وقت اور حاجات ضروریہ کے لیے اترنے سے قسم میں خرابی نہ ہوگی ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ یہ لباس ضرور پہنوں گا اور اس وقت بھی پہن رکھا ہے تو یہ قسم جبھی پوری ہوگی کہ وہ لباس اتنے عرصہ تک پہنے رہے جتنے عرصہ تک اس کے پہنے رہنے کا تصور تھا ۔

اگر اپنی بیوی کے بارے میں قسم کھائی کہ میری اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی اور اسے کہہ دیا کہ میری اجازت کے بغیر باہر نہ جانا تو اگر اجازت دی اور بیوی کو اس اجازت کا علم تھا تو حانث نہ ہوگا ، اور اگر اس طرح کہا کہ جب میں اجازت دوں تب ہی گھر سے جائیو تو اس عورت کو اجازت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اگر خاوند کی طرف سے اجازت تو تھی لیکن اس اجازت کا اسے علم نہ تھا اور وہ گھر سے باہر گئی تو اس شخص کی قسم نہیں ٹوٹے گی ۔

یاد رہے کہ اجازت کا واضح طور پر ہونا ضروری ہے ، چنانچہ اگر مثلاً بیوی چلی گئی اور اس کے جانے کا اسے علم تھا لیکن منع نہیں کیا تو اس عام کو اجازت نہ سمجھا جائے گا ۔ اگر قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو مثلاً باپ کے گھر جانے کے سوا اور کہیں جانے کی اجازت نہ دوں گا ۔ چنانچہ اس کی اجازت دے دی لیکن بیوی نے اس پر زیادتی کی کہ باپ کے علاوہ کسی اور کے گھر بھی گئی ، خواہ باپ کے گھر جانے سے پہلے یا بعد میں یا (باپ کے گھر کی بجائے) کسی اور کے گھر چلی گئی ۔ اب اگر اس خلاف ورزی کا علم خاوند کو نہیں ہوا یا اس وقت ہوا جب یہ خلاف ورزی ہو چکی تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ لیکن اگر اس کا علم اس وقت ہوا جب بیوی خلاف ورزی کرنا چاہتی تھی اور اس نے منع نہیں کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ اس صورت میں اس کا ←

← جان بوجھ کر (منع نہ کرنا) اجازت قرار دیا جائے گا۔ بہ خلاف پہلی صورت کے کہ اس کی خلاف ورزی کی محض اطلاع پانا اجازت دینا نہیں ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں قسم کو باقی رکھنے کا پہلو ہے، لہٰذا اسے برقرار رکھا جائے گا (کیونکہ اسے خلاف ورزی کا علم ہوا ہی نہیں) لیکن دوسری صورت میں قسم کے ٹوٹنے کا پہلو ہے (کیونکہ اس کی خلاف ورزی ظاہر ہے) لہٰذا معمولی سبب سے قسم ٹوٹ جائے گی (معمولی سبب یہ ہے کہ اس نے منع نہیں کیا)۔

اگر بیوی کے بارے میں قسم کھائی کہ وہ میری اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی۔ پھر اس نے باپ کے گھر جانے کی اجازت دے دی اور بیوی نے یہ زیادتی کی کہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی تو وہ شخص بقول معتمد حانث ہو جائے گا، خواہ اسے اس زیادتی کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اگر قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا اور وہ گھر اسی کا تھا لیکن بعد میں کسی اور کے ہاتھ فروخت کردیا اور پھر کرایہ پر یا عارضی طور پر اس میں رہنے لگا تو قسم ٹوٹ جائے گی: البتہ اگر قسم میں نیت یہ تھی کہ مالک خانہ ہونے کی حیثیت سے نہیں رہے گا تو (کرایہ پر) رہنے سے حانث نہ ہوگا جب کہ اس کا مالک کوئی اور شخص ہو گیا ہو۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور اب اس شخص نے یہ گھر کسی اور کو فروخت کر دیا اور جب دوسرے شخص نے اسے خرید لیا تب اس میں آ کر رہا تو حانث ہو جائے گا۔ البتہ اگر یہ نیت تھی کہ جب تک اس گھر کا مالک فلاں شخص ہوگا اس میں نہ رہے گا تو چونکہ اس کا مالک کوئی اور ہوگیا ہے تو اس میں رہنے سے حانث نہ ہوگا۔ ان دونوں مسئلوں میں حانث ہونے کا سبب یہ ہے کہ لفظ 'اس' (اسم اشارہ) سے گھر کی تعیین کردی گئی تھی اور یہ تعیین قبضہ منتقل ہونے کی وجہ سے ختم نہیں ہو جاتی۔ ہاں اگر یہ قسم ہو کہ فلاں شخص کے گھر میں نہ رہے گا اور اسم اشارہ سے اس گھر کا تعین نہ کیا جائے اور وہ گھر اس کی ملکیت سے خارج ہو جائے تو اس میں رہنے سے قسم نہ ٹوٹے گی بشرطیکہ نیت بھی اس خاص گھر کی نہ رہی ہو۔ (اگر اسی گھر کی نیت ہو) تو اس صورت میں نیت پر عمل درآمد ہوگا۔ ←

→ اگر قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا ، لیکن وہ گھر گر کر پیوند زمین ہو گیا اور راستہ بن گیا تو وہاں پر آنے سے قسم نہ ٹوٹے گی ۔ ہاں اگر اسی جگہ دوسرا گھر بنا لیا گیا تو اس میں داخل ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اس مکان کے کھنڈر میں گزرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے گھر کے اندر نہیں ملے گا اور مسجد میں ملنا ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ شرعاً مسجد کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں آیا جائے لہٰذا یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ قسم کھانے والے نے مسجد کا ارادہ قسم میں نہیں کیا تھا ۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کے پاس نہیں جاؤں گا اور وہ شخص خود اس کے پاس آ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، اگرچہ اس کے پاس بیٹھا رہے ، کیونکہ قسم کھانے والا (قسم کے بہ موجب) اس شخص کے پاس نہیں گیا ۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں ٹھہروں گا اور اسی گھر میں ٹھہرا ہوا ہے تو اس سے منتقل ہوجانا واجب ہے ۔ اگر اس میں ایک رات بھی ٹکا رہا تو حانث ہوجائے گا ، بشرطیکہ وہاں سے چلا جانا ممکن رہا ہو ۔ البتہ اگر کسی ظالم یا چور کے اندیشہ سے اور جگہ جانا ممکن نہ تھا تو قسم نہیں ٹوٹی تاہم کسی مناسب گھر کا نہ ملنا یا بہت زیادہ کرایہ کا گھر ملنا وہیں پر ٹکے رہنے کا عذر نہیں ہے ، بلکہ واجب ہے کہ کسی اور گھر میں خواہ وہ اونی چادر کی چھولداری ہو منتقل ہو جائے ۔ اگر دو چار روز اس لیے ٹھہرنا پڑ جائے کہ بغیر کسی غیر معمولی تاخیر کے وہ اپنا سامان وہاں سے منتقل کر سکے تو حانث نہ ہوگا ۔ اسی طرح سامان کے لیے باربرداری کا بندوبست نہ ہو سکنے کے باعث کچھ ٹھہرنا پڑا تو حانث نہیں ہوگا ۔

واضح ہو کہ گھر سے جانے کے بعد اگر دوسری بار پھر بہ غرض رہایش واپس آ گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ ان الفاظ کی قسم عام مفہوم رکھتی ہے ۔ لیکن اگر ان الفاظ میں قسم کھائی کہ اس گھر سے ضرور منتقل ہو جاؤں گا اور منتقل ہو گیا لیکن نصف ماہ گزارنے کے بعد پھر واپس آ گیا تو جائز ہے ۔ یہی حکم بقول معتمد ان الفاظ میں قسم کھانے کا ہے کہ اس گھر میں ہرگز ٹکا نہ رہوں گا اور یا اس گھر میں اقامت نہ رکھوں گا ۔ اگر ان الفاظ میں قسم کھائی ہے تو گھر میں ٹھہرے رہنے سے قسم نہ ٹوٹے گی ؛ ہاں اگر مدت قیام کی میعاد مقرر ←

کردی تھی تو اسی کے مطابق عمل درآمد ہوگا ، کیونکہ اگر کسی نے یوں کہا تھا کہ قسم اللہ کی میں ایسا ضرور کروں گا تو ایسی قسم سے تاخیر کا مفہوم نکلتا ہے ، فوری عمل درآمد کا مفہوم نہیں ہے -

اگر قسم کھائی کہ اس گھر میں فلاں شخص کے ساتھ سکونت نہ رکھوں گا ، حالانکہ فی الوقت وہ اس کے ساتھ ہی سکونت پذیر ہے تو اب اگر ان دونوں میں سے کوئی وہاں سے منتقل نہ ہو جائے جس سے اکھٹے رہنے کا عام مفہوم باقی نہ رہے یا دونوں کے درمیان کوئی دیوار نہ کھڑی کر لی جائے قسم پوری نہ ہوگی - اب خواہ یہ دیوار مستحکم ہو مثلاً پتھر سے بنائی گئی ہو یا اینٹ (خشت پختہ) وغیرہ سے یا کمزور ہو ، مثلاً کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی گئی ہو ، اور یہ عمل (دیوار کا بنا لینا) اس صورت میں جب کہ یہ کہا ہو کہ میں اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہوں گا زیادہ بہتر ہوگا -

اگر یہ قسم کھائی ہو کہ اس شخص کے پاس نہیں رہوں گا اور دونوں ایک ہی محلہ میں رہتے ہوں تو ضروری ہوگا کہ اس محلہ سے نقل مکانی کر جائے قطع نظر اس کے کہ اس نے صرف پاس نہ رہنے کی قسم کھائی ہو یا یوں کہا ہو کہ اس محلہ میں نہ رہوں گا -

اگر قسم کھائی کہ میں اس بستی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گا تو واجب ہوگا کہ (وہاں سے نکل کر) ایسی جگہ سکونت اختیار کرے جو اس سے (کم از کم) ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہو - اگر ان الفاظ سے کہ ''اس کے ساتھ نہ رہوں گا'' یہ نیت رہی ہو کہ اس سے دور رہوں گا اور پھر اس سے میل جول رکھا تو قسم ٹوٹ جائے گی - اگر عورتوں اور بچوں کے درمیان جھگڑے کے باعث یہ قسم کھائی تھی تو اس شخص سے ملنے میں قسم نہ ٹوٹے گی تاوقیتکہ میل جول اتنا نہ بڑھالیا جائے جسے عام طور پر زیادہ سمجھا جاتا ہو اگر میل جول زیادہ بڑھا لیا تو حانث ہو جائے گا -

اگر کسی گھر میں نہ رہنے کی قسم کھائی اور وہاں سے نکل گیا لیکن اپنا سامان اسی میں محفوظ کر کے رکھ گیا تو حانث ہو جائے گا - لیکن اگر گھر میں نہ رہنے کی قسم کھائی اور کسی قدر سامان اکھٹا کر کے رکھ گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ سامان کا اکھٹا کر کے رکھنا سکونت کرنا نہیں ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا اور بغیر کسی مجبوری کے وہیں ٹھہرا رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی - اگر وہ گھر مستقل وطن کے طور پر ہے تو لازم ہوگا کہ فوراً کسی اور جگہ منتقل ہونے کی نیت سے وہاں سے نکل جائے - اگر مستقل رہایش گاہ نہ بنایا ہو، بلکہ گاہ گاہے اس میں آتا ہو تب بھی فوراً نکل جانا لازم ہے لیکن یہ نیت ضروری نہیں ہے - اور جب اس طرح اس گھر سے نکل جائے تو خواہ اس کا سامان اور کنبہ اس میں موجود ہو یا نہ ہو قسم نہیں ٹوٹے گی - اگر کسی عذر سے مثلاً اپنا سامان اکھٹا کرنے کے لیے یا گھر والوں کو باہر لے جانے کے لیے یا لباس پہننے کے لیے یا گھر کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے یا جان و مال کے اندیشہ سے یا کسی شخص کے رکاوٹ ڈالنے کے باعث ٹھہرنا پڑ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی بجز اس صورت کے جب کہ ان کاموں کے لیے کسی شخص کو اپنی بجائے مناسب اجرت پر لگا سکتا ہو (تو ٹھہرنے سے حانث ہو جائے گا) لیکن اپنے بجائے کسی اور شخص کو اس کام پر لگانے کے لیے یہ شرط لازم نہ ہوگی جب کہ وہ سامان ایسا ہو جسے دوسروں سے مخفی رکھنا ضروری ہو - یہ صورت ہو تو ایسا سامان نکالنے کے لیے خود ہی ٹھہر جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی ؛ اگرچہ کوئی اور شخص اس کام کے لیے لگایا جاسکتا ہو -

اگر کسی شخص کے ساتھ نہ رہنے کی قسم کھائی حالانکہ دونوں ایک ساتھ رہتے ہوں تو قسم کے بعد اگر اس شخص کے ساتھ رہا تو حانث ہو جائے گا - البتہ اگر قسم کھانے کے بعد دونوں کے درمیان ایک دیوار کی تعمیر میں لگا رہا تو بقول راجح اس (توقف) سے قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ نہ رہوں گا لیکن کسی خاص جگہ کا تعین نیت میں نہیں تھا تو خواہ کسی جگہ بھی اس شخص کے ساتھ رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی - البتہ اگر ایک سرائے میں دو گھر الگ الگ ہوں خواہ وہ گھر چھوٹے چھوٹے ہوں اور باہم ملے ہوئے ہوں اور زینہ ایک ہی ہو تو (ان میں رہنے سے) قسم نہیں ٹوٹے گی - پس اگر دونوں الگ الگ حجرے میں رہیں اور ان کے مرافق (مشترکہ اغراض کے شعبے) مثلاً باورچی خانہ، حمام، اور زینہ مشترکہ ہوں تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

← اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں جائے گا حالانکہ اسی گھر میں موجود ہے یا یوں کہا کہ اس گھر سے باہر نہ جاؤں گا حالانکہ باہر ہے اور یا یہ کہا کہ پاک نہ ہوگا حالانکہ پاک ہے ، یا یہ کہ خوشبو نہ لگائے گا حالانکہ خوشبو لگا رکھی ہے کیونکہ (قسم کے بعد یہ کام اس نے نہیں کیا بلکہ) یہ کیفیت پہلے سے چلی آ رہی ہے اور کام پہلے ہی سے جاری ہے اسے بالعموم اب کرنا نہیں کہا جا سکتا ۔ اس مسئلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جس بات کی بابت قسم کھائی ہے اگر وہ ایسی بات ہے جو کچھ عرصہ تک جاری رہتی ہے اور اس کے لیے وقت کی تعیین ہو سکتی ہے ۔

جیسے کھڑا ہونا، بیٹھنا، ٹھہرنا ، سوار ہونا لباس پہننا ، اور شریک کار ہونا وغیرہ تو وہ کام جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس کے ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ ان کاموں کے جاری رہنے کا ایک عرصہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ میں گھڑی بھر تک کھڑا رہا ، ایک دن بیٹھا رہا ایک ماہ تک ٹھہرا اور سال بھر تک شریک کار رہا ۔ تو گویا اس عرصہ کے دوران وہ کام ہوتا رہا (لہذا اگر اس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو وہ ٹوٹ گئی) ۔ لیکن اگر وہ بات جس کی قسم کھائی ہے کچھ عرصہ تک جاری رہنے والی نہیں ہے اور اس کا وقت کے اندازے سے تعلق نہیں ہے جیسے داخل ہونا اور باہر آنا وغیرہ امور جو اوپر ذکر کیے گئے تو ان کے ہونے سے قسم نہیں ٹوٹتی (کیونکہ یہ کام ایک عرصہ تک نہیں ہوتے رہتے کہ قسم کے وقت ان کا کرنا ثابت ہو) ۔

اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں روزہ نماز نہیں کروں گا حالانکہ وہ روزے سے ہے اور پابند نماز بھی ہے تو اس کے جاری رکھنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ ان دونوں کاموں میں اگرچہ وقت کا استمرار ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ میں نے مہینے بھر تک روزہ رکھا اور ایک دن نماز پڑھی لیکن ان امور کا جس چیز پر انحصار ہے وہ نیت ہے اور نیت میں مقدار وقت کو دخل نہیں ہے کیونکہ نیت کا فعل جاری نہیں رہتا پس روزہ دار اگر کہے کہ میں روزہ نہ رکھوں گا اور روزے کی نیت پہلے ہی ہو چکی ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔

اگر کوئی شخص کسی امر کے جاری رکھنے کے باعث حانث ہو جائے اور پھر قسم کھائے کہ اس کام کو دوبارہ نہیں کرے گا اور وہ کام جاری ہے تو ←

← اس پر ایک کفارہ اور لازم ہوگا کیونکہ پہلی قسم پہلے ہی کام جاری رکھنے کے باعث ختم ہو گئی تھی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ کاروبار میں شریک نہ ہوگا حالانکہ وہ اس کا شریک کار ہے، تو اس شرکت کو جاری رکھنے سے حانث ہو جائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ اس مکان کی ملکیت میں وہ اپنے بھائی کا شریک نہ ہو گا اور ان کا باپ مر گیا اور مکان کی ملکیت ورثہ کے طور پر ان دونوں میں منتقل ہو گئی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، بشرطیکہ اس کی تقسیم کا اختیار ہو اور تقسیم نہ کی جائے۔ اگر اس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو تو مجبوری کے باعث قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں نہ جائے گا لیکن نادانستگی میں اس کے گھر میں گیا اور اس شخص کو پہچانتا نہ تھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو سلام نہ کروں گا لیکن اندھیرے میں اسے نہ پہچانا اور سلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ قسم پر گرفت ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے اس بات کو جان بوجھ کر قصداً اور اپنے ارادے سے کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی گھر میں نہ جانے کی قسم کھائی تو کسی بھی حالت میں اس کے اندر جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی خواہ چل کر گیا ہو یا سواری پر، یا کوئی اٹھا کر اسے لے جائے یا خود کو اس گھر کے قریب پانی کے بہاؤ پر ڈال دے اور پانی بہا کر اسے گھر میں ڈال دے یا دیوار پھاند کر یا نقب لگا کر یا روشن دان یا دروازے وغیرہ سے داخل ہوا ہو۔ (بہر صورت قسم ٹوٹ جائے گی) اور گھر میں داخل ہونے سے قسم اسی صورت میں ٹوٹے گی جب کہ اپنے اختیار سے قصداً داخل ہوا ہو۔ اگر مجبوراً وہ گھر کے اندر آیا مثلاً کسی نے مار پیٹ کر یا اس کا مال چھین کر اسے زبردستی گھر میں دھکیل دیا۔ یا قتل کی دھمکی دی یا ایسی ہی کسی اور بات سے مجبور ہو کر اسے گھر میں داخل ہونا پڑا تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ بات پہلے بتائی گئی ہے کہ قسم نہ ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ مجبوری سے وہ کام کرنا پڑا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اسے اٹھا کر اس کی اجازت کے بغیر گھر کے اندر لے آیا اور اسے باز رکھنا ممکن تھا لیکن باز نہ رکھا تو حانث ہو جائے ←

← گا ورنہ نہ ہو گا۔ اگر مجبوری دور ہو جائے اور پھر بھی وہ اس کام پر قائم رہے تو حانث ہو جائے گا۔

اگر قسم کھائی کہ گھر میں نہیں رہے گا ، حالانکہ وہ گھر ہی میں ہے یا یہ کہا کہ فلاں شخص کے ساتھ نہ رہے گا حالانکہ اسی کے ساتھ رہتا ہے اور (قسم کے بعد) فوراً ہی باہر نہیں آ جاتا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر باہر نکلنے میں اسے اپنی جان کا خطرہ ہے تو اسی جگہ ٹھہرا رہے ، یہاں تک کہ باہر آنا ممکن ہو جائے کیونکہ ضرر سے بچنے کے لیے (قسم کے بعد بھی) اس گھر میں ٹھہر جانا منع نہیں ہے۔

واضح ہو کہ گھر کو چھوڑ کر باہر آنے کے لیے معمولی طریقے پر عمل ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں ہے کہ (رات کو قسم کھائی ہے تو) رات ہی کو گھر سے باہر آ جائے۔ اور اگر اس گھر میں کنبہ اور سامان بھی ہو تو ان کو لیے بغیر ہی گھر سے نکل آیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ غرض یہ لازم ہے کہ (قسم پوری کرنے کے لیے) اپنے کنبے اور سامان کے ساتھ نکلے۔ البتہ اگر بیوی ساتھ نکلنے سے انکار کرے اور اسے نکلنے پر مجبور کرنا ممکن نہ ہو یا افراد کنبہ اس کے ساتھ نکلنے سے انکار کر دیں اور انہیں نکلنے پر مجبور کرنا اس کے بس میں نہ ہو اور ناچار اکیلا ہی گھر سے نکل آیا تو قسم پوری ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہاں پر ٹھہرنے کے لیے اسے مجبور کیا جائے یا آدھی رات کو ایسے وقت میں قسم کھائی ہو کہ اس وقت کوئی اور ٹھکانا دستیاب نہ ہو سکے یا دوسرا مکان کرایہ پر لینا دشوار ہو ، یا اس مکان کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنا بس میں نہ تھا ناچار وہیں ٹھہرنا پڑا لیکن نیت نکلنے کی رکھی تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح اس غرض سے بھی کچھ دیر ٹھہرنے میں قسم نہیں ٹوٹے گی جب کہ گھر چھوڑنا تو شروع کر دیا ہو لیکن کنبہ اور سامان کو نکالنے میں بغیر سستی کیے توقف کرنا پڑا خواہ اس میں چند روز لگ جائیں۔ اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ آرام کے معمولی اوقات میں یا نماز کا وقت ہو تب بھی باہر نکل جائے ، نیز اس گھر میں کسی مریض کی دیکھ بھال کے لیے آنے سے بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ مزاج پرسی کے لیے جانا رہائش کرنا نہیں ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے ساتھ نہیں رہوں گا پھر (جدا جدا رہنے ←

→ کے لیے) درمیان میں ایک دیوار کھڑی کرنے کے لیے وہاں پر ٹھہرنا ہوا تو قسم نہیں ٹوٹے گی - اور اگر ایک گھر میں دو حجرے ہوں اور ہر ایک کا دروازہ اور زینہ (یا ڈیوڑھی) جدا جدا ہوں اور دونوں الگ الگ حجروں میں رہیں تو قسم نہیں ٹوٹے گی - لیکن یہ تمام مسائل اسی صورت میں ہیں جب کہ قسم کے ساتھ کوئی نیت نہ ہو یا اس قسم کے کھانے کی کوئی ایسی بات ہو جسے سبب قرار دیا جا سکے - اگر قسم کھائی کہ اس شہر سے نکل جاؤں گا اور کنبے کو لیے بغیر تنہا شہر سے چلا گیا تو قسم پوری ہو گئی (یعنی نہیں ٹوٹی) بخلاف اس صورت کے جب کہ یہ قسم کھائی کہ اس گھر سے نہیں نکلے گا (اور اکیلا نکلا تو قسم ٹوٹ جائے گی) -

اگر شہر سے نکلنے کی قسم کھائی تھی اور نکل گیا تو وہ پھر دوبارہ آ سکتا ہے حانث نہ ہو گا -

اگر قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہ ہو گا اور اسی گھر میں ہے تو حانث ہو جائے گا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قسم کھائے کہ سواری نہ کروں گا درانحالیکہ وہ سوار ہے ، یا لباس نہیں پہنوں گا درانحالیکہ لباس پہنے ہوئے ہے یا یہ کہا کہ کھڑا نہ ہو گا یا یہ کہ نہیں بیٹھوں گا ، یا ستر نہ ڈھکوں گا ، یا قبلہ رخ نہ ہوں گا ، حالانکہ اسی حال میں ہے تو ان امور میں سے جس کی بابت قسم کھائی ہے اسی حال میں قائم رہنے سے حانث ہو جائے گا - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں چیز کو نہ لے گا اور اسے لیے رکھا یا یہ کہ فلاں کے ساتھ شریک کار نہ ہو گا اور شرکت جاری رکھی تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ کسی کام کو جاری رکھنا اسے کرنے لگنے کے ہم معنی ہے - اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے پاس گھر کے اندر نہیں جائے گا اور ہوا یہ کہ وہ شخص خود ہی اس کے ہاں آ گیا اور قسم کھانے والا اسی کے ساتھ ٹھہرا رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ کسی کام پر قائم رہنا اس کے کرنے لگنے کے برابر ہے - البتہ اگر قسم کھانے والے کی نیت کچھ اور ہے یا اس قسم کا کوئی سبب ہو تو اسی کے مطابق عمل ہو گا ، جیسا کے پہلے بتایا گیا -

اگر قسم کھائی کہ کسی گھر میں بھی داخل نہ ہو گا اور مسجد میں یا کعبہ یا حمام یا کسی اونی یا چرمی چھولداری یا خیمے میں داخل ہوا تو قسم ←

← ٹوٹ جائے گی خواہ قسم کھانے والا شہری ہو یا دیہاتی ہو ۔ لیکن اگر گھر کی ڈیوڑھی یا گھر کے سامنے والے چبوترے میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا ۔ کیونکہ وہ گھر نہیں ہے ۔ البتہ اگر اس کی نیت میں یہ رہا ہو یا اس کی قسم کے ساتھ کوئی سبب وابستہ ہو تو اس کے مطابق عمل ہو گا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں داخل نہ ہو گا اور ایسے گھر میں داخل ہوا جس کا وہ مالک ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی ، خواہ وہ خود اس گھر میں رہتا ہو یا کسی کو کرائے پر دے رکھا ہو ۔ اسی طرح اگر ایسے گھر میں داخل ہوا جو اس نے کرائے پر لے رکھا ہے گو اس کا مالک نہیں ہے تب بھی حانث ہو جائے گا ۔ ہاں اگر وہ گھر عاریتاً اس کے پاس ہو تو اس میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عاریتاً لی ہوئی شے سے فائدہ اٹھانے والا مالک نہیں ہو جاتا ۔ ایسی صورت میں وہ گھر اس کا نہ ہو گا ۔ اور اگر قسم کھائی تھی کہ جہاں وہ رہتا ہے اس گھر میں نہیں جاؤں گا تو ہر ایسے مکان میں جہاں وہ رہتا ہو داخل ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی ۔ خواہ وہ مکان کرائے پر لیا ہو یا عاریتاً لے رکھا ہو ، یا مشترکہ ہو ۔ لیکن ایسے گھر میں جانے سے نہیں ٹوٹے گی جس میں وہ نہ رہتا ہو اگرچہ وہ اس کا مالک ہو ۔ اگر قسم کھائی کہ میں کسی ایسے گھر میں نہ جاؤں گا جس کا یہ مالک ہو تو اس کے کرائے پر لیے ہوئے مکان میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر کسی گھر میں نہ جانے کی قسم کھائی اور اس کی چھت پر آیا تو قسم ٹوٹ جائے گی لیکن اس گھر کی دیوار یا دروازے کی محراب پر کھڑے ہونے سے حانث نہ ہو گا بجز اس صورت کے جب کہ اس کی قسم کا تعلق کسی سبب سے ہو تو اس سبب کو ملحوظ رکھنا لفظ کے عام معنی پر مقدم ہو گا ۔ چنانچہ اگر قسم کھانے کی غرض اس گھر والوں سے قطع تعلق کرنا اور ان کی شکل نہ دیکھنا تھا اور اس گھر کی چھت پر سے جو راستہ تھا اس سے گزر کر گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ قسم کھانے کے سبب کا لحاظ کرنا لفظ کے عام مفہوم پر مقدم ہو گا ۔ اسی طرح اگر قسم اس نیت سے کھائی تھی کہ گھر کے اندرونی حصے میں داخل نہ ہو گا تو اس کی چھت پر سے گزرنے میں حانث نہ ہو گا ، کیونکہ نیت لفظ کے عام مفہوم کو خاص کر دیتی ہے ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔ ←

کسی سے ترک کلام وغیرہ کی قسم کھانے کا بیان

اس کے متعلقہ مسائل ازروے مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا نہ اسے کچلے گا اور نہ اس کے اندر جائے گا اور وہاں سواری پر یا پیدل چل کر داخل ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ تمام ایام تمام مہینے اور تمام سالوں میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا تو زمانۂ مستقبل میں کسی وقت بھی اُس شخص سے بات کی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ یہ حکم اُس صورت میں ہے جب کہ قسم میں کوئی نیت نہ ہو ۔ اگر اس قسم کے ساتھ کسی مقررہ مدت کی نیت کی تو درست ہوگا اور اگر ایام ، شہور اور سنین (یعنی دنوں ، مہینوں اور سالوں) کے الفاظ بصورت نکرہ قسم میں استعمال کیے ، یعنی دنوں مہینوں اور سالوں تک اُس سے نہ بولوں گا اور تین دن ۔ تین مہینے اور تین سال تک کلام نہ کیا تو قسم پوری ہوگئی تین ماہ یا تین سال سے کم عرصہ میں کلام کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی واضح ہو کہ اگر قسم دن کے وقت کھائی تھی تو اُس دن کو قسم کے دنوں میں شمار نہیں کیا جائے گا اور بولنا اُسی روز سے بند ہوگا ۔ اگر یہ قسم رات کے وقت کھائی تھی تو قسم کے ایام اگلے روز سے شمار ہوں گے ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے ترک کلام کرے گا ۔ لیکن اس کے لیے نہ کوئی مدت مقرر کی اور نہ کوئی مدت سمجھی جا سکی تو اس کی مدت تین دن قرار دی جائے گی ۔ پس اس عرصے کے بعد اگر بات کی تو قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ شرعاً تین دن سے زیادہ ترک کلام کی اجازت نہیں ہے (اس باب میں) قول راجح یہی ہے ۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ایک ماہ تک کلام نہ کرے کیونکہ بالعموم اتنے ہی عرصے کے لیے یوں کہا جاتا ہے ۔

اگر قسم کھائی کہ لا یکلمہ حیناً (یعنی مدت تک اُس سے نہیں بولے گا) تو لازم ہے کہ قسم کھانے والے دن سے ایک سال تک اُس سے بات نہ کرے ۔ اگر ←

→ حین کا لفظ بصورت معرفہ (الحین) استعمال کیا تب بھی یہی حکم ہے۔ نیز اگر (حیناً کی بجائے زماناً ، عصراً اور دہراً کے الفاظ استعمال کیے، یعنی ایک زمانہ تک، ایک مدت تک اور ایک عرصہ تک نہیں بولے گا تب بھی لازم ہے کہ ایک سال تک نہ بولے۔

یہ مسئلہ اس بنا پر ہوگا کہ ان الفاظ کا استعمال سال بھر کے عرصہ کے لیے رائج ہو؛ بصورت دیگر کم سے کم مدت جس پر وہ لفظ ازروئے لغت صادق آتا ہو مراد ہوگی۔

اگر قسم میں الزمان ، العصر ، الدہر کے الفاظ 'ال' حرف تعریف کے ساتھ استعمال کیے گئے، یعنی یوں کہا کہ تمام زمانہ یا تمام مدت اور یا تمام عرصہ بات نہ کروں گا تو لازم ہو جائے گا کہ کبھی بات نہ کرے۔

اگر قسم کھائی کہ وقتوں تک یا ایک زمانہ تک یا ایک عرصہ تک یا مدتوں تک بات نہ کروں گا تو لازم ہوگا کہ تین سال تک بات نہ کرے۔

اگر کسی شخص سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو اُس کو لکھنے سے حانث ہو جائے گا ، خواہ یہ تحریر خود کوئی لکھے یا بول کر لکھوائے یا لکھنے کو کہے اور اُس لکھے کو پڑھ کر سنا دیا جائے اور وہ سمجھ لے۔ یاد رہے کہ ایسی قسم لکھنے سے ٹوٹنے کی دو شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تحریر اُس شخص کے پاس جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے ، پہنچ جائے ، خواہ وہ شخص اُسے پڑھے یا نہ پڑھے۔ (اس مسئلہ میں) بعض اصحاب مالکیہ کا کہنا ہے کہ (قسم ٹوٹنے کے لیے) یہ ضروری ہے کہ مکتوب الیہ اُسے پڑھ لے یا کوئی اور شخص پڑھ کر اُسے سنا دے۔ اگر وہ تحریر اُس شخص تک نہیں پہنچی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگرچہ لکھتے وقت اُس شخص تک پہنچانے کا ارادہ رہا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ تحریر قسم کھانے والے کی اجازت سے ، خواہ وہ اجازت حکمی ہو، اُس شخص کے پاس پہنچی ہو۔ (حکمی اجازت سے مراد یہ ہے کہ گو زبان سے اجازت نہ دی ہو لیکن طرز عمل سے اجازت سمجھی جائے) مثلاً قسم کھانے والے کو یہ معلوم ہوا کہ لے جانے والے کے پاس وہ تحریر ہے اور اُس شخص کو دینے کے لیے وہ لے گیا ہے ، اور اس علم کے باوجود اُس نے کچھ →

← نہیں کہا (تو یہ بھی اجازت ہی کے برابر ہے) ۔ لیکن اگر کوئی تحریر لکھی اور نامہ بر کے حوالے بھی کی کہ اُس شخص کو پہنچا دے ، لیکن پھر بعد میں اُسے جانے سے منع کیا ، لیکن لے جانے والا باز نہ آیا اور وہ تحریر اُسے لے جا کر دے دی تو قسم کھانے والے کی قسم نہیں ٹوٹی ۔ اسی طرح اس صورت میں بھی کہ تحریر لکھی اور پھر اُسے بھیجنے کا خیال ترک کرکے اُس تحریر کو پھینک دیا ۔ مکتوب الیہ کو یہ بات معلوم ہو گئی اور اُس نے لپک کر اُس تحریر کو پڑھ لیا تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور قصداً الفاظ طلاق لکھ دیے ہیں تو لکھنے کے ساتھ ہی وہ طلاق اُس پر عاید ہوجائے گی ۔ ان دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ طلاق دینا صرف خاوند کا کام ہے ، اس کے لیے بیوی کو مخاطب کرنے ، اُس کے سامنے ہونے کی ضرورت نہیں ہے ، لیکن کسی سے بولنا محض بولنے والے کا کام نہیں ہے، اس کے لیے مخاطب کا موجود ہونا ضروری ہے ، لہٰذا محض لکھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی جب تک کہ شرایط مذکورہ نہ پائی جائیں ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا اور کسی کی معرفت کچھ کہلا بھیجا تو جب وہ پیامی اُس شخص کے پاس پہنچ جائے گا تب ہی قسم ٹوٹے گی ۔ اگر پیامی وہ بات اُس شخص تک نہ پہنچائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی گو وہ خود اُس کے پاس پہنچ گیا ہو ۔ ہاں اگر اُس شخص نے جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی یہ سن لیا کہ قسم کھانے والے نے کسی شخص کو اُسے کچھ کہلا کر بھیجا ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اگر قسم کھانے والا کہے کہ میں نے بالمشافہہ گفتگو نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اُس کی بات کو جہاں تک تحریر بھیجنے یا پیغام پہنچانے کا تعلق ہے تسلیم کیا جائے گا اور دونوں صورتوں میں (یعنی تحریر بھیجنے یا پیغام پہنچانے سے) قسم نہیں ٹوٹے گی ، خواہ قسم میں طلاق کا ذکر ہو یا نہ ہو ۔ البتہ قاضی کے فیصلہ کا جہاں تک تعلق ہے اگر قسم طلاق یا عتاق سے وابستہ ہے تو اُس کی بات کو نہ مانا جائے گا ۔ (چنانچہ اگر کسی نے قسم کھا کر کہا کہ فلاں شخص سے بولوں تو میرا غلام آزاد ہے اور اُس شخص کو کچھ لکھ بھیجا تو شرایط بالا کے ساتھ غلام آزاد ہو جائے گا اور اُس کا یہ کہنا کہ میں نے بالمشافہہ گفتگو نہ کرنے کی نیت کی تھی تسلیم نہیں کیا جائے گا) ۔ ←

→ اگر قسم کھانے والے نے (فی الواقع) یہ نیت کی تھی کہ فلاں شخص سے دوبدو گفتگو نہ کرے گا تو تحریر بھیجنے یا زبانی پیغام بھیجنے کی دونوں صورتوں میں اُس کی نیت کو مانا جائے گا اور اُسی پر فتویٰ ہوگا - یعنی لہٰذا جب تک کہ دوبدو کلام نہ کرے حانث نہ ہوگا، خواہ قسم میں طلاق کی قید ہو یا نہ ہو - اور جہاں تک پیغام پہنچانے کا تعلق ہے قاضی کے فیصلہ میں بھی اُس کی بات کو مانا جائے گا؛ لیکن تحریر کے باب میں قاضی اُس کی بات تسلیم نہیں کرے گا -

واضح ہو کہ اگر وہ شخص جس سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی گئی خود ہی کوئی تحریر قسم کھانے والے کے پاس بھیجے اور وہ اُسے پڑھ بھی لے تو صائب ترین اقوال (اس باب میں) یہ ہے کہ وہ حانث نہ ہوگا، کیونکہ یہ اُس (قسم کھانے والے) کا بات کرنا نہیں ہے، بلکہ اُس نے بات کی جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھوں گا یا مطلقاً کچھ نہ پڑھنے کی قسم کھائی، لیکن نوشتہ کو دل میں پڑھ لیا زبان کو حرکت نہیں دی تو قسم نہیں ٹوٹی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کرے گا اور پھر اشارے کے ساتھ بات کی جسے وہ سمجھ گیا تو اس صورت میں کہتے ہیں کہ اشارہ سے قسم نہیں ٹوٹتی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹوٹ جاتی ہے -

اگر کسی شخص سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، لیکن اتنی دور سے اُسے مخاطب کیا جہاں سے بالعموم آواز نہیں پہنچ سکتی تو قسم نہیں ٹوٹی - ہاں اگر وہ اتنا قریب ہے کہ وہاں تک عام طور پر آواز پہنچ جاتی ہے تو حانث ہو جائے گا اگرچہ اُس شخص نے کسی خاص وجہ سے یا کام میں مشغول ہونے یا نیند میں ہونے یا گراں گوش ہونے کے باعث اُس بات کو نہ سنا، یعنی وہ امر مانع نہ ہوتا تو سن لیتا -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کروں گا اور اُسے لقمہ دے دیا یعنی قرآن پڑھتے میں وہ شخص اٹک گیا اور اُسے بتا دیا، یا اُس کی غلطی کو ٹھیک کر دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی، خواہ یہ عمل نماز کے باہر کیا ہو یا نماز کے ←

← اندر ۔ اور اگر یہ لقمہ دینا ضروری ہو بایں طور کہ جس سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی ہے وہ امام ہو اور سورۂ فاتحہ میں اٹک گیا تو اُس پر واجب ہوگا کہ امام کو ٹوک دے ، جیسا کہ نماز کے بیان میں بتایا گیا ۔ اور اگر قسم کھائی تھی کہ فلاں شخص سے نہ بولے گا اور اُس شخص نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی جن میں قسم کھانے والا بھی شامل تھا اور اُس نے نماز کا سلام پھیرنے کے وقت اُس کے سلام کا جواب دیا تو قسم نہ ٹوٹے گی ۔ یہی حکم اُس صورت میں ہے جب کہ قسم کھانے والا نماز میں اُن لوگوں کا امام ہو جس میں وہ شخص شامل ہے جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے اور امام نے اپنی نماز ختم کر دینے کے ارادہ سے مقتد یوں پر سلام بھیجا جس میں وہ شخص بھی شامل تھا ، خواہ دائیں جانب رہا ہو یا بائیں جانب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ البتہ اگر نماز سے باہر سلام کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ سلام بھی عرفاً کلام ہی ہے ۔ اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نماز میں امام کو لقمہ دینے اور نماز میں اُس کی طرف سلام پھیرنے میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ لقمہ دینا گویا یوں کہنا ہے کہ یہ کہو ، بخلاف سلام کے کہ اُس کا یہ مفہوم نہیں ہے ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے مدت یا عرصہ تک بات نہیں کروں گا اور یوں کہا لا اکلم فلاناً الحین اوالز مان (معرفہ کے ساتھ) یعنی فلاں شخص سے تمام وقت یا تمام مدت نہ بولوں گا ۔ اس میں الفاظ حین اور زمان کو معرف باللام کی صورت میں استعمال کیا یا حیناً اور زماناً بصورت نکرہ کہا (یعنی عرصہ تک یا مدت تک) بات نہ کروں گا ، لیکن قسم کھانے کے وقت سے چھ ماہ کا عرصہ گزرنے سے پہلے بات کر لی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ ہاں چھ مہینے گزر جانے کے بعد کلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹی ۔ یہ نفی (یعنی کسی کام کے نہ کرنے کی قسم) کا ذکر ہے ۔ اور اثبات (یعنی کسی کام کے کرنے کی قسم کی مثال یہ ہے کہ قسم خدا کی میں ایک مدت تک یا عرصہ تک روزہ رکھوں گا ۔ اب چھ ماہ سے کم روزہ رکھا تو حانث ہو جائے گا ۔ لیکن اس دوسری مثال میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس وقت قسم کھائی اُسی وقت سے روزہ رکھنا شروع کر دیا جائے ، بلکہ اختیار ہے کہ چھ ماہ کی مدت جب سے چاہے متعین کر لے ۔

اگر الفاظ حین و زمان (بمعنی وقت یا زمانہ) کو معرفہ یا نکرہ کسی صورت ←

← میں بھی استعمال کیا اور ساتھ ہی مقررہ وقت کی نیت کر لی تو جو کچھ وہ کہے اُسے مان لیا جائے گا، کیونکہ اس طرح کی نیت کرنے میں کلام کے حقیقی معنٰی کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت اور زمانہ کا لفظ تھوڑے عرصہ اور زیادہ عرصہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے (لہٰذا قسم میں جو نیت کر لی جائے وہی درست ہے)۔

اگر قسم کھائی کہ لا اکلمہ الدھر (بلفظ دہر معرف باللام یعنی تمام مدت فلاں شخص سے نہ بولوں گا) تو لازم ہے کہ تاحین حیات کبھی اُس سے کلام نہ کرے، ورنہ حانث ہو جائے گا۔ اگر بدیں الفاظ قسم کھائی کہ لا اکلمہ دھراً (لفظ دہر بصورت نکرہ، یعنی ایک مدت اُس شخص سے نہ بولوں گا) تو یہ قسم سابقہ صورت سے مختلف ہے۔ اس صورت میں لازم ہوگا کہ قسم کھانے کے وقت سے چھ ماہ تک اُس شخص سے بات نہ کی جائے۔

اگر قسم کھائی کہ میں ابد تک اس سے نہ بولوں گا اور اس میں لفظ ابد بصورت معرفہ (الابد) یا بصورت نکرہ (ابداً) استعمال کیا تو تمام عمر کسی وقت بھی بولنے سے حانث ہوجائے گا۔ اگر قسم کھائی کہ لایکلمہ العمر (یعنی تمام عمر اس سے نہیں بولوں گا) تو لازم ہے کہ تاحین حیات اس شخص سے بات نہ کرے ورنہ حانث ہو جائے گا، اور اگر قسم کھائی کہ لایکلمہ عمراً جس میں عمر کا لفظ بصورت نکرہ استعمال کیا (یعنی ایک عمر اس سے بات نہ کروں گا) اور چھ ماہ گزرنے سے پہلے اس شخص سے بات کر لی تو بلحاظ قول ظاہر حانث ہو جائے گا جس طرح لفظ حین (بصورت نکرہ یعنی ایک وقت تک استعمال کرنے سے ہوتا ہے۔)

واضح ہو کہ یہ تمام مسائل اسی صورت میں ہیں جب کہ قسم میں کوئی اور نیت نہ ہو۔ اگر ان الفاظ میں قسم کھاتے ہوئے کسی خاص مدت کی نیت کی تھی تو اسی کے مطابق عمل ہو گا۔ اگر کہا کہ قسم اللہ کی میں اس شخص کے بہت دنوں تک بات نہ کروں گا یا یوں کہا کہ

"لا اکلمہ الایام اوالشھور اوالسنین اوالجمع اوالازمنۃ"

(یعنی اس شخص سے تمام دنوں یا تمام مہینوں یا تمام برسوں یا تمام زمانوں میں کلام نہ کروں گا تو ان میں سے ہر ایک کی تعداد دس قرار دی جائے، گی لہٰذا اگر دس دن یا دس مہینے یا دس سال گزرنے سے پہلے بات کر لی تو قسم ٹوٹ ←

→ جائے گی۔ اور تمام جمعوں میں روزہ رکھنے کی قسم کے یہ معنی ہیں کہ ہر ہفتے جمعے کے دن روزہ رکھا جائے یہاں تک کہ دس روزے پورے ہوجائیں۔ اور ازمنہ (زمانوں) بات نہ کرنے کی قسم کھائی تو پانچ سال سے پہلے بات کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایسی قسم میں کوئی خاص نیت نہ ہو تو ہر زمانہ چھ ماہ کی مدت ہوتا ہے (اور دس زمانے پانچ سال میں پورے ہوتے ہیں) ۔ ازمنہ کی طرح 'احیان' اور 'دہور' کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ ہر حین یا ہر دہر کی مدت چھ ماہ قرار دی جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔ اور اگر قسم میں (بجائے الایام) ایام کا لفظ بصورت نکرہ استعمال کیا اور اس کے ساتھ ''بہت'' کی صفت کا اضافہ نہیں کیا (یعنی بہت دنوں نہیں کہا) اسی طرح شہور، سنین اور ازمنہ بصورت نکرہ (یعنی مہینوں ، سالوں اور زمانوں) کے الفاظ استعمال کیے تو ان میں سے ہر ایک کی تین تعداد مراد ہو گی ۔ پس اگر قسم کھائی کہ اس شخص سے دنوں بات نہ کروں گا اور تین دن گزرنے سے پہلے بات کر لی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اور اگر قسم کھائی تھی کہ اس شخص سے جمعوں میں کلام نہ کروں گا تو لازم ہو گا کہ قسم کھانے والے دن سے اگلے تین جمعوں میں اس شخص سے بات نہ کرے ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے مہینوں نہ بولے گا تو لازم ہے کہ تین ماہ تک نہ بولے ۔ اور اگر قسم کھائی کہ زمانوں تک نہ بولے گا تو اٹھارہ مہینے کی مدت سے پہلے کلام کیا تو حانث ہو جائے گا ۔ یہ تمام مسائل اسی صورت میں ہیں جب کہ ان الفاظ سے کوئی خاص نیت نہ ہو۔ اگر کوئی نیت تھی تو اس نیت کے مطابق عمل درآمد ہوگا۔

اگر تمام مردوں ، تمام عورتوں ، تمام فقیروں اور یا تمام مسکینوں وغیرہ سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی (یعنی قسم میں الفاظ جمع الرجال ، النساء ، الفقراء اور المساکین بصورت معرف باللام استعمال کیے) یا اسی طرح ان سے نہ ملنے ، کی قسم کھائی تو ان میں سے جس کی بابت قسم کھائی ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی بات کر لی (یا ملاقات کر لی) تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ البتہ اگر یہ نیت کی تھی کہ بحیثیت مجموعی تمام مردوں یا تمام عورتوں سے بات نہ کرے گا (یعنی انفراداً بات کرے گا) تو اس کا یہ نیت کرنا دیانتاً اور قضاءً تسلیم کرلیا جائے گا اور (نتیجۃً) اس کی قسم کبھی نہ ٹوٹے گی۔ اگر قسم کھائی کہ لا یکلم رجالاً ←

← اونساءً اوفقراء اومساکین (یعنی رجال ، نساء ، فقرا یا مساکین) سے یا کسی اور شے سے جو بصیغۂ جمع غیر معرف باللام ہو کلام نہ کرے گا تو اس سے لفظ جمع کی کم سے کم تعداد یعنی تین مراد ہو گی ۔ اگر اس نے بتایا کہ اس کی نیت تین سے زیادہ کی تھی تو اس کو تسلیم کر کے اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور یہ بھی اختیار ہے کہ الفاظ جمع سے ایک فرد مراد ہو، کیونکہ اس قسم کا ارادہ (یعنی لفظ جمع بول کر واحد مراد لینا) جائز ہے البتہ لفظ جمع بول کر تثنیہ (دو) مراد نہیں لیا جا سکتا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کی بیویوں یا اس کے بھائیوں یا اس کے دوستوں سے بات نہ کروں گا ، یا یہ کہ اس کے جانوروں پر سوار نہ ہوں گا ، یا اس کے کپڑے نہ پہنوں گا وغیرہ ، یعنی ایسی باتیں کہ صیغۂ جمع کسی کی طرف مضاف ہو اور اس کی مقدار یا تعداد وغیرہ ممکن ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں : ایک قسم وہ ہے جس میں (قسم کے اندر) صیغۂ جمع کی کم سے کم تعداد مراد لینا کافی ہو۔ ایسی صورت میں (جس شے کی بابت قسم کھائی ہے اس کی) کم سے کم تعداد کافی ہے یعنی تین کے استعمال سے قسم ٹوٹ جائے گی ، مثلاً یہ کہا کہ فلاں شخص کے جانوروں پر سوار نہ ہوں گا یا اس کے کپڑے نہیں پہنوں گا تو اگر اس کے تین جانوروں پر سواری کی یا تین کپڑے پہنے تو قسم ٹوٹ جائے گی ؛ بشرطیکہ وہ شخص تین سے زیادہ کا مالک ہو ؛ اگر اس کے پاس تین کی تعداد سے کم ہو تو (بصیغۂ جمع قسم کھانے والے کی) قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں (اس لفظ جمع کے) تمام افراد کا شامل ہونا ضروری ہے مثلاً یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کی بیویوں یا اس کے دوستوں یا اس کے بھائیوں سے بات نہ کروں گا ۔ تو اس صورت میں اس کی تمام بیویوں یا تمام دوستوں یا تمام بھائیوں سے بات کی جائے تب ہی قسم ٹوٹے گی ورنہ نہیں ۔ ان دونوں (قسم کی) قسموں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں قسم کا رخ مالک کی جانب ہے یعنی جانور اور کپڑے سے کنارہ کشی مقصود نہیں ہے ، بلکہ اس کے مالک کو پیش نظر رکھا گیا ہے لہٰذا قسم ان اشیاء (کے نہ استعمال کرنے) کی بابت ہو گی جو اس شخص مالک کی طرف منسوب ہیں اور چونکہ قسم میں ان اشیاء کو بصیغۂ جمع ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس کی کم سے کم تعداد یعنی تین مراد ہو گی۔ دوسری مثال میں قسم کا رخ ←

← بذات خود ان اشیاء کی طرف ہے لہٰذا قسم کا تعلق ان اشیاء میں سے ہر ایک کے ساتھ متصور ہو گا لہٰذا جب تک کہ اس شے کی تمام تعداد کو جس کی بابت قسم کھائی ہے استعمال نہ کیا جائے قسم نہ ٹوٹے گی - تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ عرف کے خلاف ہے - اس کا مفہوم معروف (فرداً فرداً) ہر ایک سے قطع تعلق ہے- لہٰذا اگر اس شخص کے دوستوں میں سے کسی ایک سے یا کسی ایک بیوی سے کلام کیا یا اس کے جانوروں میں سے کسی ایک پر سوار ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر بنی آدم نوع انسان سے یا اہل شہر یا کسی قوم سے نہ بولنے کی قسم کھائی یا جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی اس کے لیے صیغۂ جمع اور مضاف استعمال کیا جس کی مقدار یا تعداد محدود نہیں ہے تو اس صیغۂ جمع کے کسی ایک فرد واحد سے کلام کرنے کی صورت میں قسم ٹوٹ جائے گی - اس کا وہی حکم ہے جو لفظ جمع بصورت معرف باللام کے متعلق قسم کھانے کا ہے -

اگر قسم کھائی کہ مہینے کے آغاز یا ابتدائے ماہ میں کسی شخص سے بات نہ کرے گا تو لازم ہے کہ مہینے کی پہلی رات سے پورا دن گزرنے تک کسی سے بات نہ کی جائے -

یاد رہے کہ ابتدائے ماہ کا لفظ نصف اول ماہ سے کم عرصے کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مہینے کی چودہ تاریخ تک - اور نصف آخر ماہ کا مطلب نصف ماہ سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے یعنی ہر مہینے کی سولہ تاریخ سے اخیر ماہ تک - لہٰذا اگر کسی نے قسم کھائی کہ ابتدائے ماہ کے آخری دن روزہ رکھے گا تو پندرھویں تاریخ کا روزہ لازم ہو گا اور اگر قسم کھائی کہ آخر ماہ کے پہلے دن روزہ رکھوں گا تو اس مہینے کی سولہ تاریخ کو روزہ رکھنا لازم ہے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے موسم گرما یا موسم سرما میں بات نہ کرے گا اور وہ شہر کا رہنے والا ہے جو موسموں کے حساب سے واقف ہوتے ہیں تو اسی کے بموجب عمل ہو گا ، بصورت دیگر موسم سرما وہ ہے جب لوگ موٹے کپڑے مثلاً فر اور شال وغیرہ استعمال کرنے لگیں ، اور موسم گرما وہ ہے جس میں اس کے استعمال کی ضرورت نہ رہے -

اگر کسی شخص سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو جب کبھی ←

← اس سے کلام کیا حانث ہو جائے گا ، اگرچہ نیت دو ایک دن کی رہی ہو - یا نیت میں کسی خاص جگہ پر کلام نہ کرنا رہا ہو - اس مسئلے میں اس نیت سے کچھ فائدہ نہ ہو گا نہ دیانتاً ، نہ قضاءً کیونکہ یہاں کسی عام شے کو بول کر خاص کی نیت نہیں ہے - اور تخصیص کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب تک عام لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو اس کی تخصیص نہیں ہو سکتی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کروں گا اور اس شخص کو پکارا جب کہ وہ سو رہا تھا ، اب اگر اس کے بلانے سے وہ شخص بیدار نہ ہوا تو بقول مختار قسم نہیں ٹوٹے گی - لیکن اگر اس شخص کو بیداری کی حالت میں پکارا اور وہ اس سے اتنی دور ہے کہ اس کی آواز نہیں سن سکتا تو قسم نہیں ٹوٹی ہاں اگر اتنا قریب ہے کہ اس کی جانب کان لگا رکھے تو اس کی آواز کو سن لے (تو قسم ٹوٹ جائے گی) اگرچہ عارضی سبب کے باعث مثلاً کسی کام میں مصروف ہونے یا اونچا سننے کے باعث نہ سنا ہو - لیکن اگر اس نے باوجود بلند آواز پکارنے کے فاصلہ دور ہونے کے باعث نہ سنا تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگرقسم کے ساتھ ہی کچھ اور بات بھی بول دی گئی تو قسم نہیں ٹوٹے گی مثلاً کسی نے بیوی سے کہا کہ اگر تجھ سے بات کروں تو تجھے طلاق ہے پس جا چلی جا یہاں سے ، تو 'قسم کے بعد کا جملہ' بولنے سے قسم نہیں ٹوٹی کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ پس جاچلی جا یہاں سے عبارت قسم کے ساتھ متصل ہے - ہاں اگر اس کی نیت 'اس جملہ کے اضافے سے' قسم کے علاوہ مزید بات نئے سرے سے کہنے کی تھی تو قسم ٹوٹ جائے گی - چنانچہ اگر بیوی سے کہا کہ اگر تجھ سے بات کروں تو تجھے طلاق ہے، یہاں سے چلی جا، تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ یہاں پر اس کا یہ کہنا کہ ''یہاں سے چلی جا'' جملۂ قسم سے متصل نہیں ہے بلکہ ایک علیحدہ مستقل بات ہے - اگر کلام میں کسی کو مخاطب کیا اور قصد یہ تھا کہ جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے وہ سن لے تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، مثلاً دیوار سے کہا کہ اے دیوار سماعت کر یا سن رکھ - تاہم اگر دیوار کے ساتھ اس شخص سے بھی خطاب کا قصد تھا جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر کچھ لوگوں کو سلام کیا جس میں محلوف علیہ ، جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی، شامل ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی - ہاں اگر اسے سلام کرنے کی ←

← نیت نہ تھی تو دینی اعتبار سے اس کی بات مان لی جائے گی لیکن قاضی تسلیم نہ کرے گا یعنی عدالتی نقطہ نظر سے نہ مانی جائے گی۔

اگر نماز میں سلام پھیرا تو قسم نہیں ٹوٹے گی اگرچہ محلوف علیہ بائیں جانب ہو۔ اگر قسم کھانے والا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے سہو پر سبحان اللہ کہہ دیا یا وہ شخص قرات میں رک گیا اور اسے لقمہ دے دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ ہاں نماز سے باہر ایسی بات ہوئی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر کسی شخص سے کلام نہ کرنے 'نہ بولنے' کی قسم کھائی ہے اور اسے کچھ لکھ کر بھیجا یا کسی کی معرفت زبانی کچھ کہلایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ عرف عام میں اسے کلام کرنا 'یا بولنا' نہیں کہتے اور قسم کے مفہوم کا اعتبار عرف عام پر ہوتا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ قسم کھائی کہ اس شخص سے گفتگو نہ کروں گا، اور لکھ کر کچھ کہا تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ، گفتگو ہو یا کلام کرنا زبان ہی سے ہوتا ہے، 'تحریر گفتگو نہیں ہے۔

اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں شخص کو یہ بات نہ بتاؤں گا، لیکن لکھ کر بتا دیا یا کسی کی معرفت کہلا دیا تو اس صورت میں قسم کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگر کلام نہ کرنے کی قسم کھانے والے نے اشارے سے کوئی بات اس شخص کو کہی جس کو اس شخص نے سمجھ لیا تب بھی قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ عرف عام میں یہ کلام کرنا یا بولنا نہیں ہے۔ اگر قسم کھائی کہ اس شخص کو اس بات کی اطلاع نہ دوں گا یا اس سے فلاں بات کا اقرار نہ کروں گا یا اسے بشارت نہ دوں گا لیکن لکھ کر بھیجا تو قسم ٹوٹ جائے گی جیسے کہ زبان سے بتانے میں ٹوٹتی۔ ہاں اگر ہاتھ یا سر کے اشارے سے کہا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا راز فاش نہ کروں گا یا فلاں راز ظاہر نہ کروں گا یا کسی کو اس کی خبر نہ دوں گا لیکن یہ کام اس نے زبان سے یا اشارے کنائے سے کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر ایک ماہ تک کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تو لازم ہے کہ قسم کھانے والے دن سے تیس روز تک کلام نہ کرے، کیونکہ موجودہ صورت حال اور غصہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسی وقت سے قسم پر عمل کیا جائے۔ بخلاف اس صورت کے ←

← جب کہ قسم کھائی کہ ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا تو ایک ماہ کا روزہ غیر مقررہ اوقات میں کبھی رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ اس قسم پر فوری عمل درآمد کا تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے - لیکن اگر قسم میں شہر (بہ معنی مہینہ) کا لفظ بصورت معرف باللام (الشہر) استعمال کیا (جس کے معنے اس ماہ کے ہیں تو لازم ہوگا کہ ماہ رواں میں جتنے دن باقی ہیں صرف اتنے دن کلام نہ کرے - یہی حکم الفاظ السنہ، الیوم اور اللیل (یعنی اس سال، اس روز، یا اس رات) کے الفاظ استعمال کرنے کا ہے، یعنی اس سال، اس روز یا اس رات کے صرف باقی حصہ میں وہ قسم عاید ہوگی) -

اگر رات کے وقت قسم کھائی کہ فلاں شخص سے ایک دن کلام نہ کروں گا تو لازم ہوگا کہ اس رات کے باقی حصہ میں اور اگلے روز تمام دن کلام نہ کرے - اگر دن کے وقت قسم کھائی کہ فلاں شخص سے ایک دن بات نہ کرے گا تو لازم ہوگا کہ جس وقت قسم کھائی ہے اس وقت سے اگلے دن کے اسی وقت تک یعنی چوبیس گھنٹے تک کلام نہ کرے.

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے نہ آج کے دن کلام کروں گا اور نہ کل اور نہ پرسوں کے دن تو وہ رات کے وقت کلام کر سکتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تین قسمیں ہیں - ہاں اگر کلمہ نفی (یعنی نہ) کا استعمال بار بار نہیں کیا تو صرف ایک ہی قسم ہوگی -

اگر نہ بولنے کی قسم کھائی لیکن نماز میں قرآن پڑھا، یا کوئی تسبیح وغیرہ پڑھی تو قسم نہیں ٹوٹے گی، ہاں اگر نماز کے باہر ایسا کیا تو اس صورت میں تحقیق یہ ہے کہ عرف عام کی طرف توجہ کی جائے - یعنی اگر قرآن یا وظیفہ کا پڑھنا بولنا کہا جاتا ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی ورنہ نہ ٹوٹے گی - یاد رہے کہ اہل مصر کے عرف میں اسے بولنا نہیں کہتے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا اور قسم کھانے والے نے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی اور اثنائے نماز میں اس شخص کو سہو ہوگیا اور قسم کھانے والے نے سبحان اللہ کہہ دیا تو قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح اگر قسم کھانے والے مقتدی نے اس شخص کو لقمہ دیا یعنی وہ پڑھتے پڑھتے رک گیا تھا اور اسے بتا دیا تو قسم نہیں ٹوٹی - ←

→ اگر قسم کھانے والا نماز میں ان لوگوں کا امام ہو جن میں وہ شخص بھی شامل ہے جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے اور نماز کے خاتمہ پر سلام پھیرا تو قسم نہ ٹوٹے گی ، خواہ بقول مختار یہ سلام پہلا ہو یا دوسرا ہو ۔ اسی طرح اگر محلوف علیہ (یعنی وہ شخص جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے) نماز کا امام ہو اور قسم کھانے والا مقتدیوں میں شامل ہو اور امام کے سلام کے جواب میں وہ بھی سلام پھیرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ ہاں اگر قسم کھانے والے نے خارج از نماز ایک جماعت کو سلام کیا جس میں وہ شخص شامل تھا جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی ، خواہ اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس میں وہ شخص شامل تھا اور خواہ اس شخص نے یہ سلام سنا ہو یا نہ سنا ہو ۔ ہاں ! اگر سلام اس شخص کو مستثنیٰ کرکے کیا (یعنی یوں کہا کہ فلاں شخص کے سوا سب کو سلام) تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر یوں بھی کہا کہ ایک شخص کے سوا سب کو سلام اور پھر وضاحت کردی کہ اس شخص کو سلام میں شامل نہیں کیا تو اس کی بات کو مان لیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر دل ہی میں اس کو مستثنیٰ کرنے کی نیت تھی تو دیانتاً اس کو بھی مان لیا جائے گا لیکن قضاءً نہیں مانا جائے گا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں تحریر کو نہیں پڑھوں گا اور احیاناً اس تحریر پر نظر جا پڑی اور بغیر پڑھے ہی جو کچھ لکھا ہے سمجھ میں آگیا تو قسم نہیں ٹوٹی تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی ۔ یہ خیال عرف عام کے مطابق ہے ۔

اگر بیوی سے کہا کہ جس دن فلاں شخص سے کلام کروں تجھ پر طلاق ہے تو لازم ہے کہ رات دن اس شخص سے کلام نہ کرے ۔ تاہم اگر قسم میں نیت یہ تھی کہ صرف دن کو کلام نہ کرے گا تو دیانتاً اور قضاءً اس کو تسلیم کیا جائے گا ۔ اگر کہا کہ جس رات فلاں شخص سے کلام کروں تجھے طلاق ہے تو لازم ہوگا کہ صرف رات کو اس شخص سے کلام نہ کرے ۔

اگر کہا کہ ماسوا اس کے کہ اس شخص کا باپ آئے اس سے بات کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے ۔ اب اگر اس کے باپ کے آنے سے پہلے کلام کرلیا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس میں کلام نہ کرنے کی مدت اس شخص کے باپ کے ←

← نہ آنے تک رکھی گئی ہے ، لہٰذا اگر اس کے آنے کے بعد کلام کیا تو حانث نہ ہوگا - اور اگر کہا کہ میری بیوی کو طلاق ہے ماسوا اس کے کہ فلاں شخص کا باپ آ جائے - اب اگر اس شخص کا باپ آگیا تو طلاق نہ ہوگی - اس کا سبب یہ ہے کہ پہلی مثال میں لفظ استثنا 'یعنی ماسوا' کو کلام نہ کرنے کی انتہائی مدت کے لیے استعمال کیا گیا ہے ، لہٰذا اس کے معنے یہ ہوں گے کہ گویا اس نے یہ کہا کہ جب تک اس شخص کا باپ نہ آئے گا میں اس سے بات نہ کروں گا - اگرچہ یہ لفظ اصل میں استثناء کے لیے ہوتا ہے لیکن اس کو استعارةً غایت 'انتہا' اور شرط کے مفہوم میں بولا جاتا ہے - اور وجہ جامع (صفت مشترک) یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں امر ما قبل امر مابعد کے منافی ہوتا ہے - دوسری مثال میں لفظ استثنا (ماسوا) شرط کے لیے ہے غایت کے لیے نہیں ہے ، کیونکہ اس کو طلاق کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے ، گویا یوں کہا ہے کہ یہ طلاق ہو جائے گی اور جب تک کہ فلاں شخص آ جائے اس وقت تک رہے گی اس کے بعد طلاق نہ رہے گی ، حالانکہ طلاق کے لیے کسی خاص وقت تک رہنے کی قید نہیں لگائی جاسکتی - لہٰذا اس شخص کے آنے پر طلاق نہ ہوگی ، بلکہ جب وہ شخص فوت ہو جائے تب طلاق ہوگی -

اگر قسم کھائی کہ اس شخص سے کلام نہ کروں گا جب تک کہ فلاں شخص اجازت نہ دے - اب اگر وہ شخص اجازت دینے سے پہلے فوت ہوگیا تو قسم بھی ختم ہو جائے گی - ایسے مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر قسم کھانے والا اپنی قسم کے لیے کوئی حد مقرر کردے اور وہ حد موت یا اور کسی سبب سے ختم ہو جائے تو وہ قسم باطل ہو جائے گی ، کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جس قسم میں وقت کی قید ہو اس قسم کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس قید کا پورا کرنا ممکن ہو -

اگر قسم کھائی کہ فلاں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا یا یوں کہا کہ فلاں فلاں سے بولنا مجھ پر حرام ہے تو دونوں صورتوں میں قسم نہ ٹوٹے گی جب تک کہ دونوں سے کلام نہ کیا جائے - صرف ایک سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا ، ماسوا اس صورت کے جب کہ اس نے اس قسم میں دونوں میں سے کسی ایک سے بھی بات نہ کرنے کی نیت کی ہو - یہ نیت ہو تو ایک شخص سے بولنے ←

→ پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ یہ پابندی اس نے خود اپنے نفس پر لگائی ہے - لیکن اگر اس طرح قسم کھائی کہ قسم اللہ کی نہ فلاں شخص سے بولوں گا اور نہ فلاں شخص سے ، یعنی حرف نفی دونوں جگہ استعمال کیا تو کسی ایک سے کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی، نیز اگر قید طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا اور ان باتوں میں سے کوئی ایک بات کرلی تو حانث ہو جائے گا ، کیونکہ حرف نفی (نہ) کا دو بار استعمال کرنا دو قسموں کے برابر ہے - اگر حرف نفی کی تکرار نہیں کی تو جب تک دونوں باتیں (یعنی کھانا اور پینا) نہ کی ہوں قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کے بھائیوں سے کلام نہ کروں گا ، اور اس کی دانست میں اس شخص کے کئی بھائی ہیں حالانکہ اس کا ایک ہی بھائی ہے اور صرف اسی سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا ،کیونکہ قسم میں بھائیوں کا لفظ ہے جو واحد پر عاید نہیں ہوتا ، لہٰذا اس قسم کا جمع پر ہی اطلاق ہوگا - البتہ اگر اسے یہ معلوم تھا کہ اس شخص کا ایک ہی بھائی ہے (اور قسم بھائیوں سے نہ بولنے کی کھائی) اور اس ایک بھائی سے کلام کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ جمع کا لفظ بول کر واحد مراد لینا درست ہے -

اگر قسم کھائی کہ میں تین روٹیاں کھاؤں گا اور وہاں صرف ایک روٹی ہے تو قسم نہیں ٹوٹی -

اگر کوئی شخص کسی گھر میں ہے اور قسم کھائی کہ جب تک میں اس گھر میں ہوں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا ، پھر اس گھر سے اس طرح نکل گیا کہ وہاں کی اقامت ختم ہو گئی اور اس شخص سے بات کی اور پھر اسی گھر میں آگیا تو قسم باقی نہ رہے گی - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ جب تک میری بیوی فلاں گھر میں رہے گی میں اس سے بات نہ کروں گا اب وہ بیوی جس گھر میں تھی وہاں سے اس طرح نکل گئی کہ وہاں کی سکونت ختم ہو گئی یعنی اپنا سامان وغیرہ بھی لے کر گئی ؛ اس کے بعد پھر اگر وہ اسی گھر میں آ جائے تو وہ قسم باقی نہیں رہے گی -

واضح ہو کہ الفاظ ''جب تک'' ہی کی طرح الفاظ ''تاوقتیکہ'' اور ''جہاں تک'' بھی ہیں؛ ان الفاظ سے جو حد مقرر کی جائے قسم اسی حد تک رہے گی - عام طور پر یوں ←

← کہنا کہ ''جتنی دیر تو اس گھر میں رہے گی'' بھی اسی حکم میں ہے - اسی طرح کی یہ قسم ہے کہ جب تک اس کھانے کا مالک فلاں شخص ہے میں اسے نہیں کھاؤں گا؛ اب اگر اس شخص نے اس کھانے کا کچھ حصہ فروخت کردیا اور جو باقی بچا اس میں سے کھایا تو قسم نہیں ٹوٹی، کیونکہ قسم میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ جب تک اس تمام کھانے کا فلاں شخص مالک رہے گا (وہ اس کو نہ کھائے گا) وہ شرط اب باقی نہ رہی (لہٰذا قسم نہ ٹوٹے گی) -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کی زوجہ یا اس کے دوست سے بات نہ کروں گا ، یا اس شخص کے گھر میں داخل نہ ہوں گا ، اب اگر اس شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی یا دوست کی دوستی ختم ہو گئی یا اس گھر کو بیچ دیا تو اس مسئلہ میں دیکھنا ہوگا کہ اگر قسم کے وقت اس کی زوجہ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ فلاں شخص کی اس بیوی سے یا اس شخص کے اس دوست سے کلام نہ کروں گا اور کلام کر لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ جب کسی شے کی طرف اشارہ کر کے اس کی تعیین کردی جائے تو پھر اس کی صفات کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور کالعدم سمجھا جائے گا - (یعنی قسم کا تعلق صرف مشار الیہ سے ہو گا) - البتہ اگر قسم میں اشارہ کر کے نہ بتایا گیا ہو تو اس دوست کی دوستی دشمنی سے بدل جائے ، یا وہ بیوی طلاق پا جائے اور پھر کلام کیا جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی - رہا گھر وغیرہ اشیاء کا معاملہ جن کا کوئی شخص مالک ہوتا ہے- مثلاً جانور اور کپڑے تو اگر ان اشیا کو (بعد زوال ملک) استعمال کیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، خواہ ان کی طرف اشارہ ہی کیا ہو کہ فلاں شخص کے مملوکہ اس مکان میں یا فلاں شخص کے مملوکہ مکان میں داخل نہ ہوں گا تو (جب وہ شخص اس مکان کا مالک نہ رہے اس میں داخل ہونے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس قسم میں اشارہ ہو تو اس سے مراد وہی خاص شے ہے جس کا وہ شخص مالک ہے - اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ قسم اسی شے کے متعلق ہے جو فلاں شخص کی مملوکہ ہے ، اب اگر وہ شخص اس کا مالک ہی نہ رہا تو قسم بھی باقی نہ رہے گی - اور اگر اس قسم میں اشارہ اور تعیین نہ ہو تو قسم کا تعلق اس فعل سے یعنی داخل ہونے کے متعلق ہے جس کا وقوع خاص جگہ یا اس گھر میں داخل ہونے سے تعلق رکھتا ہے جو فلاں ←

← شخص کی طرف منسوب ہے ، تو اب اگر یہ نسبت باقی ہے اور وہاں داخل ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی ؛ اگر یہ نسبت باقی نہ رہی اور تب داخل ہوا تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا لیکن اسے لکھ کر بھیجا یا کسی سے پیغام کہلایا تو دیکھنا ہوگا کہ اگر قسم میں نیت یہ تھی کہ رو در رو گفتگو نہ کرے گا تب تو اس کی قسم بالاتفاق تحریر یا پیغام سے نہیں ٹوٹے گی ، لیکن اگر یہ نیت نہ تھی تو اس میں اختلاف ہے- بعض اصحاب کہتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اور بعض اصحاب نے اس خیال کو صحیح بتایا ہے کہ قسم نہ ٹوٹے گی ، بشرطیکہ قسم کے وقت ترک مراسلات کی بھی نیت نہ رہی ہو یا قسم کھانے کی وجہ کوئی ایسی بات رہی ہو جو اس شخص سے ترک تعلق کی متقاضی ہو - اس صورت میں تحریر یا پیغام سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی - اشارہ کی بات کے بارے میں بھی کچھ کہتے ہیں کہ قسم ٹوٹ جائے گی اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں ٹوٹے گی - اگر قسم کھائی کہ کسی آدمی سے نہ بولوں گا تو کسی شخص سے بھی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ، چھوٹا ہو یا بڑا ، صاحب عقل ہو یا دیوانہ بولنے سے قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا یا یہ کہ اسے سلام نہ کروں گا لیکن اگر جھڑکی دی کہ باز آ جا اور خاموش رہ تو قسم ٹوٹ جائے گی - ہاں اگر اس کے علاوہ اور بات نہ کرنے کی نیت تھی تو (جھڑکنے سے) قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھانے والے نے اس شخص کی نماز میں امامت کی جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی اور نماز میں سلام پھیرا تو قسم نہیں ٹوٹے گی - اسی طرح اگر قسم کھانے والے نے (محلوف علیہ امام) کو نماز میں لقمہ دیا (تب بھی قسم نہیں ٹوٹی) -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا ، لیکن اسے اتنے فاصلہ سے پکارا کہ وہ شخص سن سکتا تھا، گو کسی کام میں مصروف ہونے یا بے توجہی کے باعث نہ سنا ہو تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی - ہاں اگر اتنے فاصلہ سے پکارا کہ وہاں تک آواز نہیں جا سکتی تھی تو قسم نہیں ٹوٹی - ←

اگر کلام نہ کرنے کی قسم کھانے والے نے سلام کر لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر کچھ لوگوں کو سلام کیا جس میں وہ شخص (محلوف علیہ) بھی شامل تھا لیکن اس کی موجودگی کا علم نہ تھا تو ایسی قسم ٹوٹ جائے گی جو طلاق یا عتاق پر مبنی ہو۔ اگر وہ قسم اس کے بغیر تھی تو نہیں ٹوٹے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ بھولے سے ایسا ہو گیا۔ لیکن اگر یہ معلوم تھا کہ ان لوگوں میں (جنھیں سلام کیا ہے) وہ شخص شامل ہے (جس سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے) اور سلام کے وقت اس کو سلام سے خارج رکھنے کی نیت نہ تھی یا زبان سے اس کی استثنا نہیں کی یعنی یوں نہیں کہا کہ فلاں شخص کے سوا سب پر سلام ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی، خواہ یہ قسم طلاق پر مبنی ہو یا نہ ہو۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بولنے میں پہل نہ کروں گا، لیکن دونوں ایک ساتھ بولے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر قسم کھائی کہ ایک مدت تک اُس سے بات نہ کروں گا تو لازم ہوگا کہ چھ ماہ تک اس سے کلام نہ کرے، بشرطیکہ اس لفظ سے کچھ اور نیت نہ کی ہو، ورنہ جو نیت تھی اُسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ یہی حکم 'ایک زمانے تک' کا لفظ استعمال کرنے کی صورت میں ہے۔ اگر قسم میں ایک زمانہ، ایک دہر، ایک عرصۂ طویل یا ایک مدت مدید یا وقفۂ دراز یا اوقات کثیر یا عمروں یا برسوں کے الفاظ استعمال کیے تو اس سے کم سے کم تعداد مراد ہوگی۔ لیکن اگر ان الفاظ کو بشکل استغراق بالف و لام استعمال کیا جس کے معنے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یا تا قیام دہر یا تا زیست تو لازم ہوگا کہ کسی وقت بھی کلام نہ کیا جائے کیونکہ الابد، الدہر اور العمر میں جو الف لام تعریف کا ہے اُس کے مفہوم میں ہمہ گیری (تمام کے تمام اوقات) آ جاتے ہیں۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے مہینوں بات نہ کروں گا تو لازم ہوگا کہ تین ماہ تک اُس سے گفتگو نہ کی جائے۔ اسی طرح مہینوں کی بجائے دنوں کا لفظ استعمال کرنے کی صورت میں (تین دن تک نہ بولنا لازم ہے)۔ اگر قسم کھائی کہ بدوران سال کلام نہ کروں گا تو لازم ہوگا کہ قسم کھانے کے وقت سے پورے ایک سال تک اُس شخص سے کلام نہ کیا جائے، خواہ یہ قسم سال رواں کے درمیان کسی وقت بھی کھائی ہو۔ اگر قسم کھائی کہ تین دن تک نہ بولوں ←

← گا تو اس میں رات شامل ہوگی ، لہٰذا تین دن اور تین رات کلام نہ کرنا ہوگا ۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ تین رات تک اُس شخص سے نہ بولوں گا تو ان راتوں کے درمیان جو دن کے اوقات ہیں وہ بھی شامل ہوں گے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ میں کلام نہ کروں گا تو ایسے کلام سے جو نماز کو باطل نہیں کرتا قسم نہیں ٹوٹتی ۔ مثلاً قرآن کا پڑھنا یا ایسے وظایف اور دعاؤں کا پڑھنا جو ممنوع نہیں ہیں ، بشرطیکہ ان میں ذکر اللہ اور ذکر رسول ؐ کے علاوہ کسی سے خطاب نہ ہو۔ بصورت دیگر قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر منہ سے ایسے حروف ادا ہو گئے جن کا کچھ مطلب نہیں سمجھا جا سکتا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ۔ البتہ اگر ایسے حروف بولے گئے جو سمجھے جا سکیں تو قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ وہ آواز خود کو سنائی دے یا سنی جا سکتی ہو گو کسی عارضی سبب سے نہ سن سکا ہو۔ اگر ایسی آواز نہ ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر مصلی کو لقمہ دیا اور لقمہ دینے کی نیت تھی یا کچھ نیت نہ تھی تب بھی وہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر محض تلاوت کی نیت تھی یا تلاوت کے ساتھ لقمہ کی بھی نیت تھی تو حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا لیکن اُسے سلام کیا اور اُس نے سن لیا یا اتنا قریب تھا کہ وہ سن سکتا گو کسی وجہ سے نہ سن سکا ہو اور سن کر وہ سمجھ سکتا ہو خواہ کسی صورت میں بھی ، تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اسی طرح اگر نماز میں سلام پھیرا اور اُس کی طرف سلام پھیرنے کی نیت کی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ البتہ اگر سلام کرنے کی نیت نہ تھی بلکہ صرف نماز کو ختم کرنے کی نیت تھی یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ نیز اگر اُس شخص کو کوئی تحریر بھیجی یا کوئی پیغام زبانی کہلوایا یا ہاتھ وغیرہ کے اشارے سے کچھ بتایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھ کر اپنا مطلب ظاہر کیا اور نیت قرآن پڑھنے ہی کی تھی یا قرآن کے ساتھ کچھ بتانے کی نیت تھی تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کی بیوی سے یا اُس کے غلام سے بات نہ کروں گا ، بعد میں اُس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور یا غلام کو آزاد کر دیا گیا اور پھر اُس سے کلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹی ۔ اسی طرح اگر قسم ←

اپنے غلام کو سزا دینے یا خرید و فروخت نہ کرنے کی قسم اور ایسی ہی دوسری قسمیں کھانے کا بیان

اس بارے میں از روئے مسالک مختلفہ متعدد مسائل ہیں ۔[1]

← کھائی کہ فلاں شخص کے مکان میں نہ جاؤں گا ، پھر اُس شخص نے وہ پورا مکان یا کچھ حصہ اُس کا فروخت کر دیا اور اب اُس میں داخل ہوا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ البتہ اگر اشارہ سے تعیین کر کے قسم کھائی تھی کہ فلاں شخص کی اس بیوی سے کلام نہ کروں گا یا فلاں شخص کے اس مکان میں داخل نہ ہوں گا اور نیت یہ تھی کہ ''جب تک وہ عورت اُس کی بیوی رہے گی'' اور یا ''جب تک وہ شخص اُس مکان کا مالک رہے گا'' (وہ قسم کا پاس کرے گا) اب اگر بعد میں اُس عورت کے خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ دے دی ، نہ کہ طلاق رجعی ، اور گھر کو قطعی طور پر فروخت کر دیا کہ شرط خیار نہ تھی (یعنی معاملہ سے پھرنے کا اختیار نہ رہا) تو اب کلام کرنے یا گھر میں داخل ہونے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو بیس کوڑے ماروں گا اور بیس کوڑوں کو اکھٹا کر کے ایک ہی بار مارا تو اس طرح قسم پوری نہ ہو گی ، بلکہ قسم پوری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک کر کے ضرب لگائی جائے اور تعداد پوری کی جائے جیسا کہ طریقہ ہے ۔ پھر یہ کہ ہر بار ضرب لگانے سے اگر ایک بار مارنے کا دکھ ہوا تو اُسے ایک ضرب قرار دیا جائے گا ۔ اگر ایک بار کی مار جیسی تکلیف کسی دفعہ نہیں ہوئی تو اُسے شمار میں نہ لایا جائے گا ۔

اگر قسم کھائی کہ بیوی کا بوسہ نہ لوں گا لیکن خود بیوی نے بوسہ لیا ، اب اگر اس میں بیوی کو ڈھیل دی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اگر بیوی نے منہ کا بوسہ لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، ہاں رخسار کا بوسہ لینے سے قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر قسم کھا کر کہا کہ بیوی بوسہ نہ لے گی لیکن اُس نے لے لیا تو خواہ اس میں خاوند نے آمادگی ظاہر کی ہو یا نہ کی اور بیوی نے منہ کا بوسہ لیا ہو یا رخسار کا اُس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اگر خود بوسہ نہ لینے کی قسم کھائی ←

← اور بوسہ لے لیا تو خواہ منہ کا لیا یا کسی اور جگہ کا ، بہر صورت قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر کسی شخص کو دوسرے سے کچھ لینا ہے اور اُس شخص نے قسم کھائی کہ اب اس کو نہیں چھوڑوں گا یا یہ کہا کہ جب تک تجھ سے اپنا مطالبہ وصول نہ کرلوں تو چھوٹ کر نہ جائے گا - اب خواہ یہ کوتاہی کی کہ اُسے پکڑ کر نہ رکھا اور وہ بھاگ گیا یا کوتاہی تو نہ کی لیکن وہ زبردستی موقع پا کر بھاگ گیا اور ہنوز مطالبہ پورا نہ ہوا تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی - اور اگر (ادائیگی کی) ذمہ داری کسی اور شخص نے قبول کر لی تو کہا جاتا ہے یہ جائز نہ ہوگا ، بلکہ قسم ٹوٹ جائے گی ، اگرچہ اُس کا مطالبہ ضامن اُس شخص کے سامنے ہی پورا کر دے - لیکن یہ مسئلہ اُس صورت میں ہے جب کہ (اُن الفاظ قسم کا مطلب) عرف عام میں اس کے علاوہ کچھ اور نہ ہو - عام طور پر تو اہل شہر کے نزدیک ایسی صورت میں جب کہ کوئی اور شخص مطالبہ کو اوٹ لے تو اسے (ادائیگی کے لیے) کافی سمجھا جاتا ہے - اور یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ قسم کے مفہوم کی بنیاد عرف عام پر ہوتی ہے -

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں بات جانتا ہوں اور اس کی اطلاع فلاں شخص کو دے دوں گا یا اُسے بتا دوں گا - اب اگر اس کے بتانے سے تو اُس شخص کو نہ معلوم ہوا لیکن کسی اور شخص نے وہ بات اُس شخص کو بتا دی تو اب قسم کھانے والے کو کہا جائے گا کہ وہ بات اُسے بتائے اور جب تک کہ اُس کے بتانے سے اُسے علم نہ ہو، خواہ بالمشافہہ بتائے یا کسی شخص کی معرفت یا تحریری طور پر ، قسم پوری نہ ہوگی - اگر اُس نے یہ کام کر لیا تب ہی قسم پوری ہوگی - اگر قسم کھانے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی اور ذریعہ سے وہ بات اُس شخص کو معلوم ہو چکی ہے تو اس صورت میں کہا جاتا ہے کہ قسم پوری ہونے کے لیے یہ کافی ہے اور اب اُس سے بتانے کے لیے نہ کہا جائے گا ، کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا - اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کافی نہیں ہے -

اگر کسی شخص کے پاس کوئی کپڑا گروی رکھا ہوا ہے اور ایک شخص نے اُسے عاریتاً مانگا اور اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اُس کے پاس کپڑا نہیں ہے - اب اگر فک رہن (یعنی مرہونہ شے کی ملکیت بعوض قرض حاصل کر ←

← لینے) کی حیثیت اُس میں نہیں ہے یا وہ قرضہ معجل (عندالطلب) نہیں ہے تو متفق علیہ طور پر اُس کی قسم جھوٹی نہ ہوگی اور اگر اُسے فک رہن کا مقدور تو ہے لیکن قسم کے وقت اُس کی نیت یہ کہنے کی تھی کہ اُس کا اپنا یعنی غیر مرہونہ کپڑا اُس کے پاس نہیں ہے تب بھی بالاتفاق اُس کی قسم درست ہوگی - نیز اگر یہ نیت رہی ہو کہ اُس کے پاس ایسا کپڑا نہیں ہے جسے وہ عاریتاً دے سکے گو اُس کپڑے کی قیمت مقدار قرض کے برابر ہو تب بھی اُس کی قسم نہیں ٹوٹی- اور اگر مرہونہ کپڑے کی قیمت مقدار قرض سے زیادہ ہو تب بھی بقول معتمد قسم کی مخالفت نہیں ہوئی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو اپنا کپڑا یا گھر عاریتاً (مانگے کو) نہیں دوں گا لیکن صدقہ کر دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، بلکہ ہر ایسے عمل کا اختیار دینے سے حانث ہو جائے گا جس عمل سے وہ شخص فائدہ اٹھائے ، مثلاً اُس گھر میں رہایش رکھنے یا ٹھہرنے کی اجازت دینا وغیرہ - تاہم اگر قسم عاریتاً نہ دینے کی نیت سے تھی تو مفتی اس کی بات کو مان لے گا لیکن اگر قسم طلاق دینے یا خاص غلام کو آزاد کرنے سے وابستہ ہو تو اُس کے کہنے پر فیصلہ نہ کیا جائے گا -

اگر بات اس کے برعکس ہو کہ کسی شخص کو صدقہ نہ کرنے یا ہبہ نہ کرنے کی قسم کھائی لیکن عاریتاً اُسے وہ شے دے دی اور دعویٰ کیا کہ میں نے حقیقی معنیٰ میں صرف صدقہ نہ کرنے یا ہبہ نہ کرنے کی نیت کی تھی ؛ یہ ارادہ نہ تھا کہ اُسے کسی بھی طرح مستفید نہ ہونے دوں گا تو عاریتاً دینے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - حاکم شرع بھی اس کو تسلیم کرے گا ؛ حتیٰ کہ طلاق اور عتاق معین کے بارے میں بھی (قابل تسلیم ہوگی) - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شے اُس شخص کو صدقہ میں نہیں دوں گا لیکن ہبہ کر دیا اور یہ بتایا کہ میں نے حقیقی معنیٰ میں صدقہ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ، اس سے منتفع نہ ہونے دینے کا ارادہ نہیں تھا ، تب بھی حاکم شرع اُس کو تسلیم کر لے گا ، یہاں تک کہ طلاق یا عتاق معین کا معاملہ ہو تب بھی -

اس کے برعکس اگر یہ قسم کھائی کہ اُس شے کو ہبہ نہ کروں گا لیکن بطور صدقہ دے دیا اور دعویٰ یہ کیا کہ اس نے صرف ہبہ نہ کرنے کی قسم ←

→ کھائی تھی تو جہاں طلاق اور عتق معین کا سوال ہو قاضی اُس کی بات کو تسلیم نہ کرے گا ، ہاں اُس کی بات پر فتویٰ اُس کے حق میں دیا جا سکتا ہے۔

اگر قسم کھائی کہ میں سفر میں ضرور جاؤں گا لیکن (نوعیت سفر وغیرہ کے متعلق) کوئی خاص نیت نہ تھی ، نہ اس قسم کا کوئی موجب ایسا معلوم ہے (جس سے سفر کی کیفیت متعین کی جا سکے) تو لازم ہوگا کہ اتنا سفر کرے جس میں نماز قصر واجب ہوتی ہے ، کیونکہ شرع کی رو سے سفر کے یہی معنے ہیں اور بقول راجح اس معنے کو دوسرے معنیٰ پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ نیز لازم ہوگا کہ جہاں پر اُس کا سفر ختم ہوتا ہے وہاں پر نصف ماہ لغوی معنے کے اعتبار سے قیام کرے یعنی اس عرصہ سے پہلے اُس شہر میں جہاں سے روانہ ہوا یا وہاں سے اُس جگہ پر جو مسافت قصر سے کم فاصلہ پر ہو واپس نہ آئے۔ اگر نصف ماہ سے پہلے واپس آگیا تو قسم پوری نہ ہوگی۔ ہاں اگر مسافت قصر سے آگے نصف ماہ تک سفر جاری رکھا تو قسم پوری ہو جائے گی ، کیونکہ (سفر کے تحقق کے لیے) منزل پر پہنچ کر قیام کرنا امر لازم نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ کامل ایک ماہ کی مدت پوری کرے۔

اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس شہر سے کہیں اور چلا جاؤں گا تو لازم ہوگا کہ کسی اور بستی میں جو مسافت قصر کے فاصلہ پر ہو ، منتقل ہو جائے۔ اس سے کم فاصلہ پر واقع کسی شہر میں منتقل ہونے سے قسم پوری نہ ہوگی۔ اور یہ لازم ہوگا کہ منتقل ہونے کے بعد نصف ماہ وہاں پر قیام کرے اور مستحب یہ ہے کہ ایک ماہ قیام کرے۔

اگر قسم کھائی کہ میں اس گھر سے یا اس محلہ سے کہیں اور چلا جاؤں گا تو کسی اور گھر میں یا کسی دوسرے محلہ میں جا کر رہنا (قسم پوری کرنے کے لیے) کافی ہے اس صورت میں یہ شرط نہیں ہے کہ دونوں جگہوں کے درمیان مسافت قصر ہو۔ تاہم وہاں جا کر نصف ماہ ٹھہرنا چاہیے۔ اور مستحب یہ ہے کہ ایک ماہ ٹھہرے۔ یہ مسئلہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ پڑوسیوں کی محض تنبیہ مقصود ہو۔

لیکن اگر پڑوسیوں سے تنگ آکر ایسی قسم کھائی تھی تو اب کسی وقت بھی وہاں پر واپس آنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ ←

→ اگر محض منتقل ہونے کی قسم کھائی کہ میں یہاں سے منتقل ہو جاؤں گا اور یہ نہ بتایا کہ شہر سے یا محلہ سے یا گھر سے اور نہ ان میں سے کسی کی نیت تھی اور نہ ایسا کوئی امر موجب قسم تھا جس سے منتقل ہونے کا مقصد متعین ہوسکتا تو لازم ہوگا مسافت قصر کا سفر کرے اور اس قدر فاصلہ طے کرنے کے بعد نصف ماہ گزارنے سے پہلے واپس نہ آئے جیسا کہ پہلی مثال میں بتایا گیا - اگر ایسا نہ کیا تو قسم پوری نہ ہوگی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق دس دن کے بعد ضرور ادا کردوں گا، جب نو دن گزر گئے تو قسم کھانے والے نے کسی شخص کا مال اس کے علم کے بغیر لیا اور اس شخص کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے اسے دے دیا - یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے کہ یا تو اس مال کے مالک کو اس بات کی خبر میعاد قسم گزرنے سے پہلے ہوئی ہوگی یا میعاد گزرنے کے بعد - اگر دس دن پورے ہونے سے پہلے ہی مالک مال کو یہ بات معلوم ہوئی اور قسم کھانے والے نے جو کچھ کیا اس کو روا رکھا تب تو قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح اگر اس شخص نے جس کے لیے قسم کھائی تھی میعاد مقررہ ختم ہونے سے پہلے (ادائیگی میں) نرمی سے کام لیا تو قسم نہیں ٹوٹی؛ لیکن اگر مال والے کو دس دن کے بعد یہ حال معلوم ہوا (کہ اس کا مال قرضہ کی ادائیگی میں دے دیا گیا ہے) تو اس بارے میں مختلف رائیں ہیں اور صحیح ترین رائے یہی ہے کہ قطعاً وہ قسم ٹوٹ جائے گی، خواہ صاحب مال نے اس کی اجازت دے دی ہو یا نہ دی ہو اور مال لے لیا ہو - نیز اگر قسم کھانے والے نے کسی شخص کا ایسا سامان جو مال قرض کی جنس میں سے نہ تھا اٹھا لیا اور اس میں کچھ اس کا حق تھا اور کچھ دوسروں کا حق تھا اور اس سامان کو لے کر قرض واجب ادا کردیا تو قسم ٹوٹ گئی اگرچہ اس مال کا اس کا اپنا حصہ اتنا تھا جس سے قرض ادا ہو سکے ، کیونکہ قرض خواہ جس کے لیے قسم کھائی تھی وہ تو پورے مال پر ہی راضی ہوا ہے اگر اس میں سے کچھ نکل گیا تو اس کی رضا پوری نہ ہو ئی (لہٰذا قرض ادا نہ ہوا) - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ 'قسم کھانے والے مقروض نے' ایسی شے سے قرضہ اتارا جو ناقص 'عیب دار' تھی، مثلاً چاندی کی شکل میں ادائیگی کی جس میں تانبا یا سیسا ملا ہوا تھا اور قرض خواہ اس پر راضی نہ ہوا - ہاں اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو ←

← قسم نہیں ٹوٹے گی بشرطیکہ ادا شدہ چیز گنتی میں 'مقدار قرض' سے کم نہ ہو یا اگر اس شے کا لین دین پیمایش یا وزن سے ہوتا ہے تو وزن میں کم نہ ہو - ایسا ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ قرض خواہ اس پر راضی ہو جائے -

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کا ضامن نہ بنوں گا ، لیکن اس شخص کے وکیل کا ضامن بنا تو اس مسئلہ میں تفصیل ہے ، کیونکہ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اسے معلوم تھا کہ یہ شخص اس کا وکیل ہے یا معلوم نہ تھا - اگر یہ معلوم تھا کہ اس کا وکیل ہے تب تو محلوف علیہ کی طرف سے کسی قرضہ یا خریداری کا ضامن ہونے میں مطلقاً قسم ٹوٹ جائے گی ؛ قطع نظر اس کے کہ وہ وکیل محلوف علیہ کا نزدیکی یا رشتہ دار یا دوست ہو یا نہ ہو اور خواہ ضامن کو اس کی قرابت داری کا علم ہو یا نہ ہو - ہاں اگر اس وکیل کا ضامن کسی ایسے معاملۂ بیع یا قرض میں بنا جس کا تعاق وکیل کی اپنی ذات سے ہے (یعنی مؤکل کی ذات سے نہیں ہے جس کا ضامن نہ بننے کی قسم تھی) تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، اگرچہ ضمانت لینے کے وقت یہ بھی معلوم ہو کہ یہ فلاں شخص کا وکیل ہے - اگر (احیاناً) قسم کھانے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ فلاں شخص کا وکیل ہے اور اس وکیل نے کوئی معاملہ محلوف علیہ کے حق میں کیا ہو ضامن ہو جائے تو قسم ٹوٹ جائے گی- بشرطیکہ وہ وکیل محلوف علیہ کا قرابت دار یا رشتہ دار یا دوست ہو- اگر اس کی قرابت داری - رشتہ داری یا دوستی کا علم نہ ہو تو کہتے ہیں کہ وہ حانث ہو جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حانث نہ ہوگا - اگر اس کی قسم طلاق وغیرہ سے وابستہ تھی اور قسم کھانے والے کا کہنا یہ ہے کہ جس کی ضمانت لی ہے محلوف علیہ سے اس کے تعلق کا علم اس کو نہیں تھا تو یہ عذر حاکم شرع کے نزدیک قابل تسلیم ہوگا - ایک اور قول 'اس بارے میں' یہ ہے کہ یہ بات اس حال میں مانی جائے گی جب کہ اس کا تعلق مشہور نہ ہو - اگر مشہور ہے تو حاکم شرع کے نزدیک اس کا عذر نہ مانا جائے گا - ہاں فتوے کی حد تک اس کی بات مان لی جائے گی ؛ خواہ اس کا تعلق مشہور ہو یا نہ ہو -

اگر قسم کھائی کہ میں زید سے کوئی معاملہ نہ کروں گا یا اسے کسی معاملہ میں دلال وغیرہ نہ بناؤں گا لیکن اس کے وکیل 'نمائندہ' سے معاملہ کیا یا اس کے وکیل کو کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا اور وہ وکیل زید کا قرابت دار یا اس کا ←

← دوست تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، اگرچہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ زید کا وکیل ہے۔ (اس مسئلہ میں بھی) قرابت داری کے معاملہ میں اسی طرح کا اختلاف ہے جیسا کہ مسئلۂ سابقہ میں بتایا گیا ۔ لیکن اگر یہ علم ہو کہ وہ شخص زید کا نمایندہ ہے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی ، خواہ اس کا قرابت دار ہو یا نہ ہو ۔

اگر سودا کرنے والے نے زید کے وکیل سے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ زید سے کوئی سودا نہ کروں گا ؛ کہیں تم تو اس کے وکیل نہیں ہو ؟ وکیل نے کہا کہ یہ سودا تو میرا ذاتی ہے زید کا نہیں ہے ۔ بعد میں شہادت سے یہ ثابت ہوا کہ یہ سودا اس نے زید ہی کے حق میں کیا تھا تو یہ سودا تو ہو جائے گا لیکن قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ جائے گی بشرطیکہ معاملہ کے وقت ہی اس نے یہ نہ کہہ دیا ہو کہ اگر یہ سودا تونے زید کے لیے کیا ہے تو میرے تیرے درمیان یہ معاملہ نہیں ہوگا ۔ اگر یہ کہہ دیا تھا تو نہ قسم ہی ٹوٹی اور نہ بقول معتمد یہ سودا ہی درست ہوگا ۔

اگر (مثلاً) محمد نے کوئی راز کی بات علی کو بتائی اور اس سے حلف لے لیا کہ کسی اور کو نہ بتائے گا ، اس کے بعد محمد نے وہی راز خالد کو بتا دیا ، اب خالد علی کے پاس آیا اور اس بات کا ذکر کیا علی نے کہا کہ میرا تو یہ خیال تھا کہ محمد نے یہ بات میرے سوا کسی کو نہیں بتائی تو اس کہنے سے علی کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ کہنا بھی راز بتانے ہی کے برابر ہے اگرچہ اس کا ارادہ راز بتانے کا نہیں تھا ۔

اگر قسم کھائی کہ جب تک میری بیوی فلاں کام نہ کر لے میں اس سے نہیں بولوں گا ، پھر قسم کھانے کے بعد بیوی سے کہا کہ ”جا واپس چلی جا“ تو قسم ’اتنا کہنے پر‘ ٹوٹ گئی ، اس کا ٹوٹنا مزید کلام پر موقوف نہ رہے گا ۔

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے بات نہ کروں گا تا آنکہ وہ خود مجھ سے بولنے میں پہل نہ کرے ، پھر اس شخص سے کہا کہ مجھے تیری پروا نہیں ہے تو اس کہنے سے وہ پہل کرنے والا قرار نہ دیا جائے گا ۔ ہاں اس کے بعد کچھ اور بات کہنے لگا تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ ←

ج۔ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا مطالبہ فلاں وقت پورا کر دوں گا ؛ پھر اس شخص کے ہاتھ کوئی مال فروخت کیا لیکن یہ بیع بالاتفاق فاسد تھی ، اور اس کی قیمت کو مطالبہ کے عوض چھوڑ دیا تو یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے کیونکہ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ مال قرض خواہ کو دے دیا گیا اور قسم کی مقرر کردہ میعاد گزرنے سے پہلے اس کے ہاتھ میں آ گیا یا نہیں آیا ۔ اگر میعاد سے پہلے اس کے حوالے کر دیا گیا تھا تو قسم نہیں ٹوٹی ، بشرطیکہ اس مال کی قیمت ادائیگی قرض کے لیے کافی ہو ۔ اگر قیمت کم رہی اور میعاد کے اندر اسے پورا نہیں کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اور اگر وہ مال انقضائے میعاد سے پہلے قرض خواہ کے ہاتھ میں نہیں آیا بایں طور کہ اسے دیا ہی نہیں یا میعاد گزرنے کے بعد دیا تو اس صورت میں مختلف رائیں ہیں؛ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ اگر اس مال کی قیمت ادائے قرض کے لیے مکتفی نہیں ہے تو وہ شخص حانث ہو جائے گا ؛ اگر مکتفی ہو تو حانث نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق واجب اتنے عرصہ میں ادا کروں گا اور قرض خواہ نے قرض کی چیز اسے ہبہ کردی اور قسم کھانے والے نے اس ہبہ کو قبول کر لیا اور میعاد ادائیگی قرض گزر گئی اور قرضہ ادا نہیں کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر قرضہ میعاد قسم گزرنے سے پہلے ادا کردیا تو تحقیق یہ ہے کہ قسم نہیں ٹوٹی ، کیونکہ محض ہبہ قبول کرنے سے قسم کا ٹوٹنا لازم نہیں ہوتا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق واجب اتنے عرصہ میں ادا کردوں گا اور اس قرضہ کو اس کے کسی قرابت دار نے اس کی اجازت کے بغیر ادا کردیا اور اس کی اطلاع اسے میعاد ادائیگی کے ختم ہونے سے پہلے ہو گئی اور وہ اس پر راضی رہا تو قسم پوری ہو گئی ، لیکن اگر میعاد ادائیگی گزرنے سے پہلے اسے معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ میعاد گزر گئی اور قرضہ ادا نہ ہوا تو وہ حانث ہو جائے گا ، خواہ اس قرابت دار نے وہ قرضہ خود مال مقروض سے ادا کیا ہو یا اپنے مال سے، در آنحالیکہ ادا کرنے والا مقروض کا وکیل مختار نہ ہو ۔ ادائے قرض کا وکیل نہ ہو ۔ ایسی صورت ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اگر وہ قرضہ مقروض کے وکیل بیع و شرائے یا وکیل (مختار) جائداد نے جسے جائداد کا خراج وصول کرنے کا کام یا ←

← گھریلو سودا ، مثلاً گوشت ، سبزی، صابن وغیرہ کی خریداری سپرد ہو یا عدالتی مقدمات کے وکیل نے ادا کر دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اسی طرح اگر یہ بتایا گیا کہ حق دار کا حق ادا کردیا گیا اور اب مقروض بری الذمہ ہے یا قاضی 'حاکم شرع' کے سامنے گواہوں نے شہادت دے دی کہ مدعی نے واجبات وصول کر لیے ہیں تو لازم ہوگا کہ ادا شدہ قرضہ میعاد مقررہ ادائیگی گزرنے سے پہلے قسم کھانے والے کو واپس دے کر میعاد کے اندر اس کی طرف سے وصول کی جائے 'تاکہ قسم پوری ہو جائے ورنہ قسم پوری نہ ہوگی' ۔

اگر قسم کھائی کہ میں ضرور نکاح کروں گا اور کسی کمینی عورت سے نکاح کر لیا جو اس جیسے شخص کے لائق نہ تھی ، مثلاً کوئی بدکار عورت یا فقیرنی سے صاحب حیثیت شریف انسان نکاح کرلے تو گو اس سے خلوت بھی کر لی ہو قسم پوری نہ ہوگی ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ نکاح عقد فاسد رہا ہو کہ خلوت صحیحہ سے پہلے یا بعد میں ٹوٹ گیا جیسے نکاح شغار 'یعنی بغیر مہر کے کسی کی بیٹی یا بہن سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ بھی اس کی بہن یا بیٹی سے نکاح کر لے جسے آج کل بٹے سٹے کا نکاح کہتے ہیں' یا نکاح متعہ 'یعنی وقتی نکاح' ہو یا نکاح محرم ، یعنی ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جس سے نکاح ممنوع ہے' ۔

اگر کسی نے اپنے نکاح کے لیے 'قسم میں' کوئی مدت مقرر کردی ، مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں ماہ میں نکاح ضرور کروں گا ۔ وہ مہینہ گزر گیا اور کسی عورت سے جو عزت اور مرتبہ میں اسی جیسی ہو باقاعدہ نکاح نہ کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ واضح ہو کہ قسم پورا ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ شادی شوق اور نسل چلانے کے لیے کی ہو ، بلکہ محض نکاح کافی ہے ، خواہ صرف یہی نیت رہی ہو کہ قسم پوری ہو جائے ۔

اگر قسم کھائی کسی شخص کے لیے مالی ضمانت نہ کروں گا لیکن اس کی ذات کا ضامن بن گیا ، یعنی اس شخص کی حاضری کی ذمہ داری لے لی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر اس شخص کو 'عندالطلب' حاضر نہ کرسکا تو اس کی حاضری ضمانت مال کی طرف منتقل ہوجائے گی، ہاں ضمانت کے وقت اگر یہ شرط ←

→ کی ہو کہ اگر میں اسے حاضر نہ کر سکا تو مال کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوں گا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس صورت میں صرف اس بات کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس شخص کو حاضر کردے گا ؛ لہٰذا مالی ضامن نہ بننے کی جو قسم کھائی تھی وہ نہیں ٹوٹی -

اگر قسم کھائی کہ میں ضامن نہیں بنوں گا اور صرف یہی کہا اور مال وغیرہ کا ذکر نہیں کیا تو کسی طرح کی بھی ضمانت لی ، خواہ مال کے ادا کرنے کا ضامن ہو ، یا حاضر ضمانت ہو محض طلبی کی ضمانت ہو (بہر حال) قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ زید کا ضامن نہ بنوں گا لیکن زید کے وکیل نے کوئی سودا بحق زید کیا نہ کہ بحق خود اور اس کی ضمانت کر لی تو حانث ہو جائے گا -

اگر کسی نے اپنا کوئی مال کسی کو فروخت کیا اور ہنوز خریدار سے قیمت وصول نہیں کی - اس کے بعد خریدار نے فروخت کنندہ سے درخواست کی کہ قیمت میں کچھ کمی کر دے اور فروخت کنندہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں اپنے حق میں سے کچھ کم نہ کروں گا - لیکن اس فروخت شدہ مال کو بعد میں اس نے پھر واپس کر دیا اور خریدار نے اس بات کو قبول کر لیا ، اور سابقہ بیع سے اقالہ کر لیا (یعنی توڑ دیا) تو اب اس قول کی بنا پر کہ 'اقالہ' پہلی بیع کو رد کرنا ہے وہ قسم مطلق نہیں ٹوٹی ، خواہ اقالہ (تنسیخ بیع) کے وقت اس مال کی قیمت اتنی ہی ہو جتنے پر وہ فروخت ہوا تھا یا اس سے کم ہو جس پر سودا ہوا تھا کیونکہ اس قسم کے سیاق و سباق سے اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ بایع کا حق جو بھی مان لیا جائے وہ اس میں سے کچھ کم نہ کرے گا- اب درآنحالیکہ بیع (فروخت) توڑ دی گئی اور مال واپس کر دیا گیا تو اب بایع کا کوئی حق مشتری پر نہ رہا ، لہٰذا قسم نہیں ٹوٹی- لیکن اس قول کے مطابق کہ اقالہ بھی بیع ہی ہے حقیقت یہ ہے کہ صرف اس صورت میں قسم نہ ٹوٹے گی جب کہ اقالہ (تنسیخ بیع) کے وقت اس مال کی قیمت اتنی ہی ہو یا اس سے زیادہ ہو جس پر وہ فروخت ہوا تھا- لیکن اگر اس سے کم ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی بجز اس صورت کے کہ خریدار اس کمی کو پورا کر دے - ایسا ہوا تو بائع نے اپنا مقررہ حق نہیں چھوڑا (لہٰذا قسم نہیں ٹوٹی) - ←

واضح ہو کہ قسم نہ ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ کمی کو پورا کرنے کے لیے جو کچھ دیا گیا وہ بطور ہبہ (عطیہ) کے نہ ہو ؛ اگر ہبہ کے طور پر دیا (نہ کہ قیمت کے طور پر) تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔

اگر طلاق وغیرہ کی قید کے ساتھ قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق اتنے عرصہ میں ادا کر دوں گا بشرطیکہ قرض خواہ نے کوئی مزید مہلت ادائیگی کے لیے نہ دی لیکن ہوا یہ کہ مہلت مزید دینے سے پہلے اُس شخص کی وفات ہو گئی ، اب اگر متوفی کے باشعور (مجاز) وارث نے مہلت دے دی اور مہلت سابقہ میں قرض ادا نہ ہوا تو قسم نہیں ٹوٹی ۔ لیکن اگر ورثاء مجاز نے مزید مہلت نہ دی اور میعاد ادائیگی کے اندر وہ قرضہ ادا نہ ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی؛ تاہم اگر متوفی کے ذمہ جو قرضہ ہے وہ تمام ترکہ پر چھایا ہوا ہے تو وارثوں کا مہلت دینا سود مند نہ ہوگا ۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص نے مہلت نہ دی تو اس کا حق واجب اتنے عرصہ میں ادا کر دوں گا اور وہ شخص مہلت دینے سے پہلے وفات پا گیا اور اُس کا وارث نابالغ ، بے شعور یا جنون زدہ ہے ، جو مالی معاملات کی انجام دہی کا مجاز نہیں ہے ، البتہ اُس کے وصی نے مہلت دے دی تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ۔ اب یہ مہلت خواہ خود نابالغ بچے یا نااہل وارث کے حق میں کسی بہتری پر مبنی ہو ، مثلاً یہ اندیشہ ہو کہ مبادا مقروض قرضہ ہی سے انکاری ہو جائے ، یا قسم کھانے والا کوئی جھگڑا کھڑا کر دے ، یا اس کے علاوہ کوئی اور مصلحت ہو ۔ اگر نابالغ وارث یا نااہل (غیر مجاز) وارث کی کوئی بھی مصلحت پیش نظر نہ ہو تو وصی کا مزید مہلت دینا حرام ہے ۔

واضح ہو کہ وصی کے مہلت دینے سے قسم اُس صورت میں نہیں ٹوٹے گی جب کہ متوفی کے ذمہ اتنا قرض نہ ہو جو پورے ترکہ کے برابر ہو ؛ اگر اتنا قرضہ ہو جو پورے ترکہ پر چھایا ہوا ہو تو اب (وصی کو نہیں بلکہ) قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ وہی قسم کھانے والے کو مزید مہلت ادائیگی کی دیں ، بشرطیکہ قسم کھانے والے کو جتنے قرض کی وصولیابی میں مہلت دی گئی ہے اُس سے متوفی کے قرض کو پورا کیا جا سکے ۔ اگر ایسا نہ ہو تو مہلت دینا ←

← جائز نہ ہوگا ، اگرچہ قرض خواہ کچھ رقم چھوڑ دیں - اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ یہ مہلت تمام قرض خواہوں کی جانب سے ہو - اگر بعض قرض خواہوں نے مہلت دی اور بعض نے نہیں دی تو جس نے نہیں دی اُس کی ادائیگی بلاتاخیر واجب ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو سو کوڑے ماروں گا اور (نوعیت عمل کے بارے میں) کوئی نیت نہ تھی ؛ پھر اُس غلام کو ہلکی ہلکی ضرب لگائیں تو قسم پوری ہو جائے گی ، بشرطیکہ اس ضرب سے غلام کو تکلیف ہوئی ہو۔اگر تکلیف نہیں ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی - اگر ایک کوڑے کی دو شاخیں ہیں اور اُن دونوں سے پچاس ضربیں لگائیں تو سو ضربوں کی بجائے یہ کافی ہوگا اور قسم پوری ہو جائے گی - اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں شاخیں ہر بار مضروب کے جسم پر لگیں - نیز اگر سو کوڑے اکھٹے کیے اور سب کے سروں کو ضرب لگانے سے پہلے برابر برابر رکھ لیا اور ایک ہی بار ضرب لگا دی بایں طور کہ مضروب کے بدن پر ہر کوڑے کا سر لگا تب بھی قسم پوری ہو گئی- لیکن اگر مضروب کو کوڑے کے درمیانی حصے سے مارا اور سروں کو برابر برابر نہیں جوڑا تھا جس سے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور تمام کے تمام کوڑوں کے سرے مضروب کے بدن پر نہیں پڑے تو صرف اُتنی ہی ضربیں شمار میں آئیں گی جو مضروب کے بدن پر پڑیں - اگر قسم کھائی کہ میں اپنی چھوٹی بیٹی کو بیس کوڑے ماروں گا اور کھجور کی بیس ٹہنیوں کو لے کر ایک ہی بار اُسے مارا تو قسم پوری ہو گئی -

اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا ، لیکن اُس کے چٹکی لی ، یا کاٹ کھایا یا گلا گھونٹا ، یا بال نوچے جس سے اُسے دکھ ہوا تو اب اگر یہ باتیں غصے میں کی ہیں تو قسم ٹوٹ گئی ، لیکن اگر بطور خوش فعلی کیں تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا اور بیٹی کو مارنے لگا تھا کہ بیوی کو اچٹ کر چوٹ لگی تو بقول معتمد قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح اگر اُسے نہ مارنے کی قسم کھائی اور کپڑا جھاڑتے میں بیوی کے منہ پر لگا جس سے ←

← اُسے چوٹ لگ گئی تب بھی قسم نہیں ٹوٹی - اگر قسم کھائی کہ اپنے لڑکے کو اتنا پیٹوں گا کہ مر جائے گا تو اُسے سختی کے ساتھ مارنے سے قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ اس طرح کی قسموں کو بالعموم مبالغۂ کلام پر محمول کیا جاتا ہے (حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے) - اگر کسی نے اپنے لڑکے کو پیٹنے کا ارادہ کیا اور قسم کھا کر کہا کہ کوئی شخص اُسے روکے گا نہیں لیکن ہنوز دو ہی ایک چھڑی ماری تھی کہ کسی شخص نے اُسے مارنے سے باز رکھا ، حالانکہ وہ اور مارنا چاہتا تھا ، تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر کسی کو ایک شخص سے کچھ لینا ہے اور قسم کھائی کہ جب تک وہ اُس کا مطالبہ ادا نہ کرے گا ، یا یہ کہ جو کچھ اُس پر واجب ہے اُس سے پورا نہ لے لے گا اس شخص کو نہیں چھوڑے گا ، تو اب لازم ہوگا کہ اُسے اپنے سامنے اس طرح رکھے کہ اُسے دیکھتا رہے اور جانے نہ دے - اگرچہ اُن کے درمیان کوئی آڑ آ گئی یا مسجد کا ستون حائل ہو گیا یا ان دونوں میں سے ایک دکان کے باہر ہو اور دوسرا اُس کے اندر بیٹھا ہو بایں طور کہ اُس کو دیکھتا رہے اور اُس پر نظر رکھی تو اس کو چھوڑ دینا (یا جدا ہو جانا) نہیں کہتے- اور اگر مطالبہ کرنے والا سو گیا یا غافل ہو گیا یا کسی اور کے ساتھ مشغول ہو گیا اتنے میں وہ شخص بھاگ گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی - لیکن اگر وہ اس کے پاس سے بھاگ گیا اور اُس کو باز رکھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اُسے نہ روکے تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص سے میں اپنا حق واجب وصول کرکے یا لے کر رہوں گا اور وہ حق اُس نے خود وصول کیا یا اُس کی بجائے اُس کے وکیل نے وصول کیا تو قسم پوری ہو جائے گی- ہاں اگر نیت یہ تھی کہ خود ہی وصول کرے گا تو دیانتاً اور قضاءً اسی کی نیت پر عمل ہوگا اور اُس کی بات مان لی جائے گی - یہی حکم اُس صورت میں ہے جب کہ اُس نے اپنا مطالبہ محلوف علیہ کے وکیل سے وصول کر لیا یا اُس سے لیا جو اُس کا مالی معاملات میں ضامن تھا اور مقروض کے کہنے سے ادا کیا گیا - اسی طرح اگر مقروض نے اپنے قرضہ کی ادائیگی کسی اور شخص کے حوالہ کر دی اور اس سے مطالبہ وصول ہو گیا تب بھی قسم پوری ہو گئی - لیکن اگر وہ مطالبہ محلوف علیہ کے علاوہ کسی اور سے اُس نے ←

← وصول کیا یا ادائیگی اور سپردگی اُس کی اجازت کے بغیر ہوئی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اگر اُس نے (محلوف علیہ ۔ مقروض) کی کوئی چیز جو اُس کے مطالبہ کے برابر ہو اُس سے چھین لی (یا دبالی) تب بھی قسم پوری ہو گئی ۔

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے ذمہ جو مطالبہ ہے وہ اتنے وقت میں ضرور وصول کر لوں گا ، اور ایسا کر لیا تو قسم پوری ہو گئی ؛ اگرچہ اُس (شے) میں کوئی عیب ہو ، مثلاً ایسا کھوٹا سکہ جس سے کاروبار میں رکاوٹ نہ ہوتی ہو اور تاجر اُسے سہل‌انگاری میں قبول کر لیتے ہوں ، جن کو زیوف (مصنوعی سکہ) کہا جاتا ہے ۔ یا نقدی میں کھوٹ ہو جو کھرے سے زیادہ ہو اور بجز بے پروا تاجروں کے اور کوئی اُسے قبول نہ کرے ، جسے 'نہرجہ' کہتے ہیں ۔ البتہ اگر ایسی نقدی وصول کر لی جس میں نہایت کھوٹ ہو , اسے 'ستوقہ' کہتے ہیں یعنی تین تہوں والی جن میں دو تہیں چاندی کی ہوں اور درمیان میں تانبا یا سیسہ ہو تو قسم پوری نہ ہوگی ، کیونکہ ایسی نقدی کو دراہم (یا چالو سکہ) نہیں کہا جاتا ۔

اسی طرح اگر (مطالبہ میں) اُس کو ایسا مال دے دیا گیا جس کا حقدار کوئی اور شخص تھا، بایں طور کہ وہ حق اُس کا ثابت ہو چکا ہو تب بھی قسم کھانے والے کی قسم پوری ہوگئی ۔

واضح ہو کہ اگر مندرجہ بالا تین صورتوں میں یعنی نہرجہ یا زیوف (یعنی کھوٹا یا مصنوعی سکہ) وصول کرلیا ہو یا ایسا مال دیاگیا ہو جس کا مستحق کوئی اور شخص تھا اور وہ قسم (مطالبہ وصول کرنے کی) پوری ہو گئی ہو تو اب اگر یہ مال محلوف علیہ کو پھر واپس دے دیا جائے تو قسم کے (بجائے خود) پورا ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا ۔

اگر قسم کھائی کہ اتنے عرصہ میں فلاں شخص کا حق ادا کر دوں گا اور (اس دوران) اُس شخص کے ہاتھ کوئی مال فروخت کرکے مال کی قیمت قرض میں محسوب کر لی تو قسم پوری ہو گئی ؛ خواہ وہ مال اُس شخص کے حوالہ کر دیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو ۔ اگر (احیاناً) وہ مال قسم کھانے والے کے پاس ہی حوالہ کرنے سے پہلے ضایع ہو گیا تو معاملہ فروخت تو فسخ ہو جائے گا اور قرضہ ←

→ بدستور واجب الادا رہے گا ، لیکن قسم (ادائیگی کی) جو کھائی تھی وہ پوری ہو گئی -

اگر اس شخص نے جس کے ذمہ مطالبہ ہے کوئی مال قسم کھانے والے کے ہاتھ بطور بیع فاسد (ناروا) فروخت کیا اور قسم کھانے والے نے اسے لے لیا اور اس مال کی قیمت مقدار قرض کے برابر تھی تو قسم پوری ہو گئی ، ورنہ ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا قرض ضرور ادا کروں گا ، لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا اور قرض خواہ نے اپنا قرض چھوڑ دیا تو قسم پوری نہ ہوئی ، کیونکہ قرضہ کا ادا کرنا قرض دار کا کام تھا اور قرضہ چھوڑ دینا قرض خواہ کا کام ، لہٰذا قسم کھانے والے کی بات پوری نہ ہوئی جس کے لیے قسم کھائی تھی - لیکن اگر یوں قسم کھائی کہ فلاں شخص کا قرض کل ادا کر دوں گا اور قرض خواہ نے اگلا دن آنے سے پہلے ہی وہ قرضہ معاف کر دیا تو قسم پوری ہو گئی، کیونکہ وہ قرض جس کی ادائیگی کے لیے قسم کھائی تھی جب معاف ہو گیا تو وہ سرے سے باقی ہی نہ رہا تو قسم بھی ختم ہو گئی ؛ اس لیے کہ جس بات کی قسم کھائی تھی اس کا پورا کرنا ممکن نہ رہا اور یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ قسم کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا ممکن ہو جس طرح کہ قسم کے واقع ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ممکن الوقوع امر کی بابت قسم کھائی جائے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شے کو فروخت نہ کروں گا یا خرید نہ کروں گا ، لیکن کسی اور شخص کو اس کے فروخت کرنے یا خریدنے کے لیے کہا تو قسم نہیں ٹوٹی خواہ وہ شخص جسے خریدنے کو کہا اس کا مختار یا قرابت دار یا دوست ہو یا نہ ہو - واضح ہو کہ 'بیع سلم' (وعدے کا سودا) خرید و فروخت میں داخل ہے - چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میں گندم فروخت نہ کروں گا اور کسی شخص نے اسے بیس گنی (یا پونڈ) بیس اروب (۲۴ صاع کا پیمانہ یا مثلاً دس بوری) گندم کی قیمت کے طور پر اس ارادے سے ادا کر دیا کہ سردست بیس گنی دے کر گیہوں کی فصل کٹنے پر گندم وصول کر لے گا تو وہ قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ یہ معاملہ بھی گندم کا بیچنا تھا گو خریدار نے ابھی اسے حاصل نہیں کیا - یہی حکم ←

←اُس صورت میں ہے جب کہ (کسی چیز کے بھی) نہ خریدنے کی قسم کھائی اور کپڑے یا غلہ کی بیع سلم کی بایں طور کہ اُس کی قیمت فوری طور پر ادا کر دی اور وعدہ یہ ہوا کہ بعد میں وہ چیز لے لے گا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی - اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے ، کیونکہ اس طرح کرنے سے یہ تو نہیں مانا جائے گا کہ اُسے خریدا ہی نہیں ؛ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مال کو حاصل کرنے میں تاخیر کی -

واضح ہو کہ 'اقالہ' (تنسیخ بیع) کا معاملہ اگر الفاظ بیع کے ساتھ کیا جائے تو بالاتفاق قسم ٹوٹ جائے گی - چنانچہ اگر قسم کھائی کہ فلاں مال جو میں بیچ چکا ہوں اب اسے نہیں خریدوں گا ، لیکن اس مال کے خریدار نے بالفاظ بیع اس کا اقالہ کیا ، بایں طور کہ اس سے کہا کہ اس مال کو میرے ہاتھ فروخت کردو تو وہ (جو نہ خریدنے کی) قسم تھی بالاتفاق ٹوٹ جائے گی - لیکن اگر اقالہ الفاظ فسخ کے ساتھ ہوا ، بایں طور کہ فریقین اس بات پر متفق ہو گئے کہ سودا فسخ کردیا گیا ، یا لفظ متارکہ کے ساتھ اقالہ ہو بایں طور کہ فریقین میں سے ایک مال سے دست بردار ہو جائے اور دوسرا قیمت سے ، یا یہ ہو کہ مال اور قیمت ایک دوسرے کو لوٹا دے ، یعنی خریدار مال کو اور فروخت کنندہ اس کی قیمت کو لوٹا دے تو اس معاملہ کو بالاتفاق معاملۂ خرید و فروخت قرار نہ دیا جائے گا (لہٰذا قسم نہیں ٹوٹے گی) -

لیکن اگر لفظ اقالہ ہی استعمال کیا جائے ، بایں طور کہ ایک کہے کہ اس مال کے معاملہ کا اقالہ میرے ساتھ کر لو (یعنی معاملہ سابقہ فسخ کرکے از سر نو معاملہ کرلو) اور دوسرا کہے کہ میں نے اقالہ کیا اور پھر وہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا تو اب اگر مال کی پہلی قیمت برقرار ہے تو قسم نہیں ٹوٹی - ہاں اگر اس کی قیمت مقدار یا جنس کے لحاظ سے کم ہوگئی تو قسم ٹوٹ جائے گی - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ یہ صورت بہرحال اقالہ کی ہے (خریداری کی نہیں ہے) -

اگر قسم کھائی کہ نہ تو میں خریدوں گا اور نہ بیچوں گا ، تو معاملۂ فاسد کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی, اگرچہ مال اور قیمت کا باہمی لین دین نہ ہوا ہو، ←

← نیز تابع منظوری سودا کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی جس میں بائع یا مشتری 'یا ہردو کو' فسخ بیع کا اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح بیع فضول کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، ہاں بیع باطل 'غلط سودا' ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

واضح ہو کہ قسم کھانے والے کے وکیل نے جو معاملہ کیا ہو اس سے قسم کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک جو قاعدہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

کسی معاملہ پر مترتب ہونے والے حقوق عایدہ کا ذمہ دار وہی شخص ہے جس نے وہ معاملہ کیا ہو اور وکیل اس کا پابند نہیں ہے کہ اس کام کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرے۔ لہٰذا قسم کھانے والے کی قسم اس کے اپنے مختار کار 'وکیل' کے عمل، مثلاً خریدنے، بیچنے، کرایہ پر دینے، کرایہ پر لینے، مال کے عوض راضی نامہ کرنے اور بٹائی کرنے سے موثر نہیں ہوتی لیکن مقدمات اور جواب دعویٰ کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ معاملات ایسے ہیں جن میں مختار کار کے انجام دینے سے بیع وغیرہ کی طرح وہ بات جس کے لیے قسم کھائی نہیں ٹوٹتی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹوٹ جاتی ہے، کیونکہ یہ معاملات ایسے ہیں جن میں مؤکل کے ذکر کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں وکیل کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دعویٰ میرے مؤکل کی جانب سے ہے۔ تاہم اس بارے میں فتویٰ (شرعاً قابل عمل حکم) یہ ہے کہ تنازعات (مقدمات) میں مختار بنانے والا مختار کے فعل سے حانث نہیں ہوتا۔ ان ہی معاملات کی طرح وہ عمل بھی ہے جس کا فائدہ اپنی جگہ تک محدود ہوتا ہے (متعدی نہیں ہوتا)؛ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنے لڑکے کو سزا نہ دوں گا، لیکن اس کے ادب سکھانے والے 'استاد' کو اسے پیٹنے کا حکم دیا تو قسم نہیں ٹوٹی، کیونکہ سزا دینے کا فائدہ اس لڑکے تک محدود ہے، یعنی صرف اس لڑکے کی اصلاح مقصود ہے۔ لیکن ایسی باتوں میں قسم اس صورت میں نہیں ٹوٹے گی جب کہ عرف عام میں اس کے خلاف کوئی اور مفہوم نہ لیا جاتا ہو۔ چنانچہ اگر بالعموم سزا دینے کا کام سزا دلوانے والے کی جانب منسوب کیا جاتا ہو، مثلاً کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ کل تیری مرمت کی جائے گی، پھر اس کے اتالیق کے پاس جا کر اس لڑکے کو سزا دلواتا ہے تو ایسی صورت میں یہ سزا کا دینا باپ کی طرف منسوب کیا جائے گا اور ←

← کہا جائے گا کہ باپ نے اپنے بیٹے کو سزا دی۔ ایسی حالت میں اگر کسی نے قسم کھائی تھی کہ اپنے بیٹے کو میں سزا نہیں دوں گا اور اس کے اتالیق سے سزا دلوائی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اتالیق کی سزا اسی کی طرف منسوب ہوگی۔ یہی حکم مذکورہ بالا تمام معاملات میں ہے کہ اگر قسم کھانے والا کوئی با حیثیت شخص ہے جو اپنے معاملات کو بنفس خود انجام نہیں دیتا تو خواہ وہ کام خود کرے یا اپنے وکیل سے کرائے عرف عام کے پیش نظر اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

اب ایسے معاملات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں حکم دینے والا اپنے مامور کے عمل سے حانث نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ ایسے معاملات ہوں جن پر مرتب ہونے والی ذمہ داریاں اس شخص پر عاید نہیں ہوتیں جو وہ معاملہ کرتا ہے، بلکہ اس پر عاید ہوتی ہیں جو اس معاملہ کی انجام دہی کے لیے کہتا ہے تو (ایسے معاملہ میں) وکیل کے کرنے سے بھی اسی طرح قسم ٹوٹ جائے گی جیسے خود مؤکل کے کرنے سے۔ یہ معاملات ان کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ منجملہ ان حقوق (ذمہ داریوں) کے ایک نکاح ہے کہ (اگر وکیل کی معرفت نکاح ہوا) تو نکاح کے تمام حقوق اس پر عاید ہوں گے جس نے نکاح کے لیے وکیل بنایا۔ لہذا اسی سے مہر، نفقہ، تقسیم اوقات نیز دوسرے حقوق زوجیت جو عقد ازدواج سے عاید ہوتے ہیں، کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ معاملۂ عقد نکاح کو انجام دینے والا اس معاملہ کو اپنے مؤکل کی جانب نسبت کرکے کہتا ہے کہ میں نے اپنے مؤکل کا نکاح فلاں عورت سے کیا۔ یاد رہے کہ قسم صرف اسی صورت میں مؤثر ہوگی جب کہ عقد صحیح ہو؛ عقد فاسد ہو تو قسم پر اس کا اثر نہ ہوگا۔

ایسا ہی معاملہ استقراض (قرض مانگنا) ہے، یعنی کسی سے قرض مانگنا چنانچہ اگر قسم کھائی کہ میں قرض نہ لوں گا اور پھر کسی کو ایک شخص کے پاس بھیجا کہ اتنے درہم اس سے قرض لے آئے؛ اب اس نے جا کر اس شخص سے کہا کہ ''فلاں صاحب آپ سے اس قدر قرض مانگ رہے ہیں'' تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، خواہ وہ قرض نہ دے۔ لیکن اگر اس کے فرستادہ نے یوں کہا کہ مجھے اتنا قرض دے دو تو یہ بھیجنے والے کی طرف قرض مانگنا نہ ہوگا، بلکہ یہ قرضہ اس ←

← فرستادہ کے لیے ہوگا - اس بنا پر قرضہ وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا اور وکیل کا قرضہ حاصل کرنا درست ہے ، مثلاً کسی سے کہے کہ مجھے اتنا قرض دے دیجیے پھر کسی شخص کو اس کے حاصل کرنے کا وکیل (مجاز) بنانا (درست ہے) لیکن قرض مانگنے کے لیے وکیل بنانا صحیح نہیں ہے - اس صورت میں اس کا فرستادہ محض اس شخص کا ترجمان ہوگا کیونکہ وہ شخص صرف یہ کہے گا کہ ''فلاں شخص آپ سے اس قدر قرض مانگ رہا ہے'' لہذا اس معاملہ میں طلب قرض کی نسبت اس شخص کی جانب کرنا ضروری ہے جس نے اسے بھیجا ہے ، اور جب قرضہ کی شے اس کو مل جائے تو وہ چیز اس کی ہے جس نے اسے بھیجا ہے - پس اگر وہ رقم اس فرستادہ کے پاس سے تلف ہو گئی تو اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بھیجنے والا ہوگا ، بہ خلاف قرض خود لینے کے کہ اس صورت میں وہ مال جو (وکیل نے) قرض میں لیا وہ (مؤکل کا نہیں بلکہ) وکیل ہی کا متصور ہوگا اور اسے اختیار ہے کہ مؤکل کو نہ دے - غرض (وکیل نے قرض) مانگا ہے تو مؤکل کی قسم ٹوٹ جائے گی اور قرض صرف حاصل کیا ہے تو نہیں ٹوٹے گی -

ایسا ہی 'ہبہ' کا معاملہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو یہ چیز ہبہ نہ کروں گا ، یا یہ مخصوص شے کسی کو نہ دوں گا ، یا یہ کہ مطلقاً عمل ہبہ کرنے ہی کا نہیں ؛ ان تمام صورتوں میں خواہ اس نے خود ہبہ کیا ہو یا اس شخص نے ہبہ کیا جس کو ہبہ کرنے کے لیے وکیل (مجاز) بنایا تو قسم ٹوٹ جائے گی ؛ قطع نظر اس کے کہ اس ہبہ کو موہوب لہ نے قبول کر لیا ہو یا نہ کیا ہو اور وہ شے اس نے لے لی ہو یا نہ لی ہو - پہلی مثال میں قسم ٹوٹنے کی اور دوسری مثال میں قسم باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ جو چیز ہبہ کی ہے وہ موجود ہو - چنانچہ اگر قسم کھانے والے نے کوئی ایسی شے ہبہ کی جو اس وقت موجود نہیں ہے تو بہرحال قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو یہ چیز ہبہ نہ کروں گا اور اس سے کچھ معاوضہ لے کر ہبہ کر دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، لیکن اگر وکیل کچھ لے کر اس کی جانب سے ہبہ کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ یہ چیز فلاں شخص کو دوں تو اس پر طلاق دینا لازم ہوگا اور وہ شے اس شخص کو ہبہ کر دی تو وہ قسم ٹوٹ جائے گی ؛ اگرچہ وہ ←

→ شخص یہ ہدیہ قبول نہ کرے ؛ کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ قسم کے ٹوٹنے یا باقی رہنے میں ہبہ کا قبول کیا جانا شرط نہیں ہے - بہ خلاف اس صورت کے جب کہ قسم کھائی کہ یہ چیز فلاں شخص کو فروخت نہ کروں گا اور اسے فروخت کیا لیکن اس شخص کو یہ سودا قبول نہ ہوا تو قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ فلاں شے کو ضرور بیچ دوں گا اور اسے قبول نہ کیا گیا تب بھی قسم نہیں ٹوٹی - (یہاں) ہبہ اور بیع میں فرق یہ ہے کہ 'ہبہ' تو ایک کارخیر ہے جس کا ثواب اس کے انجام دینے والے کو عمل کے ساتھ ہی مل جاتا ہے ؛ لہٰذا اس میں محض ایجاب (پیشکش) کافی ہے (دوسرا قبول کرے یا نہ کرے) ؛ بخلاف بیع کے کہ یہ لین دین کا معاملہ ہے جس میں طرفین بائع و مشتری کا عمل ضروری ہے ، لہٰذا اس کے لیے پیشکش اور قبول دونوں ضروری ہیں -

ایسا ہی 'صدقہ' کا معاملہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ صدقہ نہیں دوں گا تو اب خواہ یہ صدقہ خود دے یا اپنے مختار کی معرفت دے قسم ٹوٹ جائے گی ؛ صدقہ لینے والا قبول کرے یا نہ کرے ، اور مال صدقہ وصول کرلیا ہو یا نہ کیا ہو - اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں صدقہ کا مال نہ لوں گا لیکن کسی کو اس مال کے لینے کےلیے وکیل بنا دیا (اور اس نے لے لیا) تو قسم ٹوٹ جائے گی اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں صدقہ نہ کروں گا اور کسی فقیر کو یونہی کچھ دے دیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اس صورت میں قسم کا جو مفہوم ہے وہ مانا جائے گا - ہاں اگر خصوصیت کے ساتھ ہبہ کرنے ہی کا ارادہ کیا ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی - اگر قسم کھائی کہ ہبہ نہیں کروں گا اور کسی مالدار کو صدقہ کردیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ غنی کو صدقہ کر دینا ہبہ نہیں ہے اس لیے کہ اس میں رجوع ممکن نہیں ہوتا (اور صدقہ غنی سے واپس لیا جا سکتا ہے) -

ایسا ہی ''طلاق'' کا معاملہ ہے کہ اگر قسم کھائی کہ میں طلاق نہ دوں گا پھر کسی شخص کو وکیل بنایا کہ اس کی جانب سے طلاق دے دے تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ گھر میں آئی تو تجھے طلاق ہے ، اس کے بعد قسم کھائی کہ میں طلاق والی قسم نہیں کھاؤں گا - اس کے بعد اس کی بیوی گھر ←

← میں آئی تو پہلی قسم ٹوٹ جائے گی دوسری نہیں ٹوٹے گی لیکن اگر (اس کے برعکس) پہلے یہ قسم کھائی تھی کہ میں طلاق والی قسم نہیں کھاؤں گا، اس کے بعد بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں آئی تو تجھے طلاق ہے تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی۔

ایسے ہی معاملات میں قرض چکانا اور قرض لینا بھی ہے؛ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ میں آج اپنے مقروض سے قرضہ وصول نہ کروں گا۔ وہ قرضہ اس کا وکیل وصول کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر وکیل کو قسم کھانے سے پہلے ہی وصولی قرضہ کے لیے کہہ رکھا تھا اور وکیل نے وہ قرضہ اس کے قسم کھانے کے بعد وصول کیا تو اس صورت میں ایک قول یہ ہے کہ قسم ٹوٹ جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں ٹوٹے گی۔

ایسا ہی معاملہ 'ذبح' کرنے کا ہے۔ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ میں اپنی بکری ذبح نہ کروں گا، لیکن اپنے وکیل سے کہا کہ اسے ذبح کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایسا ہی کسی کو کچھ امانت کے طور پر دینے یا عاریتاً دینے کا معاملہ ہے؛ یعنی قسم کھائی کہ فلاں شخص کے پاس امانت نہ رکھوں گا یا مانگے کو نہ دوں گا اور یہ کام اس کے وکیل نے کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ یہی صورت عاریتاً لینے کی بھی ہے کہ قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کوئی چیز مانگے کے طور پر نہ لوں گا؛ پھر اپنا کوئی آدمی بھیجا کہ فلاں چیز اس سے عاریتاً لے آئے اور اس نے جا کر کہا کہ فلاں شخص آپ سے وہ چیز عاریتاً مانگ رہا ہے، تو قسم ٹوٹ جائے گی لیکن اگر اس نے جا کر یوں کہا کہ فلاں چیز مجھے عاریتاً دے دو۔ تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس چیز سے وہی فائدہ اٹھائے گا، مؤکل نہیں اٹھائے گا۔ اس میں بھی قسم اسی طرح نہیں ٹوٹے گی جیسے قرض مانگنے کی صورت میں پہلے بتایا گیا۔

ایسا ہی 'معاملہ' لباس کا ہے کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو کپڑا یا لباس نہیں پہناؤں گا؛ اس میں کسی خاص لباس کا تعین کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر اس کے کہنے سے کسی اور نے پہنا دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ یاد رہے کہ کفن دینا 'یا کفنانا' لباس پہنانا نہیں ہے لہذا اگر کسی کی بابت لباس نہ پہنانے کی ←

← قسم کھائی تھی اور اس کی تکفین کی تو قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح 'بوجھ اٹھانا' ہے کہ اگر قسم کھائی کہ زید کا یا کسی اور کا سامان نہ اٹھاؤں گا اور وہ سامان اس کے وکیل نے اٹھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی -

واضح ہو کہ اس قسم کے معاملات میں تمام وہ افعال شامل ہیں جنھیں انسان خود انجام نہیں دیتا بلکہ کسی اور کو اس کے کرنے کے لیے کہتا ہے مثلاً مکان کا بنانا ، کپڑے کا سینا وغیرہ چنانچہ اگر قسم کھائی کہ یہ دیوار تعمیر نہ کروں گا یا اس کپڑے کا لباس نہ بناؤں گا یا اس کی ختنہ نہ کروں گا یا اس کا سر نہ مونڈوں گا یا اپنے دانت نہ اکھاڑوں گا اور اس کے لیے کسی اور کو کہا تو قسم ٹوٹ جائے گی -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو ضرور ماروں گا اور اسے ہاتھوں سے پیٹا تو قسم پوری ہو گئی ، خواہ کھلے ہاتھ سے (تھپڑ) مارا ہو یا بند کرکے (گھونسا) مارا ہو یا اسے بغیر ہاتھ کے دھکا دیا یا ایسی ہی کوئی اور بات مارنے کے ارادہ سے کی گئی تو قسم پوری ہو گئی - لیکن اگر اسے کاٹ کھایا یا گلا گھونٹا یا چٹکی لی یا اس کے بال نوچے یا جسم پر کوڑا لگایا مگر مارا نہیں تو قسم پوری نہ ہوگی - اور مارنے میں فی الواقع دکھ پہنچنا شرط نہیں ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ مار بذات خود سخت ہو گو مار کھانے والے کو کسی رکاوٹ کے باعث تکلیف نہ پہنچے، مثلاً اس کے جسم پر کوئی سخت چیز ہو جو چوٹ کو روک لے - لیکن ضرب خفیف (ہلکی چوٹ) جس میں نہ تکلیف ہو اور نہ وہ ایسی مار ہو جو تکلیف پہنچائے تو اس سے (مارنے کی) قسم پوری نہ ہوگی بخلاف حد (سزائے شرعی) اور اس تعزیر (سزائے عام) کے کہ اس میں یہ شرط ہے کہ مار کھانے والے کو فی الواقع تکلیف پہنچے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو سخت مار ماروں گا یا ایسی ہی کوئی اور بات کہی تو جب تک کہ مار سے واقعی تکلیف نہ ہو تو قسم پوری نہ ہوگی - اسی طرح اگر زور کی مار مارنے کی نیت کی ہو تو جب تک کہ واقعی طور پر تکلیف دہ ضرب نہ لگائی جائے قسم پوری نہ ہوگی - اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو بہت ماروں گا یا بھرکس بناؤں گا تو قسم پوری جبھی ہوگی کہ اس ←

← کو اس طرح مارا جس کو عرف عام میں واقعی بھر کس بنانا ہی کہتے ہیں ، کیونکہ ایسی قسم جس میں کسی طرح کی قید نہ ہو اُس میں عرف عام کو پیش نظر رکھا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کو سو کوڑے یا قمچی ماروں گا اور سو کوڑوں یا قمچیوں کو اکھٹا کیا اور اُسے ایک ہی بار مارا تو قسم پوری ہو گئی - اسی طرح اگر سو قمچیوں سے مارنے کی قسم کھائی اور ایک ایسی شاخ سے مارا جس میں سو ٹہنیاں تھیں تب بھی قسم پوری ہو گئی - لیکن اگر قسم میں یہ تھا کہ سو کوڑے ماروں گا اور سو ٹہنیوں والی شاخ سے مارا تو قسم پوری نہ ہوگی کیونکہ شاخ کوڑے میں شمار نہیں ہوتی- (ٹہنیوں کی قسم کی صورت میں) اگر تمام ٹہنیوں کا اُس کے جسم پر لگنا مشتبہ ہو تو ظاہر حال پر عمل کیا جائے گا اور بظاہر یہی ہے کہ تمام ٹہنیاں اُسے لگ گئی ہیں ، لہٰذا قسم پوری ہوجائے گی - اگر خیال غالب یہ ہو کہ تمام ٹہنیاں اس کو نہیں لگیں تب بھی بقول معتمد قسم پوری ہوگئی ، کیونکہ اصل مقصد کفارہ سے بری الذمہ ہونا ہے اور ظاہری طریق کار سے ضرب لگانے کا حیلہ اختیار کیا گیا ہے - یہ ضرب لگانا بدن پر 'انکباس اسواط' (کوڑوں کے لگنے) کا ظاہری سبب ہے اور یہ انکباس (بدن پر لگنا) اس بات کی علامت ہے کہ تمام کوڑے بدن پر لگے ، گو فی الواقع تمام کوڑوں کا بدن پر نہ لگنا زیادہ قرین قیاس ہو -

اگر قسم کھائی کہ جب تک اپنا مطالبہ پورا نہ لے لوں گا اپنے مقروض کو نہ چھوڑوں گا ، لیکن اُسے چھوڑ دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ؛ بشرطیکہ دو باتیں ہوں : ایک تو یہ کہ اُس کے چھوڑنے پر مجبور نہ ہوا ہو- اگر مجبوری سے چھوڑا تو قسم نہیں ٹوٹے گی - دوسرے یہ کہ (چھوڑنے کے وقت) اپنی قسم یاد ہو ؛ اگر یاد نہ رہا کہ نہ چھوڑنے کی قسم کھا رکھی ہے اور چھوڑ دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی- اگر قرض دار خود کو چھڑا کر چلا جائے تب بھی قسم باقی رہے گی- اسی طرح (قسم کھانے والے کے) ماتحتوں میں کسی نے اُسے جانے کی اجازت دی یا ایسا موقع فراہم کر دیا کہ وہ چلا جائے تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اُس نے یہ کام خود کرنے کی قسم کھائی تھی ، لہٰذا کسی اور کے کرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - ←

→ واضح ہو کہ یہ قسم بہرحال مقروض کے جدا ہو جانے پر ٹوٹے گی - چنانچہ اگر دونوں چل رہے ہوں اور مقروض رک گیا اور قسم کھانے والے نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی - یا اگر قسم کھانے والا خود ٹھہر گیا اور مقروض اُسے چھوڑ کر چلا گیا اور اس نے پیچھا نہ کیا تو قسم ٹوٹ گئی - اسی طرح اگر معلوم ہوا کہ مقروض مفلس (نادار) ہے اور اس لیے چھوڑ دیا یا اُس کو اپنی بجائے کسی اور کی سپردگی میں دے کر علیحدہ ہو گیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی - نیز مطالبہ سے دست بردار ہو جانے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی ؛ خواہ مقروض کو چھوڑا نہ ہو - اور اس حالت میں بھی قسم ٹوٹ جائے گی جب کہ اصل شے کے مطالبہ کی بجائے اُس سے کچھ اور چیز لے لی - یا کسی شخص نے اُس کی ضمانت اوٹ لی بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ ضمانت ٹھیک نہیں ہے - البتہ اگر کوئی ضامن اُس کی ذمہ داری لے اور اُس کے مطالبہ میں کچھ دینے اور لینے والا ناواقفیت کی بنا پر اُس کو ٹھیک سمجھے تو قسم نہیں ٹوٹے گی - اب اگر اپنا مطالبہ پورا کرنے کے بعد اُس شخص کو چھوڑ دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جو کچھ وصول ہوا وہ مطالبہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ، مثلاً اُس میں کھوٹ ہے یا (سونے کی بجائے) تانبا نکلا جس کا اُسے علم نہ تھا تو بوجہ معذوری کے قسم نہیں ٹوٹی - ہاں اگر یہ بات اُسے معلوم تھی تو قسم ٹوٹ جائے گی - اسی طرح اگر وصول شدہ شے (مطالبہ کی چیز کے مقابلہ میں) گھٹیا قسم کی تھی تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ مطالبہ کی تکمیل میں گھٹیا ہونا مانع نہیں ہے -

اگر کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ، مثلاً یہ کہا کہ نہ بیچوں گا نہ خریدوں گا نہ رہن رکھوں گا نہ صدقہ کروں گا وغیرہ اور کسی کو اس کام کے لیے اپنا وکیل بنایا جس نے یہ کام کیا تو قسم کھانے والا حانث نہ ہوگا کیونکہ اُس نے خود نہ کرنے کی قسم کھائی تھی وکیل نہ کرنے کی قسم نہیں تھی - ہاں اگر یہ نیت رہی ہو کہ میں نہ خود کروں گا اور نہ اُس کی جانب سے اُس کا وکیل کرے گا ، اس صورت میں اگر وکیل نے یہ کام کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی - اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی ہو تو خواہ وہ خود عقد قبول کرے یا اُس کی طرف سے وکیل قبول کرے قسم ٹوٹ جائے گی ←

← کیونکہ نکاح کا وکیل محض ایک ایلچی (یا نمائندہ) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کے لیے ضروری ہے کہ نکاح کے وقت اپنے مؤکل کا نام لے۔

قسم کھانے والا کسی اور کے حق میں عقد ازدواج قبول کرے تو قسم نہیں ٹوٹے گی تاوقتیکہ قسم کے وقت یہ نیت نہ رہی ہو کہ نہ وہ اپنے لیے عقد قبول کرے گا اور نہ غیر کے لیے۔ ایسی صورت میں دوسرے کے حق میں بھی عقد کی وکالت کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اپنی طلاق یافتہ بیوی سے رجوع نہیں کرے گا اور رجوع کرنے کا اپنا مختار کسی کو بنایا تو بقول معتمد حانث ہو جائے گا۔ اگر کسی عورت نے قسم کھائی کہ میں نکاح نہ کروں گی لیکن اپنے ولی کو نکاح کی اجازت دی اور اُس نے نکاح کر دیا تو وہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اگر اُس کا نکاح اُس کی اجازت کے بغیر ہی کر دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگر کسی نے ہبہ نہ کرنے کی قسم کھائی تو ہدیہ کے طور پر دینے یا صدقہ نفلی کرنے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ 'ہبہ' کا لفظ دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنے عام ہیں جو مشتمل ہیں صدقہ، ہدیہ اور ہبہ بالارکان پر (جس کے ارکان پورے ہوں) یعنی اپنی خوشی سے اپنی زندگی میں کسی شے کا مالک دوسرے کو بنا دینا۔ دوسرے معنی خاص یعنی صرف ہبہ بالارکان کے ہیں جس میں صدقہ اور ہدیہ شامل نہیں ہیں۔ ہبہ کہتے ہیں اپنی خوشی سے اپنی زندگی میں (کسی شے کا) مالک دوسرے کو بنا دینا جس سے غرض اُس کی پاس داری ہو۔ نہ ثواب پیش نظر ہو اور نہ اس میں ایجاب و قبول کی ضرورت پڑے۔ ہبہ ذات الارکان اسی کو کہتے ہیں۔ پس اگر قسم کھائی کہ ہبہ نہیں کرے گا اور صدقہ کر دیا یا ہدیہ کے طور پر دے دیا تو بایں لحاظ کہ ہبہ کا اطلاق صدقہ پر ہوتا ہے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس کے برعکس اگر قسم کھائی کہ صدقہ نہیں کروں گا لیکن یونہی بخش دیا یا ہدیہ کے طور پر دے دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ صدقہ کا اطلاق نہ ہبہ ذات الارکان پر ہوتا ہے اور نہ ہدیہ پر لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دونوں حلال ہیں؛ صدقہ حلال نہیں ہے۔

اگر قسم کھائی کہ میں اُس شخص کو ہبہ نہیں کروں گا لیکن اُسے عاریتاً دے دیا یا اُس کے لیے وقف کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی، کیونکہ عاریتاً دینے یا وقف کرنے میں مالک بنا دینا نہیں ہوتا۔ یہی حال ضیافت (مہمانی) کا ہے کہ ←

← اس میں بھی کسی کو مالک نہیں بنایا جاتا، لہٰذا قسم نہیں ٹوٹتی - اسی طرح اگر کوئی شے کسی کو عطا کی لیکن وہ شے ہنوز اُس کو دی نہیں گئی تو قسم نہیں ٹوٹی ، کیونکہ گو وہ شخص اس شے کا مالک ہوا ہے لیکن پورے طور پر مالک نہیں ہوا ، حالانکہ قسم ٹوٹنے کی شرط یہی ہے - اسی طرح اُس صورت میں بھی قسم نہیں ٹوٹے گی جب کہ وہ شخص پورے طور پر مالک تو ہو جائے لیکن وہ بخشش رضاکارانہ نہ ہو مثلاً کسی کو اپنے مال زکواۃ کا مالک بنا دیا یا منت پورا کرنے یا کفارہ کے طور پر دے دیا - علی ہٰذا وصیت کی گئی اشیاء سے بھی قسم نہیں ٹوٹتی ، کیونکہ اگرچہ اس میں وہ شخص پورے طور پر مالک ہو جاتا ہے لیکن اُس کی زندگی میں نہیں بلکہ موت کے بعد ہوتا ہے - اگر قسم کھائی کہ میں نہ خریدوں گا اور نہ وہ کھانا کھاؤں گا جو زید نے خریدا ہے ، اب اگر صرف زید کا خریدا ہوا کھانا کھایا تب تو قسم ٹوٹ جائے گی ، لیکن اگر اُس کھانے کو زید نے دوسرے کی شرکت میں خریدا تو اُس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی - اب یہ کھانا چاہے بیع سلم کے طریقہ سے خریدا گیا ہو کہ اُس کھانے کی قیمت فوری طور پر ادا کر دی جائے اور کھانا بعد میں لینے کا ارادہ ہو ، یا یہ کہ بطریق تولیہ لیا ہو ، یعنی منافع کے بغیر اصل قیمت پر یا پھر یہ کہ بطور مرابحہ (مقرر کردہ منافع دے کر) خریدا ہو - یہ تمام ہی صورتیں خریدنے کی ہیں - یا اگر اُس کے وکیل نے خریدا تو اُس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھائی کہ اُس گھر میں نہیں جاؤں گا جسے زید نے خریدا اب اگر وہ گھر پڑوس کے حق شفعہ میں حنفی فیصلہ کے مطابق حاصل کیا گیا یا اُس گھر کا کچھ حصہ شفعہ میں اور کچھ خریداری کے ذریعہ حاصل کیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس کو عرف عام میں خریدنا نہیں کہا جاتا -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کو سو کوڑے یا سو سوٹی ماروں گا یا یہ قسم کھائی کہ میں سو ضربیں لگاؤں گا یا سو بار ماروں گا اور سو عدد (کوڑے یا سوٹیاں) اکھٹی کرکے ایک ہی بار مارا تو قسم پوری نہ ہوگی - قسم پوری اُس صورت میں ہوگی جب سو ضربیں تکلیف دینے والی لگائی جائیں - لیکن اگر قسم کے الفاظ یہ تھے کہ سو کوڑوں سے ماروں گا ، یعنی اس میں لفظ ''سے'' استعمال کیا اور سو عدد (کوڑے) یکجا کرکے اُس سے ایک بار ←

→ ہی مارا تو قسم پوری ہو گئی ، کیونکہ اس طرح سو کوڑوں سے مارنے کی بات پوری ہو گئی -

اگر قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا لیکن اُس کا گلا دبوچا یا کاٹ کھایا یا چٹکی لی یا بال نوچے اور یہ باتیں محض خوش فعلی اور لذت اندوزی کے طور پر تھیں تو قسم نہیں ٹوٹی لیکن اگر دکھ دینے کے لیے ایسا کیا تو قسم ٹوٹ گئی - اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کا مالی ضامن نہ بنوں گا ، لیکن اُس کی حاضری کا ضامن بنا اور یہ شرط کر لی تھی کہ اگر اُس کو حاضر نہ کر سکا تو ادائیگی مال کا ذمہ دار نہ ہوگا تو حانث نہ ہوگا - لیکن اگر یہ شرط تھی کہ اُسے حاضر نہ کر سکنے کی صورت میں ادائیگی مال کا ذمہ دار ہوگا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں اگر اُسے حاضر نہ کر سکا تو یہ مسئلہ مالی ضمانت کا مسئلہ بن جائے گا - حالانکہ مالی ضمانت نہ لینے کی قسم کھائی تھی - اگر ایسے شخص نے جس کے ذمہ زید کا کچھ مطالبہ ہے قسم کھائی کہ میں اُس کا مطالبہ پورا کر دوں گا ، لیکن زید نے خود اُسے بری‌الذمہ کر دیا (مطالبہ سے دست بردار ہو گیا) تو قسم پوری ہو گئی اور زید کی وفات کے بعد اُس کا مطالبہ اُس کے ورثاء کو ادا کرنے سے بھی قسم پوری ہو جائے گی ، کیونکہ زید کے ورثاء کو دینا خود اُسے دینے کے برابر ہے -

اگر قسم کھائی کہ فلاں شخص کا حق کل ادا کر دوں گا اور اسے آج ہی ادا کر دیا یا اگلا دن ختم ہونے سے پہلے ادا کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی - اسی طرح اگر حقدار وفات پا گیا اور اس کے ورثا کو دے دیا تب بھی قسم نہیں ٹوٹی -

اگر قسم کھائی کہ جب تک زید سے اپنا مطالبہ پورا نہ کرا لوں گا اسے نہ چھوڑوں گا ، لیکن زید اس کے پاس سے فرار ہو گیا جس پر اس کا بس نہ تھا یا قسم کھانے والے کو مجبوراً چھوڑنا پڑا ، مثلاً اسے مارنے کی دھمکی دی گئی تب بھی قسم نہیں ٹوٹے گی - اسی طرح اگر اصل شے مطالبہ کے عوض تجارت کا مال وغیرہ اس سے لے لیا تو قسم نہیں ٹوٹی - ہاں اگر مقروض کو اس نے اپنی مرضی سے جانے دیا یا وہ بھاگ گیا ، درانحالیکہ اسے روکا جا سکتا تھا یا اس کے ساتھ ساتھ لگا رہ سکتا تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، خواہ اسے مطالبہ سے بری‌الذمہ ←

← کر دیا ہو یا نہ کیا ہو - اسی طرح (قسم کھانے والے نے) اسے اپنے سے جدا ہو جانے کی اجازت دے دی ہو (یا موقع دیا ہو) تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قرضدار نے اپنا قرضہ کسی اور کے حوالے کر دیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی - اگر مقروض نے مطالبہ ادا کیا اور قرض خواہ نے بھی یہ سمجھ لیا کہ جس قدر مطالبہ تھا وہ وصول ہوگیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مال ردی ہے یا کسی اور کا حق ہے جو اس نے اسے دے دیا تو یہ مسئلہ بھول چوک کا مسئلہ قرار دیا جائے گا ؛ لہٰذا اگر قسم میں طلاق یا عتاق (بردہ آزاد کرنے) کی شرط تھی تب تو قسم ٹوٹ جائے گی ؛ لیکن اگر یہ قسم نذر اللہ وغیرہ کے ساتھ وابستہ تھی تو قسم نہیں ٹوٹے گی -

اگر قسم کھانے والے نے اپنی بجائے کسی شخص کو اپنا وکیل بنایا کہ جب تک (مقروض) مطالبہ ادا نہ کرے اس کو نہ چھوڑے ؛ لیکن وکیل کے مطالبہ وصول کرنے سے پہلے ہی مقروض وکیل سے جدا ہو گیا تو وہ قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ جب تک حق وصول نہ ہو گا دونوں فریق جدا نہ ہوں گے ، لیکن کسی اور شخص نے جبراً کسی ایک کو یا دونوں کو جدا کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی ، ہاں اگر دونوں اپنی خوشی سے جدا ہو گئے تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر قسم کھائی کہ میں یہ اونٹ نہیں خریدوں گا ، لیکن مشترکہ طور پر خریدا کہ قیمت کا کچھ حصہ دے کر خریداری میں کسی کے ساتھ شریک ہوگیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی گو اس کی اصل قیمت پر بغیر اس کے کہ فروخت کنندہ کو کچھ منافع دیا گیا ہو اسے خریدا جائے ؛ اور بیع سلم کے طور پر خریدنے میں بھی ، بایں طور کہ قیمت فوری طور پر ادا کر دی ہو اور مال بعد میں لینا کیا ہو تو قسم ٹوٹ جائے گی -

اگر کسی شے کے فروخت نہ کرنے کی قسم کھائی اور اسے بیع فاسد کے طور پر فروخت کیا تو قسم نہیں ٹوٹی - ←

→ اگر ایسی شے کی خرید و فروخت نہ کرنے کی قسم کھائی جس کا معاملہ کرنا یوں بھی ناجائز ہے، مثلاً یہ کہ شراب نہ بیچوں گا اور شراب فروخت کی تو قسم ٹوٹ جائے گی۔

اگر نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی اور نکاح فاسد کر لیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ لیکن اگر حج نہ کرنے کی قسم کھائی اور حج فاسد کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

اگر نہ بیچنے کی قسم کھائی اور بیع خیار (یعنی تابع منظوری فروخت) کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ شرعاً یہ معاملہ بھی فروخت کا معاملہ ہے۔

اگر قسم کھائی کہ فلاں شے فروخت نہ کروں گا اور اسے فروخت کیا لیکن خریدار نے قبول نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر کسی سے عقد نہ کرنے کی قسم کھائی اور عقد کیا لیکن (دوسری طرف سے) قبولیت نہ ہوئی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ قسم کھائی کہ اس مکان کو کرایہ پر نہ دوں گا اور کرایہ پر دیا لیکن لینے والے نے منظور نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگر قسم کھائی کہ زید کو کچھ ہبہ نہ کروں گا اور نہ اس کے حق میں وصیت کروں گا اور نہ صدقے کے طور پر دوں گا، یا یہ قسم کھائی کہ اسے مانگے کے طور پر نہ دوں گا، لیکن وہ شے زید کو بخش دی، یا اس کے حق میں وصیت کر دی یا صدقہ یا ہدیہ کے طور پر یا عاریتاً دیا مگر زید نے قبول نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگر کسی شے کو صدقے میں نہ دینے کی قسم کھائی اور اسے ہبہ کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگر کسی کو ہبہ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی لیکن اس کے ذمے کا قرضہ اتار دیا یا صدقۂ واجب کی رقم بغرض ثواب اسے دے دی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ نفلی صدقہ بھی ہبہ کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح اگر تحفے کے طور پر کچھ دیا یا اس کے لیے وقف کر دیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح کوئی شے اس کے ہاتھ فروخت کی اور قیمت میں سے کچھ چھوٹ دے دی یا قیمت میں سے کچھ دے دیا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر قسم کھائی کہ میں اسے صدقہ نہ دوں گا لیکن اس کے بال بچوں کو کھلایا پلایا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

→ اگر کسی سے نکاح کرنے کی قسم کھائی تو قسم جب پوری ہو گی کہ نکاح صحیح کیا جائے ، نکاح فاسد کرنے سے قسم پوری نہیں ہو گی - اگر قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی پر ایک اور شادی کر لوں گا ، لیکن دل میں کوئی خاص ارادہ نہ تھا اور نہ اس قسم کھانے کا کوئی موجب تھا تو جب تک کہ اس جیسی کسی عورت سے یا ایسی کسی عورت سے جو اس کی بیوی کے لیے باعث اذیت و غم ہو شادی نہ کرے یہ قسم پوری نہ ہو گی - چنانچہ اگر کسی حبشن بڑھیا عورت سے نکاح کر لیا تو قسم پوری نہ ہو گی -

اگر قسم کھائی کہ جب تک میں فلاں شخص کا قرض ادا نہ کر لوں اس کے پاس سے نہ جاؤں گا اور وہ قرض خواہ اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گیا تو قسم پوری ہو گئی (یعنی وہ اب جا سکتا ہے) - لیکن اگر واجب‌الادا شے (قرض نہیں بلکہ) کوئی امانت یا عاریت وغیرہ کی شے تھی اور اس کے مالک نے وہ شے اسے ہبہ کر دی اور وہ اس نے قبول کرلی تو قسم پوری نہ ہوئی ، کیونکہ یہ قسم اس نے اپنے اختیار سے توڑی اس لیے کہ ہبہ کی تکمیل قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے ؛ اگر وہ چاہتا تو اس ہبہ کو قبول نہ کر کے اپنی قسم پوری کرتا - ہاں اگر اس شے کا مالک پہلے اپنی شے کو واپس لے لیتا اور پھر اسے ہبہ کر دیتا تو قسم نہیں ٹوٹتی اگر قسم کھائی کہ جب تک تیرا حق میرے ذمے ہے میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا اور قرض خواہ اس حق سے دست بردار ہو گیا ، یا مطالبہ والی شے اسے عطا کر دی یا مقروض نے وہ شے کسی اور کے حوالے کر دی تو قسم نہیں ٹوٹی - واضح ہو کہ ایسی صورت میں جو قسم کھائی گئی اس میں قسم کھانے والے نے کوئی خاص نیت (یا ارادہ) کیا ہو اور الفاظ میں اس کی گنجائش بھی ہے تو جو نیت کی گئی اسے مانا جائے گا -

اگر قسم کھائی کہ میں فلاں شے کے معاملۂ فروخت میں زید کے ساتھ شریک نہ ہوں گا - اب زید نے مثلاً اپنا گھوڑا کسی اور شخص کو فروخت کرنے کے لیے دیا اور اس وکیل نے وہ گھوڑا قسم کھانے والے کو دے دیا کہ اس کی فروخت کا معاملہ طے کرے اور اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ زید کا مال ہے ، اور اس نے اسے فروخت کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی ، بجز اس صورت کے جب کہ ←

مسائل نذر

نذر کی تعریف

نذر یہ ہے کہ مکلف انسان اپنے اوپر کوئی ایسی بات واجب کر لے جسے شارع علیہ السلام نے ضروری نہ قرار دیا ہو ۔

← اس قسم سے طلاق یا عتاق وابستہ ہو (اس صورت میں قسم ٹوٹ جائے گی اور طلاق یا عتاق کا حکم عائد کر دیا جائے گا) ۔

اگر قسم کھائی کہ میں زید کی خریدی ہوئی شے کو نہیں خریدوں گا ۔ اب زید نے کوئی مال عمر کے ساتھ شریک ہو کر خرید کیا اور اسے قسم کھانے والے نے خرید لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی ، ہاں اگر قسم میں یہ نیت تھی کہ جس شے کو زید بلا شرکت غیرے خریدے گا صرف اس کو نہیں خریدوں گا تو اس نیت پر اعتبار کیا جائے گا ۔ اگر قسم کھائی کہ زید کی خریدی ہوئی شے میں سے کچھ نہ کھاؤں گا ؛ ہاں اگر زید نے اپنی خریدی ہوئی شے کو دوسرے شخص کی خریدی ہوئی شے میں ملا دیا اور قسم کھانے والے نے اس میں سے کھایا تو دیکھنا چاہیے کہ جس قدر اس نے کھایا اس کی مقدار دوسرے شخص کی خریدی ہوئی شے کے برابر یا کم ہے تو قسم نہیں ٹوٹی لیکن اس سے زیادہ ہوئی تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اگر قسم کھائی کہ زید کی خریدی ہوئی چیز نہ کھاؤں گا اور زید نے خود قسم کھانے والے سے کوئی کھانے کی چیز ، مثلاً کھجور یا کشمش وغیرہ خریدی پھر قسم کھانے والے نے اقالہ کیا (یعنی برابر سرابر پر لوٹا لیا) اور اب اس میں سے کھایا تو قسم نہیں ٹوٹی ، کیونکہ 'اقالہ' معاملۂ خرید و فروخت کو ختم کر دینے کا نام ہے جس سے فروخت باطل ہو جاتی ہے ۔ اگر زید نے کوئی چیز کسی کے وکیل وغیرہ کی حیثیت سے خریدی اور قسم کھانے والے نے اسے کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی ۔ اسی طرح اگر زید نے کوئی چیز خرید کر قسم کھانے والے کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دی اور فروخت کے بعد اس چیز کو کھایا تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی ۔

نذر کی حیثیت اور اُس کا ثبوت

اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ منت مانی ہوئی بات کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے ، بشرطیکہ (نذر ماننے والا) صحت مند ہو اور آن شرایط کو پورا کرتا ہو جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے - اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولیوفوانذورھم (یعنی چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں) سے ہوتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''من نذران یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصی اللہ فلایعصہ'' (یعنی ایسی منت ہو جس میں طاعت الٰہی ہے تو لازم ہے کہ آسے پورا کرے اور ایسی منت ہو جس میں معصیت الٰہی ہو تو پورا نہ کرے) یہ حکم (منت کو پورا کرنے کا) آس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ امر معرض وجود میں آ جائے (جس کے ہونے پر منت مانی ہے) - لیکن آسے معرض وجود میں آنے سے پہلے پورا کرنے کے جائز ہونے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - حنابلہ کہتے ہیں کہ نذر (منت ماننا) فعل مکروہ ہے اگرچہ عبادت کی نذر ہو ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد ہے کہ ''انہ لم یات بخیر'' (یعنی اس سے کچھ فائدہ نہیں) - ہاں بخیل سے کچھ خرچ کروانے کا ذریعہ ہے - نذر سے نہ تو حکم خدا ٹلتا ہے اور نہ شدنی دور ہوتی ہے - تاہم اگر وہ بات پوری ہو جائے تو بموجب تفصیل آئندہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ نذر مطلقاً ایک امر مستحب ہے - اس سے وہ امر مراد ہے جو شکر الٰہی بجا لانے کے طور پر کوئی شخص اپنے اوپر واجب کر لے جب کہ آس کو نعمت حاصل ہو یا اللہ کا انعام اس پر ہوا یا کوئی مشکل ٹل گئی - مثلاً کسی تکلیف سے اللہ نے آسے نجات دی یا آس کے مریض کو اللہ نے شفا دی ، یا رزق یا علم عطا کیا ، اور ثواب کی نیت سے آس نے منت مانی کہ شکر الٰہی میں فلاں بات کرے گا - ایسی صورت میں منت ماننا مستحب ہے اور آس کو پورا کرنا فرض ہے - البتہ ایسی نذر کے بارے میں جو مشروط ہو اختلاف ہے - یعنی کسی کار ثواب کے انجام دینے کی نیت اس شرط پر کی جائے کہ فلاں مراد پوری ہو جائے جس میں بندے کو کوئی دخل نہیں ہے - مثلاً یہ منت ماننا کہ اگر ←

اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو میں یہ کچھ کروں گا - ایسی نذر کے بارے میں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور بعض اس کو جائز قرار دیتے ہیں - ایسی نذر جائز اس حال میں ہے جب کہ یہ خیال نہ ہو کہ اس نذر کا ماننا اس مقصد کے حاصل کرنے میں سودمند ہو گا - ایسا خیال ہو تو وہ نذر حرام ہو گی ، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ : ''لا تنذروافان النذر یرد من قضاء اللہ شیاء'' (رواہ مسلم یعنی منت نہ مانا کرو - منت ماننا اللہ کے حکم میں سے ذرہ برابر بھی نہیں گھٹا سکتا) پس وہ شخص جو اس خیال سے منت مانتا ہے کہ حصول مراد میں یہ سود مند ہوگی تو وہ آنحضرت ؐ کے اس ارشاد کے خلاف کرتا ہے جو حضور ؐ نے فرمایا کہ سود مند نہ ہوگی - تاہم اگر وہ بات پوری ہو جائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے - اگر منت پوری کرنے کو (اللہ کے نہیں بلکہ) بندے کے کسی عمل پر موقوف رکھا ، مثلاً یہ کہا کہ اگر میں یہ کام کر لوں تو یہ کچھ کروں گا تو ایسی منت کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں - اسی طرح اگر کوئی منت ناپسندیدہ فعل کے لیے مانی ، مثلاً یہ منت کہ میں ہر روز روزہ رکھوں گا حالانکہ ایسا کرنا انسان کے لیے دشوار ہے تو یہ منت مکروہ ہے لیکن اگر وہ بات ہو جائے تو بہرحال (متذکرہ بالا) دونوں صورتوں میں منت کا پورا کرنا واجب ہے - اور ایسی بات کی نذر جس کا پورا کرنا ممکن نہ ہو حرام ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ نذر درست جو اُن تمام شرطوں کو پوری کرتی ہو جن کا ذکر آگے آرہا ہے ، موجب ثواب اور امر شرعی ہے - کارثواب ہونا تو اس لیے ہے کہ (بہرحال) اس میں ایک ثواب کا کام کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً نماز ، روزہ ، حج وغیرہ ، اور اس کا امر شرعی ہونا اس لیے ہے کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم آیا ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نذر تبرر (کارثواب کرنے) کی ہو تو وہ فعل ثواب ہے ، کیونکہ نذر اللہ سے طلب نجات آخرت کے لیے ہوتی ہے لہٰذا کافر کا منت ماننا درست نہیں ہے - اور لجاج (اصرار کے ساتھ) نذر ماننا مکروہ ہے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اسی کی ممانعت آئی ہے : ''ولا تنذروا فان النذر لا یرد قضاء'' - نذر تبرر اور نذر لجاج کا بیان اقسام نذر میں آگے آ رہا ہے -

نذر کی قسمیں

نذر کی قسمیں ازروئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: اول نذر تبرر جس میں منت ماننے والے نے کوئی ثواب کا کام نماز روزہ وغیرہ کی منت مانی ہو۔ لفظ 'تبرر' 'بر' سے نکلا ہے (جس کے معنے نیکی کے ہیں) اس میں نذر ماننے والے کے پیش نظر نیک کام یا قرب الہٰی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ نذر تبرر کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس نذر کو کسی دلی مراد کے حاصل ہونے پر موقوف رکھا ہو، مثلاً یوں کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا بخشی تو میں روزہ رکھوں گا یا نماز پڑھوں گا" اس کو نذر 'مجازاۃ' کہتے ہیں، کیونکہ اس میں جو کام مانا ہے وہ کسی امر کے جواب (عوض) میں ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ نذر کسی امر کے ہو جانے پر موقوف نہ ہو، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے نذر مانی ہے کہ خوشنودی الہی کے لیے روزہ رکھوں گا یا نماز پڑھوں گا۔

دوسری نذر 'لجاج' (یعنی غصہ یا ناراضگی والی نذر) اس کی بنا ضد یا اصرار پر ہوتی ہے۔ یہ نذر بالعموم غصہ اور مخاصمت کے موقعوں پر ہوتی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

ایک تو یہ کہ اس نذر کی غرض کسی فعل سے باز رہنا ہو؛ مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں فلاں شخص سے بات کروں تو خدا کا یہ فرض مجھ پر عاید ہوگا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس شخص کے ساتھ کلام سے باز رکھے۔ اسی میں وہ صورت بھی ہے جس میں دوسرے شخص کو کسی کام سے روکنا مقصود ہو؛ مثلاً یہ کہ اگر فلاں شخص ایسا کرے تو خدا کا یہ فرض مجھ پر عاید ہوگا۔ مقصد یہ ہے اس شخص کو فلاں کام سے باز رکھا جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس نذر سے مقصد کسی کام پر خود کو آمادہ کرنا ہو، مثلاً یہ کہنا کہ اگر گھر میں نہ گیا تو مجھ پر یہ کام لازم ہوگا، یا یہ ارادہ ہو کہ کسی اور کو آمادۂ کار کیا جائے مثلاً یہ کہنا کہ اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو مجھ پر یہ کچھ واجب ہو جائے گا۔ تیسری قسم یہ ہے کہ نذر ماننے کی غرض کسی امر کی ←

← تصدیق ہو ، مثلاً یہ کہ اگر یہ بات نہ ہوئی جو تم نے کہی یا فلاں شخص نے کہی تو مجھ پر خدا کی طرف سے یہ لازم ہوگا -

اس لحاظ سے نذر کی پانچ قسمیں ہوئیں - ان میں سے دو قسمیں نذر تبرر کی ہیں اور تین نذر لجاج کی - نذر تبرر کی دونوں اقسام میں جو بات مانی ہے اُس کا پورا کرنا فرض ہے - اور منت ماننے والے پر لازم ہے جو کچھ مانا ہے بعینہ اُسے پورا کرے - ہاں اگر غیر مشروط نذر ہو اور اُس میں کوئی وقت متعین نہ کیا ہو تو اُس کے پورا کرنے میں تاخیر ہو سکتی ہے - اور نذر مشروط میں بھی مراد کے حاصل ہونے پر جو منت مانی تھی اُسے پورا کرنا واجب ہے؛ اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے ، فوراً واجب نہیں ہے -

واضح ہو کہ نذر تبرر کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں ؛ منجملہ ان شرایط کے جن کا تعلق نذر ماننے والے سے ہے ایک شرط 'مسلمان ہونا' ہے - لہٰذا کافر کا ایسی منت ماننا درست نہیں ہے ، کیونکہ یہ بھی اللہ سے نجات کا طالب ہونا ہے اس لیے عبادت کے مشابہ ہے - بخلاف نذر لجاج کے کہ اس میں مسلمان ہونا شرط نہیں ہے - ایک اور شرط 'قادر ہونا ہے' یعنی جس نذر کے پورا کرنے سے مجبوری ہو تو وہ درست نہ ہوگی - اور یہ بھی شرط ہے کہ جو منت مانی ہے اس کے عمل میں لانے کا حق بھی اس شخص کو حاصل ہو - اگر حق نہ ہو مثلاً نذر ماننے والا بچہ 'نابالغ' یا جنون زدہ ہو تو اس کی نذر درست نہ ہوگی- البتہ نشہ کی حالت میں نذر مانی تو وہ عاید ہوگی اور وہ شخص جسے نادانی (کم عقلی) کے باعث غیرذمہ دار قرار دے دیا گیا ہو ایسے شخص کا مالی نذر ماننا نابالغ یا مجنون کی نذر کی طرح درست نہیں ہے؛ البتہ عبادت بدنی کی نذر ، مثلاً روزہ یا نماز کی نذر درست ہے - اسی طرح غیر ذمہ دار دیوالیہ شخص کا عین المال کے خیرات کرنے کی نذر درست نہ ہوگی - ہاں ایسے مالی خیرات کی نذر جس کا وہ ذمہ دار ہے درست ہوگی -

اور منجملہ ان شرایط کے جن کا تعلق اس بات سے ہے جو مانی گئی ہے ایک یہ ہے کہ وہ کوئی ثواب کا کام ہو جس کی تعیین بنیادی طور پر شرع میں نہ کی گئی ہو، خواہ وہ کام نفل ہو یا فرض کفایہ ہو - اول الذکر کی صورت مثلاً کسی ←

← مقررہ سورت کے پڑھنے یا نماز میں طویل قرات کرنے کی نذر ماننا ہے۔ ثانی الذکر کی مثال نماز جنازہ یا نماز فرض کو با جماعت ادا کرنے یا ایسے نوافل کو (باجماعت ادا کرنے) کی نذر ماننا جس میں جماعت مسنون ہے۔ غرض ہر ثواب کے کام کی نذر ماننا درست ہے۔ اس حکم سے وہ تمام امور خارج ہیں جو کار ثواب نہیں ہیں مثلاً افعال حرام و مکروہ و مباح۔

امر حرام کی نذر درست نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ فعل گناہ ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ''لا نذر فی معصیة اللہ ولافیما لایملکہ ابن آدم'' (یعنی فعل گناہ کی نذر اور ایسی بات کی نذر ماننا جو آدمی کے بس میں نہ ہو درست نہیں ہے)۔ اگر کوئی نذر امر معصیت کے پورا ہونے پر موقوف مانی جائے، خواہ وہ بات جو مانی ہے بنفسہ کار ثواب ہو، مثلاً یوں کہنا کہ فلاں شخص کو قتل کردوں تو اتنی نمازیں پڑھوں گا۔ یا جو بات مانی ہے وہ بذات خود گناہ ہو، مثلاً یہ کہ (فلاں کام ہو گیا) تو مجھ پر فرض ہو جائے گا کہ شراب پیوں، ان دونوں نذروں میں معصیت ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح معصیت کے اعتبار سے اس امر میں کہ کسی کام کے کرنے کی نذر مانی ہو، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، یا نہ کرنے کی نذر ہو جیسے نماز پنجگانہ یا زکواة وغیرہ کے ترک کر دینے کی نذر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس قسم کی کوئی نذر منعقد نہیں ہوتی۔ واضح ہو کہ معصیت میں وہ تمام امور شامل ہیں جو بنفسہ گناہ ہوں یا کسی خارجی سبب کی بنا پر گناہ ہو گئے ہوں، مثلاً ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا جو فعل حرام ہے اس کی نذر ماننا بھی بقول صحیح درست نہیں ہے۔ اسی میں اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کی نذر بھی شامل ہے۔

امور مکروہہ کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو بذات خود مکروہ فعل ہو مثلاً نماز میں ادھر ادھر دیکھنا۔ یا کوئی فعل کسی خارجی سبب سے مکروہ ہوگیا ہو، مثلاً ہفتہ، جمعہ یا یک شنبہ کا (بالتعیین) روزہ۔ پس ایسے کام کی نذر ماننا جس کی کراہیت کسی عارضی سبب سے ہو درست ہے اور نذر ہو جاتی ہے۔ رہا وہ امر جو بذاتہ مکروہ ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نذر منعقد ہو جاتی ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ منعقد نہیں ہوتی اور اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ اس دوسرے خیال کو ترجیح ←

ے حاصل ہے، کیونکہ نذر سے غرض ثواب ہے اور فعل مکروہ میں ثواب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ نذر منعقد نہ ہوگی، ہاں اگر کوئی شخص اس پر قادر ہو تو اور بات ہے، بشرطیکہ اس میں کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو یا کسی کا حق نہ مارا جاتا ہو؛ ورنہ بہرحال یہ نذر مکروہ ہوگی اور اس لیے منعقد نہ ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔

نذر مباح کی دو قسمیں ہیں: ایک تو اس طرح کی بات ماننا کہ مثلاً میں گوشت نہیں کھاؤں گا یا یہ کہ ایک میل تک پیدل چلوں گا یا یہ کہ دودھ پیوں گا۔ ایسی نذروں کے بارے میں اختلاف ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر وہ نذر پوری نہ کی تو کفارہ لازم آئے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کچھ لازم نہ ہوگا۔ اسی قول کو ترجیح ہے، کیونکہ یہ نذر سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی دوسری قسم یہ ہے کہ نذر کسی امر کی ترغیب پر مشتمل ہو یا کسی امر سے باز رکھنا مقصود ہو یا پھر کسی واقعہ کی تصدیق مطلوب ہو۔ اور اس میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر ہو، مثلاً یوں کہنا کہ اگر میں اس گھر میں نہ گیا، یا اگر میں نے زید سے کلام کیا، یا یہ کہ اگر فلاں بات میرے کہنے کے مطابق نہ ہو تو مجھ پر اللہ کی طرف سے یہ کچھ لازم ہوگا۔ یا شروع میں ہی یہ کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ میں یہ روٹی کھاؤں۔ ان صورتوں میں کفارۂ یمین (وہ کفارہ جو قسم توڑنے کا ہے) عاید ہوگا یا وہ عمل کرنا ہوگا جو مانا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اگر نذر میں کوئی فرض عین مانا تو وہ نذر منعقد نہ ہوگی، مثلاً یہ کہ میں ظہر کی نماز پڑھوں گا، کیونکہ یہ امر تو پہلے ہی شرعاً اس پر لازم ہے۔

نذر لجاج کی بابت مسئلہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے چاہے تو وہ بات پوری کرے جو مانی ہے یا کفارۂ یمین ادا کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ انعقاد پذیر نذروں کی چھ قسمیں ہیں:

اول 'نذر مطلق' یعنی صرف یوں کہنا کہ میں نے منت مانی یا اللہ کی جناب میں نذر مانتا ہوں۔ کوئی خاص بات کہ کیا نذر مانی ہے متعین نہیں کی گئی۔ اب اس کے ساتھ یہ کہا ہو کہ "اگر میں نے ایسا کیا" یا نہ کہا ہو، اس پر قسم توڑنے والا کفارہ عاید ہوگا، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "کفارۃ النذر ے

← اذالم یسم کفارة یمین" بروایت ابن ماجہ و ترمذی (یعنی جس نذر میں اس امر کی تعین نہیں کی گئی جو مانا ہے تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا ہے)۔

دوسری نذر لجاج ، (ہٹ) اور غصہ کی نذر ہے جو اس لیے ہوتی ہے کہ کسی کام سے باز رہنے یا کسی کام کی ترغیب ہو یا کسی امر واقعہ کی تصدیق مطلوب ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ "اگر میں نے تم سے کلام کیا تو اتنے روزے رکھوں گا" مدعا یہ ہے کہ کلام کرنے سے باز رہے۔ یا یہ کہنا کہ اگر میں نے تمھیں نہ پیٹا تو اتنی نمازیں پڑھوں گا۔ اس کا مقصد اس شخص کو ضرب پہنچانے پر (خود کو) آمادہ کرنا ہے اور یوں کہنا کہ اگر میں نے سچ نہ کہا ہو تو مجھ پر اتنے روزے لازم ہوں گے اس سے مراد اس بات کی تصدیق ہے۔ ایسی نذروں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو اختیار ہے کہ وہ بات ہو جائے (جس پر نذر کا انحصار ہے) تو چاہے نذر میں مانی ہوئی بات پوری کرے یا پھر قسم توڑنے والا کفارہ ادا کرے۔

تیسری 'نذر مباح' ہے ، مثلاً کسی کا یوں کہنا کہ میں اللہ کی جناب میں منت مانتا ہوں کہ "میں اپنا لباس پہن لوں گا" یا "اپنی سواری پر سوار ہوں گا"۔ اس میں بھی وہی حکم ہے کہ نذر ماننے والا وہ بات پوری کرے جو مانی ہے یا قسم توڑنے کا کفارہ ادا کردے۔ غرض مباح امر کی نذر ایسی ہے جیسے قسم کھانے کی کہ اگر کھانے یا پینے کے لیے قسم کھا لی ہے تو (اس کے خلاف کرنے کی صورت میں) کفارہ دے یا پھر وہ کام کر لے جس کے لیے قسم کھائی ہے۔

چوتھی صورت 'نذر مکروہ' کی ہے مثلاً طلاق دینے یا لہسن پیاز وغیرہ کھانے کی یا کسی امر منت کے ترک کرنے وغیرہ کی نذر۔ اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ نذر ماننے والا کفارۂ یمین ادا کرے۔ لیکن اگر وہ فعل مکروہ کر ہی لیا تو کفارہ لازم نہیں ، کیونکہ اس نے من مانی پوری کر لی۔

پانچویں 'نذر معصیت' ہے ، مثلاً شراب پینے ، ایام حیض و نفاس میں یا عید کے دن اور یا ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی نذر ، ایسی نذر میں حکم یہ ہے کہ اس کام کو پورا نہ کرے۔ اور جو روزے مانے ہیں وہ دوسرے دنوں میں ←

← رکھ لے اور کفارۂ (یمین) ادا کردے - تاہم اگر وہ بات پوری ہی کرلی تو گناہ گار ہوگا ، لیکن کفارہ لازم نہیں ہے -

چھٹی 'نذر تبرر' اور تقرب کی نذر ہے (یعنی نیک کام یا کار ثواب کی منت ماننا) - اس نذر کو 'تبرر' (کار ثواب) کہتے ہیں - اس سے مراد کسی ثواب کے کام ، مثلاً نماز ، روزہ ، خیرات ، اعتکاف ، عیادت مریض ، حج ، عمرہ ، تازہ وضو کرنے یا جمعہ اور عیدین کے روز غسل کرنے وغیرہ کی منت ماننا ہے ؛ یہ کام خواہ فرض ہو یا نفل ہو - اگر وہ کام نفلی ہے تو اس نذر کے صحیح ہونے اور منعقد ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے ، خواہ وہ نذر مطلق ہو بایں طور کہ ابتداءً ہی یہ کہہ دیا جائے کہ میں اللہ کے لیے اتنے روزے اپنے اوپر لازم کرتا ہوں- یا اس کو کسی امر پر موقوف رکھا ہو مثلاً یہ کہا کہ اگر میرے مریض کو اللہ نے شفا دی یا میرا مال محفوظ رہا تو اتنے روزے رکھوں گا -

نذر تبرر کی تین قسمیں ہیں :

اول وہ نذر جو کسی مرغوب نعمت کے حاصل ہونے یا کسی نا پسندیدہ مصیبت کے دور ہو جانے کی شرط ہو -

دوم (وہ نذر جس میں) کسی کار ثواب کو بغیر کسی شرط کے اپنے اوپر لازم کرلیا گیا ہو، مثلاً پہلے ہی یہ کہہ دیا کہ میں اپنے اوپر اتنے روزے یا اتنی نمازیں لازم کرتا ہوں -

سوم ایسے کار ثواب کی نذر جو بنیادی طور پر شرعاً واجب نہ ہو، مثلاً بیمار پرسی یا غلام آزاد کرنا - ایسی نذروں کو پورا کرنا واجب ہوگا - اور اگر جو بات نذر مانی ہے وہ فرض ہو، مثلاً ظہر کی نماز یا حج فرض یا ماہ رمضان کا روزہ ، ایسی نذروں کے بارے میں اختلاف ہے - کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ امور واجب کی نذر ہوتی ہی نہیں، کیونکہ نذر تو کسی امر کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے اور جو امر پہلے ہی سے لازم ہے اس کا لازم کرنا صحیح نہیں ہے - امر محال کی نذر بھی اسی قسم کی ہے، مثلاً کسی کا یوں کہنا کہ میں نے صوم دیروز کی منت مانی ، ایسی نذر نہیں ہوتی - کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ امر واجب کی نذر بھی ہو جاتی ہے - اگر وہ کام کر لیا تو نذر پوری ہو گئی ؛ اگر نہ کیا تو اس پر کفارۂ یمین واجب ہوگا -

←

← واضح ہو کہ نذر کا کفارہ فوری طور پر واجب ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ نذر کی تمام اقسام کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں :

ایک تو یہ کہ نذر ماننے والا مکلف ہو (یعنی ایسا شخص جس پر احکام شرعیہ کی بجا آوری فرض ہے) لہٰذا بچے (نابالغ) کا نذر ماننا درست نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اسے نذر کو پورا کرنے کا اختیار ہو ، لہٰذا مجبور انسان (جس کے بس میں وہ بات ہی نہ ہو) کو نذر ماننا درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ نذر لفظوں میں (منہ سے کہہ کر) مانی جائے اشارةً نذر ماننا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی گونگا ہے تو وہ اشارے سے نذر مان سکتا ہے ، بشرطیکہ وہ اشارہ قابل فہم ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نذر کی چند قسمیں ہیں: ایک تو ایسے امر کی نذر جس میں اللہ کی نافرمانی ہو، یعنی کوئی شخص فعل حرام کی نذر کرے، مثلاً شراب پینے یا سور کا گوشت کھانے کی نذر یا کسی ایسے کار خیر کی نذر جسے خاص اوقات میں بجا لانے کی ممانعت شرع میں آئی ہو، مثلاً عید یا بقرعید کے دن روزہ رکھنے کی نذر یا کسی اور فعل مکروہ کی نذر ماننا۔

دوسری قسم امر مباح کی نذر ہے۔

تیسری قسم طاعت الٰہی کی نذر ، مثلاً روزہ یا نماز وغیرہ کار ثواب کی نذر ماننا۔

نذر معصیت کی صورت میں اگر فعل حرام کی نذر ہے تو وہ نذر حرام ہے اور فعل مکروہ کی نذر ہو تو وہ مکروہ ہے۔ ایسی صورت میں جس بات کی نذر کی ہے وہ بات نہ کرنی چاہیے۔ البتہ اگر ایام نحر میں سے چوتھے دن کے روزے کی نذر مانی یا ایام حج یا مقام احرام سے پہلے ہی احرام باندھنے کی نذر مانی ہے تو گو یہ امور مکروہہ ہیں لیکن اس نذر کا پورا کرنا لازم ہوگا اور احترام نذر کے پیش نظر اس کی کراہت جاتی رہے گی۔

واضح ہو کہ ایسے امور کی نذر جو کسی خارجی سبب سے حرام ہوں جیسے عیدالفطر یا عید الاضحیٰ کے دن روزے کی نذر ہے اس کی تین صورتیں ہیں : ایک تو یہ کہ نذر ماننے والے کو معلوم ہو کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ ایسی ←

← صورت میں مستحب یہ ہے کہ اس روز کوئی ایسا کارخیر کرے جو نذر مانی ہوئی بات کے مشابہ ہو ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نذر ماننے والے کو یہ علم نہ ہو کہ اس دن کا روزہ حرام ہے ۔ اس کے برعکس یہ خیال کرتا ہو کہ اس دن روزہ رکھنا دوسرے دنوں کے روزے سے بہتر ہے ، کیونکہ اس میں نفس پر قابو پانا اور لذات سے کنارہ کش ہونا ہوتا ہے ۔ ایسی صورت ہو تو اس روزے کی نہ قضا واجب ہے اور نہ مستحب ہے ۔ تیسری صورت اس نذر کی ہے جس میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ دن بھی روزہ رکھنے کے بارے میں دوسرے دنوں کی مانند ہے ۔ اس صورت میں اختلاف رائے ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ قضا کرنا چاہیے اور یہ بھی کہ نہ کرنا چاہیے ۔

امر مباح کی نذر ماننا روا ہے ، مثلاً کھانے پینے وغیرہ کی نذر مان لینا ۔ اس میں اُس عمل کا بجا لانا لازم نہیں ہے جو مانا ہے ۔ رہی نذر طاعت سو اُس کی دو قسمیں ہیں : ایک تو وہ نذر جو غصے میں کی جائے ، خواہ اُس سے غرض کار ثواب ہو یا یہ غرض ہو کہ نفس کو کسی کام سے باز رکھا جائے اور اُس پر سختی کی جائے اور نذر کو پورا کرنا لازم ہو جائے ۔ اس کو نذر 'لجاج' کہتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں فلاں شخص سے کلام کروں تو اللہ کی جانب سے مجھ پر یہ کچھ لازم ہوگا ۔ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نذر لجاج میں اختیار ہے کہ چاہے کفارۂ یمین دے دیا جائے یا جو کچھ مانا ہے اُسے پورا کیا جائے ۔ تاہم مشہور یہی ہے کہ مانی ہوئی بات ہی کو پورا کرنا واجب ہے ۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اس قسم کی نذر (یعنی نذر لجاج) مکروہ ہے ۔

دوسری قسم کی وہ نذر ہے جو خوشی سے اپنے اوپر لازم کی جائے ۔ اس نذر میں ایسی بات لازم ہوتی ہے جسے انجام دینا لازم نہ ہو ، مثلاً کوئی امر سنت ہو یا امر مرغوب یا مستحب ہو جو بہرحال کار ثواب ہو، مثلاً نماز ، روزہ ، خیرات وغیرہ ۔ لیکن ایسا امر جو کبھی کار ثواب ہو اور کبھی نہ ہو، مثلاً نکاح کرنا یا ہبہ کرنا ۔ ایسے اُمور کی نذر مانی جائے تو اُس کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا ۔ اسی طرح امر فرض بھی نذر ماننے سے لازم نہیں ہوتا ، کیونکہ وہ بذات خود ایک ←

← امر لازمی ہے ۔ اس قسم کی نذر اگر مطلق (غیر مشروط) ہو تو امر مستحب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

ایسی نذر جو پہلے ہی سے اپنے اوپر لازم کر لی گئی ، بغیر اس کے کہ وہ کسی امر کے ظہور پذیر ہونے کے شکریہ میں ہو ، مثلاً کوئی شخص منت مانے کہ میں اتنے روزے یا اتنی خیرات کروں گا ۔ ایسی نذر مباح ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے ۔ اور ایسی نذر جو کسی ایسے امر پر موقوف ہو جو پورا نہیں ہوا ، مثلاً یہ کہنا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی یا مجھے روزگار مل گیا یا فلاں مشکل سے نجات ہو گئی تو میں اتنی خیرات کروں گا ، تو اس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا ۔ لیکن ایسی نذر کے جائز ہونے میں اختلاف ہے ، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ہے ۔

واضح ہو کہ منجملہ شرایط نذر کے یہ بھی ہے کہ نذر ماننے والا مسلمان ہو ۔ اگر کافر نذر مانے تو مسلمان ہونے کے بعد اس کا پورا کرنا مستحب ہے ۔ اور ایک شرط یہ ہے کہ وہ شخص جس نے نذر مانی مکلف ہو ؛ اگر کسی بچے (غیر مکلف) نے نذر مان لی ہو تو مستحب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اسے پورا کرے ۔ ایک شرط یہ ہے کہ جس بات کی نذر مانی ہے وہ ایسا کار ثواب ہو جس کا بجا لانا نذر سے پہلے واجب نہ رہا ہو، لہٰذا امر حرام یا مکروہ یا مباح کی نذر ماننا درست نہیں ہے ، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ۔

واضح ہو کہ نذر ماننے کے لیے خاص اس لفظ کا استعمال کرنا شرط نہیں ہے؛ یعنی ایسے الفاظ میں بھی نذر مانی جا سکتی ہے جس سے کوئی امر لازم ہو جائے اگرچہ اس کے لیے نذر کا لفظ نہ استعمال کیا گیا ہو ۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر نذر کے الفاظ استعمال نہ کیے گئے ہوں تو اس میں نیت لازم ہے یا لازم نہیں ہے ۔ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہے ۔ لیکن صحت نذر کے لیے (منہ سے) بولنا ضروری ہے ، محض نیت سے نذر عاید نہیں ہوتی ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نذر کی دو قسمیں ہیں : ایک نذر مشروط (یعنی وہ نذر جو کسی امر پر موقوف ہو) دوسری نذر مطلق (جس میں کوئی شرط نہ ہو) ۔ نذر مشروط کی دو قسمیں ہیں : اول وہ نذر جسے ایسی بات پر موقوف رکھا گیا ہو ←

→ جس کے وقوع پذیر ہونے کی چاہت ہو ، مثلاً یہ کہنا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر اللہ کی طرف سے یہ کچھ لازم ہوگا ۔ اس نذر کا پورا کرنا مریض کے شفایاب ہونے پر، جو نذر کرنے والے کی مراد ہے ، موقوف ہے ۔ ایسی نذر کا حکم یہ ہے کہ اس مراد کے پورا ہونے پر فعل نذر کا انجام دینا لازم ہوگا ، بشرطیکہ (نذر کی) وہ شرایط پوری ہوتی ہوں جن کا بیان آگے آرہا ہے ۔ دوم وہ نذر جو کسی ایسی شرط پر موقوف ہو جس کے وقوع پذیر ہونے کی خواہش نہ ہو ، مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں اس گھر میں جاؤں یا یوں کہا ہو کہ اگر میں فلاں شخص سے بات کروں تو مجھ پر یہ کچھ لازم ہوگا ۔ اس قسم کی نذر کو شافعیہ نذر اجاج کہتے ہیں ، کیونکہ اس کا مقصد اس کام سے باز رہنا ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر کرنے والے کو اختیار ہے کہ خواہ وہ بات پوری کرے جو نذر مانی ہے یا کفارۂ یمین ادا کر دے ۔ یہی صحیح ہے ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس نذر میں بھی دوسری نذروں کی طرح جو مانا ہے وہی کام کرنا واجب ہے ۔

واضح ہو کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نذر کے لیے جو شرط رکھی ہے وہ کوئی کار ثواب ہے یا کوئی فعل گناہ ، مثلاً یوں کہنا کہ اگر میں نے بدکاری کی یا شراب پی تو مجھ پر یہ کچھ لازم ہوگا ۔

واضح ہو کہ نذر کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں :

اول یہ کہ جس بات کی نذر مانی گئی ہے وہ 'بقول صحیح' ایسے اعمال کی قسم میں سے ہو جو شرعاً فرض یا واجب ہیں ، مثلاً نماز یا صدقہ ۔ پس اگر یہ نیت مانی کہ میں نفل روزہ رکھوں گا تو اس منت کا پورا کرنا واجب ہوگا ، کیونکہ یہ اس قسم کی باتوں میں سے ہے جو فرض ہیں یعنی روزۂ رمضان ۔ اسی طرح اگر منت مانی کہ میں نفلی نماز پڑھوں گا تو اس کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بھی ایسی باتوں میں ہے ، جو فرض ہیں یعنی نماز پنجگانہ ۔ یہی حال خیرات (صدقہ) کی منت ماننے کا ہے کہ یہ امر اس قسم کے امور میں سے ہے جو واجب ہیں یعنی زکواۃ ۔ لیکن اعتکاف کرنے کی منت مان لینا اگرچہ ایسی بات کی منت ہے جو درحقیقت امور واجب کی اقسام میں نہیں ہے ، تاہم اس نذر کو پورا کرنا واجب ←

← ہے ، کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ اعتکاف کی منت کا پورا کرنا اہل تحقیق کے نزدیک واجب ہے اگرچہ وہ امور واجب کی اقسام میں سے نہیں ہے - اعتکاف کی نذر کا پورا کرنا اس لیے واجب ہے کہ اس پر اجماع ہے -

اگرمنت میں مانی ہوئی بات ایسی نہ ہو جو شرع کے اصطلاحی امور فرض اور واجب کی قسم میں سے ہیں تو نذر ماننے والے پر اُس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، مثلاً کسی مریض کی مزاج پرسی یا کسی مسجد میں ، خواہ وہ مسجد نبوی ہو یا مسجد اقصیٰ یا حرم مکہ ہو، جانے کی منت ماننا - ایسی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے ، کیونکہ اس جیسا کوئی امر (یعنی مسجد میں جانا) فی حدذاتہ فرض مطلوب نہیں ہے - اسی طرح نماز کے بعد کسی وظیفہ یا دعا وغیرہ کی نذر کا پورا کرنا بھی واجب نہیں ہے ، کیونکہ یہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو اقسام فرایض مطلوبہ میں سے ہو - البتہ اگر تکبیر کہنے کی نذر مانی ہے تو اُس کی ادائیگی واجب ہے ، کیونکہ تکبیر اُن امور کی اقسام میں سے ہے جو فرض ہیں جیسے تکبیر تحریمہ - اسی طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی منت مانی ہے تو اُس کا پورا کرنا بقول صحیح واجب ہے، کیونکہ درود ایک ایسا عمل ہے جسے عمر بھر میں ایک بار بجا لانا فرض ہے -

صحت نذر کی دوسری شرط یہ ہے کہ جو بات مانی جائے وہ منجملہ عبادات مقصودہ کے ہو ، لہٰذا کسی ایسی بات کی منت ماننا جو (بذات خود عبادت نہ ہو بلکہ) صحت عبادت کا ذریعہ ہو ، درست نہیں ہے ، جیسے وضو ، غسل ، قرآن حکیم کا چھونا ، یا اذان دینا یا جنازہ کے ساتھ جانا یا بیمار پرسی کرنا یا مسجد کا تعمیر کرنا وغیرہ - یہ تمام اُمور اگرچہ کار ثواب ہیں لیکن بذات خود مقصود نہیں ہیں ، بلکہ اصل مقصد وہ عبادت ہے جو ان اُمور پر منحصر ہے - غرض نذر کے صحیح ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ مانی ہوئی بات بنفسہ ایک عبادت ہو اور وہ عبادت فرض عبادتوں کی جنس میں سے ہو -

تیسری شرط یہ ہے کہ مانی ہوئی بات کوئی فعل گناہ نہ ہو ؛ لہٰذا کسی شخص کو قتل کرنے کی منت ماننا یا شراب پینے اور بدکاری کرنے کی نذر ماننا - ایسی منت قسم بن جاتی ہے اور اس کو توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہے - لیکن اگر ←

← کسی نے عید یا بقر عید کے دن روزہ رکھنے کی منت مانی جو (فی حدذاتہ تو فعل حرام نہیں ہے لیکن) عارضی سبب کی بنا پر حرام ہے، یعنی روزہ بذات خود ایک عبادت ہے، چونکہ شارع علیہ السلام نے اُس دن روزہ رکھنا منع فرمایا ہے، لہٰذا اس عارضی سبب کے باعث وہ امر حرام ہو گیا۔ ایسی صورت میں وہ منت تو صحیح ہوگی، لیکن عید کے دن کی قید کے باعث لغو ہوگئی، لہٰذا اُس کی قضا کسی اور دن (جس میں روزہ رکھنا منع نہ ہو) واجب ہے۔ اسی طرح اگر منت مانی کہ میں بغیر وضو کیے نماز کی دو رکعت پڑھوں گا تو نذر صحیح ہے کیونکہ نماز کی نذر درست ہے لیکن بے وضو کی قید نے اُس منت کو لغو بنا دیا، لہٰذا لازم ہے کہ وضو کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے کیونکہ (یہ قاعدہ ہے کہ) اگر کسی امر مشروط کو اپنے اوپر لازم کیا جائے جیسا کہ اس صورت میں نماز ہے، تو اس امر کے ساتھ اُس کی شرط (جس پر اُس کے پورا ہونے کا انحصار ہے) بھی لازم ہوگی یعنی وضو کرنا۔ اسی طرح اگر نذر مانی کہ ایک رکعت نماز پڑھوں گا تو لازم ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی جائے؛ اور اگر تین رکعت نماز کی منت مانی ہے تو چار رکعت پڑھنا لازم ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مانی ہوئی بات وہ نہ ہو جو کسی شخص پر منت ماننے سے پہلے ہی فرض رہی ہو، چنانچہ اگر اسلامی شرایط کے موافق حج کرنے کی منت مانی تو اُس پر اس منت کی وجہ سے اُس حج کے سوا (جو اُس پر پہلے ہی سے لازم ہے) اور کچھ لازم نہیں ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ ایسی بات کی نذر نہ مانی جائے جس کا وہ مالک ہی نہیں ہے۔ پس اگر ایک ہزار روپے خیرات کی نذر مانی اور اس کے پاس صرف سو روپے ہیں تو صرف سو ہی دینا لازم ہوں گے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جو منت مانی ہے اُس کا بجا لانا ممکن ہو؛ لہٰذا اگر کسی امر محال کی منت مانی؛ مثلاً 'صوم دیروز'، کی منت تو یہ صحیح نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو حیض آتا ہے اور اس نے نذر مانی کہ میں ایام حیض میں روزہ رکھوں گی، تو یہ ایک فضول بات ہے، کیونکہ ایام حیض میں روزہ رکھنا شرعاً محال ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے منت مانی کہ میں کل ←

← روزہ رکھوں گی اور اگلے روز اسے حیض آگیا تو یہ منت بے کار ہوگی - امام محمدؒ کا یہی قول ہے ۔ لیکن امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس دوسری صورت میں روزے کی قضا لازم ہوگی -

ساتویں شرط یہ ہے کہ کسی اور شخص کی مملوکہ شے کے بارے میں منت نہ مانی جائے -

واضح ہو کہ نذر کے لیے کسی خاص وقت یا جگہ یا مخصوص (اور متعین) رقم یا خاص محتاج کی قید لگانا نہ چاہیے - چنانچہ اگر مثلاً منت مانی کہ جمعہ کے روز فلاں مخصوص رقم خاص فلاں شخص کو صدقہ کروں گا لیکن اس مخصوص رقم کے علاوہ کوئی اور رقم (جمعہ کی بجائے) جمعرات یا ہفتہ کے روز کسی دوسرے شخص کو دے دی تو روا ہے - اسی طرح اگر کسی خاص مہینہ میں اعتکاف کرنے یا روزہ رکھنے کی منت مانی اور اس وقت سے پہلے ہی روزہ رکھ لیا تو درست ہے - اسی طرح اگر منت مانی کہ فلاں سال حج کو جاؤں گا اور اس سے ایک سال پہلے ہی حج کر لیا تو نذر درست ہوگئی - تاہم وہ نذر جو کسی امر کے پورا ہونے پر منحصر ہو تو ایسی نذر میں صرف وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ شرط کے پورا ہونے سے پہلے اس منت کا بجا لانا درست نہیں ہے ، البتہ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے - اس نذر میں بھی محتاج یا رقم یا جگہ کے متعین کرنے سے یہ تعین لازم نہیں ہو جاتا، لہٰذا روا ہے کہ اس مخصوص رقم کے علاوہ جس کی منت مانی ہے کوئی اور رقم کسی اور محتاج کو جس کا ذکر منت میں نہیں ہے دے دی جائے چنانچہ اگر مثلاً مکہ کے محتاجوں کو دینے کی منت مانی ہے تو دوسرے فقراء کو دے دینا جائز ہے ؛ خواہ وہ منت غیر مشروط ہو یا کسی شرط کے ساتھ ہو -

واضح ہو کہ منت ماننا زبان سے کہنے پر منحصر ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک منہ سے ادا نہ کیا جائے منت واقع نہیں ہوتی ؛ یعنی جب تک یہ نہ کہا جائے کہ میں نے یہ منت مانی ہے یا مجھ پر یہ لازم ہو گیا ہے منت صحیح نہ ہوگی - لیکن اگر یوں کہا کہ مجھے آرام ہو گیا تو روزہ رکھوں گا تو قاعدے کے مطابق اس طرح کہنے سے منت نہ ہوگی ، ہاں نیک کام سمجھ کر اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے - ←

کتاب احکام البیع

مسائل خرید و فروخت

ایک شے کو دوسری شے سے تبادلہ کرنے کو لغت میں بیع کہتے ہیں ؛ لہٰذا ایک مال کا تبادلہ دوسرے مال سے از روئے لغت 'بیع' ہے - اسی طرح نقدی سے کسی شے کا تبادلہ بھی بیع ہے - اس مبادلہ میں ایک شے کو مبیع (مال) اور دوسری شے کو ثمن (قیمت) کہا جاتا ہے -

جہاں تک لغوی معنے کا تعلق ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مال اور قیمت دونوں پاک اشیا ہوں یا نجس ہوں ؛ شرعاً ان کا استعمال میں لانا روا ہو یا نہ ہو ؛ مثلاً شراب کو مال قرار دینا یا قیمت قرار دینا دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ میں (ایسی خرید و فرخت) درست نہیں ہے ، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا -

اب جاننا چاہیئے کہ ایک شے کے مقابلہ میں دوسری شے دینا ایسا ہی ہے جیسے سلام کے مقابلہ میں سلام کرنا ، یا اضافہ کے بدلے میں اسی قدر اضافہ کرنا ، یا کسی نیکی کے عوض ویسی ہی نیکی کرنا اس تعریف کی رو سے بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جائے گا - اور ظاہر ہے کہ ایسی باتوں کو بیع و شراء قرار دینا بطریق مجاز ہوگا -

بعض فقہا کا کہنا ہے کہ ایک مال کے عوض دوسرے مال کا کسی کو مالک بنانا 'بیع' ہے - مطلب اس کا بھی وہی ہے ، لیکن اس صورت میں معنی حقیقی مراد لیے جائیں گے ، لہٰذا اس میں اضافہ وغیرہ کا ویسا ہی اعادہ شامل نہیں ہے -

بعض لوگوں سے یہ تعریف منقول ہے کہ معاوضہ میں کوئی چیز اپنی ملکیت سے خارج کردینا 'بیع' ہے - یہ صورت بھی دوسری تعریف کے ہم معنے ہے ،

کیونکہ کسی شے کا ملکیت سے خارج کرنا دوسرے کو اس کا مالک بنا دینا ہے، لہٰذا کسی شے کو کرایہ پر دینا لغةً 'بیع' نہیں ہے۔

'شراء' کے معنے ہیں معاوضہ میں کچھ دے کر کسی شے کا مالک بن جانا یا مال دے کر کسی مال پر قبضہ کرنا۔ اس دوسرے معنے کی رو سے لفظ شراء لغت میں خرید و فروخت دونوں پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح بائع (بیچنے والے) کے کام کو خرید و فروخت کہتے ہیں، اسی طرح مشتری (خریدنے والے) کے کام کو بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وشروہ بثمن'' اس آیت میں لفظ شروہ کے معنے باعوہ (یعنی اسے بیچدیا) کے ہیں۔ الفاظ اشتراء اور ابتیاع کی بھی یہی صورت ہے کہ یہ دونوں الفاظ از روئے لغت بیچنے اور خریدنے دونوں کے لیے آتے ہیں۔ تاہم بالعموم لفظ بیع کو خصوصیت کے ساتھ بائع (بیچنے والے) کے لیے بولا جاتا ہے، یعنی وہ شخص جو کسی شے کو اپنی ملکیت سے باہر کرے اور الفاظ 'شراء' و 'اشتراء' و ابتیاع' خریدنے والے کے کام کے لیے آتا ہے، یعنی کسی چیز کا اپنی ملکیت میں داخل کرنا۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ فعل 'بیع' دراصل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، مثلاً بعتک الدار (یعنی میں نے گھر تجھے بیچ دیا)۔ کبھی اس فعل متعدی کا دوسرا مفعول لفظ من، الیٰ یا علیٰ کے ساتھ آتا ہے، جس کی غرض تاکید ہوتی ہے چنانچہ کہتے ہیں: بعت الدارلک و منک وباعھاالقاضی علیہ۔ (یعنی میں نے گھر کو تمھارے حق میں بیچ دیا یا تم سے خرید لیا، یا جج نے بیع کا فیصلہ اس کے حق میں دے دیا)۔ اب باقی رہ گئی اس کی شرعی تعریف اور اس کی قسمیں، سو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طاب ہیں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ فقہا کی اصطلاح میں 'بیع' کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے: ایک معنی خاص کہ سونے یا چاندی وغیرہ نقدی سے کسی معین شے کو فروخت کر دیا جائے۔ اگر 'بیع' کا مطلق لفظ بولا جائے تو اس کے معنے سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ دوسرے معنے عام۔ اس کی بارہ قسمیں ہیں جن کے منجملہ ایک یہ خاص معنے بھی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو بیع کے مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے س کے معنے مال کے عوض مال کا تبادلہ ہے۔ یا فروخت شدہ شے کے لحاظ سے دیکھا جائے جس کا تعلق بیع سے ہے، اور یا پھر قیمت کے اعتبار سے دیکھا جائے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی چار قسمیں ہیں: ←

→ مفہوم بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں : نافذ (قطعی) ، موقوف (مشروط)، فاسد (ناقص) اور باطل (غلط) ، کیونکہ اگر بیع کے بعد ہی فوراً (اشیاء مبادلہ) پر حق ملکیت حاصل ہوجائے تو اسے بیع نافذ (یعنی قطعی) کہتے ہیں - اگر اس کا نفاذ اجازت پر موقوف ہو تو اسے بیع موقوف (یعنی مشروط) کہتے ہیں - اگر بیع کا نفاذ اس وقت پر رکھا جائے جب کہ قبضہ حاصل ہو تو اسے بیع فاسد (یعنی ناقص) کہتے ہیں - اگر بیع سے حق ملکیت حاصل ہی نہ ہو تو وہ بیع باطل (غلط) ہے -

مبیع (یعنی شے فروخت شدہ) کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں : مقایضہ ، صرف ، سلم اور بیع مطلق ، کیونکہ اگر ایک معین شے کا دوسری معین شے سے تبادلہ کیا جائے تو اسے 'مقایضہ' (یعنی تبادلہ مال بمال) کہتے ہیں - اس صورت میں اشیاء مبادلہ میں سے ہر ایک کو مال بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور قیمت بھی، لیکن اس تقسیم میں اس کو مال اعتبار کیا گیا ہے -

اگر نقدی کی فروخت نقدی سے کی جائے تو اسے صرف (یعنی صرافہ) کہتے ہیں ، کیونکہ صرف کے معنے نقدی یعنی چاندی سونے کو اسی جیسی شے سے فروخت کرنے کے ہیں - اس کو 'بیع الدین' نقدی کا نقدی سے سودا کرنا کہتے ہیں - اگر نقدی (سونے چاندی وغیرہ) کو کسی مال سے فروخت کیا جائے تو اس کا نام 'سلم' ہے ، کیونکہ سلم کا مطلب نقدی کو کسی شے سے فروخت کرنا ہے - اس کی تفصیل آگے آئے گی - اگر کوئی شے نقدی سے دست بدست یا ادھار فروخت کی جائے تو اسے بیع مطلق کہتے ہیں - اور جب لفظ بیع بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب زیادہ تر یہی ہوتا ہے ، جیسا کہ سابقاً بیان کیا گیا - اس کے سوا اور کسی قسم کی بیع ہو تو اس کی اپنی اصطلاح صرف ، سلم وغیرہ کا نام لیا جائے گا -

(یہ تو تھی فروخت مال کے اعتبار سے تقسیم) اب اگر قیمت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے اعتبار سے بھی (بیع کی) چار قسمیں ہیں : تولیہ ، مرابحہ ، ضیعہ ، مسالمہ - یہ یوں ہے کہ (مال کے فروخت کے وقت) یہ دیکھا جائے کہ ابتداءً جو سودا کیا گیا وہ کتنے میں ہوا تھا ؟ اگر بغیر کسی کمی یا بیشی کے اسی قیمت پر فروخت کیا گیا تو اس کو بیع تولیہ (یعنی برابر سرابر کا ←

← سودا) کہتے ہیں - گویا 'تولیہ' کسی شے کو قیمت خرید ہی پر فروخت کردینا ہے - اگر قیمت خرید سے زیادہ پر (منافع سے) فروخت کیا تو اسے 'مرابحہ' کہتے ہیں - اگر کم پر بیچا تو وہ بیع الضیعہ ہے - اگر قیمت خرید کو نظر انداز کرکے (مال) بیچ دیا گیا تو یہ بیع مساومہ ہے - یعنی ایسا سودا جو قیمت خرید سے قطع نظر آنکھ بند کرکے کیا جائے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ بیع مخصوص کی تعریف یہ ہے کہ کسی مال کو مقررہ طریقہ سے نقدی کے عوض فروخت کیا جائے - اور بیع عمومی کی تعریف یہ ہے کہ ایک مال کا تبادلہ دوسرے مال سے بہ طریق مقررہ کیا جائے، خواہ یہ مال کوئی خاص چیز ہو یا نقدی ہو - اس میں وہ تمام اقسام بیع جن کا اوپر ذکر ہوا آ گئیں -

اب یہ جاننا چاہیے کہ مال کے معنے ہیں ''مایمیل الیہ الطبع'' (یعنی وہ شے جس کی طرف طبیعت مائل ہو) اور بوقت ضرورت اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے سینت کر رکھا جا سکے - جب تک مال میں یہ دو باتیں نہ پائی جائیں شرع کی نگاہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے : ایک تو یہ کہ وہ ایسی شے ہو کہ جب بھی ضرورت پیش آئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ اس سے فائدہ اٹھانا شرعاً روا ہو - اب اگر وہ ایسی شے ہے کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ، مثلاً گیہوں کا ایک دانہ کہ اسے مال قرار نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کا استعمال شرعاً جائز نہ ہو ، مثلاً شراب اور سور تو گو وہ ایسی شے ہے کہ بعض لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن چونکہ شریعت کی نگاہ میں وہ جائز نہیں ہے اس لیے اسے شرعاً مال قرار نہیں دیا جائے گا - پس اگر شراب فروخت کی جائے تو اسے بیع قرار نہ دیا جائے گا - لیکن اگر شراب کو قیمت قرار دیا جائے اور کوئی پاک مال اس سے خریدا جائے تو اس کو بیع قرار دیا جائے گا - لیکن اس طرح شراب کو قیمت قرار دیا جانا سود مند نہیں ہے ، لہٰذا خریدار کو (شراب کی بجائے) اس مال کی قیمت ادا کرنا ہوگی اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ تعریف (بیع) میں 'مال' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد وہ مال ہے جس کی افادیت شرع میں مسلم ہو، خواہ بہ حیثیت مال کے یا بہ حیثیت نقدی کے - یہ حکم بیع کی تمام اقسام صرف، سلم 'مرابحہ ، تولیہ ، مقایضہ وغیرہ کو شامل ہے۔ ←

→ واضح ہو کہ تعریف مذکور میں معاوضۂ مال کی شرط پر ہبہ (عطا) کرنا بھی شامل ہے، لہٰذا اسے تعریف سے خارج کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ گو وہ مال قبضہ حاصل کرنے سے پہلے ہبہ ہے، لیکن حاصل ہونے کے بعد وہ بیع شدہ ہے۔ اس کی صورت مثال کے طور پر یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے اس مکان کو فلاں شخص کے لیے ہبہ کیا بشرطیکہ وہ اس کے عوض مجھے سو اشرفیاں دے۔ ایسی صورت میں وہ مال سو اشرفیاں لینے سے پہلے پہلے معاملۂ ہبہ کی مانند ہے، لہٰذا اس معاملہ کے صحیح ہونے کا انحصار ان ہی امور پر ہے جو صحت ہبہ کے لیے شرط ہیں۔ پس یہ معاملہ قابل تقسیم اشیاء میں درست نہ ہوگا اور قبضہ سے پہلے حق ملکیت تسلیم نہ کیا جائے گا اور طرفین میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ ان اشیاء کو حوالہ کرنے سے باز رہے۔ لیکن قبضہ حاصل ہونے کے بعد اس کا وہی حکم ہے جو 'بیع' کا ہے۔ یعنی اب اس معاملہ سے پھرنے کا حق کسی فریق کو نہ رہے گا، اور حق شفع حاصل ہوگا اور ہر فریق کو یہ حق ہوگا کہ اگر (اشیاء مبادلہ میں سے کسی میں) کوئی عیب نکلے تو وہ اسے واپس کر سکے، جیسا کہ بیع کے مسائل میں آگے بتایا جائے گا۔ پس اس کا بیع میں داخل ہونا واضح ہے۔ ہاں قبضہ ہونے سے پہلے (کی حیثیت) کو دیکھا جائے تو یہ 'ہبہ' ہوگا۔ اور الفاظ بطریق مقررہ کی قید (جو تعریف بیع میں) لگائی جاتی ہے اس کے پیش نظر یہ صورت بیع سے خارج ہوگی۔

واضح ہو کہ تبرع (باہمی لین دین بطور حسن سلوک) بھی اس تعریف میں داخل ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو کچھ مال عطیہ کے طور پر دے اور دوسرا شخص بھی اسی طرح اسے کچھ مال دے۔ یہ بھی ایک طرح کا مبادلہ ہی ہے۔ اس میں اگرچہ پہلے شخص نے بغیر کسی سابقہ نظیر کے عطیہ دیا، لیکن دوسرے نے اس عطیہ کے معاوضہ میں اس کو دیا، سو اس میں بھی مبادلہ تو ہے لیکن یہ مبادلہ ایک طرف سے ہے، لہٰذا اس میں "مقررہ طریقہ سے" کی جو قید بیع میں لگائی جاتی ہے اس کے نہ پائے جانے کے باعث وہ بیع سے خارج ہے اور حقیقی معنیٰ میں بیع نہیں، بلکہ ہبہ ہے۔ اس صورت میں فریقین میں سے ہر ایک کو اپنی عطا کردہ شے واپس لینے کا حق ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہبہ کے بیان میں آرہی ہے۔ اس بیان سے یہ بھی واضح ہوا کہ بیع کی تعریف میں لفظ "مفید" (سودمند) ←

← کا اضافہ ضروری نہیں ہے جو بعض اصحاب کرتے ہیں کہ "بیع ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ ہے جو مفید (سودمند) اور مقررہ طریقہ سے کیا جائے" - اس لفظ (مفید) کے اضافہ کی غرض یہ ہے کہ ایسی بیع کو جس سے کچھ فائدہ نہیں ہے (تعریف سے) خارج کردیا جائے، جیسے سکہ کی شکل میں جو نقدی ہے اس کا تبادلہ اس کے برابر اور اسی طرح کے نقد سے کیا جائے - چنانچہ اگر دو قرش کے سکہ کو اسی کے برابر سکہ سے تبادلہ کیا جائے تو یہ امر بے فائدہ ہوگا، لہٰذا یہ معاملہ صحیح نہیں ہے - لیکن اگر صفت میں دونوں مختلف ہوں، مثلاً ان میں سے ایک پر سونے کا ملمع، زرد یا سیاہ رنگ ہو تو یہ تبادلہ جائز ہوگا، کیونکہ اس کی افادی حیثیت ہے - اگر دونوں کی مقدار ہو مثلاً ایک دو قرش کا اور دوسرا پانچ قرش کا ہو تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں 'ربا' (سود) ہے - اور یہ جو کہا گیا کہ اس قید (لفظ مفید) کی کوئی ضرورت نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ایسی خرید و فروخت جو بے فائدہ ہو وہ بھی نافذ ہو جاتی ہے اور بیع کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، کیونکہ اس میں بھی مال سے مال کا تبادلہ ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ یہ بیع فاسد ہوگی - بیع کی تعریف میں فاسد اور صحیح دونوں داخل ہیں -

(تعریف بیع میں) الفاظ "مقررہ قاعدہ کے مطابق ہونے" سے مراد یہ ہے کہ (طرفین سے) ایجاب و قبول (یعنی تسلیم و رضا) ہو، جیسا کہ ابھی بتایا گیا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ فقہا کی اصطلاح میں لفظ بیع کی دو تعریفیں ہیں: ایک تعریف تو وہ ہے جو تمام افراد بیع کی ہے جس میں صرف سلم وغیرہ شامل ہیں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے - دوسری تعریف ان افراد میں سے فرد واحد کی تعریف ہے، یعنی عام طور پر مطلق لفظ بیع کا جو مفہوم سمجھا جاتا ہے - اول الذکر کو بیع کی خاص تعریف کہا جاتا ہے - اور تعریف عام کی رو سے بیع عقد معاوضہ (یعنی باہمی مبادلۂ اشیاء) کا معاملہ ہے بغیر منافع اور متعہ لذت کے (یعنی اس میں کسی شے کی محض منفعت یا حصول لذت کا معاملہ نہیں ہوتا) -

اس تعریف میں الفاظ "عقد معاوضہ" کا مطلب یہ ہے کہ فریقین ایک شے کے عوض میں دوسری شے کا لین دین کریں - "بغیر منافع" کی قید کے یہ معنے ←

← ہیں کہ بیع کا معاملہ خود اشیاء اور سامان پر ہوتا ہے یہ اشیاء (از قسم) قیمت ہوں یا مال - یہ معاملہ ان اشیاء اور سامان سے پھل حاصل کرنے یا افادیت پر نہیں ہوتا 'بغیر متعہ' لذت' کی قید کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ (بیع) حصول لذت پر نہیں ہوتا -

اس تعریف میں بیع کی تمام اقسام شامل ہیں ، مثلاً 'صرف' یعنی سونے کا چاندی سے یا برعکس سودا کرنا - اور 'مبادلہ' یعنی سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے سودا کرنا جن کی تعداد برابر برابر ہو - 'مراطلہ' ، یعنی سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے وزن میں برابر سرابر سودا کرنا -

بیع سلم یہ ہے کہ طرفین میں سے ایک فریق کوئی شے از قبیل مال سردست اس شرط پر کسی کے حوالے کر دے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری چیز جو از قبیل مال ہو بعد میں وصول کر لے گا - اس میں ہبہ بشرط عوض (یعنی معاوضہ کی شرط پر ہبہ کرنا) بھی شامل ہے - اس کو ''ہبۃ الثواب'' یعنی مال کے عوض ہبہ کرنا کہتے ہیں - اسی طرح ''تولیہ'' بھی اس میں شامل ہے جس سے مراد کسی شے کو اسی قیمت میں فروخت کرنا ہے جتنے میں وہ خریدی گئی ہے - نیز شرکت (معاملہ میں شریک ہونا) ، اقالت (تنسیخ معاملہ) اور شفعہ (حق خرید) بھی اس میں شامل ہے - اس کی وضاحت اپنے اپنے موقع پر کی جائے گی -

تعریف مذکور میں بیع کی یہ تمام قسمیں شامل ہیں ، کیونکہ بیع میں باہمی عوض معاوضہ کی بنیاد پر اشیاء کا تبادلہ کیا جاتا ہے - ان اشیاء سے استفادہ (محض منفعت) کا معاوضہ نہیں ہوتا ، لہذا اس تعریف سے اجرت (مزدوری) کا معاملہ کرنا خارج ہو جاتا ہے ، کیونکہ اس میں اشیاء کا لین دین نہیں ، بلکہ اشیاء کی منفعت کا سودا ہوتا ہے (مزدور نہیں بکتا بلکہ اس کی محنت بکتی ہے) - اسی طرح جانور کے کرایہ کا معاملہ ہے کہ اس جانور کا سودا نہیں ، ہوتا بلکہ اس سے استفادہ کا سودا ہوتا ہے - بغیر متعہ' لذت (یعنی بغیر حصول لذت) کی جو قید ہے اس سے عقد نکاح اس تعریف میں نہیں آتا ، کیونکہ یہ انتفاع لذت کا معاملہ ہوتا ہے -

بیع کی مخصوص تعریف یہ ہے کہ وہ معاوضہ' اشیاء (یعنی ایک شے کے عوض ←

← دوسری شے کے لین دین) کا معاملہ ہے؛ کسی شے کے منافع یا حصول لذت کا معاملہ نہیں ہے۔ اور اس میں ''مکایسہ'' (یعنی غلبۂ استفادہ) پیش نظر ہوتا ہے۔ اور دونوں اشیاے معاوضہ میں سے کوئی شے سونا یا چاندی نہیں ہوتی۔ اور وہ شے 'معین غیرالعین فیہ' ہو (یعنی نوعیت مال متعین ہو اور سونا چاندی نہ ہو)۔

واضح ہو کہ (بیع کی) یہ تعریف وہی ہے جو پہلے کی گئی ہے۔ اس میں تین شرطیں اور بڑھائی گئی ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ بیع میں ''مکایسہ' (یعنی غلبۂ استفادہ) پیش نظر ہو اور مکایسہ کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے کو اس بیع سے بیشتر فائدہ آٹھانے اور فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ مستفید ہونے کا ارادہ ہوتا ہے اور ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے سے بڑھ کر استفادہ کرے۔ اس شرط (مکایسہ) کے الگانے سے 'ہبہ ثواب' کی صورت خارج ہوگئی، کیونکہ اس میں لازم ہوتا ہے کہ اسی قیمت کو قبول کرے جو اس کی شرط کے بموجب اسے دی گئی ہے لہٰذا اس میں زیادہ طلبی کا حق نہیں رہتا۔ چنانچہ جب کوئی کہے کہ میں نے یہ مکان مثلاً زید کو ہبہ کیا بشرطیکہ وہ اس کا معاوضہ ایک سو اشرفی مجھے دے، تو اب اسے وہی سو قبول کرنا ہوگا اور اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ مانا جائے گا۔ (اس قید کے لگانے سے) مبادلہ، تولیہ اور شفعہ کا معاملہ بھی خارج از تعریف ہوگیا۔ اس میں مکایسہ (زیادہ طلبی) کا سوال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ 'مبادلہ' میں ایک نقدی کا ہم جنس نقدی سے تبادلہ ہوتا ہے، جب کہ دونوں ٹکسالی سکے ہوتے ہیں۔ اس معاملہ کی خاص شرایط ہیں کہ اس میں (یک طرفہ) بڑھوتری کی اجازت نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ 'تولیہ' میں (بھی مکایسہ نہیں ہے کیونکہ یہ) کسی شے کو قیمت خرید ہی پر فروخت کر دینا ہوتا ہے، لہٰذا اس میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اشیاء مبادلہ میں سے کوئی شے سونا یا چاندی نہ ہو۔ اس شرط کے لگانے سے 'صرف' اور 'مراطلہ' نکل گئے؛ کیونکہ صرف میں دونوں اشیاء میں سے ایک سونا اور دوسری چاندی ہوتی ہے اور مراطلہ میں دونوں اشیاء سونا یا دونوں چاندی ہوتی ہیں۔ ←

تیسری شرط 'معین غیرالعین' کے لگانے سے بیع سلم خارج ہوگئی - اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ معاملۂ بیع میں یہ لازم ہے کہ فروخت شدہ شے واجب الادا قرض نہ ہو، بلکہ قرض کے سوا کوئی اور شے ہو، خواہ وہ خریدار کی آنکھوں کے سامنے ہو یا سامنے نہ ہو ، لیکن خریدار کو اُس کی کیفیت کا علم ہو یا اُس نے پہلے سے دیکھ رکھا ہو یا یہ شرط لگا دی ہو کہ اُسے دیکھ کر لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا - بیع سلم کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ اس میں جس شے کا سودا ہوتا ہے ، وہ مال بیچنے والے کے ذمہ قرض ہوتا ہے - غرض اس شرط میں لفظ معین سے مراد وہ شے ہے جو قرض کی حیثیت میں نہ ہو - سلم میں فروخت شدہ مال کی ادائیگی قرض کی طرح واجب ہوتی ہے - اور لفظ عین سے مراد یہاں سونا یا چاندی ہے -

واضح ہو کہ بیع کے معاملہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سونا یا چاندی حاضر ہو، بلکہ اگر وہ واجب الادا قرض ہو تب بھی معاملہ درست ہوگا -

بیع کی خاص تعریف یہاں پر ختم ہوگئی جس سے مراد کسی مال کا نقدی کے عوض سودا کرنا ہے - اور جب ''بیع'' کا لفظ مطلق بولا جائے تو اُس کا یہی مطلب ہوتا ہے -

واضح ہو کہ مالکیہ نے مختلف اعتبارات سے بیع کی بہت سی قسمیں بتائی ہیں - چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عام بیع کی بنیادی قسمیں دو ہیں : بیع المنافع (یعنی منفعت شے کا سودا) اور بیع الاعیان (یعنی خود کسی شے کا سودا) - بیع منافع کی پانچ قسمیں ہیں: اول ''بیع منافع الجماد'' (یعنی اشیائے بے جان کی منفعت کا سودا) اس سے یہ مراد ہے کہ مکان یا اراضی کو کرایہ پر دیا جائے - دوم حیوان غیر عاقل کے منافع کی فروخت - اس سے مراد جانور اور سواریوں کو کرایہ پر چڑھانا ہے - سوم انسانی صلاحیت کا سودا بہ استثناء شرمگاہ کے جو خلع اور نکاح میں ہوتا ہے - چہارم انسانی منافع کا بہ استثنائے شرمگاہ سودا کرنا ، جسے بالعموم اجارہ (مزدوری) کہتے ہیں -

بیع اعیان (عین اشیاء کا سودا) کی بھی مختلف اعتبارات سے بہت سی قسمیں ہیں ؛ چنانچہ اشیاء مبادلہ کی ادائیگی میں تعجیل یا تاخیر کے اعتبار سے چار قسمیں ←

← ہیں : اول 'بیع نقد' اس میں قیمت اور مال دونوں کا لین دین فوری طور پر (دست بدست) ہوتا ہے اور دونوں میں سے کسی کی ادائیگی بعد میں نہیں ہوتی - دوسرے دین کا سودا دین کے ساتھ (یعنی قیمت اور مال دونوں قرض ہوں) - اس میں قیمت اور مال دونوں کی ادائیگی کے لیے آئندہ وقت کا تعین ہوتا ہے - ایسا معاملہ ممنوع ہے، جیسا کہ ممنوع معاملۂ بیع کے بیان میں بتایا جائے گا - تیسرے 'بیع اجل' (میعادی سودا) یعنی وہ سودا جس میں صرف قیمت کی ادائیگی بعد میں کی جائے - چوتھے 'سلم' وہ معاملہ جس میں صرف خرید شدہ شے بعد میں فراہم کی جائے - یہ تمام اقسام بیع جائز ہیں ، بجز دین بالدین کے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا -

ایسی بیع کی تین قسمیں ہیں جس میں اشیاء متبادل میں سے ایک سونا یا چاندی ہو :

اول ''بیع العین بالعین'' (یعنی نقود کا باہمی تبادلہ)

دوم ''بیع العین بالعرض'' (یعنی نقدی کا مال سے تبادلہ)

سوم ''بیع العرض بالعین'' (یعنی مال کا نقدی سے تبادلہ)

بیع 'العین بالعین' کی تین قسمیں ہیں : صرف ، مبادلہ اور مراطلہ - صرف (یعنی صرافہ) یہ ہے کہ دونوں اجناس مبادلہ مختلف ہوں بایں طور کہ (مال اور قیمت میں سے) پہلی چیز سونا اور دوسری چیز چاندی ہو یا برعکس ہو- 'مراطلہ' یہ ہے کہ اشیاء مبادلہ ہم جنس ہوں جیسے سونے کا سودا سونے سے ، اور چاندی کا سودا چاندی سے کیا جائے- یہ معاملہ وزن سے کیا جائے گا- ''مبادلہ'' میں اشیاء مبادلہ ایک ہی جنس کی ہوتی ہیں - سونے کا سودا سونے سے اور چاندی کا سودا چاندی سے ہوتا ہے ، لیکن یہ مبادلہ گنتی میں ہوتا ہے وزن میں نہیں - طے شدہ قیمت والے مال کو دیکھ کر یا بغیر دیکھے سودا کرنے کے لحاظ سے بیع کی دو قسمیں ہیں :

اول بیع حاضر (حاضر مال کا سودا) وہ معاملہ ہے جس میں قیمت لگایا ہوا مال یا تو دیکھا ہوا ہو یا دیکھنے کے برابر ہو -

دوم بیع غائب (ان دیکھے مال کا سودا) جو اُس کے خلاف ہو - ←

بیع کا سودا قطعی ہونے اور غیر قطعی ہونے کے اعتبار سے بھی دو قسم کا ہے۔

اول بیع بت، یعنی قطعی معاملہ اس میں فریقین کو تنسیخ کا اختیار نہیں رہتا۔ اس کو بیع بت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ہر فریق دوسرے کو اختیار سے محروم کر دیتا ہے۔

دوم 'بیع خیار' (جس میں تسلیم و تنسیخ کا) اختیار باقی رہتا ہے اور ایک فریق دوسرے کو اس کا اختیار دیتا ہے۔

اس اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں کہ معاملہ میں پہلی بار کی قیمت خرید کو پیش نظر رکھا گیا یا نہیں :

اول بیع مرابحہ' جس میں کسی مال کا سودا پہلی قیمت خرید سے زیادہ پر کیا جائے (یعنی مال نفع سے بیچا گیا ہو)۔

دوم بیع مساومہ (دام کے دام پر سودا)

سوم بیع مزایدہ

چوتھے بیع استئمان۔ ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

عوارض (خارجی اسباب) کے اعتبار سے بیع کی دو قسمیں ہیں : 'بیع صحیح' اور 'بیع فاسد'۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ 'بیع' کے معنے اصطلاح شرع میں مبادلۂ مال بہ مال (ایک مال کا دوسرے مال سے مبادلہ کرنا) یا کسی جائز منفعت کا جائز منفعت سے ہمیشہ کے لیے تبادلہ کرنا ہے، جس میں سود یا قرض کا شائبہ نہ ہو۔ مبادلہ مال بمال کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ معاوضہ باہمی کا معاملہ دونوں جانب سے ہو، یعنی ایک شے کو دوسری شے کے مقابلہ میں رکھا جائے۔ اس میں مال اور نقدی وغیرہ شامل ہیں، لہٰذا بیع 'مقایضہ' یعنی مال کے عوض مال کا سودا کرنا اس تعریف میں داخل ہے۔ اور ''ہمیشہ کے لیے'' جو الفاظ تعریف میں ہیں اس کا تعلق اشیاء مبادلہ سے ہے؛ لہٰذا اجارہ (کرایہ یا مزدوری) کی صورت یا مانگے کی چیز کے بدلے مانگے کی چیز کا تبادلہ اس تعریف سے خارج ہے۔ اور سود یا قرض کا ←

←شائبہ نہ ہونے کی جو قید ہے اُس سے سود پر یا قرض کے طور پر دینا (بیع کی) تعریف سے خارج ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرع کی اصطلاح میں "بیع" کا مطلب ایک مقررہ قاعدے کے مطابق مال کا مال کے مقابلہ میں لین دین کرنا ہے۔ یعنی ایسا معاملہ جو دو اشیاء کے باہمی تقابل کی بنا پر ہو۔ الفاظ مقابلہ مال بہ مال میں 'مقابلہ' کے معنے معاوضہ کے ہیں (یعنی مال کے عوض مال کا لین دین) مطلب یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک فریق ثانی کو معاوضہ دیتا ہے۔ اس سے 'ہبہ' (یعنی عطائے بے معاوضہ) خارج ہے، کیونکہ 'ہبہ' کے معنی ہیں کسی دنیوی معاوضہ کے بغیر ایک شے کا مالک دوسرے کو بنا دینا۔ اور تعریف میں 'مال کے بدلے مال' کے جو الفاظ ہیں ان سے نکاح (کا معاملہ) خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں مال کے بدلے مال کا سودا نہیں ہوتا۔

(اس تعریف میں) الفاظ خاص طریقہ (مقررہ قاعدہ) کے استعمال کی دو اغراض ہیں: ایک تو یہ کہ معاملۂ بیع کی خصوصیت یہ ہوگی کہ کوئی خاص شے یا اُس کی منفعت ہمیشہ کے لیے حق مرور کی طرح حاصل ہو، اس قید سے اجارہ (کسی شے کا اجرت پر حاصل ہونا) خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اجارہ میں کسی معاوضہ پر مخصوص منفعت حاصل کرنے کا اختیار کچھ مدت کے لیے ہوتا ہے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ یہ معاملہ نیکی کے طور پر نہ ہوگا، لہٰذا قرض اس سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ قرض میں کسی شے کا قبضہ اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ اتنا ہی واپس لیا جائے گا۔

معاملۂ بیع کی دو قسمیں ہیں: بیع صحیح جس میں تمام شرایط و ارکان بیع پورے ہوں۔ اور بیع فاسد وہ ہے جس میں کچھ باتیں پوری نہ کی جائیں۔ پھر ان دونوں قسم کے معاملوں کی دو دو قسمیں ہیں: حرام (ناجائز) اور جائز۔ بیع صحیح حرام کی مثال جیسے تلقی رکبان اور بیع فاسد حرام کی مثال گیابھن جانور کے حمل کا سودا کرنا۔ اس کی تفصیل بیع فاسد کے بیان میں آئے گی۔

بیع صحیح کی چند قسمیں ہیں: اول مال حاضر کا آنکھوں سے دیکھ کر سودا کرنا۔ دوسرے ایسے مال کا سودا کرنا جس کی ضروری پوری پوری کیفیت←

جس کا بائع ذمہ دار ہے ، بتا دی گئی ہو - اس کو "سلم" کہتے ہیں - لفظ ذمہ کا اطلاق فقہا کی اصطلاح میں دو باتوں پر ہوتا ہے : ایک تو 'ذات' پر یہاں بیچنے والے کی ذات مراد ہے - اور اس کو 'ذمہ' اس لیے کہتے ہیں ، کہ وہ مال کی کیفیت اور اس کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے - یہ معنی لغوی ہیں دوسرے معنے وہ داخلی کیفیت جو کسی شخص میں پائی جائے جس سے کہ وہ شرعاً ذمہ داری کے قابل ہو اور مکلف ہونے کی حیثیت سے وہ ان امور کو لازم جانے - غرض کسی شخص کی ذمہداری سے مراد وہ ذاتی وصف ہے جو کسی شخص میں موجود ہو اور جس کی بنا پر شریعت نے اس پر ان ذمہداریوں کو پورا کرنا لازم کر دیا ہو -

بیع صحیح کی تیسری قسم بیع صرف ہے - دو نقدیوں (چاندی سونے) میں سے ایک نقدی کا سودا دوسری سے کرنا "بیع صرف" ہے - دوسری چیز ، خواہ اسی جیسی نقدی ہو یا کوئی دوسری جنس ہو - اگر دونوں ہم جنس ہوں تو اس معاملہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں : ایک تو یہ کہ اُس کا قول و قرار فوری ہو ، تاخیری سودا نہ ہو - دوسری یہ کہ دست بدست ہو جسے 'مقابضہ' کہتے ہیں - اور تیسری شرط یہ ہے کہ مال اور قیمت برابر سرابر ہوں - لیکن اگر دونوں نقدیاں مختلف الجنس ہوں (یعنی ایک چاندی ہو اور ایک سونا ہو) تو اس معاملے کے صحیح ہونے کی صرف ابتدائی دو شرطیں لازم ہیں - اس کی تفصیل بیع صرف کے بیان میں آئے گی -

بیع صحیح کی چوتھی صورت "بیع مرابحہ" ہے ، یعنی کسی شے کا سودا اس کی قیمت خرید پر منافع کے ساتھ کیا جائے ، مثلاً یہ کہا جائے کہ میں نے جو چیز خریدی ہے اُس کو فی دس درہم قیمت خرید پر ایک درہم کے منافع یا ایک درہم کے فائدے کے ساتھ فروخت کر رہا ہوں -

بیع کی پانچویں صحیح صورت بیع اشتراک ہے کہ کوئی یہ کہہ کر سودا کرے کہ میں نے تم کو اپنے ساتھ مال کی خرید میں ایک تہائی حصہ کا شریک کیا - اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے معاملۂ بیع میں تمھارے ساتھ شرکت کی اور تہائی حصہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا تو اُس کا مطلب نصفا نصف میں شرکت ہو گا - ←

بیع کی شرعی حیثیت اور اُس کا ثبوت

معاملۂ بیع (خرید و فروخت) بذات خود مباح ہے - خارجی اسباب کی بنا پر کبھی واجب ہو جاتا ہے - چنانچہ جب کھانے پینے کی چیز کا حاصل کرنا ناگزیر ہو جائے اس وقت اس کا خریدنا واجب ہو جاتا ہے جس سے زندگی قائم رہ سکے ، بلکہ تحفظ جان کے لیے ایسی چیز کا نہ خریدنا فعل حرام ہے - کبھی یہ

→ چھٹی صورت 'بیع المحاطہ' (چھوٹ پر سودا کرنا) ہے ، مثلاً یوں کہا جائے کہ جو مال میں نے خریدا ہے اُس کا سودا فی دس درہم ایک درہم کی چھوٹ پر کر رہا ہوں -

ساتویں 'بیع تولیہ' یعنی کسی مال کو قیمت خرید پر فروخت کر دینا ہے ، بایں طور کہ فریق مقابل سے یوں کہا جائے کہ میں نے خرید شدہ سودا بطریق تولیہ تمھارے ساتھ کیا - یہ کہنا اُسی صورت میں صحیح ہو گا جبکہ فریقین کو اس کی قیمت خرید کا علم ہو -

آٹھویں ایک جانور کا سودا دوسرے جانور سے کرنا بھی صحیح ہے - دوسرے فقہا اسی کو ''مقایضہ'' کہتے ہیں اور یہ درست ہے ؛ قطع نظر اس کے کہ دونوں ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں ، اور خواہ وہ حلال ہوں یا حلال نہ ہوں - لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں ربا (سود) نہ ہو - اور وہ یوں ہو گا کہ دونوں جانور حلال ہوں اور ہم جنس ہوں اور دودھ یا انڈے دینے والے ہوں - بخلاف اُس صورت کے جبکہ وہ دونوں حلال نہ ہوں گو ان میں یہ باتیں ہوں (یعنی دودھ دینے یا انڈے دینے والے ہوں) -

نویں (صورت صحیح بیع کی) ''بیع بشرط خیار'' ہے (یعنی اُس میں معاملہ کو تسلیم کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہو)- وہ صورتیں جن میں خیار کی شرط درست ہے اور یا درست نہیں ہے اُس کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

دسویں (مال کے) بے عیب ہونے کی شرط پر سودا کرنا -

اب رہا بیع فاسد کا معاملہ سو اس کی بہت سی قسمیں ہیں ؛ بیع فاسد کے بیان میں اس کی تفصیل آرہی ہے - ←

مستحب ہوتا ہے ، مثلاً کسی نے قسم کھا لی کہ میں فلاں شے فروخت کر دوں گا - اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو اس صورت میں مستحب یہی ہے کہ اس قسم کا احترام کیا جائے۔ کبھی یہ فعل (بیع) مکروہ ہوتا ہے جبکہ ایسی چیز فروخت کی جائے جس کا فروخت کرنا مکروہ ہے - کبھی بیع حرام ہوتی ہے جبکہ وہ شے ایسی ہو جس کا بیچنا حرام ہے - ان سب باتوں کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

اب رہا بیع کا مباح ہونا سو دین میں اس کی ناگزیریت مذہب کی رو سے واضح ہے ، لہٰذا اس کا ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں - تاہم کتاب و سنت میں اس کے بہت سے ثبوت موجود ہیں - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''و احل اللہ البیع و حرم الربا'' -

(یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے ، لیکن سود حرام ہے)

اور یہ ارشاد باری :

''یا ایھاالذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم'' -

(یعنی اے ایمان والو باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ - ہاں باہمی رضامندی سے تجارت ہو سکتی ہے) -

نیز یہ آیت :

''و اشھدوا اذاتبایعتم ''۔

(یعنی معاملۂ بیع کرو تو گواہ بنا لیا کرو) -

یہ آیات وضاحت کے ساتھ بیع کے معاملہ کو حلال قرار دیتی ہیں ، اگرچہ ان کا مضمون دراصل بیع کی حلت کے علاوہ دوسری اغراض کے لیے ہے - چنانچہ پہلی آیت کا مقصد سود کو حرام کرنا ہے اور دوسری آیت کا مقصد ناروا طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھانے سے باز رکھنا ہے - تیسری آیت کی غرض یہ ہے کہ لوگوں میں معاملۂ بیع کے اندر باہمی نزاع کی صورت ہو تو اس کو گواہی پیش کر کے روک دیا جائے اور باہمی مخاصمت سے بچا لیا جائے۔

(قرآن کے علاوہ) سنت (حدیث) کے ذخیرے میں بھی بیع کے بکثرت دلائل موجود ہیں ؛ منجملہ آن کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"لان یاخذ احدکم حبلہ فیاتی بحزمة حطب علی ظھرہ فیبیعھا فیکف بھا وجہ خیر لہ من ان یسال الناس اعطوہ او منعوہ" رواہ البخاری۔

(یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے کر جائے اور لکڑی کا ایک گٹھا پیٹھ پرلاد کر آئے اور اسے بیچ کر اپنی بسر اوقات کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے، وہ دیں یا نہ دیں)۔

اس حدیث میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس زندگی میں انسان کو محنت سے کام لینا چاہیے خواہ وہ کام بڑھیا ہو یا گھٹیا درجہ کا۔ انسان کو چاہیے کہ جس طرح بھی بن پڑے کام کر کے کھائے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الذھب بالذھب والفضة بالفضة و البر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح سواء بسواء مثلا بمثل یدابید فمن زاد او استزاد فقد اربی، فاذا اختلفت ھذہ الاجناس فبیعوا کیف شئتم" رواہ مسلم۔

(یعنی سونے کا سودا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گندم کا گندم سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے برابر سرابر' جتنے کا اتنا دست بدست ہونا چاہیے۔ اگر کسی نے زیادتی کی یا زیادہ طلب کیا تو وہ ربا (سود) ہو جائے گا۔ ہاں اگر مختلف الجنس اشیاء ہوں تو جس طرح چاہو سودا کر سکتے ہو) اس حدیث میں الفاظ بیعوا کیف شئتم سے بیع کے حلال ہونے کی صراحت ہوتی ہے۔ بیع کی جن صورتوں کی ممانعت حدیث میں آئی ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ نیز حضور کا ارشاد ہے:

"افضل الکسب بیع مبرور و عمل الرجل بیدہ"۔ بروایت احمد و طبرانی وغیرہ۔

(یعنی کمائی کا بہترین ذریعہ بیع مبرور اور ہاتھ کی محنت ہے)۔

بیع مبرور وہ ہے جس میں خوش معاملگی برتی جائے۔ (یعنی سودے میں کھوٹ نہ ہو، خیانت نہ ہو، اور اللہ کی نافرمانی نہ ہو)۔

بیع کے حلال ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو باہم فائدہ پہنچتا ہے اور ایک دوسرے کی اعانت ہوتی ہے جس سے معاشی نظام درست ہوتا ہے اور ہر شخص حتی المقدور خوش گزرانی کے وسائل حاصل کرنے میں سرگرم

رہتا ہے - نیز انسان اپنی جسمانی صلاحیتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمائی ہیں اور کشتکاری کا جو علم اُسے بخشا ہے ، اُس کو کام میں لا کر زمین سے بیج اُگاتا اور اُس کی پیداوار کو ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے جو زراعت کے کام سے ناواقف ہیں ، مگر دوسرے ذرائع سے قیمت دے کر اُسے حاصل کرسکتے ہیں - غرض کوئی شخص نباتی ذرائع سے مال پیدا کرکے دوسرے کے ہاتھ بیع کر دیتا ہے جو اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے - اوز کوئی انسانی ضروریات کی دوسری مصنوعات بنانے میں لگا رہتا ہے ، تاکہ اپنی مصنوعات کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرے - بہرحال خرید و فروخت کا عمل انسان کی حیات دنیوی میں لوگوں کو کاروبار پر آمادہ کرنے کا بہترین ذریعہ اور عمرانی و تمدنی نظام کا سب سے بڑا وسیلہ ہے -

ارکان بیع کا بیان

معاملۂ بیع کے اس طرح پر چھ رکن ہیں :[1] صیغہ (الفاظ ایجاب و قبول) ، عاقد (صاحب معاملہ)، معقود علیہ (سودے کی اشیاء) یہ تین رکن ہیں - ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، کیونکہ 'عاقد' یا تو بائع ہوگا یا مشتری اور معقود علیہ یا تو مال ہوگا یا قیمت اور صیغہ یا تو ایجاب ہوگا یا قبول ہوگا - اس طرح ارکان بیع کی تعداد چھ ہوئی - اور رکن سے مراد یہاں پر وہ امر ہے جس پر کسی شے کا وجود منحصر ہو گو اس کی حقیقت میں داخل نہ ہو - یہ تعریف اصطلاحی حیثیت سے ہے - ورنہ حقیقی معنوں میں رکن وہ امر ہے جو اس شے کی اصل اور حقیقت میں داخل ہو - اور بیع کی بنیاد 'صیغہ' (یعنی الفاظ خرید و فروخت) پر ہے

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ 'بیع' کا صرف ایک رکن ہے اور وہ ایجاب و قبول کی عملی یا قولی صورت ہے جس سے خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان دونوں کی مملوکہ اشیاء کے باہمی تبادلہ کا ثبوت ہوتا ہے - بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ بیع کے دو رکن ہیں : ایجاب و قبول اور لین دین - بہرحال اس تعریف میں حنفیہ کے پیش نظر رکن حقیقی معنیٰ میں ہے کہ رکن وہ ہے جو کسی شے کی اصل و حقیقت میں داخل ہو -

کہ اگر یہ نہ ہو تو اصحاب معاملہ میں کسی کو بائع یا مشتری قرار ہی نہ دیا جا سکے۔

اب ان ارکان میں سے ہر رکن کے احکام اور شرایط کا ذکر بالترتیب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

رکن اول : "صیغہ" (یعنی الفاظ بیع و شراء)

'صیغہ' سے مراد ہر وہ بات ہے جس سے فریقین معاملہ یعنی بائع و مشتری کی باہمی رضا مندی ظاہر ہو۔ یہ دو امور ہیں[1] : اول (زبان سے) بولنا یا پھر ایسی کوئی بات کرنا جو بولنے کے برابر ہو، مثلاً پیغام یا تحریر۔ چنانچہ اگر کسی کو جو بات چیت کے وقت موجود نہیں ہے یہ لکھا گیا کہ میں نے اپنا گھر اتنے میں تمھارے ہاتھ فروخت کیا یا یہی کہلا کر کسی کو بھیجا اور اس تحریر یا پیغامی کو دیکھتے ہی اس شخص نے قبول کر لیا تو بیع درست ہو جائے گی۔ اور قبولیت میں محض اتنا توقف جو حاضر سودے میں بھی ہو جاتا ہے قابل نظراندازی ہے۔

دوسرا طریقہ معاطاۃ ہے یعنی بغیر کچھ منہ سے بولے مال اٹھا کر دام حوالے کردینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شے ایسی ہو جس کی قیمت معلوم ہو اور ایک شخص اسے اٹھا کر اس کی قیمت مالک کو دے دے اور مالک اسے لے لے (تو بیع ہو جائے گی) قطع نظر اس سے کہ سودا کسی معمولی شے، مثلاً روٹی یا انڈا وغیرہ کا ہو جسے بالعموم اسی طرح خردہ فروشی میں کیا جاتا ہے یا بڑا مال مثلاً قیمتی کپڑا۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بیع کا انعقاد (یعنی سودا) نہیں ہو سکتا جب تک کہ الفاظ کلام (بات چیت) یا اس کے قائم مقام تحریر یا کسی پیغامی کا واسطہ نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی گونگا ہو تو وہ سودا کرنے کے خاص اشارات سے کام لے سکتا ہے۔ محض عمل معاطاۃ (یعنی محض لینے دینے) سے بیع منعقد نہیں ہوتی۔ صاحب احیاء العلوم کا رجحان (اس بارے میں) اس طرف ہے کہ معمولی اشیاء کے سودے میں طریق معاطاۃ جائز ہے، کیونکہ بالعموم ایجاب و قبول کی پابندی میں دقت ہوتی ہے۔

زبان سے بول کر معاملہ کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو قبضہ دینے اور قبضہ لینے پر دلالت کرتے ہوں ، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیچا اور میں نے خریدا ۔ (اس لین دین میں) جو الفاظ بایع استعمال کرے اسے 'ایجاب' کہتے ہیں اور جو مشتری کہے اسے قبول کہتے ہیں ۔[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبول کا لفظ ایجاب سے پہلے بولا جاتا ہے ، مثلاً خریدار کہے کہ یہ مال اتنے میں میرے ہاتھ فروخت کردو ۔

واضح ہو کہ ایجاب و قبول کے بارے میں مسالک فقہیہ تفصیل طلب ہیں ۔[2]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ 'ایجاب' وہ الفاظ ہیں جو فریقین میں سے پہلے بولے ، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری ، مثلاً (خریدار) کہے کہ میں فلاں شے تم سے ایک ہزار میں خریدتا ہوں اور (فروخت کنندہ) کہے کہ میں فروخت کرتا ہوں ۔ یہ بات (پکی) جب ہوگی کہ دوسرا کہہ دے (یعنی قبول کر لے) ۔

۲ - حنفیہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت ہر ایسے دو لفظوں سے پوری ہو جاتی ہے جس کے معنے قبضہ دینے اور قبضہ لینے کے ہوں، مثلاً الفاظ بعت (یعنی میں نے بیچا) اور اشتریت (یعنی میں نے خریدا) یا یوں کہا جائے کہ یہ چیز میں نے تم کو اتنے میں دی یا عطا کی ۔ (اور دوسرا کہے) میں نے لے لی اور قبول کیا ۔ یا یوں کہا کہ تم کو اتنے میں لینے کا اختیار (یا اجازت) ہے وغیرہ ۔ پس الفاظ سلم ، ہبہ اور عوض (یعنی حوالے کرنا ، بخشنا ، اور مبادلہ کرنا) سے بھی معاملۂ بیع ہو جاتا ہے ، مثلاً کسی نے کہا کہ میں یہ چیز اتنے میں تمہارے حوالے کرتا ہوں اور یا اتنا لے کر بخشتا ہوں یا یوں کہا کہ تمہارے گھوڑے کے عوض اپنا گھوڑا دے رہا ہوں اور فریق ثانی نے کہا میں نے قبول کیا (تو بیع ہو گئی) ۔

واضح ہو کہ اگر اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جائے جیسے میں نے یہ چیز اتنے میں تمھیں بیچ دی ، یا مضارع کا صیغہ استعمال کیا اور اس میں حال اور استقبال کا احتمال نہیں ہے ، مثلاً یہ کہا کہ لو اب میں اسے تمہارے ہاتھ بیچ رہا ہوں تو بیع دونوں صورتوں میں منعقد ہو جائے گی ، نیت ہو یا نہ ہو ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نیت بہر حال ضروری ہے ، خواہ فعل ماضی استعمال ہوا ہو یا فعل مستقبل۔ اگر وہ فعل مضارع کا ہے جس میں حال اور استقبال دونوں کا احتمال ←

← ہے یا محض استقبال کے لیے استعمال ہوا ہے ، مثلاً اس کے ساتھ 'س' یا 'سوف' لگا دیا جائے جیسے سابیعک اور سوف ابیعک (یعنی میں اسے عنقریب یا بعد میں تمھارے ہاتھ بیچ دوں گا) تو بیع نہ ہوگی جب تک کہ اسی وقت بیع کی نیت نہ ہو ۔ اس میں اختلاف نہیں ہے خواہ ایجاب اور قبول دونوں ہی ایسے ہوں ؛ یا ایک بصیغۂ ماضی اور دوسرا بصیغۂ مستقبل ہو ۔ چنانچہ اگر فروخت کنندہ کہتا ہے کہ میں یہ کپڑا اتنے میں تمھارے ہاتھ فروخت کردوں گا" اور خریدار کہے کہ "میں خرید لوں گا تو یہ بیع نہ ہوگی جب تک کہ ان دونوں نے اس وقت ایجاب و قبول کی نیت نہ کی ہو ۔ یہی حال اس صورت میں ہے جب کہ فریقین میں سے ایک نے کہا کہ میں (اتنے میں) بیچ رہا ہوں یا بیچ دوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے خرید لیا ۔

اگر فعل بصیغۂ امر ہو ، مثلاً کوئی کہے کہ 'میرے ہاتھ یہ کپڑا بیچ دو ، اور نیت ایجاب کی ہے تو اسی وقت بیع نہ ہوگی جب تک کہ بائع یہ نہ کہے کہ میں نے بیچا اور خریدار کہے کہ میں نے خریدا ۔ پس بصورت صیغۂ امر بیع کے نافذ ہونے میں تین الفاظ کی ضرورت پڑے گی ، کیونکہ پہلا لفظ (یعنی یہ کہنا کہ میرے ہاتھ بیچ دو) بے فائدہ ہے ، کیونکہ بیع محض حکم دینے سے ہرگز نہیں ہوتی جب تک کہ تقاضائے حال موجود نہ ہو ، مثلاً بائع کا یہ کہنا کہ یہ کپڑا مجھ سے اتنے میں لے لو اور مشتری کہے کہ میں نے لے لیا تو اس صورت میں (محض دو الفاظ سے) بیع ہو جائے گی ، کیونکہ "لے لو" کہنے کے یہ معنے ہیں کہ میں (یہ چیز) اتنے میں فروخت کر رہا ہوں تم اسے لے لو ۔

اگر فعل بصورت استفہام وغیرہ ہو تو بیع نافذ نہ ہوگی ، مثلاً (یہ کہنا کہ) یہ چیز مجھے بیچ دو گے ؟ یا یہ کہنا کہ کاش یہ چیز تم میرے ہاتھ بیچ دو وغیرہ ۔

واضح ہو کہ خرید و فروخت کرنے والوں میں ہر ایک فریق کو یہ حق ہے کہ جب تک فریق ثانی قبول نہ کر لے اسی جگہ جہاں فریقین موجود ہیں اس معاملہ سے رجوع کر لے ۔ چنانچہ اگر بائع کہے کہ میں نے یہ چیز تمھارے ہاتھ بیچ دی اور فریق ثانی اس کا جواب قبول کر کے نہیں دیتا تو بایع کو رجوع کرنے کا حق ہے ۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ مال اتنے میں خرید ←

← لیا اور بیچنے والے نے یہ نہیں کہا کہ میں نے دے دیا تو اب خریدار کو حق ہے کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے پھر جائے۔ اس کو فقہی اصطلاح میں ''خیارالقبول فی المجلس'' کہتے ہیں (یعنی اسی جگہ پر معاملہ کو قبول کرنے کا اختیار)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ کہنے سے بیع ہو جاتی ہے جس سے (بیع پر) رضا مندی پائی جاتی ہو، مثلاً اس طرح کے الفاظ کہنا کہ ''میں نے فروخت کیا'' اور ''میں نے خرید لیا'' وغیرہ۔ اگر فعل ماضی استعمال کیا گیا ہو، مثلاً بایع کہے میں نے یہ مال 'بیچا' اور مشتری کہے میں نے 'خریدا' تو بیع ہو جائے گی اور اب اس کا تسلیم کرنا (فریقین پر) لازم ہوگا۔ فریقین میں سے کسی کو اس سے پھرنے کا حق نہیں رہتا نہ دوسرے فریق کے قبول کرنے سے پہلے اور نہ بعد میں، خواہ کوئی قسم کھا کر کہے کہ اس کا ارادہ خرید یا فروخت کا نہ تھا۔ لیکن اگر یہ فعل بصیغۂ امر ہو، مثلاً خریدار کہے کہ اس مال کو میرے ہاتھ اتنے میں فروخت کردو اور بائع کہے کہ میں نے فروخت کر دیا تو اس سے بیع تو ہو جائے گی، لیکن اس کے لازم ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس معاملہ سے پھر جانے کا حق ہے لیکن قسم کھانا پڑے گی کہ خریدنے کا ارادہ نہیں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی یہ بیع اسی طرح لازم التسلیم ہو جائے گی جس طرح بصیغۂ ماضی معاملہ کرنے میں۔ اور بقول معتبر پھرنے کا حق نہ رہے گا۔

اور اگر معاملہ فعل مضارع کے صیغہ میں ہو مثلاً بایع (فروخت کنندہ) کہے کہ میں اس چیز کو اتنے میں فروخت کر رہا ہوں اور مشتری اس پر راضی ہو جائے لیکن بایع اس سے پھر جائے اور کہے کہ میں نے بیچنے کے ارادہ سے نہیں کہا تھا؛ میں نے تو صرف قیمت بتانے کے لیے یا مذاق کے طور پر کہا تھا تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا، لیکن اس کے لیے اسے قسم کھانا پڑے گی۔ مشتری کے قبول کر لینے کے بعد پھرنے کے لیے قسم کھانا پڑے گی۔ اگر قسم کھائے تو خیر (پھر سکتا ہے) ورنہ اس بیع کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ تاہم اگر کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس کا مقصد فروخت کرنا ہی تھا تو اسے اس بیع کو تسلیم کرنا لازم ہو جائے گا، خواہ قسم بھی کھا لے۔ قرینہ کی صورت ←

→ یہ ہے کہ مثلاً خریدار بایع سے کہے کہ اے فلانے صاحب آپ اپنا یہ مال میرے ہاتھ دس میں بیچ دیجیے۔ وہ کہے اتنے میں نہ دوں گا۔ پھر وہ کہے اچھا گیارہ میں سہی - وہ کہے اتنے میں بھی نہیں - پھر کہے کہ میں تو بارہ میں دوں گا اور خریدار کہے کہ میں نے قبول کیا تو سودا طے ہو گیا، اب کسی کو اس معاملہ سے سرتابی کا حق نہیں ہے ؛ اور قسم کھائے تب بھی بیکار ہے، کیونکہ بار بار کا یہ چکانا ایک قرینہ ہے کہ یہ گفتگو ہنسی مذاق کے طور پر نہیں تھی - اسی طرح اگر مشتری کہے کہ اس مال کو اتنے میں خریدتا ہوں اور بیچنے والا راضی ہو ؛ اس کے بعد مشتری اپنی بات سے پھرنا چاہے تو اسے پھر جانے کا حق ہے ، لیکن اسے قسم کھا کر کہنا پڑے گا (کہ یہ بات میں نے سنجیدگی سے نہیں کہی تھی) - وہ بھی اس حال میں جب کہ ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہو کہ خریدار سودا کرنے کے بارے میں سنجیدہ تھا ؛ اگر ایسا ہوا تو اسے خریدنا لازم ہو جائے گا - غرض اگر کوئی شخص بصیغۂ مضارع سودے کی بات چیت شروع کرے، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری، تو اس سے بیع لازم نہیں ہو جاتی اور اسے معاملہ سے پھر جانے کا حق ہے - لیکن اگر فریق ثانی کی رضامندی کے بعد پھرنا چاہے تو اسے قسم کھانا ضروری ہوگا (کہ میرا ارادہ خرید و فروخت کا نہیں تھا) - ہاں ! اگر فریق ثانی کی رضامندی سے پہلے پھرنا چاہے تو اس کا حق اسے حاصل ہے اور اس کے لیے قسم کھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے - ان تمام مسائل کا تعلق اس صورت معاملہ سے ہے جب کہ خرید و فروخت مکمل طور پر ہو جانے یا نہ ہونے کی بابت کوئی قرینہ موجود نہ ہو ؛ اگر قرینہ ہو تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا -

اگر کسی نے فریق ثانی سے کہا کہ آپ یہ مال کتنے میں فروخت کریں گے اور اس نے کہا ''دس میں'' اس پر پوچھنے والا کہے کہ اتنے میں تو میں نے لے لیا - اب بیچنے والا اس کے دینے سے انکار کرے اور یہ کہنے لگے کہ میرا ارادہ (بیچنے کا نہ تھا بلکہ) یہ تھا کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگاؤں یا یہ کہے کہ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا تو اس صورت میں قرینۂ حال دیکھنا ہوگا - اگر وہ بات چیت سکون اور سنجیدگی کے ساتھ ہوئی ہے ، جیسا کہ صورت سابقہ میں بتایا گیا ، تو بیچنے والے پر فروخت کرنا لازم ہو جائے گا - اگر قرینہ اس کے خلاف ہو تو لازم نہ ہوگا اور نہ بایع کو قسم کھانا ضروری ہوگا - اگر قرینہ نہ ←

← بیچنے کے حق میں ہو اور نہ اس کے خلاف ہو تو بیچنے والے کو رجوع کرنے کا حق ہے تاہم اگر فریق ثانی کی رضا مندی کے بعد رجوع کرنا ہو تو قسم کھانی پڑے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا معاملہ ہر ایسے لفظ سے ہو جائے گا جس کا مطلب تملیک (دوسرے کو مالک بنا دینا) ہو، اور جس سے یہ مدعا واضح ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک صریح دوسرا کنایہ۔ صریح لفظ (بایں مقصد) یہ ہے کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں یہ لفظ سوا بیع کے اور کوئی احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً یہ کہنا کہ میں نے یہ سامان اتنے میں تم کو فروخت کردیا یا یہ کہ اتنے میں تم سے خرید لیا۔ کنایہ یہ ہے کہ وہ لفظ بیع کے علاوہ دوسرے معنے بھی رکھتا ہو، مثلاً بائع کا یہ کہنا کہ میں نے یہ کپڑا تم کو اس کپڑے کے عوض عطا کر دیا، یا اس جانور کو (تمھارے) اس جانور کے عوض عطا کیا۔ ان الفاظ میں احتمال بیع کا بھی ہے اور عاریت (مانگے کے طور پر دینے) کا بھی ہے۔ اگر ان الفاظ سے خرید و فروخت کی نیت کی تھی تو بیع درست ہے۔ اگر لفظ ہبہ کے ساتھ قیمت کا ذکر نہ ہو تو وہ ہبہ (عطیہ) متصور ہوگا اگر قیمت کا ذکر ہے تو وہ بیع ہوگا۔ یہی حال ہر ایسے لفظ کا ہے جو 'مالک بنا دینے' کا مفہوم رکھتا ہو اور اس کے ساتھ قیمت کا ذکر آگیا ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ اس قیمت پر میں نے یہ گھر تمھارا کر دیا، یا اتنے مال کے عوض تمھیں دے دیا، یا اتنے میں تمھارے نام منتقل کردیا۔ یہ تمام صورتیں بظاہر بیع پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس میں قیمت کا ذکر ہے۔ اور یہی صورت یہ ہے کہ خریدار کہے کہ میں، نے خرید لیا اور قبول کر لیا۔ یہ الفاظ خریدنے کے مفہوم میں واضح ہیں، بخلاف اس کے جب کہ یوں کہا جائے کہ میں مالک ہو گیا۔ یہ 'کنایہ' ہے جس میں خرید کر مالک ہونے کا احتمال بھی ہے اور بذریعہ ہبہ مالک ہونے کا بھی۔

یاد رہے کہ جس طرح صریح الفاظ سے بیع مکمل ہو جاتی ہے اور وہ شے حلال ہو جاتی ہے اسی طرح کنایہ سے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر صریح الفاظ ہوں تو اس میں نزاع کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور باہمی مخاصمت سے بچ کر رہنے کا یہی بہتر طریقہ ہے۔ ←

→ معاملۂ بیع میں مضارع کے صیغہ کا استعمال بھی کنایہ ہی کے زمرہ میں ہے۔ مثلاً بائع کا یہ کہنا کہ یہ چیزیں تیرے ہاتھ بیچتا ، ہوں اور یا مشتری مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے ،کہے کہ میں قبول کرتا ہوں تو (اس طرح کہنے میں) اگر نیت بیع کی ہے تو معاملہ ہو گیا ۔ اگرچہ ہر قسم کے الفاظ بیع استعمال کرنے میں نیت کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ شرایط بیع کے بیان میں بتایا جائے گا ۔ شافعیہ کے نزدیک نیت کرنے اور لفظ سے اُس کے معنے مراد لینے میں فرق ہے ۔ نیز صحیح طریق (معاملہ) یہ ہے کہ قبول کے الفاظ ایجاب سے پہلے ہوں مثلاً اگر خریدار کہے کہ اس چیز کو اتنے میں میرے ہاتھ بیچ دو ، تو یہاں پر ''بیچ دو'' کا مطلب ایجاب کا مطالبہ (بایع سے) کرنا ہے ۔ اور یہ الفاظ 'قبول' کی بجائے ہیں (یاد رہے کہ ایجاب بائع کا کام ہے اور قبول مشتری کا)۔ پس اگر (ایجاب) بصیغۂ امر ہے تو اسے زمرۂ 'قبول' میں شمار کرنا چاہیے ۔ لیکن اگر وہ بصیغۂ استفہام ہے ، مثلاً (خریدار کا) یہ کہنا کہ ''آیا یہ چیز اتنے میں میرے ہاتھ بیچ دوگے ؟'' تو (اسے قبول کہنا) درست نہ ہوگا ۔ اور لفظ 'مشیت' کے ساتھ مشروط کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں مثلاً یہ کہنا کہ ''اتنے میں مجھ سے لے لو جی چاہے تو'' لیکن اس کے لیے چار شرطوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے :

اول یہ کہ یہ شرط اُس کی طرف سے ہو جو معاملۂ بیع میں پیش دستی کرے خواہ وہ بایع ہو یا مشتری (مثلاً خریدار کہے کہ 'آپ میرے ہاتھ بیچ دیں جی چاہے تو' یا فروخت کنندہ کہے کہ 'آپ خرید لیں جی چاہے تو' ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ خطاب فرد واحد سے کیا جائے ؛ اگر ایک جماعت سے خطاب کیا گیا تو یہ شرط بے فائدہ ہوگی ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں ضمیر مخاطب استعمال کی گئی ہو (یعنی آپ ، یا تو ، یا تم وغیرہ)

چوتھی شرط یہ کہ اس شرط (مشیت) کو الفاظ معاملہ کے بعد استعمال کیا جائے ، خواہ بصورت ایجاب ہو یا بصورت قبول ۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط ملحوظ نہ رہی تو معاملہ باطل ہو جائے گا ۔ اگر معاملہ (بیع و شراء) کے لفظ کو ان شاء اللہ (یعنی اگر اللہ نے چاہا) کے ساتھ استعمال کیا یا کوئی ایسی قید لگائی جو شرایط معاملہ میں سے نہیں ہے تو معاملۂ بیع منعقد نہ ہوگا ←

← مثلاً یہ کہنا کہ "اگر فلاں شخص چاہے تو - - - - - - -" اس طرح کہنے سے معاملہ باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر ایسا لفظ جس سے بیع و شراء کا مطلب نکلتا ہو ادا کرنے سے بیع ہو جاتی ہے ، لہٰذا اس کے لیے منہ سے نکلنے والا کوئی خاص لفظ مخصوص نہیں ہے - چنانچہ بیچنے والے کے اس طرح کہنے سے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں تیرے ہاتھ بیچ دی ، یا تجھے مالک بنا دیا ، یا تیرے حوالے کر دی یا تجھے شامل کر لیا ، یا یوں کہا کہ وہ چیز اتنے میں تجھے میں نے بخش دی یا عطا کر دی ؛ اور مشتری کہے کہ میں نے قبول کر لیا ، یا مان لیا ، یا خرید لیا، یا تبادلہ کر لیا وغیرہ۔

ایک سوال یہ ہے کہ آیا لفظ سلم یا سلف (یعنی حوالگی یا سپردگی) کے الفاظ سے بیع ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ مثلاً کسی نے کہا سلفتک اواسلمتک کذا بکذا (یعنی میں نے فلاں شے اتنے میں تجھے سپرد کردی) تو اس میں اختلاف ہے - کہا جاتا ہے کہ یہ بیع درست ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بیع نہیں ہوئی - ہرچند کہ یہ امر جائز ہے کہ ایجاب سے پہلے قبول ہو جائے لیکن اس کے لیے لازم ہے کہ یہ بصیغۂ امر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ "اتنے میں میرے ہاتھ بیچ دو" اگر بیع بصیغۂ ماضی یا مضارع ہو تو واجب ہے کہ استفہام اور تمنی (تمنا) اور ترجی (امید) کے صیغوں سے خالی ہو ، لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ 'یہ چیز تم نے مجھے بیچ دی یا اتنے میں بیچ رہے ہو اور اس نے کہا بیچ دیا تو معاملہ بیع صحیح ہو جائے گا۔ لیکن اگر یوں کہا کہ آیا تم نے اسے میرے ہاتھ بیچ دیا یا میرے ہاتھ بیچتے ہو ؟ یا کاش میرے ہاتھ بیچ دیتے یا کیا اچھا ہو کہ میرے ہاتھ یہ بیچ دو تو اس طرح کہنے سے بیع نہ ہوگی۔

بیع و شرا میں مشیت کے الفاظ (انشاء اللہ) استعمال کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے - چنانچہ اگر بیچنے والے نے کہا کہ میں نے بیچ دیا ان شاء اللہ اور خریدار نے کہا کہ میں نے خرید لیا ان شاء اللہ تو معاملہ ہو جائے گا - لیکن اس صورت میں فریقین معاملہ کو اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو موقع پر ہی اس سودے سے پھر سکتے ہیں ، خواہ معاملہ طے ہو چکا ہو ، کیونکہ (اس صورت میں) انھیں اسی جگہ فسخ معاملہ کا پورا اختیار ہے ، جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ ←

→ اور ایجاب و قبول کے (درست ہونے) کے لیے چند شرطیں ہیں : منجملہ اُن کے یہ کہ خریدار جس شے کا سودا کر رہا ہے اُس کی مقدار ، وصف ، نقدی ، وقت اور مدت وہی قبول کرے جو بائع نے متعین کی ۔ چنانچہ اگر مثلاً بائع کہے کہ میں نے یہ مکان ایک ہزار میں بیع کیا اور خریدار کہے کہ میں نے پانچ سو میں قبول کر لیا تو بیع نہ ہوگی ۔ اسی طرح اگر بائع کہے کہ میں نے ایک ہزار سونے کے سکے میں فروخت کیا اور مشتری کہے میں نے چاندی کے سکوں میں خرید لیا تو بیع نہ ہوگی ، البتہ اگر وہ چاندی کے سکے بر لحاظ سے بیچنے والے کی متعین کردہ رقم کے برابر ہیں تو بیع ہو جائے گی ۔ اور یہ شرط ہے کہ ایجاب و قبول اُسی جگہ پر ہوجانا چاہیے ، چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے ایک ہزار میں یہ چیز تمھیں دے دی پھر قبول کرنے سے پہلے ہی مشتری بائع سے جدا ہو گیا تو بیع نہ ہوگی ۔ اسی طرح اگر ایجاب و قبول کے درمیان کوئی امر ایسا حائل ہوگیا جس سے روگردانی مترشح ہوتی ہو (تب بھی بیع نہ ہوگی)؛ البتہ کوئی معمولی سی بات ایسی پیش آ جائے جس کو بالعموم معاملہ سے روگردانی نہیں کہاجا سکتا تو مضایقہ نہیں (یعنی بیع واقع ہو جائے گی) ۔[1]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایجاب و قبول کے درمیان میں کوئی ایسا امر حائل ہو جائے جو قابل نظراندازی ہو تو مضایقہ نہیں ۔ اس سے مراد کوئی معمولی سی بات ہے ، مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا آپ کے ہاتھ دس (روپیہ وغیرہ) میں بیچا اور اُس وقت ہاتھ میں پانی کا کٹورا تھا ، (یہ کہہ کر) وہ پانی پینے لگا ، اس کے بعد مشتری نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا (تو اس میں کچھ حرج نہیں) ۔ اسی طرح اگر کھانے کا لقمہ منہ میں ڈال لیا (تب بھی مضایقہ نہیں) ، البتہ اگر یہ کہہ کر کھانے پینے میں مصروف ہو گیا یا سونے لگا تو گویا اب مجلس (جگہ) بدل گئی (اور بیع نہ ہوئی) ۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ چیز آپ کو اتنے میں دی ، مشتری نے اس کا جواب نہ دیا اور کوئی اور بات جس کا تعلق دوسرے سے ہے ، شروع کر دی تو یہ امر حائل متصور ہوگا اور ایسا ہوا تو معاملۂ بیع کے لیے کارآمد نہ ہوگا ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایجاب و قبول کے درمیان کوئی بھی غیر متعلقہ بات حائل ہوجائے تو اُسے نظرانداز نہیں کیا جائے گا ، خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو ۔ ←

(صحت بیع کے لیے) یہ بھی شرط ہے کہ فریقین اس باہمی معاملہ کو سن رہے ہوں اور اگر اس بات چیت کو سن رہے ہوں تو (انعقاد بیع کے لیے) کافی ہے - چنانچہ فریقین میں سے کوئی شخص اس معاملہ سے انکار کرنا چاہے تو اس کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے گا ، لہٰذا اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ مال اتنے میں فروخت کیا اور فریق ثانی نے کہا کہ میں نے قبول کیا ، اس کے بعد دونوں فریق جدا جدا ہو گئے اور بیچنے والا یہ کہنے لگا کہ میں نے مشتری کا قبول کرنا نہیں سنا یا مثلاً مشتری کہے کہ میں نے اس کی قیمت نہیں سنی تھی ، اس بات پر تنازع کی نوبت آ گئی تو اُن کے دعووں کی سماعت شاہدوں کے قول کے مطابق ہوگی -

بیع کا دوسرا رکن : "صاحب معاملہ"

بیع کا دوسرا رکن صاحب معاملہ ہے، خواہ فروخت کنندہ ہو یا خریدار ہو - اس کے (صاحب معاملہ ہونے کی) چند شرطیں ہیں :

→ لیکن ایسی گفتگو جو مال کی تفصیل کی بابت ہو تو وہ بات چیت ایسی نہیں ہے جسے ایجاب و قبول کے درمیان فاصلہ قرار دیا جائے لہٰذا یہ معاملہ بیع میں حارج نہیں ہے ، خواہ اس میں کتنی ہی دیر لگے اور خواہ وہ امور پہلے سے فریقین کے علم میں ہوں - نیز درمیان میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی ہو تب بھی مضایقہ نہیں ہے - البتہ زیادہ دیر تک خاموشی کا رہنا کہ قبول کرنے سے انحراف مترشح ہوتا ہو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا -

واضح ہو کہ بائع اور مشتری دونوں کو معاملہ سے پھر جانے کا اُس وقت تک اختیار ہے ، جب تک کہ دونوں اُسی جگہ پر ہیں ، خواہ معاملہ طے ہوچکا ہو ، کیونکہ ان دونوں کو خیار مجلس (یعنی اُسی جگہ وعدۂ بیع توڑ دینے کا اختیار) حاصل ہے ، اگرچہ بیع میں یہ شرط نہ کی گئی ہو - اگر بیع کے وقت (وعدہ نہ توڑنے کی) شرط کر لی گئی ہے تو بیع ہی باطل ہو جائے گی ، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا -

اول یہ کہ وہ صاحب شعور ہو ، لہٰذا ایسا بچہ[1] جس میں ہنوز شعور نہیں ہے یا وہ شخص جس کو جنون لاحق ہو اگر معاملۂ بیع کرے تو وہ بیع نہ ہوگی ۔ صاحب شعور یا قریب البلوغ بچے[2] وہ ہیں جو معاملۂ خرید و فرخت اور اُس کے نتیجہ سے واقف ہوں اور سمجھ دار لوگ جو گفتگو کریں اُس کا مقصد وہ سمجھ سکتا ہو اور اُس کا جواب خوش اسلوبی سے (ٹھیک ٹھیک) دے سکتا ہو ۔ ایسے اشخاص

---

۱ ۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بچے کی خرید و فروخت معمولی اشیاء میں صحیح ہوگی اگرچہ وہ سن شعور کو نہ پہنچا ہو اور اُس کے ولی نے اُسے اجازت نہ دی ہو ۔ جیسا کہ ابودرداء سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بچے سے ایک چڑا خریدا اور اُسے بیچ دیا ۔ یہی حکم سفیہ (یعنی انجان) کا ہے چنانچہ معمولی اشیاء (کے معاملۂ بیع و شراء) میں اُس کا تصرف کرنا صحیح ہے ، مثلاً سبزی کی کوئی گٹھی ہو ، یا دیا سلائی وغیرہ ۔ البتہ زیادہ مقدار کی اشیاء میں بے شعور بچے کا تصرف کرنا درست نہیں ہے اگرچہ ولی اس کی اجازت دے دے ۔ ہاں صاحب شعور بچے اور سفیہ (ناواقف شخص) کا ولی کی اجازت سے معاملۂ بیع و شراء میں پڑنا درست ہے ۔ لیکن ولی کے لیے بغیر کسی خاص مصلحت کے اس کی اجازت دینا حرام ہے ۔

۲ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ان چار اشخاص کے معاملۂ بیع کرنے سے بیع تسلیم نہ کی جائے گی : یعنی بچہ خواہ وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہو ۔ جنون زدہ ۔ غلام خواہ وہ مکلف ہو ، اور نابینا ، لہٰذا اگر کسی نے ان میں سے کسی کے ہاتھ کوئی معاملہ کیا تو وہ بیع باطل قرار پائے گی اور لازم ہوگا کہ اس معاملہ میں جو قیمت وصول کی گئی ہے اُسے واپس کر دیا جائے ۔ اس قیمت کی ادائیگی کا وہ شخص ذمہ دار ہوگا ۔ لیکن وہ جو ان چار اشخاص میں سے کسی نے کچھ لیا ہے اور وہ ضائع ہو چکا ہے تو واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ۔ اور وہ شے گویا مالک کے پاس ہی تلف شدہ متصور ہوگی ۔

واضح ہو کہ بچہ جو معاملہ بیع کا کرے ، ہر چند کہ ولی نے اُسے اجازت دے رکھی ہو واقع نہ ہوگی ۔ لیکن غلام کو اگر اس کے آقا نے بیع کی اجازت دی ہے تو وہ درست ہوگی ۔ اسی طرح خریداری بھی درست ہوگی ، بشرطیکہ وہ غلام مکلف اور عاقل ہو ۔

کی خریدو فروخت تو مان لی جائے گی لیکن اس کا نفاذ اُس وقت تک نہ ہوگا کہ اس بارے میں ولی نے جس چیز کا سودا ہوا ہے اُس کے خرید یا فروخت کی اجازت خصوصی نہ دی ہو۔ اس کے لیے عام اجازت کافی نہیں ہے۔ پس اگر کسی باشعور نابالغ نے کوئی مال خریدا جس کے خریدنے کی اُس کے ولی نے اجازت دے رکھی تھی تو بیع لامحالہ منعقد ہو جائے گی اور ولی کو اُسے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن اگر اُس نے اجازت نہیں دی تھی اور باشعور بچے نے اپنی طرف سے خود ہی یہ تصرف کیا ہے، تب بھی بیع تو ہو جائے گی لیکن جب تک ولی کی اجازت نہ ہو یا خود وہ لڑکا بالغ ہونے کے بعد اُس معاملہ کو قائم نہ رکھے تو وہ بیع لازم نہ ہوگی۔

ایک شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے میں سوجھ بوجھ ہو۔ یہ اس بیع کے نافذ العمل ہونے کی شرط ہے۔ غرض بچے کا سودا کرنا خواہ وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہو، نیز جنون زدہ، حواس باختہ اور احمق (جس میں سوجھ بوجھ نہ ہو) کا معاملۂ بیع انجام دینا تسلیم نہ کیا جائے گا؛ بجز اُس صورت کے جب کہ ولی نے ان میں سے باشعور شخص کو اجازت بیع دے رکھی ہو۔ ہاں جو بچہ صاحب شعور نہ ہو اُس کے معاملہ کرنے سے بیع باطل ہوگی۔ اور سوجھ بوجھ والا بینا ہو یا نابینا اس سے فرق نہیں پڑتا۔

ایک شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے نے بخوشی خود معاملہ کیا ہو، لہٰذا اگر کسی معاملہ پر مجبور کیا جائے تو نہ فروخت درست ہوگی اور نہ خرید کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"الاّ ان تکون تجارۃً عن تراض منکم"

(یعنی بیع نہ ہوگی جب تک کہ تمھاری باہمی رضامندی سے بطور تجارت نہ ہو)
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"انما البیع عن تراض" بروایت ابن حبان

(یعنی معاملۂ بیع کا انحصار باہمی رضامندی پر ہے)۔ اس باب میں مسالک فقہا تفصیل طلب ہیں۔[۱]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع (کے درست ہونے) کی شرط یہ ہے کہ فریقین معاملہ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے با اختیار ہوں (مجبور نہ ہوں)۔ اگر صرف بظاہر اختیار ہو کہ مثلاً فریقین میں سے کوئی شخص اپنی کسی چیز کو اس ڈر ←

← سے بیچ رہا ہو کہ کوئی ظالم اُس سے چھین نہ لے ، اور اس سودے پر دونوں راضی ہو جائیں ، یا کوئی شخص ہمسایہ کی شرارت سے بچنے کے لیے اپنی چیز وقتی طور پر فروخت کر دے کہ جب یہ اندیشہ دور ہو جائے گا تو وہی قیمت دے کر واپس کر لے گا ، ایسی بیع باطل ہے اور منعقد نہ ہوگی ، کیونکہ فریقین نے اگرچہ یہ سودا بظاہر اپنے اختیار سے کیا ہے لیکن دراصل یہ سودا (مجبوری سے کرنا پڑا) دونوں نہیں چاہتے تھے کہ یہ معاملہ ہو ۔ ایسی بیع کو بیع تلجئہ (یعنی بہ نیت تحفظ بطور امانت سودا کرنا) کہتے ہیں ۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ سودا کرنے کے وقت یہ وضاحت بھی کی جائے کہ یہ ''بیع تلجئہ'' ہے ۔ اب اگر ایسے معاملہ میں مال دوسرے فریق کو سپرد کیا کہ جس قدر اُس کی قیمت دی گئی ہے، ''اتنی رقم پوری کرنے کے لیے وہ اُس میں رہایش کرے یا کرایہ پر دے یا سواری کرے یا اُس کا دودھ نکالے تو یہ ربا (سود) ہوگا ، کیونکہ ایسا کرنا دوسرے لفظوں میں ایک مقررہ مدت کے لیے کسی کو روپیہ دینا ہے ، تاکہ وہ اُس سے فائدہ حاصل کرے ۔ پس گویا یہ ایک قرض ہے جو کسی معاوضہ کی خاطر دیا گیا ہے ۔ لہٰذا بہرحال یہ باطل ہوگا ۔ اور ہازل (مذاق میں معاملہ کرنے والے) کا سودا کرنا بھی بیع تلجئہ کے برابر ہے ، کیونکہ اس میں حقیقت نہیں ہوتی (محض مذاق ہوتا ہے) ، لہٰذا بائع حقیقی معنوں میں مختار متصور نہ ہوگا ۔ بیع تلجئہ یا بیع ہزل کے بارے میں جو دعوے دائر ہوں انہیں تسلیم کرنے کے لیے قرینہ پر غور کرنے کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے ۔ پس اگر قرینہ موجود نہ ہو تو دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے گا جب تک کہ گواہ نہ ہوں ۔

اگر کسی شخص نے اپنا کوئی مال اس لیے فروخت کیا کہ ظالموں کے دست تظلم سے وہ مال محفوظ رہے ، بغیر اس کے کہ خریدار سے یہ بات طے کی ہو کہ یہ بیع تلجئہ یا بیع امانت ہے (یعنی یہ وعدہ نہ ہو کہ سردست تو یہ بیع ہے لیکن جب اُس کی قیمت واپس دے دوں تو پھر لے لوں گا) تو ایسی بیع درست ہوگی ، کیونکہ اس معاملہ کو جبری معاملہ نہیں قرار دیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر کسی کو ادائے مال پر مجبور کیا جائے اور وہ اپنی چیز کو اُس مال کے بدلے حوالے کر دے تو یہ بیع درست ہوگی ، کیونکہ اس صورت میں اُس شخص کو بیچنے پر مجبور نہیں کیا گیا ، بلکہ اُس سبب پر مجبور کیا ہے جس کے لیے اُس کو فروخت کرنا ←

← پڑا ہے ۔ تاہم خریدار کو اس کا خریدنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ بیع واجبی قیمت پر نہیں ہوئی ۔ (یعنی اونے پونے بیچ دی گئی تاکہ مطالبہ پورا کر سکے) ۔ اگر کوئی شخص کسی کی مقبوضہ شے پر ناحق قبضہ کر لے اور جب مالک مطالبہ کرے تو وہ دینے سے انکار کرے اور کہے کہ میں تیرا مطالبہ تسلیم نہیں کرتا ہاں اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دے (اور قیمت لے لے) ۔ اس طرح اُس کو مجبور ہو کر وہ شے بیچنا پڑی تو یہ بیع باطل ہوگی ، کیونکہ اس صورت میں اس بیع کو جبری معاملہ تصور کیا جائے گا ۔

اگر حاکم کسی کی مملوکہ شے کو فروخت کرنے کا حکم دے، تاکہ اُس کی قیمت سے اُس کا قرض واجب الادا یا کوئی اور مطالبہ جو اُس کے ذمہ ہو پورا کیا جا سکے تو اسے جبر نہیں کہا جائے گا ، کیونکہ اس طرح مجبور کرنا حق پر مبنی ہے اور باطل بیع وہ ہے جس پر ناحق کسی کو مجبور کیا جائے ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر معاملہ جس کے کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے وہ معاملہ منعقد ہو جاتا ہے ، کیونکہ اُن کے نزدیک مجبور ہونے کے متعلق اصول یہ ہے کہ جس بات کو مجبور کر کے زبان سے کہلوا دیا جائے وہ معاملہ منعقد ہو جاتا ہے ۔

واضح ہو کہ ایسے معاملات جن پر کسی کو مجبور کیا جائے اُن میں سے کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جنھیں فسخ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے مثلاً فروخت اور کرایہ کا معاملہ اور کچھ ایسے ہیں جنھیں فسخ نہیں کیا جا سکتا ، جیسے طلاق ، عتاق ، نکاح اور نذر ۔ اب اگر جبراً کسی کو اپنی مملوکہ شے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ (بیع ہو گی ، لیکن) بیع فاسد ہو گی اور خریدار کا اُس پر (قبضہ ہو گا لیکن) قبضۂ فاسد ہو گا اور جس پر جبر کیا گیا ہے اُسے اختیار ہو گا کہ مجبوری دور ہونے کے بعد اُس معاملۂ بیع کو قائم رکھے اور فروخت شدہ چیز اگر دستیاب ہو تو اُسے واپس لے لے ۔ لیکن اگر کسی کو طلاق یا نکاح یا نذر وغیرہ پر مجبور کیا گیا اور اس کے نتیجہ میں اُس شے پر تصرف بھی حاصل ہو چکا ، مثلاً جبراً طلاق پانے والی عورت کا نکاح بھی ہو گیا تو اب اس تصرف کو توڑنے کا حق نہیں رہے گا ۔ اگر قاضی (حاکم وقت) کسی شخص کو اُس کا مال بیچنے پر مجبور کرے ، تاکہ اُس کے ←

← ذمہ ناجائز طور پر غبن کیے ہوئے جو واجبات ہیں اُن کو پورا کیا جا سکے تو یہ بیع فاسد ہو گی ۔

واضح ہو کہ بیع کے معاملہ میں جبر کے تحقق کی شرط یہ ہے کہ کسی شخص کو فروخت کرنے یعنی اُس چیز کو دینے اور قیمت لینے پر مجبور کیا گیا ہو ۔ اگر صرف معاملہ بیع پر مجبور کیا گیا اور مالک نے اُس فروخت شدہ شے کو اپنے اختیار سے حوالہ کر دیا تو اس کو جبر قرار نہ دیا جائے گا ، کیونکہ فروخت شدہ شے کو (بلا جبر) از خود حوالہ کر دینا بیع کی اجازت دینے کے مترادف ہے ۔ اسی طرح اگر (بلا جبر) اپنے اختیار سے قیمت لے لی تب بھی اُس معاملہ کو جبر نہ سمجھا جائے گا ۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی ناگزیر صورت حال پیش آ جائے کہ مجبوراً کسی شخص کو اپنی چیز فروخت کرنا پڑے ، مثلاً رقم کی ضرورت پیش آ جائے اور وہ حاصل نہ کر سکتا ہو اور مجبوراً اُسے اپنی مملوکہ شے فروخت کر کے رقم حاصل کرنا ہو تو ایسی صورت میں اُسے جبر نہ کہا جائے گا اور وہ بیع نافذ قرار پائے گی ۔

واضح ہو کہ اگر جبراً فروخت شدہ مال کو واپس لیا تو اُس کی قیمت کا لوٹانا ، بشرطیکہ موجود ہو ، لازم ہو گا ، کیونکہ جبری بیع فاسد ہوتی ہے ۔ لیکن اگر قیمت تلف ہو چکی ہے تو اب اس سے کچھ نہ لیا جائے گا ۔ اور مذاق میں معاملہ کرنا یا عقد تلجئہ (یعنی بیع امانت) کا حکم بھی بیع کے فاسد ہونے کے متعلق وہی ہے جو بیع بالجبر کا ہے ۔ پس مذاقاً سودا کرنے والا اگرچہ خرید و فروخت کی بات اپنے اختیار سے کرتا ہے ، لیکن فی الواقع اُس سودے پر وہ راضی نہیں ہے اور نہ وہ اُسے پسند کرتا ہے ۔ اور محض اختیار سے رضا مندی لازم نہیں ہوتی ۔ اختیار سے مراد ہے کسی کام کا قصد اور ارادہ ، اور 'رضا' کہتے ہیں اُس کام کے پسند کرنے کو ، لہٰذا مذاق میں سودا کرنے والا درحقیقت مجبور کے زمرے میں ہوتا ہے کیونکہ جب کسی سے بالجبر کوئی کام کرایا جائے تو وہ اُس کام کو کرتا تو اختیار سے ہے ، لیکن اُس پر رضا مند نہیں ہوتا ۔

یاد رہے کہ عقد تلجئہ (یعنی تحفظ و امانت کے طور پر سودا کرنا) یہ ہے کہ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس کی (در پردہ) حقیقت کچھ اور ہو اور ←

← بظاہر اُس سے مختلف ہو - صورت اُس کی یہ ہے کہ بائع کسی سے کہے کہ میں (مثلاً) اپنا مکان آپ کو بطور تلجئہ فروخت کرتا ہوں، تاکہ آپ کی حیثیت کے ذریعے اُس کی حفاظت کر سکوں - اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ظلم سے بچنے کے لیے (یعنی اس لیے کہ کوئی ظالم اسے مجھ سے چھین نہ لے) بظاہر آپ کے ہاتھ فروخت کیے دیتا ہوں (اور اطمینان ہونے پر واپس لے لوں گا)- اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں اور سودا ہو جائے تو یہ بیع فاسد ہو گی -

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسا جبر جس سے بیع نافذ نہیں ہوتی یہ ہے کہ کسی کو (بیع کے لیے) ناحق مجبور کیا جائے- اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ نفس معاملۂ بیع پر مجبور کیا جائے- اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی تمام مملوکہ اشیاء یا کوئی بھی مملوکہ شے بیچ دینے پر مجبور کرے - دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ظالم کسی سے مال کا مطالبہ کرے؛ مال اُس کے پاس نہ ہو اور اس کے لیے اُسے مجبوراً اپنی مملوکہ شے فروخت کرنا پڑے، تاکہ (مطلوبہ مال) حاصل ہو جائے- ایسی صورت ہو تو اُسے بیع بالجبر نہ سمجھا جائے گا، بلکہ یہ جبر اُس مقصد کے حصول کے لیے جس کے لیے اُسے مجبور کیا (یعنی بیچنے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا بلکہ حصول مال کے لیے جبر کیا گیا) - پہلی صورت میں وہ بیع لازم نہ ہو گی، بائع کو یہ حق ہو گا کہ جس وقت ممکن ہو اپنی فروخت شدہ شے واپس لے اور جو قیمت لی ہے وہ واپس کر دے، بشرطیکہ وہ تلف نہ ہوئی ہو اور یا تحفظ کی خاطرخواہ کوشش نہ ہونے کے باعث تلف ہوئی ہو- ہاں اگر ایسی شہادت موجود ہو کہ خاطرخواہ حفاظت کے باوجود وصول شدہ قیمت تلف ہو گئی ہے، تو اب اس کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ اپنا مال قیمت لوٹائے بغیر واپس لے سکتا ہے- اور کسی کو اپنی چیز فروخت کرنے کے سبب پر مجبور کرنے کے بارے میں اختلاف رائے ہے- بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ بیع لازم ہو جائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ نہ ہو گی - مسلک مالکیہ میں یہی قول مشہور ہے، تاہم عمل دوسری صورت پر ہے- اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں فروخت کرنے والے کی اپنی مصلحت کو دخل ہے، کیونکہ اگر بالفرض ایک ظالم نے کچھ مال کسی سے طلب کیا اور وہ اُس کے ادا کرنے ←

← پر قادر نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں اُسے قید ہو جائے، لیکن اگر اس کے پاس کوئی شے جسے بیچ کر وہ مال حاصل کر لے تو قید کی مصیبت سے بچ جائے گا۔ اگر یہ ہو کہ یہ بیع جبریہ بیع قرار دی جا کر لازم نہ مانی جائے تو کوئی شخص بھی اُس مال کے خریدنے کا اقدام نہ کرے گا اور اس طرح قید ہونے والا خسارے میں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مالکیہ میں سے بیشتر اصحاب کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو مصلحۃً لازم قرار دیا جائے۔ اور اگر اس قول کو تسلیم کیا جائے کہ وہ بیع لازم نہ ہو گی اس لیے بائع اپنی چیز کو واپس لینا چاہے تو جو قیمت اُس کی لی ہے بقول معتمد اُسے واپس کرنا پڑے گا۔

واضح ہو کہ (ادائے) حق کے لیے کسی کو بیع پر مجبور کیا جائے تو بیع کے نافذ ہو جانے میں کوئی امر مانع نہ ہو گا، بلکہ بعض اوقات یہ امر واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بادشاہ اپنے عہدے داروں میں سے کسی کو اُس کی مملوکہ شے فروخت کرنے کا حکم دے دے، تاکہ اُس نے جو مال لوگوں سے ظلماً حاصل کیا ہے اُسے اُنھیں واپس دیا جائے۔ اس طرح کا حکم جبراً دیا جا سکتا ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اُس عہدے دار نے جو مال لوگوں سے جبراً (ناجائز) وصول کیا ہے وہ اُس کے پاس موجود ہو اور اُنھیں واپس کر دے اور پھر اس ملازم سرکار کے مال کو قرق کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ حاکم شرع مقروض کی مملوکہ شے کو بیع کرنے کا حکم دے، تاکہ قرض خواہوں کا حق ادا کیا جا سکے۔ غرض ادائے حق کے لیے جبراً کسی کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرنا بیع کے روا ہونے میں مانع نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیع بالجبر سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی بجز اس صورت کے جب کہ عقد بیع کے نافذ ہونے کا ارادہ ہو اور مجبور کرنے کی نیت نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس شخص کو بیع کرنے پر مجبور تصور نہ کیا جائے گا۔

جبر کی دو قسمیں ہیں: ایک تو ناحق جبر کرنا؛ یہی وہ بیع ہے جو بیع ہوتی ہی نہیں، خواہ کسی کو مال دینے اور قیمت لینے پر مجبور کیا گیا ہو یا ←

معاملۂ بیع کا تیسرا رکن: "معقود علیہ"
(یعنی وہ چیز جس کا سودا کیا جائے)

جس چیز کا سودا کیا جائے خواہ وہ نقدی ہو یا کوئی قیمتی شے ہو، اس کے لیے چند شرایط ہیں ۔ منجملہ ان کے یہ شرط ہے کہ وہ شے پاک (حلال) ہو ، لہٰذا

← نہ کیا گیا ہو، کیونکہ اگر معاملہ ہی سرے سے منعقد نہ ہو تو خواہ مال باختیار خود دیا جائے یا اپنے اختیار سے قیمت وصول کر لی جائے بہرحال یہ بیع نہ ہوگی ، اس لیے کہ معاملہ صحیح طور پر ادا نہ کیے جائیں تو بیع منعقد نہ ہوگی ۔

اگر کسی شخص کو ایسا امر پیش آجائے جس کے باعث اپنی چیز بیچنا ہی پڑے ، مثلاً کوئی ظالم شخص کسی سے مال کا مطالبہ کر رہا ہو اور مال اس کے پاس نہ ہو اور وہ مجبور ہو گیا ہو کہ اپنی کوئی چیز فروخت کرے تو ایسی صورت میں بقول صحیح بیع درست ہو گی ، کیونکہ اسے فروخت پر کسی نے مجبور نہیں کیا بلکہ اس صورت حال نے مجبور کیا جس کے باعث اسے فروخت کرنا پڑا ۔

واضح ہو جس کو بیع پر مجبور کیا گیا ہو اسے لازم ہے کہ (واپسی مال فروخت شدہ پر) جو قیمت وصول کی ہے اسے واپس کردے ۔ بجز اس صورت کے جب کہ بے احتیاطی کے بغیر (یعنی بے احتیاطی کی وجہ سے نہیں بلکہ احتیاط کے باوجود) وہ شے تلف ہوگئی ہو ۔ ایسی صورت میں وہ اس کے تاوان کا ذمہ دار نہ ہوگا ۔

واضح ہو کہ ادائے حق کے لیے اگر کسی کو اپنی چیز کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے ، مثلاً حاکم یا کوئی شخص جسے اس کی چیز فروخت کرنے کا اختیار ہو ادائے قرض کے لیے کسی کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کرے تو یہ صورت معاملہ بیع کے منعقد ہونے میں مانع نہ ہوگی ، بلکہ ایسی بیع صحیح اور نافذ قرار دی جائے گی ۔

مذاق کے طور پر بیع کا معاملہ کرنے کی بابت دو رائیں ہیں ؛ لیکن دونوں میں صحیح تر بات یہ ہے کہ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے بیع منعقد ہو جائے گی ۔ ←

اگر فروخت ہونے والی شے یا اس کی قیمت دونوں میں سے کوئی بھی نجس ہو تو بیع درست نہ ہوگی اور اگر کوئی نجس یا نجاست آلودہ شے' فروخت کی گئی جس کا پاک کرنا ممکن نہ ہو تو وہ بیع منعقد نہ ہوگی - اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ نجس شے یا نجاست آلودہ شے کو جسے پاک کرنا ممکن نہ ہو قیمت میں دیا جائے - چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی پاک چیز خریدی اور شراب یا سور کو مثلاً اس کی قیمت میں دیا تو بیع منعقد نہ ہوگی -

ایک شرط یہ ہے کہ وہ شے (جس کا سودا ہوا ہو) شرعاً قابل استعمال ہو - لہٰذا ایسے حشرات (کیڑے مکوڑے) کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہے جو نفع بخش نہیں ہیں -

ایک شرط یہ ہے کہ فروخت شدہ چیز فروخت کے وقت بائع کی مملوکہ رہی ہو ، لہٰذا ایسی چیز کی فروخت جس کا بیچنے والا مالک نہ ہو درست نہیں ہے - البتہ بیع سلم میں ایسا ہو سکتا ہے ، کیونکہ بیع سلم میں ایسی شے کی بیع منعقد ہو جاتی ہے جس پر بائع کی ملکیت معاملہ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے -

ایک شرط یہ ہے کہ فروخت شدہ شے کا (خریدار کے) حوالہ کرنا بائع کے حیطۂ قدرت میں ہو، لہٰذا غصب کی ہوئی شے کی فروخت نہیں ہوتی کیونکہ جس سے وہ شے غصب کی گئی ہے اگرچہ وہ اس شے کا مالک ہے لیکن اس کا حوالہ کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے - البتہ یہ صورت صحیح ہو سکتی ہے کہ خریدار میں

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاست آلود تیل کا فروخت کرنا اور کھانے کے سوا کسی اور کام میں لانا جائز ہے جس طرح گوبر وغیرہ کا جو مٹی سے مخلوط ہو بیچنا اور اسے کام میں لانا، یا کھاد کی فروخت اگرچہ وہ قطعاً نجس ہوتی ہے ، حلال ہے - رہی وہ شے جس کی ممانعت ہے وہ مردار اور اس کی غیر مدبوغ کھال ہے - نیز سور اور شراب کی بیع حرام ہے -

حنفیہ کا کہنا ہے کہ مردار اور شراب یا سور کو بطور قیمت دینا بیع کو باطل نہیں کرتا ، لیکن یہ بیع فاسد ہوگی - اور 'خریدار' فروخت شدہ اشیاء پر قبضہ پانے کے بعد اس کا مالک ہو جاتا ہے اور خریدار پر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کی قیمت ادا کرے ، جیسا کہ آگے بتایا گیا ہے -

قدرت ہو کہ اس (غصب شدہ) چیز کو غاصب سے چھین لے ۔ اور غاصب کا ایسی شے بیچنا جس کا وہ مالک نہیں ہے درست نہ ہوگا ۔ اس بارے میں مسالک فقہا تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ چھینی ہوئی شے کا سودا کرنا درست نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ اسے مالک اصلی خود فروخت کرے اور اس امر پر قادر ہو کہ غاصب سے وہ چیز واپس لے سکے ۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ غاصب ایسا شخص ہو جسے حاکم کے حکم کے آگے جھکنا پڑے گا ، لیکن کسی کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ جو شے اس کے ہاتھ میں ہے اس سے واپس لے سکے اور یا وہ ایسا شخص ہو کہ (حکم حاکم) سے مجبور ہو، لیکن اس کے خلاف شہادت ہونے کے باوجود وہ انکاری ہو ایسی صورت میں مالک اس شے کا معاملہ کرے تو بیع نہ ہوگی ، کیونکہ متنازعہ فیہ اشیا کا معاملہ ممنوع ہے ۔ ہاں اگر مالک مغصوبہ شے کو خود ہی غاصب کے ہاتھ فروخت کردے درآنحالیکہ غاصب اسے مالک کو واپس دینے کے لیے تیار ہو تو بیع ہو جائے گی ۔ لیکن اگر غاصب نے واپس نہ کرنے کی ہی ٹھان رکھی ہو تو اس کے حق میں بیع واقع نہ ہوگی ۔ اور اس حال میں بھی صحیح ہو جائے گی جب کہ مالک یہ نہ جان سکا ہو کہ غاصب اسے واپس کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ غصب شدہ شے کی فروخت مطلقاً ہوتی ہی نہیں ؛ خواہ غاصب کے ہاتھ بیچی جائے یا کسی اور کے ہاتھ ، اور خواہ اسے مالک فروخت کرے یا کوئی اور ۔ ہاں اگر فروخت شدہ شے خریدار کو دینے پر قادر ہو (تو بیع ہو جائے گی) ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ غصب شدہ مال کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی بجز اس صورت کے جب کہ غاصب فروخت کرے اور مالک اس کی ذمہ داری لے یا خود مالک اسے فروخت کرے اور غاصب اس بیع کو تسلیم کرے ۔ اگر غاصب انکاری ہو اور مالک کے پاس (اس مال کے غصب شدہ ہونے کی) شہادت ہو اور تب وہ فروخت کردے تو بیع ہو جائے گی اور مشتری اسے لے سکے گا ۔ لیکن اگر ایسی شہادت نہ ہو اور وہ فروخت شدہ شے خریدار کو دینے سے پہلے تلف ہوجائے تو معاملہ بیع ٹوٹ جائے گا ۔

←

ایک شرط یہ ہے کہ فروخت شدہ شے اور اس کی قیمت کا (طرفین کو) اچھی طرح علم ہو جس میں نزاع کی صورت نہ پیدا ہو، لہٰذا ایسی چیز کی خرید و فروخت درست نہیں ہے جس کی بابت صاحب معاملہ کو علم نہ ہو اور بعد میں جھگڑا پیدا ہو - مثلاً خریدار سے کسی نے کہا کہ میرے مملوکہ ریوڑ میں سے کوئی سی بکری تم لے سکتے ہو، یا یہ چیز لے لو، اس کی جو قیمت ہو وہ دے دینا - یا یہ مال خرید لو اور اس کی قیمت وہی دے دینا جو فلاں شخص بتائے۔ ان تمام صورتوں میں بیع منعقد نہ ہوگی - اس کی بابت مسالک مختلفہ کی تفصیل خیار رویت (یعنی تابع منظوری سودا کرنے) کے بیان میں آئے گی -

ایک اور شرط یہ ہے کہ فروخت کسی خاص عرصہ کی شرط پر نہ ہو، مثلاً کوئی خریدار کو کہے کہ میں یہ اونٹ تمہارے ہاتھ سال بھر کے لیے فروخت کرتا ہوں - اس کی اور صورتیں بھی ہیں جن کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی

→ حنابلہ کہتے ہیں کہ غصب شدہ مال کی بیع درست نہیں ہے، کیونکہ فروخت کنندہ اگر خود مالک ہو تو اس کے بس میں نہیں ہے کہ اسے خریدار کے حوالے کر سکے - اور اگر غاصب فروخت کرے تب بھی بیع درست نہ ہوگی، کیونکہ غاصب اس شے کا مالک ہی نہیں ہے - ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مالک خود اس چیز کو غاصب کے ہاتھ فروخت کردے، کیونکہ اس صورت میں فروخت شدہ شے کے حوالے کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی، یعنی مشتری کے حوالہ نہ کرسکتا وہ جاتی رہی (جس شے کو حوالہ کرنا تھا وہ پہلے ہی خریدار کے پاس ہے) - یہی حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ غصب شدہ شے کو ایسا شخص فروخت کرے جو غاصب سے چھین کر خریدار کے حوالے کر سکتا ہو، کیونکہ اس شخص کو اس شے پر قبضہ حاصل کرنا ممکن ہے (گویا اس کا قبضہ ہے) - اگر معاملۂ بیع ہوجانے کے بعد غصب شدہ شے کو حاصل کرنے سے عاجز رہے تو اسے معاملۂ بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ہے - اگر کسی نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ مال مغصوبہ کو خرید لیا تو وہ غاصب سے لے سکے گا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا نہ کر سکے گا تب بھی بیع ہو جائے گی -

حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ بیع کے منعقد ہونے کی بائیس شرطیں ہیں: منجملہ ان کے تیرہ شرطیں وہ ہیں جن کا تعلق الفاظ بیع سے ہے۔ چار شرطیں صاحب معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں اور پانچ شرطوں کا تعلق اس شے سے ہے جس کی خرید و فروخت ہوئی۔

الفاظ بیع کے درست ہونے کی شرایط حسب ذیل ہیں:

۱ - خطاب: بایں طور کہ فریقین ایک دوسرے سے (براہ راست) مخاطب ہوں، لہٰذا اگر کسی شخص نے کہا کہ میں نے یہ چیز زید کو بیچ دی تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔

۲ - یہ کہ مخاطب کی پوری ہستی کو خطاب ہو، مثلاً یوں کہنا چاہیے کہ میں نے یہ چیز آپ کو بیچ دی ہے۔ (اس کی بجائے) اگر یوں کہا کہ میں نے یہ چیز آپ کے ہاتھ بیچ دی تو درست نہ ہوگا۔

۳ - یہ کہ معاملہ کی بات شروع کرنے والا جب معاملہ کی بات کرے تو قیمت اور سودے کی چیز کا ذکر کردے، مثلاً یوں کہے کہ میں نے یہ مال اتنے میں تمھیں بیچا، یا مثلاً 'خریدار' یوں کہے کہ میں یہ چیز اتنے میں آپ سے خریدتا ہوں۔

۴ - یہ کہ صاحب معاملہ جو کچھ کہہ رہا ہو اس کا مطلب جانتا ہو؛ لہٰذا اگر کسی کی زبان سے غیر ارادی طور پر میں بیچتا ہوں یا میں مول لیتا ہوں کے الفاظ نکل گئے اور اس خرید و فروخت کا مطلب یعنی مالک ہونا اور 'مالک بنانا' یعنی قبضہ لینا اور قبضہ دینا' پیش نظر نہ ہو تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔

۵ - یہ کہ الفاظ ایجاب و قبول (یعنی لین دین کی بات) کے درمیان کوئی اور امر حائل نہ ہو جائے۔

۶ - یہ کہ لین دین کی گفتگو کے درمیان کسی کی طرف سے خاموشی نہ ہو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ سودا قبول نہیں ہے۔

۷ - یہ کہ جو بات پہلے کسی فریق نے کہی ہے اس بات کو فریق ثانی کے ←

← بولنے سے پہلے بدلا نہ جائے ۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایجاب کرنے والا (جو سودا بیچ رہا ہے) دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے اپنی بات کو نہ بدل دے چنانچہ اگر یوں کہا ہے کہ میں فلاں چیز پانچ میں تمہیں بیچتا ہوں اور ہنوز دوسرا کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اس نے کہہ دیا کہ میں پانچ میں نہیں دس میں دے رہا ہوں تو یہ بیع نہ ہوگی ۔

۸ - یہ کہ معاملۂ لین دین کی بات ایسی ہو کہ فریقین اور قریب کے لوگ اس کو سن سکیں ۔ اگر پاس والے نہ سن سکیں گو صاحب معاملہ سن لے تو یہ کافی نہ ہوگا ۔

۹ - یہ کہ ایجاب و قبول دونوں کے مفہوم میں ہم آہنگی ہو ، چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں شے ایک ہزار فلاں شکستہ اشیاء کے عوض بیچ رہا ہوں اور فریق ثانی نے ایک ہزار سالم اشیاء کے عوض لینا قبول کر لیا ، یا اس کے برعکس ہوا تو بیع درست نہ ہوگی ۔

۱۰ - یہ کہ اس لین دین کو کسی ایسی شے پر نہ لٹکا رکھا جائے جس کا تعلق اصل معاملہ سے نہ ہو ، مثلاً یوں کہا جائے کہ اگر فلاں شخص کی رائے ہو تو میں یہ گھر آپ کو بیچ دیتا ہوں ، یا یوں کہا کہ انشاءاللہ (اگر اللہ چاہے تو) ۔ بہ خلاف اس صورت کے جب کہ کہے ”بشرطیکہ آپ پسند کریں“ کیونکہ یہ شرط ایسی نہیں ہے جو شرایط عقد بیع متذکرہ سابقہ کے منافی ہو ۔

۱۱ - یہ کہ معاملۂ بیع میں کسی خاص عرصہ کی قید نہ لگائی جائے ، مثلاً یہ کہ میں یہ اونٹ ایک ماہ کے لیے آپ کو فروخت کرتا ہوں ۔ ایسا کرنا درست نہیں ہے ۔

۱۲ - یہ کہ قبولیت اس کی جانب سے ہونی چاہیے جس کو معاملہ کی بات میں مخاطب کیا گیا ہو، چنانچہ اگر کسی سے کہا گیا کہ میں نے یہ مال آپ کو فروخت کیا اور اس کے جواب میں (اس شخص نے نہیں بلکہ) اس کے وکیل نے قبول کر لیا تو بیع درست نہ ہوگی ۔

۱۳ - یہ کہ صاحب معاملہ میں سودے پر اتفاق ہونے تک ایجاب و قبول کی صلاحیت موجود ہو، لہٰذا اگر کسی نے کہا کہ میں یہ شے آپ کے ہاتھ فروخت ←

→ کرتا ہوں اور فریق ثانی نے ہنوز قبول نہ کیا تھا کہ بائع فاتر العقل ہوگیا تو معاملۂ عقد بھی باطل ہو جائے گا ۔

صاحب معاملہ کی شرطیں حسب ذیل ہیں :

۱ - یہ کہ اس کو تصرف مطلق (کا حق) حاصل ہو ؛ لہٰذا بچے ، مجنون اور ایسے شخص کا جسے نادانی کے باعث ذمہ داری کے قابل نہ سمجھا گیا ہو، معاملہ کرنا درست نہیں ہے ۔

۲ - صاحب معاملہ کو بیع پر مجبور نہ کیا گیا ہو - پس زبردستی بیع کرائی جائے تو درست نہ ہوگی ۔

۳ - یہ کہ وہ شخص جو کسی کے لیے قرآن شریف وغیرہ خریدے وہ مسلمان ہو ۔

۴ - یہ کہ وہ شخص اسلام کے خلاف برسر جنگ (دشمن اسلام) نہ ہو - یہ شرط اس کے لیے ہے جو جنگی سامان خریدنا چاہتا ہو ۔

معقود علیہ (جس چیز پر سودا ہو رہا ہو اس کے صحیح ہونے) کی شرطیں یہ ہیں :

۱ - یہ کہ ''وہ چیز پاک ہو'' لہٰذا نجس اشیاء کا سودا درست نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

۲ - یہ کہ وہ شے شرعاً سود مند ہو - لہٰذا ایسے کیڑوں مکوڑوں کا سودا جس سے شرعاً کوئی نفع نہیں ہے درست نہ ہوگا ۔

۳ - یہ کہ صاحب معاملہ کو یہ اختیار حاصل ہو کہ معاملہ کی شے فریق ثانی کے حوالہ کر سکے ؛ لہٰذا اڑتے ہوئے پرندے کا یا پانی کے اندر کی مچھلی کا سودا کرنا درست نہیں ہے - اسی طرح غصب شدہ شے کا سودا درست نہیں ہے ۔

۴ - یہ کہ صاحب معاملہ کو اس شے پر تسلط حاصل ہو ؛ لہٰذا فضولی (بے تعلق شخص) کا معاملہ بیع کرنا درست نہیں ہے ۔

۵ - یہ کہ فریقین کو معقودعلیہ کی حقیقت ، مقدار اور خصوصیات معلوم ہوں - ان تمام امور کی مزید تفصیل آگے آئے گی ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شرایط بیع کی چار قسمیں ہیں : ←

← اول شرایط انعقاد : کہ معاملۂ خرید و فروخت ہوتا ہی نہیں جب تک کہ یہ شرطیں پوری نہ ہوں۔

دوم شرایط نفاذ : کہ خرید و فروخت پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا جب تک یہ شرطیں نہ پائی جائیں۔

سوم شرایط صحت: کہ ان کے بغیر خرید و فروخت کا معاملہ ٹھیک نہ ہوگا۔

چہارم شرایط لزوم : کہ لین دین لازم نہیں ہوتا جب تک کہ یہ شرطیں موجود نہ ہوں۔

شرایط انعقاد کی پانچ قسمیں ہیں :

پہلی قسم کا تعلق معاملہ کرنے والوں، یعنی خریدنے اور بیچنے والے سے ہے؛ اس کے لیے تین باتیں چاہئیں :

ایک تو یہ کہ اہل معاملہ صاحب شعور ہوں۔ فاتر العقل (مجنون) کی خرید و فروخت درست نہیں۔ ہاں ایسا بے شعور انسان جو بیچنے کا مطلب جانتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ بیچ دینے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اس کی خرید و فروخت درست تسلیم کی جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ فریقین معاملہ صاحب تمیز ہوں۔ یعنی ایسا بچہ جسے خرید و فروخت کی تمیز ہی نہیں اس کی خرید و فروخت کو نہیں مانا جائے گا۔ البتہ اگر وہ بچہ خرید و فروخت کا مطلب جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خرید و فروخت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے تو اس کی خرید و فروخت مان لی جائے گی تاہم اس کا کیا ہوا معاملہ اس کے سرپرست یا وصی کی اجازت یا بالغ ہونے کے بعد خود اس کی رضا مندی پر موقوف رہے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ متعدد اصحاب ہوں تو صرف ایک کے معاملہ کرنے سے سودا نہ ہو گا، بلکہ لازم ہو گا کہ اگر ایک نے ایجاب کیا ہے تو دوسرا شخص تسلیم کرے۔ ہاں اگر کوئی باپ اپنے کمسن بچے کے لیے کچھ خریدنا یا اس کی طرف سے بیچنا چاہے تو وہ اکیلا ہی خرید بھی سکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ یہی اختیار 'وصی' 'جس کو کوئی شخص وصیت کرکے مرا ہو' یا قاضی (حاکم) کو بھی حاصل ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ ←

→ وصی جو سودا کر رہا ہے اس میں نمایاں طور پر بچے کا فائدہ ہو۔ اسی طرح ایک فرستادہ کو جسے خریدار اور فروخت کنندہ نے اسی مقصد کے لیے بھیجا ہو بطور خود ہی سودا کر لینے کا اختیار ہے۔

دوسری قسم کا تعلق نفس معاملہ 'لین دین' سے ہے۔

کسی معاملہ کے درست ہونے کی صرف ایک شرط ہے کہ فریقین کی پیشکش تسلیم کے مطابق ہو، بایں طور کہ خریدار وہ تمام باتیں تسلیم کر لے جو فروخت کنندہ نے پیش کیں، لہٰذا اگر فروخت کنندہ نے کہا کہ میں یہ گھر سو مصری پونڈ میں دیتا ہوں تو یہ پیش کش اسی صورت میں پختہ ہو گی جبکہ خریدار یہ کہہ دے کہ میں اسی قیمت میں خریدنا قبول کرتا ہوں۔ لیکن اگر اس نے مثلاً یہ کہہ دیا کہ میں تو پچانوے پونڈ میں لیتا ہوں تو یہ سودا ہنوز نہیں ہوا۔

تیسری قسم کا تعلق مال (فروخت ہونے والی شے) سے ہے۔ اس کی پانچ شرطیں ہیں:

اول یہ ہے کہ وہ مال موجود (حاضر) ہو، لہٰذا جو شے موجود نہیں ہے، یا موجود نہ ہونے کے برابر ہے، اس کا سودا نہیں مانا جائے گا، جیسے (کسی جانور کے) پیٹ کے بچہ کا سودا کرنا۔

دوسرے یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کا مالک ہونا ممکن ہو، لہٰذا کھلی (گھاس جس کا کوئی مالک نہیں) کی فروخت نہیں ہو سکتی؛ اگرچہ وہ کسی شخص کی مقبوضہ زمین میں واقع ہو۔

تیسرے یہ کہ فروخت کنندہ اس مال کا مالک ہو۔ یہ قید مالک مال کے لیے یا اس کے مؤکل وغیرہ کے لیے ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ پس کوئی شخص اس مال کا سودا نہیں کر سکتا جس کا وہ سر دست مالک نہیں ہے، گو فروخت کرنے کے بعد اس کو مالک تصور کیا جا سکے۔ البتہ بیع سلم (وعدے کے سودے) کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے۔ اس میں ایسے مال کا سودا کیا جاتا ہے جس کا مالک کوئی شخص معاملہ طے کر لینے کے بعد ہوتا ہے۔ اسی طرح غصب کیے ہوئے مال کا بھی سودا ہو سکتا ہے، بشرطیکہ غصب ←

← کرنے والے نے جس مال کو فروخت کیا ہے ، اس مال کا اصل مالک بعد میں اس کا ضامن ہو جائے (یعنی اصل مالک کہہ دے کہ میں نے یہ سودا منظور کر لیا ، قیمت دے کر وہ مال لے سکتے ہو) ۔

چوتھے یہ کہ وہ مال ایسا ہو جس کی شرعاً کچھ قدر و قیمت ہو ۔ لہٰذا شراب وغیرہ جیسی تمام اشیاء کا سودا جس کا استعمال شرعاً ممنوع ہے ، درست نہیں ہے ۔ اسی طرح ایسی شے کا سودا بھی نہیں ہو سکتا جو بے حقیقت سی ہو ، جیسے گندم کا ایک دانہ کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی ، کیونکہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے ۔

پانچویں یہ کہ فروخت کنندہ اس مال کو فوراً یا قریبی فرصت میں خریدار کے حوالے کر سکتا ہو ۔

تیسری قسم کا تعلق اشیاء معاملہ (یعنی مال اور قیمت) سے ہے ۔ ان اشیاء میں سے ہر ایک کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں قائم (متعیز) ہوں ۔ اگر دونوں میں سے کوئی بھی متعین نہ ہو تو معاملہ قابل تسلیم نہ ہو گا ۔

چوتھی قسم کا تعلق لین دین کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے سے ہے ۔ معاملۂ خرید و فروخت درست جب ہی ہو گا کہ الفاظ ایجاب و قبول فریقین سن سکیں ۔ اب اگر معاملہ کسی جگہ ہوا اور لوگوں نے فریقین میں سے ایک کے الفاظ کو سنا ، لیکن بعد میں اس نے انکار کیا اور کہا کہ میرے کان بہرے ہیں تو حاکم شرع اس معاملے کو تسلیم نہیں کرے گا ۔

پانچویں قسم کا تعلق اس جگہ سے ہے جس جگہ پر سودا کیا جائے ۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پیش کش اور منظوری (ایجاب و قبول) ایک ہی جگہ پر واقع ہوں ۔ اگر جگہوں میں اختلاف ہو گیا تو معاملہ درست نہ ہو گا ۔ جگہ سے مراد وہ مقام ہے جہاں پر سودا ہوا ہے ۔ (یہ شرط بہرحال ملحوظ رہنی چاہیے) اگرچہ فریقین ایک دوسرے سے واقف ہوں یا حالت سفر میں ہوں ۔

معاملۂ خرید و فروخت کے منعقد ہونے کی ان تمام شرایط کی تعداد بارہ* ←

---

* یہ تعداد شمار میں صرف گیارہ ہوتی ہے ۔ غالباً مؤلف علام کو تسامح ہوا ۔

← ہے جن میں سے تین کا تعلق فریقین معاملہ (خریدنے اور بیچنے والے) سے ہے۔ ایک کا تعلق نفس معاملہ سے، پانچ کا تعلق مال فروخت سے، ایک کا الفاظ معاملہ (لین دین) سے اور ایک شرط کا تعلق اس جگہ سے ہے جہاں لین دین کا معاملہ ہوا ہو۔

معاملہ کے نافذ ہونے (یعنی عمل درآمد میں آنے) کی دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ فروخت کنندہ اس مال کا مالک ہو یا اسے مالک کی ولایت (سرپرستی) حاصل ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی شے کا سودا کرے جس کا وہ مالک نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے معاملہ ہوا ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس مال (کے تصرف میں) فروخت کنندہ کے علاوہ کسی اور کا حق نہ ہو، لہٰذا رہن رکھی ہوئی چیز یا کرائے پر لی ہوئی شے کا سودا نافذالعمل نہ ہو گا، کیونکہ ایسی شے اگرچہ کسی کے قبضہ میں ہے لیکن اس پر دوسرے شخص کا حق ہے، لہٰذا وہ سودا تسلیم نہ کیا جائے گا۔

معاملۂ (خرید و فروخت) کے صحیح ہونے کی شرطیں دو طرح کی ہیں: شرط عام اور شرط خاص۔ شرط عام کا تعلق معاملہ بیع کی تمام صورتوں سے ہے اور شرط خاص کا تعلق بعض صورتوں سے ہے اور بعض سے نہیں ہے۔

شرط عام میں اول تو وہ تمام شرایط ہیں جن پر بیع کے منعقد ہونے کا انحصار ہے۔ ان کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایسا معاملہ جو منعقد نہ ہو وہ صحیح بھی نہیں ہوتا، اور نہ اسے پلٹا جا سکتا ہے، لہٰذا معاملۂ فاسد میں اگر (اشیاء کا) لین دین ہو جائے تو وہ معاملہ منعقد ہو جاتا ہے۔ ان شرطوں پر چند اور شرطوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ معاملہ (خرید و فروخت) کسی خاص عرصہ کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ اگر عرصہ کی قید لگا دی گئی تو معاملہ درست نہ ہو گا۔ اور یہ کہ مال اور قیمت (کی تفصیل) فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ جھگڑا نہ پیدا ہو۔ پس اگر ایسی چیز کا سودا کیا جس کی بابت کچھ علم نہ تھا اور بعد میں نزاع پیدا ہوا تو اس معاملہ کو درست نہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں سے کسی بھی ایک راس کا (بلا تعیین) سودا کیا یا کسی شے کا ←

← سودا قیمت طے کیے بغیر کر لیا گیا ۔ اسی طرح ایک شرط یہ ہے کہ سودا کرنے میں کوئی فائدہ پیش نظر ہو ، چنانچہ مثلاً ایک (سکہ) درہم کا لین دین دوسرے سکے کے ساتھ ، جو ہر لحاظ سے اس جیسا ہے ، صحیح نہیں ہے ، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ۔ معاملہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سودے میں کوئی ایسی شرط نہ بڑھائی جائے جو معاملہ کو فاسد کر دے ، مثلاً اونٹنی کا سودا کرتے وقت اس کے گیابھن ہونے کی قید (صحت بیع میں مخل ہے) ۔

صحت معاملہ کی شرایط خاص میں سے ایک یہ ہے کہ فریقین جدا ہونے سے پہلے پہلے مال اور قیمت سنبھال لیں ۔ ایک اور شرط یہ ہے کہ اگر معاملہ بطور مرابحہ (یعنی اصل قیمت پر متعین منافع پر) ہوا یا بطور تولیت (سپردگی کے طور پر) یا بطور وضعیت (یعنی اصل قیمت سے کم پر) سودا ہوا تو چاہیے کہ اس مال کی پہلی قیمت معلوم ہو ۔ معاملہ کے لازم (قطعی) ہو جانے کی شرط یہ ہے کہ سودے میں پسند کی شرط نہ ہو اگر کوئی سودا بشرط پسندیدگی کیا گیا ہے تو وہ سودا لازمی طور پر قابل عمل درآمد متصور نہ ہو گا (یعنی تا وقتیکہ پسند کا فیصلہ نہ ہو جائے) ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ بیع (خرید و فروخت) کی شرطوں میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق الفاظ معاملہ سے ہے ، اور کچھ کا فریقین معاملہ سے اور کچھ ایسی ہیں جن کا تعلق مال اور اس کی قیمت سے ہے ۔

الفاظ معاملہ کے صحیح ہونے کے لیے دو باتیں ہیں : اول یہ کہ لین دین کی بات ایک ہی جگہ پر ہو ، لہٰذا اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ گھر آپ کے ہاتھ اتنے میں فروخت کیا اور فریق ثانی اس کا جواب نہ دینے پایا تھا کہ فریقین جدا ہو گیے تو اب فروخت کنندہ پر لازم نہیں ہے کہ وہ خریدار کی بات مان ہی لے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے درمیان کوئی امر ایسا حائل نہ ہو جس سے بالعموم اس معاملہ سے رو گردانی ظاہر ہوتی ہو ۔ پس اگر ایسا کوئی امر ، جس سے عام طور پر معاملہ سے انحراف سمجھا جاتا ہو ، درمیان میں حائل ہوجائے تو وہ معاملہ نافذ العمل نہ ہوگا ، اگرچہ فریقین جدا نہ ہوئے ہوں ۔ ←

واضح ہو کہ جب یہ دونوں باتیں پوری ہو جائیں تو (مالکیہ کے نزدیک) فروخت کنندہ کو معاملہ سے پلٹ جانے کا حق نہیں رہتا ، درآنحالیکہ وہ خریدار کے قبول کرنے سے پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے آپ کے ہاتھ فروخت کیا ۔

وہ شرطیں جن کا تعلق فریقین معاملہ سے ہے ان کی دو قسمیں ہیں :

معاملہ کے منعقد ہو جانے کی شرط اور اس کے لازم ہو جانے کی شرطیں :

معاملہ کے منعقد ہونے کی صرف ایک شرط ہے کہ بائع ہو یا خریدار وہ دونوں صاحب عقل و تمیز ہوں ، لہٰذا ایسا معاملہ منعقد نہ ہو گا جب کہ اہل معاملہ ایسا بچہ ہو جسے تمیز نہیں ہے یا وہ جنون زدہ ہو یا حالت بے ہوشی میں ہو ، یا پھر اس کو ایسا نشہ ہو جس میں اشیاء کا امتیاز نہ کر سکے ۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نشہ آور شے حلال ہو یا حرام ہو ۔

معاملۂ بیع کے لازم ہو جانے کی چار شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ اہل معاملہ مکلف ہوں (جن پر احکام شریعت عاید ہوتے ہیں) ، لہٰذا بچہ (نابالغ) جو صاحب شعور نہ ہو ، اگر سودا کرے وہ لازم نہیں ہو جاتا ، خواہ وہ صحیح طور پر کیا گیا ہو ۔ ہاں اگر اس بچے کو کسی مکلف شخص نے وکیل بنا دیا ہو تو وہ معاملہ لازم ہو جائے گا ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والا ایسا شخص نہ ہو جسے بے عقلی وغیرہ کے باعث غیر ذمہ دار قرار دیا گیا ہو ۔ ہاں صاحب تمیز نا بالغ ہو یا غیر ذمہ دار شخص کسی کا وکیل ہو تو اس کا کیا ہوا معاملہ لازم ہو جائے گا ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے سے جبراً سودا نہ کرایا گیا ہو ۔ جبری معاملہ کو لازم قرار نہیں دیا جاتا ۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ صاحب معاملہ خود مالک ہو یا مالک کا وکیل ہو ۔ بے تعلق شخص کا کوئی معاملہ کرنا دوست نہیں ہے ۔

مال جس کا سودا ہو رہا ہے اس کے صحیح ہونے کی پانچ شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مال طاہر ہو ، لہٰذا نجس شے یا نجس آلودہ شے جسے پاک نہ کیا جا سکتا ہو کی خرید و فروخت درست نہیں ہے ۔

دوسری یہ کہ اس معاملہ سے شرعاً فائدہ متصور ہو ، لہٰذا آلات لہو (یعنی کھیل تماشے کے سامان) کا خریدنا بیچنا صحیح نہیں ہے -

تیسری یہ کہ وہ شے ایسی ہو جس کی خرید و فروخت ممنوع نہ ہو ، لہٰذا شکاری کتوں کی خرید و فروخت درست نہیں ہے -

چوتھی یہ کہ معاملہ کرنے والے کے لیے ممکن ہو کہ وہ مال خریدار کے حوالے کر سکے ، لہٰذا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کا یا کھلے میدان کے وحشی جانور کا سودا کرنا درست نہیں ہے -

پانچویں یہ کہ مال اور قیمت کی بابت اہل معاملہ کو پورا علم ہو، لہٰذا نا معلوم شے کا جس کی حقیقت یا اس کی صفات کا علم نہ ہو سودا کرنا صحیح نہیں ہے - بدیں تفصیل معاملہ کی تمام شرایط کی تعداد بارہ ہوتی ہے -

تفصیل بالا سے واضح ہوگا کہ وہی معاملہ لازم قرار پائے گا جو صحیح ہو، لیکن ہر وہ معاملہ جو صحیح ہو اُس کا لازم ہو جانا ضروری نہیں ہے جیسا کہ بچے (نابالغ) کا کیا ہوا سودا اگرچہ صحیح ہو لازم نہیں ہے - یاد رہے کہ ہر وہ سودا جو صحیح (طریقہ سے) نجام پائے وہ ہو جاتا ہے اور وہی سودا مانا جاتا ہے جو صحیح (طریقہ سے) انجام پائے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ معاملۂ خریدو فروخت کے لیے چند شرطیں ہیں جن میں سے بعض کا تعلق الفاظ معاملہ سے ، بعض کا اہل معاملہ سے ، اور بعض کا اُس چیز سے ہے جس کا سودا کیا جائے -

الفاظ بیع کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں : ایک تو یہ کہ سودے کا قبول کرنا اُسی جگہ پر ہو جائے - چنانچہ اگر فروخت کنندہ نے کہا کہ ''میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں'' اور فریق ثانی قبول کرنے سے پہلے اُس جگہ سے ہٹ گیا تو یہ معاملہ طے شدہ نہیں سمجھا جائے گا -

دوسری شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول (یعنی الفاظ خرید و فروخت) کے درمیان کوئی ایسی بات حائل نہ ہوئی ہو جسے بالعموم معاملہ کا فسخ کرنا سمجھا جاتا ہے -

فریقین معاملہ یعنی فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کے لیے یہ شرط ہے کہ ہر ایک کو (معاملہ کرنے) کا اختیار ہو (یعنی رضا مندی سے معاملہ کیا گیا ہو) جبراً معاملہ کرنے سے معاملہ نہ ہوگا جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ فریقین معاملہ بالغ اور سمجھدار ہوں لہٰذا فاترالعقل لڑکے یا ناسمجھ آدمی معاملہ کرے تو وہ درست نہ ہوگا، ہاں اگر کوئی نابالغ یا کم فہم انسان ایسا ہے جسے خرید و فروخت کرنے کی تمیز ہو تو بموجب تفصیل سابقہ معاملہ ہو جائے گا۔

اشیاء معاملہ (یا تبادلہ) یعنی مال اور قیمت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اُن کے لین دین میں فائدہ ہو اور یا اُن کا لین دین روا ہو (لیکن) یہ روا ہونا مجبوری سے نہ ہو (کیونکہ مجبوری کے وقت تو ناروا اشیاء کا سودا بھی روا ہوتا ہے) پس بے کار اشیاء کا سودا درست نہیں ہے، جیسے کیڑے مکوڑوں کی خریدو فروخت۔ یا وہ شے ایسی ہو جس سے مستفید ہونا حرام ہے جیسے شراب یا وہ ایسی شے ہو جس کو صرف ضرورت کے وقت روا رکھا جائے جیسے 'کتا' یا مجبوراً اُس شے کو روا رکھا جا سکتا ہو جیسے ناگزیر حالات میں مردار شے (کا سودا)۔

اشیاء معاملہ کے بارے میں ایک شرط یہ ہے کہ فروخت کنندہ معاملہ کرنے کے وقت اُس شے کا پورے طور پر مالک ہو جس کا سودا کرنا چاہتا ہے، نیز وہ اس قابل ہو کہ (معاملہ طے پاتے ہی) اُسے خریدار کے حوالہ کرسکے، لہٰذا بھاگے ہوئے اونٹ، یا شہد کی مکھیوں (کے چھتہ) کا سودا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے کا سودا ہو سکتا ہے، خواہ وہ پرندہ ایسا ہو جو واپس آجائے یا ایسا نہ ہو۔ اور اسی طرح تالاب کی مچھلیوں کا سودا نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر ایسا حوض ہے جس کے شفاف پانی سے مچھلی دکھائی دیتی ہو اور وہ حوض نہر سے متصل نہ ہو اور اُس میں سے مچھلی کا نکالنا ممکن ہو (تو اُس کا سودا درست ہے)۔

واضح ہو کہ ہر وہ شے جو اس قاعدہ کی رو سے فروخت نہیں کی جا سکتی اُسے قیمت کے طور پر بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

خیار کا (یعنی تسلیم اور انکار کا حق رکھ کر) معاملہ کرنے کے مسائل

معاملہ؛ خریدو فروخت میں ''خیار'' کے معنے یہ ہیں کہ (اہل معاملہ کو) دو باتوں میں سے جو بہتر ہو اُس کا اختیار باقی رہے - دونوں باتوں کا مطلب معاملہ کو رد کر دینا یا باقی رکھنا ہے ، یعنی صاحب معاملہ کو اختیار ہے کہ جو بیع (بطریق خیار) ہوئی ہے اُسے باقی رکھے یا رد کر دے -

بیع کے معاملہ میں اصل بات تو یہی ہے کہ جب اس کی شرایط پوری ہو جائیں تو وہ سودا اٹل ہو جاتا ہے تاہم ''خیار'' کی صورت میں اس اصول سے انحراف کیا گیا ہے جو اہل معاملہ کے حق میں ایک مفید امر ہے - شارع علیہ السلام کا 'خیار' کے طریقہ کو روا قرار دینے میں بڑی حکمت ہے - اس سے لوگوں میں کامل طور پر روا داری پیدا ہوتی ہے اور کینہ و تلخی کے اسباب دور ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی شے کو ایسی حالت میں خریدتا یا بیچتا ہے کہ اگر وہ حالت نہ رہے تو اپنی اس خرید و فروخت پر نادم ہو - اس ندامت (پچھتاوے) کے ساتھ غصہ ، کینہ ، تلخی اور پھر باہمی دشمنی اور جھگڑوں کی برائیاں اور خرابیاں پیش آ جاتی ہیں ، حالانکہ ہمارا مذہب ایسی باتوں سے مانع اور سخت مخالفت ہے - اسی لیے صاحب شریعت نے اہل معاملہ کو (شرط خیار کے قاعدے سے) اس بارے میں موقع دیا ہے کہ وہ اس دوران مال کی خوب جانچ پڑتال کر لے تاکہ بعد میں پچھتانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے - ساتھ ہی اس میں چند ایسی شرطیں عاید کر دی گئی ہیں کہ معاملہ کی اہمیت باقی رہے اور اُس کا توڑنا یا رد کرنا بغیر کسی صحیح سبب کے نہ ہو، لہٰذا یہ حکم ہے کہ کسی معاملہ میں خیار (اختیار کا سودا) صحیح نہ ہوگا جب تک کہ یہ دو شرطیں نہ پوری ہوں :[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں سودا طے ہو جانے کے بعد بھی خیار (اختیار رد و قبول) رہتا ہے جب تک کہ فریقین اسی جگہ پر رہیں ، خواہ ایسی کوئی شرط کی ہو یا نہ کی ہو ، یہاں تک کہ اگر فریقین نے اس شرط پر سودا کیا کہ بعد میں رد و قبول کا اختیار نہ ہوگا تو ایسا معاملہ سرے ہی سے باطل ہوگا ، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو معاملہ کالعدم کرنے کو متقاضی ہے ، اس لیے کہ معاملہ کو اسی جگہ رد ←

پہلی شرط یہ ہے کہ فریقین معاملہ یعنی خریدنے اور بیچنے والے خاص قاعدہ کے مطابق جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ، خیار پر متفق ہوں -

---

← کرنے کا اختیار نص (شریعت کے صریحی احکام) سے ثابت ہے؛ فقہا کے اجتہاد (رائے) کو اس میں دخل نہیں ہے ، لہٰذا یہ اختیار تقاضائے عقد میں سے ہے اور ایسی کوئی بھی شرط جو تقاضائے معاملہ کے منافی ہو باطل ہے -

واضح ہو کہ یہ اختیار یا تو رفع ضرورت کے لیے ہوگا جسے اختیار نقض کہتے ہیں اور یا یہ اختیار چھان بین کے لیے ہوگا - اس اختیار کا انحصار دو باتوں پر ہے : مجلس اور شرط (یعنی جس حالت میں معاملہ ہوا ہے وہ ہی حالت اور جگہ ہو اور اختیار کی جو شرط ہے وہ پائی جائے) اس طرح اس کی تین قسمیں ہیں -

یاد رہے کہ خیار مجلس (یعنی اسی جگہ رد و قبول کا اختیار) انھیں معاملات میں ہے جن میں یہ پانچ باتیں پائی جائیں :

اول یہ کہ وہ معاملہ معاوضہ کی بنیاد پر ہوا ہو، یعنی اس معاملہ میں فریقین نے تبادلۂ اشیاء کو ملحوظ رکھا ہو - اس شرط سے ہبہ (یا عطیہ) کی شکل خارج ہوگئی ، کیونکہ اس میں باہمی معاوضہ کی بنیاد پر سودا نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے ، لہٰذا اس صورت میں معاملہ ہو جانے کے بعد اختیار (رد و قبول طرفین) کو نہیں ہوتا -

البتہ ہبہ کرنے والے کو تکمیل ہبہ سے پہلے اور بعد میں بھی رجوع کا اختیار ہوگا ؛ یا ایسی صورت ہو کہ اصل نے اپنی فرع کے حق میں ہبہ کیا ہو (یعنی باپ نے بیٹے کو ہبہ کیا ہو تب بھی اختیار رجوع باقی رہتا ہے) اور ''صلح حطیطہ'' میں اختیار نہیں رہتا - صلح حطیطہ کے معنے یہ ہیں کہ (معاملہ طے ہو جانے کے بعد) کوئی فریق اشیاء بادلہ میں سے کچھ کم لینے پر راضی ہو جائے تو چونکہ اس تخفیف کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا اس لیے اس میں بھی اختیار رد و قبول نہیں رہتا -

دوسرا امر یہ ہے کہ (وہ معاملہ اس نوع کا ہو کہ اگر) اشیاء مبادلہ میں سے کوئی شے فاسد (نا درست) نکلے تو معاملہ فاسد (نا درست) ہو جائے ، مثلاً کوئی ایسی شے فروخت کی جائے جس کا مالک ہی بیچنے والا نہ ہو تو چونکہ اس ←

دوسری شرط یہ ہے کہ مال میں کوئی ایسی خرابی ہو جس کے باعث اُس کا لوٹا دینا ضروری ہو۔

←صورت میں اشیاء مبادلہ میں سے ایک شے یعنی جو شے فروخت ہوئی فاسد ہے، لہٰذا اُس شے کے درست نہ ہونے کے باعث سودا (از خود) ہی فاسد ہو گیا تو اُس میں مسئلۂ خیار نہیں آتا۔ غرض اختیار رجوع ہر ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جو اشیاء مبادلہ میں سے کسی کے ناقص ہونے کی صورت میں معاملہ ہی کو ناقص کر دے ایسے معاملوں میں اختیار رجوع نہیں رہتا۔ یہ معاملہ ایسا ہے جیسے نکاح اور خلع کا معاملہ کہ اگر کسی نے اُس مال کے عوض جس کا مالک کوئی اور ہے کسی عورت سے نکاح کرلیا تو وہ عقد فاسد نہ ہوگا اور اُس پر مہر مثل (یعنی اس جیسی دوسری عورتوں کے برابر مہر) عاید ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے ایسے مال کے عوض خلع کیا جس مال کی وہ مالک نہیں ہے تو خلع فاسد نہ ہوگا؛ اُس کی قیمت عورت کو دینی ہوگی۔

تیسرا امر یہ ہے کہ جن اشیاء کا سودا ہوا ہو وہ اشیاء عین لازمہ من الجانبین (یعنی فریقین میں سے ہر ایک کی خالصتاً مملوکہ و مقبوضہ) ہوں۔ یا متعین فائدۂ دائمی کے لیے معاملہ ہوا ہو اور معاملہ میں لفظ بیع (یعنی لین دین) کو استعمال کیا گیا ہو۔ اول الذکر کی مثال یہ ہے کہ فروخت کرنے والا ذاتی مملوکہ و مقبوضہ شے کا کسی قیمت پر سودا کرے اور ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے پڑوسی کو کسی معاوضہ پر یہ حق فروخت کر دے کہ اُس کے احاطہ میں اُس کا پڑوسی اپنی لکڑی رکھ سکے گا۔ اس کو مستقل بیع منفعت کہتے ہیں۔

اب سمجھنا چاہیے کہ 'عین لازمہ من الجانبین' کی قید سے شراکت یا قراض (مضاربت) کی صورت خارج ہو گئی۔ (مضاربت ایسا کاروبار ہے جس میں ایک فریق کا مال ہو اور دوسرے کی محنت) کیونکہ اس معاملہ میں معاوضہ کی چیز فریقین سے وابستہ نہیں ہوتی بلکہ دوسرے کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح معاملۂ رہن بھی خارج ہو گیا کیونکہ اس میں شے مرہونہ اگرچہ اہل معاملہ (مرتہن) کے پاس ہوتی ہے، لیکن یہ لزوم (وابستگی) یک طرفہ ہے؛ فریق ثانی کو یہ حق ہوتا←

← ہے کہ وہ واجبات رہن ادا کرکے اپنی چیز واپس لے لے - اسی طرح وہ معاملہ بھی خارج ہو گیا جس میں کوئی معاوضہ غیر لازمی (یا غیر مستقل) منفعت کے لیے کیا جائے، مثلاً 'اجارہ' (کرایہ کا معاملہ) یا مساقاۃ (یعنی حفاظت کی اُجرت کا معاملہ) ان تمام معاملات میں خیار (اختیار فسخ) نہیں رہتا -

چوتھا امر (خیار کے لیے) یہ ہے کہ معاوضہ کا تعین حکماً نہ کیا گیا ہو- اس قید سے معاملۂ شفعہ خارج ہوگیا، کیونکہ حق شفعہ میں جو قبضہ ملتا ہے وہ حکماً اور جبراً ہوتا ہے، لہٰذا اس میں اختیار فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم بعض اصحاب کا خیال ہے کہ شفعہ کا دعویٰ کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے اور اُسے حق ہے کہ دعویٰ شفعہ سے جو شے حاصل کی ہے اُسے واپس کر دے یا روک رکھے -

پانچواں امر یہ ہے کہ معاوضہ (یا شے مبادلہ) رخصت (اجازت) پر موقوف نہ ہو جیسے ''حوالہ'' میں ہوتا ہے (جس میں حق واجب یا قرض دوسرے پر اُتار دیا جاتا ہے، یا اُس کی ادائیگی دوسرے کے حوالے کر دی جائے) یا مثلاً ''قسمہ'' (جس میں قسم پر فیصلہ کرکے مدعی کو کوئی شے دے دی جائے) ان صورتوں میں خریدو فروخت نہیں ہوتی (لہٰذا خیار بھی نہیں ہو سکتا) -

قواعد مندرجہ بالا کے پیش نظر ایسے سودے جن میں خیار مجلس (یعنی وقت کے وقت رجوع کا اختیار) ہوتا ہے اُن کا شمار آسان ہے- وہ یہ ہیں :

عقد بیع مطلق (یعنی عام خرید و فروخت کا سادہ معاملہ)، بیع سلم (وعدہ کا سودا کرنا) ہبہ بشرط عوض (یعنی کسی معاوضہ کی شرط پر ہبہ کرنا) اشیاء خوردنی کا اشیاء خوردنی سے تبادلہ جسے بیع ربوی کہتے ہیں، تولیہ (یعنی معاملۂ بیع بلا نفع) مثلاً فریقین یہ طے کر لیں کہ جانبین سے اشیاء مبادلہ کا لین دین بغیر کسی نفع کے ہوگا- اگر منافع کی شرط رکھ دی گئی تو یہ معاملۂ بیع نہ ہوگا، بلکہ اجارہ (کرایہ یا ٹھیکہ) ہو جائے گا - مثلاً ایک فریق دوسرے سے یہ طے کر لے کہ وہ مال جو دوسرے سے واجب الوصول ہے اُس کے معاوضہ میں سال بھر تک اُس کے مکان میں رہے گا (تو یہ کرایہ پر لینا ہوا) - ایسے اجاروں میں بقول صحیح خیار نہیں ہوتا - ←

→ غرض ایسے معاملات معاوضہ جن میں مذکورہ بالا شرایط پائی جائیں خیار مجلس ثابت ہوگا - وہ صورتیں جن میں یہ شرایط نہ ہوں آن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

نکاح ، خلع ، اجارہ ، ہبہ بغیر عوض ، صلح حطیطہ (سودے میں چھوٹ) ، شفعہ ، مساقات (حفاظت کے عوض حصہ مقرر کرنا) ، شراکت ، مضاربت ، رہن ، کرایہ اور دوسرے تمام ایسے معاملات جن میں مذکورہ بالا شرایط خیار نہ پائی جاتی ہوں -

دو صورتیں ایسی ہیں جن میں خیار مجلس نہیں رہتا :

اول یہ کہ صراحۃً یہ بتا دیا جائے کہ فریقین نے اس معاملہ کو واجب التسلیم مان لیا ہے اور وہ یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس بیع کو قطعی شکل دے دی ہے ، یا مان لیا ہے یا روا رکھا ہے یا یہ کہ اب اس میں رجوع کا اختیار کسی کو نہیں رہا اور اختیار رجوع کو بخوشی خاطر بلا جبر واکراہ ختم کر دیا ہے -

اگر خیار کو باطل کر دینے والے الفاظ واضح طور پر نہیں کہے گئے ، مثلاً یوں کہا کہ ہم نے باہم فیصلہ کرلیا ہے اور عقد بیع کا ذکر نہیں کیا ، تو ان الفاظ میں اس معاملہ کو ختم کرنے یا قائم رکھنے دونوں باتوں کا احتمال ہے - اس صورت میں اگر فریقین میں سے کوئی یہ کہے کہ ہماری مراد فیصلہ کے لفظ سے معاملہ کو فسخ کرنا تھا اور اس کی قسم کھالے تو اسے صحیح مان لیا جائے گا -

واضح ہو کہ جس طرح ایسے الفاظ کہنے سے جن کا مطلب معاملہ کا قطعی ہوجانا ہو خیار مجلس باطل ہو جاتا ہے اسی طرح اگر فروخت شدہ شے کا اسی جگہ قبضہ حاصل کر لیا جائے تب بھی اختیار رجوع جاتا رہتا ہے - اگر (فریقین میں سے) خریدار نے اپنے خرید شدہ مال کو بیچنے والے کے ہاتھ کسی اور شے کی قیمت میں فروخت کر دیا تو یہ ٹھیکے کی صورت ہے (بیع نہیں ہے) اس میں اختیار رجوع نہیں ہوتا -

اگر فریقین میں سے کسی ایک نے کہہ دیا کہ میں نے یہ سودا (قطعی ←

← طور پر) تسلیم کر لیا لیکن دوسرے نے یہ بات نہیں کہی تو صرف کہنے والے کا اختیار (رجوع) جاتا رہا۔

اگر یہ صورت ہو کہ ایک فریق نے تو سودے کو قطعی تسلیم کرلیا اور دوسرے نے فسخ کرنا پسند کیا تو معاملۂ فسخ کو فوقیت حاصل ہوگی۔

دوسری بات (جس سے اختیار جاتا رہتا ہے) یہ ہے کہ فریقین (سودا کرنے کے بعد) اپنی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اگر ایک فریق بھی اپنی جگہ چھوڑ گیا اور پھر لوٹ کر آیا تو اختیار ختم ہو گیا۔ اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا مطلب وہی ہے جس کو بالعموم اپنی جگہ سے ہٹ جانا سمجھتے ہیں۔ اور ہٹ جانا وہ معتبر ہے جو بہ خوشی خود ہو۔ اگر جبراً کسی طرح فریقین ایک دوسرے کے پاس سے ہٹ جائیں تو خیار مجلس باقی رہتا ہے۔

واضح ہو کہ خیار مجلس کے لیے وقت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ چنانچہ اگر فریقین اپنی اپنی جگہ کئی دن تک ٹھہرے رہیں تب بھی یہ اختیار (رجوع) ختم نہ ہوگا، یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے کوئی فوت ہو جائے، یا جنون لاحق ہو جائے تو خیار مجلس اس کے وارثوں کو منتقل ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سودا ہو جانے کے بعد فریقین کو فسخ کا اختیار باقی رہتا ہے، خواہ اس کی شرط نہ رہی ہو۔ فریقین معاملہ میں سے ہر ایک کو اس معاملہ کے توڑ دینے یا باقی رکھنے کا اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ اسی جگہ ٹھہرے رہیں (جہاں معاملہ ہوا ہے)، خواہ اسی حالت میں مہینہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ہو جائے۔ اگر مجبوراً دونوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑے، مثلاً کسی درندہ جانور کے آجانے سے وہاں سے ٹلنا پڑے یا کسی ظالم کا سامنا ہو جائے یا ایسی ہی کوئی اور بات پیش آجائے تو ایسی حالت میں فریقین کے الگ الگ ہو جانے سے اختیار رجوع ساقط نہیں ہوتا۔ ہاں اگر سودا مکمل ہوگیا اور فریقین خود جدا ہو گئے تو سودا لازم (ناقابل تنسیخ) ہو جائے گا۔ اب دونوں میں سے کسی کو اس معاملہ کے توڑنے کا حق نہیں، سوا اس صورت کے جب کہ سودے (خرید و فروخت شدہ اشیاء) میں کوئی عیب معلوم ہو یا اختیار رجوع کی شرط پہلے ہی سے کر لی گئی ہو۔ ←

→ واضح ہو کہ 'خیار مجلس' حسب ذیل صورتوں میں ہوتا ہے :

اول یہ ہے کہ فریقین (اشیاء مبادلہ کی) ملکیت میں شریک ہوجائیں جس کی صورت یہ ہے کہ (فروخت شدہ شے کی) قیمت کا کچھ حصہ 'یا بیعانہ' ادا کر دیا جائے ، کیونکہ یہ بھی خرید و فروخت کی ایک صورت ہے - اس کے علاوہ کسی اور طرح کی مشارکت میں اختیار رجوع نہیں رہتا -

دوسرے یہ کہ مال کے معاوضہ میں کوئی بات طے کر لی جائے ، خواہ وہ مال کوئی چیز ہو یا نقدی کی شکل میں ہو - اس کا شمار بھی بیع (خرید و فروخت) میں ہوتا ہے -

تیسرے یہ کہ کسی شے ، مثلاً گھر یا جانور کو کرایہ پر اٹھایا جائے یا کسی مستقل منفعت کے لیے ، مثلاً دیوار اٹھانے یا کپڑا سینے کے لیے اجرت مقرر کر لی جائے - یہ اجرت کا تعین بھی ایک طرح کا سودا ہے -

چوتھے یہ کہ کوئی معاوضہ لے کر کسی شے کو ہبہ کیا جائے -

پانچویں ہر ایسی خرید و فروخت جس کے صحیح ہونے کے لیے قبضہ حاصل ہونا شرط ہو، لہٰذا صرافہ کے سودوں میں اختیار رجوع ہوسکتا ہے ، کیونکہ اس معاملہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اشیاء مبادلہ پر قبضہ ہو جائے - بیع سلم (وعدے کے سودے) اور ناپ تول (یا پیمانے اور وزن) والی اشیاء کی برابر سرابر خرید و فروخت کا یہی حکم ہے - اور قسمة اجبار کی صورت میں (جس کے معنے قسم پر سودا چکانے کے ہیں) اختیار رجوع نہیں ہوتا ، کیونکہ کسی کو قسم کھلا کر کوئی شے حوالہ کی جائے تو وہ بیع نہیں ہے بلکہ اس سے محض حق کا تعین ہوتا ہے - اسی طرح کے اور دوسرے معاملات میں بھی خیارمجلس (یا وقت کے وقت پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اختیار) نہیں رہتا مثلاً مساقاة کا معاملہ (یعنی آب رسانی یا نگہبانی کے معاوضہ میں حصہ کا مقرر کرنا) یا مزارعت (یعنی بٹائی پر اراضی کا دینا) یا حوالہ (یعنی ادائیگی واجبات کا کسی اور کو ذمہ دار بنانا) یا اقالہ (یعنی قیمت یا مال میں چھوٹ دینے پر راضی ہونا) یا حق شفعہ یا جعالہ (یعنی کسی کام کی مزدوری) یا شراکت کا معاملہ یا وکالت (یعنی کسی کو کار مختار بنانا) یا مضاربت (یعنی ایک کے مال اور دوسرے کی محنت کے اصول پر کاروبار کا معاہدہ) یا عاریت (مانگے کو کچھ دینا) یا ہبہ (یعنی عطیہ) بلا معاوضہ

← یا وصیت قبل از موت یا امانت نیز نکاح، خلع، رہن، ضمانت یا کفالت کے معاملات - ان میں سے کسی میں بھی خیار مجلس نہیں ہے -

یاد رہے کہ کسی معاملہ میں اختیار رجوع نہ ہونے کی شرط سے معاملہ باطل نہیں ہوتا، بلکہ صرف اختیار پسندیدگی و ناپسندیدگی نہیں ہوتا -

حسب ذیل چار صورتوں میں خیار مجلس نہیں رہتا :

اول یہ کہ معاملہ کی تکمیل سے پہلے فریقین یہ طے کر لیں کہ سودا ہوجانے کے بعد رجوع کا اختیار کسی کو نہ رہے گا - مثلاً یہ کہ فریقین یہ کہیں کہ ہم یہ سودا اس شرط پر کرتے ہیں کہ بعد میں اس سے پھرنے کا اختیار کسی کو نہ رہے گا- یا پھر فریقین میں سے ایک فریق یہ کہے کہ میں فلاں چیز کو آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آیندہ ہم میں سے کسی کو اس معاملہ سے پلٹنے کا اختیار نہ رہے گا - اس پر فریق ثانی صرف یہ کہہ دے کہ مجھے منظور ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا ہو تب بھی پلٹنے کا اختیار ختم ہو جائے گا -

دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ کی تکمیل کے بعد فریقین رد و قبول کے اختیار سے دست بردار ہو جائیں اور دونوں میں سے ہر ایک یہ کہہ دے کہ اس معاملہ پر عمل درآمد ہمارے اوپر لازم ہے - اگر صرف ایک فریق اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے یا فریق ثانی کو یہ کہہ دے کہ آپ کو یہ سودا تسلیم کرنے یا نہ ماننے کا اختیار ہے تو اس کا اپنا اختیار جاتا رہے گا ، لیکن فریق ثانی کا اختیار باقی رہے گا -

تیسری صورت یہ ہے کہ (خرید و فروخت کرنے والے) اس جگہ سے ہٹ جائیں جہاں سودا ہوا تھا اور ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہوں جس کو عام طور پر جدا ہونا کہا جاتا ہے - چنانچہ اگر ایک فریق بھی اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے سے دور ہو جائے تو وہ معاملہ دونوں کے لیے لازم التسلیم ہو جائے گا ، خواہ کوئی اس نیت سے ہٹا ہو کہ سودا طے ہو چکا ہے یا کسی اور ضرورت سے ہٹا ہو - تاہم فریق ثانی سے پوچھے بغیر بدیں غرض وہاں سے ہٹنا کہ سودا لازم ہو جائے اور فسخ نہ ہو سکے حرام ہے ، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ :

"لا یحل لاحد المتباعیین ان یفارق صاحبہ خشیة ان یستقبلہ"- بروایت "نسائی"

(یعنی یہ امر حلال نہیں ہے کہ خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ←

→ کوئی فریق صرف اس خیال سے دوسرے کو چھوڑ کر ہٹ جائے کہ مبادا سودا قبول ہی کرنا پڑے) ۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی وفات ہو جائے ۔ اس صورت میں دونوں کا اختیار ختم ہو جاتا ہے ، کیونکہ موت جدا ہونے کی سب سے بڑی صورت ہے ۔ اسی طرح اگر فریقین میں سے کوئی ساتھی کو چھوڑ کر دوڑ لگانے لگے تو اختیار باطل ہو جائے گا ۔ ہاں اگر کوئی پاگل یا بیہوش ہو جائے تو اختیار باطل نہ ہوگا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ فریقین معاملہ کو خیار مجلس حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے لیے شرط نہ کی گئی ہو، لہذا اگر فریقین کے مابین معاملہ بغیر خیار شرط کے طے ہو جائے تو وہ معاملہ قطعی ہو جائے گا (یعنی پسند ناپسند کا اختیار نہ رہے گا) خواہ فریقین اسی جگہ رہیں یا متفرق ہوجائیں ۔ اور صاحب معاملہ کو جو خیار مجلس بغیر شرط کے حاصل ہوتا ہے اس کو ''خیار قول'' کہتے ہیں ۔ چنانچہ اگر فروخت کنندہ کہے کہ میں نے فلاں چیز آپ کو فروخت کردی تو جب تک کہ خریدار اس کی بات کو تسلیم نہ کرلے فروخت کنندہ کو حق ہے کہ وہ اپنی بات سے رجوع کر لے ، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ۔ رہی وہ حدیث سو اس کی بابت حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ حدیث کا مدعا یہ ہے کہ فریقین کو خیار مجلس شرط کے ساتھ ہوتا ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خیار مجلس تو کوئی چیز نہیں ، البتہ خیار کی دو قسمیں ہیں :

اول خیار الشرط جسے خیار شرطی اور خیار التروی بھی کہتے ہیں ۔ اس کا مطلب سودے کو پسند کرنے یا ناپسند کرنے کے لیے سوچ بچار کرنے کا اختیار ہے ۔ فقہائے مالکیہ کے نزدیک بالعموم خیار مطلق کا یہی مفہوم ہوتا ہے ۔

دوسری قسم خیار النقیصہ ہے جسے خیار حکمی بھی کہتے ہیں ۔ یہ اختیار اس لیے ہوتا ہے کہ فروخت شدہ شے میں کوئی عیب نکل آئے یا اس چیز میں کسی اور کا حق بھی ہے ۔ اب رہی یہ حدیث کہ البیعان بالخیار ما لم یتفرقا (یعنی سودا←

خیار شرط کا بیان
(یعنی پسندیدگی کی شرط پر سودا کرنے کا بیان)

خیار شرط سے مراد یہ ہے کہ صاحب معاملہ کوئی شے اس شرط پر خرید یا فروخت کرے کہ اس سودے کو باقی رکھنے یا توڑ دینے کا اختیار ہوگا۔ خیار شرط کا لفظ جب استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ سودا اس شرط پر ہوا ہے کہ اہل معاملہ اس سودے کو چاہے تو باقی رکھے یا چاہے تو توڑ دے۔ اب یہ شرط فریقین کی جانب سے ہو تب بھی اور کسی ایک فریق کی جانب سے ہو تب بھی صحیح ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین کسی خارجی شخص کی پسندیدگی کی شرط پر سودا کریں، مثلاً یہ کہا جائے کہ میں یہ مال آپ سے اس شرط پر خریدتا ہوں کہ فلاں شخص اس سودے کو پسند کرلے۔ خیار شرط کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔[1]

← کرنے والے جب تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں انہیں اختیار رجوع حاصل ہے) سو اگر یہ مان لیں کہ یہ روایت صحیح ہے تاہم اہل مدینہ کا عمل اس کے خلاف رہا ہے اور اہل مدینہ کا عمل حدیث پر مقدم ہے، اگرچہ وہ حدیث صحیح ہو، کیونکہ اس عمل کی حیثیت متواتر کی سی ہے جو قطعی ہوتا ہے۔ بخلاف حدیث کے کہ وہ اگرچہ صحیح ہے لیکن وہ خبر احاد میں سے ہے جس سے محض گمان غالب حاصل ہوتا ہے، لہٰذا پہلی صورت (جو قطعی ہوتی ہے) اس پر فوقیت رکھتی ہے۔

اگر سودا کرنے والا خرید و فروخت کے معاملہ پر خیار مجلس کی شرط لگادے تو وہ معاملہ ہی فاسد ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حنفیہ اور مالکیہ اس امر پر متفق ہیں کہ خیار مجلس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تاہم حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اختیار کی شرط لگا دی جائے تو اختیار حاصل ہو جاتا ہے، اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مشروط سودے کی شرط یا تو فریقین کی طرف سے ہوگی یا کسی ایک فریق کی طرف سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے حق ←

← میں - پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی (مثلاً فروخت کنندہ) کہے کہ میں یہ چیز اتنے میں آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تین دن تک مجھے (اس سے رجوع کا) اختیار رہے گا - اور دوسرا (یعنی خریدار) کہے کہ میں نے اس شرط پر خرید لیا کہ تین دن تک آپ کو (اس کے بیچنے یا نہ بیچنے کا) اختیار رہے گا - اس صورت میں یہ شرط دونوں طرف سے ہوگی -

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے ایک فریق شرط پیش کرے ، مثلاً یوں کہے کہ میں یہ چیز اتنے میں آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں شرط یہ ہے کہ تین دن تک مجھے (اس سے رجوع کا) اختیار رہے گا ، اور دوسرا کہے کہ اچھا میں نے خرید لیا لیکن شرط کے وہ الفاظ ادا نہیں کیے ، تاہم ضروری ہے کہ اس بات پر متفق ہو، خواہ خاموش رہ کر اتفاق ظاہر کیا جائے - یہ امر ملحوظ رہے کہ خرید یا فروخت کے بارے میں جو شخص شرط پیش کرے گا اسی کو مقدم سمجھا جائے گا - مثلاً فروخت کنندہ کہے کہ میں نے یہ چیز شرط خیار کو باقی رکھتے ہوئے آپ کے ہاتھ فروخت کی یا خریدار کہے کہ یہ چیز میرے ہاتھ شرط خیار (یعنی اپنا حق رجوع محفوظ رکھتے ہوئے) فروخت کر دیجیے (تو یہ صورت درست ہوگی) لیکن اگر فریق ثانی نے بھی شرط لگا دی ، مثلاً فریق اول نے کہا تھا کہ میں نے آپ کے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور دوسرا کہے کہ میں نے (اختیار رجوع محفوظ رکھ کر) قبول کر لیا تو یہ معاملہ سرے سے باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ قبول ایجاب کے مطابق نہیں ہے - اس معاملہ میں ایجاب میں کوئی شرط نہ تھی لیکن قبول میں یہ شرط بڑھا دی گئی ہے -

تیسری صورت یہ ہے کہ فریقین یا دونوں میں سے ایک فریق ایک تیسرے شخص کی (جس کا مکلف ہونا ضروری ہے) پسندیدگی کی شرط لگا دے ؛ مثلاً ایک شخص کہے کہ میں یہ مال اتنے میں بیچ رہا ہوں بشرطیکہ میرے والد پسند کریں -

یاد رہے کہ ان تینوں صورتوں میں جس شخص کو بھی (رضا مندی کا) اختیار دیا گیا ہو اس کی تعیین لازمی ہے ، لہٰذا اگر یوں کہا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اختیار (رضامندی) حاصل ہو گا (یعنی کسی کی تعیین نہیں کی گئی) تو سودا باطل ہو جائے گا ، کیونکہ اس میں صاحب اختیار کی تعیین نہیں کی گئی- ←

واضح ہو کہ شرط خیار میں جس کسی کو (پسند یا نا پسند) کا حق حاصل ہو اس کو معاملہ کے قائم رکھنے یا رد کر دینے کا اختیار ہو گا ۔ اس میں خواہ فروخت کنندہ ہو یا خرید کنندہ یا ہر دو یا کوئی اور اجنبی شخص ۔ پس بقول معتمد یہ نہیں ہو سکتا کہ جس شخص کو یہ اختیار ہو اس کے علاوہ کوئی اور شخص ، اس معاملہ کو فسخ کر سکے ۔ اب اگر کوئی فریق کسی غیر شخص کو شرط خیار دے دے تو پھر اس کا اپنا اختیار نہیں رہتا بجز اس صورت کے جب کہ وہ غیر شخص میعاد اختیار کے اندر فوت ہو جائے ۔

اگر کوئی فریق کسی شخص کو اپنا وکیل بنا دے تو اس وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ فریق ثانی کے حق میں اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر شرط خیار کرے ۔ اگر اپنے موکل کی اجازت کے بغیر اس نے ایسی شرط کی تو وہ معاملہ باطل ہو جائے گا ۔ ہاں اپنے مؤکل کی اجازت سے وہ اپنے مؤکل اور اپنے حق میں شرط کر سکتا ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ کے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور خریدار کے حق میں بھی ، اور ان دونوں کے علاوہ کسی شخص کے حق میں بھی ۔ پس اگر کسی اجنبی کے پسند کی شرط لگائی گئی تو اس معاملہ کو فسخ کرنا یا اسے بحال رکھنا اسی کے کہنے پر موقوف ہو گا اور جس نے اس شخص کے اختیار کی شرط رکھی خود اس کو اختیار نہ ہو گا ۔ اور کسی کی رضا کی شرط بھی اختیار دینے کے برابر ہے ۔ چنانچہ اگر کسی نے کوئی چیز ایک شخص کے لیے خریدی ، یا اس کی طرف سے فروخت کی ، لیکن یہ شرط لگا دی کہ یہ خرید یا فروخت فلاں شخص کی رضامندی پر موقوف ہے تو یہ حق اسی شخص کے لیے مخصوص ہو جائے گا ، اس میں خود سودا کرنے والے کو کوئی دخل نہ ہو گا ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ خود معاملہ کو کسی اور شخص کی رضا مندی پر منحصر رکھا جائے ، مثلاً یوں کہا کہ میں نے (یہ چیز) اتنے میں آپ کو فروخت کی یا آپ سے خرید لی بشرطیکہ فلاں شخص اس پر راضی ہو ، تو یہ قول اسی شخص کی رضامندی کی بابت ہو گا نہ کہ معاملہ کرنے والے کی بابت ۔ اس باب میں یہی قول معتمد ہے ۔ لیکن اگر کسی سے مشورہ کرنے کی شرط لگائی ، مثلاً یوں کہا کہ میں نے اس شے کو فروخت کیا یا خرید لی بشرطیکہ فلاں شخص ←

← نے مشورہ دیا تو اس صورت میں اختیار کا حق کلیۃً معاملہ کرنے والے کو ہو گا۔ لہٰذا اسے حق ہے کہ جس سے مشورہ کے لیے کہا تھا اس سے مشورہ کیے بغیر ہی خود اس معاملہ کو بحال رکھے یا توڑ دے ۔ ان دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی غیر کو اختیار دینے یا رضامندی کی شرط کرتا ہے تو وہ گویا اپنے اختیار اور اپنی رضامندی سے دست بردار ہو جاتا ہے ۔ لیکن وہ شخص جس نے معاملہ کو (کسی سے) مشورہ کرنے پر منحصر رکھا اس نے دوسرے شخص کی رائے سے صرف تقویت حاصل کرنا چاہا اور اپنا حق برقرار رکھا ، لہٰذا اس کی اپنی رائے (یا اختیار) بجائے خود قائم ہے ۔

اگر کسی نے ایک اور شخص کو اپنا وکیل بنایا اور اس وکیل نے شرط خیار پر کوئی مال خریدا تو اس اختیار میں وکیل بنانے والا اس کا شریک ہوگا اور ان دونوں میں سے اس کا تصرف نافذ العمل ہو گا جس نے پہل کی۔ ہاں اگر دوسرے شخص نے قبضہ لے لیا تو اور بات ہے (یعنی اس کو صحیح مان لیا جائے گا) اور بقول معتمد اختیار حاصل ہونا اسی حال میں صحیح ہو گا جب کہ فروخت کنندہ نے مال کی قیمت پکڑی نہ ہو ، جیسا کہ آگے بیان ہو گا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مشروط سودوں میں خیار شرط فریقین کو بھی اور ایک فریق کو بھی اور کسی تیسرے شخص کو بھی حاصل ہو سکتا ہے ۔ پس اگر فریقین معاملہ میں سے کسی ایک نے غیر متعلقہ شخص کے اختیار کی شرط لگائی تو اس سے اس فریق کا اپنا اختیار ساقط نہ ہو گا ، بلکہ اس اختیار میں اس غیر شخص کے ساتھ شریک رہے گا ۔ پس اگر اس غیر شخص نے کسی معاملہ کے بحال رکھنے کی اجازت دے دی یا اس معاملہ کو توڑ دیا اور اس فیصلے سے صاحب معاملہ نے اتفاق کر لیا تب تو وہ سودا بالاتفاق صحیح ہو گیا ۔ لیکن اگر اس شخص کے فیصلے سے ، جس کے حق میں صاحب معاملہ نے اختیار کی شرط لگائی تھی ، اتفاق نہ کیا، مثلاً اس کے نائب نے کسی معاملہ کو جائز رکھا اور صاحب معاملہ نے اسے رد کر دیا تو ان دونوں میں سے جس نے اپنی رائے پہلے ظاہر کی اس کی بات پر عمل ہو گا اگرچہ فسخ معاملہ کا پہلو بہ نسبت اس کے قائم رکھنے کے زیادہ مضبوط ہو ، کیونکہ اس صورت میں جو تصرف اس نے کیا وہ بغیر کسی کی مزاحمت کے ہوا ۔ اور اگر ایسا ہوا ہو کہ اپنی اپنی رائے ←

← (ایک دوسرے کے مخالف) دونوں نے ایک ساتھ ہی بتائی ہو اور یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلے کس نے اپنی رائے ظاہر کی تو ایسی صورت میں بقول صحیح اس معاملہ کے فسخ کرنے کو بحال رکھنے کی بجائے فوقیت حاصل ہو گی۔

وکیل کو اختیار ہے کہ وہ شرط خیار پر کوئی سودا کرے ، چنانچہ اگر کسی شخص کو مال کی خریداری کے لیے وکیل بنایا گیا اور اسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ شرط خیار (پسند کی شرط) پر سودا کرے ، لیکن اس نے اپنے مؤکل کی پسند کی شرط پر یا خود اپنی پسند کی شرط پر یا کسی اجنبی شخص کی پسند کی شرط پر سودا کر لیا تو یہ شرط درست ہو گی۔ اور اگر مؤکل نے یہ کہا تھا کہ میری پسند کی شرط پر سودا کرنا اور اس نے اپنی پسند کی شرط پر سودا کیا تو یہ شرط درست نہ ہو گی۔ اگر (مؤکل کی ہدایت کے خلاف) اس صورت میں شرط خیار کے بغیر ہی سودا کیا تو اس سودے کا ذمہ دار خود وکیل ہو گا ، مؤکل نہ ہو گا۔ اگر (موکل نے) شرط خیار پر فروخت کرنے کو کہا تھا اور وکیل نے اس شرط کے بغیر ہی فروخت کر دیا تو یہ فروخت سرے سے باطل ہو گی۔

واضح ہو کہ حنفیہ کے نزدیک ہر ایسے معاملے میں خیار شرط درست ہو گا جو لازم العمل اور قابل فسخ ہو ، خواہ یہ لزوم یک طرفہ ہو یا دونوں جانب سے ہو۔ لفظ 'لازم' کی قید لگانے سے وصیت کا معاملہ خارج ہو گیا ، کیونکہ وہ ایک غیر لازم معاہدہ ہے۔ وصیت کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں وصیت سے رجوع کر لے ، نیز موصی پر (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے) اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں ہے ، چاہے تو انکار کر دے ، لہذا اس میں پسند و ناپسند کا اختیار بے معنی ہے۔

وصیت ہی کی طرح عاریت (مانگے کی چیز) اور ودیعت (امانت کی چیز) کا معاملہ ہے۔

الفاظ 'قابل فسخ' کی قید سے ایسے معاملات خارج ہو گئے جن میں فسخ کا احتمال نہیں ہوتا (یعنی جو قابل فسخ نہیں ہوتے) مثلاً نکاح ، طلاق یا خلع بلا عوض مال۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح بھی قابل فسخ ہوتا ہے ، کیونکہ غیر کفو ←

← (میں رشتہ ثابت) ہونے یا بالغ ہونے پر یا آزاد ہو جانے یا مرتد ہو جانے پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ (فسخ نکاح کے اسباب کے منجملہ) (ناکح کا) غیر کفو ہونا یا (نابالغ کا) بالغ ہونا یا (غلام کا) آزاد ہونا تو ایسے اسباب ہیں جو تکمیل نکاح سے پہلے ہی موجود تھے، لہٰذا نکاح تکمیل عقد سے پہلے ہی فسخ ہو جاتا ہے - ہاں اگر عقد کی تکمیل ہو جائے تو پھر نکاح لازم اور نا قابل فسخ ہو جاتا ہے - رہا مرتد ہونے پر نکاح کا فسخ ہونا سو وہ اگرچہ تکمیل عقد نکاح کے بعد ہوتا ہے لیکن یہ فریقین کی رضامندی سے نہیں ہوتا (بلکہ از خود لازمی طور پر فسخ ہو جاتا ہے) - یہاں (معاملات کے) جس فسخ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ فسخ معاملہ ہے جو طرفین کی اپنی خواہش سے ہو نہ وہ جو از خود لازمی طور پر فسخ ہو جائے -

واضح ہو کہ ایسے معاملات جن میں خیار شرط ہو سکتا ہے ان کی تعداد حسب ذیل سولہ ہے :

اول معاملۂ اجارہ (کرائے کا معاملہ)- یہ معاملہ لازم اور قابل فسخ ہوتا ہے-

دوسرے معاملۂ مزارعت (بٹائی پر زراعت) -

تیسرے معاملۂ مساقات (یعنی آب رسانی یا نگرانی کا معاملہ) -

چوتھے معاملۂ قسمة (یعنی قسم کی بنا پر فیصلہ کا معاملہ)- یہ بھی ایک طرح کا سودا ہے، جیسا کہ اس کے بیان میں انشأ اللہ بتایا جائے گا -

پانچویں معاملۂ صلح بعوض مال -

چھٹے معاملۂ خلع بعوض مال ، بشرطیکہ بیوی کی طرف سے خیار شرط عاید کی گئی ہو ، کیونکہ اس صورت میں 'خلع' ایک ایسا معاملہ ہو گا جس کا لزوم خاوند کی جانب سے ثابت ہے، بیوی کی جانب سے نہیں - خاوند کی جانب سے جو معاوضہ ہے وہ یمین (یعنی خاوندی کا) ہے جس کا فسخ ممکن نہیں ہے اور بیوی کی جانب سے جو معاوضہ ہے وہ مال ہے جس کا فسخ ممکن ہے ، لہٰذا خیار شرط بھی اسی کی طرف سے ہو سکتا ہے (چنانچہ مثلاً بیوی خاوند سے کہے کہ میں ایک ہزار دیتی ہوں اس کے عوض آپ مجھے طلاق دے دیں ، لیکن شرط یہ ہے کہ ←

← تین دن تک مجھے اس بات سے پھر جانے یا اس پر قائم رہنے کا اختیار ہو گا ، تو یہ خیار شرط ہے اور درست ہے) -

ساتویں معاملۂ رہن (گروی کا معاملہ) جب کہ رہن رکھنے والا خیار شرط چاہے ، کیونکہ معاملۂ رہن اگرچہ لازم اور قابل فسخ ہے ، لیکن یہ لزوم صرف راہن کی طرف سے ہو سکتا ہے ، کیونکہ اگرچہ یہ معاملہ لازم اور قابل فسخ ہے لیکن یہ لزوم راہن کی طرف سے ہے ، مرتہن پر کچھ لازم نہیں ہوتا ، کیونکہ جب چاہے وہ اپنی گروی رکھی چیز کو واپس لے سکتا ہے ، لہٰذا اس کی جانب سے شرط خیار کا سوال ہی پیدا نہں ہوتا -

آٹھویں معاملۂ کفالت (ضمانت) مالی ہو یا ذاتی - اس معاملہ میں ضمانت دینے اور ضمانت لینے والے دونوں ہی خیار شرط کر سکتے ہیں -

نویں معاملۂ حوالہ (یعنی واجبات کو کسی اور پر اتارنے کا معاملہ) - اس میں محتال (جس کے حوالہ کیا جائے یعنی جس نے واجبات غیر کو اوٹ لیا) وہی شرط خیار کر سکتا ہے ، کیونکہ حوالے کرنے کا معاملہ اس کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے جس کے حوالہ کیا جائے ، لہٰذا اسی کو خیار شرط کا حق بھی ہے - یاد رہے کہ معاملات کفالت و حوالہ میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خیار شرط کی میعاد تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے - انھوں نے ان دونوں معاملات میں شرط خیار کی اس مدت کی پابندی سے جو ان کے نزدیک مقرر ہے مستثنیٰ قرار دیا ہے -

دسویں ابراء (دست برداری واجبات کا معاملہ) ، چنانچہ اگر کسی نے کہا کہ میں آپ کو (ادائیگی واجبات سے) بشرط خیار بری الذمہ کرتا ہوں (یعنی اتنے عرصے تک مجھے اختیار ہو گا کہ میں اس قول کا پابند رہوں یا اس سے رجوع کر لوں) تو یہ درست ہو گا - لیکن بعض اصحاب حنفیہ سے یہ منقول ہے کہ 'ابراء' کے معاملہ میں خیار شرط درست نہیں ہے -

گیارھویں معاملۂ شفعہ -

بارھویں معاملۂ وقف بقول امام یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ معاملہ لازم نہیں ہے، لہٰذا اس میں خیار شرط بے معنی ہے اور امام محمدؒ ←

← اگرچہ اس معاملے کو لازم قرار دیتے ہیں ، لیکن ان کے نزدیک اس میں شرط کا اختیار نہیں ہو سکتا ۔ اس کی تفصیل اپنی جگہ پر (مسائل وقف میں) آئے گی ۔

تیرھویں معاملۂ کتابت بعوض مال (یعنی مملوک کو کچھ رقم کے عوض خط آزادی لکھنے کا معاملہ) ۔

چودھویں معاملہ عتق بعوض مال (یعنی مال لے کر غلام کو آزاد کرنے کا معاملہ) ۔

پندرھویں اقالہ (یعنی قیمت میں چھوٹ دینے کا معاملہ) ۔

سولھویں معاملۂ بیع (یعنی خرید و فروخت کا معاملہ) ۔

ایسے معاملات جن میں خیار شرط نہیں ہو سکتا ان کی تعداد دس ہے :

(۱) نکاح

(۲) طلاق بعوض مال ہو یا بلا عوض مال

(۳) معاملۂ یمین ۔

(۴) معاملۂ نذر ۔

(۵) معاملۂ صرف ۔

(۶) معاملۂ سلم ۔

(۷) معاملۂ اقرار ۔

اس میں اختیار کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اقرار کرنے والا کہے کہ (میں اس شرط پر اقرار کرتا ہوں کہ) اس اقرار سے پھرجانے کا مجھے اختیار ہو گا ، کیونکہ جب اقرار ہو گیا تو وہ بات لازم ہو گئی ؛ اب کچھ اختیار باقی نہ رہا ، خواہ وہ شخص جس کے حق کا اس نے اقرار کیا ہے اس کے اختیار کی تصدیق کرے یا نہ کرے ۔ لیکن اگر کسی بات (کے کرنے) کا اقرار کیا تو اس میں شرط کا اختیار ہو گا ، مثلاً کسی نے معاملۂ بیع کرنے کا اقرار کیا (کہ ہاں میں معاملۂ بیع یا شراء کا اقرار کرتا ہوں، بشرطیکہ اس کا اختیار اتنے عرصہ کے لیے مجھے حاصل ہو) تو اس صورت میں اس کو اختیار حاصل ہو سکتا ہے اور اس اختیار کا تعلق اس معاملہ میں درست ہو گا ۔ اقرار میں شرط اختیار درست نہیں ہو گی ، کیونکہ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے اس میں (اقرار کے بعد) اختیار کو ←

← دخل نہیں رہتا اور یہ اقرار (مذکور) اس صورت میں صحیح ہو گا جب کہ فریق ثانی اس کی تصدیق کرے یا وہ ثابت کر سکے (کہ یہ شرط خیار اسے حاصل تھی) -

(۸) معاملۂ وکالت -

(۹) معاملۂ وصیت -

(۱۰) ہبہ بلا معاوضہ -

حنابلہ کہتے ہیں کہ خیار شرط ، دوران عقد ہوتا ہے ، قبل اس کے کہ معاملہ لازم العمل (پختہ) ہو جائے - مثلاً معاملہ طے کرنے کے بعد فریقین بغیر شرط لگائے اپنی جگہ سے چلے جائیں (تو اب معاملہ لازم ہو گیا اور) جب معاملہ لازم ہو گیا تو اب پسندیدگی وغیرہ کی شرط لگانے کا اختیار ختم ہو گیا -

واضح ہو کہ خیار شرط کا حق فریقین کو بھی ہو سکتا ہے - کسی ایک فریق کو بھی اور فریقین کے علاوہ کسی اور اجنبی شخص کو بھی - لہٰذا اگر فریقین میں سے کوئی شخص اپنے حق میں یا کسی غیر کے حق میں بشمول خود خیار شرط چاہے تو درست ہے - پس اگر یوں کہا کہ میں اس سودے کی پسندیدگی کا اختیار زید کو دیتا ہوں مجھے اختیار نہ ہوگا تو یہ شرط درست نہ ہوگی کیونکہ شریعت نے خیار شرط کے قاعدہ میں فریقین معاملہ کے فائدہ کو ملحوظ رکھا ہے ، لہٰذا شرط میں خود کو بے تعلق رکھنا صحیح نہیں ہے - ہاں اگر صرف یہ کہا کہ میں یہ سودا زید کی پسندیدگی کی شرط پر کرتا ہوں اور یہ نہیں کہا کہ مجھے اس سے کچھ غرض نہیں ہے تو درست ہے - اسی طرح اگر اپنےاور زید کے لیے اختیار کی شرط پر سودا ،کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے فلاں چیز بیچ دی یا خرید لی ، بشرطیکہ مجھے اور زید کو اختیار رد و قبول ہوگا تو درست ہے - اور یہ شرط اصالتاً خود اس کی اپنی ذات کے لیے ہوگی اور وکالتاً زید کے لیے، لہٰذا اصل اور وکیل دونوں کو معاملہ ختم کر دینے یا قائم رکھنے کا حق ہوگا -

اگر کسی نے ایک اور شخص کو کچھ مال خرید کرنے کے لیے وکیل بنایا اور اس شخص نے خیار شرط پر وہ مال خرید لیا تو (پسند یا نا پسند کا) یہ اختیار مؤکل کو حاصل ہوگا - اگر وکیل نے اپنے لیےاختیار کی شرط پر سودا کیا تو اس ←

واضح ہو کہ خیار شرط کا حکم حدیث سے ثابت ہے جو صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں اس کے ساتھ دھوکا ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ:

"من بایعت فقل لاخلابة ثم انت بالخیار فی کل سلعة ابتعتها ثلاث لیال"۔

(یعنی جس سے تونے سودا کیا ہے اس سے کہہ دے لاخلابة کوئی دھوکا نہ ہونا چاہیے۔ پھر اس کے لیے ہر مال کی بابت جو تونے خریدا ہے تین دن تک اس کے رکھنے یا واپس کر دینے کا اختیار ہے۔ لفظ لاخلابہ بکسر خاء کے معنے ہیں لاغبن ولاخدیعة (یعنی سودے میں دھوکا فریب نہ ہونا چاہیے)۔

خیار شرط کی مدت کا بیان

اس بارے میں کہ خیار شرط کتنے عرصہ تک ہوتا ہے، مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

← کو اور اس کے مؤکل دونوں کو اختیار ہے۔ اگر یہ شرط کی کہ اختیار صرف اسی کو حاصل ہوگا اور مؤکل کو نہ ہوگا تو یہ شرط صحیح نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وکیل نے کسی اجنبی کے حق میں خیار شرط رکھی تو وہ درست نہیں ہے، کیونکہ ایسے امور میں وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنا وکیل بنائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مدت کے اعتبار سے خیار شرط کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم تو وہ ہے جو بالاتفاق غلط ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کسی مدت کی تعیین نہ کی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں یہ چیز اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے کچھ دنوں تک یا ہمیشہ کے لیے واپسی کا اختیار ہوگا۔ دوم یہ کہ محض اختیار کا لفظ استعمال کیا جائے اور مدت کا ذکر نہ ہو، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں خریدتا ہوں بشرطیکہ مجھے اختیار (رد و قبول) ہوگا لیکن اس کے لیے کوئی مدت نہیں بتائی (ایسی شرط درست نہیں ہے)، کیونکہ محض اختیار کی شرط (جس میں مدت کی تعیین نہ ہو) سودے ہی کو باطل کردیتی ہے جب کہ معاملہ کے وقت کی جائے، جیسا کہ سابقہ مثال میں بتایا گیا۔ اگر اختیار کی شرط ←

→ سودے کے وقت نہیں کی گئی بلکہ پہلے کوئی شے کسی کے ہاتھ فروخت کردی اور اس وقت کوئی شرط نہیں کی تھی پھر کچھ مدت کے بعد اس سے ملنا ہوا اور بائع نے کہا کہ آپ کو اس (فروخت شدہ شے) کے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہے تو اب اس کو اختیار حاصل ہوگیا لیکن یہ اختیار اسی وقت تک ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ پر موجود ہوں جہاں یہ شرط کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک خیار شرط معاملہ کرنے کے وقت ہی ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس مسئلے سے ایک طویل مدت کے بعد بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ شرط انعقاد معاملہ سے پہلے کی گئی مثلاً بائع نے یوں کہا کہ ہم جو سودا کرنے والے ہیں اس میں آپ کو (رد و قبول کا) اختیار ہوگا اور اس پہلی بات کو شرط قرار دیتے ہوئے بغیر خیار شرط کے سودا خرید لیا تو اس سے اختیار ثابت نہ ہوگا۔

دوسری قسم وہ ہے جو بالاتفاق جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ اختیار (رد و قبول) کی شرط کے لیے تین دن یا اس سے کم کی مدت مقرر کی جائے۔

تیسری قسم وہ ہے جس میں احناف میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ مہینہ دو مہینہ کے لیے شرط خیار رکھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ایسی شرط فاسد ہے اور امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

اگر شرط خیار میں تین دن سے زیادہ کی مدت رکھی تو ان دونوں (صاحبین) کے نزدیک درست ہوگا بشرطیکہ مدت کا تعین کردیا جائے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اور وہ معاملہ فاسد ہوگا یا اٹکا رہے گا اور بیچنے یا خریدنے والوں میں سے ہر ایک کو حق ہوگا کہ سودے کو قائم رکھیں یا منسوخ کردیں۔ ہاں اگر تین دن کے دوران، بلکہ چوتھی رات کو بھی وہ فریق جسے شرط خیار حاصل ہے، اس سودے کو بحال رکھے تو اب وہ معاملہ فاسد نہ رہے گا، صحیح ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ خیار شرط ہی جیسا خیار نقد کا بھی مسئلہ ہے۔ خیار نقد یہ ہے کہ کوئی شخص اس شرط پر مال خریدے کہ اگر تین دن کے اندر قیمت ادا نہ کی تو (سودا ٹوٹ جائے گا اور) مال واپس کر دیا جائے گا۔ یہ شرط درست ←

← ہے ، لہٰذا اگر قیمت نہیں دی تو سودا منسوخ ہو جائے گا اور مال جوں کا توں واپس کرنا ہوگا ۔ اگر اس مال کو کام میں لایا گیا ، مثلاً اسے کسی اور کے ہاتھ فروخت کردیا اور ادائیگی قیمت کے وعدے کی میعاد بھی گزر گئی تو پہلا سودا بحال رہے گا اور ادائیگی قیمت لازم ہوگی ۔ اگر اس دوران اس مال کی قیمت خریدار کے پاس آکر گھٹ گئی تو فروخت کنندہ کو اختیار ہوگا کہ یا تو قیمت پوری لے یا گھٹی ہوئی قیمت وصول کر لے اور باقی کو نظرانداز کردے ۔

اگر کوئی شے اس شرط پر خرید کی کہ چار روز کے اندر قیمت نہ دی گئی تو سودا ختم ہو جائے گا ۔ ایسی شرط امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے ۔ وہ بیع فاسد یا معلق رہے گی اور فریقین میں سے ہر ایک کو اس کے ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔ البتہ اگر (چار دن کا وعدہ کرنے کے باوجود) تین ہی روز کے اندر قیمت ادا کردی گئی تو بیع درست ہو جائے گی ۔ اور فروخت کنندہ کو بھی خریدار کی طرح نقدی کے بارے میں اختیار رہے گا چنانچہ اگر کوئی مال فروخت کیا اور اس کی قیمت اس شرط کے ساتھ لے لی کہ تین دن کے اندر قیمت واپس کردی جائے تو بیع منسوخ ہو جائے گی ، یہ شرط صحیح ہوگی ۔ لیکن چار دن کی میعاد رکھی تو شرط درست نہ ہوگی ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مال کے اعتبار سے خیار شرط کی میعاد کے چار اقسام ہیں :

اول وہ اختیار جو غیر منقولہ اشیا، مثلاً اراضی اور اسی جیسی دوسری چیزیں مکان یا درخت وغیرہ کے سودے میں ہو ۔ ایسے سودوں میں خیار شرط چھ دن سے تیس دن تک یا بقول اکثر اڑتیس دن تک کے لیے ہو سکتا ہے ؛ اس سے زیادہ مدت رکھی جائے تو معاملہ بیع فاسد ہو جائے گا ۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ خیار شرط مال کی حالت کے بارے میں ہو یا اس کی قیمت کے بارے میں سوچ بچار کے لیے ہو ۔ عام مسالک کی رائے اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ خیار شرط قیمت کے بارے میں ہو تو اس کی میعاد تین دن ہے ۔

خیار شرط کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق سامان تجارت ، مثلاً کپڑے وغیرہ کے سودے سے ہو ۔ ایسے سودوں میں تین دن سے پانچ دن تک کے لیے خیار ←

← شرط ہو سکتا ہے - اس سے زیادہ عرصہ کے لیے شرط رکھی جائے تو بیع فاسد ہوگی -

تیسری قسم میں وہ سودے ہیں جن کا تعلق مویشی اور جانوروں سے ہو - اگر وہ جانور ایسے ہیں جو سواری وغیرہ کے کام میں نہیں آتے ، مثلاً گائے ، بھیڑ بکری یا پرندے ، ایسے سودوں میں مال تجارت کے سودے کی طرح تین دن سے پانچ دن تک کے لیے خیار شرط ہو سکتا ہے - لیکن ایسے جانور جو سواری کے کام میں آتے ہیں ان جانوروں کی خوبصورتی ، تیز رفتاری یا فربہی کی دیکھ بھال ، نیز ان کی سواری وغیرہ کو جانچنے کے لیے شرط خیار کی میعاد تین دن سے پانچ دن تک ہو سکتی ہے - اگر صرف سواری کی آزمائش کے لیے ہو تو بستی کے اندر دو دن سے زیادہ میعاد خیار شرط کی نہیں ہوسکتی اور بستی سے باہر کی صورت میں دو بریدوں (ہرکاروں) کی مسافت (یا ۲۴ میل) تک کی سواری کے لیے شرط خیار ہو سکتی ہے ، اس سے زیادہ کے لیے نہیں - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جانوروں کے باب میں خیار شرط محض تین دن یا تین دن کے قریب ترین عرصہ کے لیے ہوسکتا ہے ، خواہ سواری کی آزمائش مقصود ہو یا کچھ اور -

یاد رہے کہ دن یا برید (کی مسافت) کی تعیین صرف سواری کے جانوروں کے لیے ہے -

چوتھی قسم غلاموں کے سودے کے متعلق ہے - اس میں خیار شرط کی میعاد آٹھ دن سے دس دن تک ہے - اور جس طرح متذکرہ بالا صورتوں میں مدت مقررہ سے زیادہ میعاد (اختیار) متعین کرنے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اس صورت میں بھی فاسد ہو جاتی ہے جب کہ بلا تعین مدت مقرر کی جائے ، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں یہ چیز آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ بارش ہونے تک مجھے خیار شرط حاصل ہوگا یا یہ کہ زید کے سفر سے واپس آ جانے تک اختیار ہوگا اور یہ معلوم نہیں کہ زید کب آئے گا -

جاننا چاہیے کہ شرط خیار بیع کی پورے طور پر تکمیل ہو جانے کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور انعقاد بیع کی تکمیل سے پہلے بھی ہو سکتی ہے - لہٰذا اگر کسی نے کوئی مال ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور بیع کی تکمیل کے بعد ←

← فروخت کنندہ نے خریدار کو اس سودے (کے رد و قبول) کا اختیار دے دیا ، یا خریدار نے فروخت کنندہ کو اختیار دیا ، مثلاً یوں کہا کہ یہ سودا جو ہوا ہے اس کو قائم رکھنے یا رد کردینے کا آپ کو اختیار ہے تو ایسا کرنا درست ہوگا ؛ لیکن اب یہ سودا از سر نو اور جدید متصور ہوگا ۔ گویا فروخت کنندہ نے خریدار سے کہا کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آپ کو اس کے بارے میں (رکھنے یا واپس کرنے کا) اختیار ہوگا ۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ فروخت کنندہ اختیار دے ، یا جیسے خریدار فروخت کنندہ سے کہے کہ یہ مال میرے ہاتھ فروخت کردیجیے اس شرط پر کہ آپ کو اختیار (واپسی کا) رہے گا ۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ خریدار کی طرف سے کو (بائع) اختیار دیا جائے ۔

جو معاملہ قطعی طور پر مکمل ہوچکا ہو اس میں بیع بالخیار کے صحیح ہونے کی بقول معتمد یہ شرط ہے کہ خریدار نے فروخت کنندہ کو قیمت ادا کردی ہو ۔ اگر قیمت ادا نہیں کی گئی تو بیع بالخیار درست نہ ہوگی ، کیونکہ اس صورت میں قیمت مال خریدار کے ذمہ قرض واجب الادا ہوگی اور اس کے مقابلہ میں مال بشرط خیار اس کے پاس رہے گا جو فسخ معاملہ کی صورت میں قابل واپسی ہے؛ اندریں حال فروخت کنندہ گویا اس شے کو منسوخ کرے گا جو اس پر ایسی شے کے مقابلہ میں واجب ہوئی جو ہنوز مؤخر ہے اور ثابت نہیں ہوئی ۔ یہ امر جائز نہیں ہے ۔

یاد رہے کہ عقد بیع کی تکمیل کے بعد جو شرط خیار ہوگی اس میں فروخت شدہ شے کا ذمہ دار خریدار ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں خیار شرط کرنا از سر نو معاملۂ بیع ہوتا ہے، جیسا کہ بتایا گیا ۔ لہٰذا مال کی جو حالت بھی ہو خریدار اس کا جواب دہ ہوگا ، خواہ مشتری نے بائع کو اختیار دیا ہو یا بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہو ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اختیار کی میعاد تین دن یا کم ہے اور یہ مدت شرط خیار کے ساتھ ہی (شروع) ہوتی ہے اور مسلسل رہتی ہے ۔ اگر غیر متعینہ عرصہ کی شرط رکھی گئی ، مثلاً یوں کہا کہ مجھے دنوں تک یا دائمی طور پر اختیار (رد و قبول) حاصل ہوگا تو معاملہ باطل ہو جائے گا ۔ اسی طرح اگر شرط خیار کا ←

ء۔ عرصہ انعقاد معاملہ کے متصل نہ رکھا گیا مثلاً یوں کہا کہ میں جو (سودا) اس وقت کر رہا ہوں اس کی بابت مجھے کل سے اختیار (رد و قبول) حاصل ہوگا تو یہ معاملہ باطل ہو جائے گا ۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ معاملہ کسی خاص دن مثلاً جمعرات کو منعقد ہوا اور شرط یہ رکھی کہ ہفتہ سے دو دن تک مجھے (پسند کا) اختیار ہوگا تب بھی معاملہ باطل ہو جائے گا ۔

یاد رہے کہ (شرط خیار کی میعاد) تین دنوں میں راتیں شامل نہیں ہیں ، لہٰذا اگر کہا کہ مجھے تین دن تک اختیار ہوگا تو یہ میعاد تیسرا دن ختم ہوتے ہی پوری ہو جائے گی اور رات اس میں شامل نہ ہوگی ۔ ہاں پہلے اور دوسرے دن کی دو راتوں کو ضرورتاً دنوں کی گنتی میں شامل کر لیا جائے گا ، کیونکہ جب تک پہلے دن کی رات نہ گزر جائے دوسرا دن نہیں آتا ، لہٰذا اگر تیسری رات کو بھی خیار شرط کی مدت میں شامل ہونے کی شرط کی گئی تو عقلاً مباح ہوگی ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مدت خیار کے تعین میں صرف یہ شرط ہے کہ وہ متعین ہو ، میعاد کی کوئی حد متعین نہیں ہے ۔ پس فریقین کو حق ہے کہ وہ ایک مہینہ یا سال بھر کی یا اس کے علاوہ کوئی بھی مدت مقرر کرلیں ۔ اس بارے میں جو امر درست نہیں ہے وہ یہ ہے کہ غیر متعین میعاد رکھی جائے مثلاً یوں کہنا کہ میں نے یہ چیز آپ کے ہاتھ فروخت کی ، اب آپ کو یا فلاں شخص کو اختیار ہے کہ جب تک جی چاہے یا جب بارش ہو جائے یا آندھی آ جائے اس وقت تک اس چیز کے خرید لینے یا واپس کردینے کا فیصلہ کر لیں ۔ یا فریقین میں سے کوئی یوں کہے کہ (اس معاملہ میں) مجھے اختیار ہوگا لیکن اس کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں بتائی ، یا فریقین نے یہ شرط رکھی کہ کھیتی وغیرہ کٹنے تک اختیار ہوگا ۔ یہ شرط ایسی صورت میں لغو متصور ہوگی ۔ تاہم شرط خیار کے فاسد ہونے کے ساتھ معاملہ (بجائے خود) درست ہوگا ۔ اگر خیار شرط کی میعاد کو غیرمسلسل رکھا گیا ، مثلاً دس دن کی میعاد اس طرح رکھی کہ ایک دن اختیار ہوگا اور ایک دن نہ ہوگا تو یہ اختیار صرف پہلے روز ایک دن کے لیے ہوگا ۔ (دس دن کے لیے نہ ہوگا) ۔

یاد رہے کہ خیار شرط میں مدت کا آغاز اس وقت سے ہوگا جس وقت معاملہ کیا گیا ۔ اگر فریقین نے یہ شرط کی کہ اختیار اس وقت سے ہوگا جب فریقین ایک ←

کیا دوران خیار فروخت شدہ مال پر بائع کا قبضہ بحال نہیں رہتا ؟

بعض ائمہ کے نزدیک فروخت شدہ مال پر ، بدوران مدت خیار بائع کا قبضہ بحال رہتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں رہتا ۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو ۔[1]

←دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ شرط درست نہ ہوگی ، کیونکہ اس صورت میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کب ایک دوسرے سے جدا ہوں گے ، لہٰذا مدت اختیار غیر متعین رہی ۔

---

۱ ۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ خیار کی دو صورتوں یعنی خیار شرط اور خیار مجلس میں مال کا قبضہ بائع سے مشتری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور بائع مالک نہیں رہتا ، خواہ خیار شرط فریقین کی طرف سے ہو یا کسی ایک فریق (بائع یا مشتری) کی طرف سے ۔ اگر ان دونوں قسم کے اختیارات کی مدت میں مال تلف ہو جائے یا اس کی قیمت کسی عیب کی وجہ سے گھٹ جائے تو اب دیکھنا چاہیے کہ اس مال کی فروخت پیمانے سے، یا وزن سے، یا گنتی سے، یا گزوں سے ہوتی ہے یا نہیں ؟ اگر اول الذکر طریقہ سے ہوتی ہے تو اس کا تاوان خریدار کے ذمہ ہوگا ، بشرطیکہ مال پر قبضہ حاصل ہو گیا ہو یا اسے ہاتھ لگایا ہو ، کیونکہ اب وہ اس کا مالک ہے اور اس کے ہاتھ لگ چکا ہے تو وہ اس کا ذمہ دار ہے ۔ لیکن اگر ہنوز وہ مال خریدار کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کی ذمہ داری فروخت کنندہ پر ہوگی ۔ اگر اس مال کی فروخت مذکورہ بالا طریقوں سے نہیں ہوتی تو ایسے مال کا تاوان ان دونوں صورتوں میں خریدار کے ذمہ ہوگا ۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو فی الواقع اسنے لے لیا ہو یا اس پر قبضہ کر لیا ہو ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس مال کو لیا تو نہیں ، لیکن فروخت کنندہ نے اسے لینے یا پکڑنے سے منع نہ کیا ۔ لیکن اگر اس نے وہ مال لینا چاہا اور فروخت کنندہ نے اس کو روک دیا تو اب بائع ہی اس کا ذمہ دار ہوگا ۔ اگر فروخت شدہ مال خریدار کے ہاتھ میں ہو اور ضایع ہو جائے تو خیار شرط ختم ہو جائے گا اور قیمت اس کے ذمہ آ پڑے گی ۔ ←

→ واضح ہو کہ جب مال کی ملکیت مشتری کی جانب منتقل ہو جائے تو مالکانہ حیثیت سے کچھ اور باتیں بھی عاید ہو جاتی ہیں ، مثلاً خریدے ہوئے جانور کے چارہ وغیرہ کی ذمہ داری مالک پر عاید ہو جائے گی -

اگر کسی نے قسم کھائی کہ خرید یا فروخت نہیں کرے گا اور خیار شرط پر خرید یا فروخت کی تو قسم ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ خرید و فروخت کی کیفیت اس طرح کے سودے میں پائی جاتی ہے -

جس طرح خریدار فروخت شدہ شے کا مالک ہو جاتا ہے ، اسی طرح قیمت مال کی ملکیت بھی فروخت کنندہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے -

دعوئ شفع کرنے والے کو مدت خیار کے دوران بدوران شفعہ اُس مال کے لینے کا حق نہیں ہے ، اگرچہ اُس کی ملکیت مشتری کو منتقل کی جا چکی ہو ، کیونکہ شرط خیار اس امر سے مانع ہے کہ مشتری اپنے اختیار سے اُس میں تصرت کر سکے - غرض شرط خیار کی موجودگی میں ملکیت ناقص ہوتی ہے - اب اگر کسی نے شرط خیار پر کوئی مکان خریدا تو شفیع کو دعوئ شفع کے ذریعہ اُس مکان پر قبضہ کا حق اُس وقت تک نہیں ہے جب تک کہ میعاد خیار نہ گزر جائے -

اب رہا یہ سوال کہ جو چیز فروخت شدہ شے سے (بدوران مدت خیار) حاصل ہو اُس کا کیا حکم ہے ؟ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ حاصل شدہ شے یا تو اُس سے علیحدہ ہونے والی شے ہے یا اُس کے ساتھ رہنے والی شے ہے - اگر حاصل شدہ چیز اس سے علیحدہ ہو ، مثلاً پھل یا اُس کا بچہ یا دودھ تو وہ خریدار کا حق ہے اگرچہ مال فروخت کنندہ کے پاس ہو - تاہم اِگر بائع کے پاس وہ شے کسی بے احتیاطی یا کوتاہی کے بغیر ضایع ہو جائے تو خریدار پر اُس کا تاوان نہیں ہے ، سوا اس صورت کے جب کہ کسی زیادتی یا بے احتیاطی کے باعث ایسا ہوا ہو -

شافعیہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ شے بائع کی ملکیت سے اُس صورت میں نکل جاتی ہے جب کہ فریقین میں سے ایک کو اختیار حاصل ہو - اگر یہ اختیار بائع کو حاصل ہو تو مال اُس کے قبضہ سے خارج نہیں ہوتا ، اور اگر خریدار کو حاصل ہے تو مال کی ملکیت بائع کے ہاتھ سے نکل کر خریدار کو حاصل ہو جائے گی -←

← اور اگر خیار شرط فریقین کو ہو تو مال کی ملکیت کا فیصلہ ملتوی رہے گا ۔ بیع کی تکمیل ہوگئی تو ظاہر ہے کہ خریدار ہی اُس مال کا مالک ، انعقاد بیع کے وقت ہی سے متصور ہوگا ۔ اگر معاملہ فسخ ہو گیا تو سمجھا جائے گا کہ فروخت کنندہ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا ۔ اس میں خیار شرط ہو یا خیار مجلس دونوں کے حکم میں فرق نہیں ہے ۔

اب سمجھنا چاہیے کہ مال سے جو فوائد (بدوران خیار) حاصل ہوں اگر وہ اُس سے علیحدہ ہو جیسے دودھ ، یا اُس (کے وجود) سے وابستہ ہو ، جیسے حمل جو مدت خیار کے دوران ہوا ہو ، وہ بائع اور مشتری میں سے اُس کا حق ہے جسے اختیار حاصل ہے ۔ اگر اختیار دو طرفہ ہے تو مال کی ملکیت کا فیصلہ اُس وقت تک التوا میں رہے گا جب تک وہ مال کسی کی ملکیت قرار نہ دے دیا جائے اور وہ حمل جو خیار شرط طے ہونے سے پہلے کا ہے وہ اُس کی ماں کے ساتھ فروخت ہوا ہے اور اُس کا وہی حکم ہے جو اُس کی ماں کا ۔ حمل کے علاوہ بھی کوئی اور فائدہ جو مال کے ساتھ وابستہ ہے وہ مال کے رکھ لینے یا واپس کرنے کے بارے میں اصل مال کے تابع ہوگا ۔

اگر فروخت شدہ مال کسی آسمانی آفت سے بدوران مدت خیار ضائع ہو جائے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ قبضہ لینے سے پہلے ضائع ہوا یا بعد میں ؟ اگر قبضہ لینے سے پہلے ہی تلف ہو گیا تو بہرحال بیع فسخ ہو جائے گی ، خواہ اختیار فریقین کو حاصل رہا ہو یا کسی ایک فریق کو ۔ اگر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ضائع ہوا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اختیار بائع کو حاصل تھا یا خریدار کو یا دونوں کو ۔ اگر بائع کو اختیار تھا تب بھی بیع فسخ ہو جائے گی اور خریدار واپسی قیمت کا مطالبہ کرے گا اور فروخت کنندہ اُسے قیمت واپس کر دے گا ۔ اگر مالیت قیمت سے زیادہ ہوئی تو وہ رقم تفاوت اُس سے وصول کرلے گا ۔ اگر اختیار خریدار یا فریقین کو تھا تو وہ اختیار قائم رہے گا (اور فیصلہ التوا میں رہے گا)؛ مشتری نے قیمت بائع کے حوالہ کر دی تو بیع کی تکمیل ہوگئی ، اگر حوالہ نہ کی تو قیمت ادا کرنا لازم ہوگا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شرط خیار یا تو بائع کے حق میں ہوگی یا مشتری کے حق میں یا ہر دو کے حق میں : ←

→ پہلی صورت میں یعنی جب کہ خیار بائع کو حاصل ہو تو فروخت شدہ مال بائع کی ملکیت سے بالاتفاق خارج نہیں ہوتا ، لیکن قیمت بالا تفاق خریدار کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے - رہا یہ سوال کہ (اس کی ملکیت سے نکل کر) آیا فروخت کنندہ کو حاصل ہوتی ہے یا نہیں ؟ اس بارے میں اختلاف ہے - پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ خریدار نے مال پر قبضہ کر لیا ہے یا ہنوز فروخت کنندہ کے پاس ہی ہے - اگر اُس نے مال لے لیا اور اُس کے پاس ضائع ہوا تو فروخت کنندہ کو اُس کی قیمت ادا کرنا لازم ہو گا اور مال کی وہ قیمت قرار پائے گی جو قبضہ والے دن تھی نہ کہ وہ جو تلف ہونے کے وقت تھی - ایسی صورت میں خریدار پر لازم ہے کہ مال فروخت کنندہ کے سپرد کر دے ، خواہ اُس کی مالیت پہلے سے زیادہ ہو یا کم ہو گئی ہو - اس سے فرق نہیں پڑتا کہ مال معاملہ بیع کو قائم رکھتے ہوئے تلف ہوا یا اُس کے فسخ ہو جانے کے بعد تلف ہوا - اب اگر بائع نے بدوران خیار بیع کو فسخ کیا اور مال خریدار کے پاس سے ضائع ہوا تو خریدار اُس کی قیمت (مالیت) جو بھی ہو اُس کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا - لیکن اگر مدت خیار ختم ہو گئی اور ہنوز بیع کو فسخ نہیں کیا تھا کہ وہ مال ضائع ہو گیا تو اُس کے دام (جو لگائے گئے تھے) کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گیا ؛ اُس کی مالیت کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا ، کیونکہ انقضائے میعاد کے بعد اختیار (فسخ) ختم ہوگیا اور بیع قائم رہی -

اگر مال (فروخت شدہ) ہنوز بائع کے پاس ہے اور مال میں کوئی عیب پیدا ہوگیا اور اُس کی قیمت کم ہوگئی تو اس سے شرط اختیار نہیں ٹوٹتی ، کیونکہ یہ عیب اُس نے خود دانستہ پیدا نہیں کیا ، لہذا وہ اُس کا ذمہ دار نہ ہوگا - البتہ خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اُس کے دام دے کر اُسے لے لے اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے - لیکن اگر وہ خرابی خود بائع کے کسی عمل سے پیدا ہوئی تو وہ اُس کا ذمہ دار ہوگا اور خریدار بقدر نقصان اُس کی قیمت میں سے لے سکتا ہے -

اگر خیار شرط بائع کے حق میں تھی اور مال اُسی کے ہاتھوں تلف ہوا تو بیع منسوخ ہو جائے گی اور بائع یا مشتری کسی کے ذمے کچھ عاید نہ ہوگا - ←

← دوسری صورت میں ، یعنی جب کہ اختیار خریدار کو یا کسی اور غیر متعلقہ شخص کو حاصل ہو تو اُس کی قیمت خریدار کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی ؛ لیکن مال فروخت کنندہ کی ملکیت سے بالاتفاق خارج ہو جائے گا - لیکن فروخت کنندہ کی ملکیت سے نکلنے کے بعد وہ خریدار کی ملکیت میں آ جائے گا یا نہیں ؟ اس بارے میں اختلاف ہے - امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ وہ خریدار کی ملکیت میں نہیں آئے گا ، کیونکہ اگر وہ اس کی ملکیت میں آ جائے اور قیمت کا مالک اُسے پہلے ہی سے قرار دیا گیا تو اس طرح اشیاء مبادلہ دونوں ہی فریقین معاملہ میں سے ایک کے قبضہ میں چلی جائیں گی ، حالانکہ اُمور معاوضہ (مبادلہ) میں ایسی صورت حال کی ازروئے شریعت کوئی گنجایش نہیں ہے - ایسے معاملات اس امر کے متقاضی ہیں کہ فریقین معاملہ کو تبادلۂ مال و قیمت میں مساوی حیثیت پر رکھیں- لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ ایسی صورت ہو تو مال پر خریدار کی ملکیت مانی جائے گی ، کیونکہ اگر اُس کو مالک نہ مانا گیا تو وہ مال 'سائبہ' (آزاد چھوڑی ہوئی اونٹنی) کی مانند ہو جائے گا جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ مال سائبہ کی مانند کیسے ہوگا جبکہ اُس پر فروخت کنندہ کی ملکیت بحال رہے گی - علاوہ اس کے اگر وہ خریدار کی ملکیت میں نہ جائے تب بھی ملکیت کے بعض حقوق باقی رہتے ہیں ، چنانچہ اُس مال پر جو خرچ کیا جائے وہ بالاتفاق خریدار ہی پر واجب ہوتا ہے -

اگر مدت خیار کے دوران خریدار فروخت شدہ مال کو کام میں لائے (یا تصرف کرے) تو یہ تصرف جائز ہوگا اور اُس کے اس تصرف کو بیع کی اجازت مانا جائے گا - اور (وہ ایسا کر سکتا ہے) خواہ وہ مال خریدار کی ملکیت میں آ گیا ہو یا نہ آیا ہو -

اگر مشتری نے مال کا قبضہ لے لیا ہو اور اُس کے پاس وہ تلف ہوا درآنحالیکہ اختیار رد و قبول بائع کو حاصل تھا تو خریدار اُس کی قیمت (یعنی مالیت) کا ذمہ دار ہوگا ؛ ثمن (طے شدہ دام) کا ذمہ دار نہ ہوگا ؛ برعکس اُس صورت کے جب کہ اختیار بائع کو رہا ہو (اور مال تلف ہو گیا ہو) تو ثمن (دام) کا ذمہ دار ہوگا ، قیمت (مالیت) کا نہ ہوگا ؛ کیونکہ جس مال کا سودا ہوا تھا وہ خریدار کے پاس تلف ہوا دراں حال کہ بائع کو ہنوز اختیار رد و قبول حاصل ←

← تھا ، لہذا خریدار ہی اُس کی مالیت بھرے گا ، جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا - ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ مال جب خریدار کے پاس ضائع ہوا تو ضرور ہے کہ ضائع ہونے سے پہلے اُس میں کوئی خرابی مرض وغیرہ لاحق ہوا اور اُس خرابی کی وجہ سے خریدار نے مال کو واپس نہ کیا (کیونکہ بائع ٹھیک حالت میں مال حوالہ کرنے کے بعد ناقص حالت میں کیوں واپس لیتا ؟) پس مال خریدار ہی کے پاس رہا اور (مدت خیار گزر جانے کے باعث) بیع نافذ ہو گئی اور اُس کی قیمت خریدار پر ڈالی جا چکی تھی تب وہ تلف ہوا (تو قیمت ادا کرنی ہوگی) - بخلاف اس کے جب کہ اختیار (رد و قبول) بائع کو تھا (اور مال خریدار کے پاس ہلاک ہوا) اور ہلاک ہونے سے پہلے جو خرابی بالعموم پیدا ہوتی ہے وہ واپسی مال کا مطالبہ کرنے سے مانع نہ تھی (یعنی بائع چاہتا تو بدوران خیار اُسے واپس طلب کر سکتا تھا) بیع (اُس مال کے ہلاک ہونے سے) باطل ہوگئی اور دام ہنوز مقرر نہ ہونے پائے تھے ، لہذا اُس مال کی مالیت (قیمت) واجب الادا ہوگی -

واضح ہو کہ ثمن (دام) اور قیمت (مالیت) میں فرق یہ ہے کہ ثمن تو وہ دام ہے جس پر فریقین نے سودا چکایا ہو ، خواہ اُس مال کی مالیت زیادہ ہو یا کم - اور قیمت کہتے ہیں مالیت کو جو کسی شے کی بغیر کمی یا بیشی کی گنجایش کے لگائی جائے -

اسی طرح اگر مال میں کوئی نقص لاحق ہوا اور وہ نقص ایسا تھا جس کا ازالہ ممکن ہو جیسے مرض وغیرہ اور وہ نقص بدوران مدت خیار جاتا رہا تو اختیار بحال اور معاملہ باقی رہے گا - اگر وہ نقص ناقابل ازالہ ہو اور مال خریدار کے پاس ہے اور اُسے اختیار حاصل تھا تو اُس کی ثمن واجب الادا ہوگی ، قیمت واجب نہ ہوگی ؛ بخلاف اس صورت کے جب کہ حق (خیار) بائع کو حاصل ہو تو اُس کی قیمت (مالیت) واجب الادا ہوگی ، ثمن (مقررہ قیمت) واجب نہ ہوگی ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا - اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نقص کسی آسمانی آفت سے لاحق ہوا یا خریدار کی کسی کارروائی سے یا کسی اور شخص کی حرکت سے -

اس صورت میں جب کہ مشتری کو خیار شرط حاصل ہو اور بائع اُس میں نقص پیدا کرنے کا باعث ہوا ہو ، اختلاف ہے - امام محمدؒ کہتے ہیں کہ مشتری کا ←

← اختیار بدستور باقی رہے گا ، وہ چاہے تو فروخت کو جائز رکھے اور جو خرابی ہوئی ہے اُس کا معاوضہ لے لے، یا چاہے تو (مال) واپس کر دے ۔ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ فروخت لازم رہے گی اور خریدار اُس کی قیمت فروخت کنندہ کو واپس کر دے گا درآنحالیکہ وہ مال ایسا ہو جس کا سودا بذریعہ قیمت ہوتا ہے ، مثلاً مویشی یا سامان یا زمین وغیرہ ۔ اگر وہ مال مثلی ہو (جس کا سودا اُس جیسی شے سے ہوسکتا ہو) جیسے چاندی (یا چاندی کی کوئی چیز) اور اُس مال میں بائع یا مشتری کسی نے کوئی خرابی پیدا کر دی تو اُس خرابی کا معاوضہ لینا (فریق ثانی کو) حلال نہیں ہے ، کیونکہ وہ ربا (سود) ہو جائے گا ، مثلاً کوئی چاندی کا کنگن فروخت کیا گیا اور خریدار نے جسے خیار حاصل تھا اُس کنگن کو لے لیا اور بعد میں فروخت کنندہ کے ہاتھوں وہ ٹوٹ گیا تو اب خریدار کے لیے حلال نہیں ہے کہ اُس نقص کا معاوضہ نقدی کی شکل میں وصول کرے ۔ ہاں اُسے یہ اختیار ہے کہ اُس کو معاوضۂ نقص کا مطالبہ کیے بغیر رکھ لے یا پھر اُسے واپس کرکے اُس جیسا دوسرا کنگن طلب کرے یا اپنی قیمت واپس لے لے ۔

تیسری صورت میں یعنی جب کہ اختیار فریقین کو حاصل ہو یہ قاعدہ ہے کہ مال اور قیمت میں سے کوئی شے بالاتفاق بائع اور مشتری کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ۔ اگر ان میں سے کوئی فریق بدوران مدت خیار بیع کو منسوخ کر دے تو وہ منسوخ ہو جائے گی ۔ اگر ان میں سے کوئی فریق بیع کو بحال رکھے تو اُس کے حق میں وہ معاملہ لازم ہوگا لیکن دوسرے فریق کا اختیار باقی رہے گا ۔ اگر فریقین میں سے کسی کی طرف سے نہ تو اجازت کا اظہار ہوا اور نہ تنسیخ کا بلکہ دونوں خاموش رہے یہاں تک کہ مدت خیار گزر گئی تو معاملۂ بیع لازم ہوگیا ، اور اگر دونوں میں سے ایک نے اجازت دی اور دوسرے نے فسخ کر دیا تو معاملہ بین بین رہے گا ؛ خواہ تنسیخ پہلے ہوئی ہو یا اجازت پہلے ہوئی ہو ۔ اگر مال (فروخت شدہ) پر مشتری کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی وہ تلف ہوگیا تو بیع باطل ہو جائے گی اور اس صورت میں وہی حکم ہے جو اُس صورت میں ہے جب کہ قیمت مال فروخت کنندہ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی تلف ہو جائے اور وہ قیمت کوئی متعین شے رہی ہو ۔ نیز اُس صورت میں بھی معاملۂ بیع باطل ہو جائے گا جب کہ مال یا قیمت قبضہ حاصل ہونے کے بعد تلف ہو جائے اور جس کے قبضہ ←

→ میں جو کچھ تھا اُس کی مالیت واجب الادا ہوگی۔

یاد رہے کہ فروخت شدہ مال سے اگر بدوران خیار کچھ حاصل ہو تو وہ التوا میں پڑا رہے گا؛ جب بیع کی تکمیل ہو جائے گی تو وہ خریدار کو ملے گا؛ بیع کی تکمیل نہ ہو تو وہ فروخت کنندہ کا مال ہے۔

جن امور سے بیع منسوخ ہو جاتی ہے اور جن حالات میں نہیں ہوتی ان کی اگر تفصیل ''خیار عیب'' کے بیان میں آئے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بقول معتمد، دوران مدت خیار مال فروخت کنندہ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا، خواہ شرط خیار بائع کے حق میں ہو یا مشتری کے حق میں یا دونوں کے حق میں اور یا کسی تیسرے غیر متعلقہ شخص کے حق میں۔ جب عقد بیع کی تکمیل ہو جائے تو مال فروخت کنندہ کی ملکیت سے منتقل ہو کر خریدار کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ (شرط خیار کی صورت میں) اختیار یا تو فروخت کنندہ کو حاصل ہوگا یا خریدار کو یا دونوں کو۔ اگر فروخت کنندہ کو اختیار ہو اور مال خریدار کے قبضے میں ہو اور وہ کہے کہ وہ مال اس کے پاس تلف ہو گیا تو تین حالتوں میں وہی اس کا ذمہ دار متصور ہوگا:

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ مال ایسا ہو جسے نظر سے اوجھل رکھا جا سکے یعنی وہ ایسی شے ہے کہ اس کو صحیح سلامت چھپا کر رکھا جا سکے، جیسے کوئی لباس یا زیور کہ اسے محفوظ حالت میں چھپا کر رکھا جا سکتا ہے۔ ایسی حالت میں خریدار نے بتایا کہ وہ مال جو اس کے پاس تھا تلف ہوگیا اور اپنے قول کی صداقت میں وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو وہ مال اس کے ذمہ لازم ہوگا۔ ہاں اگر اپنے قول کی صداقت میں وہ گواہ پیش کر سکے تو اس پر تاوان نہ ہوگا، بلکہ فروخت کنندہ پر ہوگا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اس مال پر پردہ نہ ڈالا جا سکے، یعنی وہ ایسی شے ہو جس کو صحیح سلامت چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو، جیسے کوئی جانور کہ اسے چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا، سوا اس کے کہ اسے تلف کر دیا جائے یا کھا لیا جائے۔ اگر خریدار ایسے مال کے ضائع ہو جانے کا دعویٰ کرے لیکن شہادت سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو، مثلاً اس نے تو بتایا ہو کہ وہ مال فلاں روز تلف ←

→ ہوگیا اور شہادت سے یہ ثابت ہو کہ لوگوں نے اس دن کے بعد اس جانور کو دیکھا ہو یا اس امر کی شہادت مل جائے کہ خریدار نے اسے کھا لیا ہے یا ضائع کر دیا ہے تو ایسی صورت میں خریدار تاوان دے گا ، فروخت کنندہ پر تاوان نہ ہوگا ۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ مال تو ایسا نہ ہو جسے چھپایا جا سکتا ، لیکن خریدار کا کہنا یہ ہے کہ لینے کے بعد وہ مال تلف ہوگیا ہے ، اور اس کے لیے ایسی کوئی شہادت نہیں ہے جو اس بات کی تصدیق کرتی یا تکذیب کرتی تو بائع کے حق میں اس سے حلف لیا جائے گا ، خواہ وہ جھوٹ بولنے میں مشہور ہو یا ایسا نہ ہو ۔ اگر وہ جھوٹا مشہور ہے تو بایں طور قسم کھانا ہوگی کہ مال ضائع ہو گیا اور اسے خود اس نے ضائع نہیں کیا ۔ اگر وہ جھوٹا مشہور نہیں ہے تو اسے یہ قسم کھانا ہوگی کہ مال اس نے خود ضائع نہیں کیا ۔ اب اگر وہ اس طرح حلف اٹھانے سے انکار کرے تو اس پر تاوان عاید ہوگا ۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ خریدار پر (مذکورہ بالا) تین حالتوں میں تاوان عاید ہوگا اور فروخت کنندہ پر دو صورتوں میں :

پہلی صورت ، جب کہ مال ایسا ہو جسے چھپا کر رکھا جاسکے اور خریدار اس کے ضائع ہونے کی شہادت مہیا کردے تو اس کا تاوان فروخت کنندہ کے ذمہ ہوگا ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال ایسا نہ ہو جسے چھپایا جا سکے اور خریدار کے جھوٹ بولنے کی کوئی شہادت نہ ہو اور اس نے حلف اٹھا لیا ہو کہ (واقعی مال ضائع ہوگیا) تو اس کا تاوان فروخت کنندہ پر ہوگا ۔

واضح ہو کہ تاوان کی مقدار ، ثمن اور قیمت میں سے وہ ہوگی جو زیادہ ہو۔ اگر طے شدہ قیمت (یا دام) مالیت سے زیادہ ہو تو تاوان میں قیمت دینا ہوگی اور اگر مالیت زیادہ ہو تو مالیت ہی واجب الادا ہوگی ۔ البتہ پہلی صورت جس میں خریدار نے ایسے مال کے تلف ہو جانے کا دعویٰ کیا ہو جسے چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا اور اپنی صداقت کے ثبوت میں گواہ پیش کر دیا ہو اور یا حلف اٹھا لیا ہو کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا تو ایسی صورت میں اس مال کی صرف ←

کیا فروخت کنندہ مدت خیار کے دوران قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

اگر کسی شخص نے کوئی مال اس شرط پر فروخت کیا کہ اسے یا خریدار کو ایک معینہ مدت کے اندر اس مال کو لینے یا واپس کر دینے کا اختیار ہوگا، تو کیا فروخت کنندہ کو یہ حق ہے کہ خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرے اور کیا خریدار یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ فروخت شدہ مال پر قبضہ حاصل کرے؟ اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

← مالیت تاوان میں ادا کرے درآنحالیکہ اس کی مالیت اس کی طے شدہ قیمت سے کم ہو، کیونکہ اگر اس کی مالیت اس کے دام سے زیادہ ہوئی یا برابر ہوئی تو قسم بیکار ہوگی اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

اگر خیار شرط مشتری کو حاصل تھا اور اس نے مال کے ضایع ہو جانے کا دعویٰ کیا تو جس قیمت پر سودا ہوا ہے بہرحال اسے وہ دام ادا کرنا ہوگا، خواہ وہ مالیت سے زیادہ ہو یا کم ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اس نے قسم کھا لی کہ اس کا ارادہ خریدنے کا نہ تھا تو اسے صرف قیمت دینا ہوگی، بشرطیکہ مالیت سے قیمت کم ہو۔

اگر اختیار فریقین کو حاصل تھا تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس صورت کا ہے جس میں فروخت کنندہ کو اختیار حاصل ہو، کیونکہ اسی خیال کو فوقیت حاصل ہے، بدیں جہت کہ مالک وہی تھا۔ اگر خریدار نے اس مال پر قبضہ نہ کیا ہو اور بائع کہے کہ وہ مال تلف ہوگیا تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کی قیمت جو لے رکھی ہے واپس کردے اور نہیں لی تو کچھ لازم نہیں ہے۔

فروخت شدہ شے سے حاصل ہونے والی اشیاء اگر ایسی ہیں جو اس سے علیحدہ ہوا جاتی ہیں، مثلاً غلہ یا انڈے یا دودھ تو وہ بائع کا حق ہیں، لیکن اگر وہ اشیاء اس مال کے ساتھ وابستہ ہیں تو وہ خریدار کا حق ہیں، کیونکہ وہ مال کا جزو لاینفک ہیں۔

---

[1] مالکیہ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ بدوران ←

→ مدت خیار خریدار سے قیمت کا مطالبہ کرے۔ اگر فروخت کنندہ نے خریدار پر یہ شرط عاید کر رکھی تھی کہ وہ مال کی قیمت نقد ادا کردے گا، مثلاً یوں کہا تھا کہ میں آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیع خیار کرتا ہوں کہ اس کی قیمت آپ نقد ادا کردیں گے تو یہ بیع فاسد ہو جائے گی، اگرچہ خریدار نے فوری طور پر قیمت نہ ادا کی ہو، کیونکہ نقد ادائیگی کی شرط فی الواقع نقد ادائیگی ہی کے برابر ہوتی ہے، اس لیے کہ شرط پوری ہو جائے تو مشروط کا وجود مسلم ہوجاتا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ فریقین اس امر (ادائیگی نقد) پر انعقاد بیع 'بالخیار' سے پہلے متفق ہو جائیں، گو انعقاد کے وقت ذکر نہ آیا ہو، کیونکہ وہ رقم نقد ہو یا ادھار اس وقت تک متعین نہیں ہوتی اس واسطے کہ بحالت تنسیخ اسے خریدار کو واپس کرنا ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت ادائے قرض کی سی ہوتی ہے اور چونکہ وہ مال کے مساوی لی گئی تھی اس لیے وہ شرط (جو بہرحال کسی نہ کسی نفع ذاتی کی غرض سے ہوئی ہے) ربا ہوگی جو ناجائز ہے، البتہ اگر فروخت کنندہ نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی (کہ نقد قیمت پر فروخت کروں گا) اور اس بارے میں انعقاد بیع سے پہلے خریدار کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں ہوئی، بلکہ بعد انعقاد معاملہ خریدار نے اپنی خوشی سے مال کی قیمت دے دی تو جائز ہے۔ اس صورت میں کوئی امر قابل اعتراض نہیں رہتا۔ اسی طرح کی مثال یہ بھی ہے کہ بائع نے کوئی مال اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار پہلے اتنا قرض دے دے تو یہ شرط بھی بیع کو فاسد کر دے گی۔

واضح ہو کہ اگر فروخت کنندہ نے ادائیگی قیمت نقد کی شرط پر 'بیع بالخیار' کیا اور پھر اس نے ادائیگی نقد کی شرط کو نظر انداز کر کے یوں کہا کہ میں اب اس شرط سے دست بردار ہوتا ہوں، تاکہ بیع کی تکمیل ہوجائے تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ یہ شرط اس معاملہ کی حقیقت اور ماہیت میں داخل تھی، چونکہ یہ شرط سرے سے فاسد تھی اس لیے عقد بیع بھی فاسد ہوگی۔ بخلاف اس کے جب کہ قرض کی شرط پر معاملہ کیا اور پھر اس شرط کو چھوڑ دیا اور قرض نہ لیا تو بیع درست ہو جائے گی، کیونکہ (اس صورت میں) قرض اس بیع کی ماہیت سے خارج رہا (یعنی قرض کو معاملۂ بیع میں شامل نہیں کیا گیا)۔

اب رہا بدوران خیار فروخت شدہ مال پر خریدار کے قبضہ کا مطالبہ سو اس ←

→ کی تفصیل یہ ہے کہ خیار شرط تین امور میں ہوتا ہے :

ایک تو یہ کہ خریدار نے ہنوز قیمت کا فیصلہ نہ کیا ہو اور شرط خیار اس لیے ہو کہ قیمت پر غور کیا جا سکے کہ آیا وہ زیادہ ہے یا مناسب ہے -

دوسرے یہ کہ قیمت تو طے شدہ ہو لیکن وہ بیع بالخیار اس لیے ہوئی ہو کہ مال کی پرکھ اور سودے پر نظرثانی کی جا سکے -

تیسرے یہ کہ پسندیدگی کی شرط اس لیے کی جائے کہ مال کو لے کر اس کا تجربہ کیا جا سکے -

اب اگر حق خیار کا مقصد قیمت پر غور کرنا ہے تو خریدار کو وہ مال حاصل کرنے کا حق نہیں ہے ، کیونکہ یہ مقصد تو اس صورت میں بھی حاصل ہے جب کہ مال فروخت کنندہ کے پاس ہو -

اگر شرط پسندیدگی ، مال کو اچھی طرح پرکھنے ، دیکھنے ، یا (تجربہ کر کے) حقیقت حال سے آگاہ ہو جانے کے لیے ہو تو ان دونوں صورتوں میں خریدار اس مال کو لے سکتا ہے ، لیکن اس بات پر بائع کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ؛ بجز اس صورت کے جب کہ خریدار نے اس بات کی شرط ہی لگا دی ہو (کہ میں مال کو اچھی طرح دیکھ کر یا اس کی بابت پوری معلومات حاصل کر کے لوں گا) -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مال بشرط خیار خرید کیا تو فروخت کنندہ کو مدت گزرنے سے پہلے اس کے دام طلب کرنے کا حق نہیں ہے - اسی طرح خریدار کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اس مدت میں مال کا مطالبہ کرے - اس بارے میں کسی ایک فریق کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کو مجبور کرے - ہاں اگر خریدار نے قیمت ادا کردی ہے تو فروخت کنندہ کو مال حوالہ کر دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے - اگر خیار کا حق فروخت کنندہ کو حاصل ہے اور اس نے مال کی قیمت وصول کر لی ہے اور مال حوالہ کرنے پر راضی نہیں ہے تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے لیکن اسے واپسی رقم قیمت پر مجبور کیا جا سکتا ہے - اگر خریدار نے مال حاصل کر لیا ہو تو (دوران مدت خیار) اس مال میں تصرف کرنا (یا اسے کام میں لانا) درست نہیں ہے - اگر ایسا کیا تو یہ تصرف صحیح نہ مانا جائے گا - اسی طرح اگر فروخت کنندہ نے قیمت لے لی ہے →

← اور وہ قیمت (نقد کی بجائے) مال کی صورت میں ہے تو اس مال پر بھی بدوران مدت خیار تصرف درست نہیں ہے ۔ اگر تصرف کیا تو وہ باطل ہو گا ۔

اگر فروخت کنندہ نے بیع 'بالخیار' کے بعد فروخت شدہ مال میں تصرف کیا یا خریدار نے قیمت مال میں بائع کو ادا کرنے سے پہلے تصرف کیا تو تصرف مانا جائے گا ، لیکن اس طرح کرنے سے معاملۂ بیع فسخ ہو جائے گا ۔ مدت خیار کے علاوہ (کسی اور وقت) فروخت شدہ مال کا قبضہ حاصل کرنے کے مسائل بموجب مسالک مختلفہ آگے بیان ہوں گے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مدت خیار کے دوران قیمت وصول کرنے کا حق تحقق ملکیت کے تابع ہے، یعنی اگر فریقین میں سے کسی کو مال فروخت شدہ کا مالک قرار دیا جائے ، مثلاً فروخت کنندہ کو حق خیار حاصل ہو تو وہ مال کا مالک متصور ہو گا، کیونکہ فروخت شدہ مال بدوران مدت خیار اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ۔ ایسی صورت میں خریدار بھی اس مال کی قیمت کا مالک قرار پائے گا ، لہٰذا فروخت کنندہ کو قیمت کے مطالبہ کا حق نہ ہو گا جس طرح خریدار کو مال کے مطالبہ کا حق نہیں ہے ۔ لیکن اگر حق خیار خریدار کو حاصل ہے تو مال کا مالک بھی وہی ہو گا اور قیمت کا مالک فروخت کنندہ ہو گا ، لہٰذا فروخت کنندہ کو اپنے دام وصول کرنے کا اور خریدار کو مال حاصل کرنے کا حق ہو گا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مال کی قیمت مقرر ہو چکی ہے تو بدوران خیار فروخت کنندہ کو اس کی قیمت وصول کرلینے کا حق ہے ، بشرطیکہ حق خیار اسے حاصل ہو ، خواہ خیار مجلس ہو یا خیار شرط ۔ لیکن اگر اس قیمت کا کوئی ضامن ہے ، خواہ وہ ضمانت نقدی کی ہو یا مال تجارت کی، فروخت کنندہ کو مطالبۂ قیمت کا حق نہ ہو گا ۔ اسی طرح خریدار فروخت شدہ مال پر بدوران مدت خیار قبضہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا ، بشرطیکہ حق خیار اسے حاصل ہو ، تا وقتیکہ فروخت کنندہ اسے اس بات کی واضح طور پر اجازت نہ دے ۔ پس اگر قیمت طے شدہ ہے اور فروخت کنندہ نے ابھی اسے وصول نہیں کیا تو خریدار کو اس میں تصرف حرام ہے ، کیونکہ اب وہ اس (قیمت) کا مالک نہیں ہے ۔ ←

چند اشیاء میں سے کسی ایک کا سودا بلا تعین کرنے کے متعلقہ مسائل

اگر کوئی شخص دو چیزوں، مثلاً دو کپڑوں میں سے کسی ایک کو بلا تعین خریدنے کے لیے دونوں کپڑوں کو لے لے، تاکہ ان میں سے کسی ایک کا حسب پسند انتخاب کر لے تو اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[۱]

← اسی طرح فروخت کنندہ پر بھی حرام ہے کہ اگر وہ قیمت وصول کر چکا ہے تو اس میں تصرف کرے، کیونکہ خریدار کا تعلق ہنوز اس قیمت کے ساتھ منقطع نہیں ہوا۔ ہاں اگر خریدار نے مال حاصل کرلیا اور اسے حق خیار حاصل تھا تو اب اس مال میں تصرف حلال ہے، لیکن اس میں تصرف کرنے سے اس کا حق خیار ختم ہو جائے گا، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے دو چیزوں، مثلاً دو کپڑوں میں سے ایک کو بغیر تعیین کے کسی سے خریدا اور دونوں کپڑے لے لیے تاکہ دونوں میں سے جون سا پسند خاطر ہو اسے رکھ لے، اس معاملہ کی تین صورتیں ہوں گی: پہلی صورت محض بیع خیار کی سی ہے جس سے مراد وہ معاملہ ہے جس میں فریقین معاملہ میں سے کسی کو سوچ بچار کا اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو مال کو رکھ لے یا پھر واپس کر دے، مثلاً فروخت کنندہ نے یہ کہہ دیا کہ میں ان دونوں کپڑوں میں سے ایک کو اتنی قیمت پر تین دن تک اختیار اور قبول کی شرط پر آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں؛ اس معاملہ کی تین شکلیں ہیں:

ایک یہ کہ لینے والا (بعد میں) بیان کرے کہ دونوں کپڑے ایک ساتھ ضائع ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ ایک کپڑا ضائع ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ مدت خیار گزر جائے اور دونوں میں سے کسی کا انتخاب نہ کیا گیا ہو۔ ان حالتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر دونوں کپڑے خریدار کے قبضہ میں تھے اور دونوں ضائع ہو گئے یا ان میں سے ایک تلف ہوا تو دونوں صورتوں میں لازم ہو گا کہ فروخت کنندہ کو اتنی قیمت ادا کرے جتنے میں وہ کپڑے خریدے گئے تھے۔ ←

← اگر مدت خیار گزر گئی اور ان میں سے کسی کا انتخاب نہ کیا گیا تو اب وہ دونوں ہی کپڑے اسے لینے پڑیں گے۔

دوسری صورت محض بیع اختیار کی سی ہے اور بیع اختیار سے مراد وہ سودا ہے جو قطعی بیع ہے اور خیار شرط نہیں ہوتا ؛ البتہ فروخت کنندہ خریدار کو دو میں سے کسی ایک شے کو انتخاب کر کے خریدنے کا حق دیتا ہے۔ مثلاً وہ کہے کہ میں ان دونوں میں سے ایک کپڑا آپ کے ہاتھ دس روپے میں قطعی طور پر فروخت کرتا ہوں۔ ان میں سے آپ کو جون سا کپڑا پسند ہو دو ایک دن میں پسند کر لیں۔ اس کی بھی پہلی صورت کی طرح تین شکلیں ہیں :

اول یہ کہ لینے والا ان دونوں کے ضائع ہونے کا دعویٰ کرے۔

دوم یہ کہ ایک کے ضائع ہونے کا دعویٰ کرے۔

سوم یہ کہ مدت خیار گزر جائے اور کسی کپڑے کو پسند نہ کیا گیا ہو۔

ان تینوں شکلوں میں خریدار اس بات کا ذمہ دار ہو گا کہ دونوں کی پوری قیمت کا نصف ادا کر دے ، بایں طور کہ دونوں کی قیمت یک جا کر کے اس کا آدھا بائع کو دے دیا جائے۔ پس اگر دونوں کپڑوں میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا جس کی قیمت دس روپے تھی اور دوسرا پانچ کا تھا تو دونوں کی مجموعی قیمت پندرہ ہوئی اس کا آدھا ساڑھے سات (واجب الادا ہو گا)۔

تیسری صورت بیع خیار و اختیار کی ہے۔ اس سے مراد وہ معاملہ ہے جس میں فروخت کنندہ خریدار کو یہ اختیار دے کہ وہ (دونوں میں سے) جس کا چاہے انتخاب کر لے اور جب انتخاب کر لے تو اس کو بھی لینے یا واپس کر دینے کا اختیار ہو گا۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ میں یہ دو کپڑے آپ کو دیتا ہوں ، ان میں سے جون سا پسند ہو ایک دینار میں آپ لے سکتے ہیں اور جب انتخاب کر لیں تو آپ کو تین دن تک اسے رکھ لینے یا واپس کر دینے کا اختیار ہو گا۔ اس معاملہ کی بھی تین شکلیں ہیں :

پہلی شکل یہ ہے کہ یہ اختیار خریدار کو حاصل ہو اور وہ (بعد میں) یہ کہے کہ دونوں کپڑے تلف ہو گئے ، لیکن تلف ہونے کا کوئی ثبوت نہ پیش ←

← کرسکے - ایسی حالت میں خریدار دونوں میں سے ایک کپڑے کے دام ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا - رہا دوسرا کپڑا سو وہ فروخت کنندہ کا ضائع ہوا -

دوسری شکل یہ ہے کہ خریدار کو حق خیار حاصل ہو اور وہ بیان کرے کہ ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور اس کا کوئی ثبوت نہ پیش کر سکا ، تو خریدار ضائع شدہ کپڑے کی آدھی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا اور اسے اختیار ہو گا کہ وہ دوسرے کپڑے کا انتخاب کر لے، درآنحالیکہ مدت خیار باقی ہو -

تیسری شکل یہ ہے کہ حق خیار خریدار کو ہو ، مدت خیار ختم ہو جائے اور دونوں میں سے ہنوز کسی کپڑے کا انتخاب نہ کیا گیا ہو (اور وہ تلف ہو جائے) تو اس کے ذمہ کچھ عاید نہ ہو گا ، جیسا کہ بتایا گیا - اگر اختیار بائع کو ہو، مثلاً دو کپڑوں میں سے کسی ایک کو بغیر تعیین کے اس شرط پر فروخت کر دے کہ اس معاملہ کو قائم رکھنے یا اس کو رد کر دینے کا اختیار باقی رہے گا - اب خریدار کہتا ہے کہ وہ دونوں کپڑے ضائع ہو گئے تو اسے لازم ہے کہ فروخت کنندہ کو ایک کپڑے کے اصل دام یا اس کی مالیت میں سے جو رقم زیادہ ہو وہ بائع کو ادا کر دے - یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ صرف ایک کپڑے کا ضائع ہونا بتایا جائے تو ایک کپڑے کی آدھی قیمت کے طور پر مالیت یا دام میں سے جو رقم زیادہ ہو وہ ادا کی جائے گی - بصورت دیگر خریدار سے حلف لیا جائے گا کہ وہ کپڑا ضائع ہو گیا اور اس میں وہ بے اختیار تھا - تو صرف دام کی ادائیگی لازم ہو گی نہ کہ مالیت کی - یہ فیصلہ اس حال میں ہوگا جبکہ خریدار (اپنے دعویٰ کا) ثبوت مہیا نہ کر سکے - اگر دونوں کپڑوں یا ایک کپڑے کے ضائع ہو جانے کا ثبوت مل جائے تو فروخت کنندہ کی طرف سے اس پر کوئی مطالبہ عاید نہ ہو گا -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی گاہک نے فروخت کنندہ سے کوئی کپڑا طلب کیا اور اُس نے تین کپڑے دے کر ہر ایک کی قیمت بتا دی کہ یہ دس روپے کا ہے ، یہ بیس کا اور یہ تیس کا ، اور کہا کہ ان میں سے جون سا آپ کو پسند ہو، میں آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں - اس پر خریدار نے اُن کپڑوں کو لے لیا اور وہ اُس کے پاس سے ضائع ہوگئے ، اس کی چار حالتیں ہوں گی : ←

→ پہلی حالت یہ کہ وہ تمام کپڑے بیک وقت ضائع ہوگئے، یا یکے بعد دیگرے ضائع ہوئے، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون سا کپڑا ضائع ہوا ۔ ان حالات میں لازم ہے کہ خریدار تینوں کپڑوں کی مجموعی قیمت کا ایک تہائی حصہ (بائع کو) ادا کرے ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ سب کپڑے ایک ساتھ ہی ضائع ہوئے یا یکے بعد دیگرے ضائع ہوئے، لیکن خریدار کو معلوم ہے کہ پہلے کون سا کپڑا ضائع ہوا ۔ ایسی حالت میں خریدار پر صرف اُس کپڑے کی مالیت کا ادا کرنا لازم ہوگا جو سب سے پہلے ضائع ہوا؛ باقی دونوں کپڑے اُس کے پاس امانت متصور ہوں گے جن کے ضائع ہونے پر کچھ لازم نہ ہوگا ۔

تیسری حالت یہ ہے کہ صرف دو کپڑے تلف ہوئے اور تیسرا باقی رہا، اس حالت میں ضائع شدہ دونوں کپڑوں کی آدھی آدھی قیمت خریدار پر لازم الادا ہوگی ۔ تیسرا کپڑا اُسے واپس دینا ہوگا کیونکہ وہ امانت تھا اور اُس کی واپسی واجب ہے ۔ اگر تیسرے کپڑے میں بھی کچھ نقص ہوگیا ہو تو خریدار پر کچھ لازم نہ ہوگا ۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ صرف ایک کپڑا ضائع ہوا اور دو کپڑے بچ رہے، اس حالت میں خریدار پر اُس کپڑے کی قیمت لازم ہوگی جو ضائع ہوا اور باقی دو کپڑوں کو واپس کرنا ہوگا ۔

واضح ہو کہ اس قسم کے مسائل کو 'مقبوض علیٰ سوم الشراء' کہتے ہیں ۔ (یعنی موازنۂ قیمت کے لیے مال اُٹھانا) ۔ اس سے مراد ہر وہ مال ہے جس کو خریدنے کے لیے اس شرط پر گاہک نے لیا ہو کہ اُس کی قیمت کی جانچ کرنے کے بعد (اُس مال کے) رکھ لینے، یا واپس کرنے کا اختیار ہوگا، اور اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا ۔ ایسا مال اگر گاہک کے پاس تلف ہو جائے تو وہ اُس کی مالیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا ۔ اور اگر اُس کے اتلاف میں اسے اختیار تھا تو اہل تحقیق کے نزدیک اُس کی مقرر شدہ قیمت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا ۔ (اس مسئلہ میں) 'مالیت' وہ قرار پائے گی جو مال پر قبضہ کرنے کے دن تھی ۔ لیکن اگر مال خریدنے کے لیے نہیں، بلکہ محض دیکھ بھال کے لیے لیا تھا، مثلاً فروخت ←

← کنندہ نے کہا کہ میں یہ (کپڑا) دس روپے میں بیچتا ہوں ، گاہک نے کہا کہ لاؤ ہمیں دے دو کہ اسے دیکھ لیں ، یا یوں کہا کہ اپنے ساتھی کو دکھا دیں ۔ اس کے بعد وہ کپڑا ضائع ہوگیا تو یہ نقصان فروخت کنندہ کا ہوا ، خریدار کے ذمہ کچھ نہیں ہے ، کیونکہ اس نے وہ مال دیکھنے کے لیے لیا تھا ، خریدنے کے لیے نہیں لیا تھا ۔ ہاں اگر یوں کہا تھا کہ اچھا لاؤ اگر مجھے پسند آیا تو خرید لوں گا ۔ اب اگر وہ مال ضائع ہو گیا تو اس کی جو مالیت ہے وہ دینا پڑے گی ، کیونکہ اس صورت میں اس نے مول خریدنے کے لیے لیا تھا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (چند اشیاء میں سے) کسی ایک کا بلا تعین سودا کرنے میں 'خیار شرط' درست نہیں ہے ۔ ہاں اگر دو کپڑوں کا ایک ساتھ سودا ہوا یا ایک اونٹنی اور ایک گدھا خریدا اور کسی ایک کے بارے میں شرط خیار رکھی تو معاملہ درست ہے ۔ لیکن اگر دونوں خرید لیے اور شرط خیار دونوں میں سے کسی ایک کے لیے (بلا تعین) رکھی تو یہ شرط درست نہ ہوگی ۔ دونوں اشیائے فروخت کی تعیین کردی جائے اور دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت کا تعین ہوجائے تو سودا درست ہوگا ۔ مثلاً یہ بیان کر دیا جائے کہ اس کپڑے کی قیمت اتنی ہے اور اس کپڑے کی اتنی؛ اگر یہ بیان نہ کیا تو قیمت سے لاعلمی کے باعث بیع فاسد ہو جائے گی ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر یوں کہا کہ میں آپ کے ہاتھ اس کپڑے کو دس روپے میں اور اس کپڑے کو بیس میں بیچتا ہوں اور اسی طرح (دوسرے مال کی قیمتیں مقرر کرکے کہا) تو گویا یہ ایک سودا نہیں بلکہ متعدد سودے ہوئے ، کیونکہ جدا جدا قیمت ہونے کے باعث سودے بھی کئی ایک ہو گئے ، ایک سودا نہ رہا؛ ان سب کی فروخت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ خریدار دونوں کپڑوں کو ایک ساتھ خرید لے ۔ اگر ایک کو قبول کیا تو فروخت صحیح نہ ہوگی ۔

یاد رہے کہ جدا جدا قیمت ہونے کی وجہ سے متعدد سودے اسی صورت میں ہوں گے جب کہ فریقین معاملہ میں سے کسی نے پہلے یہ تفصیل بتا دی ہو ، خواہ وہ بیچنے والا ہو یا خریدنے والا ، لیکن اگر ابتدا میں کسی نے اکھٹی قیمت بتائی اور قبول کرنے والے نے الگ الگ دام لگا لیے تو وہ ایک ہی سودا متصور ←

خیار عیب کا بیان

(یعنی مال میں کسی عیب کے باعث واپسی کا حق)

خریدار کو یہ اختیار ہے کہ اگر مال میں کوئی عیب ظاہر ہو تو اُس سودے کو ختم یا اُسے منسوخ کر دے، اگرچہ ایسی کوئی شرط معاملے کے وقت نہ رکھی گئی ہو۔ اس کو "خیار عیب" کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو یہ کہ وہ عیب خود فروخت کنندہ کا پیدا کر دہ ہو ؛ مثلاً دودھ میں پانی یا گھی میں روغن زیتون کی ملاوٹ کر دی گئی ہو۔

اسی طرح جانور کے تھن میں تھیلی کا باندھنا بھی ہے، تاکہ دودھ اُس کے تھن میں اکھٹا ہو جائے اور تھن بڑا دکھائی دے اور خریدار دھوکے میں آ کر اُسے خرید لے۔

دوسرے یہ کہ اُس مال میں کوئی قدرتی عیب ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو وہ عیب جو ظاہر ہو جیسے جانور کا سرکش ہونا یا لنگڑا ہونا یا ایسا ہونا جس پر اتنا سامان نہ لادا جا سکے جتنا کہ بالعموم ایسے جانوروں پر لادا جا سکتا ہے۔

دوسرا وہ عیب جو نمایاں نہ ہو جیسے اخروٹ یا بادام کے مغز کا اندر سے خراب ہونا۔ اس میں تربوز (یا خربوزے) کے گودے کا خراب ہونا بھی داخل ہے۔

ایسا عیب جس کی وجہ سے مال کو واپس کیا جا سکے

کسی مال میں ایسا عیب جس کی وجہ سے خریدار کو مال کے واپس کردینے کا حق

← ہوگا، ایک سے زیادہ متصور نہ ہوگا۔ اگر متعدد سودے ہیں تو خریدار کو حق ہے کہ ان دونوں سودوں میں سے کسی ایک میں شرط خیار رکھے اور کسی ایک کو عیب کے باعث واپس کر دے اور خیار شرط کے متذکرہ بالا احکام پر عمل کرے

حاصل ہوتا ہے وہ عیب[1] ہے جس کے باعث اس مال کی قیمت گھٹ جائے یا خریدار جس جائز مقصد سے وہ مال خرید رہا ہے اس عیب کی وجہ سے وہ مقصد فوت ہو جائے۔ ایسے عیب کی مثال جس سے مال کی قیمت گھٹ جاتی ہے ، جانور کا سرکش یا قابو سے باہر ہونا ہے۔ اسی طرح اگر جانور کٹ کھنا ہو یا دولتی چلانے والا ہو تو یہ عیب ہے جس سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی معمولی سا عیب ہو جس سے قیمت کم نہ ہوتی ہو ، جیسے ران یا پاؤں میں خراش ہو تو اس سے کوئی خرابی نہیں ہوتی ، لہٰذا اس عیب کی بنا پر مال کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ عیب جس کی بنا پر مال کو واپس کیا جاسکے اس کا اصول یہ ہے کہ اس عیب کی وجہ سے مال کے دام کم ہو جائیں ، مثلاً جانور کا سرکش ہونا یا بے قابو ہونا یا کوئی ایسا عیب جس سے مال میں نقص پیدا ہو جائے ، مثلاً جانور کا خصی ہونا درآنحالیکہ خصی ہونا عیب میں شمار کیا جاتا ہو ، یا اس میں کوئی ایسی خرابی ہو جس کے باعث خاطر خواہ کام نہ لیا جا سکے ، مثلاً یہ کہ اس کا دایاں بازو کمزور ہو جسے اعسر (ناکارہ) یا اشول (بے مصرف) کہتے ہیں ، یا بعد میں نقصان کا اندیشہ ہو ، مثلاً یہ کہ اسے کوئی متعدی مرض لاحق ہو۔ یہ امور ایسے ہیں جن سے وہ باتیں جو اوپر بتائی گئیں اور جو حنفیہ اور شافعیہ بھی کہتے ہیں خارج نہیں ہوتیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس عیب کی بنا پر مال کو لوٹایا جا سکتا ہے اس کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ مال میں کوئی نقص ہو جائے۔ مثلاً جانور کا خصی ہونا اور یہ کہ اس عیب کی وجہ سے مال کی قیمت فی الواقع گھٹ جائے یا بیوپاری اسے ایسا عیب خیال کرتے ہوں جس سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ بعض اصحاب نے عیب کی تعریف یہ بتائی ہے کہ عیب اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ہونے سے بالعموم مال کو بے عیب تصور کیا جاتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے خواہ مال میں کوئی نقص ہوجائے یا اس کی قیمت کم ہو جائے ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ، لہٰذا کسی جانور کا خصی ہونا عیب میں شمار نہ ہوگا بجز اس صورت کے جب کہ اس کو عیب میں شمار کیا جاتا ہو۔

ایسے عیب کی مثال جس سے خریدار کی کوئی صحیح غرض فوت ہوتی ہو ، یہ ہے کہ کسی نے قربانی کے لیے بکرا خریدا اور معلوم ہوا کہ اُس کا کان کٹا ہوا ہے ، جس کی وجہ سے اُس کی قربانی درست نہیں ہوسکتی ، گو اس نقص سے بکرے کی قیمت کم نہ ہوتی ہو چونکہ خریدار کا صحیح مقصد فوت ہو جاتا ہے ، لہٰذا اُس کو حق ہے کہ (خریدے ہوئے بکرے کو) واپس کر دے - اسی طرح اگر کوئی موزہ یا کپڑا پہننے کے لیے خریدا اور معلوم ہوا کہ وہ تنگ ہے ، پہنا نہیں جا سکتا ، تو چونکہ اس عیب کی وجہ سے اُسے استعمال نہیں کیا جا سکا اور خریدار نے جس مقصد کے لیے خریدا تھا وہ پورا نہ ہوا تو اُسے واپس کیا جا سکتا ہے -

عیب کی وجہ سے مال واپس کرنے کی شرطوں کا بیان

کسی عیب کی وجہ سے مال کو واپس کرنے کی چند شرطیں ہیں :

منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں[1] وہ عیب اُس جیسے مال

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ (واپسی مال کے لیے) شرط یہ ہے کہ عیب ایسی (خرابی) ہے جس سے بالعموم اُس جیسا مال خالی متصور ہوتا ہے - لہٰذا خصی ہونا ایسا عیب ہے کہ اس کی بنا پر مال کو واپس کیا جا سکتا ہے ، اگرچہ (اس کی وجہ سے) اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے - بجز اس صورت کے جب کہ کوئی سانڈ یا بیل ہو جسے کام کے لیے تیار کیا گیا ہو ؛ ایسے جانور بالعموم خصی شدہ ہی استعمال کیے جاتے ہیں - اسی طرح بھیڑ یا بکرا اگر خصی ہو تو وہ ایسا عیب نہیں ہے جس کی بنا پر اُسے واپس کر دیا جائے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (ایسا ہو تو) واپس کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ غیر خصی جانور کا گوشت خصی جانور کے گوشت سے زیادہ عمدہ ہوتا ہے - بہرحال واپسی کا حق عام نظریۂ عیب کے تابع ہوتا ہے (یعنی جسے عام طور پر عیب سمجھا جاتا ہے وہی عیب ہے) -

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرط تو یہی ہے کہ مال عیب سے خالی ہو اور خصی ہونا تو نقص ہے ہی اگرچہ بیوپاریوں کے نزدیک اُس کی حالت میں کمی نہ ہوئی ہو ، عیب کے بارے میں ضابطۂ اول کا یہی منشاء ہے - البتہ ضابطۂ ثانی کی رو سے اس کو عیب نہیں قرار دیا جائے گا - ہاں اگر لوگ اسے عیب قرار دیں تو عیب ہے -

میں نہ ہوتا ہو ۔ اس شرط سے وہ عیب خارج ہو گیا جو اُس جیسے بیشتر جانوروں میں پایا جاتا ہو ۔ اول الذکر صورت کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کوئی گدھا یا اصیل گھوڑا خریدا اور وہ خصی شدہ نکلا تو اُس کا خصی ہونا عیب مانا جائے گا کیونکہ اکثر حالتوں میں گدھے یا گھوڑے خصی نہیں ہوتے اور اس کو عیب سمجھا جاتا ہے ، کیونکہ اس سے خریدار کی وہ غرض جو اس کے خریدنے سے ہوتی ہے وہ جاتی رہتی ہے ۔ اس کے خریدنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اُس سے نسل چلائی جائے ۔ لہٰذا اس صورت میں اس عیب کی وجہ سے اس کو واپس کیا جا سکتا ہے ۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ کوئی حلال جانور خریدا جائے جو بالعموم خصی ہوتا ہے جیسے بھیڑ یا بکرا ، سو خصی ہونا کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کی وجہ سے مال کی واپسی لازم ہو ، کیونکہ بیشتر حالات میں (حلال جانور) خصی ہوتے ہیں ، اس لیے کہ اس سے وہ فربہ ہوجاتے ہیں ۔ اور منجملہ قابل واپسی امور کے وہ عیب ہے جس کو دور کرنا مشکل ہو ۔ اگر کوئی عیب بسہولت دور کیا جاسکتا ہے ، مثلاً نجاست آلودہ کپڑا جسے دھونے سے اُس کی قیمت کم نہ ہو تو یہ نجاست ایسا عیب[1] نہیں ہے جس کی بنا پر کپڑے کو واپس کرنا پڑے ، کیونکہ اس کو بسہولت دور کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی تلوار خریدی جس میں کجی ہے لیکن اس کجی کو دور کرنا بہ آسانی ممکن ہے تو یہ بھی ایسا عیب نہیں ہے کہ تلوار کو واپس کردیا جائے ۔

---

۱ ۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے اُمور میں اُس عیب کے زیادہ ہونے یا معمولی ہونے پر انحصار ہوگا ۔ اگر وہ عیب معمولی ہے ، مثلاً درد ہے یا تھوڑا بخار ہے تو اُس مال کو واپس نہ کیا جائے گا ۔ بخلاف اس کے اگر یہ تکلیف شدید قسم کی ہے تو مال واپس کردیا جائے اسی طرح نجس کپڑا بھی اگر ایسا ہے کہ اُس کی نجاست کو بہ آسانی دور کیا جا سکے کہ کپڑے کی مالیت گھٹ نہ جائے تو وہ نجاست کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کی بنا پر اُسے واپس کیا جائے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کپڑا نجاست آلود نکلا اوز بائع نے یہ بات نہیں بتائی تھی تو خریدار کو حق ہے کہ وہ اس عیب (نجس ہونے) کے پیش نظر اُس کپڑے کو واپس کر دے ۔ اس کے دھونے سے کپڑا خراب ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ۔

منجملہ عیوب کے ایک وہ عیب ہے جو مال میں پہلے ہی سے ، جب کہ وہ فروخت کنندہ کے پاس تھا ، موجود ہو - اس کے مسائل متعلقہ تفصیل طلب ہیں -[۱]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی مال خریدا اور اس میں کوئی ایسا عیب نکلا جس سے اس کی مالیت گھٹ گئی اور اس کا علم خریدنے کے وقت یا اس سے پہلے نہ تھا تو اب دیکھنا ہوگا کہ آیا یہ عیب خریدار کے قبضہ حاصل کرنے سے پہلے ، جب کہ وہ بایع کے پاس تھا ، پیدا ہوا یا اس وقت پیدا ہوا جب کہ خریدار نے اس کا قبضہ لیا - پہلی بات ہو تو اس کی پانچ صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ عیب سودا ہو جانے کے بعد فروخت کنندہ کے پاس اور اس کے کسی عمل سے ہوا تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ اس سودے کو ترک کردے یا اس عیب سے پیدا ہونے والے نقصان کے برابر اس کے دام گھٹا کر اس مال کو رکھ لے - خواہ کوئی اور پرانا عیب جو سودا کرنے سے پہلے تھا پایا جائے یا نہ پایا جائے -

دوسری صورت یہ ہے کہ مال میں اس عیب کے پیدا کرنے کا موجب خریدار کا عمل ہو - ایسی صورت میں خریدار اس کے پورے دام ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا - اگر فروخت کنندہ نے اس مال کو ادائے قیمت کے بغیر حاصل کرنے سے منع کیا ہو اور ایسی حالت میں کوئی ایسا پرانا عیب مال میں پایا جائے جو فروخت کنندہ کے پاس خریدار کے عمل کے بغیر پیدا ہوا ہو تو خریدار کو اس پرانے عیب کے ساتھ اسے واپس کردینے کا حق ہے اور ادائے قیمت سے بری الذمہ ہے - لیکن وہ عیب جو خریدار کے عمل سے پیدا ہوا اس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا -

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ عیب بیچنے یا خریدنے والے یا خود فروخت شدہ کے اپنے عمل سے نہ پیدا ہوا ہو ، بلکہ کسی اور غیر متعلقہ شخص کی حرکت سے پیدا ہوا ہو تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اسی حالت میں پوری قیمت ادا کرنے پر راضی ہو جائے اور جس شخص نے اس مال کو نقصان پہنچایا ہے اس کا معاوضہ اس سے وصول کر لے ، یا چاہے تو مال واپس کردے اور ادائے قیمت سے بری الذمہ ہو -

←

چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عیب کسی ناگہانی آفت سے پیدا ہو ، تو اس صورت میں خریدار چاہے تو اسے واپس کر دے اور دام لے لے اور چاہے تو وہ مال اسی طرح رکھ لے اور اس کے دام میں سے اس نقصان کے مطابق (جو عیب سے پیدا ہوا) کم کر دے - اگر اس کے ساتھ کوئی اور پرانا عیب جو فروخت کنندہ ہی کے ہاں پیدا ہوا تھا ، اس مال میں معلوم ہوا تو اب اس پرانے عیب کی بنا پر اسے واپس نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ اس حال میں اس مال کا واپس کرنا دو عیبوں کے ساتھ ہوگا اور یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی واپسی پرانے عیب کے ساتھ ہی ہو سکتی تھی -

پانچویں صورت یہ ہے کہ مال میں خود اس مال کے اپنے عمل سے کوئی عیب پیدا ہوا ہو، مثلاً کوئی غلام خریدا گیا اور اس نے خود کوئی ایسی حرکت کی جو اس کے اندر عیب پیدا ہو جانے کا باعث ہوئی - ایسی حالت میں وہی حکم ہے جو چوتھی صورت کے پیش آمد کا ہے -

دوسری بات یعنی مال میں کوئی عیب خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد پیدا ہوا ، اس کی بھی پانچ صورتیں ہیں :

۱ - وہ عیب خریدار کے عمل سے پیدا ہوا ہو -
۲ - کسی ناگہانی آفت سے ہوا ہو -
۳ - خود مال کی کسی حرکت سے ہوا ہو -
۴ - فروخت کنندہ کے عمل سے ہوا ہو -
۵ - کسی غیر متعلقہ شخص کے عمل سے ہوا ہو -

ابتدائی اول و دوم و سوم صورتوں میں یہ حکم ہے کہ اگر مال میں اس کے علاوہ کوئی اور عیب پہلے سے رہا ہو جس کا اظہار خریدار کے پاس آ کر ہوا تو اسے اب اس کی بنا پر واپس نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ نیا عیب اس کے پرانے عیب سے متصادم ہوگا اور مشتری کو پرانے نقص کی بنا پر ہی معاوضہ کے طلب کرنے کا حق ہے - ہاں یہ جب ہو سکتا ہے کہ خریدار نئے عیب کے باوجود اس مال کو رکھ لینے پر راضی ہو جائے -

چوتھی اور پانچویں صورت یعنی جب کہ عیب فروخت کنندہ کے کسی عمل سے یا کسی غیر متعلقہ شخص کے عمل سے اور مشتری کے قبضہ میں آ جانے کے ←

← بعد مال میں پیدا ہوا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس عیب کے علاوہ کوئی اور عیب اس میں پہلے سے موجود ہو جو فروخت کنندہ یا کسی غیر متعلقہ شخص کے عمل سے پیدا ہوا ہو تو وہ مال واپس نہیں کیا جا سکتا۔ فریقین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ دونوں میں سے جس کسی کی زیادتی سے عیب پیدا ہو کر نقصان کا باعث ہوا وہ اس کا معاوضہ ادا کرے۔

واضح ہو کہ عیب پیدا ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے مقدار کا تعین یوں ہوگا کہ صحیح اور عیب دار مال کی مالیتوں میں جس نسبت سے فرق ہوا ہے اسی نسبت سے اس مال کے دام میں کمی کی جائے گی۔ مثلاً کسی نے ایک مال چالیس گنی میں لیا اور اس کی اصلی مالیت سو گنی ہے، پھر اس مال میں کوئی عیب پیدا ہوا اور اس کی مالیت میں سے دس گنی کم ہو گئی یعنی دسواں حصہ کم ہوا، لہٰذا اسی نسبت سے یعنی دسواں حصہ اس کے دام میں سے جو چار گنی ہوتا ہے کم ہو جائیں گے۔ وعلی ہذالقیاس۔

مال کی مالیت لگانے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ دو آدمی بطور شاہد کے بائع اور مشتری کی موجودگی میں اس کی مالیت مقرر کریں۔ اور مالیت لگانے والے دونوں اشخاص اس مال سے پوری واقفیت رکھتے ہوں۔

توضیح بالا سے یہ عیاں ہے کہ خریدار کو چاہیے کہ مال میں کوئی عیب نکلے تو مال واپس کردے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ مال کو رکھ کر عیب سے جو نقص پیدا ہوا ہے اس کا معاوضہ طلب کرے۔ اسے چاہیے کہ پورا مال واپس کرکے پورے دام واپس لے لے، ما سوا اس حالت کے جب کہ اس کا واپس کرنا ایک دوسرے نئے عیب کے باعث جس کی تفصیل اوپر ہوئی نہ ہو سکتا ہو۔ اسی نوعیت کا یہ معاملہ ہے کہ کسی نے ایک کپڑا خریدا، پھر اسے سینے کے لیے قطع کیا، اس کے بعد اس کپڑے میں کوئی ایسا عیب معلوم ہوا جس سے اس کی مالیت کم ہوگئی، تو اب کپڑا تو واپس نہیں ہوسکتا، ہاں اس عیب کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی وارث نے اپنے مورث سے کچھ خریدا اور خریدار فوت ہوگیا اور فروخت کنندہ کا اس خرید شدہ مال میں حصہ ہوگیا اور اب اس میں عیب معلوم ہوا تو اس صورت میں اگر متوفی کے دوسرے وارث ہوں تو اس مال ←

← کو انہیں واپس نہیں کیا جاسکتا - اور کوئی اور وارث نہ ہو تو اس مال کا واپس کرنا دشوار ہے اور اس حال میں مالیت کی کمی کا مطالبہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی اونٹ خریدا اور اسے حلال کرنے پر اس کا معدہ سڑا ہوا نکلا تو اب حلال کرنے کے بعد اس کا واپس کرنا تو ممکن نہیں، لہٰذا خریدار کو اس عیب کا معاوضہ طلب کرنے کا حق ہے۔ یا کوئی ریشمی کپڑا خریدا اور اسے پانی میں تر کیا اس کے بعد کوئی عیب اس میں معلوم ہوا تو اب اسے واپس نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ اس عیب کا معاوضہ لے سکتا ہے ، کیونکہ (ریشمی کپڑا) بھیگ جائے تو اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے - غرض ہر ایسی صورت میں جب کہ مال میں کوئی عیب پہلے سے موجود ہو اور بعد میں کوئی اور عیب پیدا ہوجانے سے اس کی مالیت کم ہو جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جا سکتا؛ ہاں سابقہ عیب کی تلافی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل اوپر ہو چکی -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شے خریدی اور اس میں کوئی عیب تھا تو اس کے معلوم ہونے پر اس شے کو واپس کیا جا سکتا ہے ، لیکن چند امور ایسے ہیں جو واپس کیے جانے سے مانع ہیں :

پہلا امر یہ ہے کہ سودا طےہو جانے کے بعد مال ضائع ہو جائے ، خواہ عیب کا پتہ چلنے سے پہلے وہ فروخت کنندہ کے پاس رہا ہو یا خریدار کے پاس ، اور خواہ اس مال کے ضائع ہونے میں خریدار کو دخل ہو ، مثلاً یہ کہ خرید شدہ مال کو ذبح کر لیا ، یا اس کا دخل نہ ہو جیسے کوئی اور شخص اس (خرید شدہ) جانور کو مار ڈالے ، یا وہ اپنی قدرتی موت مر جائے اور (ضائع ہونے کے بعد) اس کے کسی عیب کا انکشاف ہوا ہو تو اسے واپس کرنا درست نہیں ہے ، کیونکہ اسے لوٹانا ممکن نہیں ہے - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ (گو مال ضائع نہ ہوا ہو) لیکن وہ ضائع شدہ ہونے کے برابر ہو ، مثلاً کوئی چیز خریدی اور اسے صدقہ کر دیا پھر اس میں عیب کا پتہ چلا تو اب اس عیب کی بنا پر اسے واپس کرنے کا حق نہ رہا، کیونکہ گو فی الواقع مال ضائع نہیں ہوا لیکن وہ ضائع شدہ کے برابر ہے - خریدا ہوا مال ہبہ کر دینے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے ، تاہم ان صورتوں میں خریدار کو یہ حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے مال کی جو مالیت کم ہوئی ہے اس کا مطالبہ کرے - گھٹی ہوئی مالیت کا اندازہ لگانے کا یہ طریقہ ←

← ہے کہ صحیح مال اور عیب دار مال کی مالیت کا اندازہ لگایا جائے اور دونوں حالتوں کی مالیت میں جو نسبت تفاوت ہے اسی نسبت سے اس مال کے دام میں کمی کی جائے چنانچہ مثلاً کوئی چیز سالم حالت میں سو کی خریدی پھر اس کے عیب کا پتہ چلا جس کے باعث اس کی مالیت گھٹ کر اسی رہ گئی تو خریدار فروخت کنندہ سے بیس کا مطالبہ کرے گا جو سو کا پانچواں حصہ ہے - وعلی ہذالقیاس -

دوسرا امر جو نقصان کے مطالبہ سے مانع ہے یہ ہے کہ خریدار کے کسی فعل سے یہ معلوم ہو کہ اس عیب کا علم ہونے کے باوجود وہ مال لینے پر راضی ہے - ایسا امر جس سے اس کی رضا مندی کا اظہار ہوتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو وہ جس سے مطلق رضا مندی کا اظہار ہوتا ہو ، خواہ یہ رضا مندی اسی وقت ظاہر ہو جب کہ مال کی واپسی یا عدم واپسی کے بارے میں نزاع یا گفت و شنید ہو رہی تھی یا کسی اور وقت میں ہوئی ہو - اظہار رضا مندی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خریدار نے کپڑا خرید کر (اس کے عیب کو جانتے ہوئے) کپڑے کا استعمال کیا - یا اسی طرح جانور خریدا اور اسے کرایہ پر دے دیا، نیز وہ تمام باتیں جن سے فروخت شدہ مال کی مالیت گھٹ جائے - پس کوئی چیز خرید کرنے کے بعد اگر اس میں ایسا عیب معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کیا جا سکتا لیکن ان طریقوں سے اسے استعمال کر لیا تو (یہ رضا سمجھی جائے گی) اب واپس کرنا درست نہیں ہے -

اظہار رضا مندی کی دوسری قسم وہ امر ہے جس سے صرف ابتداءً یعنی مخاصمت پیدا ہونے سے پہلے رضامندی ظاہر ہوئی ہو ، لیکن وجہ مخاصمت کے بعد نہ ہوئی ہو، مثلاً خریدے ہوئے مکان یا دکان میں بدوران مخاصمت سکونت رکھنا ، یا کسی اور کو بسا دینا - چنانچہ اگر ایک مکان خریدا اور اس میں سکونت اختیار کر لی، پھر اس میں عیب معلوم ہوا مثلاً کسی دیوار میں شگاف ہو جس کے باعث اس کی مالیت کم ہو گئی یا کوئی ایسی خرابی نظر آئی جس سے اس کی افادیت کم ہوگئی تو ایسی صورت میں خریدار کو حق ہے کہ وہ مکان واپس کر دے، اگرچہ اس عیب کے معلوم ہونے پر بھی اس میں سکونت رہی ، کیونکہ اس طرح اس میں ←

→ رہنے کے باعث اس کی مالیت میں کمی نہیں ہوئی۔ اسی طرح ہر ایسے عمل سے جو مالیت کو نقصان نہ پہنچائے واپسی کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن اگر مال میں کوئی عیب معلوم ہوا اور خریدار نے نہ اس کی اطلاع دی اور نہ اس کی واپسی کا ٹنٹا کیا بلکہ اس میں رہنے لگا تو یہ امر اس کی رضا مندی قرار پائے گا اور اسے پھر واپسی کا حق نہ رہے گا۔

ان امور کے علاوہ ایک اور امر ایسا ہے جس سے قطعی رضا مندی کا اظہار نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے کہ خرید شدہ مال سے جو کچھ حاصل ہو خریدار اس سے بہرہ اندوز ہو، البتہ اس سے خدمت نہیں لے سکتا، مثلاً خرید شدہ جانور کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ استفادہ واپسی مال کے جھگڑے پر ہوا ہو یا کسی اور وقت میں۔

یاد رہے کہ ان امور سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص سفر میں ہے اور ایک جانور خریدا اور بدوران سفر اس کا عیب معلوم ہوا تاہم اس پر سوار ہو کر سفر طے کیا تو اب سفر کے بعد بھی اسے واپس کرنے کا حق ہے۔ اور بقول معتمد اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اسے مجبور ہو کر سواری کرنا پڑا ہو یا بلا مجبوری سوار ہوا ہو۔ اگر وہ سواری جیسی تھی اسی طرح منزل پر پہنچ جائے یا اس طرح کام میں لانے کے باعث وہ جانور دبلا نہ ہو گیا ہو تو خریدار پر کوئی تاوان نہ ڈالا جائے گا۔ ہاں اگر اس سفر نے دبلا کر دیا ہو تو لازم ہے کہ واپسی پر دبلے پن کا نقصان بھر دے۔ یا پھر یہ کرسکتا ہے کہ اس جانور کو رکھ لے اور اس عیب کا جو اس میں معلوم ہوا بائع سے معاوضہ وصول کر لے۔ بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ بدوران سفر ہی بائع کو واپس کردے، تاہم اگر بائع کہیں قریب ہی ہو اور اس کی واپسی میں شدید زحمت نہ اٹھانی پڑے (تو واپس ہی کر دینا چاہیے)۔

دوسری مستثنیٰ صورت یہ ہے کہ کوئی جانور خریدا اور خریدار اور فروخت کنندہ اسی شہر میں ہیں، اب معلوم ہوا کہ اس میں عیب ہے، لہٰذا اس پر سوار ہو کر واپس کرنے کے لیے بائع کی قیام گاہ تک گیا تو یہ سواری واپسی کے لیے مانع نہ ہوگی جب کہ وہ جگہ شہری علاقہ میں ہو۔ ←

→ تیسری صورت یہ ہے کہ فروخت شدہ کوئی غلام ہو اور فروخت کنندہ حاکم یا وارث ہو۔ اگر حاکم وقت نے کسی غلام کو جس کا مالک مقروض تھا اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے فروخت کیا، یا کسی غیرحاضر غلام کو فروخت کیا جس میں عیب تھا اور وہ عیب قاضی کو معلوم تھا، اور خریدار کو بتا دیا گیا تھا، یا خریدار خود ہی جانتا تھا، گو قاضی نے نہ بتایا ہو تو اب خریدار کو اسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وارث نے ورثہ میں آنے والے غلام کو ادائے قرض کے لیے یا (مورث متوفی) کی وصیت پوری کرنے کے لیے فروخت کیا، اور اس میں جو عیب تھا وہ بتا دیا، یا خریدار کو اس کا علم تھا تو اب اس کے واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن غلام کے علاوہ کسی اور شے کی فروخت میں مال فروخت شدہ کا عیب سے بری جتانا کچھ مفید نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے کوئی جانور یا مال تجارت اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ اس کے عیب سے بری الذمہ ہے اور بعد میں خریدار کو معلوم ہوا کہ اس میں فلاں خرابی پہلے سے موجود ہے تو اسے حق ہے کہ اسے واپس کردے اور وہ شرط جو عیب سے بری الذمہ ہونے کی بابت لگائی گئی تھی بے فائدہ ہوگی، خواہ وہ شرط عام ہو (یعنی فی الجملہ عیوب سے بری الذمہ ہونے کی) ہو یا خاص (یعنی کسی خاص عیب سے بری الذمہ ہونے کی) ہو، بہر حال ایسی شرط فضول ہے، تاہم اس سے معاملۂ بیع فاسد نہیں ہوتا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عیب واپس کرنے سے پہلے دور ہو جائے لیکن ماہرین طب کی رائے میں اس کے پھر لاحق ہوجانے کا احتمال ہو تو ایسے عیب کی بنا پر مال واپس کیا جا سکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شے خریدی اور اس میں کوئی عیب معلوم ہوا تو اس کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ عیب قبضہ حاصل کرنے سے پہلے کا ہو۔ اگر وہ پہلے کا ہے تو خریدار اس عیب کی بنا پر اسے واپس کر سکتا ہے، خواہ یہ عیب سودا طے ہونے سے پہلے کا ہو یا بعد کا اور خواہ خریدار کو اس کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ البتہ جب کہ ذمہ داری خریدار پر ہو جس کی صورت یہ ہے کہ مال کا ←

سودا بغیر پیمانے، وزن یا پیمائش کے ہوا ہو اور خریدار نے ہنوز اس پر قبضہ حاصل نہ کیا ہو لیکن فروخت کنندہ نے اسے حصول مال سے منع بھی نہ کیا ہو، جیسا کہ اوپر بتایا گیا، تو ایسی حالت میں چونکہ عیب فروخت کے بعد پیدا ہوا اور اس وقت ہوا جب کہ مشتری اس مال کا مالک ہو چکا تھا، لہٰذا اب فروخت کنندہ اس عیب کا ذمہ دار نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ اگر خریدار مال فروخت شدہ کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو واپسی کے اخراجات اس کے ذمہ ہوں گے اور فروخت کنندہ پورے دام واپس کرے گا۔ اگر فروخت کنندہ نے مال کی تمام قیمت یا کچھ حصہ چھوڑ دیا یا عیب کے نقصان سے اسے بری کردیا اس کے بعد مال واپس کیا گیا تو فروخت کنندہ پوری قیمت کا مطالبہ کرے گا اور جس قدر اس نے چھوڑ دیا تھا یا جس سے خریدار کو بری الذمہ قرار دیا تھا وہ شمار میں نہیں آئے گا۔

خریدار کو یہ حق ہے کہ وہ مال میں عیب سے واقف ہونے کے بعد اس مال کو رکھ لے اور اس عیب کے باعث جو مالیت اس کی گھٹ گئی ہے اس کو بائع سے طلب کر لے، اگرچہ اس کا واپس کرنا بوجہ اس کے ضائع ہو جانے یا کھائے جانے یا کسی اور سبب سے دشوار نہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی کپڑا خریدا اور سینے کی غرض سے اسے قطع کیا (یا پھاڑ ڈالا) اور پھر اس میں کسی عیب کا پتہ چلا تب بھی خریدار کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے جس قدر مالیت اس کی کم ہوئی اس کا بائع سے مطالبہ کرے؛ اگرچہ اسے واپس نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بائع و مشتری دونوں (معاملہ میں) اس امر پر متفق ہوتے ہیں کہ اس مال کی مالیت اس کے دام کے مساوی ہے، لہٰذا مال کا ایک جزو دام کے ایک حصہ کے مساوی ہوا؛ اب اگر مال کا کوئی جزو اس عیب کے باعث کم ہو گیا تو اس کے مساوی دام کا ایک جزو بھی کم مانا جائے گا۔ اس لیے خریدار کو اس کے مطالبہ کا حق ہے، خواہ فروخت کنندہ اس پر راضی ہو یا ناراض ہو۔ البتہ اگر ایسی صورت ہو کہ اس جزو کے وصول کرنے میں شائبۂ سود متصور ہو تو وہ مطالبہ درست نہ رہے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چاندی کے ایک زیور کا سودا اس کے ہم وزن درہموں (چاندی کے سکوں) سے کیا اور پھر اس زیور میں کوئی عیب نکل آیا تو اب اس عیب کی وجہ سے اس زیور کی مالیت جس قدر کم

← ہوگئی ہے اتنا بائع سے وصول کرنا حلال نہیں ہے ، کیونکہ اس سے وہ ربائے فضل ہو جائے گا (ربائے فضل ہم جنس اشیاء کا غیر مساویانہ تبادلہ ہے جو سود ہے اور شرعاً حرام ہے) ۔ البتہ خریدار کو حق ہے کہ پورا مال واپس کرکے اپنی پوری قیمت واپس لے لے یا پھر یہ کہ اس مال کو (جوں کا توں) رکھ لے اور جبر نقصان کا مطالبہ نہ کرے ۔

(مال میں عیب کی) دوسری صورت یہ ہے کہ مال کا واقعی قبضہ حاصل کرنے کے بعد خریدار کے پاس اس میں کوئی عیب نکلا ، یا ہنوز قبضہ نہ لیا تھا لیکن فروخت کنندہ کی طرف سے اس میں رکاوٹ نہ تھی اور وہ مال پیمانہ وغیرہ سے بکنے والا مال تھا (اور اس میں عیب نکلا) تو اس حالت میں فروخت کنندہ اس عیب کا ذمہ دار متصور نہ ہوگا اور بعد میں اس کا واپس کرنا درست نہیں ہے ۔

اگر مال میں کوئی عیب پہلے سے (جب کہ وہ فروخت کنندہ کے پاس تھا) موجود ہو ، اور پھر خریدار کے پاس آکر اس میں کوئی اور عیب پیدا ہو جائے تو اب خریدار اگر اس مال کے رکھنے پر رضامند ہو تو فبہا اور اگر رضامند نہ ہو تو معاملہ حاکم کے پاس لے جائے اور وہ اس معاملہ کو فسخ کردے تو بائع کو لازم ہے کہ اس کے دام خریدار کو واپس کردے ۔ اور خریدار (اگر رکھنا چاہے تو) وہ قیمت ادا کرے گا جو اس عیب دار مال کی اس وقت تھی جب کہ وہ فروخت کنندہ کے پاس تھا ۔ جاننا چاہیے کہ عیب کی وجہ سے مال کی مالیت میں جو کمی ہوئی اس کی مقدار کا تعین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بے عیب مال کی اور عیب دار مال کی مالیت لگائی جائےاور پھر ان دونوں کے تفاوت کی نسبت کے مطابق مال کے اصل دام میں کمی کی جائے ۔ حق دار اسی قدر لے سکتا ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک چیز ایک سو پچاس میں خریدی اور پھر اس کی مالیت گھٹ کر صرف ایک سو رہ گئی ، بعد میں اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا اور اب اس کی قیمت نوے رہ گئی ۔ اس طرح مال کی صحیح حالت اور عیب دار حالت کی مالیتوں میں دس کا تفاوت ہوا اور یہ ایک سو کا دسواں حصہ ہے ؛ اس نسبت سے اصل دام میں جس میں وہ چیز خریدی گئی تھی پندرہ کی کمی ہوگی جو اس کا دسواں حصہ ہے ۔ ←

→ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں عیب نکلا تو خریدار کو اسے واپس کرنے کا حق ہے ، بشرطیکہ وہ عیب مال پر قبضہ کرنے سے پہلے کا ہو؛ خواہ یہ عیب سودا طے ہو جانے سے پہلے کا ہو یا سودا طے ہو جانے کے بعد کا۔ اگر کوئی عیب مال میں قبضہ کرنے کے بعد پیدا ہوا لیکن اس کا سبب پرانا تھا تب بھی خریدار کو واپس کرنے کا حق ہے ورنہ نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی غلام خرید کر لے لیا لیکن وہ غلام خریدے جانے سے پہلے سرقہ کا جرم کر چکا تھا اور اس کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس عیب کی ذمہ داری فروخت کنندہ پر ہوگی۔

اگر مال میں کوئی عیب اس وقت پیدا ہوا جب کہ وہ خریدار کے پاس تھا ، پھر اس میں ایسا عیب بھی معلوم ہوا جو پہلے ہی سے اس میں موجود تھا جب کہ وہ فروخت کنندہ کے پاس تھا اور اس کا سبب قدیم نہ تھا۔ اور یہ پرانا عیب معلوم ہونے سے پہلے ہمیشہ مال میں موجود تھا نیز اس پرانے عیب کا جاننا اس نئے عیب کے جاننے پر موقوف نہ تھا ، تو ایسی حالت میں اگر بائع رضامند نہ ہو تو مشتری کا حق واپسی ساقط ہو جائے گا ، خواہ وہ عیب بائع کے عمل ہی سے کیوں نہ پیدا ہوا ہو۔

اب اس مسئلہ کی تین صورتیں ہوں گی :

اول یہ کہ فروخت کنندہ خریدار سے کچھ لیے دیے بغیر اس سودے کو منسوخ کر دینے پر راضی ہو جائے اور خریدار مال کو رکھ لینے پر آمادہ ہو ، بغیر اس کے کہ پرانے عیب کے معاوضے میں کچھ مطالبہ فروخت کنندہ سے کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فریقین اس امر پر متفق ہو جائیں کہ وہ سودا منسوخ کر دیا جائے یا معاوضہ ادا کرکے باقی رکھا جائے۔ اب اگر معاملہ منسوخ کیا گیا تو خریدار پر لازم ہوگا کہ مال میں جو عیب اس کے پاس آ کر پیدا ہوا ہے اس کا تاوان ادا کرے۔ اگر معاملہ منسوخ نہ ہوا تو فروخت کنندہ پر لازم ہوگا کہ اس عیب کا معاوضہ ادا کرے جو مال میں اس کے پاس پیدا ہوا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فریقین میں اتفاق نہ ہو سکے اور کوئی ایک فریق ←

مال میں عیب کے مسائل میں سے ایک صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ مال کے عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط پر سودا کرے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

← معاملہ کو منسوخ کرنے ہی پر اڑا رہے۔ متفق ہونے کی دونوں صورتوں میں تو معاملہ واضح ہے کہ فریقین جس امر پر متفق ہوئے ہیں اس پر قائم رہیں گے، لیکن اگر فریقین متفق نہ ہوں تو اس فریق کی بات مانی جائے گی جو معاملہ کو برقرار رکھنے کا خواہش مند ہو؛ خواہ یہ مطالبہ خریدار کی جانب سے ہو یا فروخت کنندہ کی طرف سے۔ اس صورت میں فروخت کنندہ پر لازم ہوگا کہ مال کے عیب کا تاوان ادا کرے۔

اگر فروخت شدہ شے اپنی ہم جنس شے کے عوض میں فروخت ہوئی ہو، مثلاً گندم کو گندم سے بیچا گیا ہو تو عیب نکلنے کی صورت میں بیع کا منسوخ کردینا لازم ہوگا اور خریدار کے لیے بہرحال ضروری ہے کہ مال میں جو عیب نکلا ہے اس کی تلافی کرے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مال میں کوئی عیب نمایاں ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کی شرط پر سودا کرنا بہرحال درست ہے، خواہ بری الذمہ ہونے کی شرط عام عیب سے متعلق ہو یا خاص عیب سے۔ اور قطع نظر اس کے کہ اس نے خود کو بری قرار دیا ہو، یعنی یہ شرط کی ہو کہ مال میں جو عیب بھی نکلے وہ اس سے بری الذمہ ہوگا یا یہ شرط کی کہ اس مال کو عیب سے بری یعنی عیب سے خالی مانا جائے گا۔ اول الذکر صورت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں یہ گھر آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس کے عیوب کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ یا یوں کہا کہ یہ مکان مٹی کا ڈھیر ہے، یا یہ جانور بیچتا ہوں یہ گیا گزرا اور عمر رسیدہ سہی وغیرہ، تو اس طرح کی شرط صحیح ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی نے اس بات کے باوجود خرید لیا اور پھر اس میں کوئی عیب نکلا تو اب اسے واپس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ خریدار نے اس کے ہر عیب کو جو ظاہر تھا گوارا کر لیا ہے، لہٰذا واپسی کا اختیار نہ رہا۔ اسی ←

ایک اور صورت یہ ہے کہ وہ عیب فسخ معاملہ سے پہلے دور نہ ہو - پس

← طرح اگر کسی خاص عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط پر ہوا تو وہ بھی اسی پہلی قسم میں داخل ہے - مثلاً خریدار سے کہہ دیا گیا کہ یہ گھوڑا میں نے بیچا لیکن شرط یہ ہے کہ یہ سرکش ہے (آپ کو واپسی کا حق نہ ہوگا) تو اب اس عیب کی بنا پر اسے واپس نہیں کیا جا سکتا -

ثانی الذکر کی مثال یہ کہنا ہے کہ میں یہ جانور آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچ رہا ہوں کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے - فروخت کنندہ نے کسی خاص عیب کی نشان دہی نہیں کی اور خریدار نے اسی شرط پر اسے خرید لیا ، اور پھر اس میں کوئی پرانا عیب معلوم ہوا تو اسے واپس کیا جا سکتا ہے -

اگر یوں کہا کہ میں یہ جانور اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ اس میں کوئی مرض نہیں ہے - اس طرح کہنے میں لفظ 'مرض' کا وہ مفہوم لیا جائے گا ، جو عام طور پر رائج ہے اور جو عرف عام میں اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے - اگر بالعموم اس لفظ سے باطنی مرض مراد ہوتا ہے تو اسی کے بموجب عمل کیا جائے گا کہ اگر اس جانور میں کوئی باطنی مرض پایا گیا تو خریدار اسے واپس کرسکے گا - لیکن اگر عام طور پر اس لفظ سے ہر قسم کے امراض مراد ہوتے ہیں تو اس جانور میں کوئی سا بھی پہلے کا مرض نکلا تو اسے واپس کیا جا سکے گا - ہمارے زمانے میں لفظ مرض کا اطلاق ظاہر و باطنی ہر قسم کے امراض پر ہوتا ہے ، لہٰذا اس سے ظاہر و باطن دونوں قسم کے امراض مراد ہوں گے اور از روئے لغت یہی درست ہے -

یاد رہے کہ عیبوں سے بری الذمہ ہونے کی شرط میں ''عیب'' سے مراد سودا طے ہونے سے پہلے اور مشتری کا مال پر قبضہ ہونے سے پہلے کے عیوب ہیں - لہٰذا اگر کوئی جانور اس شرط پر فروخت کیا گیا کہ اس میں خواہ کوئی بھی عیب ہو یا (کسی خاص عیب کا نام لے کر کہا کہ) فلاں عیب ہو تو اس کا ذمہ دار بائع نہ ہوگا ، اور فروخت کے وقت اس میں نہ تھا لیکن معاملہ طے ہو جانے کے بعد قبل اس کے کہ خریدار کا قبضہ ہو کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اس کی بنا پر اسے واپس نہیں کیا جا سکتا - نیز کسی پرانے عیب کی بنا پر بھی واپس نہیں کیا ←

اگر کوئی مریض جانور خریدا اور ہنوز سودے کو فسخ نہ کیا تھا کہ مرض

← جا سکتا ، کیونکہ وہ سودا بائع کے بری الذمہ ہونے کی شرط پر ہوا تھا - بعض اصحاب حنفیہ کہتے ہیں کہ بے عیب ہونے کی شرط سے مراد یہ ہے کہ معاملہ کے وقت وہ بے عیب ہو - اور سودا طے ہوجانے کے بعد اور قبضہ حاصل کرنے سے پہلے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس مال کو واپس کیا جا سکتا ہے ، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں - لیکن اگر اس شرط پر سودا ہوا کہ مال میں جو عیب بھی نکلے بائع اس سے بری الذمہ ہے تو اس میں بالاتفاق وہ عیب جو بعد میں پیدا ہو داخل نہیں ہے -

اگر یوں کہا کہ میں اس مال کو اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس میں جو عیب اس وقت ہے یا جو آیندہ قبضہ حاصل کرنے سے پہلے پیدا ہو میں ان سب سے بری الذمہ ہوں تو یہ شرط فاسد ہے اور ''بقول معتمد'' یہ شرط اس سودے ہی کو فاسد کر دیتی ہے - بعض اصحاب حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط ''متفقہ طور پر'' فاسد ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ مال کے عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے ، لہٰذا اگر کوئی جانور یا مال تجارت اس شرط پر فروخت کیا کہ اس میں خواہ کوئی بھی عیب نکلے بائع اس سے بری الذمہ ہوگا یا یوں کہا کہ فلاں عیب ہو تو میں اس سے بری الذمہ ہوں، یعنی اس میں کوئی عیب نکلا تو میں اس کا ذمہ دار نہ ہوں گا تو اس شرط سے کچھ حاصل نہیں ہے اور خریدار کو حق ہوگا کہ اگر مال بائع کے پاس ہی ہو اور اس میں کوئی عیب پایا جائے تو وہ اسے واپس کردے - تاہم بری الذمہ ہونے کی شرط صرف غلام کی فروخت میں کارآمد ہے؛ چنانچہ اگر کسی غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر اس میں کوئی عیب نکلے جس کا علم مجھے نہیں ہے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں - گو غلام ایک عرصہ تک اس کے پاس رہا لیکن اس کے عیب سے آگاہ ہونا اس کے اختیار میں نہ تھا ، اور پھر اس شرط پر کہ سودا ہونے کے بعد اگر اس میں کوئی عیب نکلا تو میں اس کا ذمہ دار نہ ہوں گا ، اس کو فروخت کر دیا تو اب کسی عیب کا پتہ لگنے پر اسے واپس نہیں کیا جا سکتا - یہی حکم اس صورت میں ←

دور ہوگیا تو اس عیب کی وجہ سے (مشتری کو) فسخ بیع کا اختیار نہیں ہے،

← ہے جب کہ کسی غلام کو حاکم یا وارث نے فروخت کیا، جیسا کہ سابقاً نا قابل واپسی صورتوں کے بیان میں بتایا گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شے اس شرط پر فروخت کی کہ اس وقت اس مال میں جو عیوب ہوں میں اس سے بری الذمہ ہوں تو اب اس کے یا تو یہ معنے ہیں کہ وہ خود مال کے عیب سے بری الذمہ ہے یا یہ شرط ہے کہ فروخت شدہ مال بے عیب اور تمام عیوب سے خالی ہوگا۔ اول الذکر کی صورت یہ ہے کہ بائع یوں کہے کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی عیب نکلا تو اس کی ذمہ داری بائع پر نہ ہوگی۔ یعنی اس عیب کی وجہ سے اس پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ بائع کو صرف اس صورت میں بری الذمہ تصور کیا جائے گا جب کہ فروخت شدہ مال کوئی جانور ہو اور اس میں ایسا اندرونی عیب معلوم ہوا جو فروخت کے وقت مال میں موجود تھا لیکن بائع کو اس کی خبر نہ تھی، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ (اس صورت میں) بائع کو ہر عیب سے بری الذمہ تصور کیا جائے گا، لیکن اگر یہ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عیب نمایاں ہے، یا فروخت شدہ شے جانور نہیں ہے تو مال کے عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط پر معاملۂ بیع کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ بائع یوں کہے کہ میں فلاں چیز اس شرط پر بیچتا ہوں کہ یہ بے عیب اور ٹھیک ٹھاک ہوگی۔ ایسی صورت میں وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے، یعنی مال کے عیب کی ذمہ داری بائع پر ہوگی، البتہ اگر فروخت شدہ مال کوئی جانور ہو اور اس کے کسی اندرونی عیب کا پتا چلے جس کا علم فروخت کنندہ کو نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ذمہ دار نہ ہوگا، کیونکہ وہ عیب پوشیدہ تھا اور بائع اس کے جاننے سے معذور تھا۔ تاہم بعض اصحاب نے احتیاطاً بائع کو ذمہ دار قرار دیا ہے، کیونکہ مال کے بارے میں یہ شرط تھی کہ وہ بے عیب ہوگا، لہٰذا جھگڑے سے بچنے کے لیے اس شرط کا لحاظ رکھا جائے گا۔ لیکن یہ شرط فاسد ہے کہ بیچنے والا ہر عیب سے جو سودا ہو چکنے کے بعد اور قبضہ حاصل کرنے سے پہلے پیدا ہو، بری الذمہ ہوگا، کیونکہ ←

کیونکہ وہ عیب مال کی واپسی سے پہلے ہی دور ہوگیا۔

→ یہ ایک ایسی چیز کا ساقط کرنا ہے جو (سرے سے) موجود ہی نہیں ہے۔ تاہم اس شرط سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ (بائع کے مال کے عیب سے) بری الذمہ ہونے کی شرط اگر عام (عیوب کے متعلق) ہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے ؛ بجز ایک صورت کے جب کہ فروخت شدہ جانور ہو اور عیب اندرونی ہو اور بائع کو اس کا علم نہ ہو جیسا کہ سابقاً بتایا گیا لیکن اگر شرط کسی خاص عیب سے بری الذمہ ہونے کی ہو ، بایں طور کہ عیب کا نام بتا دیا گیا ہو ، تو اس کی تفصیل یوں ہوگی کہ اگر وہ عیب ایسا ہے جسے دیکھا جا سکتا ہے ، مثلاً جلد کے امراض جو جانوروں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس عیب کی تعیین کے بعد خریدار کو بتا دیا اور دکھا دیا جائے۔ اور اگر وہ عیب ایسا ہو کہ نظر نہ آسکے تو اس کا صرف متعین کردینا کافی ہوگا ، دکھانا ضروری نہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی بیل ہے جسے فروخت کیا اور یہ شرط بتا دی کہ یہ ہل کے کام میں عاجز ہے ، اور یا گھوڑا یہ کہہ کر بیچا کہ یہ سرکش ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے تو اب خریدار کو اسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے اگرچہ یہ عیب خریداری کے وقت مشاہدے میں نہ آیا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی مال فروخت کیا اور فروخت کے وقت ہی خریدار سے کہہ دیا کہ اس مال میں خواہ کوئی بھی عیب اس وقت ہو یا سودا طے ہونے کے بعد قبضہ حاصل کرنے سے پہلے پیدا ہو تو میں اس کا ذمہ دار نہ ہوں گا ، تو یہ شرط فاسد ہے ؛ لہٰذا خریدار کو حق ہے کہ اس دوران کوئی عیب ظاہر ہو تو اس مال کو واپس کردے ؛ خواہ وہ عیب نمایاں ہو یا چھپا ہوا؛ جانور میں ہو یا کسی اور شے میں اور خریدار کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر مال میں کسی خاص عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط رکھی مثلاً یوں کہا کہ میں یہ جانور یا اونٹنی اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس میں سرکش یا بے قابو ہونے کا جو عیب ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں گا تو یہ شرط فاسد ہوگی اور خریدار کو اس عیب کی بنا پر واپس کردینے کا حق ہوگا۔ تاہم اگر فروخت کنندہ نے عیب کا نام بتا کر اس سے بری الذمہ ہونے کی شرط رکھی اور ←

عیب دار مال کی فوری واپسی کے مسائل

سوال یہ ہے کہ آیا مال میں کوئی عیب ظاہر ہونے کے بعد فوراً ہی اُسے واپس کیا جائے یا تاخیر سے واپس کیا جا سکتا ہے - اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں - [1]

← خریدار نے اس سے اتفاق کرلیا تو اب خریدار کو یہ حق نہیں رہا کہ اسے واپس کر دے ، کیونکہ اسے وہ عیب معلوم ہوگیا اور وہ اس پر راضی ہو گیا - ساتھ ہی فروخت کنندہ کو مال کے اس عیب کا چھپانا حرام ہے جسے وہ جانتا ہو ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''المسلم اخوالمسلم ولا یحل لمسلم باع من اخیہ بیعاً فیہ عیب الا بینہ لہ'' رواہ احمد و ابو داؤد -

(یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ امر حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کسی چیز کا سودا اس کا عیب جتائے بغیر کرے -)

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ (مال میں) عیب نکلے تو اُسے فوراً واپس کرنا شرط ہے - اگر اُس عیب کا پتہ چلنے کے بعد بغیر کسی عذر کے اُس کی واپسی میں تاخیر کی تو پھر واپس کرنے کا حق نہ رہے گا - اور فوراً واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ واپسی میں اتنی دیر نہ ہو جسے بالعموم دیر کہا جاتا ہے ، لہٰذا اگر اُس وقت کی نماز ادا کرنے میں یا کھانا وغیرہ کھانے میں تاخیر ہوجائے تو اُسے بالعموم تاخیر نہیں کہا جاتا ، لہٰذا ایسی صورت میں واپس کر دینا منع نہیں ہے - اسی طرح اگر عیب کا پتہ لگنے کے بعد کسی مجبوری سے تاخیر ہوگئی ، مثلاً کوئی مرض لاحق ہو گیا یا چوروں کا ڈر تھا یا کسی درندہ جانور سے سابقہ کا اندیشہ تھا یا ایسی ہی کوئی اور بات تھی تو یہ حق ساقط نہ ہوگا -

اگر فروخت کنندہ موجود نہ ہو تو خریدار کو لازم ہے کہ یہ معاملہ حتمی طور پر حاکم کے روبرو پیش کرے اور یہ بھی لازم ہے کہ اس امر کی شہادت ←

← مہیا کرے کہ وہ مال کی واپسی کے طریق کار پر عمل پیرا ہے کہ اُس نے بیع کو منسوخ کردیا ہے ، خواہ اُسے واپسی کے لیے فروخت کنندہ کے پاس لے جا رہا ہو یا حاکم کے پاس ۔ اور مال میں عیب کا پتا لگتے ہی اُسے فوراً واپسی کا حق ہو جاتا ہے اور اُس نے کوئی ایسی بات نہ کی ہو جس سے مال کے رکھ لینے پر رضامندی کا اظہار ہوتا ہو ، مثلاً فروخت شدہ جانور سے کام لینا یا ایسے کپڑے کو پہن لینا یا (مال کو) کرایہ پر دینا یا رہن رکھنا وغیرہ ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ واپسی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ عیب کا پتا لگتے ہی فوراً واپس کرے ، لہٰذا اگر فروخت کنندہ کو اُس عیب سے آگاہ کر دیا اور اُس کی واپسی کے لیے مصر ہوا اور کچھ اصرار ترک بھی کر دیا لیکن بعد میں پھر جھگڑا کیا اور واپسی کا مطالبہ کیا تو مطالبہ کا حق باقی رہے گا ۔ البتہ اُس صورت میں واپس کرنے کی ممانعت ہے جب کہ کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے (اُس سودے کی) رضا مندی ظاہر ہوتی ہو ، مثلاً وہ کپڑا پہن لیا ، اور جانور تھا تو اُس پر سواری کی ، یا (خرید شدہ مال کو) کرایہ پر دے دیا یا رہن رکھ دیا ، یا اُس میں سے کچھ یا تمام کا تمام فروخت کر دیا ، یا ہبہ کردیا ، گو ہنوز حوالہ نہ کیا ہو ، یا یہ کہ اُسے فروخت کرنے کے لیے کہا ہو ، بایں طور کہ فروخت کنندہ سے یہ کہا کہ اس مال کو تم بیچو ؛ اگر کسی نے نہ خریدا تو مجھے دے دینا ۔ اسی طرح کرایہ پر دینے کے لیے کہنا یا اُس کے کرائے کا مطالبہ کرنا ، نیز اُس کا دودھ دوہنا اور اُسے پینا بھی اظہار رضا مندی پر دال ہے ۔ اسی طرح خریدے ہوئے مکان کا عیب معلوم ہونے کے بعد اُس میں رہنے لگنا رضا مندی ہے جس سے واپسی کا حق ختم ہو جاتا ہے ۔ البتہ اگر عیب ہنوز معلوم نہ تھا اور اُس میں جا کر رہایش اختیار کی اور جب اُس کے عیب کا پتا لگا تو اُس میں رہنے کے باعث واپسی کا حق زایل نہیں ہوتا ۔ نیز (خریدی ہوئی) اراضی کو سینچنا ، اور اُس میں کھیتی کرنا یا اُس کی پیداوار کو اکھٹا کرنا رضا مندی کی علامت ہے ، اور خریدا ہوا کپڑا درزی کو دکھانا کہ لباس کے لیے کافی ہے یا نہیں ، یا واقف کاروں سے (خریدے ہوئے مال کی) قیمت لگوانا تاکہ اُس کی مالیت معلوم ہو سکے ، اور جانور پر سوار ہو کر واپس کرنے کے لیے جانا ، یا اُس جانور کے لیے ، کسی اور جانور کے لیے نہیں ، چارہ خریدنے کے لیے جانا بھی رضا مندی ہے ۔ تاہم اس کے لیے ←

← سواری کرنے پر بھی واپسی کا حق باقی رہے گا جب کہ بغیر سواری کے اُس کے لیے چلنا دشوار ہو۔

اگر فروخت کنندہ موجود نہ ہو کہ اُس کو مال واپس کیا جائے تو لازم ہے کہ اُس مال کو خریدار اپنے پاس رہنے دے اور جب فروخت کنندہ دستیاب ہو جائے تو اُسے واپس کر دے۔ اگر اس صورت میں خریدا ہوا مال خریدار کے پاس فروخت کنندہ کے دستیاب ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے تو بائع اُس کے دام کی واپسی کا ذمہ دار نہ ہوگا البتہ اُس عیب کی وجہ سے جو مالیت اُس مال کی کم ہو گئی ہے وہ ادا کرنا پڑے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مال میں جب عیب کا پتا چلے تو اُسے فوراً واپس کردینا چاہیے۔ واپسی کے لیے دو دن کی میعاد مقرر ہے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک مال واپس نہ کیا تو اسے تاخیر قرار دیا جائے گا جس سے وہ حق جاتا رہے گا جو عیب کی وجہ سے حاصل تھا۔ تاہم اگر اس تاخیر کے لیے کوئی ایسی معذوری پیش آ جائے جو عیب معلوم ہونے کے فوراً بعد واپس کرنے سے مانع ہو، مثلاً کوئی مرض لاحق ہو جائے، یا قید ہو جائے، یا کسی ظالم سے خطرہ پیش آجائے تو ایسی تاخیر میں مضایقہ نہیں (لیکن موجب تاخیر امر کے دور ہونے کے بعد ہی) ایک دن سے کم عرصہ ہی میں اُسے واپس کر دینا چاہیے۔ اس کے لیے حلف وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک دن یا دو دن میں واپس کرنے کے لیے خریدار کو چاہیے کہ وہ بائع کو بتا دے کہ وہ اس عیب کے ساتھ مال خریدنے پر راضی نہیں ہے اور پھر مال کو واپس کردے۔

یاد رہے مال کی واپسی اُس حال میں ممنوع ہے جب کہ خریدار سے کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جس سے اُس کی رضامندی کا اظہار ہوتا ہو، جیسا کہ سابقاً بیان کیا گیا۔

اگر فروخت کنندہ موجود نہ ہو تو (مال واپس کرنے والے خریدار کے لیے) مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی نارضامندی کا گواہ بنا لے۔ پھر اگر بائع کی غیرحاضری تھوڑے عرصہ کے لیے ہو تو چاہیے کہ مال اُس کے وکیل کو (اگر کوئی ہے) واپس کردے؛ وکیل نہ ہو تو چاہیے کہ بایع کی واپسی کا انتظار کرے اور واپسی ←

فروخت سے پہلے جانور کے تھن پر تھیلی چڑھانے کا بیان اس کو 'مصراۃ' کہتے ہیں

لفظ 'مصراۃ' (تھن پر تھیلی باندھا ہوا جانور) جس کا اوپر ذکر ہوا،

← کے بعد واپس کردے، یا پھر یہ معاملہ قاضی (حاکم) کےروبرو پیش کردے اور قاضی یا تو بائع کے حاضر ہونے کا اشتہار دے گا یا اُس کی غیرحاضری میں مال کی واپسی کا حکم دے دے گا۔ اگر بائع کی غیرحاضری زیادہ عرصہ کے لیےہو اور خریدار اُس مال کو واپس کرنے سے عاجز ہو تب بھی اُسے چاہیے کہ یا تو بائع کی واپسی کا انتظار کرے یا معاملہ حاکم کےروبرو پیش کردے۔ حاکم کو اگر بائع کا ٹھکانا معلوم ہو یا اُس کے آنے کی توقع ہو تو عام حالت میں دس روز تک اور ہنگامی حالت میں صرف دو دن تک اُس کے آنے کا انتظار کرے اور اُس کی واپسی پر مال کے لوٹا دینے کا حکم دے۔ بصورت دیگر بائع کی واپسی کا انتظار کیے بغیر اُس کے آنے سے پہلے ہی واپسی مال کا حکم دے سکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مال میں عیب نکلے تو فوراً ہی اُس کا واپس کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ تاخیر سے بھی مال واپس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ (مال میں عیب نکلنے کی صورت میں) مال کے واپس کرنے کا جو حکم شرع میں ہے اُس کا مقصد برائی کو دور کرنا ہے، لہٰذا اس میں دیر ہو جائے تو واپسی کا حق باطل نہیں ہو جاتا، سوا اس صورت کے جب کہ ساتھ ہی کوئی ایسی بات پیش آ جائے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ خریدار اُس عیب دار مال کے لینے پر راضی ہے، مثلاً یہ کہ (خریدے ہوئے مال میں) عیب معلوم ہونے کے باوجود اُس کو (خریدار) استعمال کر لے. یا اُس مال کو کرائے پر چڑھا دے، یا اُسے سواری کے لیے کام میں لائے وغیرہ۔ البتہ اگر بائع کو اُس عیب سے مطلع کرنے یا اُسے بائع کو واپس کرنے کے لیے سوار ہو کر گیا تو یہ سوار ہونا رضامندی کی دلیل متصور نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ واپسی کے لیے بائع کی رضا مندی ضروری نہیں ہے، نیز نہ اس کے موجود ہونے اور نہ حاکم کے حکم کی ضرورت ہے۔ مال کی واپسی قبضہ حاصل کرنے سے پہلے بھی ہوسکتی ہے اور بعد میں بھی۔ اور جب واپسی کا تحقق ہوجائے تو خریدار کی ذمہ داری اس مال سے ختم ہو جاتی ہے۔ ←

مصدر 'تصریہ' سے مشتق ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ فروخت کنندہ کسی ترکیب سے جانور کے تھن میں دودھ کو جمع کرے یا روک لے، تاکہ خریدار اس دھوکے میں آ جائے کہ اس کا تھن چونکہ بھاری ہے اس لیے قدرتی طور پر اس کا دودھ زیادہ ہے اور اس خیال سے اسے خرید لے۔ اس حرکت کو خیارالتغریر الفعلی (عملی فریب کاری کہتے ہیں) جس کی شرعاً ممانعت ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''لا تصروا الابل و الغنم فمن ابتأعها فھوبخیرالنظرین بعد ان تحلبھا، انشاء امسک وان شاء ردھا وصاعاً من تمر'' (متفق علیہ)

(یعنی اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں (دکھاوے کے لیے) دودھ جمع نہ کیا کرو ۔ اگر اس حالت میں کوئی اسے خرید لے تو دوہنے کے بعد (جب یہ بات معلوم ہو تو) اختیار ہے کہ چاہے تو (اسی حال میں) اسے رکھ لے اور چاہے تو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے)۔

لفظ تصروا بضم تا و فتح صاد بر وزن تزکوا کے معنے یہ ہیں کہ دودھ کو اونٹنی یا بکری کے تھن میں جمع نہ کیا کرو اور لفظ ابتا عھا جو فرمایا اس کے معنے خرید کیا اور فھو بخیر النظرین کے معنے یہ ہیں کہ اس جانور کے رکھ لینے یا واپس کردینے کا اسے اختیار ہو گا۔

مصراۃ (تھن پھلائے ہوئے) جانور کے واپس کرنے یا نہ کرنے کے متعلق مسائل مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے مصراۃ (یعنی ایسا جانور جس کے تھن کو دودھ روک کر پھلایا گیا ہو) خرید لیا تو خریدار کو حق ہے کہ اس جانور کو ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے ۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ 'اس کے تھن' کا دودھ بغیر دوہے تلف ہو جائے، مثلاً اس کا بچہ چھوٹ جائے اور وہ دودھ پی لے ۔ اگر پہلے ہی یہ معلوم ہو جائے (بغیر دودھ نکالے) کہ وہ جانور 'مصراۃ' ہے تو اسے واپس کر دینے کا حق ہے ۔ اس صورت میں جانور کے ساتھ اور کچھ دینا لازم نہ ہو گا۔ نیز ایک صاع کھجور ہی کا دینا ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ فریقین کسی اور شے پر راضی ہو جائیں۔ لہٰذا دودھ ←

← کے بدلے نقدی یا گندم یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز جس پر باہمی اتفاق ہو جائے واپس کرنا درست ہو گا - واضح ہو کہ معاوضہ صرف حلال جانور کے دودھ کا ہوتا ہے - کسی اور جانور مثلاً گدھی کے دودھ کا معاوضہ لازم نہیں ہے - نیز 'تصریہ' عیب کی وجہ سے ہو تب ہی جانور واپس کیا جا سکتا ہے - اور یہ عیب معمولی سا ہو تو معاوضہ نہ دیا جائے گا - اگر اونٹنی یا بکری متعدد اشخاص کی ملکیت ہو، یا اسے چند شرکاء نے خریدا ہو تو ہر فروخت کنندہ کو ایک صاع واجب الادا ہو گا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مصراۃ جانور خریدا اور اسے دوہ لیا تب بھی اسے واپس کر دینے کا حق ہے اور ساتھ ہی ایک صاع وہ جنس دی جائے جو شہر میں عام طور پر خوراک میں استعمال کی جاتی ہے - تاہم یہ شرط نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ ایک صاع کھجور ہی دی جائے - البتہ محض دودھ واپس کرنا ممنوع ہے - ایک صاع اناج کے ساتھ واپس کرنا ضروری ہے - اسی طرح ایک صاع کے عوض نقدی وغیرہ دینا ممنوع ہے - لیکن اگر دودھ دوہنے سے پہلے ہی یہ معلوم ہو جائے کہ (خرید شدہ) جانور مصراۃ ہے (یعنی اس کے تھن میں دودھ کو روک رکھا گیا ہے) تو ایک صاع دیے بغیر ہی اسے واپس کیا جا سکتا ہے - اور معاوضہ صرف حلال جانور کے دودھ کا ہوتا ہے - حلال جانور (کا دودھ) نہ ہو تو معاوضہ لازم نہیں ہے - اور جانور کو واپس کرنا اسی وقت ہو گا جبکہ عیب کی وجہ سے اس کا تصریہ کیا گیا ہو (یعنی دودھ اس کا فی الواقع کم ہو؛ زیادہ دودھ والا جانور ظاہر کرنے کے لیے تھن میں دودھ کو روک لیا گیا ہو) - اگر ایسے جانور کا دودھ خریدار نے کئی بار دوہ لیا تب بھی واپسی کے وقت صرف ایک صاع ادا کیا جائے گا، بشرطیکہ بار بار دودھ نکالنے سے یہ ظاہر نہ ہوتا ہو کہ خریدار اس کے خرید لینے پر راضی ہوگیا ہے - اس کی شکل یہ ہے کہ دودھ سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوہے - اگر محض دودھ کی آزمائش کے لیے کئی بار دوہا تو اس سے خرید لینے پر رضامندی کا اظہار نہ ہو گا - ہاں اگر تین بار دودھ نکال لیا تو اس سے رضامندی ظاہر نہ ہو گی، ہاں اگر وہ یہ بتائے کہ اس نے تیسری بار بھی آزمائش ہی کے لیے دودھ نکالا، کیونکہ دوبار دوہنا آزمائش کے لیے کافی نہیں ہے - لیکن اس کے لیے اسے قسم کھا کر کہنا ہو گا - ←

← تین بار کے بعد بھی دودھ نکالا تو ایک قول کے مطابق اس کو خریداری پر راضی ہونا مانا جائے گا - اور تین بار یا کم دودھ نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ دوہنے کے اوقات میں دوہا گیا ہو - پس اگر ایک دن میں تین بار دودھ نکالا گیا اور بالعموم وہ جانور دو ہی بار دوہا جاتا ہے تو (آزمائش کے لیے) صرف دو بار دودھ نکالنا کافی ہے - اگر ایک شخص سے متعدد بکریوں کا ایک ساتھ سودا کیا اور وہ سب کی سب مصراۃ تھیں تو ان سب کو واپس کیا جا سکتا ہے - لیکن بقول راجح ہر ایک کے دودھ کے معاوضہ میں ایک صاع دینا ہو گا -

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مصراۃ جانور خرید لیا تو اس عیب کی بنا پر اس جانور کو واپس کرنا بہر حال ضروری نہیں ہے - البتہ اس عیب کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو کمی ہوئی ہے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے - حنفیہ کا کہنا ہے کہ اس بارے میں جو حدیث آئی ہے وہ بذات خود صحیح ہے ، لیکن ایک اور دلیل اس سے ٹکراتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قیاس (دلیل نظیر) جو قرآن ، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے اس سے واضح ہے کہ زیادتی کرنے کا تاوان اسی طرح کی زیادتی یا جبر نقصان کی صورت میں ادا کیا جائے - مصراۃ کی صورت میں فروخت کنندہ دودھ کو تھن میں روک کر خریدار کو دھوکہ دینے کی زیادتی کرتا ہے ؛ اس کا تاوان جبر نقصان کی صورت میں ادا ہونا چاہیے - خریدار نے دودھ نکال کر (فروخت کنندہ پر) کوئی زیادتی نہیں کی - اگر بالفرض اسے زیادتی مانا جائے تو صرف دودھ کی قیمت یا اتنا ہی دودھ دینا لازم ہو گا - اور کھجور نہ قیمت ہے نہ دودھ ہے - لہٰذا حدیث اس قیاس (قاعدہ) کے خلاف ہے اور اس پر عمل نہ ہو گا - امام یوسف؄ کہتے ہیں کہ جانور کے ساتھ اس دودھ کی قیمت دینی چاہیے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر 'مصراۃ' جانور خرید لیا تو اس کو عیب کی بنا پر واپس کیا جائے اور حدیث مذکور پر عمل کرتے ہوئے ایک صاع کھجور دینا چاہیے - امام ممدوح؄ اس کو خیار التدلیس کہتے ہیں (یعنی بائع کی فریب دہی کی بنیاد پر واپسی کا اختیار)

فروخت شدہ مال میں پوشیدہ عیب نکلنے کا بیان

اگر کسی شخص نے کوئی مال بیچا اور اس میں کوئی ایسا پوشیدہ عیب نکلا جس کی خبر خریدار کو اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ وہ چیز توڑی پھوڑی نہ گئی - ایسی اشیاء مثلاً خربوزہ (یا تربوز)، اخروٹ، بادام، انڈا وغیرہ ہیں - اگر یہ اشیاء اندر سے ایسی خراب ہوں کہ انہیں قطعاً استعمال میں نہ لایا جا سکے تو اندریں صورت یہ بیع باطل ہو گی اور فروخت کنندہ پر لازم ہو گا کہ وصول شدہ دام پورے واپس کردے -[1] خریدار کے ذمہ کوئی مطالبہ نہ ہوگا، کیونکہ اس مال کی کوئی مالیت ہی نہیں ہے - البتہ اگر اس مال سے کچھ فائدہ حاصل کیا ہے تو اس کے متعلق مسائل مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[2]

---

۱ - اندریں باب مسلک مالکیہ میں کچھ تفصیلات ہیں - جن کا ذکر آگے آ رہا ہے -

۲ - شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر فروخت شدہ شے میں سے کچھ خراب نکلے کہ وہ کسی کام کی نہ ہو اور کچھ ٹھیک ہو کہ وہ استعمال میں لائی جا سکے، تو خریدار کو حق ہے کہ وہ شے پوری لوٹا دے اور دام جو دیے ہیں واپس لے لے؛ بغیر اس کے کہ اس شے میں جو تبدیلی ہوئی ہے اس کے معاوضہ میں کچھ دینا پڑے، کیونکہ اس بارے میں مجبوری یہ تھی کہ بغیر اسے توڑے اس کی خرابی کا جاننا ممکن نہ تھا - پس اگر کوئی جانور خریدا اور اسے ذبح کرنے پر اس کا گوشت گلا ہوا نکلا تو واپس کر دینے کا حق ہے، کیونکہ بغیر ذبح کیے اس خرابی کا جاننا ممکن نہ تھا- لیکن اگر یہ جاننا ممکن تھا بایں طور کہ وہ جانور نجاست خور ہو جیسے غلاظت کھانے والی گائے جسے ''جلالہ'' کہتے ہیں تو واپس کرنے کا حق نہ رہے گا - اگر صورت حال یہ ہے کہ فروخت شدہ شے کی اندرونی خرابی کا جاننا توڑ کر دیکھنے پر موقوف نہ ہو پھر بھی اسے توڑ کر دیکھا جائے، یا یہ صورت ہو کہ تھوڑا سا توڑ کر دیکھنا ممکن ہو اور ضرورت سے زیادہ توڑ دیا جائے تو اب خریدار کو واپسی کا حق نہ رہے گا، کیونکہ خریدار نے اس میں ایسی خرابی پیدا کر دی جس کے بغیر ہی اس کی جانچ کی جا سکتی تھی -

اگر ایسی چیز خریدی جس کا گودا خراب نکلا مگر اس کا چھلکا کارآمد ہے

ہے ، جیسے شترمرغ کا انڈا تو خریدار کو چاہیے کہ اسے واپس کر کے اپنے دام وصول کر لے - اس کے برخلاف اگر کوئی ایسی چیز خریدی جس کا چھلکا بیکار ہے ، جیسے مرغی یا بطخ کا انڈا اور وہ خراب نکلا تو اسے واپس کرنا ضروری نہیں ہے ، کیونکہ اس کی کچھ مالیت ہی نہیں ہے - فروخت کنندہ پر لازم ہو گا کہ اس کے پورے دام واپس کر دے ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی چیز خریدی جس کا عیب توڑے پھوڑے بغیر معلوم نہ ہو سکے جیسے خربوزہ (یا تربوز) اور اخروٹ یا گھن کھائی لکڑی ، جبکہ بظاہر اس کا گھن دکھائی نہ دیتا ہو ، ایسی اشیاء ہیں کہ ان کو چھیلنے یا توڑنے کے بغیر ان کی جانچ نہ ہو سکے تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے اس میں تبدیلی لائے بغیر واپس کر دے - ہاں اگر پہلے ہی واپس کرنے کی شرط کر لی تھی یا عام قاعدہ ہی یہ ہو کہ اس طرح کا عیب نکلے تو اسے واپس کردیا جاتا ہے (تو واپس کیا جا سکتا ہے) کیونکہ ایسے معاملات میں عام طریق کار بطور ایک شرط کے ہو جاتا ہے -

واضح ہو کہ جس مال کی واپسی کا حق نہ ہو اس میں یہ حق بھی نہیں رہتا کہ مال میں عیب نکلنے کا کچھ تاوان طلب کیا جائے -

اگر فروخت شدہ شے میں کوئی اندرونی خرابی ہے ، لیکن اس شے کو چھیڑے بغیر اس کی خرابی کا جاننا ممکن ہے ، مثلاً انڈا کہ اس کو توڑے بغیر خاص طریقہ سے اس کا گندا ہونا یا نہ ہونا معلوم کیا جا سکتا ہے ، تو اس کی مختلف حالتوں کے مطابق حکم ہے - چنانچہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ انڈا خراب ہے جسے مذر (گندا انڈا) کہتے ہیں یا یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اندر سے رقیق (یعنی زردی سفیدی مخلوط) ہے ، لیکن وہ گندا نہیں ہوا جسے 'مروق' کہتے ہیں تو ان دونوں حالتوں میں یہ دیکھنا ہو گا کہ فروخت کنندہ نے دھوکہ دیا ہے (یعنی اس عیب کو چھپانے کی کوشش کی ہے) یا دھوکہ نہیں دیا- اب انڈا گندا نکلا تو بیع بہرحال فاسد ہو گی ، خواہ بائع نے دھوکہ کیا ہو ، یا نہ کیا ہو اور خواہ خریدار نے اسے پکا کر (یا تل کر) دیکھا ہو یا صرف توڑا ہو اور پکایا نہ ہو- ایسی حالت میں خریدار اسے بائع کو واپس کر دے اور بائع کو لازم ہے ←

← کہ اس کے دام پورے واپس کر دے ، لیکن اگر وہ انڈا اندر سے رقیق (زردی سفیدی مخلوط) نکلا اور فروخت کنندہ نے دھوکہ نہیں کیا اور خریدار کو اسے توڑنے یا ابالنے سے پہلے ہی یہ خرابی معلوم ہو گئی تھی تو اب اسے اختیار ہے ، چاہے تو رکھ لے یا واپس کر دے ؛ اس میں لینا دینا کچھ نہ ہو گا ۔ لیکن اگر اس انڈے کی یہ کیفیت توڑنے یا تلنے کے وقت معلوم ہوئی ، اب یا تو خریدار اس نقصان کی تلافی کرے یا پھر اسے رکھ لے اور سابقہ عیب کا عوض فروخت کنندہ سے طلب کرے ۔ اس (معاوضہ کی مقدار کے تعین) کا طریقہ یہ ہے کہ انڈے کی مالیت اچھی حالت اور عیب دار حالت کی لگائی جائے ۔ اگر اچھا انڈا برابر ہو دس کے اور عیب دار انڈا برابر ہو آٹھ کے تو اس کے دام دو یعنی پانچواں حصہ کم ہو گئے ۔ اسی نسبت سے (یعنی پانچواں حصہ دام کا) واپس لیا جا سکتا ہے ۔

اگر یہ معلوم ہو کہ انڈا اندر سے رقیق ہے اور فروخت کنندہ نے دھوکا دیا ہے اور خریدار نے اُسے توڑلیا یا نہیں چھیڑا تو اُسے اختیار ہے کہ اُسے رکھ لے اور کچھ دینا دلانا لازم نہ ہوگا ، یا یہ کرے کہ واپس کرکے اپنے دام لوٹا لے ؛ خریدار کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا ۔ ہاں اگر اُس انڈے کو اُبال لیا (یا تل لیا) تو اب اُسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے ۔ البتہ اُس عیب کا معاوضہ بطریق مذکور لے سکتا ہے ۔

واضح ہو کہ ان تمام صورتوں اور (انڈے کو) توڑنے کی صورت میں (واپسی کے لیے) شرط یہ ہے کہ یہ کام (خریدنے سے) تھوڑے ہی عرصہ کے اندر کیا ہو کہ گندا ہو جانے کا اندیشہ نہ کیا جا سکے ۔ اگر اتنے عرصہ کے بعد انڈے کو توڑا گیا کہ اُس میں خرابی پیدا ہو سکنا صحیح مانا جا سکے تو اب اُسے کوئی حق (واپسی کا) نہ رہے گا ، کیونکہ ایسی صورت میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ خرابی فروخت کنندہ کے پاس پیدا ہوئی یا خریدار کے پاس ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسی (فروخت شدہ) شے جس کی خرابی توڑنے پھوڑنے وغیرہ کے بغیر کسی اور طریقہ سے معلوم نہ ہوسکے ، جیسے انڈا ، تربوز ، اخروٹ یا بادام وغیرہ تو پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ بالکل خراب ہے کہ وہ قطعاً ←

← کسی کام کا نہیں رہا ، مثلاً خریدا ہوا انڈا گندا نکلا یا ککڑی (کھیرا وغیرہ) تلخ ہو یا اخروٹ اندر سے خالی ہے تو ان صورتوں میں وہ فروختگی باطل ٹھہرے گی اور فروخت کنندہ پر لازم ہوگا کہ پورے دام واپس کردے ، خریدار کے ذمہ کچھ مطالبہ نہ ہوگا - اسی طرح اگر اخروٹ خریدا اور وہ اندر سے خالی نکلا جس میں کوئی گودا نہیں ہے تو وہ فروخت باطل ہوگی - اور اگر چھلکا کارآمد بھی ہو تو اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ، کیونکہ بقول راجح اخروٹ کی مالیت اُس کے گودے ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے - بخلاف بیضۂ شتر مرغ کے کہ اُس کی مالیت چھلکے (اُس کے خول) کے اعتبار سے ہوتی ہے، لہٰذا اگر وہ اندر سے خراب نکلے تو اُس کی فروخت باطل نہ ہوگی ، کیونکہ اُس کا خول ہی کار آمد ہوتا ہے - پس خریدار کو اُسے واپس کرنے کا حق نہیں ہے - واپسی صرف نقصان عیب کی وجہ سے ہو سکتی ہے - لیکن اگر خرید شدہ شے کو کام میں لانا کسی طرح ممکن ہو ، خواہ مویشی کا چارہ ہی بنایا جا سکے تو خریدار کو ایسی حالت میں واپس کرنے کا حق نہ ہوگا - البتہ فروخت کنندہ سے خریدار اُس عیب کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس خریدی ہوئی شے کی مالیت اچھی حالت اور خراب حالت دونوں طرح سے نکالی جائے اور دونوں میں جو تفاوت ہے اتنا ہی ادا کیے ہوئے دام میں سے واپس لیا جائے ، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا - لیکن شرط یہ ہے کہ سودے میں عیب کا پتا لگنے کے بعد اُس میں سے کچھ کام میں نہ لایا جائے - پس اگر (کوئی شے) چکھنے میں خراب شدہ معلوم ہوئی اور پھر بھی اُسے کھایا گیا تو اب معاوضہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے - اسی طرح اگر مال میں عیب معلوم ہونے کے بعد اُس کو توڑ لیا تو نہ واپسی کا حق رہے گا اور نہ اُس عیب کی تلافی کا مطالبہ کرنے کا ، کیونکہ سودے میں عیب کو معلوم کرنے کے بعد اُسے توڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس مال کے خریدنے پر راضی ہے - اگر کوئی شے خریدی اور وہ شے کچھ تو اچھی نکلی اور کچھ خراب ، تو خریدار کو حق ہے وہ شے جس قدر خراب نکلی ہے اُسی قدر معاوضہ ادا کردہ دام میں سے واپس طلب کر سکتا ہے - ہاں اگر خرابی معمولی سی ہو ، جو ناگزیر ہے یا اس چیز میں وہ خرابی عام طور پر ہوجایا کرتی ہے تو اور بات ہے - مثلاً اخروٹ یا بادام خریدے ←

عیب دار مال میں اضافہ ہو جانے کے متعلقہ مسائل

عیب دار سودے میں اضافہ ہونے کی دو صورتیں ہیں : کبھی تو وہ اضافہ متصل (یعنی اُس کے وجود سے وابستہ) اُس کا جزو ہوگا اور کبھی منفصل (یعنی اُس کے وجود سے علیحدہ ہو گا)۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← اور کچھ خراب نکلے تو چھ فیصد تک قابل درگذر ہیں ۔ اسی طرح گندم میں بالعموم کسی قدر مٹی ہوا ہی کرتی ہے تو اُسے بھی نظرانداز کرنا ہوگا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر خریدی ہوئی شے کچھ خراب اور کچھ اچھی نکلی تو خریدار خراب شدہ کے عوض اس کے مطابق دام میں سے واپس لے سکتا ہے ۔ لہٰذا اگر آدھا مال خراب ہے تو آدھے دام واپس طلب کیے جائیں گے وعلیٰ ہٰذا القیاس اگر کوئی ایسی شے خریدی جو اندر سے بالکل خراب نکلی لیکن پھر بھی اُس کی مالیت ہوتی ہے جیسے شتر مرغ کا انڈا اور اخروٹ (کہ اس کا خول اور چھلکا کار آمد ہوتا ہے) تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ اُسے فروخت کنندہ کو واپس کر دے اور اُس میں تبدیلی سے جو نقصان ہوا ہے اُس کی تلافی کر دے ، یا پھر اُس سودے کو رکھ لے اور اُس عیب کے جبر نقصان کا مطالبہ فروخت کنندہ سے کرے ۔ لیکن اگر اُس چیز (خرید شدہ) کو اس طرح توڑا پھوڑا ہے کہ اُس کی کچھ مالیت نہ رہی ہو تو خریدار صرف عیب کی تلافی کا مطالبہ کر سکتا ہے ۔

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قابل اضافہ سودے یا دام میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ کبھی اضافۂ متصل ہوتا ہے اور کبھی اضافۂ منفصل ۔ متصل ہونا یہ ہے کہ جو کچھ اضافہ ہوا ہے اُس کو اس شے سے نہ علیحدہ کرنا ممکن ہو اور نہ اُس کی فروخت جداگانہ ہو سکے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی جانور خریدا گیا خرید کے وقت دبلا تھا ، پھر فربہ ہوگیا ، یا چھوٹا تھا بعد میں بڑا ہوگیا ، تو یہ فربہی یا بڑائی (ایک ایسا اضافہ ہے جو) اُس جانور کے وجود سے وابستہ اور اُس کا ایک جزو ہے ۔ اس کو علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے ۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ کوئی پودا خریدا اور وہ درخت بن گیا ۔

←

→ اضافۂ منفصل یہ ہے کہ اُس اضافہ کو (خرید شدہ شے سے) الگ کیا جا سکے اور اُس کی جداگانہ خرید و فروخت ہو سکے ، مثلاً (درخت کا) پھل (جانور کا) دودھ اور (مرغی وغیرہ کا) انڈا ۔

اضافہ متصل ہو تو سودے کی واپسی کی صورت میں وہ بھی واپس کیا جائے گا ، لہٰذا اگر کوئی جانور خریدا اور خریداری کے بعد وہ موٹا ہوگیا یا (قد و قامت میں) بڑھ گیا ، اور اب اُس میں کوئی ایسا عیب نکلا جس کی بنا پر اُسے لوٹانا پڑا تو یہ اضافہ جو اُس کے وجود میں ہوا ہے وہ بھی اُس کے ساتھ واپس ہوگا ، خریدار کو اس اضافہ کے عوض فروخت کنندہ سے کچھ واپس لینے کا حق نہیں ہے ۔

اضافہ منفصل کے بارے میں یہ حکم ہے کہ یہ اضافہ اُس کا حق ہے جس کے قبضہ میں رہتے ہوئے مال میں اضافہ ہوا ۔ چونکہ خریدار کے ہاتھ اُس کی فروخت ہوچکی تھی، لہٰذا وہ خریدار اس کا مالک ہوچکا تھا ، تو اب اُس کا پھل وغیرہ جو اُس سے حاصل ہوا وہ خریدار کا حق ہے ۔ یہی حال دودھ ، انڈے اور اُون کا ہے (کہ وہ خریدار کا حق ہے) اگرچہ فروخت شدہ مال کا قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اُسے واپس کر دیا جائے ، کیونکہ یہ اضافہ اُس کا حق ہے جو مال کا مالک ہو اور یہ ملکیت اُس وقت باطل ہوگی جب وہ معاملہ فسخ کیا جائے؛ فروخت کے وقت سے باطل متصور نہ ہوگی ۔

واضح ہو کہ ان مسائل میں فروخت شدہ مال اور اُس کے دام دونوں کی مثال ایک سی ہے ، بشرطیکہ دام فروخت کنندہ نے وصول کر لیا ہو ۔ اس دام سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ فروخت کنندہ کا ہے ۔

اگر کوئی گیا بھن جانور خریدا گیا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ اُس جانور کا حمل اُس وقت کا ہے جب کہ وہ فروخت کنندہ کے قبضہ میں تھا ، یعنی ہنوز اُس کا سودا نہ ہوا تھا ، یا اُس کے قریب ہی زمانہ کا ہے ، یا وہ حمل اُس وقت کا ہے جب کہ خریدار اُس کا مالک ہوگیا ۔ پہلی صورت میں اُس جانور کو واپس کیا جائے تو وہ بچہ بھی واپس کیا جائے گا ، خواہ وہ پیدا ہو گیا ہو یا پیدا نہ ہوا ہو ۔ اگر بچے کے پیدا ہونے کی وجہ سے اُس جانور میں نقص پیدا ہو جائے تو وہ ←

→ نقص بقول معتمد ایسا عیب متصور نہ ہوگا جو اُس کی واپسی سے مانع ہو - اور عقد بیع کے ساتھ ہی حمل ہو جائے تو وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے فروخت سے پہلے کا حمل - لیکن اگر حمل اُس وقت کا ہے جب خریدار اُس کا مالک ہو چکا تھا تو وہ بچہ اُس کی ماں کے ساتھ واپس نہ کیا جائے گا ، بلکہ اُس کے پیدا ہونے کے بعد خریدار اُس کو لے لے گا-

حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ اضافہ جو فروخت شدہ شے میں ہو سکتا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں : متصل اور منفصل ، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں - ایک اضافہ وہ ہے جو خود اُس شے میں پیدا ہوا اور ایک وہ جو اُس میں پیدا نہیں ہوا - اس طرح اضافہ کی چار قسمیں ہو گئیں :

اول اضافۂ متصل جو خود مال میں پیدا ہوا جیسے بڑا ہونا، یا فربہ ہوجانا - ایسا اضافہ بقول صحیح کسی پہلے عیب کی وجہ سے مال کی واپسی میں مانع نہیں ہو سکتا ، خواہ یہ اضافہ خریدار کا قبضہ ہونے کے بعد ہو یا فروخت کی تکمیل ہونے کے بعد ، لیکن قبضہ حاصل کرنے سے پہلے ہو -

اگر کوئی دبلا جانور خریدا اور اُس پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد وہ موٹا ہو گیا یا یہ کہ خرید لیا لیکن ہنوز وہ فروخت کنندہ کے پاس تھا ، اور خریدار کے قابض ہونے سے پہلے فربہ ہو گیا ؛ اس کے بعد پتہ چلا کہ اُس میں کوئی عیب ہے جس کی بنا پر اُسے واپس کیا جا سکتا ہے تو خریدار کو حق ہے کہ اُسے واپس کر دے - اُس کی فربہی واپس کرنے سے مانع نہ ہوگی - یہی حکم اُس صورت میں ہے جب کہ خریدنے کے وقت وہ جانور چھوٹا تھا اور پھر بڑا ہوگیا - خریدار کو یہ بھی حق ہے کہ اُس فروخت شدہ مال کو رکھ لے اور اُس عیب کی تلافی نقصان کا مطالبہ بائع سے کرے جو اُس جانور میں معلوم ہوا - بائع کو یہ حق نہیں ہے کہ تلافی نقصان سے انکار اور فروخت کردہ مال کی واپسی کا اصرار کرے ؛ بایں طور کہ خریدار سے کہے کہ یا تو تم مال کو واپس کرکے اپنی ادا کردہ پوری قیمت واپس لے لو یا مال کو رکھ لو -

دوسرا اضافۂ متصل وہ ہے جو خود مال میں سے پیدا نہ ہو ؛ مثلاً کپڑے پر رنگ کا اضافہ کرنا یا زمین پر نئی تعمیر کرنا - یہ اضافے اگرچہ مال کے ساتھ ←

← متصل (وابستہ) ہیں لیکن خود مال کے اندر سے پیدا نہیں ہوئے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ ایسا اضافہ بالاتفاق مال کی واپسی سے مانع ہے ۔ (یعنی اس اضافے کے بعد مال کو واپس نہیں کیا جا سکتا) ۔ پس اگر کوئی زمین خریدی اور اُس پر عمارت کھڑی کی یا کوئی کپڑا خریدا اور اُسے رنگ دے لیا اور تب اُس میں کوئی پہلے کا عیب نکلا تو اُسے واپس نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں تک کہ اگر بائع کہے بھی کہ میں اسی حال میں اُسے واپس لینے کو تیار ہوں تب بھی خریدار اُس عیب کے نقصان کا معاوضہ طلب کر سکتا ہے ، خواہ یہ اضافہ قبضہ حاصل کرنے سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں ، کیونکہ یہ اضافہ قبضہ لینے سے پہلے بھی مال پر تصرف ہے اور اس (تصرف کو) قبضہ ہی تصور کیا جائے گا ۔

سوم اضافۂ منفصل وہ ہے جو مال میں پیدا ہو جائے ، مثلاً وہ مال جانور ہے اُس سے بچہ پیدا ہوا یا اُس کا دودھ نکلا یا بدن پر اُون آ گیا ، اور یا مال درخت ہو اور اُس میں کھجور لگ گئے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اُس پر قبضہ ہوچکا ہے تو عیب کی بنا پر اُسے واپس کرنا منع ہے ۔ ہاں اگر قبضہ نہیں ہوا تو منع نہیں ہے ۔ اسی طرح اگر گیابھن مویشی نے خریدنے کے بعد بچہ دیا پھر اُس میں کوئی عیب نکلا جو پہلے ہی سے موجود تھا اور جس کی بنا پر اُسے واپس کرنا ہے تو اگر یہ بچہ قبضہ لینے کے بعد پیدا ہوا تو اس سابقہ عیب کی وجہ سے اُسے واپس نہیں کیا جا سکتا ، البتہ اُس عیب کے جبر نقصان کا مطالبہ ہوگا ۔ اگر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اُس نے بچہ دے دیا تو اُسے واپس کرنے کی ممانعت نہیں ہے ۔ اگر خریدار چاہے تو ماں کے ساتھ بچے کو واپس کر کے اپنے دام وصول کر لے اور چاہے تو اُس پورے دام پر دونوں کو رکھ لے ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی درخت خریدا اور اُس میں پھل آ گیا ، لیکن قبضہ کرنے کے بعد آیا تو پچھلے عیب کی بنا پر اُسے واپس نہیں کیا جا سکتا ، اگر قبضہ لینے سے پہلے پھل لگا تھا تو اُس پھل سمیت اُسے واپس کیا جائے ۔ اسی طرح کی مثال یہ بھی ہے کہ ایک جانور خریدا جس کا دودھ نہ نکالا گیا ہو ، پھر خریدنے کے بعد اُس کا دودھ نکلا یا ایسا جانور تھا جس کے اوپر اُون نہ تھی اور بعد میں پیدا ہو گئی تو اُس کا بھی یہی حکم ہے ۔ ←

→ چہارم اضافہؑ منفصل جو مال کے اندر سے نہ پیدا ہوا ہو جیسے وہ اضافہ جو فروخت شدہ مال (غلام) کی ذاتی آمدنی یا اُس کی کمائی ہو - مثلاً کوئی غلام خریدا اور اُس غلام نے تجارت کر کے کچھ مال حاصل کرلیا یا کسی نے اُسے مال عطا کیا یا صدقہ کے طور پر دیا اُس کا حکم یہ ہے کہ قبضہ حاصل ہونے سے پہلے اُس غلام کو (عیب سابقہ کی بنا پر) واپس کرنے کی ممانعت نہیں ہے اور خریدار کو حق ہے کہ اُس (غلام) کو بغیر اُس اضافہ کے (جو اس سے حاصل ہوا) واپس کردے اور وہ اضافہ شدہ مال خریدار کا ہے - اُس کا معاوضہ کچھ نہیں ہے - تاہم یہ امر پسندیدہ نہیں ہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مال فروخت کنندہ کا ہے لیکن اُس کے لیے بھی یہ فعل پسندیدہ نہیں ہے - اگر غلام پر قبضہ حاصل ہو چکا ہے اس کے بعد بھی اُس اضافہ سے غلام کی واپسی میں رکاوٹ نہیں ہے - خریدار غلام (فروخت شدہ) کو واپس کر دے اور اُس سے جو اضافہ ہوا وہ اُس کا ہے اور ناپسندیدہ بھی نہیں ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ مال میں کوئی عیب نکلے اور اس عیب کے معلوم ہونے سے پہلے اس مال میں کوئی اضافہ ہو جائے تو اس (اضافہ) کی پانچ قسمیں ہیں :

پہلی قسم یہ ہے کہ اصل فروخت شدہ مال میں خود کچھ اضافہ ہو جائے ، بغیر اس کے کہ اس میں خارجی طور پر کچھ اضافہ کیا جائے ؛ مثلاً جانور (دبلا ہو اور) موٹا ہو جائے یا (چھوٹا ہو) بڑا ہو جائے - پس اگر کوئی دبلا جانور خریدا اور اس کے بعد بہت زیادہ موٹا ہو جائے پھر اس میں کوئی عیب پہلے کا معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کرنے کے مسائل میں اختلاف ہے - کہا جاتا ہے کہ جانور موٹا ہو جائے تو اس کی واپسی میں رکاوٹ ہوگی ، البتہ خریدار کو حق ہوگا کہ سابقہ عیب کے نقصان کی تلافی کا مطالبہ بائع سے کرے - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جانور کا موٹاپا واپسی سے مانع ہوگا ، لیکن خریدار کو اختیار ہے کہ اسے لوٹا کر اپنے پورے دام واپس لے لے - اس اضافہ کے بدلے میں نہ اسے کچھ ملے گا اور نہ اس کے ذمہ بہت زیادہ موٹاپے کے عوض کچھ عاید ہوگا - یا پھر خریدار یہ کر سکتا ہے کہ اس جانور کو اسی طرح رکھ لے اور پرانے عیب ←

← کا معاوضہ بائع سے طلب کر لے - اگر موٹاپا معمولی سا ہو جس سے جسم بہتر ہو جائے تو (معاملہ کے حق میں) فضول ہے اور اس کا کچھ اثر مترتب نہ ہوگا -

دوسری قسم فروخت شدہ مال سے اسی کا ہم جنس اضافہ ہونا ہے ، مثلاً بچہ کا پیدا ہونا - پس اگر کوئی جاندار خریدا اور اس نے کوئی بچہ دیا ، خواہ وہ حمل خریدنے سے پہلے کا ہو یا بعد میں حمل ہوا ہو ، اس کے بعد اس میں کوئی ایسا قدیم عیب معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کیا جا سکے تو اس بچہ کی پیدایش کے بعد بھی واپس کیا جا سکتا ہے - خریدار کو اس کے واپس کرنے کا حق ہے؛ ساتھ ہی اس کا بچہ بھی واپس کیا جائے گا اور دام واپس لیے جائیں گے - اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ بچہ لونڈی کا ہو یا گائے کا یا اونٹنی کا یا بکری وغیرہ کا - اگر بچہ کی پیدائش سے اس کی مالیت کم ہو جائے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ بچہ اس کمی کی تلافی کرتا ہے یا نہیں - اگر وہ بچہ اس کمی کی تلافی کرتا ہے تو خریدار کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا - اگر اس کی تلافی نہیں کرتا تو خریدار کو چاہیے کہ اس مال کی واپسی کے ساتھ اس کی مالیت جو کم ہوئی وہ بھی ادا کرے -

تیسری قسم وہ اضافہ ہے جس کو فروخت شدہ شے سے نسبت ہو (یعنی وہ اضافہ اسی کا کہا جائے) لیکن جو اضافہ ہوا وہ اس کی جنس سے نہ ہو ، مثلاً درخت خرما یا کسی اور درخت کا پھل کہ وہ پھل درخت کا ہم جنس نہیں ہے لیکن کہا اسی درخت کا جاتا ہے ، یعنی اس پھل کا تعلق اسی درخت سے ہے - اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل یہ ہے کہ فروخت کنندہ نے یا تو فروخت کے وقت (مثلاً) کھجور کے درخت میں گابھا لگایا ہوگا اور خریدار سے یہ شرط طے کر لی ہوگی کہ اس کا جو پھل ہوگا وہ بائع کا ہوگا ، یا ایسی شرط نہ کی ہوگی - اگر یہ شرط کی گئی تھی اور (خریدنے کے بعد اس درخت میں) کوئی ایسا عیب ظاہر ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کرنا ہے تو خریدار کو چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کے پھل کو بھی واپس کرے ، اگرچہ وہ پھل تیار ہو گئے ہوں اور یا اسے توڑ لیا ہو - لیکن اگر خریدار وہ پھل کام میں لے آیا ، یعنی کھا لیا یا کسی کو دے دیا یا کسی طرح تلف ہوگیا تو لازم ہے کہ اسی قدر پھل بھی واپس کرے، بشرطیکہ اس کی مقدار معلوم ہو ؛ اگر مقدار معلوم نہ ہو تو اس کی جو مالیت ہے ←

← وہ ادا کی جائے۔ اگر وہ پھل فروخت کر دیے ہوں تو جو دام اس سے وصول ہوئے ہیں وہ دام اگر معلوم ہوں تو دے دے؛ اگر معلوم نہ ہوں تو جو مالیت اس کی ہوتی ہے وہ ادا کرے۔

اگر فروخت کنندہ نے درخت میں گابھا نہ لگایا ہو اور واپس کرنے سے پہلے اس کا پھل اتار لیا ہو تو وہ خریدار کا حق ہے، اسے بائع کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر پھل توڑنے سے پہلے اس درخت کو واپس کیا تو پھل سمیت واپس ہوگا، البتہ اگر پھل رنگ پکڑ گیا ہو، یعنی سرخ یا پیلا ہوگیا ہو تو اب وہ خریدار کا حق ہے۔ اور اس صورت میں جب کہ فروخت کنندہ نے یہ شرط نہیں کی تھی کہ پھل اس کا ہوگا تو وہ پھل فروخت شدہ متصور نہ ہوگا اور بائع بہر حال اس کا حق دار ہوگا۔ بخلاف اون کے کہ وہ بھیڑ کی فروخت میں بغیر کسی شرط کے داخل متصور ہوگی، لہٰذا جب بھیڑ واپس کی جائے تو اس کی اون بھی واپس کی جائے گی۔ اگر اس کی اون فروخت کر کے یا کسی اور طرح ختم کر دی ہو تو اس کے ہم وزن اون واپس کرنی ہوگی یا پھر بھیڑ کو واپس کر کے اس کے دام میں سے اون کی قیمت منہا کر کے واپس لے۔ اگر (واپسی سے پہلے) بھیڑ کے جسم پر تھوڑی بہت اون پھر پیدا ہو جائے تو اب خریدار کو کچھ دینا نہ پڑے گا، کیونکہ یہ اون تلف شدہ اون کی بجائے متصور ہوگی۔

واضح ہو کہ فروخت شدہ شے سے تعلق رکھنے والا ایسا اضافہ جو اس کی جنس سے نہیں ہے وہ کمائی ہے جو غلام (خرید شدہ) نے کی۔ پس اگر ایک غلام خریدا اور اس غلام نے تجارت کر کے کچھ کمایا، یا کسی نے کچھ مال اسے بخشا یا صدقہ کے طور پر دیا، اس کے بعد اس غلام میں کوئی ایسا عیب معلوم ہوا جو پہلے سے اس میں تھا اور جس کی بنا پر اسے واپس کرنا پڑا تو خریدار کو اختیار ہے کہ غلام کو اس کے کمائے ہوئے مال سمیت واپس کر دے یا مع اضافہ کے رکھ لے؛ دونوں حالتوں میں خریدار کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا؛ البتہ خریدار اس دوائی وغیرہ کے دام کا مطالبہ جو اس پر خرچ ہوا بائع سے کر سکتا ہے۔ اسی طرح تیار کھیت کو اس کی پیداوار کے ساتھ واپس کیا جائے تو خریدار آب رسانی کے مصارف کا مطالبہ بھی بائع سے کر سکتا ہے۔ ←

→ چوتھی قسم اضافہ کی وہ ہے جو خریدار نے خرید شدہ مال میں خود کیا ہو، مثلاً کپڑے کو رنگنا ، یا سلوانا ، چنانچہ اگر کوئی کپڑا خریدا اور اسے رنگوا لیا اور رنگ کے بعد اس کپڑے کا کوئی عیب پہلے کا معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کرنا ہو تو خریدار کو اختیار ہے کہ اس کپڑے کو رکھ لے اور پہلے کا جو عیب اس میں معلوم ہوا ہے اس کے جبر نقصان کا مطالبہ بائع سے کرے اور یا کپڑے کو مع اضافۂ رنگ کے واپس کرکے اپنے پورے دام وصول کرلے اور ساتھ ہی رنگائی کے آدھے دام کا بھی مطالبہ کرے ۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس عیب دار کپڑے کی مالیت رنگے ہوئے اور بغیر رنگے ہوئے دونوں حالتوں کی لگائی جائے ؛ اگر بغیر رنگ کپڑے کی مالیت بیس اور رنگ دار کی پچیس ہو تو دونوں میں پانچ کا فرق ہوا تو خریدار کو حق ہوگا کہ اس میں بائع کے ساتھ مشارکت کرے (یعنی پانچ میں دونوں شریک ہوں) ۔

پانچویں قسم اضافہ کی وہ ہے جس کا فروخت شدہ مال پر کوئی اثر نہ ہو۔ اس اضافہ سے اس کی حالت میں ترقی ہوتی ہے ، مثلاً کوئی غلام خرید کیا اور اسے کوئی ہنرسکھایا یا شایستہ بنایا ۔ اس قسم کے اضافہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے گو اس سے اس کی مالیت بڑھ گئی ہو ۔ پس اگر کوئی غلام خریدا اور اسے ادب سکھایا بعد میں اس کے اندر کوئی عیب معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کرنا ہوا تو خریدار کو حق ہے کہ اسے واپس کرکے اپنے دام لے لے یا اسے رکھ لے لیکن اس عیب کے جبر نقصان کا مطالبہ نہیں کر سکتا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ شے میں جو اضافہ ہو ، اس کی دو قسمیں ہیں :

اضافۂ متصل بالمبیع اور اضافۂ منفصل بالمبیع (یعنی ایک وہ اضافہ جو فروخت شدہ مال کی ہستی سے جدا نہ ہو سکے اور دوسرے وہ جو اس سے جدا ہو) ۔ متصل بالمبیع یہ ہے کہ جانور (خرید شدہ) دبلا ہو اور موٹا ہوجائے ، یا چھوٹا ہو، بڑا ہو جائے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ خریدار کو جب اس کا عیب معلوم ہو تو اس اضافۂ متصل فطری کے ساتھ (جو اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے) واپس کرے کیونکہ اس اضافہ کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا ، لہٰذا وہ بھی واپسی میں ←

← لامحالہ اس کے تابع ہوگا - کسی غلام کا ادب یا ہنر سیکھ لینا بھی اضافۂ متصل کی مانند ہے - پس اگر غلام خریدا اور اسے کوئی ہنر سکھایا اور بعد میں کسی عیب سابقہ کی بنا پر اسے واپس کیا تو (قدرتی طور پر) وہ ہنر بھی اس کے ساتھ جائے گا - درخت کے پھل کی مثال بھی جو ہنوز تیار نہ ہو ایسی ہی ہے کہ درخت واپس ہوگا تو اس کا پھل بھی ساتھ ہی واپس ہوگا ، لیکن اگر پھل تیار ہوگیا تو وہ اضافۂ منفصل قرار پائے گا - اس کا حکم آگے آ رہا ہے -

اضافۂ متصل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بیج خریدا اور اسے زمین میں کاشت کر دیا اور وہ کھیت بن گیا اور کسی سابقہ عیب کی بنا پر اسے واپس کرنا ہے تو اس کی واپسی دانہ کی شکل میں نہیں بلکہ کھیتی کی شکل میں ہوگی - اسی طرح اگر انڈا خریدا اور وہ چوزہ بن گیا پھر انڈے کو واپس کرنا ہوا تو چوزے کی شکل میں واپسی ہوگی - اسی طرح حمل بھی اضافۂ متصل ہے کہ اگر کوئی جانور خریدا یا لونڈی خریدی اور خریدنے کے بعد حمل ہوا اور پھر واپس کرنا ہو تو اس کی حمل کے ساتھ واپسی ہوگی - لیکن اگر خریدنے کے بعد حمل ہوا اور بچہ پیدا ہوا اور پھر اسے واپس کرنا ہو تو اب وہ بچہ اضافۂ منفصل قرار پائے گا اور فروخت کنندہ کو نہیں دیا جائے گا ، بلکہ خریدار اسے رکھ لے گا - لیکن معذوری کی صورت مستثنیٰ ہے ، مثلاً وہ بچہ کسی لونڈی کے ہاں پیدا ہوا اور لونڈی کو واپس کرنا ہو تو بچے کو بھی اس کے ساتھ واپس کرنا ہوگا ، کیونکہ ماں کو بچے سے جدا کرنا حرام ہے -

اضافۂ منفصل کی یہ صورتیں ہیں : درخت میں پھل تیار ہو جائے - حمل سے بچہ پیدا ہو جائے - فروخت شدہ (غلام) تجارت وغیرہ سے مال کما لے ، یا جانور دودھ دے - ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ یہ اضافہ شدہ اشیاء خریدار کی ہوں گی درآنحالیکہ مال فروخت شدہ اس کی سپردگی (یا ذمہ داری) میں ہو ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا - پس اگر مال فروخت شدہ کو واپس کیا جائے تو اس کا اضافۂ منفصل خریدار کا حق ہے جو اس کا مالک ہے -

واپسی کے وقت مال کے بارے میں فریقین کے اختلاف کا بیان

اگر اس مال کی کیفیت کے بارے میں جو کسی عیب کی بنا پر واپس کیا جا رہا ہو فریقین میں اختلاف ہو تو اس کے مسائل از روئے مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عیب کی بنا پر واپس کردہ مال کی کیفیت کے بارے میں فریقین معاملہ کے درمیان اختلاف ہو تو اس کی پانچ صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ فروخت شدہ مال کی تعداد میں اختلاف ہو ، مثلاً کسی شخص نے کوئی جانور خریدا اور اس کے دام ادا کرنے کے بعد اسے لے لیا ۔ بعد میں اس کے اندر کوئی عیب معلوم ہوا جس کی بنا پر اسے واپس کرنے کے لیے بائع کے پاس لایا جس نے اس عیب کو تو مان لیا لیکن وہ کہتا ہے کہ میں نے اس جانور کے ساتھ ایک اور جانور فروخت کیا تھا، لہٰذا آپ صرف اس جانور کے دام واپس لے سکتے ہیں ، ساری قیمت واپس نہیں لے سکتے ۔ خریدار کہتا ہے کہ میں نے اس کے سوا اور کوئی جانور نہیں خریدا ، لہٰذا تمام دام واپس دیجیے ۔ ان دونوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں خریدار کی بات مانی جائے گی ، کیونکہ اس کی حیثیت قابض اور انکاری کی ہے ، یعنی فروخت شدہ مال اس کے قبضہ میں ہے اور کسی دوسرے جانور کی خرید سے انکاری ہے جس کا بیچنا بائع نے بیان کیا ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ انکار کرنے والا اگر قسم کھا لے تو اس کی بات مانی جائے گی ۔ نیز وہ جانور جسے اس نے واپس کیا اس کا سودا تو اس واپسی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا اور اس کے دام خریدار کے ذمہ سے ساقط ہو گئے ۔ ادھر فروخت کنندہ اس دام کا کچھ حصہ طلب کر رہا ہے جو بوجہ اس کے کہ مال واپس کردیا گیا ہے ساقط ہو چکا ہے ۔ لیکن خریدار انکاری ہے اور بات اس کی مانی جائے گی جو انکاری ہے جیسا کہ بتایا گیا ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس مال پر خریدار نے قبضہ کیا اس کی تعداد میں باہمی اختلاف ہو ، لیکن فروخت شدہ مال کی تعداد میں اختلاف نہ ہو ۔ یعنی اس بات پر تو فریقین متفق ہیں کہ فروخت شدہ (مثلاً) جانوروں کی تعداد دو ہے جن کے دام

→ فروخت کنندہ نے وصول کر لیے ہیں - خریدار ان میں سے ایک واپس کرتا ہے مگر فروخت کنندہ کہتا ہے کہ آپ نے دو جانور لیے ہیں ، لہٰذا صرف اتنے دام واپس لے سکتے ہیں جو اس جانور کے حصہ کے ہیں ، اور خریدار کہتا ہے کہ میں نے سوا اس جانور کے جس کی قیمت کا مطالبہ کر رہا ہوں ، کسی اور جانور کا قبضہ حاصل نہیں کیا تھا - اس صورت میں بھی وہی حکم ہے جو اس سے پہلے بتایا گیا یعنی خریدار کی بات مانی جائے گی -

تیسری صورت یہ ہے کہ فروخت شدہ مال کی تفصیل میں فریقین کے درمیان اختلاف ہو ، مثلاً کسی نے قطنیہ (یعنی سوتی کپڑا) خریدا جو (اس کی دانست میں) مصری ساخت کا تھا، لیکن معلوم یہ ہوا کہ وہ شامی (ساخت کا) ہے لہٰذا اسے واپس کرنے کے لیے فروخت کنندہ کے پاس لایا - فروخت کنندہ کہتا ہے کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ شامی ہے اور خریدار کہتا ہے کہ ہرگز نہیں آپ نے تو یہ بتایا تھا کہ یہ مصری (یا بلدی) ہے - ایسی صورت میں فروخت کنندہ قسم کھا کر جو کہہ دے وہی مانا جائے گا ، کیونکہ وہ تنسیخ بیع کے حق سے (جس کا خریدار مطالبہ کررہا ہے) انکاری ہے ، کیونکہ اس کی حیثیت مدعی کی سی ہے، لہٰذا گواہ (یا ثبوت) پیش کرنا دعوے دار کا کام ہے -

چوتھی صورت یہ ہے کہ فریقین فروخت شدہ مال کی مقدار میں اختلاف رکھتے ہوں ، مثلاً کوئی وزن سے بکنے والا مال کسی نے خریدا لیکن اس کا وزن کم اترنے کے باعث واپس کرنے کے لیے لایا - اور بائع کہتا ہے کہ میں نے تو اسے پورا تول کر دیا ہے - ایسی صورت میں خریدار کی بات مانی جائے گی درآنحالیکہ خریدار یہ اقرار نہ کر چکا ہو کہ میں نے پورا مال وصول پا لیا ہے -

پانچویں صورت یہ ہے کہ فروخت شدہ مال کی عینیت میں اختلاف ہو، مثلاً کسی نے ایک جانور خریدا پھر اسے واپس کرنے کے لیے لایا اور فروخت کنندہ کہتا ہے کہ یہ تو وہ جانور نہیں ہے جو میں نے آپ کے ہاتھ فروخت کیا تھا ، مگر خریدار کا اصرار ہے کہ یہ وہی ہے - اس صورت میں دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ واپسی ، خیار شرط یا خیار رویت کے تحت ہو ، دوسری بات یہ ہے کہ وہ مال کسی سابقہ عیب کی بنا پر واپس کیا جا رہا ہو - پہلی بات ہو تو خریدار ←

← کے قسم کھا لینے پر اس کی بات مانی جائے گی ۔ دوسری بات ہو تو فروخت کنندہ کے قسم کھانے پر اس کی بات مانی جائے گی ۔ دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ شرط خیار اور شرط رویت کی صورت میں تو وہ سودا بلا توقف منسوخ کیا جا سکتا ہے ، درآنحالیکہ فریق ثانی اس عیب کو تسلیم کرے یا (بہ اختلاف بعض) اس عیب کو جانتا ہو ۔ پس جبکہ وہ سودا منسوخ ہو گیا تو اختلاف صرف مال مقبوضہ کی تعیین میں رہا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس حالت میں خریدار کی بات مانی جائے گی جس کا اس مال پر قبضہ ہے ۔ اب رہا وہ مال جو عیب کی بنا پر واپس کیا جائے اس میں خریدار اکیلا ، (یعنی یک طرفہ طور پر) بیع کو منسوخ نہیں کر سکتا، البتہ اس مال کے معاملۂ فروخت کو فسخ کرنے کے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے اور بائع اس حق سے انکار کرتا ہے، ایسی صورت میں انکار کرنے والے کی بات مانی جائے گی ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ مال کی کیفیت کے بارے میں فریقین کے اختلافات تین امور پر مشتمل ہیں :

امر اول یہ ہے کہ فریقین کا اختلاف اس میں ہو کہ مال میں جو عیب ہوا وہ کس کے پاس پیدا ہوا ؟ فروخت کنندہ کہتا ہے کہ اس مال میں عیب اس وقت پیدا ہوا جبکہ وہ خریدار کے قبضہ میں جا چکا تھا ۔ اور خریدار یہ کہتا ہے کہ یہ عیب، اسی وقت سے ہے جبکہ یہ بائع کے پاس تھا ۔ اس کی تین صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ اس عیب کے پیدا ہونے کا امکان بائع کے پاس بھی ہو سکتا ہے اور مشتری کے پاس بھی ، مثلاً کپڑے کا پھٹ جانا ، یا اس میں رفو کا ہونا ۔ پس اگر فروخت کنندہ خریدار سے کہتا ہے کہ آپ نے یہ کپڑا جب مجھ سے لیا تو یہ سالم تھا اور یہ آپ کے پاس جا کر پھٹا ہے ، اور خریدار اس کے برعکس کہتا ہے ، لیکن دونوں میں سے کسی کے پاس ثبوت نہیں ہے ، تو ایسی صورت میں خریدار کی بات تسلیم کی جائے گی اور اس پر لازم ہو گا کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر قطعی طور پر کہے کہ خریدنے کے وقت ہی سے یہ عیب اس میں موجود تھا ، یا یہ قسم کھا کر کہے کہ یہ عیب میرے پاس پیدا نہیں ←

← ہوا۔ قسم کھانے کے بعد خریدار کو یہ حق ہے کہ اس مال کو واپس کر دے، بشرطیکہ وہ مال اس کے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ گیا ہو، درآنحالیکہ اس نے نہ دیکھا ہو، لیکن اگر اس طرح اس کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں گیا تھا تو اب نہ قسم دی جائے گی اور نہ مال واپس کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ مال اس کی نظر سے دور ہوا ہے تو اس امر کا احتمال ہے کہ وہ عیب دوسرے شخص کے پاس پیدا ہوا ہو، لہٰذا اس احتمال کی موجودگی میں خریدار کے لیے جائز نہیں ہے کہ یقین کے ساتھ قسم کھائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس عیب کی حالت سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ قطعی طور پر فروخت کنندہ کے ہاں پیدا ہوا اور اس کا احتمال نہ ہو کہ وہ خریدار کے ہاں آ کر پیدا ہوا، مثلاً کوئی ایسا جانور خریدا جس کے زخم کا داغ بھر گیا ہو، ایکن اس داغ کی وجہ سے وہ جانور عیب دار ہو گیا ہو اور اس کی خبر خریدار کو دو ایک دن میں ہوئی ہو، تو اس زخم کا بھر جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ زخم پہلے کا ہے، اور اس امر کا احتمال ہی نہیں ہے کہ وہ خریدار کے ہاں پیدا ہوا ہو۔ ایسی صورت میں خریدار کی بات بغیر حلف اٹھائے مان لی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عیب کی حالت سے، بخلاف پہلی صورت کے، یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ عیب قطعی طور پر خریدار کے ہاں پیدا ہوا ہے، مثلاً کوئی جانور خریدا اور کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس کو زخم ہے اور یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ زخم اتنے عرصے کے بعد نمایاں ہوا ہو، اور وہ فروخت کنندہ کے ہاں پیدا ہوا ہو، ایسی صورت میں بائع کی بات بغیر حلف اٹھائے مان لی جائے گی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ فریقین کو فروخت شدہ کے تعین میں اختلاف ہو، مثلاً کوئی شخص جس کے ذمہ قرض نہیں ہے ایک جانور فروخت کرتا ہے، اور بعد میں خریدار اسے (کسی وجہ سے) واپس کرنا چاہتا ہے، لیکن فروخت کنندہ کہتا ہے کہ یہ تو وہ جانور نہیں ہے جسے میں نے آپ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ خریدار کہتا ہے کہ یہ وہی جانور ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ اس جانور کی واپسی ایسے عیب کی وجہ سے ہو جو ←

← اس میں پہلے سے موجود تھا ۔ اس صورت میں فروخت کنندہ قسم کھا کر جو بات کہے وہ مان لی جائے گی ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ واپسی خیار شرط کی بنا پر ہو ، مثلاً وہ جانور پسندیدگی کی شرط پر لیا گیا تھا اور اسے واپس کرنے کے لیے فروخت کنندہ کے پاس لایا گیا ۔ ایسی صورت میں خریدار قسم کھا کر جو بات کہے وہ مانی جائے گی ۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ عیب کی وجہ سے مال کی جو واپسی ہے اس میں بائع ، خریدار کے حق تنسیخ بیع سے انکاری ہے ، یعنی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ وہ مال وہی ہے جو اس نے فروخت کیا تھا ، لہٰذا جو انکاری ہو اس کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی ۔ لیکن شرط پسندیدگی کی بنا پر مال کو واپس کرنے والا گو تنسیخ معاملہ کے حق کا دعویدار ہے ، لہٰذا اس کی بات مانی جائے گی ، بائع کی نہ مانی جائے گی ۔

تیسرا امر یہ ہے کہ فریقین کو دام کی تعیین میں اختلاف ہو ، مثلاً کوئی خاص مال اسی جیسے مال کے عوض خریدا گیا ؛ پھر اس مال کو کسی عیب کی بنا پر واپس کرنا ہوا اور اس کے دام کے طور پر جو دیا گیا تھا ، وہ واپس لیا گیا لیکن خریدار کا کہنا ہے کہ جو چیز واس کی جا رہی ہے یہ وہ نہیں ہے (جو دی گئی تھی)۔ فروخت کنندہ کا کہنا ہے کہ یہ وہی ہے ۔ اب دونوں میں سے کسی کے پاس (اپنے دعوے کا) ثبوت نہیں ہے ۔ ایسی صورت میں خریدار کی بات اس کی قسم پر مان لی جائے گی ۔ اسی طرح اس صورت میں جبکہ مال کی تعیین نہ ہوئی اور اس کا سودا کیا گیا مثلاً قرض دے کر کچھ عرصہ کے بعد اس قرض کے عوض مال لینے کا سودا کرنا جسے بیع سلم کہتے ہیں (جس میں قیمت فی الوقت دے کر مال ایک معین عرصہ کے بعد لینے کا وعدہ ہوتا ہے) اس میں حاضر مال معین نہیں ہوتا ۔ اب اگر وہ مال وصول کیا پھر کسی عیب کی بنا پر اسے واپس کرنا ہوا اور فروخت کنندہ کہے کہ یہ وہ مال نہیں ہے اور خریدار کہے کہ یہ وہی ہے تو خریدار کی بات مان لی جائے گی ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ مال کے بارے میں جب فریقین میں اختلاف ہو تو وہ اختلاف چار امور پر مشتمل ہو گا : ←

→ امر اول یہ ہے کہ فریقین کا اس امر میں اختلاف ہو کہ فروخت کے وقت خریدار نے اس عیب کو دیکھ لیا تھا یا نہیں ؟ فروخت کنندہ خریدار سے کہے کہ یہ عیب تو (جس کی بنا پر اب مال واپس کیا جا رہا ہے) آپ نے دیکھ لیا تھا اور معاملہ کرنے سے پہلے ہی یہ آپ کو معلوم تھا - اور خریدار کہے کہ نہ میں نے یہ عیب دیکھا اور نہ مجھے اس کا علم تھا - ایسی صورت میں خریدار کی بات مانی جائے گی ، لہٰذا وہ مال واپس کر سکتا ہے ؛ اس کے لیے اسے حلف اٹھانا ضروری نہیں ہے - البتہ اگر فروخت کنندہ کا اصرار ہو کہ اس نے اس عیب سے اس کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور بتا دیا تھا تو خریدار کو قسم کھانی پڑے گی - اگر خریدار قسم کھالے تو اسے مال کے واپس کرنے کا حق ہوجائے گا - اگر خریدار حلف اٹھانے سے انکار کرے تو فروخت کنندہ قسم کھا کر کہے گا کہ خریدار کو فروخت کے وقت ہی اس عیب کا علم تھا - اس قسم کے بعد خریدار کو مال کی واپسی کا حق نہ رہے گا - اسی طرح کی نظیر یہ بھی ہے کہ خریدار خود اپنی بابت شہادت دے کہ بلا شبہ میں نے اس مال کو دیکھا اور اس کی جانچ پڑتال بھی خریدنے سے پہلے کی تھی ، لیکن وہ عیب جس کی بنا پر وہ مال واپس کرنا چاہتا ہے اسے معلوم نہیں ہو سکا - اور فروخت کنندہ کہے کہ ایسا نہیں ہے ، بلکہ اس عیب کی بابت آپ کو پہلے سے معلوم تھا اور خرید کے وقت آپ نے اس کو دیکھ لیا تھا - غرض خریدار کے ذمہ یہ ہے کہ وہ حلف اٹھا کر کہے کہ میں نے یہ عیب نہیں دیکھا تھا - حلف اٹھانے کے بعد وہ مال واپس کر دینے کا اسے حق ہو گا - اگر وہ حلف اٹھانے پر تیار نہ ہو، اور فروخت کنندہ حلف اٹھا لے تو خریدار کو وہ مال رکھنا پڑے گا -

دوسرا امر یہ ہے کہ عیب خفی سا ہو اور فریقین کو اس عیب پر خریدار کے راضی ہونے نہ ہونے کی بابت اختلاف ہو ، باس طور کہ فروخت کنندہ اس بات کو تسلیم کرتا ہو کہ بلاشبہ خریدار نے لیتے وقت اس عیب کو نہیں دیکھا تھا ، لیکن بعد میں دیکھا اور اس پر راضی تھا - لیکن خریدار اس رضا سے انکاری ہے اور کہتا ہے کہ میں اس پر کبھی راضی نہیں ہوا - ایسی حالت میں (اس مسئلے کی) تین صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے دعوے کو کسی طرح تقویت نہ ←

← ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ خریدار اُس مال کو قسم کھائے بغیر واپس کر سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے دعوے کی توثیق اُس کے ایک اور قول سے ہوتی ہو کہ وہ یہ بیان کرے کہ کسی شخص نے اُسے بتایا تھا کہ خریدار اُس عیب سے آگاہ ہونے کے باوجود اُس کو خریدنے پر راضی تھا، لیکن اُس شخص کا نام نہیں بتاتا۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ فروخت کنندہ خریدار کو قسم دلائے کہ وہ اُس عیب سے آگاہ ہونے کے بعد اُس کی خرید پر راضی نہیں تھا۔ اور اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا خریدار کو بھی یہ حق ہے یا نہیں کہ وہ فروخت کنندہ کو حلف دلائے کہ واقعی کسی شخص نے اُس کو یہ بتایا تھا (کہ میں عیب کے باوجود خریدنے پر تیار تھا)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے اُسے کہا ہے کہ خریدار اُس عیب پر راضی ہے، ساتھ ہی وہ اُس شخص کا نام بھی بتا دے جس نے اُسے یہ اطلاع دی تو ایسی حالت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ جس کا نام بائع نے بتایا ہے، آیا وہ گواہی کی صلاحیت رکھتا ہے یا کوئی ناپسندیدہ انسان ہے جو شہادت کا اہل نہیں ہے ایسے شخص کو مالکیہ ''مسخوط'' (ناپسندیدہ شخصیت) کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس کے گنہگار ہونے کے باعث اُسے ناپسند فرماتا ہے۔ اب اگر وہ ادائے شہادت کا اہل ہے اور اُس کی شہادت کی بنا پر فروخت کنندہ مال کے اُس عیب پر بھی خریدار کا راضی ہونا ثابت کرتا ہے تو بائع قسم کھائے گا اور تب اُس فروخت کی تکمیل ہو جائے گی۔ اور خریدار کا یہ دعویٰ کہ وہ اس کی خرید پر کبھی راضی نہیں ہوا تھا بے فائدہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص شہادت کا اہل نہیں ہے یا وہ اہل ہے لیکن فروخت کنندہ نے اُس کی شہادت کی بنا پر خریدار کا راضی ہونا ثابت نہ کیا تو خریدار قسم کھائے گا کہ اُس نے رضا مندی کا اظہار نہیں کیا اور مال کو واپس کر دے گا۔ یاد رہے کہ خریدار پر قسم اسی حال میں واجب ہوگی جب کہ شاہد فاسق ہو، کیونکہ اُس کا بائع کی تصدیق کرنا فی الجملہ بائع کے دعوے کو قابل ترجیح بنا دیتا ہے۔ اگر خبر دینے والے نے فروخت کنندہ کی تکذیب کر دی تو بقول ظاہر ←

← خریدار پر قسم عاید نہ ہوگی ، خواہ خبر دینے والا عادل ، اور ثقہ پرست ہو ، یا نامعتبر شخص ہو۔

تیسرا امر یہ ہے کہ فریقین میں اُس عیب کے مال میں پہلے سے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہو، درآنحالیکہ وہ عیب خفی ہو اور ظاہر نہ ہو، یا ظاہر ہو لیکن وہ ایسا ہو کہ غور سے نہ دیکھا جائے تو اُس کا پتہ نہ چلے۔ پس اگر خریدار دعویٰ کرے کہ وہ عیب پرانا ہے اور مال میں فروخت سے پہلے ہی موجود تھا اور فروخت کنندہ یہ کہے یہ عیب خریدار کے پاس جا کر مال میں پیدا ہوا تو اس کی پانچ صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی گواہ نہ پیش کر سکے جو اُس کے حق میں شہادت دے۔ ایسی صورت میں فروخت کنندہ کی بات بغیر قسم کھائے مان لی جائے گی اور فروخت بحال رہے گی ، تاآنکہ مال میں کوئی اور پرانا عیب نئے زیر تصفیہ عیب کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے۔ ایسا ہوا تو خریدار کی بات مانی جائے گی کہ وہ زیر تصفیہ عیب اس کے پاس پیدا نہیں ہوا ، لیکن اس پر قسم کھانا ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی واقف کار آدمی گواہ ہو اور فروخت کنندہ کے حق میں شہادت دے کہ یہ عیب قطعی طور پر خریدار کے ہاں آ کر پیدا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں بغیر قسم کھائے فروخت کنندہ کی بات مان لی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے حق میں کوئی گواہ ایسی شہادت دے جس سے یہ شبہ یا گمان ہو سکے کہ وہ عیب خریدار کے ہاں آ کر پیدا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں فروخت کنندہ کی بات اُس کی قسم پر مان لی جائے گی۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی گواہ خریدار کے حق میں یہ شہادت دے کہ یہ عیب قطعی طور پر پرانا ہے۔ ایسی صورت میں خریدار کی بات اُس کے حلف کے بغیر مانی جائے گی اور اُسے مال کے واپس کرنے کا حق ہوگا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ خریدار کے حق میں ایسی شہادت مہیا ہو جس سے اُس عیب کے پرانا ہونے کا شبہ یا گمان کیا جا سکے۔ ایسی صورت میں خریدار کے قسم کھا لینے پر اُس کی بات مانی جائے گی اور اُسے مال کی واپسی کا حق ہوگا۔ ←

→ واضح ہو کہ اگر عیب نمایاں ہو اور دیکھتے ہی اُس کا جان لینا ممکن ہو تو اس کے لیے گواہ وغیرہ کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا ، بلکہ یہ خیال کیا جائے گا کہ خریدار اُس عیب سے آگاہ تھا اور اس پر راضی تھا - اگر اس کے پرانا ہونے کی بابت قطعی شہادت مہیا ہو جائے تو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا -

چوتھا امر یہ ہے کہ عیب خفی کے بارے میں اختلاف ہو - فروخت کنندہ کہے کہ یہ عیب نہیں ہے اور خریدار کہے کہ یہ عیب ہے - ایسی حالت میں فروخت کنندہ کی بات بغیر قسم کھائے مانی جائے گی ، کیونکہ بنیادی بات عیب کا نہ ہونا ہے ، لہٰذا اسی پر عمل درآمد ہوگا ؛ تاوقتیکہ کوئی ایسی علامت نہ پائی جائے جو فروخت کنندہ کے دعوے کو کمزور کر دے - اندریں حال اُس کی بات قسم کھانے پر تسلیم کر لی جائے گی - اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک جانور خریدا جس میں کوئی ایسا عیب تھا جو فروخت کے وقت محسوس نہیں کیا جا سکا - بعد میں جب اُس جانور کو کام میں لایا گیا تب خریدار کو اس کا پتہ چلا - فروخت کنندہ اس سے انکاری ہے کہ وہ عیب پہلے سے موجود تھا ، اور خریدار کہتا ہے کہ یہ عیب موجود تھا تو فروخت کنندہ کی بات بغیر قسم کھائے مانی جائے گی ، البتہ اگر اس جانور کو کسی کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ اس سے کام لے اور یہ دیکھے کہ یہ عیب موجود تھا یا نہیں ؟ اب وہ جانور جس کی سپرداری میں تھا اُس شخص نے بتایا کہ وہ عیب موجود ہے تو اس حالت میں فروخت کنندہ کی بات مانی جائے گی ، لیکن اب اُسے قسم کھا کر کہنا ہوگا ، کیونکہ سپرداری میں لینے والے کی بات نے بائع کے اس دعوے کو کمزور کر دیا کہ اس میں سرے سے عیب ہی نہیں ہے -

واضح ہو کہ کسی عیب کے پرانا یا نیا ہونے کی بابت شہادت دینے کے لیے مسلمان ہونے اور ثقہ ہونے کی شرط نہیں ہے - نیز ایسے امور میں ایک ہی شخص کی شہادت کافی ہے ، کیونکہ (درحقیقت) یہ گواہی نہیں ہے ، بلکہ اطلاع ہے؛ تاہم اس میں یہ شرط ہے کہ جھوٹ بول کر شہادت کو رد نہ کیا جائے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر فریقین میں کسی عیب کے نیا ہونے یا پرانا ہونے (یعنی فروخت سے پہلے کا یا بعد کا ہونے) میں اختلاف ہو تو اس کی پانچ صورتیں ہوں گی : ←

← پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین ایک ایسے عیب کے بارے میں اختلاف کریں جس کو نیا قرار دینا یا پرانا قرار دینا دونوں ممکن ہوں اور کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جس کی بنا پر کسی ایک خیال کو ترجیح دی جا سکے ، بلکہ دونوں باتوں کا (یکساں) احتمال ہو - ایسی حالت میں اگر فروخت کنندہ دعویٰ کرے کہ وہ عیب نیا پیدا ہے شدہ درآنحالیکہ مال خریدار کے پاس ہو تو اُس کی تصدیق کی جائے گی ، کیونکہ (معاملات میں) بنیادی تصور یہی ہے کہ سودے کو بحال رکھا جائے نہ کہ منسوخ کیا جائے - تاہم شافعیہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے بائع کو قسم کھانی ہوگی، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ خریدار ہی سچا ہو -

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شے کو اس شرط پر فروخت کیا جائے کہ اُس میں کوئی عیب تصور نہ کیا جائے ، مثلاً بائع یوں کہے کہ میں اس جانور کو اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی عیب ہو تو میں اُس کا ذمہ دار نہ ہوں گا - اور مسائل سابقہ سے یہ امر واضح ہے کہ یہ شرط بوقت فروخت جانور کے اندرونی عیب کے سوا اور کسی عیب کے لیے نہیں ہو سکتی - پس اگر وہ جانور عیب سے خالی ہے اور سودا طے ہو جانے نیز خریدار کے قبضہ حاصل کرنے سے پہلے معلوم ہوا تو اُسے واپس کر دیا جائے گا - اس حالت میں اگر خریدار دعویٰ کرے کہ یہ عیب فروخت کے بعد لیکن قبضہ کرنے سے پہلے کا ہے تو اس عیب کے ساتھ اُسے واپس کر دیا جائے گا - اور فروخت کنندہ کہے کہ وہ پرانا عیب ہے (یعنی فروخت کے بعد کا نہیں ہے) اور اُس سے لاتعلقی کی شرط میں نے پہلے ہی کر لی تھی ، لہٰذا میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں تو فروختِ کنندہ کی بات مانی جائے گی -

تیسری صورت یہ ہے کہ فریقین میں دو عیبوں کے بارے میں نزاع ہو؛ خریدار کہے کہ یہ دونوں پرانے ہیں اور فروخت کنندہ کہے کہ ان میں سے ایک عیب تو پرانا ہے ، لیکن دوسرا بعد میں پیدا ہوا تو اس صورت میں خریدار کی بات اُس کے قسم کھانے پر مانی جائے گی - اگر خریدار قسم کھانے سے انکار کرے تو فروخت کنندہ سے اُس کی تردید کے لیے حلف نہیں لیا جائے گا ، کیونکہ اس حلف سے کچھ فائدہ نہیں ہے - خریدار کا حلف اُٹھانے سے انکار کرنا بائع کے لیے خریدار کے خلاف ←

خیار رویت اور غیر حاضر مال کا سودا کرنے کے مسائل

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ معاملۂ خرید و فروخت کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ مال اور اُس کے دام فروخت کنندہ اور خریدار کو معلوم ہوں۔

← کوئی حق ثابت نہیں کرتا ، ہاں خریدار کو حکماً مال کی واپسی کے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ اس صورت حال کا وہی حکم ہے جو پہلے اُس صورت میں بتایا گیا جب کہ فروخت شدہ مال میں خریدار کے پاس آ کر عیب پیدا ہوا ہو ، اور اس کے بعد اُس میں کوئی پہلے کا عیب معلوم ہوا ہو۔ ایسی صورت میں خریدار کو حکماً واپس کرنے کا حق نہ ہوگا ، اور بعد میں اس مسئلہ کی تین صورتیں ہوں گی :

ایک یہ کہ بائع اُس مال فروخت شدہ کو واپس لینے پر راضی ہو جائے اور نئے پیدا شدہ عیب کی تلافی کا مطالبہ نہ کرے۔

دوسرے یہ کہ خریدار اُس مال کے رکھ لینے پر راضی ہو جائے اور پرانے عیب کی تلافی کا مطالبہ نہ کرے۔ فریقین کا اس پر متفق ہو جانا جائز ہے۔

تیسرے یہ کہ دونوں فریقوں میں سے ایک کا مطالبہ تو یہ ہو کہ بیع کو منسوخ کردیا جائے ، اور دوسرا کہے کہ بیع بحال رہے۔ ایسی صورت میں اُس کی خواہش پر عمل درآمد ہوگا جو بیع کو بحال رکھنے کا مطالبہ کرتا ہو اور فروخت کنندہ پر واجب ہوگا کہ پرانے عیب کا جبر نقصان کرے۔

چوتھے یہ کہ وہ عیب ایسا ہو جو اُس عیب کے قدیم ہونے پر دلالت کرتا ہو ، مثلاً فروخت شدہ (جانور) کے جسم پر کسی زخم کا نشان ہو جو بھر گیا ہو ، حالانکہ فروخت شدہ مال کو خریدے ہوئے ، مثلاً ایک دن سے زیادہ نہیں ہوا ، ایسی صورت میں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اُس کو زخم آیا اور ایک ہی دن میں اچھا بھی ہو گیا۔ ایسی صورت میں خریدار کی بات مانی جائے گی۔

پانچویں یہ کہ وہ عیب ایسا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ تازہ عیب ہے ، مثلاً ایسا زخم جو ہنوز مندمل نہ ہوا ہو ، حالانکہ اُس کا سودا اور مال پر قبضہ حاصل کیے ہوئے کافی طویل زمانہ گزر چکا ہو۔ ایسی صورت میں فروخت کنندہ کی بات بغیر قسم کھائے مان لی جائے گی۔

لہٰذا ایسا سودا نہیں کیا جا سکتا جس کی بابت فریقین کو معلومات حاصل نہ ہوں اور اس طرح اُن میں نزاع کی صورت پیدا ہو جائے، حالانکہ شرع شریف کا مقصد یہ ہے کہ (ابنائے جنس میں) باہمی تعلقات خوشگوار رہیں - اسی لیے شرع شریف چاہتی ہے کہ نوع انسان کے باہمی معاملات کا فیصلہ اس طرح کیا جائے کہ لوگوں میں جھگڑے اور اختلافات ختم ہو جائیں، لہٰذا معاملات خرید و فروخت کی خرابیوں کو جن کی وجہ سے جھگڑے اور عداوتیں پیدا ہوتی ہیں شرع شریف نے مٹا دیا ہے - یہاں تک کہ چاروں مسلکوں کے امام باہم پورے طور پر متفق ہیں، جیسا کہ شرایط صحت معاملات کے بارے میں سابقاً بتایا گیا - لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مال فروخت کی پوری وضاحت نہ ہونے کے باعث، اور ایسی صورت میں جب کہ مال فروخت کا علم نہ ہو فقہا میں اختلاف ہے - لیکن بعض دوسرے اسباب کی بنا پر جو نزاع پیدا ہو اُن کا فیصلہ ممکن ہے - منجملہ اُن کے ایک شکل یہ ہے کہ غیر حاضر مال کا سودا خیار رویت کی شرط پر کیا جائے، (یعنی یہ شرط ہو کہ دیکھنے کے بعد معاملہ کو بحال رکھنے یا رد کرنے کا اختیار ہوگا) ایسے سودوں کے صحیح ہونے کے بارے میں اہم امور کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو -[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی شے جو فریقین یا کسی ایک فریق کی نظر سے اوجھل ہو اُس کا سودا کرنا صحیح نہیں ہے، خواہ وہ شے سرے سے اس جگہ موجود نہ ہو جہاں معاملہ طے ہوا، یا موجود ہو، لیکن ڈھکی ہوئی ہو جس کی کیفیت کسی فریق کو معلوم نہ ہو - قطع نظر اس کے کہ مال فروخت کی اس طرح تفصیل بتا دی جائے کہ اُس کی قسم معلوم ہو جائے، مثلاً یہ کہنا کہ میں ایک بوری پاکستانی گندم یا مصری گندم آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں یا کوئی تفصیل نہ بتائی، مثلاً صرف یہ کہا کہ میں آپ کے ہاتھ ایک بوری گندم فروخت کرتا ہوں اور یہ نہ بتایا کہ وہ گندم پاکستانی ہے یا مصری ہے - ان دونوں صورتوں میں اگر وہ گندم دونوں میں سے کسی کی نظر سے اوجھل ہے تو یہ سودا کسی حال میں درست نہیں ہے - اس قول کو فوقیت حاصل ہے - تاہم اس بارے میں ایک اور قول بھی ہے جو اس قول فایق کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر حاضر مال کا سودا ←

← درست ہے بشرطیکہ اس کی تفصیل اس طرح بتا دی گئی ہو کہ مال کی جنس واضح ہو جائے، جیسا کہ پہلی مثال میں بتایا گیا - اور ایک دوسرا قول وہ ہے جو تین اماموں کے متفقہ مسلک کے مطابق ہے، یعنی غیرحاضر مال کا سودا درست ہے جب کہ اس کی تفصیل بتا دی گئی ہو، بشرطیکہ خریدار یہ شرط کرلے کہ دیکھنے کے بعد معاملہ کو رد کردینے کا اسے اختیار ہوگا - اس مسئلہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

واضح ہو کہ ایسا مال جس کی کیفیت کا جاننا اس کے چکھنے یا سونگھنے سے متحقق ہوتا ہے - اس کو چکھنے یا سونگھنے کی بجائے اس کا دیکھ لینا کافی ہے مثلاً شہد، گھی اور میوہ جات وغیرہ - ایسی چیزوں کو چکھے یا سونگھے بغیر ہی محض دیکھ کر خرید لیا جائے تو بیع درست ہوگی، لیکن جب اس میں عیب کا پتہ چلے تو اسے واپسی کا اختیار ہوگا - اسی طرح مال فروخت کو گننے، تولنے، ماپنے، یا پیمائش کرنے کی بجائے محض دیکھ لینا صحت معاملہ کےلیے کافی ہے، لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں گندم کے اس انبار یا ڈھیری کو آپ کے ہاتھ فروخت کر رہا ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی مقدار کتنی ہے مگر وہ آنکھوں کے سامنے ہے تو یہ بیع درست ہوگی، کیونکہ دیکھنے سے اس کی مقدار تخمینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے، اور اس قدر جان لینا صحت بیع کے لیے کافی ہے - معہٰذا اگر پورے طور پر یہ یقین تھا کہ ڈھیری ہموار جگہ پر لگی ہوئی ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کی جگہ ابھری ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس کی مقدار کا اندازہ لگانے میں دھوکا ہوا تو وہ بیع فاسد (ناقص) ہوگی - لیکن اگر قطعی طور پر زمین کے ہموار ہونے کا یقین نہ تھا لیکن یہ محض گمان تھا (درحقیقت اس کے نیچے کی زمین ابھری ہوئی تھی) تو معاملہ صحیح ہو جائے گا، مگر واپسی کا اختیار رہے گا - تاہم ڈھیری کا سودا بغیر ناپے تولے کرنا مکروہ ہے، کیونکہ بالعموم ایسی صورت میں مقدار کے ذہنی اندازے درست نہیں ہوتے - چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اندازہ دس پیمانے کا لگایا جاتا ہے اور صرف چھ پیمانے نکلتا ہے، کیونکہ دانے اوپر نیچے چڑھے ہوتے ہیں - لیکن ایسی اشیاء کا سودا جن کی مقدار کا تعین وزن یا گنتی سے کیا جاتا ہے (ڈھیری میں) کیا گیا تو بلا کراہت صحیح ہوگا گو اس کی تعداد اور وزن معلوم نہ ہو - ←

→ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مال فروخت کو سودا کرنے کے وقت ہی دیکھا جائے ، بلکہ اگر سودا طے کرنے سے پہلے بھی دیکھ لیا ہو تو کافی ہے ، بشرطیکہ وہ مال ایسا ہو جو اپنی حالت پر قائم رہنے والا ہو اور خریدنے کے وقت اُس میں خرابی پیدا نہ ہوئی ہو۔ ایسی اشیاء کی نظیر، مثلاً زمین ، برتن ، لوہا ، تانبا وغیرہ ایسی تمام اشیاء ہیں جن میں تغیر نہیں ہوتا۔ ایسی شے کو اگر پہلے کبھی دیکھا ہو اور ایک عرصہ کے بعد دوبارہ دیکھے بغیر اُس کا سودا کرلیا تو درست ہوگا۔ لیکن اگر وہ شے ایسی ہو جو ایک حالت پر قائم رہنے والی نہ ہو جیسے میوہ یا خوردنی اشیاء جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں ؛ اگر وہ دیکھی ہوئی ہیں لیکن اتنے عرصہ کے بعد ان کا سودا کیا جتنے عرصہ میں ویسی اشیاء بالعموم خراب ہو جاتی ہیں تو یہ صحیح نہ ہوگا ۔

اگر مال فروخت کوئی ایسی شے ہو جس کی بانگی دیکھنے سے اُس تمام مال کی کیفیت معلوم ہو جائے تو پورا مال دیکھنا ضروری نہیں ہے ، کیونکہ تھوڑا سا دیکھ لینا پورے مال کے دیکھ لینے کی دلیل ہے ۔ ایسا سوداً بالعموم نمونہ دیکھ کر کیا جاتا ہے ۔ جب کہ خریدار فروخت کنندہ سے کہے کہ گندم ، جو یا مکی جو بیچنی ہے اُس کا نمونہ دکھا دو اور بیچنے والا تھوڑا سا لا کر دکھا دے اور اُسی کو دیکھ کر سارا مال خرید لیا جائے۔ ایسے مال کے سودے کو مفتیوں کی اصطلاح میں بانگی کا سودا کہتے ہیں ۔ اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ مال تھوڑا یا بہت ایک ہی طرح کا ہو اور بائع یہ کہے کہ میں اس نمونہ کے مطابق مثلاً گندم آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں ۔ لیکن اگر نمونہ کی شے دکھائی دی گئی مگر سودا نہیں ہوا پھر باقی مال (بن دیکھے) فروخت کیا گیا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں فروخت شدہ مال کا کچھ حصہ بھی خریدار نے (سودا کرنے کی غرض سے) نہیں دیکھا ۔ اسی طرح اگر نمونہ کا مال جداگانہ فروخت کیا اور باقی مال کا جداگانہ سودا کیا تب بھی یہ بیع درست نہ ہوگی ، کیونکہ اس صورت میں نہ خریدار نے پورا مال فروخت دیکھا اور نہ اُس کا نمونہ دیکھا ۔

اگر مال فروخت چھلکے دار شے کی گری ہو تو اُس کی کئی حالتیں ہوں گی : ←

پہلی حالت یہ ہے کہ اس شے کے اوپر دو چھلکے ہوں ۔ ایک چھلکا جو گری سے چپکا ہوا ہوتا ہے جو کھائی جاتی یا استعمال میں آتی ہے اور دوسرا اس کے اوپر ہوتا ہے جیسے پستہ ، بادام یا گنا ۔ ایسی حالت میں اگر وہ چھلکا اس چھلکے کو جو گری کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے پورے کا پورا ڈھک لے تو اس کا دیکھنا مال فروخت کا دیکھنا متصور نہ ہوگا ۔ لیکن اگر اوپر والا چھلکا گودے سے چپکے ہوئے چھلکے کو پورا نہ ڈھانپے جیسے گنا کہ اس کا اوپری چھلکا گنے کی پوریوں کو مکمل طور پر نہیں ڈھانپتا تو اسے اوپر سے دیکھ لینا مال فروخت کا دیکھ لینا متصور ہوگا (اور بیع درست ہوگی) ، کیونکہ کچھ حصے کا دیکھ لینا باقی کو دیکھ لینے کے برابر ہے ۔ اگر ایسا چھلکا ہو جو پورے گودے کو یا اس کے کچھ حصے کو چھپا لے تو اس کا دیکھ لینا (معاملہ کرنے کے لیے) کافی ہوگا ، بشرطیکہ وہ چھلکا ہی اس شے کی حفاظت کرتا ہو ، یعنی اگر اس چھلکے کو اتار دیا جائے تو اس شے کو محفوظ رکھنا ممکن نہ ہو ۔

اس صورت میں جب کہ اس پر دو چھلکے ایسے ہی ہوں لیکن وہ چھلکا جو گودے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ سخت نہ ہو (یا چھیلا نہ جا سکے)، جیسے ہرا لوبیا ایسی شے کا سودا اوپر کا چھلکا دیکھ کر کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ وہ چھلکا جو مغز ہے اتارا (چھیلا) نہ جا سکے وہ مغز کے ساتھ ہی کھایا جاتا ہے ، لہٰذا اس پر ایک ہی چھلکا تصور کیا جائے گا ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اس شے کا قدرتی طور پر ایک ہی خول ہو ، لیکن اس خول پر اس شے کی حفاظت اور رکھنے کا انحصار نہ ہو، جیسے سیپ کا موتی کہ اس کو محفوظ رکھ چھوڑنا اس پر موقوف نہیں ہے کہ اسے سیپ کے خول ہی میں رکھا جائے ۔ یا جیسے مشک کا نافہ کہ اس کا محفوظ رکھنا نافہ پر موقوف نہیں ہے ۔ ایسی اشیاء کا سودا جب تک کہ اسے خول سے باہر نہ نکالا جائے درست نہیں ہے ۔ لیکن اس پر کپاس کی روئی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا اگرچہ اس کا چھلکا (یعنی کپاس کا ڈوڈا) اس کی حفاظت کرتا ہے ، تاہم روئی کا سودا کپاس سے نکالنے کے بعد ہی ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں روئی کا سودا (کپاس کے اندر) صحیح نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ روئی کی افادیت کا پتا (کپاس کے ڈوڈے کے اندر) نہیں لگایا جا سکتا ۔

تیسری حالت یہ ہے کہ مال فروخت کے اوپر مصنوعی خول ہو - اس کی دو شکلیں ہیں :

پہلی شکل یہ ہے کہ اس چیز کا سودا کیا جا رہا ہو جو خول یا غلاف کے اندر ہے ، جیسے لحاف یا تھیلے میں بھری ہوئی روئی ہو اور بغیر غلاف کے روئی بیچنا مقصود ہے تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ بقول راجح اس روئی کو یا اس میں سے تھوڑی سی روئی کو دیکھ لیا جائے -

دوسری شکل یہ ہے کہ بغیر غلاف کے روئی بیچنا مقصود نہ ہو ، جیسے کوئی روئی دوغلہ میں بھری ہوئی ہے ، ایسی صورت میں اس بھری ہوئی روئی کا دیکھنا ضروری نہیں ہے ، کیونکہ محض روئی کی فروخت مدنظر نہیں ہے -

فقاع (شیرۂ کشمش) کا سودا بغیر دیکھے بھی ہو سکتا ہے - فقاع ایک مشروب ہے جو کشمش سے تیار کیا جاتا ہے اور احتیاطاً کوزوں یا مرتبانوں میں سربند رکھا جاتا ہے - یہی حال مربے وغیرہ کا ہے -

یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر مال فروخت کا کچھ حصہ جس سے تمام کی کیفیت معلوم ہو سکے ، دیکھ لیا جائے تو صحت بیع کے لیے کافی ہے - اور مختلف مال فروخت کے پیش نظر اس کے (دیکھنے کے) مسائل بھی مختلف ہیں - چنانچہ اگر مثلاً کوئی مکان خریدنا ہے تو باہر سے اس کے صحن کو دیکھ لینا کافی نہیں ہے ، کیونکہ محض اس کے دیکھ لینے سے سارے مکان کی حالت نہیں معلوم ہو سکتی ، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ متعلقہ حصوں کو دیکھا جائے - مثلاً کمرے ، پانی کے نلکے ، چھتیں ، فرش ، دیوار وغیرہ - اسی طرح اگر باغ خریدیں تو اس کو دیکھنے کے لیے صرف اس کی حدود اور پیمائش کا معلوم کرنا کافی نہیں ہے ، بلکہ لازم ہے کہ اس کے درختوں ، چار دیواری اوو آب رسانی کی نالیوں کو جن سے آبپاشی کی جاتی ہے ، دیکھا جائے - اسی طرح اگر کوئی جانور خریدا تو اس کا ایک عضو دیکھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس کو پورے طور پر دیکھا جائے ؛ ہاں دانت اور زبان کا دیکھنا ضروری نہیں ہے - اسی طرح کپڑے کی خرید میں بھی جب تک اسے کھول کر ہر طرح سے ملاحظہ نہ کیا جائے اسے دیکھ لینا نہیں کہیں گے - اگر پھول دار کپڑا ہے اور اسے الٹ پلٹ کر نہیں دیکھا تو وہ دیکھنا نہیں ہے - غرض ہر ایسی شے جس کے مختلف حصے ہوں اس کا صرف ایک

→ حصہ دیکھ لینا باقی حصوں کا دیکھنا قرار نہیں پائے گا ۔ اگر اسی طرح بن دیکھے فروخت کر دیا تو وہ فروخت درست نہ ہوگی ، کیونکہ بن دیکھا سودا صحیح نہیں ہوتا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مال غیر حاضر کا سودا جسے فریقین معاملہ نے نہ دیکھا ہو ، درست نہیں ہے ، خواہ وہ شے وہاں پر موجود ہو یا نہ ہو ، البتہ دو شرطیں پائی جائیں تو درست ہوگا :

اول یہ کہ فروخت کنندہ اس مال کا مالک ہو ۔

دوم یہ کہ اس کی تفصیل اس طرح بیان کردی جائے کہ اس کے متعلق کوئی اہم بات پوشیدہ نہ رہے ۔ اگر وہ مال فروخت کی جگہ موجود ہو ، لیکن خریدار کی نظر سے اوجھل ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف اشارہ کرکے اس کی وضاحت کردی جائے ۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کے ہاتھ اس جانور کو جو میرے چھپر میں ہے فروخت کرتا ہوں ۔ یا فلاں شے جو اس صندوق میں ہے بیچتا ہوں ۔ اگر مال فروخت اس جگہ پر موجود نہیں ہے تو چاہیے کہ جہاں پر ہو اس کا نشان بتا دے یا اس کی تفصیل یا اس کی صفت یا طول و عرض بتا دے ۔ مثلاً پہلی صورت میں فروخت کنندہ کو یوں کہنا چاہیے کہ میں نے فلاں جانور بیچا جو فلاں شخص کے گھر میں ہے ، درآنحالیکہ وہاں پر اس کے سوا کوئی اور جانور نہ ہو اور اس جگہ سے خریدار واقف ہو ۔ دوسری صورت میں یوں کہنا چاہیے کہ میں نے ایک بوری پاکستانی یا مصری گندم آپ کے ہاتھ فروخت کی؛ ساتھ ہی گندم کی مقدار یعنی اتنی بوریاں یا اتنے پیمانے بھی بتانا واجب ہے ۔ اسی طرح ہر ایسی چیز جس کی مقدار پیمانے ، وزن ، گنتی یا پیمایش سے بتائی جاتی ہے اس کی تفصیل کو بیان کر دینا چاہیے تاکہ اس شے کی نوعیت معلوم ہو جائے ۔

تیسری صورت کی مثال یہ ہے کہ مال فروخت کی نسبت اپنی طرف کی جائے ۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اپنا اونٹ آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں ، درآنحالیکہ اس کے پاس کوئی اور اونٹ نہ ہو ۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بائع یوں کہے کہ میں فلاں زمین جس کے حدود اربعہ یہ ہیں، آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں ۔ غرض مال غیرحاضر مملوکۂ خود کا ←

← سودا درست ہوگا ، بشرطیکہ اس کی تفصیل اس طرح بتا دی جائے کہ تمام متعلقہ ضروری باتوں سے بے خبری نہ رہے ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا - اگر کسی معمولی بات سے آگاہی نہ ہو تو اس میں مضایقہ نہیں ، کیونکہ خیار رویت کے قاعدے سے یہ نقص بھی دور ہو جاتا ہے - اگر اس طرح کوئی مال خرید لیا گیا تو خریدار کو اس مال کے دیکھنے کے بعد (بشرط عیب) معاملہ کو قائم رکھنے یا ختم کردینے کا اختیار ہوتا ہے ، خواہ اس کے لیے شرط نہ کی گئی ہو ، کیونکہ خیار رویت بغیر کسی پیشگی شرط کے بھی خریدار کو حاصل ہوتا ہے - لیکن اگر کوئی ان دیکھی چیز فروخت کی گئی جسے خریدتے وقت خریدار نے نہیں دیکھا اور بائع نے اس کی تفصیل بھی نہیں بتائی ، خواہ وہ مال وہاں پر موجود ہو، لیکن آنکھوں سے اوجھل ہو، مثلاً گندم جو تھیلے یا بوری میں بھری ہوئی ہو اور فروخت کنندہ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہ کیا ہو تو بقول صحیح یہ سودا فاسد (ناقص) ہوگا - گو بعض اصحاب نے اس کے جائز ہونے کو صحیح بتایا ہے ، لیکن پہلا قول ہی قابل اعتماد ہے -

اگر کوئی شخص کسی چیز کا وارث ہوا اور اسے دیکھنے سے پہلے فروخت کردیا تو اب اسے کچھ اختیار نہ رہے گا ، کیونکہ فروخت کنندہ جب ان دیکھی شے کو فروخت کردے تو پھر اس کو اختیار نہیں رہتا - اس باب میں ائمہ کی خاموشی سے اجماع ثابت ہے، کیونکہ صحابیوںؓ کے ایک مجمع میں یہ مسئلہ پیش آیا لیکن کسی کی طرف سے اس کی مخالفت مروی نہیں ہے -

واضح ہو کہ چار مواقع ایسے ہیں جن میں خیار رویت ثابت ہے :

اول وہ معاملہ جس میں مال فروخت کی اشیاء کو لازمی طور پر متعین کردیا گیا ہو - یعنی وہ شے کسی کے ذمہ قرض (واجب الادا) نہ ہو ، جیسے غیر حاضر گندم کی کوئی مقررہ مقدار آیندہ مہیا کرنے کے وعدہ پر سودا کیا جائے (جسے سلم یا وعدے کا سودا کہتے ہیں) - اگر ایسا سودا ہو جو فروخت کنندہ کے ذمہ قرض کی صورت میں ہو تو اس میں خیار رویت نہیں ہوتا ، کیونکہ وہ بیع سلم کا مال ہے اور بیع سلم میں خیار رویت نہیں رہتا - البتہ اگر بیع سلم کے راس المال (یعنی دام میں) کوئی معین شے دی گئی ہو تو اس میں مسلم الیہ (بائع) کو ←

← خیار رویت حاصل ہوتا ہے، لیکن خالص زرثمن یعنی روپیہ اشرفی ہو تو خیار رویت نہیں ہوتا ، لیکن اگر مال فروخت سونے چاندی کا برتن ہو تو اس میں خیار رویت ہوگا -

دوسرا موقع (جس میں خیار رویت ثابت ہوگا) کرائے کا معاملہ ہے کہ اگر کوئی محدود جگہ بن دیکھے کرایہ پر لی گئی تو اس کو دیکھنے کے بعد واپس کیا جا سکتا ہے -

تیسرا موقع تقسیم کا معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے ساتھ شریک ہو اور اس (مال شراکت) کو دیکھے بغیر تقسیم کیا جائے تو اس کو دیکھنے پر واپس کیا جا سکتا ہے - لیکن خیار رویت کا یہ حق اشیاء جنسی (یعنی ایسی اشیاء جن کی مقدار کا اندازہ پیمانے یا وزن سے کیا جاتا ہے) میں نہیں ہوگا - پس اگر ایسی بن دیکھی گندم کی تقسیم ہوئی جس کی تفصیل معلوم ہو تو وہ اس کے علاوہ اور اجناس مختلفہ میں اور ایسی اشیاء میں شامل ہے جو ایک ہی قسم کی ہوں اور غیر مثلی ہوں جیسے ایک قسم کا کپڑا ہو یا صرف گائے ہو یا بھیڑ بکری ہو -

چوتھا موقع کسی معین شے کے عوض مال کے دعوے سے دست برداری پر صلح کرنا ہے - چنانچہ اگر کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مال لینا ہے اور اس مال کے عوض کسی ان دیکھی چیز کا اس سے سودا کرلیا تو اس چیز کے دیکھنے پر اسے واپس کیا جا سکتا ہے -

واضح ہو کہ چند امور ایسے ہیں جو حق خیار رویت کو ساقط کردیتے ہیں :

اول یہ کہ فروخت شدہ مال میں ، جب کہ وہ خریدار کے ہاتھ میں ہو کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو ایسی حالت میں خیار رویت کے تحت اس مال کو واپس کرنے کا حق نہ رہے گا -

دوم یہ کہ اس مال میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے کہ اس کا واپس کرنا دشوار ہو ، مثلاً کوئی کپڑا خریدا اور اسے سینے کے لیے کتر بیونت کرلی تو اب اسے واپس کرنا دشوار ہے -

سوم یہ کہ اس مال میں ایسا تصرف کیا جائے کہ اب وہ بیع ناقابل تنسیخ ہو جائے ، مثلاً خرید کردہ غلام کو آزاد کر دیا جائے - ←

→ چہارم یہ کہ اس مال میں ایسا تصرف کیا جائے جس کی بنا پر کسی اور کا حق اس مال پر واجب ہو جائے، مثلاً گروی رکھ دینا ۔ پس اگر کوئی شے خریدی اور اسے گروی رکھ دیا تو اب خیار رویت کا حق جاتا رہا خواہ یہ تصرف فروخت شدہ مال کو دیکھنے سے پہلے کیا ہو یا بعد میں ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی (خرید شدہ) شے کو قطعی طور پر فروخت کر دیا ہو اور اس میں حق اختیار نہ رہا ہو، یا اس کو اسی طرح کرایہ پر دے دیا ہو ۔ ایسی صورتوں میں خریدار کو اس مال کے رکھنے اور واپس کرنے کا جو حق ہے وہ نہ دیکھنے سے پہلے رہتا ہے اور نہ بعد میں ۔

پنجم یہ کہ اس مال (خرید شدہ) میں اس طرح تصرف کیا جائے کہ ہنوز کوئی اور شخص اس کا حق دار نہ ہوا ہو تب بھی خیار رد و قبول نہ رہے گا، بشرطیکہ یہ تصرف مال کو دیکھنے کے بعد کیا گیا ہو، دیکھنے سے پہلے نہ کیا گیا ہو ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی مال بن دیکھے خرید لیا پھر اسے اس شرط پر فروخت کیا کہ واپس لے لینے کا اختیار رہے گا ۔ اگر ایسا سودا اس خرید شدہ ان دیکھے مال کو دیکھنے کے بعد کیا ہے تو اب خیار رویت کا حق جاتا رہا اور اگر دیکھنے سے پہلے کیا ہے تو خیار کا حق ساقط نہ ہوگا ۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس مال کو فروخت کے لیے پیش کیا یا ہبہ کیا لیکن ابھی حوالہ نہ کیا ہو ۔ اگر یہ عمل اس مال کو دیکھنے سے پہلے کیا تو خیار رویت کی بنا پر واپسی کا حق باقی رہے گا ۔ اگر دیکھنے کے بعد کیا تو یہ حق جاتا رہے گا ۔ اگر کوئی زمین بے دیکھے خریدی اور اس کے پاس کی کوئی اور زمین اس خرید شدہ زمین کے حق شفع میں خرید لی تو اب اس زمین (سابقہ خرید شدہ) کی واپسی کا اختیار جاتا رہے گا درآنحالیکہ دیکھنے کے بعد ایسا ہوا ہو، دیکھنے سے ایسا کیا ہو تو یہ اختیار ساقط نہ ہوگا ۔

ششم یہ کہ (ان دیکھے) مال فروخت شدہ کو دیکھنے کے بعد اس کا قبضہ حاصل کر لیا ہو ۔

ہفتم یہ کہ (ان دیکھے مال کا سودا کیا پھر) اسے دیکھنے کے بعد اس کے دام ادا کردیے ۔ ←

← ہشتم یہ کہ (خریدنے کے بعد) اس ان دیکھے مال کو اٹھا کر گھر تک لانے کے لیے اپنا آدمی بھیج دے - یہ مال جب تک بائع کے گھر میں تھا اس کو واپس کرنے کا حق خریدار کو نہ ہوگا، جب وہ مال گھر میں آ جائے تو اب اس کی واپسی کا حق بھی آ جائے گا -

نہم یہ کہ کوئی زمین بغیر دیکھے خرید لی، پھر اسے عاریتاً کسی کے حوالے کر دیا، لینے والے نے اس پر کھیتی کر لی - یا کچھ کپڑے خریدے اور ان کپڑوں میں سے کوئی کپڑا پہن لیا تو اب ان تمام کپڑوں کی واپسی کا اختیار جاتا رہا - الغرض جن چیزوں سے خیار شرط باطل ہوتا ہے ان سے خیار رویت بھی باطل ہو جاتا ہے - لیکن ایسی اشیاء جن میں خیار شرط باطل نہیں ہوتا وہ ہیں جو شرط خیار کے ساتھ فروخت ہوئی ہوں اور ہنوز دیکھا نہ ہو - اور وہ مال جس کو فروخت کے لیے پیش کیا گیا ہو (اور ہنوز فروخت نہ ہوا ہو)- اور وہ جو ہبہ کیا ہو، لیکن حوالہ نہ کیا گیا ہو - ان اشیاء میں خیار شرط باطل ہو جاتا ہے، لیکن خیار رویت باطل نہیں ہوتا - (یعنی پسند کی شرط ختم ہو جاتی ہے، لیکن دیکھنے کے بعد کسی عیب کی بنا پر واپسی کی شرط باقی رہتی ہے)-

واضح ہو کہ خیار رویت کے لیے وقت کی کوئی حد بندی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر مال دیکھ لیا اور دیکھنے کے بعد اتنا عرصہ گزر گیا کہ اس عرصہ میں بیع کو فسخ کیا جا سکتا لیکن فسخ نہیں کیا تب بھی بقول صحیح اختیار رویت (یعنی دیکھنے کے بعد مال میں عیب نکلنے پر اسے واپس کیا جاسکتا ہے) -

خیار رویت کی صورت میں معاملۂ بیع خریدار کے یہ کہنے پر فسخ ہو جاتا ہے کہ میں نے اس بیع کو رد کر دیا - لیکن یہ رد کرنا اس شرط پر درست ہو گا کہ فروخت کنندہ کو معلوم ہو (کہ مشتری کو حق خیار رویت حاصل ہے)، خواہ بائع اس پر راضی ہو یا نہ ہو- نیز واپسی مال کے لیے حاکم کا فیصلہ لازمی نہیں ہے- اور خیار رویت خریدار کو مالکانہ حقوق سے مانع نہیں ہوتا، لہٰذا اگر بطریق بالا اس مال پر خریدار تصرف کرے تو وہ تصرف جائز ہو گا لیکن تصرف کے بعد واپسی کا اختیار ختم ہو جائے گا اور مال کے دام کی ادائیگی لازم ہو گی - یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ مال خریدار کے قبضہ میں آ کر تلف ہو جائے یا اس کی واپسی مشکل ہو، جس کی صورت اوپر بتائی گئی - ←

← واضح ہو کہ (خریدنے کی غرض سے) پورا مال دیکھنے کی بجائے اس کا کچھ حصہ دیکھ لینا کافی ہے - لہٰذا اگر مال فروخت میں سے کچھ حصہ سودا طے ہونے سے پہلے دیکھ لیا ہو اور اس کے دیکھنے سے باقی مال کی حالت معلوم ہو گئی ہو تو اب خیار رویت کا حق باقی نہ رہے گا ، کیونکہ اس طرح دیکھ لینے کا مطلب یہ ہو گا کہ خریدار نے وہی مال خریدا ہے جو بانگی کے مطابق ہے - لیکن نمونہ دیکھنا اسی صورت میں کافی ہو گا جبکہ مال فروخت مساوی الاجزا ہو یعنی اس کے اجزاء ہمجنس (یکساں) ہوں - مثلاً ایسی اشیاء جن کی مقدار کا اندازہ پیمانے یا وزن سے ہوتا ہے - پس اگر خریدار نے گندم کا نمونہ دیکھ لیا ہے ، جسے بانگی کہتے ہیں ، یا کشمش ، کھجور ، پستے یا مکھن ، دودھ وغیرہ کا نمونہ ہو اور اسی نمونہ کی بنا پر سارا مال خرید لیا تو اب خیار رویت (یعنی دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار) نہیں رہے گا - البتہ اگر باقی مال نمونہ کی بہ نسبت ردی ہو تو اس حالت میں دیکھنا ہو گا کہ آیا وہ مال اس قدر خراب ہے کہ عیب کی حد تک پہنچ گیا ہے تو اس عیب کی وجہ سے اسے فوری طور پر واپس کرنے کا اختیار ہو گا - اگر وہ عیب کی حد تک خراب نہیں ہے ، بایں طور کہ باقی مال نمونہ کی نسبت کچھ کم اچھا ہو تو خیار رویت کے قاعدے کے مطابق واپسی کا حق ہو گا (یعنی ضروری نہ ہو گا کہ فوراً واپس کیا جائے) -

سابقاً بتایا گیا ہے کہ گندم ، جو ، بن ، کھجور ، مسور اور ہر ایسی شے جو پیمانے والی اور مساوی الاجزا ہو اس کی ڈھیری یا انبار کو اوپر سے دیکھ لینا (سودا کر لینے کے لیے) کافی ہے - لیکن اگر اس کے اجزا مختلف ہوں ، جیسے بیجھڑ کی اشیاء ، یعنی بادام ، اخروٹ ، پستہ اور خشخاش وغیرہ ملی جلی چیزیں ، یا ایسی ہی اور اشیاء گڈ مڈ ہوں تو ان کا اوپر سے دیکھ لینا کافی نہیں ہے -

اگر گوشت کھانے کے لیے بکری کو خریدا جائے تو اس کے جسم کو ٹٹول کر دیکھ لینا کافی ہے - چنانچہ اگر کوئی نابینا شخص اسے ٹٹول کر جانچ لے تو وہ دیکھنے کے برابر ہے - لیکن اگر پالنے یا بچہ کشی کے لیے ، نہ کہ تجارت کے لیے ، لینا ہے تو اسے آنکھ سے دیکھنا ہو گا - اور دودھ دینے والی گائے کا تھن دیکھنا چاہیے - گھر کا دیکھنا یہ ہے کہ اس کو اندر سے دیکھا جائے اور اس کے کمروں اور ستونوں کو اگر ہوں تو مشاہدہ کیا جائے کیونکہ گھر کے باہر سے ←

← دیکھ لینے سے اس کے حالات پورے طور پر نہیں معلوم ہو سکتے۔ تیل وغیرہ ہو تو اسے بوتل کے اندر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ مال فروخت کا عکس آئینہ میں دیکھ لینا بھی دیکھنا نہیں ہے۔

ایسی مچھلی جس کو بغیر شکار کے نکال لینا ممکن ہے پانی کے اندر دیکھ لیا جائے تو وہ کافی ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کافی نہیں ہے۔

اگر بائع اور مشتری مال فروخت کی تفصیل کے بارے میں اختلاف کریں، بایں طور کہ خریدار کہے کہ یہ مال نمونے کے مطابق نہیں ہے اور فروخت کنندہ کہے کہ وہ ویسا ہی ہے؛ اب اگر وہ نمونہ موجود ہے تو اسے ماہرین (واقف کاروں) کے سامنے لا کر صورت حال واضح کرائی جائے گی۔ اگر نمونہ تلف ہو چکا ہے اور مال موجود ہے، لیکن تھیلوں اور بوریوں میں بند ہے تو فروخت کنندہ کی بات مانی جائے گی اور خریدار کو اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنا ہو گا، کیونکہ اندریں صورت دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ مال (جو فروخت ہوا) موجود ہے گو بوریوں میں بند ہے۔ اختلاف مال کی تفصیل میں ہے۔ خریدار اصل مال کی موجودگی سے انکار نہیں کرتا (جو فروخت کیا گیا ہے) تو کیسے مان لیا جائے کہ وہ نمونہ کے مطابق نہیں ہے، بخلاف اس صورت کے جبکہ مال موجود نہ ہو اور خریدار کا کہنا یہ ہو کہ یہ وہ مال نہیں ہے (جس کا نمونہ دکھایا گیا) جو بیچا گیا تھا تو اس صورت میں خریدار کی بات مانی جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بے دیکھے فروخت شدہ مال کی دو حالتیں ہوں گی:

ایک تو یہ کہ مال حاضر ہے لیکن خریدار نے اسے نہیں دیکھا، مثلاً بوری میں بند گندم یا ڈبے کے اندر شکر، تو اس حال میں وہ سودا درست نہ ہو گا جب تک کہ خریدار اسے دیکھ نہ لے۔ ہاں اگر کھولنے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو اور بات ہے (یعنی ایسے سربند مال کا سودا ہو سکتا ہے)۔

دوسری حالت یہ ہے کہ مال وہاں پر موجود ہی نہ ہو جہاں سودا ہوا ہے؛ قطع نظر اس کے کہ وہ شہر کے باہر ہو یا شہر ہی میں کسی اور جگہ پر ہو؛ خواہ بہ آسانی اسے لایا جا سکتا ہو یا نہ لایا جا سکتا ہو۔ ان دونوں ←

← حالتوں میں صحت معاملہ کے لیے ان دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے :

ایک یہ کہ سودے (مال فروخت) کی تفصیل اس طرح بتا دی جائے کہ اس کی قسم اور جنس متعین ہو جائے ۔ دوسرے یہ کہ دیکھنے کے بعد پسندیدگی کی شرط ہو ۔ لہٰذا اگر کوئی سامان خریدار کو دیکھے بغیر قطعی طور پر فروخت کر دیا گیا ، یا بغیر اس کے کہ کسی غیر شخص نے یا بقول معتمد خود فروخت کنندہ نے اس کی پوری تفصیل بتا دی ہو ، تو یہ معاملہ فاسد (ناقص) قرار پائے گا ۔ ہاں جب اس کی تفصیل بتا دی جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا اور دیکھنے کے بعد اس کی واپسی کا حق نہ ہو گا ؛ بجز اس صورت کے جبکہ مال فروخت کوئی خاص متعین شے ہو یا وہ مال ایسا نہ ہو جیسا کہ بتایا گیا تھا ۔ لیکن اگر کوئی مال اس شرط پر فروخت ہوا کہ خریدار کو دیکھنے کے بعد رکھ لینے یا واپس کرنے کا اختیار ہوگا ، گو اس مال کی تفصیل نہ بتائی گئی ہو تو وہ معاملہ درست متصور ہو گا اور خریدار کو دیکھنے کے بعد رد و قبول کا اختیار ہو گا ۔

وہ مال جو نمونہ دیکھ کر خریدا جائے وہ اسی صورت میں صحیح مانا جائے گا جبکہ وہ مال مثلی اور مکیل ہو (یعنی وہ اجناس کی قسم سے ہو اور اس کی مقدار پیمانے یا تول سے مقرر کی جاتی ہو) جیسے گندم یا روئی ۔ یا پھر وہ گنتی میں آنے والی شے ہو جیسے انڈے ۔ ایسی اشیاء جن کی مقدار کا اندازہ پیمانے ، وزن یا عدد (گنتی) سے لگایا جاتا ہے ایسی چیزوں کا سودا کرنے کے لیے کچھ حصہ (نمونةً) دیکھنا کافی نہ ہو گا ۔ لہٰذا اگر گندم خریدی اور خریدار نے تھوڑی سی (بانگی) دیکھ لی تھی تو فروخت صحیح ہو گی ۔ اور سوداگر کی فہرست اشیاء میں جو صفات کسی شے کی بتائی گئی ہیں اگر اسے سن لیا ہے تو وہ دیکھنے کے برابر متصور ہو گا ۔

اگر مال فروخت خول دار (یا چھلکے دار) شے ہو ، جیسے انار ، اخروٹ ، بادام ، انڈے ، یا تربوز تو اسے اجمالاً دیکھ لینا کافی ہے اگرچہ توڑ کر اندرونی حصہ نہ دیکھا گیا ہو ۔ اگر ایسا مال جس قدر دیکھا گیا اس کے علاوہ باقی حصہ اس جیسا نہ ہو اور فرق معمولی سا ہو تو اس کا ذکر نہیں ہے ؛ ہاں ←

← اگر دونوں میں بہت زیادہ فرق ہو تو خریدار کو حق ہو گا کہ اسے رکھے یا واپس کر دے۔ اگر وہ تھوڑا سا حصہ جو دیکھا ہے اس میں کوئی عیب تھا لیکن اسے خریدار نے نظرانداز کردیا اور وہی عیب باقی مال میں بھی موجود ملا، جیسے گھن (کھایا ہوا مال)، تو اب اس پر خریدار کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، کیونکہ اس عیب کا علم اسے ہو گیا تھا اور اس پر وہ راضی تھا۔ تاہم اگر نمونہ (کے حصہ) میں کوئی عیب دیکھا اور یہ گمان کیا ہو کہ باقی حصہ محفوظ ہے، مثلاً بوری اوپر سے بھیگ گئی اور اس وجہ سے (خیال کیا کہ) گندم میں اوپر اوپر سے خرابی پیدا ہو گئی ہو گی (باقی گندم ٹھیک ہو گی)، لیکن دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ ساری ہی گندم خراب ہے تو اسے واپس کر دینے کا حق ہے۔

اگر کوئی مال فروخت سودا طے ہونے سے صرف اس قدر پہلے دیکھا کہ بالعموم اس عرصہ میں خراب ہونے کا امکان نہیں ہوتا تو اس کو بغیر کسی شرط لگائے خریدنا درست ہو گا، لیکن اگر صرف اتنے عرصہ پہلے اس کو دیکھا کہ بالعموم اس عرصہ میں اس کے خراب ہونے کا امکان تھا تو بغیر شرط خیار لگائے اس کی خریداری درست نہیں ہے۔ (ایسے سودے میں) اگر فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان اختلاف ہو، خریدار کہے کہ جس حالت میں میں نے اس مال کو دیکھا تھا، اب وہ بات اس میں نہیں ہے اور فروخت کنندہ کہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہوا تو اب واقف کاروں سے یہ دریافت کیا جائے گا کہ آیا خریدنے سے پہلے جب اس کو دیکھا تھا اور پھر خریدنے کے بعد جب دیکھا، اس دوران بالعموم وہ مال خراب ہو جاتا ہے یا نہیں ہوتا۔ اگر (دریافت کرنے سے) یہ ثابت ہو کہ اس عرصہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو خریدار کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا اور اگر یہ ثابت ہو کہ اتنے عرصہ میں خرابی نہیں پیدا ہوا کرتی تو فروخت کنندہ کی بات مانی جائے گی؛ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو قسم نہیں دلائی جائے گی۔ اس طرح (ماہروں کے ذریعہ) اس امر کا بھی فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا فی الواقع خرابی پیدا بھی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔ اگر واقف کار کہے کہ ''میرا خیال یہ ہے کہ یہ مال خراب ہو گیا ہے'' تو خریدار کا دعویٰ مان لیا جائے گا۔ اور اگر واقف کار کہے کہ میرے خیال سے ←

← کوئی خرابی نہیں ہوئی'' تو فروخت کنندہ کی بات مانی جائے گی - لیکن اس صورت میں دونوں میں سے جس کے قول کو ترجیح دی جائے گی اس سے حلف لے کر فیصلہ کیا جائے گا - اگر واقف کار کو خود بھی شبہ ہو اور کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا جا سکے اور نہ کسی رائے کو ترجیح دی جا سکے تو فروخت کنندہ سے حلف لیا جائے گا کہ مال فروخت شدہ اپنی اسی صحیح حالت میں ہے جیسا کہ خریدار نے دیکھ کر معاملہ طے کیا تھا - اس طرح بیع نافذ ہو جائے گی - اگر فریقین کو مال فروخت شدہ کی اس تفصیل میں اختلاف ہو جو تاجر کی فہرست میں مندرج ہے ، یعنی خریدار کہے کہ جو صفت مال کی اس میں درج ہے میں نے اس کے خلاف پایا اور فروخت کنندہ کہے کہ جو کچھ فہرست میں مندرج ہے مال عین اس کے مطابق ہے - اب اگر خریدار نے وہ مال لا کر پیش نہیں کیا تو فروخت کنندہ کی بات اس کے قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی اور اس کو حلف اٹھانا ہوگا کہ میں نے وہ مال جو فروخت کیا ہے اس تفصیل کے عین مطابق ہے جو فہرست میں درج ہے - اگر تاجر بائع حلف سے انکار کرے تو خریدار حلف اٹھائے کہ میں نے اس مال میں لینے کے بعد کچھ رد و بدل نہیں کیا اور اس پر حلف اٹھالے تو اسے حق ہوگا کہ مال فروخت کنندہ کو واپس کر دے - اگر حلف سے انکار کرے تو جو کچھ ادا کر چکا ہے وہ اس پر عاید ہو گیا اور فروخت کنندہ اسے کچھ نہ دے گا -

اب ایک سوال یہ ہے کہ آیا فروخت کنندہ کو یہ حق ہے یا نہیں ہے کہ خریدار کے بن دیکھے کوئی چیز فروخت کرے اور اس کے دام کی ادائیگی کا فوری طور پر مطالبہ کرے اور آیا خریدار پر بغیر کسی شرط کے بخوشی خود یہ لازم ہے یا نہیں کہ اس ان‌دیکھے مال کے دام ادا کردے - اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں چند باتیں پیش آ سکتی ہیں : اول یہ کہ غیر حاضر مال فروخت، سامان خانہ ہو اور وہ فروخت قطعی ہوجس میں اختیار (رد و قبول) نہ ہو تو فروخت کنندہ کے لیے جائز ہے کہ اس کے دام کی فوری ادائیگی کا مطالبہ کرے ، بشرطیکہ خریدار نے اس مال کو فروخت کنندہ کے علاوہ کسی اور شخص کی بتائی‌ہوئی تفصیل کی بنا پر خریدا ہو- لیکن اگر وہ مال خود فروخت کنندہ کی تفصیل بتانے پر خریدا گیا ہو تو فروخت کنندہ کو یہ حق نہ ہو گا ←

← کہ دام کے فوری مطالبہ کی شرط لگائے، لیکن خریدار اپنی خوشی سے دام چکادے تو درست ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ مال سامان خانہ ہو، لیکن اس کو بشرط خیار (یعنی بصورت عیب رد و اختیار کا حق رکھ کر) خریدا ہو یا بشرط اختیار (یعنی پسند کی شرط پر) خریدا ہو تو نہ بائع فوری ادائے قیمت کی شرط لگا سکتا ہے اور نہ بطیب خاطر کرنے کی -

تیسری بات یہ ہے کہ مال فروخت سامان خانہ نہ ہو، ایسی حالت میں فوری طور پر دام ادا کرنے کی شرط صحیح ہے، لیکن یہ شرط چار امور پر منحصر ہے :

اول یہ ہے کہ وہ معاملہ قطعی ہو جس میں کوئی اختیار نہ رہے گا -

دوم یہ کہ اس مال کو سودا طے ہونے سے پہلے دیکھ لیا ہو یا بائع کے سوا کسی اور شخص نے اس کی تفصیل بتائی ہو -

سوم یہ کہ فروخت شدہ مال اس جگہ سے جہاں پر سودا ہوا ہے وہ دو دن سے زیادہ مسفات کے فاصلہ پر نہ ہو -

حنابلہ کہتے ہیں کہ مال غیرحاضر کا سودا کرنے کی دو شرطیں ہیں :

ایک تو یہ کہ مال فروخت ایسی اشیاء میں سے ہو، جن کی بیع سلم ہو سکتی ہے- ایسی اشیاء وہ ہیں جن کی تعیین تفصیل بتا کر کی جا سکے، مثلاً پیمانے والی یا تول والی اشیاء کہ ان کی مقدار کا تعین پیمانے یا وزن سے ممکن ہوتا ہے- لیکن یکساں گندم یا زمین کا سودا بن دیکھے صحیح ہے، بخلاف ایسی اشیاء کے جن کی مقدار گنتی سے ہوتی ہے لیکن دانے الگ الگ ہوتے ہیں جیسے انار اور سیب کہ ان میں کوئی دانہ بڑا کوئی چھوٹا ہوتا ہے یا مختلف جواہرات وغیرہ جن کی بابت بیع سلم کے بیان میں بتایا جائے گا -

دوسری شرط یہ ہے کہ مال فروخت کی تفصیل اس طرح بتا دی جائے کہ وہ ذہن میں آ جائے- ان تفصیلات سے مراد وہ امور ہیں جن کے پیش نظر اس شے کی قیمت متعین کی جاتی ہے اور جن سے معاملۂ سلم کی شرط پوری ہوتی ہو - پس اگر غیر حاضر مال کا سودا کیا جائے تو واجب ہوگا کہ پہلے اس مال کی جنس بتائی ←

← جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں آپ کے ہاتھ کھجور فروخت کرتا ہوں ۔ پھر اس کی قسم بیان کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ وہ سیوطی کھجور ہے یا زاغلولی یا واحی ہے پھر اس کے دانوں کی بابت بتایا جائے کہ وہ چھوٹی ہیں یا بڑی ہیں اور پھر یہ کہ اس کا رنگ کیسا ہے، سرخ ہیں یا پیلی وغیرہ ۔ یہی حکم ہر ایسے مال فروخت کا ہے جو حاضر نہ ہو ۔ تفصیل بیان سلم میں بتائی جائے گی ۔

اگر کسی شخص نے ایسی شے خریدی جس کو نہ دیکھا اور نہ اس کی تفصیل قطعاً معلوم ہوئی ، یا اس کی تفصیل ناقص طور پر معلوم ہوئی کہ ذہن میں اچھی طرح نہیں آئی تو یہ سودا درست نہ ہوگا ۔ اس بارے میں بائع اور مشتری دونوں کی حیثیت یکساں ہے ۔ پس اگر کوئی شخص ایسے مال کا وارث ہوا جو وہاں سے دور کسی شہر میں ہے اور اس کی تفصیل اس طرح نہیں بتائی گئی جو ذہن میں محفوظ رہ سکتی تو اس مال کا فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا ۔

جاننا چاہیے کہ تفصیل کی بنا پر جس مال کی تعین کی جائے اس کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم وہ مال ہے جو کہ نسبت یا اشارے وغیرہ سے متعین کیا جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ مال وہاں موجود ہو جہاں پر سودا ہوا یا وہاں پر موجود نہ ہو، مثلاً یہ کہا کہ میں اپنے والا اونٹ فروخت کرتا ہوں ، یا اس سربند بوری کی گندم بیچ رہا ہوں یا اس تھیلی کا زیتون یا اس ڈبے کی شکر وغیرہ ۔ اس طرح کے سودے کے متعلق چند مسائل ہیں :

اول یہ کہ خریدار کو حق ہوگا کہ دیکھنے پر اس میں عیب نکلے تو اسے واپس کردے ۔ یا اس میں وہ بات نہ ہو جو خرید کے وقت بتائی گئی تھی تو اس صورت میں وہ معاملہ منسوخ ہو جائے گا ۔

دوم یہ کہ اگر وہ مال خریدار کے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی تلف ہو جائے تو بیع منسوخ ہو جائے گی اور مال فروخت کنندہ کے پاس ضائع شدہ متصور ہوگا؛ خریدار اس کے بدلہ کا مال طلب نہیں کر سکتا ، کیونکہ اسے مطالبہ کا حق اصل مال فروخت پر تھا جب کہ وہ مال تلف ہو گیا تو اس کی فروخت بھی منسوخ ہو گئی ۔ اسی طرح مال حاضر کی بیع بھی منسوخ ہو جاتی ہے ۔ ←

← یاد رہے کہ اگر فروخت کنندہ نے بطور خود یہ شرط لگا دی تھی کہ میں فلاں مال غیر حاضر، جس کی تفصیل یہ ہے، اتنے میں فروخت کرتا ہوں ، اور شرط یہ ہے کہ اگر وہ مال ایسا نہ ہوا تو میں اس کے عوض اسی صفت کا مال دوں گا تو یہ معاملہ باطل ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ فریقین معاملہ کے لیے جائز ہے کہ جب مال غیرحاضر کا سودا مال حاضر کی طرح (ایجاب و قبول کے ساتھ) طے ہو جائے تو مال کا قبضہ لینے یا دام وصول کرنے سے پہلے بھی وہ جدا ہو جائیں ، دونوں حالتوں میں (سودے پر) کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تعیین مال فروخت کی دوسری قسم یہ ہے کہ مال کی تعیین بغیر نسبت یا اشارے کے اس کا وصف بتا کر کر دی گئی ہو۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے تمام اوصاف جس سے مال کی کیفیت معلوم ہو جائے بیان کردی جائے جیسا کہ بیع سلم (وعدے کے سودے) میں کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کے ہاتھ اونٹ فروخت کرتا ہوں جو سفید رنگ کا ہے فربہ ہے اور اس قدر باربرداری کے قابل ہے وغیرہ۔ اس طرح کا سودا اگرچہ حقیقی طور پر بیع سلم نہیں ہے ، کیونکہ اس میں (بیع سلم کی طرح) مدت کا تعین نہیں ہوتا تاہم یہ سلم کے حکم میں ہے اور اس کا تعلق دو باتوں سے ہے :

ایک تو یہ کہ خریدار کو حق ہوتا ہے کہ جو صفات مال میں بتائی گئی ہیں اگر اس کی صفات اس کے خلاف پائی جائیں تو خریدار اسے واپس کر سکتا ہے لیکن معاملہ بحال رہتا ہے اور فروخت کنندہ پر لازم ہوتا ہے کہ ایک اونٹ ان ہی صفات کا خریدار کو مہیا کرے ، کیونکہ یہ معاملہ کسی معین شے کے لیے نہیں ہوا تھا ، بلکہ ایسی شے کے لیے ہوا تھا جس میں وہ صفات پائی جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ فریقین کے لیے مال کا قبضہ لینے اور دام وصول کرنے سے پہلے ایک دوسرے سے جدا ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر اس سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو سودا باطل ہو جائے گا ، کیونکہ یہ معاملہ بیع سلم کی مانند ہے تاہم اس قسم کی بیع کو 'سلم' (وعدہ کے سودے) سے یا سلف (قرض کے سودے) سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے ، کیونکہ یہ بیع سلم اس صورت میں ہوتی جب کہ ←

← مال فروخت کی سپردگی تاخیر سے ہو ، اسی وقت نہ ہو - اس طرح کے سودے مختلف شہروں میں بالعموم تاجر لوگ کرتے رہتے ہیں کہ بغیر اس کے کہ مال فروخت کا تعین ہو محض مال کی تفصیل کی بنا پر ، جس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے مال کی خرید و فروخت کرتے ہیں - اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ ایسا معاملہ جائز ہے -

رہا نمونہ (یا عینہ) بفتح عین و تشدید یا (یعنی بانگی) کا سودا بایں طور کہ ایک پیالہ گندم کا دیکھ کر ایک گون (یا ایک بوری) گندم بایں خیال خریدی کہ باقی گندم بھی اسی جیسی ہوگی تو یہ معاملہ باطل ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں خریدار نے مال کو نہیں دیکھا - بخلاف اس صورت کے جب کہ مال کا کچھ حصہ دیکھ کر بقیہ حصہ کا حال معلوم ہو جائے - مثلاً سادہ (بغیر چھاپ والا) کپڑا اگر ایک طرف سے دیکھ لیا تو اسے اوپر سے دیکھ لینا باقی حصے کی کیفیت ظاہر کر دیتا ہے - البتہ اگر وہ کپڑا چھاپے والا ہے جس پر مختلف نقش و نگار ہوں تو اس کا کچھ حصہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے ، کیونکہ اس سے باقی حصہ کا حال معلوم نہیں ہو سکتا - اگر گندم کے انبار یا ڈھیری کو مثلاً اوپر سے دیکھ لیا تو یہ ساری گندم کا دیکھنا متصور ہوگا ، کیونکہ گندم کے دانے (یا اس کے اجزا) یکساں ہوتے ہیں ، لہٰذا تھوڑا سا دیکھ لیا جائے تو باقی کا حال معلوم ہو جاتا ہے - لیکن اگر ڈھیری میں مختلف الاجزا اشیاء ہیں جیسے بن ، بادام ، چھوہارے ، اخروٹ اور خروب کی ملی جلی ڈھیری ہو تو اسے اوپر سے دیکھ لینا کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ الٹ پلٹ کر دیکھا جائے تاکہ بیع درست ہو -

اگر سودا ہونے سے کچھ عرصہ پہلے کوئی شے دیکھی اور بعد میں اسی دیکھنے کی بنا پر وہ مال خرید لیا تو اس کی تین صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ خرید شدہ مال کوئی ایسی شے ہے جس کی بابت یہ یقین ہے کہ دیکھنے اور خریدنے کے درمیانی عرصہ میں اس کے خراب ہونے کا امکان ہی نہیں ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ بظاہر اس مدت کے اندر اس مال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی - مدت کا اندازہ ہر شے کی حالت کے مطابق ہوگا - چنانچہ میوہ ←

بیع فاسد اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

معاملات بیع و شرا میں لفظ فاسد[1] اور باطل دونوں کے معنے ایک ہیں یعنی ہر بیع جو فاسد ہے وہ باطل ہے اور جو باطل ہے وہ فاسد ہے۔ اس سے مراد وہ بیع ہے

← تھوڑے ہی عرصہ میں خراب ہو جاتا ہے۔ اور جانور میں زیادہ عرصہ کے بعد تبدیلی ظاہر ہوتی ہے اور سامان اور بھی زیادہ عرصہ تک نہیں بگڑتا۔

مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں معاملۂ بیع درست ہوگا۔ خواہ وہ مال کہیں قریب ہو یا دور کسی مقام پر ہو۔ تاہم اگر فروخت کنندہ فوری طور پر وہ مال حوالے نہیں کر سکتا تو یہ شرط لازم ہے کہ اس مال کے لانے کا مقدور رکھتا ہو۔ اب اگر خریدار نے دیکھا کہ وہ مال اسی حال میں ہے جیسا کہ دیکھا تھا تو اسے واپسی کا اختیار نہیں رہا اور اگر دیکھا کہ وہ مال خراب ہو گیا ہے تو دیر سے بھی فسخ معاملہ کرنے کا حق رہے گا، جیسا کہ عیب نکلنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ اختیار اسی وقت تک ہے جب تک کوئی ایسی بات (خریدار نے) نہ کی ہو جو مال کے رکھ لینے پر راضی ہونے کا ثبوت ہو۔ اس کی تفصیل خیار شرط کے بیان میں سابقاً بتائی جا چکی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے مال کو اتنا عرصہ پہلے دیکھا کہ اس عرصہ میں اس کے خراب ہو جانے کا یقین یا گمان یا شک ہو تو وہ معاملہ درست نہ ہوگا، کیونکہ خریدار اسے اس حال میں تصور کرتا ہے۔

اگر فریقین معاملہ مال کی صفت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہوں۔ مشتری کہے کہ میں نے جس کپڑے کا سودا کیا ہے وہ مصری ہے اور فروخت کنندہ کہتا ہے کہ نہیں، آپ نے تو شامی کپڑا خریدا ہے۔ یا خریدار کہے کہ یہ مال جو میں نے پہلے دیکھا تھا اب خراب ہو گیا ہے اور فروخت کنندہ کہتا ہے کہ نہیں تو وہ مال ویسے کا ویسا ہی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں اگر خریدار قسم کھا لے تو اس کی بات مانی جائے گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملات بیع میں الفاظ ''باطل'' اور ''فاسد'' دونوں کے مفہوم مختلف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے معنے دوسرے سے الگ ہیں۔ باطل ←

جس میں شرایط و ارکان متذکرہ میں سے کوئی خلل ہو - یاد رہے کہ تمام فاسد سودے حرام ہیں - لازم ہے کہ انسان اس سے پرہیز کرے - اور فاسد معاملات کی تعداد بہت ہے -

---

← تو وہ ہے جس کے رکن یا محل میں خلل ہو - عقد بیع کے رکن ایجاب اور قبول ہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا - اگر ان ارکان میں خلل ہو (یعنی ٹھیک ٹھیک نہ ہوں) مثلاً کوئی جنون زدہ شخص یا بچہ بے شعور ایجاب و قبول کرے تو عقد بیع باطل ہوگا - یعنی وہ سودا مانا ہی نہ جائے گا - اسی طرح اگر محل بیع میں جس سے مراد مال فروخت ہے (جس پر بیع واقع ہوتی ہے) خلل ہو ، مثلاً وہ شے مردار ہو یا خون یا سور ہو تو وہ معاملہ سرے ہی سے باطل ہوگا - بیع فاسد وہ ہے جس میں رکن اور محل کے علاوہ (کسی اور شے متعلقہ بیع) میں خلل واقع ہو - مثلاً قیمت میں دی جانے والی شے ٹھیک نہ ہو ، جیسے شراب ؛ چنانچہ اگر کوئی سودا کیا گیا اور قیمت میں شراب دی گئی تو بیع فاسد ہو جائے گی - اگر مال پر قبضہ حاصل ہو جائے تو یہ بیع فاسد نافذ الاثر ہوگی تاہم خریدار پر لازم ہوگا کہ اس کی قیمت میں شراب کے علاوہ اور کوئی شے دے ، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو کسی شے کی قیمت بننے کے قابل نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا - اسی طرح مال میں بھی خلل ہوسکتا ہے (یعنی اسے ٹھیک نہ سمجھا جائے گا) جب کہ بائع اسے خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو - مثلاً وہ مال ایسا ہو جو کسی نے غصب کر رکھا ہو اور اب اس کے بس میں نہیں رہا کہ خریدار کو دے سکے - ایک خلل یہ بھی ہے کہ مال کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو عقد بیع کے منافی ہو - اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

ان تمام حالات میں معاملہ بیع فاسد ہوگا ، باطل نہ ہوگا باطل عبارت ہے ایسی بات سے جو اصل اور وصف کے اعتبار سے شرع کے موافق نہ ہو - اصل سے مراد رکن اور محل بیع ہے ، جیسا کہ بتایا گیا اور رکن کا شرع کے مطابق ہونا یہ ہے کہ اس میں کوئی خلل (بگاڑ) نہ ہوا ہو - اور محل کا شرع کے مطابق ہونا یہ ہے کہ مال فروخت متقوم ہو (یعنی جو کوئی قدر رکھتا ہو) مال متقوم کی تعریف بیع کی تعریف میں بتائی جا چکی ہے اور 'وصف' سے مراد وہ امر ہے جو رکن اور محل سے خارج ہو مثلاً کوئی ایسی شرط جو مقتضا ے عقد کے مخالف ہو - یا مال فروخت ثمنی شے ←

منجملہ ان کے[1] جنین (پیٹ کے بچے) کا سودا کرنا ہے، مثلاً کسی کے پاس گیابھن اونٹنی ہے اور اس نے اونٹنی کے پیٹ کے بچے کو ولادت سے پہلے فروخت کیا - ایسی بیع فاسد ہے جو حلال نہیں ہو سکتی - اس قسم کے سودے کو بیع الملاقیح کہتے ہیں - لفظ ''ملاقیح'' ''ملقوحہ'' کی جمع ہے جس کے معنے ہیں وہ بچہ جو ہنوز پیٹ میں ہو -

منجملہ فاسد معاملوں کے بیع نتاج انتاج (یعنی بچہ دینے والے جانوروں کے بچوں کی فروخت ہے) مثلاً کسی کے پاس گیابھن دنبی ہے اور اس کے ان بچوں کو جو پیدا ہونے والے ہوں فروخت کر دیا جائے - اسے 'بیع حبل الحبلہ' بھی کہتے

→ ہو (یعنی ایسی چیز ہو جو مال کی بجائے قیمت بننے کی صلاحیت رکھتی ہو) - بات یہ ہے کہ ثمنی ہونا مال کی ایک صفت ہے جو مال کے تابع (یعنی اس کے ساتھ وابستہ) ہوتی ہے (مال نہیں ہوتی)- ہر چند کہ بیع کا انحصار قیمت پر بھی ہوتا ہے لیکن معاملۂ بیع میں اصل شے مال فروخت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ مال کے تلف ہونے سے بیع منسوخ ہو جاتی ہے لیکن قیمت کے تلف ہو جانے سے بیع منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ معاملۂ بیع میں 'قیمت' کوئی مقصد نہیں ہوتی، بلکہ قیمت کسی شے سے فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے - لہٰذا قیمت کو مال کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے جو مال کی ہستی سے جداگانہ شے ہے -

بیع فاسد کا 'حکم' (یعنی اس کی حیثیت) یہ ہے کہ مال فروخت پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد خریدار کو مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں - بخلاف بیع باطل کے کہ اس میں سے مالکانہ حقوق مطلقاً حاصل ہی نہیں ہوتے -

بیع موقوف وہ معاملہ بیع ہے جس میں ایک غیر شخص کا حق باقی رہتا ہے - یہ بھی صحیح عقد بیع کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، کیونکہ اس بیع کا نافذ العمل ہونا مال پر قبضہ ہونے پر منحصر ہے -

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ مادہ ہائے تولید اور حاملہ جانوروں کے حمل یا بیع المضامین باطل ہے فاسد نہیں ہے - اس کا سبب اوپر بتایا گیا ہے کہ مال فروخت (کی شرایط و ارکان) میں خلل ہونے سے لازمی طور پر بیع باطل ہو جاتی ہے -

ہیں (یعنی گیابھن جانور کے حملوں کی فروخت) - یہ پہلی صورت سے بھی زیادہ بری صورت ہے -

ان کے منجملہ نر جانوروں کے مادۂ تولید کی فروخت ہے - اسے 'بیع المضامین' کہتے ہیں ، یعنی ایسی شے کی فروخت جو جانوروں کے نطفوں پر مشتمل ہو - چنانچہ اگر کسی کے پاس کوئی اونٹ یا گدھا یا بیل وغیرہ ہے اور کوئی شخص چاہے کہ اس جانور کی مادہ بچہ کشی کرائے تو اس جانور کے مالک کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنے نر جانور کے مادۂ تولید کو فروخت کرے ، کیونکہ مادۂ تولید کوئی ایسا مال نہیں ہے جس کو متعین کرکے اس کی فروخت کی جائے - علاوہ اس کے بائع کے بس میں بھی نہیں ہے کہ وہ (مال فروخت شدہ کو) خریدار کے حوالے کر سکے ، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ مادین کی طرف مائل نہ ہو - اس پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا -

واضح ہو کہ جس طرح نر جانور کے مادۂ تولید کا سودا درست نہیں ہے اسی طرح مادین سے جفت کرانے کی اجرت لینا بھی درست نہیں ہے -[1] البتہ جو شخص اس جانور کا مالک ہے اسے چاہیے کہ عاریتاً خواہش مند شخص کو اپنا جانور دے دے - بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس سے نسل کشی کی اور کوئی صورت نہ ہو - اگر مالک عاریتاً دینے سے انکار کرے تو وہ شخص کچھ عرصہ کے لیے اس جانور کو خدمت لینے کے لیے کرایہ پر حاصل کرے اور مادہ سے جفتی وغیرہ کا ذکر نہ کرے - ہاں کرایہ پر لینے کے بعد اس مقصد کے لیے اس جانور کو استعمال کر سکتا ہے -

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے نر جانور کو ایک معین مدت مثلاً دو ایک دن کے لیے ، اس جانور کے مادہ سے بچہ کشی کی غرض سے یا دو ایک بار یا چند بار جفتی کے لیے کرایہ پر لیا جائے تو درست ہے - اب اگر وہ مادین گیابھن ہوجائے اور اس کا پتہ یوں چل جاتا ہے کہ وہ نر کی قربت سے بھاگتی ہو تو اب اس کے مالک کو یہ حق ہے کہ جتنے عرصہ تک نر جانور اس کے پاس رہا اس عرصہ کی اجرت کا مطالبہ کرے ، یا جتنی بار اس نر نے مادین سے مقاربت کی اس کے حساب سے اجرت وصول کر لے - لیکن اگر مدت کا تعین یا مقاربت کی تعداد کا تعین نہیں کیا گیا اور یوں کہہ دیا گیا کہ گیابھن ہونے تک کے لیے معاملہ ←

شروط فاسدہ کے ساتھ سودے کا بیان

منجملہ اقسام بیع فاسد کے وہ بیع ہے جس کے ساتھ کوئی ایسی شرط فاسد لگی ہوئی ہو جو معاملہ کے مقتضیات میں سے نہ ہو - اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -۱

←ہوگا تو یہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ یہ مبہم معاملہ ہے۔ علاوہ اس کے بسا اوقات حمل قرار نہیں پاتا تو اس صورت میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے - اسی طرح کا یہ معاملہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ سودا فروخت کرے کہ جب تک بائع کی زندگی ہے خریدار اس کو گذارہ دیتا رہے گا - مثلاً یوں کہا کہ میں یہ گھر تمہارے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں مجھے مناسب گذارہ دیتے رہوگے تو یہ بیع فاسد ہوگی ، کیونکہ مدت حیات کا تعین نہیں کیا جا سکتا - ہاں اگر مدت متعین کر دی ، مثلاً یوں کہا کہ میں یہ گھر آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ دس سال تک مجھے گذارہ دیتے رہو گے تو یہ معاملہ درست ہے - اگر اس عرصہ میں فروخت کنندہ کی وفات ہو جائے تو یہ حق واجب الادا اس کے ورثاء یا بیت المال (سرکاری خزانہ) کو منتقل ہو جائے گا - لیکن اگر یوں کہا ہو کہ میں اپنا گھر تمہارے نام ہبہ کرتا ہوں بایں شرط کہ میری حین حیات تک یا ایک خاص مدت تک تم میرا خرچ سنبھالو گے تو یہ معاملہ صحیح نہ مانا جائے گا -

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ سودا کرتے وقت کوئی ایسی شرط لگا دی جس پر اس معاملہ کا انحصار ہو تو وہ بیع فاسد ہوگی - مثلاً کسی نے یوں کہا کہ میں اس گھر کو اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آپ مجھے سو گنی قرض دیں تو یہ شرط فاسد ہے اور بیع کو ناقص کر دیتی ہے - چنانچہ اگر خریدار نے (اس بیع کے بعد) گھر کا قبضہ لے لیا تو معاملہ ہو جائے گا لیکن فروخت شدہ کی جو مالیت ہے وہ خریدار کو ادا کرنا پڑے گی - اس قسم کی تمام مثالوں کا یہی حکم ہے - لیکن اگر یہ صورت ہو کہ سودا مکمل ہونے تک کوئی ایسی شرط نہ رہی ہو بلکہ بعد میں یہ شرط لگائی گئی ہو تو بقول صحیح اس شرط کو معاملہ کے ساتھ وابستہ نہ←

← کیا جائے گا (یعنی اس شرط سے اُس بیع کو بیع فاسد قرار نہ دیا جائے گا) -

شرط کے فاسد ہونے کے چند اصول ہیں : ایک تو یہ کہ وہ شرط ایسی ہو کہ معاملہٗ عقد اُس کا متقاضی نہ ہو - اور متقاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک الفاظ معاملہ میں اُس شرط کا ذکر نہ کیا جائے اُس کو شرط معاملہ نہ سمجھا جائے -

عقد جن امور کا تقاضا کرتا ہے اُن کی مثال یہ ہے :

بائع کا مال فروخت شدہ کو سپرد کرنا اور خریدار کا اُس کے دام ادا کرنا - مطلب یہ ہے کہ معاملہ طے ہو جانے پر یہ امور اُس معاملہ کے تقاضوں میں ہیں - اب اگر معاملہ کے وقت فروخت شدہ شے کے حوالہ کرنے اور اُس کے دام ادا کیے جانے کی شرط ہو تو گویا یہ ایسی شرط ہے جو عقد بیع کا تقاضا ہے -

ایسے امور کی مثال جو عقد کے متقاضی نہیں ہیں یہ ہے کہ کوئی شے قرض کی شرط پر فروخت کی جائے جس کی مثال اوپر بتائی گئی - یہ ایک ایسی شرط ہے کہ جب تک سودا چکانے کے وقت اس کا ذکر نہ کیا جائے محض الفاظ خرید و فروخت اس شرط کے متقاضی نہیں ہیں -

دوسری بات یہ ہے کہ وہ شرط معاملہ کے مناسب حال نہ ہو ؛ اگر وہ شرط معاملہ کے مناسب حال ہو گو متقاضی نہ ہو تو معاملہ صحیح سمجھا جائے گا - شرط کے مناسب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شرط ان امور کی تائید کرتی ہو جو سودا ہو جانے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں - اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شے اس شرط پر فروخت کی گئی کہ خریدار اُس کے دام کی ادائیگی کا ذمہ لینے والا کوئی ضامن پیش کرے - گویا یہ شرط عقد بیع سے واجب ہونے والی بات یعنی ادائے قیمت کی تائید کرتی ہے - اور ضامن ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اُسے اشارہ سے بتایا جائے یا نام لے کر متعین کر دیا جائے اور یا اگر وہ سودے کے وقت حاضر نہ ہو تو فریقین معاملہ کے جدا ہونے سے پہلے آ جائے - اگر ضامن کی تعیین نہ کی جائے اور نہ اُس کا نام لیا جائے تو یہ معاملہ ناقص ہوگا - اگر ضامن وہاں پر موجود ہو لیکن ادائے قیمت کی ذمہ داری اوٹھنے سے انکار کر دے اور فریقین معاملہ اس جگہ سے چلے جائیں تو وہ معاملہ فاسد قرار پائے گا ، اگرچہ بعد میں وہ ←

← شخص اس کی ذمہ داری قبول بھی کر لے - اسی طرح اگر کوئی شے اس شرط پر فروخت کی گئی کہ خریدار اُس کے دام کے عوض کوئی چیز فروخت کنندہ کے پاس رہن رکھے گا ، تو یہ شرط ایسی ہے جو فروخت کے مفہوم کی تائید کرتی ہے - لیکن ایسی صورت میں رہن کی شرط یہ ہے کہ شے مرہونہ کو اشارہ کرکے یا نام لے کر بتا دیا جائے - اگر وہ شے (بائع کو) معلوم نہ ہو ، گو خریدار نے اُس کا نام لے دیا ہو ، اور یا وہ شے سامان یا اسباب خانہ میں سے ہو تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا البتہ اگر وہ چیز مکیل یا موزوں ہے اور اُس کی تفصیل (قسم ، مقدار وغیرہ) بتا دی گئی ہے تو رہن جائز ہوگا - اگر شے مرہونہ کی تعین نہ کی جائے اور نہ اُس کا نام لیا جائے ، مثلاً فروخت کنندہ یہ شرط پیش کرے کہ خریدار کوئی شے رہن رکھ دے اور اُس شے کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ بیع ناقص متصور ہوگی - البتہ اگر فریقین شے مرہونہ کے تعین پر اُس جگہ راضی ہو جائیں یا خریدار اُس شے کو وہاں سے ہٹنے سے پہلے حوالہ کر دے یا خریدار فوری طور پر قیمت ادا کر دے تو بیع دونوں حالتوں میں درست ہوگی -

تیسرے یہ کہ وہ شرط (جس پر بیع کی جائے) شرعاً جائز ہو ، گو وہ شے مقتضیات عقد یا عقد کے مناسبات میں سے نہ ہو ، مثلاً 'خیار' (اختیار رد و قبول) یا میعاد کی شرط یا ایسی شرط جو اُس قسم کے سودوں میں بالعموم شرعاً ہوا کرتی ہے - مثلاً کسی نے کوئی بوٹ خریدا اور یہ شرط کر لی کہ اس میں گھنڈی (یا تسمہ) لگا دیا جائے - ایسے سودوں میں یہ شرط بالعموم معلوم ہوتی ہے ، تو سودا درست متصور ہوگا - اسی طرح اگر کوئی جراب یا جوتی اس شرط پر خریدی کہ فروخت کنندہ اُس کی پرانی ادھوڑی کی سلائی کرکے دے گا یا کوئی کھڑاؤں اس شرط پر خریدی کہ اُس میں کیلیں ٹھونک دے گا ، یا پرانی کھڑاؤں ہے اور یہ شرط ہے کہ کیلیں لگا کر اُسے درست کر دے گا تو (ان شرایط کے ساتھ) فروخت کا معاملہ درست ہوگا ، کیونکہ یہ شرطیں عام اور معلوم ہیں -

چوتھے یہ کہ فریقین معاملہ میں سے کسی کا اُس شرط کے لگانے سے کچھ فائدہ ہو - اگر وہ شرط ایسی ہے جس سے فریقین میں سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں ہے تو وہ معاملہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ معاملۂ بیع اُس شرط کا متقاضی نہ ہو یا اُس کے مناسب حال نہ ہو - یا کوئی امر شرعی نہ ہو یا عام دستور کے مطابق نہ ہو - ←

→ اس بیان سے یہ امر واضح ہے کہ شرط فاسد وہ شرط ہے جس کا نہ تو عقد معاملہ متقاضی ہو، نہ وہ شرط عقد کی تائید کرتی ہو اور نہ وہ شرع یا عام دستور کے مطابق ہو، اور یا یہ کہ وہ ایسی شرط ہو جس میں فریقین معاملہ میں سے کسی کا نفع ہو - یہاں سے یہ بھی واضح ہے کہ بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس میں ملکیت (خریدار کے حق میں) ثابت ہو جاتی ہے جب کہ وہ فروخت شدہ شے کا قبضہ حاصل کر لے، درآنحالیکہ خریدار کا یہ قبضہ فروخت شدہ مال پر بائع کی اجازت سے ہو - یہ اجازت صراحتاً ہو، مثلاً وہ کہہ دے کہ یہ مال جو آپ نے خریدا ہے آپ اسے لے جا سکتے ہیں، یا یہ اجازت کسی عمل سے ظاہر ہوتی ہو، بایں طور کہ خریدار نے جہاں معاملہ طے کیا وہیں پر اپنا مال وہاں سے اٹھا لیا اور فروخت کنندہ نے منع نہیں کیا اور اس میں خیار شرط بھی نہ تھا (تو یہ عمل ضمنی طور پر اجازت متصور ہوگا) - ایسی صورتوں میں تین حالتیں مستثنیٰ ہیں:

اول یہ کہ اگر مذاق میں سودا کر لیا گیا تو خریدار مال فروخت پر قبضہ حاصل کرنے سے مالک نہیں بنے گا -

دوم یہ کہ باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ خرید لے تو یہ بیع فاسد (ناقص) ہوگی اور اس چیز پر قبضہ کر لینے سے اس کا مالک متصور نہ ہوگا؛ ہاں استعمال میں لے آئے تو مالک متصور ہوگا -

تیسرے یہ کہ باپ اپنے مال میں سے کوئی چیز بیٹے کو فروخت کر دے -

ان تینوں حالتوں میں فروخت شدہ شے خریدار کے پاس امانت کی حیثیت میں ہوگی -

اگر بیع فاسد ہو اور خریدار مال فروخت شدہ پر قابض ہو کر اس کا مالک بن جائے تو اسے مالکانہ حیثیت سے تصرف میں لا سکتا ہے - لیکن اس پر پڑوسی کا حق شفع نہ ہوگا، خواہ وہ مال سامان خانہ (کی نوعیت ہی کا) ہو - چند امور اس حق تصرف سے مستثنیٰ ہیں - منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس مال کا کھانے یا پہننے کے کام میں لانا حلال نہیں ہے - ←

→ تفصیل بالا سے یہ امر واضح ہے کہ چند مواقع ایسے ہیں کہ ان میں مشروط معاملہ کرنے سے بیع فاسد نہیں ہوتی -

ان میں سے اہم امور حسب ذیل ہیں :

۱ - یہ کہ کوئی شے اس شرط پر فروخت کی جائے کہ فلاں چیز ، جس کی تعیین اشارے سے یا نام لے کر کردی گئی ہو، رہن رکھی جائے۔

۲ - یہ کہ کوئی شے شرط کفالت پر خریدی جائے۔ خواہ ضامن وہاں پر موجود ہو یا موجود نہ ہو لیکن معاملہ طے ہونے کے بعد فریقین کے جدا ہونے سے پہلے آ جائے اور (ادائیگی مال یا دام کا) ضامن بن جائے۔ اگر حاضر نہ ہو اور بعد میں معلوم ہونے پر ضامن ہو تو بیع فاسد ہوگی -

۳ - یہ کہ کوئی شے اس شرط پر خریدی جائے کہ اس کے دام کے وصول کرنے کا ذمہ دار کوئی اور شخص ہوگا - (یعنی بائع کہہ دے کہ دام فلاں شخص کو دے دینا) -

۴ - یہ کہ کوئی سودا کسی شخص کی رائے پر موقوف ہونے کی شرط پر کیا جائے۔

۵ - یہ کہ اس شرط پر سودا کیا جائے کہ جائز مدت یعنی تین دن کے اندر واپسی کا اختیار ہوگا۔

۶ - یہ کہ نقد دام کی ادائیگی کی شرط پر سودا کیا جائے۔ پس اگر تین دن کے اندر نقد دام نہ ادا کیے گئے تو وہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔

۷ - یہ کہ ایک مقررہ مدت کے اندر ادائیگی قیمت کے وعدے پر سودا کیا جائے -

۸ - یہ کہ مال اس شرط پر فروخت کیا جائے کہ اگر مال میں کوئی خرابی نکلے ہو تو بائع اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

۹ - یہ شرط کہ فروخت شدہ پھل خریدار کے ہوں گے - اسی طرح یہ شرط بھی بقول مفتیٰ بہ درست ہے کہ درخت میں پھل آنے کے بعد انہیں لگا رہنے دیا جائے گا -

۱۰ - اس شرط پر سودا کیا جائے کہ فروخت شدہ شے میں کوئی خاص ←

← خوبی موجود ہے - مثلاً یہ کہ کوئی جانور تیز رفتار ہونے کی شرط پر خریدا جائے -

۱۱ - کوئی زمین اس شرط پر خریدی جائے کہ اس میں جو راستہ ہے وہ دوسروں کے لیے کھلا رہے گا -

۱۲ - کوئی جوتی پیر میں ٹھیک آنے کی شرط پر خریدی جائے -

۱۳ - موزہ اس شرط پر خریدا جائے کہ اس میں تسمہ لگا دیا جائے گا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ معاملات خرید و فروخت میں جو شرایط کی جاتی ہیں ان کی پانچ حالتیں ہیں :

پہلی حالت یہ ہے کہ معاملہ اس شرط کا متقاضی ہو - متقاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شارع[۴] نے اس بات کو معاملہ کا نتیجہ قرار دیا ہو - چنانچہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد فروخت شدہ مال پر قبضہ سے نتیجۃً خریدار اس شے کا اور اس کے ثمرات کا مالک ہو جاتا ہے - پس اگر خریدار نے مال پر قبضہ حاصل کرنے اور فروخت کنندہ نے قیمت وصول کرنے کی شرط کی تو چونکہ عقد کا تقاضا ہی یہ تھا لہٰذا یہ شرط صحیح ہے - اسی طرح اگر کوئی شے اس شرط پر خریدی کہ اگر اس میں کوئی عیب نکلا تو اسے واپس کر دیا جائے گا ، تو یہ بھی درست ہے - کیونکہ شارع علیہ السلام نے مال فروخت شدہ سے فائدہ اٹھانا معاملۂ فروخت کا نتیجہ قرار دیا ہے اور چونکہ وہ عیب اس مقصد کے منافی ہے ، لہٰذا یہ شرط مطابق مقتضائے عقد ہے -

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس پر معاملہ کے صحیح ہونے کا انحصار ہے ، مثلاً یہ شرط کہ خریدار اس شرط پر درخت کا پھل خریدے کہ وہ اسے توڑ لے گا - پس چونکہ پھلوں کی فروخت اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ وہ درخت میں لگ نہ جائیں ، بغیر اس کے کہ اسے توڑ لینے کی شرط لگا دی جائے جس کی کیفیت آگے بتائی جا رہی ہے ، لہٰذا صحت بیع کے لیے یہ شرط لازمی ہے -

تیسری حالت یہ ہے کہ جو شرط لگائی گئی ہے اس میں کوئی مصلحت ہو ، مثلاً یہ شرط کہ وہ جانور اس شرط پر خرید لے گا کہ وہ گیابھن ہو - یہ شرط ایک مزید ←

← مصلحت کے پیش نظر ہے - اسی طرح یہ شرط کہ مال فروخت رہن شدہ نہ ہو - اس میں بھی ایک مصلحت پیش نظر ہے -

چوتھی حالت یہ ہے کہ وہ شرط بے کار سی ہو ، مثلاً اس شرط پر کوئی جانور خریدنا کہ وہ خشک گھاس کھا لیتا ہو - اس شرط سے کوئی حرج نہیں ہے -

پانچویں حالت یہ ہے کہ کوئی ایسی شرط کی جائے کہ نہ معاملہ اس کا متقاضی ہو ، نہ اس کے کرنے میں کوئی مصلحت ہو اور نہ اس پر صحت معاملہ کا انحصار ہو، یا لغو شرط ہو - اس سے مراد شرط فاسد ہے جو معاملۂ بیع کے لیے نقصان دہ ہے ، مثلاً کسی نے یہ کہا کہ میں یہ باغ آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آپ اپنا گھر میرے ہاتھ فروخت کردیں یا اتنی رقم مجھے قرض دیں یا مجھے فلاں مالی فائدہ پہنچائیں - اگر ایسی شرط کے ساتھ معاملہ کیا جائے تو وہ معاملہ باطل ہوگا - ہاں اگر معاملہ سے پہلے ایسی کوئی شرط رہی ہو یا اس پر عمل درآمد واجب کرلیا گیا ہو تو یہ معاملہ درست ہوگا - اسی طرح اگر کسی نے یہ کہا کہ میں یہ کھیتی اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس کی کٹائی تمھیں کرنا ہوگی - یا کپڑا اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس کو تم سی دو گے ، یا تربوز یا لکڑی بشرطیکہ اس کا اٹھانا تمھارے ذمہ ہوگا - یا اسی قسم کی اور باتیں کہ نہ عقد کا تقاضا ہوں نہ اس میں کوئی مصلحت پیش نظر ہو اور نہ وہ باتیں صحت معاملہ کے لیے شرط ہوں (تو عقد معاملہ کے ساتھ ان شرایط کے وابستہ کرنے سے عقد باطل ہوجائے گا) -

اگر کسی کے ہاتھ کوئی شے ایک مقررہ مدت کے ادھار پر فروخت کی اور شرط یہ لگائی کہ فلاں شے میرے پاس رہن رکھ دو ، مثلاً یوں کہا کہ میں یہ گھر آپ کے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں جو تمھیں دینا ہے ، بشرطیکہ فلاں حویلی یا فلاں زمین میرے پاس رہن رکھ دو تو یہ معاملہ صحیح ہوگا، لیکن اگر شے مرہونہ کی تعیین نہ کی اور یوں کہا کہ کوئی چیز یا کوئی زمین میرے پاس رہن رکھ دو تو بیع فاسد ہوگی - اسی طرح اگر کوئی شے اس شرط پر فروخت کی کہ کوئی ضامن بن جائے ؛ اب اگر وہ ضامن معلوم ہے تو بیع صحیح ہوگی؛ اگر ←

← معلوم نہیں ہے تو صحیح نہ ہوگی ۔ (رہن کی شرط والی صورت میں) یہ لازم ہے کہ شے مرہونہ معاملہ کی اشیاء مبادلہ میں سے کوئی شے نہ ہو (نہ فروخت شدہ مال اور نہ اس کے عوض کی چیز)، لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں یہ اونٹ آپ کے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ میرے پاس دام کے وصول ہوجانے تک رہن رہے گا، یا خریدار کہے کہ میں نے آپ کے فلاں اونٹ کو جو آپ کے پاس ہے اتنے میں خرید لیا لیکن اس کے دام جس کے عوض میں نے یہ اونٹ خریدا ہے وہ میرے پاس بطور رہن کے رہے گا، تاآنکہ میں اس کا قبضہ حاصل نہ کروں تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا ۔ اور ایسی صورت میں یہ بیع اس صورت میں باطل متصور ہو گی جب کہ یہ شرط جو لگائی گئی ہے وہ معاملۂ بیع کا جزو ہو، جیسا کہ سابقہ دو مثالوں میں ہے ۔ ہاں اگر یہ تصفیہ معاملہ طے ہونے اور مال پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد ہوا تو رہن سے معاملہ باطل نہ ہوگا ۔

یاد رہے کہ (شرط رہن کی صورت میں) مال مرہونہ وہ ہونا چاہیے جو فریقین کو معلوم ہو، خواہ اسے دیکھا ہو یا اس کی تفصیل اس طرح بتا دی گئی ہو جس طرح بیع سلم میں بتا دی جاتی ہے ۔ اور (ضامن کی صورت میں) ضامن بھی وہ ہونا چاہیےجو معلوم ہو، خواہ اسے دیکھا ہو یا اس کا نام نسب بتا دیا گیا ہو؛ محض اس کے وصف کا ذکر (بغیر تعین موصوف) کافی نہیں ہے، مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں شے آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں، بشرطیکہ کوئی مالدار یا صاحب مقدور شخص (ادائیگی کا) ضامن ہو وغیرہ ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ بیع کے وقت جو شرط لگائی جاتی ہے اس کی چار حالتیں ہیں :

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ شرط بیع کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی ہو اور مقصد بیع کے منافی ہو ۔ مثلاً فروخت کنندہ خریدار پر یہ شرط عاید کرے کہ آپ (لینے کے بعد) نہ اس کو فروخت کریں گے نہ کسی کو بخش دیں گے یا یہ کہ آپ اس کی سواری نہ لیں گے ۔ یا کوئی کپڑا ہے اور اس کے سودے میں یہ شرط لگا دی جائے کہ اسے پہنا نہ جائے، اور یا یہ شرط ہو کہ اگر اسے (لے کر) بیچا گیا تو اس کی قیمت کا میں حق دار ہوں گا (یہ سب شکلیں درست نہیں ہیں) بخلاف ←

← اس صورت کے جب کہ کوئی شے فروخت کردی گئی اور پھر یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ اس بیع کو منسوخ کردیجیے؛ اس پر خریدار کہے کہ میں اس شرط پر منسوخ کرتا ہوں کہ اگر کسی اور کے ہاتھ اسے فروخت کیا تو اس کی قیمت کا حق دار میں ہوں گا، تو یہ صورت جائز ہے۔ اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ اور یہ صرف اقالہ کی صورت میں معاف ہے؛ دوسرے سودوں میں معاف نہیں ہے۔ اس شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو قیمت پر اثر انداز ہو (یعنی دام کے علاوہ کچھ چیز بڑھ جائے یا گھٹ جائے)، مثلاً کوئی شے اس شرط پر خریدی کہ اسے کچھ خاص رقم قرض دی جائے۔ قرض لینے کی یہ شرط قیمت میں خلل انداز ہے، کیونکہ اگر یہ شرط فروخت کنندہ کرے تو گویا وہ اپنا مال (قیمت واجب سے) کم پر فروخت کر رہا ہے، اور اگر یہ شرط خریدار کی طرف سے ہو تو گویا وہ (حق واجب سے) کچھ زیادہ پر خرید رہا ہے۔ لیکن اگر کسی کے ہاتھ گھر فروخت کیا اور شرط معاملہ کے بغیر کچھ مال قرض کے طور پر خریدار کو دے دیا تو بقول معتمد اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔
متذکرہ بالا دونوں حالتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

تیسری حالت یہ ہے کہ ایسی شرط رکھی جائے جو تقاضائے عقد کے مطابق ہو، مثلاً خریدار نے یہ شرط رکھی کہ مال فروخت شدہ اس کے حوالہ کرنا ہوگا، یا یہ شرط کہ میں قیمت اس وقت دوں گا جب سودا طے ہو جائے گا۔ یہ شرطیں ایسی ہیں کہ بغیر شرط لگائے بھی معاملہ میں از خود لاگو ہو جاتی ہیں، گویا یہ شرایط معاملۂ بیع کی پختگی کے لیے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ ایسی شرط لگائی جائے جو نہ تو عقد کا تقاضا ہو اور نہ تقاضائے عقد کے منافی ہو، مثلاً کوئی شے کچھ عرصہ کے لیے خریدی یا خیار شرط پر خریدی، یا رہن یا ضمانت یا مقررہ میعاد کے وعدے پر خریدی تو ان تمام صورتوں میں بیع بھی درست ہے اور شرط بھی صحیح ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرایط بیع جو معاملہ کے وقت لگائی جائیں اس کی دو قسمیں ہیں:
←

→ پہلی قسم کی وہ شرطیں ہیں جو صحیح ہیں اور واجب التکمیل ہیں اور لازم ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ اس کی تین صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ شرط تقاضائے عقد کے مطابق ہو ، یعنی وہ معاملہ شرعاً اس پر عمل درآمد کا متقاضی ہو، مثلاً (مال پر) فوری قبضہ کرنے اور دام کے ادا کرنے کی شرط اور فریقین کو (اشیاء مبادلہ پر) تصرف حاصل ہونے کی شرط - نیز کسی عیب کے نکلنے پر واپسی کے اس حق وغیرہ کی شرط جو ازروئے شرع معاملات پر از خود مترتب ہو جاتا ہے ، خواہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ پس اگر فریقین میں سے کسی نے اس قسم کی شرط لگا دی تو معاملۂ بیع میں اس سے کوئی حرج نہیں ہے - پس اس شرط کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی شرط ہو جس میں کوئی مصلحت پیش نظر ہے، مثلاً ادائیگی قیمت کے بارے میں مہلت کی شرط یا (کچھ دام ادا کردیےجائیں اور) کچھ دام ادا کرنے کے لیے تعین وقت کی شرط ؛ یہ شرط خریدار کے لیے مصلحت (سہولت) کے پیش نظر ہے - یا یہ کہ فروخت کنندہ یہ شرط کرے کہ وہ اس کے پورے دام کے عوض، یا دام کے کچھ حصہ کے عوض، کوئی چیز رہن رکھ لے گا - اس میں فروخت کنندہ کی مصلحت ہے - ایسی صورت میں بائع کو یہ حق ہوگا کہ خود فروخت شدہ مال کو اس کی قیمت کے عوض بطور رہن اپنے پاس رکھ لے اور کہے کہ میں یہ چیز آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اس کی قیمت کے عوض یہ مال میرے پاس رہن رہے گا ، تو یہ درست ہے - اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ فروخت کنندہ مال کی پوری قیمت یا اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی کا ضامن کسی متعین شخص کو بنانے کی شرط پر مال بیچے ، اس میں بھی بائع کی مصلحت ہے - اور اسے یہ چاہیے کہ رہن رکھنے یا ضامن بنانے کا مطالبہ معاملۂ بیع طے ہونے سے پہلے کرلے؛ اگر بعد میں اس کا مطالبہ کیا تو تسلیم نہ کیا جائے گا -

(شرایط مصلحت آمیز میں) مال فروخت کی بابت شرط کرنا بھی شامل ہے ، مثلاً کوئی جانور تند رفتار ہے اور اس شرط پر خریدا کہ وہ آہستہ چلتا ہو؛ یا یہ شرط کہ اس کا دودھ نکالا جا سکے ، یا یہ شرط کہ اس میں زیادہ دودھ ہو ، یا ←

ہے۔ تیندوا شکاری ہو، یا پرندہ بولنے والا ہو، یا (مرغی وغیرہ) انڈا دینے والی ہو ، یا زمین کا خراج اس قدر ہو وغیرہ ۔ یہ تمام شرطیں بجائے خود صحیح ہیں ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ پس یہ شرط جو لگائی گئی ہے اگر پوری ہو تو بیع نافذ ہو جائے گی بصورت دیگر جس نے یہ شرط لگائی تھی اسے حق ہوگا کہ شرط پوری نہ ہونے کے باعث اس سودے کو منسوخ کردے یا اس شرط کے پورا نہ ہونے کے معاوضہ کا مطالبہ کرے ۔ اگر خریدار اس مال کے واپس کرنے سے معذور ہو تو اس کا معاوضہ متعین کیا جائے گا ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فروخت کنندہ ایک جائز اور متعین فائدے کی شرط پر جو اس مال فروخت سے اٹھایا جا سکتا ہے ، سودا کرے، جیسے کوئی گھر اس شرط پر فروخت کیا جائے کہ ایک مقررہ عرصہ تک مثلاً ایک ماہ تک اس میں وہ خود رہے گا وغیرہ ۔ یا کوئی اونٹ بیچا اور یہ شرط رکھی کہ بائع اس پر سوار ہو کر متعین فاصلہ تک جائے گا یا سامان لاد کر لے جائے گا ، تو یہ شرط صحیح ہے ۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ (سودا طے ہو جانے کے بعد) فروخت کنندہ دام وصول ہونے تک مال کو روک رکھے ۔ تاہم اس پر لازم ہوگا کہ شرط کے بموجب جو نفع مال فروخت شدہ سے اٹھاتا ہے یا کسی کو عاریتاً دیتا ہے اس کی اجرت خریدار کو ادا کردے ۔ نیز یہ بھی درست ہے کہ خریدار بائع کو ایک متعین اور خاص فائدہ اٹھانے کی تعیین و تعدیل کردے مثلاً یہ کہہ دے کہ فروخت شدہ مال خریدار کے گھر تک پہنچایا جائے گا ۔ یا یہ شرط کہ کپڑا سی کر دیا جائے گا ، یا فصل کاٹ کر، یا پھل توڑ کر دے گا ، یا لوہار سے یہ شرط ہو کہ چاقو تیز کرکے (یا تیار) کرکے دے گا ، یہ تمام شرطیں درست ہیں اور فروخت کنندہ پر اس کی تکمیل لازم ہے ، سوا اس کے کہ شرط واضح نہ ہو (تو اور بات ہے) ۔ مثلاً مال فروخت شدہ کو گھر تک پہنچانے کی شرط تو تھی لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ گھر کہاں ہے تو ایسی شرط فاسد ہوگی، لیکن معاملہ بیع جو طے ہوا وہ درست ہوگا ۔

شرایط معاملہ کی دوسری قسم فاسد شرطیں ہیں ، یعنی وہ شرطیں جو معاملات بیع میں حرام ہیں ۔ ان کی تین قسمیں ہیں :

نجس شے اور نجاست آلود اشیاء
کی بیع کا بیان

نجاست کی اور نجس شدہ اشیاء کی خرید و فروخت بھی منجملہ باطل معاملات

→ پہلی قسم یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی فریق اس معاملہ کے لیے کسی اور معاملہ کی شرط عاید کرے، مثلاً گھر کی فروخت کے لیے کچھ قرض دینے کی شرط کرے یا یہ شرط ہو کہ (فلاں معاملہ جب ہوگا کہ) وہ اپنا اونٹ فروخت کردے یا یہ کہ اپنی زمین کرایہ پر دے، دے یا تجارت و زراعت میں شرکت کرنے کی شرط لگا دے یا اسی طرح کے کسی اور معاملہ کی شرط پر معاملۂ بیع کیا جائے۔ ایسی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اسی میں یہ کہنا بھی آتا ہے کہ ''میں اپنا گھر آپ کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دیجیے یا میرے ملازم کا خرچ برداشت کیجیے''۔

دوسری قسم یہ ہے کہ معاملۂ بیع کے لیے کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو خود عقد بیع کے منافی ہو، مثلاً کوئی مال اس شرط پر خریدا کہ وہ اسے چلائے گا، اگر گھاٹا ہوا تو واپس کر دے گا۔ یا یہ شرط لگائی کہ میں اس مال کو (لے کر) فروخت کرتا ہوں، اگر گھاٹے میں بکا تو اس گھاٹے کو بائع پورا کرے گا۔ یا کسی چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار اسے آگے نہ فروخت کرے گا، یا یہ شرط کی کہ خریدار اسے لے کر وقف کردے گا وغیرہ۔ ایسی تمام شرطیں فاسد ہیں جو تقاضاے بیع کے منافی ہیں۔ لیکن معاملہ بذات خود (بجائے خود) درست ہے؛ ان شرایط سے وہ منسوخ نہ ہو گا۔ تیسری قسم یہ ہے کہ معاملۂ بیع کو کسی شرط پر اٹکا دیا جائے، مثلاً یہ کہنا کہ اگر تم مجھے فلاں شے لا دو تو میں یہ چیز تمھارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ یا یوں کہنا کہ میں یہ چیز بیچتا ہوں بشرطیکہ فلاں صاحب راضی ہوں۔ ایسی شرط بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ البتہ اگر یوں کہا کہ انشاء اللہ میں نے فروخت کیا، یا انشاء اللہ میں نے خرید لیا تو بیع درست ہو گی۔ ←

کے ہے - اندریں باب مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو -[۱]

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ نجس اشیاء کی خرید و فروخت درست نہیں ہے، جیسے مردار کی ہڈی یا اس کی کھال، خواہ وہ کھال مدبوغ ہو (یعنی کمایا ہوا یا رنگا ہوا چمڑا ہو)، کیونکہ کھال دباغت سے پاک نہیں ہو جاتی - اسی طرح شراب اور خنزیر (سور) اور حرام جانوروں کا فضلہ قطع نظر اس کے کہ وہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت حرام ہے، جیسے گھوڑا، خچر اور گدھا یا مکروہ ہو جیسے درندہ جانور بجو، لومڑی، خرگوش اور بلی - ان تمام جانوروں کے فضلوں کی خرید و فروخت درست نہیں ہے - اسی طرح بقول مشہور ایسی شے کی بیع بھی درست نہیں ہے جو نجاست آلود ہو اور اس کا پاک کرنا ممکن نہ ہو، جیسے تیل، شہد، یا گھی جس میں نجاست پڑ گئی ہو - چنانچہ تیل دھونے سے پاک نہیں ہو سکتا؛ (لہٰذا اس کا معاملہ درست نہیں ہے تاہم) بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ناپاک شدہ تیل وغیرہ کی بیع صحیح ہے کیونکہ ناپاک ہو جانے کی وجہ سے اسے تلف نہیں کیا جاتا (یعنی کسی نہ کسی کام آتا ہے) - نیز بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ تیل کو دھو کر پاک کرنا ممکن ہے (اس کا طریقہ سابقاً بتایا جا چکا ہے) -

ایسی نجاست آلود اشیاء کا سودا ہو سکتا ہے جن کو پاک کرنا ممکن ہو جیسے کپڑا لیکن فروخت کنندہ پر واجب ہے کہ وہ بتا دے کہ یہ ناپاک ہے- اگر یہ بات نہ بتائی گئی (اور بعد میں پتا چلا) تو خریدار کو اختیار ہے کہ اسے واپس کر دے -

کتے کی خرید و فروخت درست نہیں ہے، خواہ وہ نجاست آلود نہ ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ شکاری کتا ہو یا نگہبانی کرنے والا یا ان کے علاوہ کسی اور کام کا، کیونکہ شرع میں اس کی خرید و فروخت ممنوع آئی ہے - چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے: کتے کے دام بد کار عورت کے مہر، اور نجومیوں کی اجرت - بعض اصحاب مالکیہ کہتے ہیں کہ شکاری اور یا حفاظت کرنے والے کتوں کی خرید و فروخت درست ہے اور شکاری یا حفاظتی کتوں کا پالنا بھی روا ہے - ←

→ حنابلہ کہتے ہیں کہ نجاست ، جیسے شراب ، سور ، خون اور حرام جانوروں کے فضلے کی خرید و فروخت روا نہیں ہے - پاک جانور کا فضلہ ہو تو بیع درست ہے جیسے کبوتر یا مویشی کا فضلہ - مردار جانور یا اس کے کسی جزو بدن کی بیع درست نہیں ہے، خواہ اس کے لیے مجبوری لاحق ہو- مری ہوئی ٹڈی یا مچھلی وغیرہ کا سودا درست ہے-

نجس العین جانوروں ، مثلاً مردار جانور کی چربی (یا چکنائی) کا سودا کرنا صحیح نہیں ہے اور ان اشیاء کا کسی اور طرح استعمال کرنا بھی درست نہیں ہے ، لیکن اگر تیل میں نجاست گر جائے تو اس کی بیع حلال نہیں ہے لیکن مسجد کے علاوہ کسی اور مقام پر اس کو چراغ میں جلانا حلال ہے -

ایسی نجاست آلود شے ہو جس کا پاک کرنا ممکن ہو جیسے کپڑا یا برتن تو اس کی بیع درست ہے -

کتے کی خرید و فروخت شکار وغیرہ کے لیے ہو یا نہ ہو صحیح نہیں ہے اور کتے کا پالنا بھی حرام ہے ، بشرطیکہ شکار کے لیے یا ریوڑ اور کھیتی وغیرہ کی حفاظت کے لیے نہ ہو ، یہ مقصد ہو تو اس کا پالنا جائز ہے ، تاہم وہ کتا کالا نہ ہونا چاہیے - بلی کی خرید و فروخت کے بارے میں اختلاف ہے ؛ تاہم اس کے ناجائز قرار دیے جانے کو پسند کیا گیا ہے -

وحشی جانوروں ، مثلاً ہاتھی اور درندہ جانوروں وغیرہ کی بیع جائز ہے - نیز شکاری پرندوں مثلاً شکرا اور باز کی بیع درست ہے - ہاں کیڑے مکوڑوں جیسے سانپ ، بچھو کی بیع درست نہیں ہے - البتہ ریشم کے کیڑوں اور ایسے کیڑوں کی بیع جن کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے، درست ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر نجس جانور مثلاً سور اور شراب اور جانور کے فضلہ (لید گوبر وغیرہ) اور کتے کی بیع درست نہیں ہے ، خواہ وہ شکاری کتا ہو -

اگر ایسی نجاست آلود شے کا سودا کیا جائے جس کی نجاست کو دور کرنا دشوار ہو تو وہ بیع درست ہو گی ، جیسے وہ گھر جسے ناپاک اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہو یا غلاظت آلود زمین کا سودا یا ایسے ظروف مرتبان ، قیف ←

← یا کاهیا وغیرہ کا سودا جس کی مٹی میں نجس راکھ شامل ہو۔ اگر نجاست کو پاک شے سے دور کرنا دشوار نہ ہو جیسے تیر میں (نجس) پر لگا ہوا ہو تو اس کی بیع اس نجس چیز کو دور کرنے سے پہلے درست نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شراب، سور اور خون کی فروخت صحیح نہیں ہے۔ اگر شراب یا سور کی بیع کی گئی، تو یہ بیع باطل ہو گی۔ لیکن اگر کوئی پاک چیز شراب یا سور کے عوض خریدی گئی یعنی ان اشیاء کو دام کے طور پر استعمال کیا گیا، مال کے طور پر نہیں، تو وہ بیع فاسد ہو گی؛ خریدار اس کا قبضہ لینے کے بعد اس کا مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کی قیمت شرع کے مطابق ادا کرنا ہو گی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی طرح مردار کی بیع بھی ہے جیسے گلا گھونٹ کر، چوٹ لگ کر، گر کر یا سینگ کی ٹکر وغیرہ سے مرنے والا جانور ہو تو اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔ نیز دباغت (یعنی رنگنے یا کمانے) سے پہلے (ایسے جانور کے) چمڑے کا سودا درست نہیں ہے، دباغت کے بعد درست ہے کیونکہ دباغت کے بعد چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ سور کی کھال (دباغت کے بعد بھی) پاک نہیں ہوتی۔ سانپ وغیرہ کی کھال کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان کی دباغت دشوار ہے جیسا کہ طہارت کے بیان میں بتایا گیا۔

اگر ان اشیاء کو کسی پاک شے کو خریدنے کے لیے بطور دام کے استعمال کیا گیا تو بیع فاسد ہو گی جیسا کہ شراب وغیرہ کے باب میں بتایا گیا۔ تفصیل مزید آگے آ رہی ہے۔

نجاست آلود شے کا خریدنا اور کھانے کے علاوہ کسی اور کام میں لانا درست ہے، لہٰذا جائز ہے کہ ناپاک تیل کو خرید کر چمڑا رنگنے یا مشینی آلات وغیرہ میں ڈالنے کے لیے استعمال کیا جائے اور اس کو مسجد کے علاوہ اور جگہ چراغ میں جلایا جا سکتا ہے۔ لیکن مردار کی چکنائی (چربی وغیرہ) کو استعمال میں لانا حلال نہیں ہے، کیونکہ یہ چکنائی مردار (کے جسم) کا ایک حصہ ہے اور شرع نے (پورے جسم مردار کو) حرام بتایا ہے، لہٰذا اسے مال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بات طہارت کے باب میں بتائی جا چکی ہے کہ تیل وغیرہ کو پاک کرنا ممکن ہے۔ ←

پرندوں کی فروخت ، بحالت پرواز

منجملہ فاسد سودوں کے ایسے پرندوں کا بیچنا ہے جو پرواز میں ہوں، کیونکہ اڑتے ہوئے پرندوں کا قبضہ دینا ممکن نہیں ہے - اس کی کیفیت مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہے - [1]

← واضح ہو کہ فضلہ کی خرید و فروخت منع ہے، لہٰذا اگر اس کا سودا کیا گیا تو وہ بیع باطل ہو گی ہاں اگر اس کو مٹی میں مخلوط کرلیا جائے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے، درآنحالیکہ مالی اعتبار سے اس کی کوئی قیمت ہو گئی ہو ، مثلاً وہ فضلہ کھاد بن گیا ہو-نیز لید اور گوبر کو جسے سرگین یا شرقین (یا ارنا آپلا) کہتے ہیں بیچا جا سکتا ہے - اسی طرح مینگنی کی بیع بھی ہو سکتی ہے اور اسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے ، ایندھن بنایا جا سکتا ہے-

شکاری اور حفاظت کرنے والے کتے، نیز بقول مختار درندہ جانوروں، مثلاً شیر ، چیتے ، ہاتھی اور دوسرے حیوانات کی خرید و فروخت ، سوائے سور کے ، جائز ہے، درآنحالیکہ ان جانوروں سے اور یا ان کی کھال کو کام میں لانا مقصود ہو - اسی طرح کیڑے مکوڑوں اور موذی جانوروں مثلاً سانپ ، بچھو کی خرید و فروخت بھی درست ہے ، بشرطیکہ وہ بکارآمد ہوں - یہ حکم اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ہر وہ شے جس میں کوئی خاص شرعاً فائدہ ہو ، اس کی خرید و فروخت جائز ہے -

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ اڑتے ہوئے پرندے کی فروخت صحیح نہیں ہے - اڑتے ہوئے پرندے کے سودے کو بیع الغرر ، کہتے ہیں (یعنی اڑتے پرندے کا سودا) اس کا مقصد یہ ہے کہ مال فروخت ، مجہول العاقبت ہوتا ہے یعنی اس امر کا اندیشہ ہی رہتا ہے کہ آیا اس کو پکڑا جا سکے گا یا نہیں ؟ اور گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ اسے بس میں نہیں لایا جا سکے گا ، جیسے اڑتا ہوا پرندہ جس کا ذکر اوپر ہوا ، کیونکہ اڑتے ہوئے پرندے کی بابت (بہرحال) یہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر واپس آئے یا نہ آئے اور گمان غالب یہی ہے کہ وہ نہ آئے گا ، لہٰذا اس کا سودا درست نہیں ہے - بخلاف شہد کی مکھی کے کہ اس کا سودا اڑتے ہوئے بھی جائز ہے - ←

→ حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی پرندے کو پکڑنے کے بعد اسے اڑایا ہے تو اس کی فروخت فاسد ہو گی، کیونکہ اب اس کا قبضہ دینا بائع کے بس میں نہیں رہا، تاہم اگر اس طرح سودا کرنے کے بعد اسے حوالہ کرنا ممکن ہو جائے تو بقول بعض وہ سودا جائز ہوجائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تب بھی جائز نہیں ہے، اور شکار کرنے (پکڑنے) سے پہلے اس کا سودا کیا تو وہ بیع باطل ہو گی اور بیع نافذ ہی نہ ہو گی، کیونکہ اس وقت فروخت کنندہ اس کا مالک ہی نہیں تھا۔ ہاں اگر وہ ایسا پرندہ ہو جو پرواز سے واپس آ جایا کرتا ہے جیسے کبوتر، تو اس کی فروخت حالت پرواز میں بھی درست ہے، کیونکہ وہ حسب دستور واپس آ جائے گا۔ اور ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ بیع درست نہیں ہے۔

اور جو کبوتر کابک میں ہوں اس کابک کو رات کے وقت فروخت کرنا درست ہے، دن میں درست نہیں، کیونکہ کبوتر اپنے کابکوں میں رات کو بسیرا لینے کے لیے جمع ہوتے ہیں، دن کے وقت بہ تلاش دانہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ ہاں شہد کی مکھیوں کو، جب کہ وہ شہد کے چھتے میں لگی ہوئی ہوں، فروخت کرنا درست ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اڑتے ہوئے پرندوں کا سودا کرنا درست نہیں ہے اور نہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے جھنڈ کا سودا درست ہے جب کہ وہ باہم گڈ مڈ ہو رہے ہوں، جیسے چڑیاں، چوزے، اور کبوتر، کیونکہ ان کی تعداد کا تعین ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر خریدار کے لیے یہ ممکن ہو کہ ان کے ٹک جانے یا سو جانے پر ان کی گنتی معلوم ہو جائے تو بیع جائز ہے۔ کابک کے اندر کبوتروں کا سودا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد معلوم نہیں ہوتی؛ ہاں اگر خریدنے سے پہلے ان کی تعداد معلوم ہو گئی ہو تو بیع درست ہو گی۔ اور کابک یا (پنجرہ) کا مع اس کے جانور کے بیچ دینا درست ہے، اگرچہ ان جانوروں کی تعداد معلوم نہ ہو، کیونکہ جب کابک کا سودا ہوا تو اس کے اندر جو کچھ بھی ہو اس کا سودا بھی اس میں شامل ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پرندوں کا حالت پرواز میں سودا کرنا درست نہیں ہے، خواہ وہ واپس آنے والا پرندہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح شہد کی اڑتی ہوئی مکھیوں کا ←

فروخت شدہ مال پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف مالکانہ میں لانے کا بیان

خرید شدہ مال پر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اس کا سودا کرنا بحیثیت تصرف مالکانہ بیع فاسد ہے - اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

.. سودا درست نہیں ہے ، کیونکہ ان کا حوالہ کرنا بائع کے بس میں نہیں ہے - اب اگر وہ پرندہ ایسی در بند جگہ میں ہو جیسے کابک ہے کہ اس میں سے پرندہ کا نکالنا ممکن ہو تو اس کی فروخت درست ہے ، درآنحالیکہ وہ جانور اس کے اندر موجود ہو اور خریدار کو اندر سے دکھائی دے رہا ہو -

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ خرید شدہ مال پر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرے، اگرچہ فروخت کنندہ نے اس کے دام وصول کر لیے ہوں اور مال کے اٹھانے کی اجازت دے دی ہو -

اگر کوئی مال منقولہ ہو یا غیر منقولہ خرید لیا اور ہنوز اس کا قبضہ نہیں دیا گیا ، لیکن خریدار نے اسے فروخت کر دیا تو وہ فروخت باطل ہو گی ؛ یہاں تک کہ اگر خریدار نے دیکھا کہ خرید شدہ مال کے قبضہ حاصل کرنے میں دقت ہے اور چاہا کہ پھر بائع کے ہاتھ ہی اسے فروخت کر دے تب بھی صحیح (درست نہیں) -

غرض یہ ہے کہ خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچ دینا نہیں ہے ، لیکن تین صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں :

ایک تو یہ کہ مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس مال کو اتنے ہی دام میں جتنے میں خریدا ہے اسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جس سے خریدا ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مال فروخت کنندہ کے پاس ضایع ہو گیا ہو - ایسی صورت میں خریدار اس مال کو فروخت کنندہ کے ہاتھ اسی جیسے مال سے فروخت کر دے، مثلاً بایں طور کہ فروخت کنندہ خریدار کو تلف شدہ مال کے برابر دام ادا کر دے - ←

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شے خریدی ہو جس پر ہنوز قبضہ نہ کیا ہو اور اُس کے دام بائع کے ذمہ قرض (واجب الادا کی صورت میں) ہو ، مثلاً ایک اونٹ دس دینار میں خریدا اور ہنوز اُس پر قبضہ نہیں کیا اور نہ اُس کی قیمت دی (کیونکہ دس دینار بائع سے لینے تھے) تو روا ہے کہ اُس اونٹ کو اُس دس دینار (واجب الوصول) کے عوض بائع اول کے ہاتھ جس سے خریدا ہے فروخت کر دیا جائے۔ یا یہ صورت ہو کہ دس دینار میں ایک اونٹ خریدا اور اُس کی قیمت بھی ادا کر دی ، لیکن ہنوز اونٹ پر قبضہ نہیں کیا ، تو روا ہے کہ اُس خرید شدہ اونٹ کو اتنے ہی درہم میں جتنے میں خریدا تھا ، پھر بائع کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے۔ ان صورتوں میں یہ سودا گو لفظی طور پر (کہنے کو تو) بیع ہے لیکن حقیقی معنوں میں خرید و فروخت نہیں ہے ، بلکہ 'اقالہ' (تنسیخ بیع) ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح ہے ، اگرچہ مال منقولہ فروخت شدہ کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنے کے متعلق جو یہ شرط ہے کہ خریدار کا قبضہ ہو جائے یا مال غیر منقولہ ، مثلاً زمین یا درخت کی صورت میں یہ شرط ہے کہ بائع اپنا قبضہ اُٹھا لے ، تاکہ وہ خریدار کے دست تصرف میں آ جائے ، پوری نہیں ہوئی۔

اس تفصیل سے ٹھیکہ کی بنیاد پر جو معاملات خرید و فروخت فی زمانہ ہو رہے ہیں اُن کے مسائل بھی واضح ہوگئے۔ اور اگر کسی مال کا سودا کسی شے کے تبادلہ کی صورت میں ہوا ہو تو فروخت کنندہ کو بھی اُس شے پر بہ موجب (اصول) بالا تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا جب تک کہ اُس شے پر قبضہ نہ ہو جائے۔

واضح ہو کہ جس طرح قبضہ حاصل ہونے سے پہلے اموال بیع و شرا کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے اسی طرح فروخت کنندہ یا کسی اور کے پاس رہن رکھنے یا کرایہ پر کسی کو دینا بھی درست نہیں ہے ، خواہ بقول معتمد مال فروخت شدہ کو اُس کی قیمت کے عوض یا قیمت کو مال فروخت کے عوض رہن کیا ہو یا اُس کے علاوہ کسی اور شے کے عوض کیا ہو۔ البتہ اہل معاملہ کو ان دونوں اشیاء مبادلہ میں انتقال قبضہ سے پہلے وقف کرنے یا قسامہ (یعنی تخصیص مقصد) کا حق حاصل ہے۔

→ اگر کوئی غذائی شے اکواں خریدی گئی ہو، مثلاً گیہوں کی ڈھیری بغیر ناپے تولے خرید لی تو قبضہ کرنے سے پہلے اُس میں تصرف کا حق ہے۔ ہاں اگر اُسے پیمانوں سے (ناپ کر) لیا ہے تو لازم ہوگا کہ تصرف سے پہلے اُس کا قبضہ حاصل کر لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خرید شدہ اشیاء منقولہ کا سودا قبضہ کرنے سے پہلے کیا جائے تو وہ بیع فاسد ہوگی، قطع نظر اس سے کہ اُسے فروخت کنندہ کے ہاتھ، جس سے وہ شے خریدی ہے یا کسی اور کے ہاتھ بیچا جائے۔ پس اگر کوئی جانور یا روئی یا کپڑا وغیرہ خریدا اور پھر اُسے اُسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا جس سے خریدا تھا، یا کسی اور کے ہاتھ بیچا تو یہ دوسری فروخت فاسد ہوگی۔ خریدار (اس بیع کے بعد) اُس پر قبضہ کرے تو اُس کا مالک ہو جائے گا، اور اُس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ لیکن پہلی فروخت بدستور باقی رہے گی۔ اسی وجہ سے بیع کنتراتات (یعنی ٹھیکے کی فروخت یا سودے پر سودے کا طریقہ) جو اس زمانے میں عام ہے اگر اشیاء منقولہ میں ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی، مثلاً روئی خریدی اور قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اُس روئی کو اُسی کے ہاتھ فروخت کیا جس سے خریدی تھی یا کسی اور کے ہاتھ بیچا اور خواہ اُسی قیمت خرید پر بیچا یا اُس سے کم پر (تو یہ بیع فاسد ہوگی) لیکن اشیاء غیر منقولہ، مثلاً زمین، جائداد، درخت یا مکان وغیرہ کا سودا جن کے تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، قبضہ کرنے سے پہلے بھی درست ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ درست نہیں ہے۔ اگر یہ اشیاء غیر منقولہ معرض تلف میں ہوں، مثلاً ایسی زمین جو دریا کے کنارے واقع ہے اور طغیانی کی صورت میں اُس کے دریابرد ہو جانے کا خطرہ ہے تو اُس کا حکم اشیاء منقولہ کی مانند ہے کہ قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اُن کی فروخت جائز نہیں ہے، تاہم بقول صحیح اشیاء منقولہ کو قبضہ کرنے سے پہلے بائع کے علاوہ کسی شخص کو ہبہ کر دینا یا صدقہ کر دینا یا رہن رکھ دینا جائز ہے۔ اگر خرید کردہ غیر منقولہ شے کو قبضہ حاصل کرنے سے پہلے، فروخت کنندہ کو ہبہ کر دی تو وہ سودا جو ہوا تھا باطل ہو جائے گا۔ اگر کوئی منقولہ شے، مثلاً کپڑا خرید کر لے لیا لیکن ہنوز اُس کی قیمت فروخت کنندہ نے وصول نہیں کی اور وہ کپڑا بائع کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا تو درست ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ البتہ اُس ←

← شے کو اسی شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جس سے خریدی تھی صرف اس صورت میں درست ہے جب کہ اسی قیمت (خرید) میں یا اس سے زیادہ میں فروخت کی ہو۔ اگر کم قیمت میں فروخت کی گئی تو حسب ذیل امور کی موجودگی میں وہ بیع فاسد ہوگی :

ان امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس شے کو خود بائع کے ہاتھ ، جس سے خریدی تھی یا اس کے وکیل کے ہاتھ یا ایسے شخص کے ہاتھ بیچا ہے جس کی شہادت بائع کے حق میں نہیں مانی جائے گی جیسے بیٹا یا باپ تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ ہاں اگر خریدار نے بائع کے علاوہ کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کی یا اس کو ہبہ کیا یا اس کے حق میں وصیت کردی پھر بائع اول نے اسے قیمت خرید سابقہ سے کم میں خرید لیا تو وہ سودا درست ہوگا، مثلاً محمد نے ایک کپڑا علی کے ہاتھ دس میں فروخت کیا علی نے وہ کپڑا لے لیا اور ہنوز اس کے دام ادا نہیں کیے تھے کہ محمد (بائع اول) نے اس کو علی سے آٹھ میں خرید لیا تو یہ معاملہ درست نہیں ہے لیکن اگر علی نے اس کپڑے کو خالد کے ہاتھ بیچ دیا یا اسے ہبہ کر دیا یا اس کے حق میں وصیت کردی پھر محمد نے اسے خالد سے آٹھ میں خرید لیا تو درست ہے۔

دوسرے یہ کہ دام دونوں بار کی فروخت میں ایک ہی جنس کا ہو ، مثلاً کوئی شے نقدی دے کر خریدی ، پھر اس شے کو واپس اسی کے ہاتھ اس سے کم نقدی میں فروخت کیا (تو بیع فاسد ہوگی) ۔ لیکن اگر نقدی دے کر خریدا تھا ، پھر اس کو نقدی کے علاوہ کسی اور شے کے عوض فروخت کیا تو درست ہے ، اگرچہ اس شے کی قیمت نقدی کے مقابلہ میں کم ہو ۔

تیسرے یہ کہ مال فروخت شدہ اسی حال میں باقی رہا ہو، یعنی اس میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی ہو ، پھر بھی اسے کم قیمت میں فروخت کیا تو بیع فاسد ہوگی۔ لیکن اگر مال میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی ہو جس کے باعث اس کی مالیت کم ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں اس مال کو کم دام میں بائع اول کے ہاتھ فروخت کر دینا درست ہے۔ ←

→ مالکیہ کہتے ہیں کہ خریدار اگر مال خرید کردہ کو قبضہ حاصل کرنے سے پہلے فروخت کر دے تو یہ تصرف درست ہو گا، خواہ وہ مال منقولہ ہو یا غیر منقولہ، جیسے زمین، درخت وغیرہ۔ لیکن غذائی اشیاء جیسے گندم یا میوہ وغیرہ کا قبضہ حاصل کرنے سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ چیز اٹکواں بغیر پیمانے، وزن یا گنتی کے خریدی ہو تو درست ہے۔ چنانچہ اگر ناپے تولے بغیر گندم کی ایک ڈھیری خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے ہی اُسے فروخت کر دیا تو معاملہ درست ہوگا۔ اسی طرح میوہ بھی اگر بغیر تولے جو کھے خریدا اور قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دیا تو درست ہے، کیونکہ معاملۂ بیع طے ہونے کے ساتھ ہی خریدار اُس مال کا حق دار ہو جاتا ہے اور وہ مال اُس کا مقبوضہ متصور ہوتا ہے۔ لیکن اگر غذائی اشیاء کو پیمانے یا وزن کے ذریعہ خریدا ہے تو اُس کا قبضہ لینے سے پہلے اُسے فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں غذائی اشیاء کا پیمانے سے ناپے بغیر سودا کرنا منع آیا ہے۔ اس ممانعت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اُس مال کا قبضہ لینے میں مزدوروں کو فائدہ ہے کہ اُس کے ناپنے، تولنے، اٹھانے وغیرہ کی مزدوری انہیں مل جاتی ہے۔ اگر فروخت شدہ شے مالک ہی کے پاس رہے (اور خریدار کو منتقل نہ ہو) تو مزدوروں کو جو مزدوری ملتی وہ اُس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو خدمت گذاری کا کام ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنے ذخیرہ میں سے کسی شخص کو گندم، یا اپنے باغ میں سے پھل کسی کو صدقہ دیا تو صدقہ لینے والے کو حق ہے کہ صدقہ کی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دے۔ یہی حکم ہبہ کرنے یا قرض دینے کی صورت میں ہے۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ صدقہ دینے، ہبہ کرنے یا قرض دینے والے نے خرید شدہ غذائی شے کو قبضہ لینے سے پہلے صدقہ کر دیا یا ہبہ کیا یا کسی کو قرض کے طور پر دے دیا تو اس صورت میں اُس شخص کے لیے جس کو قرضہ دیا گیا یا صدقہ یا ہبہ کیا گیا یہ درست نہیں ہے کہ (قبضہ حاصل کرنے سے پہلے) اُسے فروخت کر سکے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص طعام (غذائی شے) کسی سے خریدے اُسے روا ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے کسی کو بطور قرض دے دے اور یہ بھی ←

→ جائز ہے کہ کوئی غذائی شے خریدے لیکن اُسے لے نہیں، بلکہ اُس کی وصول یابی ایک ایسے شخص کے حوالے کر دے جس سے خریدار نے کوئی غذائی شے قرض لے رکھی ہو اور اُس کی ادائیگی اُس کے ذمہ واجب تھی، اب اس طرح وہ شخص بائع سے وہ غذائی شے لے کر اپنا مطالبہ پورا کر لے ۔ لیکن اگر کوئی غلہ کسی کے ہاتھ فروخت تو کر دیا، لیکن اُس کے حوالے نہیں کیا ؛ ادھر کسی دوسرے شخص نے اُس سے غلہ قرض لے رکھا ہے تو اب فروخت کنندہ کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ واجب الادا مال کی ادائیگی اُس کے ذمہ ڈال دے جس نے اُس سے قرض لے رکھا ہے ۔ ان دونوں صورتوں کی کیفیت یہ ہے کہ مثلاً محمد نے علی سے ایک بوری گندم خریدی لیکن اُس کو ہنوز لیا نہیں (یعنی علی کے ذمہ واجب الادا ہے) اُدھر محمد کو ایک بوری گندم خالد کو دینا ہے جو اُس نے خالد سے قرض لے رکھا ہے تو اب یہ تو روا ہے کہ محمد اپنے قرضہ کی ادائیگی علی کے حوالے کر دے ، وہ فروخت شدہ گندم خالد کو دے کر محمد کو قرض سے سبکدوش کر دے ۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ محمد نے ایک بوری گندم خالد کے ہاتھ فروخت کر دی اور خالد نے وہ گندم ہنوز نہیں اٹھائی (یعنی محمد کے ذمہ واجب الادا ہے) ادھر محمد کو بھی علی سے ایک بوری گندم لینی ہے جو محمد نے علی کو قرض دے رکھی ہے تو اب محمد کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ اپنے مال واجب الادا کی وصول یابی خالد پر چھوڑ دے کہ وہ علی سے لے کر اپنا خرید شدہ سودا وصول کرلے ، کیونکہ اس صورت میں خالد نے گویا ایک بوری گندم جو محمد سے خریدی ہے اُس بوری کے عوض جو محمد نے علی سے قرض لی تھی محمد ہی کے ہاتھ قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دی ۔ اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فروخت شدہ مال پر قابض ہونے سے پہلے تصرف بیع درست ہے ، بشرطیکہ وہ شے پیمانے ، وزن ، گنتی یا گز سے من کر بکنے والی نہ ہو ۔ اگر ایسی شے ہو تو قبضہ کرنے سے پہلے اُسے فروخت کرنا روا نہیں ہے ۔ چنانچہ اگر ایک بوری گندم یا لوہے کی ایک خاص مقدار یا کچھ تعداد میں سنگترے یا دس گز کپڑا وغیرہ خریدا تو خریدار کو اُسے قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دینا روا نہیں ہے ۔ اور جس طرح اُس کا بیچنا درست نہیں ہے اسی طرح اُسے کرائے پر دینا یا کسی کو ہبہ کردینا بھی ، خواہ بلامعاوضہ ہو، درست نہیں ہے اور نہ اُسے ←

→ رہن رکھنا یا کسی کے ذمہ ڈالنا یا اُس میں تغیر و تبدل کرنا یا کسی اور قسم کا تصرف کرنا درست ہے - البتہ اُس کو مہر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس پر خلع بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے لیے کسی کے حق میں وصیت بھی ہو سکتی ہے -

اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کی مقدار کا اندازہ پیمانے وغیرہ سے کیا جاتا ہے خریدی گئی یا اُسے اُکواں پیمانے یا وزن کے بغیر خریدا گیا ہے ، مثلاً گندم کی متعین بوری خریدی تو اُسے قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جا سکتا ہے اور اس طرح کی خرید شدہ شے کو کرایہ پر بھی اٹھایا جا سکتا ہے -

اگر کوئی مال ادھار یا نقد فروخت کیا لیکن اُس پر ہنوز خریدار کا قبضہ نہیں ہوا تو فروخت کنندہ کے لیے پھر اُسے خریدار سے مول لینا حرام ہے- اگر ایسا کیا تو یہ بیع حسب ذیل صورتوں میں باطل ہوگی :

اول یہ کہ خریدار نے اُس کو بنفس خود یا اپنے وکیل کی معرفت خود فروخت کنندہ سے، جس نے اُس کے ہاتھ فروخت کی ہے ، خریدا ہو- پس اگر وہ شے اُس کے باپ ، بیٹے ، خادم یا بیوی نے خریدی ہے تو وہ سودا درست ہوگا، بشرطیکہ اس عمل کو اُس شے کے خریدنے کا بہانہ نہ بنایا گیا ہو - اسی طرح یہ صورت بھی صحیح متصور ہوگی جب کہ وہ مال فروخت کنندہ نے اُس کے علاوہ جس کے ہاتھ اُس نے بیچا ہے کسی اور سے خریدا ہو -

دوم یہ کہ اُس شے کو اُتنے سے کم پر خریدا ہو جتنے میں اُسے فروخت کیا - لہٰذا اگر اُتنے ہی میں خریدا یا اُس سے زیادہ میں خریدا جتنے میں فروخت کیا تھا تو یہ سودا درست ہوگا-

تیسرے یہ کہ اُس مال کی ہمجنس شے کے عوض خریدا ہو جو پہلی بار فروخت میں قیمت کے طور پر ادا کیا گیا - لیکن اگر یہ دام اُس کی ہم جنس شے نہ ہو ، مثلاً کوئی شے نقدی کے عوض فروخت کی گئی ، پھر اُس شے کا مال تجارت کے عوض سودا کیا تو یہ معاملہ درست ہوگا - اگر پہلی بار فروخت کی غرض یہ ہو کہ دوسری بار فروخت کے لیے اُسے بہانہ بنایا جائے تو دونوں ہی معاملے باطل متصور ہوں گے -

واضح ہو کہ فاسد معاملات کی ان کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن کی تفصیل از روئے مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ بیع فاسد اور بیع باطل میں فرق ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی مثالیں ہیں، جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

بیع باطل کی مثالوں میں سے ایک مثال ایسے مال کا سودا کرنا ہے جس کو شرع نے سرے سے مال تصور ہی نہیں کیا، حالانکہ بیع کی تعریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک یہ دو امور کسی شے میں نہ پائے جائیں شرع کی رو سے اسے مال نہیں مانا جائے گا۔

ان میں سے ایک امر تو یہ ہے کہ وہ شے ایسی ہو کہ بوقت ضرورت فائدہ اٹھایا جا سکے۔

دوسرے یہ کہ یہ فائدہ شرعاً جائز ہو۔ اگر وہ مال فروخت ناقابل استفادہ ہے جیسے گندم کے ایک دانہ کی فروخت یا وہ ایسی شے ہے جس کا استعمال شرعاً روا نہیں ہے جیسے شراب، سور اور گلا گھونٹ کر یا چوٹ لگا کر مارا ہوا جانور وغیرہ جسے شرع میں مردار کہا جاتا ہے، اسے مال قرار نہیں دیا گیا۔ پس اگر ایسی کسی چیز کا سودا کیا جائے جس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہے جیسے مٹی یا بہتا ہوا خون یا کسی شے کی بے حقیقت مقدار، مثلاً گندم کا ایک دانہ تو ایسا سودا باطل ہے۔ اسی طرح اگر ایسی شے کا سودا کیا جائے جو بذات خود تو قابل استفادہ ہو، لیکن شرع نے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا ہو، تو وہ شے بھی شریعت کی رو سے مال متصور نہ ہوگی۔ تاہم اگر کسی شے کو شراب یا مردار جانور کے عوض جسے مال کی حیثیت میں دام کے طور پر ادا کرکے خریدا ہو تو وہ معاملہ فاسد متصور ہوگا، یعنی اگر (اس طرح بیع فاسد کے ذریعہ خرید کر) مال پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ قبضہ درست ہوگا لیکن خریدار پر لازم ہوگا کہ اس مال کی جو مالیت ہے وہ بائع کو ادا کرے۔ (اس سے قبل) اس شے کو کام میں لانا جائز نہیں ہے۔

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ سودے کے نافذ العمل ہونے کا انحصار اس امر پر ہے کہ فروخت شدہ شے شرعی حیثیت سے کوئی مالیت رکھتی ہو۔ اگر کوئی ←

→ شے ایسی ہے کہ ایک وقت میں اس کی کوئی مالیت نہ ہو لیکن بعد میں اس کی قدر و قیمت ہو جائے تو اس کی بیع درست ہوگی، درآنحالیکہ شرعاً اس سے استفادہ روا ہو۔ مثلاً وہ مٹی جو کھیت میں کھاد کے طور پر بکار آمد ہو، یا اس سے کسی اور طرح سے فائدہ اٹھایا جائے یا جیسے ریت ہے کہ اسے تعمیر مکانات وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ ایسی شے جو شرعاً حلال نہ ہو، لیکن بعد میں اسے کارآمد بنا لیا جائے جیسے بہتا ہوا خون جسے کھانے کے قابل بنا لیں تب بھی وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ شارع علیہ السلام نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ غرض کسی شے کی خرید و فروخت اسی صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ شرعاً استعمال کے قابل بنا لی جائے۔

منجملہ اشیائے ممنوع البیع کے ایسے کاٹے ہوئے جانور کا گوشت بھی ہے جس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ اسی طرح اس عمل کشاورزی کا سودا کرنا (ممنوع) ہے جو کسی زمین پر کیا گیا ہو۔ اس کو 'کراب' کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ 'کرب الارض' یعنی اس پر عمل کیا گیا، یا قلبہ رانی کی گئی ہے۔ پس اگر کسی شخص نے کوئی زمین کرایہ پر لی اور اس پر کھیتی بوئی، پھر اسے واپس کر دیا تو اب اس شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کھیتی کو فروخت کرے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی نے نہر کے کنارے زمین کھود کر مٹی کی نالی نکالی جسے 'کری النہر' (یعنی نہر نکالنا) کہتے ہیں، چنانچہ زمین کھود کر ایسی نہر نکالی جائے تو کہا جاتا ہے کہ "کری النہر کرمی" (یعنی زمین کھود کر نالا نکالا) تو ایسی نہر کا فروخت کرنا روا نہیں ہے۔ ہاں اگر اس جگہ پر کوئی تعمیر کھڑی کی یا درخت لگایا تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے دست بردار ہونے کی شرط نہ رہی ہو۔

منجملہ باطل سودوں کے معدوم (برباد شدہ شے) کا (جو مٹ چکی ہے) سودا بھی ہے، مثلاً دو آدمیوں کا ایک مشترکہ مکان ہے، ایک نچلے حصہ کا مالک ہو اور دوسرا اوپر کے حصے کا اور دونوں ایک ساتھ منہدم ہو گئے یا صرف اوپری حصہ منہدم ہوا تو اب اوپری حصہ کی فروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ (اوپر کے حصہ میں کچھ باقی ہی نہیں ہے) اور جو شے فروخت ہوگی وہ محض بلندی ہے اور بلندی کوئی مال نہیں ہے۔ مال ایسی شے کو کہتے ہیں جس کی حفاظت اور جس →

→ کا قبضہ میں رکھنا ممکن ہو۔ نیز یہ کوئی ایسا مال نہیں ہے جس کے ساتھ حق کو وابستہ کیا جائے۔ حق جو ہے وہ فضا پر ہے اور فضا ایسی چیز نہیں ہے جسے فروخت کیا جا سکے، حالانکہ یہ ضروری ہے کہ فروخت ہونے والی شے پر حفاظت اور اختیار (تصرف) میں سے کوئی بات تو ہو۔ ہاں اگر اوپری حصہ کو منہدم ہونے سے پہلے فروخت کردیا گیا ہو تو درست ہے اور منہدم شدہ بالائی حصہ کی بیع بھی درست ہوگی، درآنحالیکہ اس کا مالک وہی ہو جو نچلے حصہ کا مالک ہے اور یہ شرط قرار پا جائے کہ نچلے حصہ کا مالک وہی رہے گا اور اوپری حصہ میں ٹھہرنے کا حق خریدار کو ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اوپری حصہ منہدم ہو جائے تو اس کو اختیار ہوگا کہ اس پر پہلے کی طرح دوسرا بالاخانہ تعمیر کر لے۔

ناپید شدہ یا معدوم شے کے سودے کی ایک صورت یہ ہے کہ جو شے زمین کے اندر ہو اس کا سودا کیا جائے، جب کہ ہنوز زمین سے اوپر کچھ ابھرا نہ ہو، یا ابھرا ہو لیکن معاملہ کے وقت کسی کو اس کا علم نہ ہو، جیسے گاجر، مولی، پیاز جو ہنوز زمین سے اوپر نہ آئی ہو (تو ایسی صورت میں اس کی فروخت درست نہ ہوگی) ہاں اگر سودا کرنے کے وقت وہ چیز زمین سے ابھر آئی ہو اور اس کے موجود ہونے کا علم (فریقین کو) ہوگیا ہو تو اس کا سودا درست ہوگا اور اسے معدوم شے تصور نہ کیا جائے گا، تاہم خریدار کو اس کے اکھاڑنے کے بعد خیار رویت (حق واپسی) حاصل ہوگا۔ یاد رہے کہ زمین سے اگنے والی شے ایسی ہونی چاہیے جسے نکالنے کے بعد پیمانے سے ناپا یا وزن کیا جاتا ہے، جیسے لہسن، گاجر یا پیاز۔ پس اگر خریدار نے فروخت کنندہ کی اجازت سے اس میں سے کچھ اکھاڑ کر دیکھا یا بائع نے اکھاڑ کر خریدار کو دکھایا تو اب دیکھنا چاہیے کہ جو کچھ اکھاڑا گیا ہے آیا اس کی کوئی مالیت ہے، یعنی پیمانے یا وزن کے قابل ہے یا نہیں یا معمولی سی مقدار ہے (جس کی کوئی مالیت نہیں ہے) پہلی صورت میں اگر خریدار اسے دیکھ کر خریدنے پر راضی ہے تو اب خیار رویت (یعنی بعد میں واپسی کا حق) باقی نہیں رہا اور تمام کو خریدنا پڑے گا اور اس کی قیمت کا ادا کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ باقی کو بھی ویسا ہی پایا ہو، کیونکہ کسی شے کا نمونہ دیکھ لینا پورے مال کو دیکھ لینے کے برابر ہے۔ ←

→ دوسری صورت ہو تو اس (زمین سے نکالی ہوئی) شے کا دیکھ لینا پوری شے کے دیکھ لینے کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا ، کیونکہ وہ تو بہت معمولی سی شے تھی ۔ لیکن اگر وہ اکھاڑی ہوئی چیز ایسی ہے جسے (زمین سے) اکھاڑ کر عدد کے اعتبار سے بیچا جاتا ہے مثلاً مولی تو (قطعۂ زمین میں سے) اس اکھاڑ کر دیکھی ہوئی مولی کے دیکھ لینے سے خیار رویت ساقط نہیں ہوتا ، اگرچہ وہ اکھاڑی ہوئی شے کی کوئی مالیت ہو ، کیونکہ یہ چیز ایسی ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی ہونے کے اعتبار سے ان میں باہم فرق ہوتا ہے اور وہ چیز سب برابر برابر نہیں ہوتی ۔

یاد رہے کہ اگر خریدار نے فروخت کنندہ کی اجازت لے کر (قطعۂ زمین سے ایسی کوئی چیز اکھاڑ لی ہے تو اب وہ فروخت لازم قرار دی جائے گی اور اختیار واپسی کا جاتا رہے گا ، سوا اس کے کہ کوئی معمولی سی چیز اکھاڑی گئی ہو ۔

واضح ہو کہ بعض (زمین سے اگنے والی) اشیاء ایسی ہیں جو بتدریج نشوونما پاتی ہیں کہ کچھ ظاہر ہو جاتی ہیں اور کچھ ظاہر نہیں ہوتیں ، جیسے گلاب یا چنبیلی، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب نے تو بنظر استحسان (سہولت کے خیال سے) اس کا سودا جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے تاکہ لین دین میں سہولت ہو، اور بعض اصحاب نے اسے معدوم شے کے سودے کی مانند قرار دیا ہے کہ اس کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہے ۔

منجملہ ممنوع البیع اشیاء کے بھیڑ کی اون کو اتارنے سے پہلے فروخت کرنا ہے ، کیونکہ وہ اون جو بھیڑ کی پیٹھ پر ہوتی ہے وہ کوئی مستقل مال نہیں ہے ، بلکہ وہ ایک جانور کے بدن کا جزو ہے جو اس کے دوسرے اعضائے جسم کی طرح اس سے وابستہ ہوتا ہے ۔ اگر سودا کرنے سے پہلے ہی اس کے سپرد کر دیا تھا تب بھی وہ سودا صحیح نہ ہو جائے گا کیونکہ وہ معاملہ سرے سے باطل ہے ۔

یہی حکم ہر ایسی شے کا ہے جو فطری طور پر فروخت ہونے والی شے سے وابستہ (یعنی اس کا جزو لاینفک) ہو جیسے کسی جانور کی کھال کھجور کی گٹھلی اور خربوزہ کے بیج ۔ ان تمام اشیاء کی فروخت باطل ہے، کیونکہ یہ اشیاء معدوم (یعنی مخفی) ہیں ۔

نقدی کے عوض مچھلی کے سودا کرنے کا بھی یہی حکم ہے جب کہ شکار ←

← کرنے سے پہلے کیا جائے۔ اس معاملہ کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مال فروخت معدوم (کی حیثیت میں) ہے اور اس کا بائع کے سپرد کرنا ممکن نہیں ہے۔ نیز (پانی کے اندر) مچھلی کو جس کی تعیین نہ کی جا سکے قیمت رکھنے والی کسی شے کے عوض فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں جو مچھلی شکار کروں گا اسے آپ کے اس خربوزے کے عوض بیچتا ہوں۔ یا یہ ہو کہ اس چیز کو مال فروخت اور مچھلی کو اس کی قیمت تصور کیا جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ اس خربوزے کو اس مچھلی کے عوض جو آپ کو شکار کرکے دوں گا بیچ دیجیے تو یہ بیع فاسد ہو گی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ محض مچھلی کو (جس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی) قیمت قرار دینا ناقابل فہم ہے اگرچہ بعد میں وہ شخص اس مچھلی کا مالک بن جائے۔ ہاں اگر مچھلی کی تعیین ہو جائے تو اسے قیمت قرار دیا جانا ممکن ہے۔ پس اگر کوئی مچھلی کسی اور شخص نے شکار کرکے دی تو اسے (خربوزہ کی) قیمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کسی نے ندی یا نالے میں سے کوئی حصہ بند وغیرہ باندھ کر الگ کرلیا اور اس میں مچھلیاں آ گئیں اور اسے شکار ہی کے لیے روک لیا گیا ہو تو ان مچھلیوں کا وہ شخص مالک متصور ہوگا۔ اب اگر وہ مچھلیاں وہاں سے نہ جا سکیں اور انہیں اسی جگہ روک رکھنا ممکن ہو تو ان کی فروخت درست ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہے اور خریدار کے حوالے کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی فروخت درست نہیں ہے۔ اگر ان مچھلیوں کو شکار کے لیے نہیں رکھا گیا، مثلاً کوئی موری (جانوروں کو) پانی پلانے کے لیے کھولی اور اس گڑھے میں بہہ کر مچھلیاں آ گئیں، اب اگر مچھلیوں کو وہاں پر روک لیا تو وہ شخص ان کا مالک متصور ہوگا، اور اگر قصداً ان مچھلیوں کو نہیں روکا تو مالک متصور نہ ہوگا اور اس کا بیچنا دوست نہ ہوگا۔ اگر مچھلی کا شکار کسی ندی یا جوہڑ سے کیا اور پھر اسے اپنے تھملے یا نالے میں چھوڑ دیا تو وہ مچھلیاں اس کی ملکیت ہوں گی اور ایسی مچھلی کو پانی کے اندر بھی فروخت کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ان کو روک لیا گیا ہو اور نکل نہ سکتی ہوں۔

ایسے تالاب کو جس میں مچھلیاں جمع ہوں کرایہ (یا ٹھیکہ) پر دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ←

→ جائز نہیں ہے ، چنانچہ اسی بنا پر چراگاہوں کو کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا - تھن کے اندر جو دودھ ہے اس کی فروخت بھی اہل تحقیق کے نزدیک باطل ہے ، کیونکہ تھن کے اندر کا علم نہیں ہے کہ وہ دودھ ہے یا خون ہے یا نہ جانے کیا ہے - غرض دودھ کا ہونا مشکوک ہے -

یہی حال سیپ کے اندر موتی کے سودا کرنے کا ہے کہ وہ بھی اہل تحقیق کے نزدیک باطل ہے ، فاسد نہیں ہے، کیونکہ نہیں معلوم اس میں موتی ہے بھی یا نہیں ہے - بخلاف غلہ کے دانوں کے جو بالی میں ہوں یا پھلی میں ہوں یا املی کے بیج کہ ان کی فروخت جائز ہے ، کیونکہ اس کا علم ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کو چھلکے جھاڑ کر دیکھا بھی جا سکتا ہے -

مال وقف کی فروخت بھی جائز نہیں ہے ، کیونکہ وقف مال کا نہ کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی شخص مالک بن سکتا ہے ، لہٰذا بقول معتمد اس کی فروخت فاسد نہیں، بلکہ باطل ہے - اور اگر کوئی ایسی شے وقف ہو جس کے ساتھ ملکیت بھی شامل ہو، مثلاً کسی کے پاس ایک باغ ہے جس کا نصف حصہ وقف ہے اور نصف کسی کی ملکیت میں ہے تو صرف اس حصہ کی بیع درست ہوگی جو مملوکہ ہے اور باقی حصہ جو وقف ہے اس کی بیع باطل ہوگی - لیکن اگر کوئی آباد مسجد ایسی ہے کہ اس کے کچھ حصہ کا کوئی مالک ہے اور مسجد کو اس حصے کے ساتھ فروخت کیا جائے تو وہ تمام بیع باطل ہوگی - ہاں اگر مسجد ویران ہے اور اس کو مملوکہ حصہ کے ساتھ فروخت کیا جائے تو مملوکہ حصہ کی بیع درست ہوگی اور مسجد کی بیع باطل قرار پائے گی - اگر کوئی شخص ایسی جائداد کا مالک ہے جس میں مسجد اور مقبرہ واقع ہے اور اس جائداد کو فروخت کیا گیا لیکن اس آباد مسجد اور مقبرہ کو بیع سے مستثنیٰ نہیں رکھا تو بعض کے نزدیک وہ بیع باطل ہوگی ، کیونکہ ایک آباد مسجد کو مملوکہ حصہ کے ساتھ فروخت کیا گیا ہے - اور بعض کہتے ہیں کہ بیع صحیح ہے ، کیونکہ مسجد اور مقبرہ بالعموم الگ الگ حصوں میں ہوتے ہیں ، لہٰذا مسجد کو مملوکہ شے سے وابستہ نہیں مانا جائے گا ، بلکہ بیع صرف اسی حصے کی متصور ہوگی جو مملوکہ ہے -

←

→ ایک بچے یا فاترالعقل انسان کا سودا کرنا بھی ایسا ہی ہے ، البتہ صاحب شعور لڑکا اور اتنی سمجھ رکھنے والا شخص جو فروخت کرنے کا مطلب جانتا ہے ، اس نے سودا کیا تو وہ تسلیم کیا جائے گا ، لیکن اس معاملہ پر عمل درآمد ولی کی اجازت ہی سے ہو سکتا ہے ، بشرطیکہ اس معاملہ میں کوئی غبن (یا زیادتی) نہ ہوئی ہو - بصورت دیگر اس سودے کو (نافذالعمل) تسلیم نہ کیا جائے گا ؛ خواہ بچے نے کیا ہو یا اس کے ولی نے -

انسان کے بالوں کا سودا بھی درست نہیں ہے ، کیونکہ اس کا استعمال ناجائز ہے - حدیث میں آیا ہے :

''لعن اللہ الواصلة والمستوصلہ'' -

(یعنی اللہ کی لعنت ہے مصنوعی بال یا دوسری عورت کے بال کو اپنے بال میں جوڑنے والی پر) -

ہاں جانور کی اون کو زلف و گیسو میں جوڑنے کی اجازت ہے ، تاکہ بال گھنیرے ہو جائیں -

ایسی شے کا سودا جس کا مالک ہونے کی جلد ہی امید ہو ، مالک ہو جانے سے پہلے کرنا روا نہیں ہے - مثلاً کسی کو اپنے والد یا کسی اور مورث کی طرف سے ورثہ ملنے کی امید ہے تو اس ورثہ (کی شے) کو منتقل ہونے سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہے ، کیونکہ ایسی صورت میں یہ ایک ایسی شے کا سودا کرنا ہوگا جو ہنوز موجود نہیں ہے ، یعنی اسے خریدار کے حوالے نہیں کیا جا سکتا ، لہٰذا یہ بیع باطل ہوگی - اسی طرح ایسی شے کا سودا بھی نہیں کیا جا سکتا جس کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو ، جیسے تھن کے دودھ کا سودا کہ اس کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے - البتہ ایسے غیر حاضر مال کا سودا کیا جا سکتا ہے جو قرض کی صورت میں ہو ، اس کی تفصیل بتا دی گئی ہو اور وہ خریدار کو واجب الوصول ہو - ایسے معاملہ کو بیع سلم (وعدے کا سودا) کہتے ہیں - اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

کسی اور شخص کی مملوکہ شے کا سودا اگر بحیثیت وکیل کے کوئی کرے تو وہ درست اور نافذالعمل ہو گا - نیز اگر بغیر وکیل بنائے بھی کوئی شخص ←

← کسی کی مملوکہ شے کا سودا کرلے تو وہ درست ہوگا، لیکن اس کا نفاذ مالک کی اجازت پر موقوف ہو گا - اس کو 'بیع فضولی' (مالک کی اجازت کے بغیر سودا کرنا) کہتے ہیں -

ایسی خود رو ہری گھاس کی فروخت جہاں مویشی چرتے ہوں اور جسے چراگاہ یا سبزہ زار کہتے ہیں باطل ہے ؛ اگرچہ وہ گھاس کسی کی مملوکہ اور یا اس کی مملوکہ اراضی میں ہو، کیونکہ حدیث میں آیا ہے :

''الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء و الکلاء و النار''

(یعنی تین اشیاء میں تمام انسان شریک ہیں : پانی ، سبزہ زار ، اور آگ)

جس طرح ان اشیاء کا سودا نہیں کیا جا سکتا ، اسی طرح ان کو کرائے پر بھی نہیں دیا سکتا - رہا یہ سوال کہ ان اشیاء کا کرایہ پر دینا معاملۂ باطل ہے یا معاملۂ فاسد ؟ اس میں اختلاف ہے -

واضح ہو کہ اگر کسی نے یہ سبزہ آبپاشی کر کے اور محنت سے تیار کیا ہو تو اس پر ملکیت کا حق اس شخص کو حاصل ہو گا اور اس کی فروخت کا حق ہے - اس بارے میں بعض اصحاب نے اس خیال کو پسند فرمایا ہے کہ اس حال میں بھی کوئی شخص اس کا مالک نہ ہو گا ، لہٰذا اسے فروخت کا حق حاصل نہیں ہے -

جال لگانے کے بعد متوقع شکار کا سودا کرنا درست نہیں ہے ، مثلاً کوئی کہے کہ اس بار (جال ڈالنے میں) جو کچھ ہاتھ آ جائے یا اس تیر چلانے میں جو پرندہ شکار ہو جائے میں اسے اتنے میں فروخت کرتا ہوں - اس قسم کے سودے کو 'بیع ضربۃالقانص' کہتے ہیں (یعنی شکاری کے دانو کا سودا) - اس کے درست نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی شے کا سودا ہے جس کا فروخت کنندہ مالک نہیں ہے - غوطہ خور کے غوطہ والا سودا بھی اسی طرح کا ہے کہ غوطہ خور موتی نکال کر لانے کے لیے غوطہ لگائے اور سودا کرے (کہ اس غوطہ میں جو موتی ہاتھ آئے گا اسے اتنے میں فروخت کرتا ہوں) وغیرہ -

منجملہ بیع باطل کے وہ سودا بھی ہے جس میں صراحتاً دام کا ذکر ہی نہ کیا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص کہے کہ آپ اپنا اونٹ میرے ہاتھ فروخت ←

← کر دیجیے ؛ قیمت کا کوئی ذکر نہ ہو، یا یوں کہا کہ بغیر قیمت کے بیچ دیجیے اور بائع کہہ دے کہ میں نے بیچ دیا ، تو یہ سودا باطل ہے، کیونکہ ایک فریق کی طرف سے مال مبادلہ مفقود ہے، تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ فروخت ہو جائے گی ، کیونکہ اگر بائع اس فروخت سے انکار کر دیتا تو بے شک بیع کی نفی ہو جاتی (اور اب چونکہ انکار نہیں کیا اس لیے بیع کی نفی نہیں ہوئی)۔ گویا یہ ایسی بیع ہوئی جس میں دام کا ذکر نہیں آیا اور معاملہ بیع میں اگر دام کا ذکر نہ آئے تب بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے ۔ اور اگر خریدار اس مال پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے ، لہٰذا یہ بیع ، بیع فاسد شمار ہو گی، جیسا کہ آگے مفصل بتایا جائے گا ۔

بیع باطل کی یہ چند مثالیں ہیں ۔ ان صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس طرح کی بیع سے خریدار مال فروخت شدہ کا مالک نہیں ہوتا ۔ اگر خریدار کو اس کا قبضہ بھی حاصل ہو جائے تب بھی وہ اس کا مالک متصور نہ ہو گا ۔ اب اگر (بدیں نمط) مال فروخت شدہ ، خریدار کے قبضہ میں آنے کے بعد ضائع (یا تلف) ہو جائے تو اس کے مسائل میں اختلاف ہے ، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کا تاوان خریدار کو دینا ہو گا، کیونکہ وہ قبضہ اس قسم کا ہے جیسے خریدار نے بھاؤ تاؤ چکانے کے لیے اس مال کو لے رکھا ہو ۔ بعض لوگوں نے اسی خیال کو ترجیح دی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں تاوان نہیں ہے، کیونکہ وہ مال بطور امانت کے خریدار کے پاس تھا (اور امانت کے تلف ہونے پر تاوان نہیں ہوتا) ۔ اب اگر معاملہ باطل ہے تو اس کی حیثیت ایسی ہو گی جیسے فروخت کنندہ کی اجازت سے کسی چیز کو لے رکھا ہو ۔ پس نقدی کے علاوہ کوئی اور شے ہو تو اس کا تاوان واجب نہیں ہے ۔

اب رہی بیع فاسد ، اس کی بھی متعدد مثالیں ہیں :

منجملہ ان مثالوں کے یہ ہے کہ یتیم کا وصی (یا ولی) یتیم کے مال کو ظاہراً نامناسب معاوضہ میں فروخت کر دے ۔ ایسی فروخت بقول راجح بیع فاسد ہے ۔ جبراً خرید و فروخت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اول الذکر صورت کی نظیر یہ ہے کہ قاضی (حاکم عدالت) یتیم کا مال فروخت کرنا ضروری قرار دے ، تاکہ ←

← مورث کا قرضہ ادا کیا جا سکے ، اور وصی واجبی قیمت سے ہٹ کر علانیہ گھاٹے میں فروخت کر دے تو یہ بیع فاسد ہو گی ۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی شے یا کپڑا خرید کرنے پر مجبور ہو ، لیکن فروخت کنندہ اس کی مالیت سے بہت زیادہ دام لیے بغیر فروخت پر راضی نہ ہو ۔

کسی شے کا دام بتائے بغیر سودا کرنا بھی بیع فاسد ہے ، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ۔ نیز کارآمد شے کا شراب کے عوض سودا کرنا بھی ، بایں طور کہ شراب کو اس شے کے دام میں دیا جائے ، ایسا ہی ہے کہ یہ بیع فاسد ہو گی جیسا کہ بتایا گیا ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی نابینا شخص کا خرید و فروخت کرنا بیع فاسد میں سے ہے ۔ چنانچہ جو معاملہ کسی نابینا شخص نے کیا ہو وہ درست نہیں ہے ۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ کسی شخص کو بر بنائے ضرورت ایسے معاملات میں وکیل بنا دے جن کو انجام دینا اس کے لیے درست نہیں ہے ۔ اس کے لیے یہ روا ہے کہ کوئی شے جس کی متعلقہ تفصیل بتا دی گئی ہو خرید کرے ۔ اس کا لین دین درست ہو گا ۔

بیع فاسد میں بیع ”خیار الرویة“ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شے بغیر دیکھے خریدی گئی اور یہ شرط ٹھہری کہ دیکھنے کے بعد اسے رکھ لینے یا واپس کرنے کا اختیار ہو گا ۔

اسی طرح وقف اشیاء کا سودا بھی بقول معتمد ایسی ہی بیع فاسد ہے ، اگرچہ وہ شے خراب ہو رہی ہو ، یا اسے قطعاً کام میں نہ لایا جاتا ہو اس حکم سے پرانی بوسیدہ چٹائیاں ، قندیلیں اور پرانی دھرانی وقف شدہ ناکارہ اشیاء مستثنیٰ ہیں ، لہٰذا ان کو فروخت کرنا جائز ہے ، تا کہ اس سے حاصل شدہ قیمت کو وقف شدہ شے کے مصالح میں صرف کیا جا سکے ۔

رہن شدہ اشیاء پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اس کا سودا کرنا بھی اسی زمرے میں ہے ۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز رہن رکھی اور شے مرہونہ اس کے پاس ہے تو اسے مالک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا درست ←

→ نہیں ہے - اگر اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا تو وہ بیع فاسد ہو گی - لیکن اگر اسے ابھی لیا نہیں ہے اور اسے لیے بغیر ہی اس کا سودا کیا تو یہ سودا مرتہن کی اجازت کے بغیر ہی روا ہے - اسی طرح یہ بھی روا ہے کہ رہن رکھنے والے کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا جائے۔

قربانی (کے جانور) کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کی بیع فاسد ہے - لیکن اگر وہ نذر کی قربانی ہو تو اس کا فروخت کرنا ذبح سے پہلے بھی اور بعد میں بھی (کسی حال میں) صحیح نہیں ہے - نفلی قربانی کو ذبح کرنے کے بعد فروخت کرنا درست نہیں ہے -

اسی حکم میں ایسی شے کی بیع شامل ہے جس پر خریدار (بیع کے بعد ہنوز) قبضہ نہیں کر سکا اور فروخت کنندہ اس کے سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ مجبوری واقعی ہو ، جیسے اس شے پر کسی کا ناجائز قبضہ ہو ، یا وہ مجبوری شرعی ہو، جیسے رہن رکھی ہوئی شے -

منجملہ بیع فاسد کے گندم کا اس کے خوشوں (یا بالیوں) میں فروخت کرنا ہے ، خواہ یہ فروخت اسی جیسے گندم کے عوض ہو یا سکوں کے عوض ہو - اور جس طرح اس حال میں گندم کی بیع فاسد ہے اسی طرح ہر اس شے کی بیع فاسد ہے جو بالیوں میں مخفی ہو جیسے شامی چاول جو ان چھلکوں میں چھپے ہوتے ہیں جو اس کے خول پر ہوتے ہیں۔ ہاں صینی چاول ایسی چیز ہے جسے کاٹنے سے پہلے بیچنا درست ہے ، کیونکہ اس کا دانہ ڈھکا ہوا نہیں ہوتا - غرض ایسے سودوں کے فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ بیع سے پہلے بکنے والی شے کو دیکھا نہیں جا سکتا ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا -

یہی حکم ایسی اشیاء کے سودے کا ہے جو زمین سے پیدا ہوتی ہے لیکن ہنوز زمین کے اندر چھپی ہوئی ہو ، جیسے گاجر ، مولی ، پیاز وغیرہ -

نیز جس چیز کا فروخت کنندہ مالک نہ ہو اسے فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے - اگر کسی ایسی شے کو فروخت کیا جس پر تصرف کا کوئی حق بائع کو نہیں ہے تو وہ بیع باطل ہو گی جیسے کسی شخص نے اپنے بھائی یا اپنے دوست کے باغ کو فروخت کر دیا - اس کو بیع فضولی (بے تعلق شخص کا ←

← سودا کرنا) کہتے ہیں - یہ سودا باطل ہو گا، اگرچہ مالک اس کی اجازت دے دے -

کسی (زندہ) جانور کے (محض) گوشت کا سودا کرنا باطل ہے، خواہ اسی جیسی چیز (یعنی گوشت) کے عوض کیا جائے یا کسی اور جنس کے عوض، اور خواہ وہ جانور حلال ہو یا حرام - لہٰذا اگر زندہ مینڈھے یا مچھلی یا گدھے کے عوض قصاب کے ساتھ گوشت کا سودا کیا تو یہ معاملہ باطل ہو گا - جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے -

اسی طرح نالے یا موری وغیرہ میں سے بہتے ہوئے پانی کی فروخت کرنا بھی اسی حکم میں شامل ہے، اور یہی حال سرچشموں اور کنوؤں سے ابلنے والے پانی کے فروخت کرنے کا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی زمین کا مالک ہے جس میں پانی بہہ رہا ہے تو مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ محض اس پانی کی فروخت کرے اور زمین کی نہ کرے - ایسا کیا تو بیع باطل ہو گی - ہاں زمین کے ساتھ اس کے پانی کو بھی فروخت کرنا درست ہے - اور اگر صرف زمین کو بیچا اور پانی کو نہ بیچا (تو بیع درست ہے) - اگر بیع کے معاملہ میں پانی کے فروخت کی صراحت نہیں کی گئی تو وہ پانی فروخت شدہ متصور نہ ہو گا، بلکہ وہ فروخت کنندہ کی ملکیت میں رہے گا، خواہ (بیع کے وقت) پانی زمین میں رہا ہو یا بعد میں آگیا ہو -

یاد رہے کہ ان مسائل میں جو بہنے والا یا زمین سے ابلنے والا کے الفاظ آئے ہیں، ان سے گدلا پانی خارج ہے؛ اس کا سودا جداگانہ طور پر کیا جا سکتا ہے -

یہی حکم درختوں میں لگے ہوئے ایسے پھلوں کی فروخت کا ہے جو ہنوز پختگی پر نہ آئے ہوں اور ان کے (فوری طور پر) توڑ لینے کی شرط نہ کی گئی ہو - پس اگر ایسے پھلوں کا سودا کیا جو ہنوز پختگی کو نہیں پہنچے اور معاملۂ بیع میں انہیں توڑ لینے کی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ انہیں درختوں میں لگا رہنے دیا جائے گا، یا یہ صورت ہو کہ پھل بیچ دے، لیکن (توڑنے کی) شرط کا کوئی ذکر نہیں آیا تو یہ بیع باطل متصور ہو گی - ←

← مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر ایسے عمل کا اختیار کرنا امر فاسد ہے جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، خواہ وہ عمل عبادات میں سے ہو جیسے نماز یا روزہ یا معاملات میں سے جیسے خرید و فروخت یا نکاح ؛ بشرطیکہ بذات خود اُس شے کی شرعاً ممانعت ہو یا اُس کی ممانعت کسی صفت سے موصوف ہونے کے باعث ہو یا اس ممانعت کی کوئی ایسی بات ہو جو اُس کی ذات سے خارج لیکن لازم ہو ۔ لیکن اگر وہ بات (جو ممانعت کا موجب ہے) لازم نہ ہو تو وہ عمل فاسد نہ ہوگا اگرچہ ایسا کرنا حرام ہو ۔ پہلی صورت کی مثال مردار ، خون اور خنزیر وغیرہ ہیں کہ اللہ نے ان اشیاء کو بنفسہ ممنوع فرمایا ہے ، لہٰذا ان کا سودا کرنا حرام اور سودا باطل ہے ۔

دوسری صورت کی مثال شراب ہے جس کو صاحب شریعت نے اس کی خاصیت کے پیش نظر منع فرمایا ہے، یعنی اس کا نشہ آور ہونا (یا فتور عقل کا موجب ہونا) ہے ، لہٰذا اس کا سودا کرنا باطل ہے ۔

تیسری صورت کی مثال عید کے دن کا روزہ ہے کہ روزہ بذات خود ممنوع نہیں ہے اور نہ اُس کی کوئی خاصیت ایسی ہے جس کے باعث وہ ممنوع قرار دیا گیا ، بلکہ اُس کی ممانعت ایک امر خارجی (نامرغوب) کے باعث ہے جو اُس دن کے روزہ کو لازم ہے ؛ یعنی اللہ تعالیٰ کا مہمان بننے سے پہلوتہی کرنا ۔ یوم عید کے روزے کے ساتھ یہ امر وابستہ ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا ، لہٰذا اُس دن کا روزہ باطل اور حرام ہے ۔

چوتھی صورت کی مثال ناجائز قبضہ کیے ہوئے مکان میں نماز پڑھنا ہے کہ بذات خود نماز کی ممانعت نہیں ہے اور نہ کوئی خاصیت ایسی ہے جس کی بنا پر وہاں نماز کی ممانعت ہو اور نہ کوئی ایسا امر مانع موجود ہے جو خارج از صلواۃ لیکن اُس کے لیے لازمی ہو ۔ بلکہ وہاں پر نماز کی ممانعت ایک ایسے امر کے باعث ہے جو نماز سے وابستہ (غیر منفک) نہیں ہے ، یعنی مکان کا غصب شدہ ہونا ۔ چنانچہ نماز بذات خود وہاں پر صحیح ہے گو نماز پڑھنے والا گناہگار ہے ۔ یہی حکم غصب کردہ پانی سے وضو کرنے کا ہے ، کیونکہ پانی پر ناجائز قبضہ کر لینا یا اُسے ضائع کرنا ایسی بات نہیں ہے جو وضو کے لیے امر لازمی ہو ، بلکہ وضو کے ←

← بغیر عمل غصب ہو سکتا ہے - یہی حال دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کا بھی ہے کہ نماز نہ ہو تب بھی ہوتا ہے -

یاد رہے کہ اس قاعدے سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں ، مثلاً ''بیع النجش''۔ 'بیع النجش' یہ ہے کہ جھوٹی بولی دے کر مال کی قیمت بڑھا دے، تاکہ خریدار دھوکے میں آ کر اس مال کو زیادہ نرخ پر خرید لے - اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے - یہی حال بیع مصراۃ (یعنی تھیلی باندھ کر تھن پھلائے ہوئے جانور) کا ہے - اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے - اسی طرح سواری کے جانوروں کی جفتی کا سودا کرنا ہے - یہ تمام باتیں ممنوع ہیں ، گو اس سے معاملہ بیع فاسد نہیں ہوتا ، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس صورت میں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے - گویا یہ صورت اُس عام قاعدے سے مستثنیٰ ہے جس کی رو سے بیع فاسد ہو جاتی ہے -

زندہ حلال جانور کا سودا اُسی جیسے جانور کے گوشت کے عوض کرنا بھی فاسد معاملہ کی ایک مثال ہے - مثلاً کسی شخص کے پاس کوئی زندہ میمنہ ہو اور وہ اُس کے عوض قصاب سے گوشت لے لے - اس طرح کے سودے میں ایک معلوم متعین شے کو ایسی شے کے عوض فروخت کیا جاتا ہے جو نا معلوم ہے ، یعنی زندہ جانور جس کی بابت یہ پتہ نہیں ہے کہ اُس کا گوشت کیسا ہے ، اچھا ہے یا ردی ہے - بخلاف اُس صورت کے جب کہ اُس جانور کو ذبح کرکے اُس کی کھال اتار لی جائے اور ہنوز اُسے پکایا نہ گیا ہو اور اُس کو دیکھ کر اُس کا حال معلوم ہو جائے ، تو اُس جانور کے عوض اس گوشت کی فروخت ہو سکتی ہے اور کسی جانور کو دوسری جنس کے جانور کے گوشت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے ، مثلاً مچھلی کے عوض بکری کا بچہ خریدا تو جائز ہے - لیکن اس قسم کی بیع کے لیے یہ شرط ہے کہ دست بدست ہو، کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں جو دیر تک ٹھہر نہیں سکتیں - اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

منجملہ بیع فاسد کے بیع غرر بھی ہے (یعنی مبہم سودا) ، جس میں دونوں باتوں کا امکان ہوتا ہے : ایک تو یہ کہ اُس سے بیع کا مقصد حل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ مقصد پورا نہ ہو (گویا یہ جو کھوں کا سودا ہے)، مثلاً کسی نے کہا کہ میں اس جانور کو اتنے میں فروخت کرتا ہوں جتنی کہ اس کی قیمت ←

→ بازار میں لگے، یا یہ کہ واقف کار جو قیمت لگا دیں۔ اب اس میں یہ احتمال ہے کہ ممکن ہے بازار میں اُس کی وہی قیمت لگے جو بائع و مشتری دونوں کے منشاء کے مطابق ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس منشاء کے خلاف قیمت لگے۔ لہٰذا جب تک کہ معاوضہ کی تعیین نہ ہوجائے ایسی فروخت صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہنے سے بھی معاملہ درست نہ ہو گا کہ اس کے دام وہ ہوں گے جو فلاں صاحب بتا دیں۔ تاہم سودوں میں معمولی قسم کا ابہام ضرورتاً نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مکان کے سودے میں اگر بنیاد کی گہرائی اور چوڑائی نہ معلوم ہو تب بھی اُسے خریدا جاسکتا ہے۔ ماہانہ اجرت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ مہینے کے دنوں کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی ہے اور دنوں کی پوری تعداد قطعی نہیں ہے۔ اسی طرح بھرے ہوئے چغہ یا لحاف کا سودا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُس میں جو کچھ بھرا ہوا ہے وہ کتنا یا کیسا ہے۔ یہ امور ایسے ہیں کہ بالعموم اہل معاملہ اس کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ جن سودوں میں یہ ابہام بہت زیادہ ہو وہ ممنوع ہیں، مثلاً کوئی پرندہ ہوا میں اُڑ رہا ہے یا مچھلی پانی کے اندر ہے اور اُس کا سودا کیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا۔

اسی قسم کی بیع (فاسد) یہ بھی ہے کہ کسی مال کا سودا اس شرط پر ہو کہ اس کے دام نقد دس اور مقررہ مدت کے ادھار پر پندرہ ہوں گے۔ خریدار نے اس شرط کو مان لیا اور مال بغیر کچھ کہے اٹھا لیا اور معاملہ کی تکمیل کے اپنے اختیار کو کام میں لائے تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ ایسی بیع کو ایک معاملہ کے ساتھ دو سودوں کا کرنا کہا جاتا ہے۔ ہاں اگر اس بیع کو شرط خیار کی صورت میں انجام دیا گیا، مثلاً یوں کہا کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ نقد دام دیں تو دس میں اور ادھار لیں تو پندرہ میں بیچتا ہوں۔ ان دونوں باتوں میں سے آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں خریدیں، تو یہ صورت صحیح ہو گی۔ پہلی صورت کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ فروخت کے وقت قیمت نہیں معلوم ہوئی (اور سودا ہوگیا)۔ دوسری شکل اس لیے جائز ہے کہ (ہنوز سودا ہی نہیں ہوا)، خریدار کو صرف سوچنے کی مہلت دی گئی ہے۔

اسی طرح کی بیع (فاسد) یہ بھی ہے کہ دو مختلف الجنس یا مختلف الوصف اشیاء ←

← موجود ہوں اور یہ کہا جائے کہ ان میں سے ایک کو بیچتا ہوں ، مثلاً دو مختلف اشیاء ہیں : کپڑا اور جانور ، اور بائع کہے کہ میں ان دونوں میں سے ایک شے کو بیس میں بیچتا ہوں - یہ سودا ہو جائے اور اُس کے بعد خریدار اُن دونوں میں سے ایک کو لے لے تو یہ بیع فاسد ہوگی، تاآنکہ اس میں شرط خیار نہ رکھی جائے - اگر شرط خیار رکھی تھی (کہ یعنی خریدار کو لینے یا نہ لینے کا اختیار محفوظ تھا) تو یہ بیع درست ہوگی -

مختلف الوصف اشیاء کے فروخت کی مثال یہ ہے کہ ایک چادر (بن سلا کپڑا) ہے اور ایک لباس (سلا ہوا) ہے اور اُن میں سے کسی ایک کو خاص قیمت میں فروخت کیا تو یہ درست نہ ہوگا، کیونکہ مال فروخت کی تعیین نہیں کی گئی ، اور غیر متعین شے کا سودا درست نہیں ہے - اگر ان دونوں کی قیمتیں بھی مختلف ہوں تو خرابی اور بھی نمایاں ہوجائے گی، کیونکہ اُس صورت میں مال اور دام دونوں ہی چیزیں مبہم ہوں گی - ہاں اگر دونوں اشیاء ہم جنس ہوں ، گو اُن میں سے ایک بڑھیا قسم کی اور دوسری گھٹیا قسم کی دونوں کی قیمت یکساں ہے اور شرط یہ ہو کہ خریدار جس بوری کو چاہے حسب پسند خود انتخاب کرے تو یہ سودا صحیح ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں بالعموم خریدار بڑھیا ہی قسم کو پسند کرے گا ، ردی کیوں لے گا (پس گویا اس طرح از خود تعیین ہوگئی)-

اگر کوئی شخص چند پھل دار درختوں کا مالک ہے اور اُن میں سے کسی ایک کو بلا تعیین فروخت کرے تو معاملہ درست نہ ہوگا - لیکن اگر وہ ایک باغ کا مالک ہے اور اُس نے پورے باغ کو فروخت کیا ، لیکن شرط یہ رکھی کہ اُن میں سے ایک یا چند درخت جنھیں خریدار چاہے تو نہ لے ، یہ سودا درست ہوگا، کیونکہ خریدار کو اُس باغ کی کیفیت پورے طور پر معلوم ہے ، لہذا وہ جن درختوں کو ناپسند کرے اُسے اختیار ہے کہ ان کو نہ لے -

فضا کا سودا کرنا درست ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ کسی مکان کے بالائی حصہ کو فروخت کیا جائے ، مثلاً کسی سے کہا جائے کہ آپ نے اپنی زمین پر جو تعمیر کی ہے اُس کا بالائی دس گز کا حصہ میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے، تو یہ سودا درست ہوگا - لیکن اس بیع کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ اوپر اور ←

← نیچے جو تعمیر ہو اُس کی تفصیل بتا دی جائے کہ وہ کوئی بڑی تعمیر ہوگی یا ہلکی سی ہوگی ، اور کتنی لمبی چوڑی ہوگی ؛ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ وہ تعمیر اینٹ کی ہوگی یا پتھر وغیرہ کی - اور یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ایسی تفصیل کا بیان کیا جانا ضروری ہے ، تاکہ اوپر کی منزل کی تعمیر میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو جو اوپری منزل کے اس طرح استعمال سے جو نچلی منزل والوں کے لیے پسند نہ ہو پیدا ہو سکتا ہے - پس اگر ان تمام تفصیلات کو طے کر لیا جائے تو جھگڑے کا امکان دور ہو جائے گا - غرض بالائی منزل والے کو ایسے اضافہ کا حق نہیں ہے جس پر نچلی منزل والا راضی نہ ہو - (اس طرح سودا ہوجانے کے بعد) بالائی منزل والا اوپر کی فضا کا مالک متصور ہوگا -

واضح ہو کہ یہ سودا قطعی اور ذمہ دارانہ ہے ، اور نچلا حصہ گر جانے سے بھی یہ بیع فسخ نہ ہوگی - اگر احیاناً نچلی منزل گر جائے تو فروخت کنندہ پر اُس کی تعمیر لازم ہوگی اور یہ ذمہ داری اُس شخص پر منتقل ہوجائے گی جو اُس کا قائم مقام ہو، مثلاً وارث یا وہ شخص جس نے نچلی منزل کو خرید لیا ہو - اسی طرح اگر اوپری منزل منہدم ہو جائے تو اُس کے مالک یا مالک کے قائم مقام وارث یا خریدار کو حق ہوگا کہ وہ اُس کی دوبارہ تعمیر کر لے -

ہر ایسی شے کا سودا بھی درست ہے جس کا کچھ حصہ دیکھ لینے سے اُس پوری شے کا حال معلوم ہو جائے - مثلاً گندم کا اُس کے خوشوں کے اندر فروخت کرنا کہ خریدار کے لیے یہ آسان ہے کہ چند خوشوں کو جھاڑ پھونک کر دیکھ لے کہ اُس کے دانے کیسے ہیں ؛ اور اس طرح تھوڑا سا حصہ دیکھ لینے کے بعد پورے گندم کی کیفیت معلوم ہو جائے گی - اس طرح کی بیع کے لیے شرط یہ ہے کہ اُس اناج کو کاٹنے ، گاہنے اور دانے نکالنے میں نصف ماہ سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے - نیز اگر صرف دانوں کو فروخت کیا گیا ہو تو اُس کی فروخت دست بدست درست نہ ہوگی، تاوقیتکہ اُس کی بھوسی سے جدا نہ کر لیا جائے - ہاں اگر پیمانے سے ناپ کر فروخت کیا جائے تو خواہ کسی حالت میں ہو اُس کی فروخت روا ہے - اگر خوشوں سمیت دانوں کا سودا کیا جائے تو اُس کا دست بدست فروخت کرنا صحیح ہے جب کہ گندم کاٹنے کے بعد گڈیوں یا گٹھوں کی شکل میں ہو- اگر بے ترتیب ←

← ڈھیری کی صورت میں ہو تو اُسے دست بدست بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع فاسد کی مثالوں میں سے ایسی شے کی فروخت بھی ہے جو کاشت کی ہوئی اور زمین کے اندر پوشیدہ ہو، جیسے شلجم، مولی، گاجر، اروی، پیاز اور لہسن وغیرہ۔ ایسی اشیاء کا سودا زمین سے اُکھاڑے اور مشاہدہ کیے بغیر درست نہیں ہے، البتہ اُن کے پتوں، کو جو زمین سے اوپر آ گئے ہوں، فروخت کرنا درست ہے۔

اسی طرح لپٹے ہوئے کپڑے کا فروخت کرنا درست نہیں ہے، اگرچہ وہ پورا بنا جا چکا ہو۔ اور نہ ایسے کپڑے کا سودا درست ہے جو اگرچہ کھلا ہوا ہو لیکن ہنوز پورا بنا ہوا نہ ہو؛ لیکن شرط یہ ٹھہرے کہ پورا بنا جانے کے بعد خریدار اُسے لے گا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ نے جس قدر بنا ہوا ہے اُس کی تفصیل بتا دی ہے اور بعد میں اُس کا تانا بانا مکمل پورا کر کے دینے کا وعدہ کر لیا اور اس شرط کو پورا کر کے دیا تو صحیح ہے، کیونکہ اس شرط میں بائع کو فائدہ ہے۔

بھیڑ کے جسم پر کی اُون اور تھن کے اندر دودھ کا سودا بھی اسی قسم کا (فاسد) معاملہ ہے اور اس طرح سودا کرنا بھی ایسا ہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس درخت میں جس قدر پھل لگے گا یا اس جانور سے جو بچہ پیدا ہوگا اُس کا سودا کرتا ہوں۔

ایسے خوشۂ درخت کی یا ایسے پھل کی فروخت بھی بیع فاسد ہے جو ہنوز پختگی کو نہ پہنچا ہو۔ ہاں اگر اُس کی تکمیل کا آغاز ہو گیا ہو تو اُس کا سودا جائز ہے۔ چنانچہ دانوں کا سودا جب کہ وہ بالی میں ہوں درست ہے، خواہ انھیں کاٹ لیا ہو یا ہنوز پیڑ میں لگی ہوئی ہوں۔ اسی طرح اخروٹ، بادام اور چنے کا سودا بھی جب کہ وہ ہنوز اپنے خول میں ہوں جائز ہے، خواہ انھیں کاٹ کر معاملہ کیا جائے یا کھڑی فصل میں لگے رہنے کی حالت میں کیا جائے۔ نیز بیع فاسد کے اقسام میں وہ تمام صورتیں ہیں جن میں مذکورہ سابقہ رکن یا شرط بیع کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

ربا (سود) کا بیان

ربا کی تعریف اور اس کی قسمیں

منجملہ بیع فاسد کے، جس کی سختی سے ممانعت آئی ہے، معاملۂ ربا (سودی معاملہ) ہے - لغت میں لفظ 'ربا' کے معنے زیادتی کے ہیں - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت"۔

اس آیت میں ربت کے معنے علت وارتفعت کے ہیں (یعنی جب ہم نے اس زمین پر بارش نازل فرمائی تو اس سے (زمین) تروتازہ ہوئی، بڑھی اور بلند ہوگئی) -

بڑھنے اور زیادہ ہونے کا یہی مفہوم ہے - (اس آیت میں) زمین کا اونچا اور بلند ہونا زمین پر اضافہ ہونا ہے -

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امۃ"۔

(یعنی ایک قوم دوسری قوم سے بڑھی ہوئی ہو) یعنی تعداد میں زیادہ -

فقہ کی اصطلاح میں اس لفظ کے معنے دو ہم جنس اشیاء تبادلہ میں سے ایک شے کا زیادہ ہونا ہے، بغیر اس کے کہ اس زیادتی کا کچھ معاوضہ ہو - اس کی دو قسمیں ہیں :[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ ربا کی تین قسمیں ہیں :

اول ربائے فضل ہے جس میں ربائے قرض داخل ہے، مثلاً کسی کو بیس گنی قرض اس شرط پر دی کہ (اس قرض کے عوض) کوئی فائدہ اٹھایا جائے، مثلاً یہ کہنا کہ قرض دیتا ہوں بشرطیکہ میرا مال خرید لو، یا اپنی بیٹی سے میری شادی کرو، یا (قرض کی غرض اور کوئی) مالی منفعت اٹھانا وغیرہ جیسا کہ بیع فاسد کے بیان میں بتایا گیا ہے -

دوسری قسم ربائے نسیئہ ہے جس کا ذکر متن کتاب میں ہے -

تیسری قسم 'ربائے ید' ہے، یعنی دو ہم جنس اشیاء کا سودا ہاتھوں ہاتھ نہ ہو (تو یہ بھی سود ہے) -

ایک رباۓ نسیئہ (وہ زیادتی جو ادھار کے معاملہ میں ہو ، یعنی سودی قرضہ) اس سے مراد وہ یک طرفہ زیادتی ہے جو ادائیگی قیمت میں تاخیر کے عوض میں ہوتی ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک بوری گندم موسم سرما میں اس شرط پر لی کہ موسم گرما میں ڈیڑھ بوری گندم اس کے عوض (قیمت میں) دی جائے گی ۔ ایسی صورت میں نصف بوری گندم کا اضافہ جو کیا گیا ہے وہ کسی فروخت شدہ شے کے معاوضہ میں نہیں ہے، بلکہ صرف اس مدت کے عوض میں ہے (جو تاخیر سے ادائیگی قیمت میں لگی) ، اسی لیے اس کو رباۓ نسیئہ یعنی وقفہ سے ادائیگی عوض کا سود (یا سودی قرضہ) کہا جاتا ہے ۔

دوسری قسم رباۓ فضل ہے ۔ یہ یک طرفہ زیادتی تاخیر سے ادائیگی قیمت کے باعث نہیں ہوتی، لہٰذا یہ کسی شے کے معاوضہ میں نہیں ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بوری گندم کو ایک بوری گندم اور ایک پیمانہ (پوا) مزید دے کر خریدا اور دست بدست اپنے اپنے مال کا تبادلہ کر لیا ۔ اسی طرح یہ صورت ہے کہ سونے کی بنی ہوئی کوئی چیز جس کا وزن دس مثقال ہے اسی جیسے سونے کی ایک مثقال زیادہ مقدار سے خریدی ۔

سودی قرض کے متعلقہ احکام اور اس کی دلیل

فقہاۓ اسلام میں سے رباۓ نسیئہ (سودی قرض) کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کبیرہ ہے ۔ یہ بات قرآن سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"واحل اللہ البیع و حرم الربا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھیٰ فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔ یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم ۔ یاایھاالذین آمنوا اتقواللہ وذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین ۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولاتظلمون" ۔

(یعنی اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے ۔ اب پروردگار کا یہ حکم جسے پہنچا اور (آیندہ کو) باز رہا تو جو لے چکا سو لے

چکا؛ اس کا حشر اللہ کے سپرد ہے۔ البتہ اگر پھر بھی لوگوں نے ایسا کیا تو وہ اہل جہنم ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ وہ انکار کرنے والے گناہ گاروں کو پسند نہیں کرتا۔ اے مسلمانو! ایماندار ہو تو اللہ سے ڈرو اور سود جو لینا ہے اسے درگزر کرو۔ اگر ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں آیندہ کے لیے توبہ کرلو تو راس المال (مول) کے واپس لینے کا تمھیں حق ہے۔ نہ تم دوسروں پر ظلم کرو (کہ سود طلب کرو) اور نہ تم پر ظلم ہو کہ (اصل مال سے محروم رہو)۔

غرض قرآن حکیم نے بڑی سختی سے سود لینا حرام فرمایا ہے۔ اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود خواروں کو اپنے اور اپنے رسولؐ سے برسر جنگ قرار دیا ہے۔ مقام غور ہے کہ اس انسان ضعیف البنیان کا کیا حشر ہوگا جو پوری قدرت رکھنے والے زبردست خدا سے جسے آسمان و زمین کی کوئی شے مجبور نہیں کر سکتی، بر سر پیکار ہو۔ بلا شبہ ایسا شخص خود کو ہلاکت اور ناکامی میں ڈال رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ربا (بڑھوتری) کے جو معنے مراد ہیں اس سے بظاہر وہی یک طرفہ بڑھوتری مراد ہے جو عہد جاہلیت (قبل از اسلام) میں عام طور پر لوگوں کو معلوم تھی۔ اس کی تفصیل ایک سے زیادہ مفسرین نے یہ بتائی ہے کہ اہل عرب جب کسی شخص کو کچھ عرصہ کے لیے قرض دیتے تھے اور وہ عرصہ گزر جاتا تھا تو وہ اپنے قرض دار سے کہتے تھے کہ یا تو قرضہ (واجب) ادا کرو یا زیادہ دینا قبول کرو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قرض دار یا تو مطالبۂ قرض پورا کردے اور یا پھر حد واجب سے اس قدر زیادہ دے جو باہمی طے ہوجائے۔ یہ زیادتی کبھی تعداد میں ہوتی تھی، مثلاً ایک اونٹنی کسی کے ذمہ قرض تھی اور اسے واپس کرنا ہے تو (بصورت تاخیر ادائیگی) قرض دار ایک کی بجائے دو اونٹنی دے۔ کبھی یہ زیادتی عمر کی صورت میں ہوتی ہے، مثلاً ایک سال کی اونٹنی قرض لی اور ادا کرنے میں تاخیر ہوئی تو قرض‌خواہ دو سال یا تین سال کی اونٹنی لے گا۔ اسی طرح اہل عرب میں ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال ایک مقررہ مدت میں واپسی کے وعدے پر دیتا اور ہر مہینہ اس قرض دینے کے معاوضہ میں کوئی مقرر مقدار لیتا رہتا تھا اور جب ادائے قرض

کی میعاد ختم ہو جاتی اور مقروض مال قرضہ کی ادائیگی سے قاصر رہتا تو قرض خواہ ادائے قرض کی مدت میں مزید نفع کے وعدے پر توسیع کر دیتا تھا - یہی وہ سود ہے جو بیشتر ہمارے شہروں میں لین دین کے معاملات میں رائج ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی حرام کردیا ہے - یہودیوں اور نصرانیوں کو بھی اس سے منع فرمایا ہے ، کیونکہ یہ مجبور اشخاص پر ظلم ہے - بنی نوع انسان کے درمیان نرمی اور مہربانی کے طریق سلوک کے منافی اور باہمی رعایت و مدارات کے وسائل کا ترک کردینا ہے - حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک انسان کے کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر جہت سے مادہ پرست بن جائے اور اپنے بھائی کے حق میں کچھ نیکی نہ کر سکے ، بلکہ اس کی حاجت مندی کی حالت کو اپنا آلہٴ کار بنا کر سود کے چکر میں ڈال دے اور تھوڑا بہت سامان زندگی جو باقی ہے اسے چھین لے - حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کو محتاجوں کی حق رسی کا حکم فرمایا ہے اور مال داروں کے مال میں غریبوں کو حق دار گردانا اور خستہ حالوں اور مجبوروں کی اعانت کو فریضہٴ مذہبی قرار دیا ہے -

علاوہ اس کے سود خواری میں اور دوسری خرابیاں بھی ہیں ، مثلاً سود خواروں کے پاس مال کا رک کر رہ جانا - اضافہٴ مال و دولت کی حرص پیدا ہونا اور اضافہٴ مال کی دھن میں پڑ جانا - اسی طرح کی اور بھی خرابیاں ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں ہے، تاہم اس کی پوری تفصیل کتاب ''اخلاق الدینیہ فی حکمة تشریع البیع'' کے حصہٴ دوم میں کی گئی ہے -

آیات مندرجہ بالا ربائے نسیئہ ایسے (سودی قرضے) کے حرام ہونے کی قطعی دلیل ہے جو فی زمانہ رائج ہے کہ ایک رقم کچھ عرصہ کے لیے ماہواری یا سالانہ فی صدی شرح سود کی شرط پر دی جاتی ہے - اس کی بابت بعض اصحاب کا خیال ہے کہ اس سود کے جائز قرار دینے سے دین ختم ہو جاتا ہے - پس یہ عمل اسلام سے قطعاً بعید ہے اور ظاہری و معنوی لحاظ سے شرعی حکمت کے تقاضوں کے منافی ہے -

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ صرف وہ سود حرام ہے جو دو چند سہ چند ہو جیسا کہ سورة آل عمران کی اس آیت میں ہے :

"یا ایھاالذین آمنوالاتاکلوا الربا اضعافاً مضاعفة واتقواللہ لعلکم تفلحون"۔

(یعنی اے ایمان والو دگنا تگنا سود مت کھاؤ ۔ اللہ سے ڈرو تا کہ فلاح پاؤ)
لیکن ان کا یہ خیال سراسر غلط ہے ، کیونکہ اس آیت کا اصل مقصد سود خواری سے نفرت دلانا اور سود خواروں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ چند در چند سود جو مقروض کے تمام مال پر چھا جاتا ہے مبادا خود اس کے لیے بھی مصیبت بن جائے اور ایسا ہو کہ ایک عرصہ کے بعد سودی فوائد کے ہجوم کی آفت خود اس پر آن پڑے اور اس فساد معاملہ کے نتیجہ میں وہ شخص خود ایک معذور اور آفت زدہ محتاج بن کر رہ جائے ۔ قطع نظر اس کے کہ سود کا رواج ہو جانے سے عمرانی نظام میں جو تباہی مچتی ہے وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہے ، کوئی سمجھ دار آدمی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے تین گنا سود لینے سے منع فرمایا ہے اور دو چند یا یک چند سے منع نہیں فرمایا ۔ مزید براں ایک ذی عقل انسان کا یہ تصور کرنا ممکن ہی نہیں (کہ صرف چند در چند سود کی ممانعت ہے) ، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ:

"فان تبتم فلکم رؤس اموالکم" ۔

(یعنی سود خواری سے توبہ کر لو تو تمھیں اپنے اصل مال کے وصول کرنے کا حق ہے) ۔

اس سے زیادہ عجیب بات وہ ہے جو بعض اصحاب گمان کرتے ہیں کہ نفع اور قرضوں پر جو مزید کچھ لیا جائے اس کا شمار سود میں نہیں ہے ، کیونکہ سودی معاملہ بھی ایک عقد ہے جس کے لیے الفاظ یا ان کی بجائے کوئی طریق کار ہوتا ہے ۔ لیکن جس طرح اس زمانے میں عمل ہو رہا ہے کہ لوگ نفع اور اغراض کے لیے قرض لیتے ہیں وہ معاملہ بیع نہیں ہوتا ۔ شافعیہ نے اس کی وضاحت کردی ہے ۔ مزید براں جن فقہا کے نزدیک سودی معاملہ سرے سے کوئی معاملہ ہی نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ سود لینا ، ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھانا ہے ۔ نیز سود کے وہ نقصان جن کی وجہ سے اسے حرام کیا گیا ہے ناجائز مال کھانے میں موجود ہیں ، لہٰذا ناجائز مال کھانا ایسا ہی حرام ہے جیسے سود حرام ہے اور اس کا گناہ بھی اسی کے برابر ہے ، اس کے سوا نہیں ۔

ربا ربائے نسیئہ (سودی قرضے) کے حرام ہونے کا ثبوت ، سو اس بارے میں بہت سی احادیث صحیحہ مروی ہیں -

منجملہ ان کے سونے اور چاندی کے سودوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''الذھب بالذھب ربا الاھاء ھاء'' -

(یعنی سونے کا تبادلہ سونے سے 'ربا' ہے ؛ بجز اس صورت کے جب کہ دست بدست ہو) -

لفظ ھاء کے معنے ہیں کہ اس ہاتھ لے اور اس ہاتھ دے - یہ لفظ 'اسم فعل' (یعنی سورۃً اسم اور معنی فعل) ہے ، لہٰذا اس میں تاخیر سے لین دین درست نہیں ہے کیونکہ الذھب بالذھب والفضۃ الخ اس امر کی دلیل ہے کہ سودی قرضہ حرام ہے - اور بڑھوتری کا تصور صرف سونے چاندی اور غذائی اشیاء میں ہے - اس کی تفصیل ربائے فضل میں آ رہی ہے -

ربائے فضل کا بیان

ربائے فضل یہ ہے کہ ایک جنس کو اسی جنس کے ساتھ ، تاخیر فی القبض (یعنی لین دین میں دیر) کیے بغیر تبادلہ کیا جائے (اور دونوں کی مقدار کم و بیش ہو تو) چاروں اماموں کے نزدیک حرام ہے - بعض اصحاب رسول اللہؐ نے اس کی اجازت دی ہے جن کے منجملہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں تاہم بعض اصحاب سے منقول ہے کہ بعد میں وہ اپنے اس خیال سے پھر گئے تھے اور انہوں نے بھی اس کو حرام بتایا ہے - ربائے فضل کا معاملات بیع میں کچھ زیادہ دخل بھی نہیں ہے - ایسا شاذ و نادر ہی ممکن ہے ، کیونکہ لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ ایک چیز کو اسی جیسی چیز سے خرید و فروخت کی جائے - گو ایسا ہو سکتا ہے کہ دو ہم جنس اشیاء مبادلہ میں سے کسی ایک میں کوئی خصوصیت ہو اور فریقین اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں، تاہم (ایک جیسی اشیاء کا تبادلہ) حرام رکھا گیا ہے کیونکہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ بعض نا سمجھ اشخاص کو حیلہ بہانہ میں پھنسا لینے کے لیے ایسا کیا جائے اور بعض چالاک آدمی لوگوں کے دل میں یہ جچا دیں کہ مثلاً اس بوری کی گندم اس سے تگنی عام گندم کے برابر ہے ، اور سونے کا یہ ٹکڑا جس پر لاجواب نقش ہے اس سے دو چند عام سونے

کے برابر ہے - ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں لوگ دھوکے میں پڑ کر نقصان اٹھا سکتے ہیں -

ربائے فضل کے حرام ہونے کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے :

''الذہب بالذہب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواء یداً بید فاذا اختلفت ھذہ‌الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید'' -

(یعنی سونے کا سودا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے ، گندم کا گندم سے، جو کا جو سے ، کھجور کا کھجور سے ، نمک کا نمک سے اور اتنے کا اتنا ، برابر سرابر، دست بدست ہونا چاہیے، ہاں ان میں سے دو مختلف اشیاء کا باہمی تبادلہ جس طرح بھی چاہو کر سکتے ہو ، لیکن دست بدست ہو) -

اس حدیث سے ثابت ہے کہ اشیاء متجانس میں سے کسی شے کا تبادلہ اسی جیسی شے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ متبادل اشیاء کے لینے یا دینے میں تاخیر سے کام لیا جائے - لہٰذا سونے کی ایک گنی کو ایک گنی اور دس قرش میں نہیں خریدا جا سکتا ، نہ دست بدست نہ ادھار - اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ سونے کی کوئی چیز جس کا وزن دس مثقال ہو بارہ مثقال وزن کے سونے کی چیز کے عوض فروخت کیا جائے - یہی حکم گندم اور جو وغیرہ اجناس کا ہے جس کا ذکر حدیث میں ہے -

سونے چاندی کا سودا اس طرح پر کرنے کی ممانعت خصوصیت کے ساتھ حدیث میں آئی ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

''لا تبیعوا الذہب بالذہب الا مثلاً بمثل ولا تشفو بعضھا علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلاً بمثل ولا تشفو بعضھا علی بعض ولا تبیعوا منھا غائباً بناجز'' متفق علیہ -

(یعنی سونے کا سودا سونے کے عوض نہ کرو، سوا اس کے کہ برابر سرابر ہو اور ایک کی مقدار دوسرے سے زیادہ نہ ہو - اور چاندی کا سودا چاندی سے نہ کرو جب تک کہ برابر سرابر نہ ہو اور ایک چاندی کی مقدار دوسرے سے زیادہ نہ

ہو - اور غائب مال کی فروخت حاضر دام سے بھی نہ کرو) حدیث میں لفظ تشفوا بضم تا و کسر شین کے معنے ہیں لاتزیدوا (یعنی زیادہ نہ کرو) -

اگر اشیاء مختلف الجنس ہوں تو ان کی خرید و فروخت مقدار کی کمی بیشی کے ساتھ صحیح ہے اور یہ معاملہ مال کی خریداری کا ہوگا، لہٰذا اس کی قیمت اس کی حیثیت سے زیادہ ہو یا کم، معاملہ صحیح ہوگا - لہٰذا ایک گنی کو مثلاً ایک سو بیس قرش میں یا صرف پچانوے قرش میں غرض کسی بھی قیمت میں خریدا جائے تو صحیح ہے - اس کو بیع صرف (یعنی نقود کا لین دین) کہتے ہیں - تاہم اس میں تقابض (یعنی دست بدست سودا) شرط ہے - لہٰذا (سونے کی) اشرفی کو چاندی سے نہیں خریدا جا سکتا جب تک کہ اسی جگہ لین دین نہ کیا جائے - اگر مثلاً نوے قرش (ایک اشرفی کی قیمت میں سے) لے لیے اور باقی دس قرش قرض کر لیا تو حرام ہے - اس کی تفصیل بیع صرف کے بیان میں آ رہی ہے[1] - یہی حکم اشیاء خوراک یعنی گندم اور جو وغیرہ کا ہے جن کا ذکر حدیث میں ہے - لیکن اس میں تقابض (یعنی فوری لین دین) شرط ہے - اور اشیائے مبادلہ غذائی اشیاء مثلاً گیہوں کو چاول کے عوض فروخت کیا جائے (تب بھی یہی حکم ہے) البتہ اگر اشیاء مبادلہ میں سے ایک شے نقدی ہو اور دوسری غذائی اشیاء میں سے کوئی شے ہو تو اس کے لین دین میں تاخیر روا ہے، خواہ مال غذائی شے ہو، مثلاً گندم کو اشرفی سے خریدا جائے یا غذائی اشیاء کو دام کے طور پر استعمال کیا جائے، مثلاً پانچ اشرفی کو پانچ بوری گندم سے فروخت کیا جائے - اس میں کسی وقت بھی لین دین کیا جا سکتا ہے - اسی کو بیع سلم (ادھار کا سودا) کہتے ہیں -

ایسی اشیاء کا بیان جن میں ربا (یک طرفہ زیادتی یا سود) حرام ہے

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ربائے نسیئہ یہ ہے کہ ایک ہی جنس کا سودا اسی جنس سے کیا جائے، یا کسی دوسری جنس سے کیا جائے، لیکن بعد میں ادائیگی

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے معاملہ میں تقابض (یعنی وقت کے وقت لین دین) شرط نہیں ہے، البتہ تعیین شرط ہے، اس کی تفصیل بیع صرف کے بیان میں آ رہی ہے -

کے عوض زیادہ لینے کی شرط رکھی جائے، مثلاً ایک بوری گندم کسی خریدار کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کی جائے کہ مثلاً دو ماہ بعد وہ ڈیڑھ بوری گندم دے گا، یا بیس اشرفی فی الحال (قرض) دے کر سال بھر بعد اکیس اشرفی لینے کا وعدہ ہو، یا ایک بوری گندم بایں شرط بیچی جائے کہ چھ ماہ بعد اس کے دام دو بوری مکئی کی صورت میں وصول کیے جائیں گے (یہ سب سودی قرضے ہیں)؛ کیونکہ گندم اور مکئی اگرچہ دو مختلف اجناس ہیں، لیکن (چونکہ غذائی اشیاء ہیں) لازم یہ تھا کہ فوری طور پر لین دین ہو جاتا اور ادائیگی بعد میں (تاخیر سے) نہ ہوتی۔ (غذائی اشیاء کے معاملات میں) لین دین تاخیر سے ہو تو وہ سود ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں آیا تمام غذائی اشیاء کا بایں طور سودا سود میں داخل ہے یا یہ حکم صرف ان اشیاء کے لیے مخصوص ہے جن کا ذکر حدیث متذکرہ سابقہ میں کیا گیا، یعنی گندم، جو، سونا، چاندی، کھجور اور نمک۔ چاروں ائمۂ فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ ان اجناس کے علاوہ جن کا ذکر حدیث میں ہے دوسری اجناس کے ایسے سودوں میں بھی سود ہو گا۔ انہوں نے دوسری اجناس کو بھی انہی اجناس پر قیاس کر لیا ہے۔ لیکن اشیاء مذکورہ حدیث میں یک طرفہ بڑھوتری کے حرام ہونے کو جن اسباب پر قیاس کیا گیا ہے ان اسباب کی تعیین کے بارے میں باہم اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1] (ائمۂ فقہا کے علاوہ) ظاہریہ نے (جو ظاہر الفاظ پر عمل پیرا ہوتے ہیں) اس حکم کو صرف ان اشیاء کے اندر منحصر خیال فرمایا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ علت تحریمہ پیمانہ یا وزن ہے، لہٰذا ہر وہ شے جس کا سودا پیمانے یا وزن سے کیا جاتا ہے اس میں (سود) ہوتا ہے، خواہ ان کی مقدار اتنی تھوڑی ہو کہ اس کی مقدار کے لیے پیمانہ کا استعمال ممکن نہ ہو۔ مثلاً ایک کھجور کا سودا دو کھجور سے کیا جائے، یا وہ ایسی چیز ہو جس کا وزن نہ کیا جا سکے، جیسے چاول بھر سونا۔ اب یہ اشیاء، خواہ خوردنی ہوں جیسے چاول، مکی، باجرا وغیرہ، یا خوردنی نہ ہوں، جیسے بنولا، ترپھلا، السی یا لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ۔

← ایسی چیزیں جن کی مقدار پیمانہ یا وزن سے نہیں بتائی جاتی، بلکہ ان کی مقدار گنتی سے ہوتی ہے ، ایسی چیزوں میں ربا نہیں ہوتا، لہٰذا ایک انڈے کا سودا دو انڈوں سے اور ایک چھری کا دو چھریوں سے ہو سکتا ہے ،کیونکہ گو یہ ہم جنس ہیں ، لیکن ان کی تفصیل ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے - تاہم کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی یک طرفہ زیادتی مکروہ ہے -

حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یک طرفہ زیادتی کی علت تحریم پیمانہ یا وزن ہے ، جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں ، لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ ان اشیاء میں سود کا تصور جب ہو گا کہ وہ نصف صاع یا اس سے زیادہ کی مقدار میں ہوں - اگر نصف صاع سے کم ہوں تو اس میں یک طرفہ بڑھوتری درست ہو گی ؛ چنانچہ صرف لپ بھر گندم کا سودا دو لپ گندم سے کیا جا سکتا ہے ، دست بدست بھی اور ادھار بھی ؛ تاآنکہ اس کی مقدار نصف صاع ہو جائے - پس ایک کھجور کا سودا دو کھجوروں سے (حنفیہ کے نزدیک) درست ہے ، کیونکہ گو کھجور کا معاملہ پیمانے کی بنا پر ہوتا ہے ،لیکن اگر ایسی اشیاء مقدار میں نصف صاع سے کم ہوں تو ان میں سود کو دخل نہیں ہے - یہی حکم مشہور ہے -

وزن والی اشیاء میں سے چاندی سونے کی مقدار جن میں سود کو دخل ہے ایک حبہ (دو جو) سے زیادہ ہے - اور اشیاء خوردنی میں جو چیز سیب جیسی ہو تو ایک سیب کا سودا دو سیب سے ہو سکتا ہے - لیکن ایسی اشیاء میں بیع کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ اشیائے مبادلہ متعین ہوں ، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے اس خاص سیب کو ان دو سیبوں کے عوض فروخت کیا - اس مسئلے کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

واضح ہو کہ مذکورہ بالا سبب جہاں پایا جائے گا وہاں سود کو دخل ہو گا ، خواہ غذائی اشیاء ہوں یا غیر غذائی اشیاء - لہٰذا گندم اور جو ، جن کا ذکر حدیث میں ہے ، ان پر ایسی دوسری اشیاء کا قیاس کیا جاتا ہے جن کی بیع پیمانے کے اعتبار سے ہوتی ہے ، جیسے مکی ، چاول ، باجرا ، تل ، میتھی اور چونا جب کہ پیمانوں میں اس کا سودا ہوتا ہو- اسی طرح سونے اور چاندی پر ہر ایسی ←

→ شے کو قیاس کیا جاتا ہے جس کا سودا وزن میں ہوتا ہے ، جیسے سیسہ اور تانبا ۔ اور ایسی اشیاء جن کا سودا وزن یا پیمانے سے نہ کیا جاتا ہو ، جیسے گنتی یا گزوں سے پیمائش کی اشیاء ، ان اشیاء میں رباۓ فضل کا تصور نہیں ہے ، لہٰذا ایک گز کپڑے کا سودا اسی جیسے دو گز کپڑے سے ہو سکتا ہے ، بشرطیکہ قبضہ اسی وقت لے لیا جائے ۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ۔ اسی طرح جائز ہے کہ ایک انڈے کو دو انڈوں سے اور ایک تربوز کو دو تربوز سے خریدا جائے وغیرہ ۔ ان مسائل کا بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ اگر فروخت ہونے والی شے اور اس کی قیمت دونوں ایک جنس کی اشیاء ہوں جیسے گندم کی قیمت میں گندم اور جو کی قیمت میں جو دیا جائے اور (یا ایسی شے ہو کہ) اس کی مقدار کا اندازہ پیمانے یا وزن سے کیا جاتا ہو تو جائز نہ ہو گا کہ بیع کی صورت میں اشیاء مبادلہ میں سے ایک کی مقدار زیادہ ہو ۔ قطع نظر اس کے کہ وہ زیادتی (ادھار کی وجہ سے) ہوئی ہو یا اس کی وجہ سے نہ ہوئی ہو ۔ غرض یک طرفہ (دست بدست سودے میں) زیادتی ہو یا ادھار کی وجہ سے ہو دونوں حرام ہیں ۔ یہ اشیاء ربوی (جن میں سود کو دخل ہوتا ہے) گندم ، جو ، سونا وغیرہ اشیاء ہیں جن کا سود پیمانوں میں یا وزن میں (یعنی تول کر) ہوتا ہے ، کیونکہ ان اشیاء میں مقدار ، پیمانہ ، وزن ، اور جنس متحقق ہے ۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ہی بات پائی جائے تو اس میں رباۓ فضل کو دخل نہ ہو گا ۔ البتہ رباۓ نسیئہ (یعنی سودی قرضہ کا معاملہ) حرام ہے ۔ ایسی صورت کی مثال جس میں جنس ثابت ہو اور مقدار ثابت نہ ہو ان میں تربوز اور انڈا وغیرہ ایسی تمام اشیاء ہیں جن کا سودا گن کر کیا جاتا ہے ۔ اسی میں کپڑا وغیرہ بھی شامل ہے جن کی پیمائش گزوں سے کی جاتی ہے ۔ اس صورت میں جنس تو متحد ہوتی ہے لیکن پیمانہ اور وزن سے ان کا سودا نہیں ہوتا ۔ اور ایسی مثال جس میں مقدار (کا طریقہ) ایک ہو ، لیکن جنس یکساں نہ ہو گندم اور جو ہیں کہ ان کی پیمانے سے فروخت ہوتی ہے ، لیکن جنس دونوں کی مختلف ہے ۔ ان اشیاء میں (رباۓ فضل جائز ہے لیکن) رباۓ نسیئہ (یعنی سود پر قرض دینا) حرام ہے ، جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ سودا اضافۂ مدت کے ساتھ کیا جاتا ہے (یعنی وہ فریق جو قیمت یا مال بعد میں ادا کرتا ہے وہ گویا مدت کا مزید فائدہ اٹھاتا ہے) ۔ ہاں رباۓ فضل یعنی ایک طرف سے زیادہ ←

← دیا جانا حرام نہیں ہے ، لیکن مال اور قیمت پر فریقین کا قبضہ لینا شرط ہے۔ تاہم غذائی اجناس میں یک طرفہ زیادتی کے بغیر سودا کرنے میں یہ شرط نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جن اشیاء کا حدیث میں مذکور ہے ان کی دو قسمیں ہیں : نقدی یعنی سونا چاندی ، اور اشیائے غذائی جس سے مراد وہ شے ہے جس کا بیشتر مقصد انسانی غذا کے کام میں لانا ہے ، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ انسان کی خوراک بنے اور جس کا الہام منجانب اللہ ہوا ہے ؛ گو اس میں دوسری انواع مخلوقات انسان کی شریک ہوں ، مثلاً لوبیا کہ وہ جانور کے بھی کام آتا ہے اور انسان کی غذا بھی ہے۔ پس ہر ایسی شے جس میں 'نقدیت'' یعنی نقد بننے کی صلاحیت اور طعمیت (یعنی غذا بننے کی صلاحیت پائی جائے ان کے (بہ تفاضل) سودوں میں سود ہوتا ہے۔ اشیاء نقدی میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ سکے کی شکل میں ہوں ، جیسے اشرفی یا ریال ، یا غیر مسکوک ہوں، جیسے زیور یا ڈلا، لہٰذا ایک اشرفی کو تین اشرفی کے عوض سودا کرنا درست نہیں ہے ، خواہ کسی بھی مدت اور یا فوری لین دین کی شرط پر ہو۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ سونے کی بنی ہوئی کسی چیز کا سودا جس کا وزن دس مثقال ہے ، اسی جیسی چیز سے جس کا وزن تیرہ مثقال ہو ، صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ بیع صرف کے بیان میں بتایا جائے گا۔ لیکن سامان تجارت کی ہم مثل اشیاء کی خرید و فروخت کسی ایک کی بڑھوتری کے ساتھ صحیح ہے ، کیونکہ اشیاء تجارت کی حیثیت ثمن (نقد یا دام) کی نہیں رہتی ، لہٰذا اس میں سبب مذکورہ (یعنی نقدیت) نہیں پائی جاتی۔

غذائی اشیاء میں جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے تین امور شامل ہیں : ایک تو یہ کہ وہ شے خوراک کے لیے ہو ، جیسے گندم اور جو کہ ان دونوں کا مقصد تقویت (یا تغذیہ) ہے۔ اور وہ تمام اشیاء اس میں شامل ہیں جو اسی مقصد کے لیے ہوں ، جیسے چاول ، مکی ، چنا اور ترمس (ایک قسم کی گری)۔ پینے کے پانی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی غذائی اشیاء میں شامل ہے ، کیونکہ یہ بھی بدن انسان کے لیے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ←

→ اس کا اطلاق 'طعام' پر کیا ہے: ومن لم یطعمہ فانہ منی (یعنی جس نے اس (پانی) کو طعمہ ، نہ بنایا وہ میرا ہے) - بعض کہتے ہیں کہ پانی (غذا نہیں ہے ، بلکہ) مصلح بدن ہے ؛ اس کو دوا میں شامل کیا جا سکتا ہے ، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے -

دوسرا امر یہ ہے کہ وہ شے فواکہ (میوے) کے طور پر استعمال کی جاتی ہو اور چونکہ حدیث میں کھجور کا ذکر ہے (اور وہ بھی میوہ ہے) ، لہٰذا اس میں ہر وہ شے شامل ہے جو اس جیسی ہو، جیسے کشمش اور زیتون -

تیسرا امر یہ ہے کہ وہ شے غذا کی اور جسم کی اصلاح کے لیے ہو - چونکہ حدیث میں 'نمک' کا ذکر ہے لہذا ہر وہ شے جو نمک کی طرح (مصلح غذا یا مصلح بدن) ہے ، اس میں شامل ہے جیسے دوائیں لہٰذا سنئے مکی ، جڑی بوٹی اور اس جیسی دوسری دوائیں اس میں شامل ہیں - اور اوپر جو کہا گیا ہے کہ ''وہ شے غذائی مقصد کے لیے ہو'' اس سے وہ اشیاء نکل گئیں جو گو کھائی تو جا سکیں لیکن غذائی مقصد کے لیے نہ ہوں ، مثلاً کھال اور ہڈی کہ یہ چیزیں انسان کھا تو لیتا ہے ، لیکن مقصد غذا کےلیے نہیں ہیں - نیز اس کہنے سے وہ اشیاء بھی نکل گئیں جو خصوصیت کے ساتھ جانور کی غذا ہے ، جیسے گھاس ، مٹی اور گٹھلی - ایسی اشیاء کے سودوں میں ربا کو دخل نہیں ہے -

اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ نے ان چھ اشیاء پر غور کرتے ہوئے جن کا ذکر حدیث میں ہے یہ قیاس کیا کہ ان میں ہر وہ شے شامل ہے جس میں غذائیت یا اصلاح بدن کی صلاحیت ہو - اور قیاس کی بنا طعمیت اور نقدیت ہے (یعنی اغذیہ یا نقود میں سے ہونا) ، پس بہرحال جو شے غذا (یا خوراک) نہیں ہے ، مثلاً چونا گچ ، ایسی اشیاء کا سودا ان کی ہم جنس اشیاء کے ساتھ ایک طرف کی زیادتی کے ساتھ درست ہو گا ، جیسے مال تجارت میں ہوتا ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے (ایسے) سودوں کے حرام ہونے کا سبب نقدیت (یا ثمنیت کی صلاحیت) ہے ، لیکن غذائی اشیاء میں ربوی معاملات کے حرام ہونے کے اسباب ربائے نسیئہ اور ربائے فضل میں جدا جدا ہیں - چنانچہ ربائے نسیئہ (یعنی سودی قرضہ) میں ایسا معاملہ حرام ہونے کا سبب یہ ہو گا کہ ←

→ وہ شے بطور غذا نہ کہ بطور دوا کھانے کے کام میں آتی ہو - پس غذائی شے کو سود پر قرضہ دینا حرام ہے ، خواہ وہ شے ذخیرہ کرنے یا کھا لینے کے قابل ہو ، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے ، یا نہ ہو - ایسی اشیاء مختلف اقسام کی سبزیاں ہیں جیسے ککڑی ، تربوز ، لیموں ، نارنگی ، انگور ، نیم پختہ کھجور ، گاجر ، اروی یا کرم کلہ وغیرہ - مختلف اقسام کے تازہ پھل جیسے امرود اور کیلا بھی سبزیوں کی مانند ہیں - اس قسم کی تمام اشیاء میں ربائے نسیئہ کو دخل ہے ربائے فضل کو دخل نہیں ہے، لہٰذا ان میں سے ہر قسم کی اشیاء کا سودا اسی کی ہم جنس اشیاء یا دوسری جنس کی اشیاء کے عوض کمی بیشی کے ساتھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ لین دین ساتھ کے ساتھ ہو جائے - اس میں ادھار منع ہے - پس ایک رطل (یا نصف سیر) امرود کو دو رطل (یا سیر بھر) امرود کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے جب کہ اسی وقت لین دین ہو جائے - اسی طرح گاجر کا سودا ساگ کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسی جگہ لین دین ہو جائے -

ربائے فضل کے حرام ہونے کے اسباب میں دو باتیں ہیں :

اول یہ کہ وہ غذائی شے ''مقتات'' ہو - 'مقتات' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان بالعموم اس پر گزر بسر کر سکتا ہو، بایں طور کہ صرف اس کو کھا کر اپنا وجود قائم رکھ سکے ، یعنی اور کچھ کھائے بغیر اسی پر زندہ رہ سکے -

دوسری بات یہ ہے کہ وہ شے 'قابل ادخار' ہو اور قابل ادخار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص عرصہ تک ، جس کی کوئی حد متعین نہیں ہے ، رکھ چھوڑنے سے اس میں خرابی نہ پیدا ہو - (مالکیہ کا) ظاہر مسلک یہی ہے بخلاف اس قول کے جو کہا جاتا ہے کہ قابل ادخار وہ شے ہے جو چھ ماہ تک خراب ہوئے بغیر رہ جائے - قول راجح اس باب میں یہ ہے کہ (قابل ادخار ہونے کی بابت) عام دستور کی طرف رجوع کرنا چاہیے - پس جس شے کو لوگ ذخیرہ کرنے کے قابل خیال کرتے ہوں وہ قابل ادخار ہے - ہر ایسی شے جس میں یہ وصف ہو اس میں ربائے فضل والا سود حرام ہے اور ربائے نسیئہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے -

واضح ہو کہ اقتیات و ادخار کی جو تشریح کی گئی ہے مسلک مالکیہ میں وہی امر (ربا کی) علت ہے، تاہم علت مذکورہ کی تشریح کے بارے میں کچھ اور ←

دانے کا سودا ہم جنس دانے اور غیر ہم جنس دانے کے ساتھ کرنے کا بیان

سابق الذکر حدیث میں جن اشیاء شش گانہ کا بیان ہے ، ان میں گندم کا سودا گندم سے اور جو کا سودا جو سے کرنے کا ذکر ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ ائمہؒ فقہا نے ان دونوں اجناس پر دوسری قسم کے دانوں کا قیاس کیا ہے۔ گو اس کی علت تحریم کے بارے میں ان کے زاویہ ہائے نگاہ باہم مختلف ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ گیہوں کا سودا گیہوں سے نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کے کہ وہ برابر سرابر ہوں اور دست بدست ہوں ، جیسا کہ حدیث میں صراحت کی گئی ہے - یہی حال جو کے سودے کا ہے لیکن جو کا سودا گیہوں سے (مقدار میں) کمی بیشی کے ساتھ دست بدست ہو تو صحیح ہے۔[۱] چنانچہ ایک پیمانہ گندم کا

← اقوال بھی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ انہوں نے اقتیات اور ادخار کے علاوہ ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ غذائی شے (جن میں سود کے مسائل آتے ہیں) ان کا بیشتر انسانی زندگی کے لیے ہونا ضروری ہے - اس شرط کے اضافے سے انڈا اور زیتون (ایسی اشیاء سے) خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں اشیاء انسانی زندگی کی بقا کے لیے استعمال میں نہیں آتیں ، لہٰذا ان میں ربا (یک طرفہ زیادتی) کی ممانعت نہیں ہے -

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مسلک مالکیہ میں جس شے کو علت ربا قرار دیا گیا ہے ، اس کی وہی تشریح ہے جو پہلے بتائی گئی ' لہٰذا قول راجح یہی ہے کہ انڈے اور زیتون میں بھی ربا کو دخل ہے ، کیونکہ یہ دونوں اشیاء غذائی اور قابل ذخیرہ ہیں -

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ جو اور گندم ایک ہی جنس ہیں - اسی طرح 'سلت' (شعیر نبوی) بھی (یہ جو کی ایک قسم ہے جس پر چھلکا نہیں ہوتا) - ان تینوں میں کوئی تفاوت نہیں ہے ، کیونکہ یہ جنس اور نفع کے اعتبار سے ایک ہیں اور متقارب ہیں (یعنی صرف ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق ہے) - گندم اور جو میں ←

سودا دو پیمانے جو کے ساتھ ہو سکتا ہے - لیکن شرط یہی ہے کہ لین دین اسی جگہ ہو جائے - اسی پر ان چیزوں کو قیاس کیا گیا ہے ، یعنی مکی ، چاول ، لوبیا ، چنا ، ترمس ، باجرا اور برسیم (ترپھلے) کے بیج[1] اور میتھی[2] ، مٹر اور

← تقارب ہے ، کیونکہ دونوں کی غرض غذا ہے اور یہ غرض دونوں سے یکساں طور پر پوری ہوتی ہے ، گو ذائقہ اور خوبی کے لحاظ سے ان میں تفاوت ہے ، لہٰذا ان تینوں اجناس کا سودا کرنا صحیح نہ ہوگا سوا اس کے کہ برابر سرابر اور دست بدست ہوں - مالکیہ کے نزدیک اسی قول کو ترجیح حاصل ہے ، تاہم بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ جو اور گندم دو مختلف جنسیں ہیں -

---

۱ - شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ برسیم ان اقسام میں نہیں ہے جن میں ربائے فضل کو دخل ہو، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک سود کی گنجائش صرف غذائی اشیاء ، یعنی ایسی چیزوں میں ہے جو بیشتر انسانی غذا کے کام میں آتی ہیں اور برسیم کے دانے ایسے نہیں ہیں -

مالکیہ کے نزدیک ایسی اشیاء میں سود ہوتا ہے جو خوراک اور ذخیرہ کرنے کے قابل ہوں لیکن برسیم ایسی چیز نہیں ہے -

۲ - شافعیہ کہتے ہیں کہ خشک میتھی میں ربائے فضل کو دخل ہے لیکن اس وجہ سے نہیں کہ وہ پیمانے کی چیز ہے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں ، بلکہ اس میں سود کو اس لیے دخل ہے کہ اس کو دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے - اس کو 'نمک' پر قیاس کیا جاتا ہے جو مصلح ہے اور یہ بھی مصلح بدن ہے - لیکن ہری میتھی ایسی اشیاء میں نہیں ہے جس میں سود کو دخل ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ میتھی میں ربائے فضل کو دخل نہیں ہے ، خواہ خشک ہو یا ہری ہو - اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس میں ربائے نسیئہ کو دخل ہے یا نہیں ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ دوا ہے ، اس میں ربائے نسیئہ کو دخل نہیں ہے ، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ غذائی اشیاء میں ہے ، اس میں ربائے نسیئہ کو دخل ہے-

بسلہ (سیم) اور اس قسم کے تمام دانے جن کا سودا پیمانوں میں کیا جاتا ہے۔ ان اشیاء کا سودا اسی جیسی اشیاء سے درست نہیں ہے، تاآنکہ برابر سرابر نہ ہوں۔ البتہ مختلف جنس کی اشیاء کے سودے مقدار میں کمی بیشی کے ساتھ صحیح ہیں۔

آٹے کا سودا دانوں سے یا روٹی سے یا اس کی متعلقہ اشیاء سے کرنے کے مسائل تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہے کہ 'اناج' کے دانے اور آٹا ایک ہی جنس ہیں۔ پیسنے سے کوئی شے جنس سے خارج نہیں ہو جاتی، کیونکہ 'پیسنا' یہ ہے کہ ایک چیز کے اجزا کو جدا جدا کر دیا جائے لیکن منتشر شدہ اجزا موجود ہوں۔ اسی طرح گندھا ہوا آٹا اور خشک آٹا اور دانہ یکجا کیے جا سکتے ہیں؛ گوندھنے سے ایک شے اپنی جنس سے جدا نہیں ہوجاتی، لہٰذا ان میں سے ایک شے کا سودا دوسری شے سے درست نہ ہو گا تاآنکہ برابر سرابر بغیر کمی بیشی کے نہ ہو۔ گندم اور اس کا آٹا برابر سرابر ہو تو درست ہے۔ ان کا مساوی ہونا 'صرف' وزن سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وزن اور پیمانے سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر مختلف اناج ہوں، مثلاً مکی کے آٹے کا سودا گندم کے دانوں سے کمی بیشی کے ساتھ کیا جائے تو صحیح ہے لیکن لین دین اسی جگہ ہونا شرط ہے۔ گندھے ہوئے آٹے اور خشک آٹے کا مساوی ہونا آٹے کی اس مقدار کا اندازہ کر کے لگایا جا سکتا ہے جو گندھے ہوئے آٹے میں مانا جائے۔ اس کا تبادلہ آٹے کی اسی مقدار سے ہو سکتا ہے اور گندھے ہوئے آٹے اور گندم میں مساوات کا اندازہ آٹے کی اس مقدار کے پیش نظر ہو گا جو آٹے اور گندم میں مانی جائے۔ اگر دونوں اجناس مختلف ہوں، مثلاً گیہوں کے آٹے کا سودا مکی سے کیا جائے تو وہ کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہو گا جب کہ دست بدست ہو۔ لیکن روٹی خشک آٹے، گندھے ہوئے آٹے اور گندم سے مختلف چیز ہے، کیونکہ روٹی پک جانے کے بعد ایک جدا گانہ جنس بن جاتی ہے، لہٰذا روٹی کا سودا خشک آٹے یا گندھے ہوئے آٹے سے کمی بیشی کے ساتھ بھی بشرط تقابض (یعنی دست بدست ہونے کی صورت میں) درست ہے بدیں جہت کہ روٹی تمام (قسم کی) ایک ہی جنس ہے اگرچہ مختلف اناجوں کی ہو لہٰذا گیہوں کی روٹیوں (چپاتیوں) کا سودا گیہوں کی چپاتیوں سے بھی اور جو مکی وغیرہ کی روٹیوں سے بھی ہو تو اس میں تماثل (مساوات) اور دست بدست ←

← ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ تمام (روٹیاں) ایک ہی جنس شمار ہوتی ہیں۔ ان کا سودا کمی بیشی مقدار کی صورت میں صحیح نہیں ہے، البتہ (کیک) ایک جدا گانہ جنس ہے، کیونکہ اس میں گھی، تل، مکھن اور دودھ وغیرہ شامل ہوتا ہے، لہٰذا اس کا سودا کسی دوسری شے سے کمی بیشی کے ساتھ، لیکن دست بدست درست ہے۔ اگر روٹیاں ایک ہی جنس مثلاً گندم کی ہوں تو ان میں مساوات (یا برابر سرابر ہونے) کا اندازہ آٹے کی اس مقدار سے لگایا جائے گا جو ان میں لگا ہے۔ پس اگر دونوں طرف کی روٹیوں کے آٹے کی مقدار برابر ہے تو ان میں مساوات متصور ہو گی ورنہ نہیں۔ لیکن اگر روٹیاں دو ایسی مختلف اجناس کی ہوں جن میں ربا کو دخل ہے جیسے گندم یا مکی تو اس صورت میں دونوں کی مساوات وزن کے اعتبار سے ہوگی؛ آٹے کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ تاہم روٹی کے بارے میں ان شرایط کا لحاظ اس حال میں ہو گا جب کہ معاملہ خرید و فروخت کا ہو؛ اگر قرض کا معاملہ ہو تو اس میں یہ شرط نہیں ہے۔ اس صورت میں تعداد کو علت (مساوات) قرار دیا جائے گا۔ پس اگر پانچ قرض میں دی گئیں اور پانچ ہی واپس لیں تو درست ہے، اگرچہ وہ وزن میں کم و بیش ہوں۔ یہ حکم عام دستور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہے جس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ بالعموم پڑوسیوں میں روٹی یا خمیر کا قرض لین دین اندازہ لگائے بغیر ہوا کرتا ہے۔ اور ابلے ہوئے دانے ایسے ہیں جیسے بھیگے ہوئے دانے، گو ابلے ہوئے دانوں کی جنسیت بحال رہتی ہے، تاہم ابلے ہوئے دانوں کا سودا بغیر ابلے ہوئے دانوں سے قطعاً ناجائز ہے کہ نہ تو کمی بیشی کے ساتھ درست ہے اور نہ برابر سرابر۔ تر کا سودا خشک (اناج) سے نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں دونوں مساوی نہیں ہوسکتے۔ اسی بنا پر ابلی ہوئی ہم جنس اشیاء کا معاملہ بھی (کسی طرح) روا نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس چیز (اناج) کا آٹا ہو اس کا سودا اسی جیسی چیز (یا اناج) سے درست نہیں ہے، لہٰذا گیہوں کے آٹے کا سودا گیہوں سے درست نہیں ہے؛ نہ مکی کے آٹے کا سودا مکی سے درست ہے وغیرہ، خواہ دونوں کی مقدار برابر ہو یا کم و بیش ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دونوں کا مساوی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا، چنانچہ آٹا پیمانے میں ٹھس کر گندم سے زیادہ سما جاتا ہے ←

← اور اس کے زیادہ ہونے کا شبہ رہ جاتا ہے - ہاں دونوں ہم‌جنس ہوں (یعنی دونوں آٹا ہوں یا گندم) تو برابر سرابر سودا درست ہو گا، بشرطیکہ برابر ہونا یقینی ہو- البتہ ایک اناج کے آٹے کا سودا کسی اور اناج سے درست ہے ، مثلاً گندم کے آٹے کا سودا اگر جو سے کیا جائے تو صحیح ہو گا ، کیونکہ دونوں کی جنس مختلف ہے ، مگر سودا (بہرحال) دست بدست ہونا چاہیے - اس قاعدے کی بنا پر باریک آٹے کا سودا دلے ہوئے اناج (یا دلیا) سے ، گو دونوں کی جنس ایک ہو ، درست ہے، ہاں آٹے کا سودا دوسرے اناج کے آٹے سے جائز ہے، بشرطیکہ پیمانے سے ناپ کر برابر سرابر سودا کیا جائے - لیکن آٹے کا سودا آٹے کے ساتھ تول کر جائز نہیں ہے ؛ اسی طرح چھنے ہوئے آٹے کا سودا بن چھنے آٹے کے ساتھ پیمانے سے برابر سرابر ناپ کر اور باریک کیے ہوئے اناج کو نیم کوفتہ اناج سے برابر برابر پیمانے میں درست ہے -

گیہوں کی روٹی کا سودا گیہوں سے اور یا گیہوں کا سودا اس کی روٹی سے مقدار میں برابر ہو یا کم و بیش ہوں دونوں طرح سے جائز ہے ، کیونکہ روٹی اناج سے جدا ایک مختلف جنس بن جاتی ہے، ایسے سودے میں دست بدست لین دین کی بھی شرط نہیں ہے، البتہ دونوں اشیاء کی تعیین شرط ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے ، بلکہ یہ بھی درست ہے کہ بیس روٹی کو مٹھی بھر کر ادھار فروخت کیا جائے اور اس کے دام ایک پیمانہ گندم کی صورت میں (بعد میں) وصول کیے جائیں ، خواہ یہ دام ایک ماہ بعد وصول ہوں اور گو وہ پیمانہ روٹیوں کی مقدار سے بڑا ہو - اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ گندم کی ایک بوری سو اقہ (یا پچیس سیر) روٹیوں کے عوض فروخت ہو اور یہ دام کئی دنوں کے بعد وصول کیے جائیں - کہا جاتا ہے کہ یہ دوسری صورت درست نہیں ہے کہ دام جو روٹی کی شکل میں لینا ہے وہ بعد میں وصول کیے جائیں - تاہم فتویٰ اس بات پر ہے کہ یہ سودا درست ہے - اور آٹے کا سودا روٹی سے ، یا روٹی کا سودا آٹے سے اسی تفصیل کے مطابق ، جو اوپر بتائی گئی درست ہے -

قرض کے طور پر روٹی لینا بھی درست ہے، مثلاً کوئی شخص پانچ چپاتیاں اپنے پڑوسی سے بعد میں ادائیگی کے وعدے پر لے لے، لیکن اس معاملہ کے درست ←

→ ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ وزن کی بنا پر ہو ؛ اسی قول پر فتویٰ ہے - تاہم بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وزن اور گنتی دونوں طرح سے یہ معاملہ جائز ہے -

بھیگی ہوئی گندم کا سودا بھیگی ہوئی گندم سے بھی جائز ہے اور خشک گندم سے بھی ، نیز تازہ دانوں کا تازہ سے اور سوکھے ہوئے کا سوکھے ہوؤں سے جائز ہے -

جھاڑی پھٹکی ہوئی گندم کا سودا بن جھاڑی پھٹکی گندم کے عوض برابرسرابر جائز ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ آٹے کا سودا اُس اناج سے جس کا وہ آٹا ہے مطلقاً ناجائز ہے ، لہٰذا گندم کا سودا گندم کے آٹے سے درست نہیں ہے ، کیونکہ ہم جنس اشیاء کا معاملہ درست ہونے کی شرط یہ کہ دونوں کی مقدار برابر ہو - (اس صورت میں) گندم اور اُس کا آٹا گو ایک ہی جنس ہیں لیکن ان کا برابر سرابر ہونا دشوار ہے، کیونکہ گیہوں کے اجزا پیسنے میں بکھر جاتے ہیں - اسی طرح روٹی کا سودا اس اناج کے دانوں سے درست نہیں ہے اور نہ روٹی کا سودا اُس کے آٹے سے درست ہے نہ وزن کرکے درست ہے - بھیگے ہوئے گیہوں کا سودا خشک گیہوں سے درست نہیں ہے نیز بھوسی اتارے ہوئے تازہ دانوں کا سودا بغیر سکھائے ہوئے دانوں سے درست نہیں ہے - ہاں روٹی کا سودا روٹی سے برابر سرابر ہو تو درست ہے - ایک کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہوئی تو درست نہیں ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ ہم جنس اشیاء کا سودا درست ہونے کی تین شرطیں ہیں : یعنی حلول (وقت کے وقت لین دین کا ہونا) - تاخیر سے ادائیگی کی شرط (یعنی ادھار سدھار ہو) تو سودا درست نہ ہوگا - ایسے سودوں میں بالاقساط ادائیگی کی شرط بھی درست نہیں ہے - اور یہ کہ حقیقی معنوں میں تقابض (یعنی لین دین) ہو کہ اُسی جگہ ہو جائے بایں طور کہ خریدار مال فروخت شدہ کو اسی جگہ پر لے لے - اس معاملہ میں ادائیگی کو کسی اور کے سپرد کردینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا گو وہ شخص مال کا قبضہ حاصل کر لے - اور یہ کہ اشیائے مبادلہ یقینی طور پر ←

← مساوی ہوں یعنی دونوں کا باہم "ہم مقدار" ہونا پختہ طور پر معلوم ہو جائے۔ اگر مساوی ہونے میں شک ہوا تو سودا درست نہ ہوگا۔

ایک جنس کا سودا دوسری جنس کے عوض کرنے میں صرف یہ شرط صحت ہے کہ اسی جگہ لین دین ہو جائے۔ اس میں برابر سرابر ہونے کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بیع صرف کے بیان میں بتایا جائے گا۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ آٹے کا سودا اُسی جنس کے آٹے سے درست نہیں ہے۔ پس گیہوں کے آٹے کو گیہوں کے آٹے کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا باریک ہونے کے اعتبار سے یکساں ہونا یقینی نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آٹا دوسرے سے زیادہ باریک نہ ہو اور پیمانے میں ٹھس کر نہ آ سکے۔ اسی بنا پر گیہوں کے آٹے کا سودا گیہوں کے دانوں سے درست نہیں ہے اور نہ روٹی کو آٹے یا گیہوں کے عوض فروخت کرنا درست ہے۔ کسی بھی اناج کی روٹی کا سودا اُس اناج سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں گیہوں کی روٹی کا سودا جو کی روٹی سے جائز ہے، کیونکہ دونوں کی جنس مختلف ہے۔ ایسے سودے میں دونوں کا مساوی ہونا بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ اجناس مختلف ہوں تو اُن کے سودے میں حقیقی مساوات شرط نہیں ہے۔ گیہوں کے آٹے کا سودا مکی یا جو کے آٹے سے درست ہے، کیونکہ دونوں کی جنس مختلف ہے۔ یہی حکم دوسری قسم کی اجناس کا ہے جب کہ دونوں کی اجناس مختلف ہوں۔ ان میں مساوی ہونے کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بتایا گیا۔

چھلکا اتارے ہوئے یا کٹے ہوئے لوبیا کی مثال بھی آٹے کی سی ہے، یعنی ان کا سودا ہم جنس کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دھلی ہوئی مسور کا حکم ہے نیز بسکٹ اور سوئیوں کا حکم روٹی جیسا ہے کہ ان اجناس میں سے کسی شے کا سودا اُسی جیسی شے کے ساتھ جائز نہیں ہے، کیونکہ ان میں حقیقی طور پر یکسانیت نہیں ہوتی۔ ہاں ایک جنس کی اشیاء کا سودا دوسری جنس کے ساتھ صحیح ہے جب کہ دونوں دوسری شرطیں یعنی تقابض اور حلول پائی جائیں (یعنی اسی جگہ اور دست بدست سودا ہو)۔

واضح ہو کہ اجناس کا باہم متحد یا مختلف ہونا جن امور سے معلوم ہوتا ہے وہ امور تفصیل طلب ہیں۔[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اجناس کا اختلاف تین طرح سے پہچانا جاتا ہے :

ایک تو یہ کہ اُن دونوں کی اصل مختلف ہو ، مثلاً ایک وہ سرکہ ہے جسے دقل (بفتح دال وقاف) کہتے ہیں۔ یہ گلی ہوئی کھجور سے تیار ہوتا ہے اور ایک وہ سرکہ ہے جو نشارۃ الخشب (لکڑی کے برادے) سے بنتا ہے ۔ ان دونوں کی جنس مختلف ہے ، اگرچہ وہ دونوں سرکہ کہلاتے ہیں لیکن اصل چیز جن سے وہ بنے ہیں وہ مختلف ہیں ۔ اسی طرح گائے کا گوشت اور بھیڑ کا گوشت کہ دونوں مختلف جنسیں ہیں ، اگرچہ گوشت دونوں ہی ہیں ۔

دوسرے یہ کہ وہ مال جس کا سودا کیا جا رہا ہے وہ مختلف اغراض کے لیے ہو ، جیسے بھیڑ کی اُون اور بکری کے بال کہ بکری کے بال کو جس غرض سے لیا جاتا ہے وہ بھیڑ کی اُون سے مختلف ہے ۔ بخلاف اُن کے گوشت کے کہ وہ ایک ہی جنس متصور ہوں گے (کیونکہ دونوں کا مقصد ایک یعنی کھانا ہے) ۔

تیسرے یہ کہ ان میں سے ایک ایسی چیز ہو جس میں کام زیادہ کرنا پڑا ہو ، جیسے روٹی اور گندم کہ دونوں مختلف جنسیں ہیں ، کیونکہ روٹی پکانے (میں زیادہ کام کرنا پڑا ہے اور اس) سے جو نئی بات پیدا ہوگئی ہے اُس کے باعث اُس کی صفت بدل گئی (اور وہ گندم سے مختلف جنس بن گئی) ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اور گندم دو مختلف اجناس ہیں کیونکہ ان دونوں کی اصل بذات خود دوسری سے مختلف ہے ۔ علاوہ اس کے ان دونوں کی غرض بھی مختلف ہے، کیونکہ گندم نشاستہ ، بسکٹ اور کیک بنانے میں کام آتا ہے ؛ جو میں یہ صلاحیت نہیں ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ اشیاء جن کی اصل ایک ہو اور ایک ہی نام سے پکاری جائیں ، وہ سب ایک ہی جنس ہیں ، قطع نظر اس کے کہ وہ مختلف اغراض کے لیے استعمال کی جائیں یا ایک ہی مقصد کے لیے ۔ اول الذکر کی مثال گندم ہے کہ اس کی بہت سی قسمیں ہیں، جیسے پاکستانی ، صعیدی ، بعلی ، بحیری ، ←

← آسٹریلوی ، ان تمام اقسام کی گندم کو گندم ہی کہا جاتا ہے، لہٰذا وہ سب ایک ہی جنس ہیں - اسی طرح نمک ہے کہ اُن کی بھی کئی قسمیں ہیں ، مثلاً رشیدی ، منزلاوی ، دمیاطی ، لیکن اُن سب کے لیے ایک ہی لفظ نمک مستعمل ہے، لہٰذا وہ ایک ہی جنس ہیں - اور اس میں شک نہیں کہ گندم اور نمک جس غرض سے استعمال ہوتے ہیں وہ ایک ہی ہے ، اگرچہ ان میں سے بعض گندم دوسری قسم کی گندم سے ممتاز ہو -

دوسری مثال جس میں دو (متحد الاصل) اشیاء کے استعمال کی اغراض مختلف ہوں مثلاً تلی کا تیل ہے کہ کبھی اُسے چنبیلی سے نسبت کرکے چنبیلی کا تیل کہا جاتا ہے اور کبھی گلاب سے نسبت دے کر گلاب کا تیل کہا جاتا ہے اور کبھی بنفشہ کی نسبت سے بنفشہ کا تیل کہا جاتا ہے اور اُسے مختلف خوشبوؤں کی غرض سے کام میں لایا جاتا ہے اور اُس کے استعمال کی اغراض مختلف ہوتی ہیں ، حالانکہ اصل سب کی ایک ہے ، لہٰذا وہ ایک ہی جنس قرار پائے گی - اور یہ جو تلی کے تیل کی بجائے اُس کا نام چنبیلی ، گلاب یا بنفشہ کا تیل کہا جاتا ہے یہ صرف اُس کی خوشبو کے اعتبار سے ہے جس کی نسبت سے اُس کو یہ نام دیا گیا ہے ، لہٰذا (اس نام کی تبدیلی سے) وہ ایک ہی جنس کی شے ہونے سے خارج نہیں ہو جاتا ، یعنی وہ تیل کا تیل ہی متصور ہوگا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ دو اشیاء کا ہم جنس ہونا اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ اُن کا نفع یکساں ہو یا یکساں ہونے کے برابر ہو، لہٰذا نمک کی اگرچہ رشیدی وغیرہ اقسام ہیں لیکن (ان میں سے ہر ایک قسم کے نمک کا) مقصد ایک ، یعنی غذا کی اصلاح ہے - اور گندم اگرچہ پاکستانی ، مصری وغیرہ اقسام کی ہوتی ہیں لیکن نفع کے اعتبار سے وہ ایک ہی شے ہے - اور جو اور گندم ایسی اشیاء ہیں کہ اُن کے منافع قریب قریب ایک جیسے ہیں ، یعنی یہ کہ دونوں کو بطور غذا کے استعمال کیا جاتا ہے - اور اجناس کی اصل جن سے وہ شے تیار کی جاتی ہے اگر مختلف ہو تو وہ جنسیں بھی مختلف ہوں گی ، مثلاً سرکہ جو مختلف قسم کی اشیاء سے تیار کیا جاتا ہے لیکن اُن سب سے غرض ایک یعنی وہ ترشی ہے جو لکڑی کے برادے سے تیار کیے جانے والے اور کھجور سے تیار ہونے والے سرکہ میں یکساں ←

ایسی اشیاء جن کا لین دین پیمانوں کے ذریعے اور وزن کے ذریعے ہوتا ہے اُن کا جاننا اُس دستور پر موقوف ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھا - اس مسئلہ کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو - [1]

← پائی جاتی ہے ، لہذا وہ سب سرکے ایک جنس کی اشیاء متصور ہوں گے (کیونکہ اصل غرض کھٹاس، لکڑی کے برادے سے تیار ہونے والے اور کھجور سے بننے والے دونوں طرح کے سرکوں میں موجود ہے - ہاں اگر ان کی اغراض مختلف ہوں تو اُن کی جنس بھی مختلف ہوں گی ، جیسے تلی کا تیل یا قرطم (سورج مکھی کے بیجوں) کا یا خس کا یا بنولے کا تیل کہ یہ سب مختلف جنس کی اشیاء ہیں ، لہذا ان کا سودا بھی مقدار میں کمی بیشی سے کرنا دست بدست صحیح ہے ، کیونکہ یہ سب تیل ہونے کی حیثیت سے اگرچہ ایک ہیں ، لیکن ان کی اغراض اور اصل بھی (جن سے یہ نکالا جاتا ہے) مختلف ہیں - شیرے کا حکم بھی تیل کی مانند ہے ، کیونکہ وہ گنے کے رس کا بھی ہوتا ہے اور چقندر کا بھی اور شہد کی مکھی کا بھی کہ یہ سب مختلف اجناس ہیں - اور شیرہ و شکر بھی دو مختلف جنسیں ہیں ؛ ان کی تفصیل اپنی جگہ پر آ رہی ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ دو غذائی اشیاء کا ہم جنس ہونا یہ ہے کہ دونوں کا ایک مخصوص نام ہو جس میں وہ دونوں حقیقی معنوں میں مشترک ہوں - مثلاً پاکستانی گندم اور آسٹریلوی گندم ، کہ اس (اناج) کا خاص نام گندم ہے اور اس نام میں حقیقی (یا وضعی) طور پر دونوں مشترک ہیں - لیکن ایسا نام جو عام ہے مثلاً 'دانہ' کہ وہ نوع گندم کے لیے خاص نہیں ہے ، لہذا (تمام دانوں کو) ایک جنس شمار نہ کیا جائے گا ، کیونکہ اس میں مکی اور دوسرے اناج بھی شامل ہیں - اسی طرح وہ اشیاء جو لفظی طور پر مشترک ہوں (حقیقت میں ایک نہ ہوں) جیسے 'بطیخ' جو 'بطیخ اخضر' (خربوزہ) اور بطیخ اصفر (پھوٹ) کے لیے مستعمل ہے - لیکن یہ اشتراک لفظی ہے، درحقیقت وہ دونوں مختلف اشیاء ہیں، لہذا یہ دو مختلف الجنس اشیاء ہوں گی -

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ کیلی اشیاء (یعنی جن کی مقدار کا تعین پیمانوں سے کیا جاتا ہے ، ان میں اُن اشیاء کو مانا جائے گا جن کا لین دین اہل حجاز پیمانوں ←

← کے ذریعہ کرتے ہیں - حجاز سے مراد مکہ ، مدینہ ، یمامہ اور اُس کے متعلقہ دیہات طائف ، جدہ ، خیبر ، ینبع ہیں - پس جن اشیاء کا لین دین اہل حجاز ، پیمانے سے کرتے ہیں ان کو مکیل مانا جائے گا گو بعد میں اُن کا لین دین وزن کرکے یا گنتی سے ہونے لگے - غرض جن اشیاء کو عہد نبوی میں پیمانے سے ناپا جاتا تھا اُس کی معیاری مقدار پیمانہ ہے ، گو جس پیمانہ سے عہد نبوی میں ناپا جاتا تھا اُس پیمانے کو استعمال نہ کیا جاتا ہو - اسی طرح جس شے کا عہد نبوی میں وزن کیا جاتا تھا اُس کی مقدار کا معیار وزن ہے اگرچہ لوگوں نے اس معیار کو ترک کر دیا ہو - اب رہیں وہ اشیاء جن کا طریق اندازۂ مقدار عہد نبوی کا معلوم نہ ہو یا حجاز کے علاوہ کسی اور جگہ اس کا استعمال ہوتا ہو یا خود حجاز ہی میں کسی شے کے لیے کبھی پیمانہ اور کبھی وزن استعمال کیا جاتا ہو ، تو ان صورتوں میں دیکھا جائے گا کہ اگر مال فروخت کے دانے جسامت میں عام کھجور سے بڑے ہیں تو اُس کی مقدار وزن کے اعتبار سے ہوگی ، جیسے اخروٹ اور انڈا ؛ چنانچہ آج کل حجاز میں کھجور سے بڑی جسامت کی اشیاء میں پیمانے کا طریقہ رائج نہیں ہے - لیکن اگر وہ شے کھجور کے برابر یا اُس سے کم جسامت کی ہو ، جیسے بادام ، بندق (ایک پھلی) اور پستہ تو اُس کی خرید و فروخت میں اُس شہر کے رواج پر بھروسا کیا جائے گا -

اس سے معلوم ہوا کہ مکیل اشیاء کا (جو ناپی جاتی ہیں) وزن کرکے سودا نہیں کیا جاسکتا -

یاد رہے کہ اگر کیلی اشیائے بیع پیمانے میں مساوی ہوں اور وزن پر کم و بیش اتریں تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں - اسی طرح موزون اشیاء اگر وزن میں مساوی اور پیمانے میں کم و بیش ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں -

حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی شے کو وزن والی شے قرار دینے کے لیے اس بات پر بھروسا کیا جائے گا کہ مکہ کے اندر اس کا معاملہ عہد نبوی میں وزن کرکے ہوتا ہو - پس جو شے اس وقت وہاں پر وزن کرکے خریدی یا بیچی جاتی ہے اسے موزون (وزن کرکے بکنے والی) شے قرار دیا جائے گا گو بعد میں یہ طریقہ بدل دیا گیا ہو - اسی طرح جس شے کا سودا مدینہ میں پیمانے سے جانچ کر ہوتا تھا وہ مکیل ←

← (یعنی پیمانے میں ناپ کر بکنے والی) شے ہے، جیسا کہ عبدالملک بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''المکیال مکیال المدینہ والمیزان میزان مکۃ'' -

(یعنی پیمانہ مدینہ کا معتبر ہے اور وزن مکہ کا) -

لہٰذا جن اشیاء کا سودا عہد نبوی کے اندر مدینے میں پیمانوں میں ہوتا تھا اس کا سودا پیمانے کی کمی بیشی مقدار کے ساتھ حرام ہے - یہی حکم ان اشیاء کا ہے جن کا لین دین وزن کرکے ہوتا تھا - جس شے کی بابت یہ علم نہ ہو تو اس جگہ کا وہ رواج مانا جائے گا جو وہاں معاملات بیع میں رائج ہے -

حدیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ چاندی سونے کا سودا وزن کرکے ہوتا ہے اور جو یا کھجور کا پیمانوں میں ناپ کر ہوتا ہے ؛ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :

''الذهب بالذهب والفضة بالفضة وزناً بوزن والشعیر بالشعیر مدین بمدین والتمر بالتمر مدین بمدین فمن زاد او ازداد فقد اربی'' -

(یعنی سونے کا سودا سونے سے ہو اور چاندی کا سودا چاندی سے ہو تو دونوں ہم وزن ہوں - دو مد جو کا سودا دو مد جو سے اور دو مد کھجور کا سودا دو مد کھجور ہی سے ہونا چاہیے - اس سے زیادہ لیا دیا تو ربا (سود) ہو جائے گا) - اس حکم سے دوسری اقسام جنس جن کا لین دین پیمانے یا وزن سے ہوتا ہے، معلوم ہوگیا -

وہ اشیاء جن کا معاملہ پیمانوں سے ہوتا ہے وہ یہ ہیں :

گیہوں، جو، آٹے، تمام قسم کے دانے، چونا، گچ، قلعی، کھجور، خرمائے تر، گدرائی کھجور، سنقیل، پستہ، بندق، (ایک درخت کے بیج) بادام، عناب، زرد آلو (خشک)، زیتون، نمک اور مائع اشیاء مثلاً دودھ، دوسرے تیل (یا چکنائیاں) سرکہ، گھی، روغن زیتون، شہد (یا شیرہ) لیکن اس کو بعض اصحاب نے وزن ہونے والی شے قرار دیا ہے - بہرحال ان تمام کا لین دین پیمانے سے ناپ کر ہی ہو سکتا ہے، گو لوگ ان کا سودا وزن کرکے یا گنتی سے کرنے لگے ہوں - ←

وہ اشیاء جن کا لین دین وزن سے ہوتا ہے وہ یہ ہیں :

سونا ، چاندی ، پارہ ، کتان ، (غالباً سن) روئی ، ریشم ، کویہ ابریشم ، پشم اون کتا ہوا اور بن کتا ، موتی ، کانچ ، گل ارمنی جو بطور دوا کام میں آتی ہے ، نیز گوشت ، چربی ، موم ، زعفران ، گل خیرو ، رؤس ، روٹی ، لیکن مالیدہ جو نرم اور ریزہ ریزہ ہو تو وہ مکیل (یعنی پیمانے والی شے) متصور ہوگی ، اور پنیر ، انگور ، مکھن ۔ بعض اصحاب گھی کا سودا وزن کرکے جائز بتاتے ہیں ۔

اب رہیں وہ اشیاء جن کا لین دین نہ پیمانوں میں ناپ کر ہوتا ہے نہ وزن کرکے ، مثلاً کپڑے ، جانور ، اخروٹ ، انڈا ، انار ، ککڑی ، کھیرا ، سبزی ، ترکاری ، بہی ، ناشپاتی ، سیب ، امرود ، شفتالو اور تمام تازہ پھل ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ 'مکیل' اور 'موزون' اشیاء کے طریق شناخت میں مختلف رائیں ہیں ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس بارے میں عام رواج پر بھروسا کیا جائے ، یعنی جہاں پر کسی شے کا لین دین پیمانے میں ناپ کر ہوتا ہے وہ 'مکیل' ہے اور جہاں تول کر ہوتا ہے وہ موزون ہے ؛ قطع نظر اس کے کہ شارع[۴] نے اس شے کے مکیل یا موزون ہونے کی صراحت کردی ہو یا نہ کی ہو ، کیونکہ شارع علیہ السلام نے غذائی اشیاء کی ان اقسام کو جن کا ذکر حدیث میں ہے 'مکیل' (نپ کر بکنے والی) شے اور چاندی سونے کو موزون (تل کر بکنے والی) شے اس زمانے کے عام رواج کے مطابق فرمایا ہے ۔ اب اگر لوگ اس رواج کو بدل کر غذائی اشیاء کا سودا وزن کرکے اور سونے چاندی کو گنتی کرکے کرنے لگیں تو شارع[۴] کے نزدیک بھی اس شے کو ویسا ہی مانا جائے گا اور تب غذائی اشیاء کو (تلنے والی) اور سونے کو (گنی جانے والی) شے قرار دیا جائے گا ۔ بعض اصحاب (اس کے برعکس) کہتے ہیں کہ 'مکیل' اور 'موزون' اشیاء کی تعین کے لیے شارع علیہ السلام کی تصریح پر بھروسا کیا جائے گا، لہٰذا جس شے کی بابت یہ صراحت کی گئی ہے کہ اس کا سودا پیمانوں سے کمی بیشی سے کرنا حرام ہے ، وہ ہمیشہ کے لیے 'مکیل' متصور ہوگی، اگرچہ لوگ پیمانوں سے ناپ کر اس کا سودا نہ کرتے ہوں ، جیسے گندم ، جو ، کھجور ، نمک ۔ اور ایسی شے جس کے بارے میں یہ صراحت آئی ہے کہ اس کا سودا تول کر کمی بیشی کے ساتھ حرام ہے ←

← تو اسے ہمیشہ کے لیے وزن کرکے بکنے والی قرار دیا جائے گا اور وہ 'موزون' کہلائے گی، جیسے سونا اور چاندی - اور جس شے کا سودا عہد نبوی میں جس طرح مسلمان کرتے تھے وہ رسول اللہؐ کی صراحت کے برابر ہے - اس بارے میں دوسرا مسلک مشہور ہے ، تاہم بعض اصحاب نے پہلے مسلک کو ترجیح دی ہے - ضبط مسائل اور تطابق حکم کی سہولت کے لیے یہی مسلک زیادہ موزوں ہے - پس گندم اور جو پر، جن کا ذکر حدیث میں ہے، ہر ایسی شے کو قیاس کیا جائے گا جن کا سودا پیمانہ سے ناپ کر کیا جاتا ہے ، جیسے چاول ، چنے ، برسیم اور میتھی ، نیز دانے کی تمام اقسام جن کا سودا پیمانوں سے کرنے کا رواج ہے - اگر کسی چیز کا سودا وزن سے کرنے کا رواج ہے تو وہ شے 'موزون' (وزن کرکے بکنے والی) اشیاء میں داخل ہے، اور فواکہ کو جن کا سودا وزن کرکے ہوتا ہے تمر (کھجور) پر قیاس کیا جائے گا ، جیسے انگور ، سیب ، انجیر ، کشمش ، ناشپاتی ، اخروٹ اور بادام وغیرہ جن کا سودا تل کر ہوتا ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہم جنس اشیاء معاملہ کی مقداری مساوات کا اندازہ اسی طرح لگایا جائے گا جس طرح شرع میں آیا ہے، یعنی دانوں (والی اشیاء) کا پیمانہ سے ناپ کر اور نقدی ، گوشت ، گھی ، شہد اور روغنیات کا لین دین وزن کرکے کیا جائے گا - لہٰذا گندم کا سودا وزن کرکے ہم وزن گندم کے ساتھ نہیں ہوسکتا اسی طرح سونے کا سودا سونے سے یا گھی کا سودا گھی سے یا شہد کا شہد سے (بغیر ناپے یا وزن کرکے) جائز نہیں ہے - تاہم اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ ناپنے کا برتن اور تولنے کا بٹہ بھی وہی ہو جن کا ذکر مسائل شرعیہ میں آتا ہے ، مثلاً مد (تقریباً ایک سیر کا پیمانہ)، صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر کا پیمانہ) ، وسق (تقریباً بیس سیر کا پیمانہ) ، بلکہ مقدار کا اندازہ کرنے کے لیے وہی پیمانہ اور وزن کافی ہے جس کا لوگوں میں رواج ہے -

اب اگر کسی چیز کے لین دین کا رواج تو پیمانے یا وزن سے ہے اور کوئی شخص ہم جنس اشیاء کا تبادلہ کرنا چاہتا ہو، لیکن اس وقت ناپ تول دشوار ہو، مثلاً سفر کی حالت ہے اور پیمانہ یا ترازو موجود نہیں ہے ، تو ایسی حالت میں اگر ممکن ہو تو مقدار کا اندازہ اکوان طریقہ سے کرلینا چاہیے -

پھلوں کا سودا اسی طرح کے پھلوں سے کرنے، اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ کھجور ایسی اقسام (غذائی) میں سے ہے جس میں بموجب نص حدیث ربا کو دخل ہے، لہٰذا بجز اس کے کہ برابر سرابر اور دست بدست ہو اس کا سودا نہیں ہوسکتا، اور یہ کہ دوسرے فواکہ (خشک میوہ جات) کو کھجور کے مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں اختلاف مسالک تفصیل طلب ہے۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام تازہ پھل سبزی میں داخل ہیں جس میں ربائے فضل کو دخل نہیں ہے، کیونکہ ان کا ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً زرد آلو (یا خوبانی)، شفتالو (یا آڑو)، سیب، کیلا، خربوزہ (یا تربوز)، ککڑی، لیموں، گاجر، اروی، سنترہ، تازہ پھل اور ایسی تمام سبزیاں جن کو رکھا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا ان میں سے ہر شے کا سودا اسی جیسی چیز یا دوسری شے کے برابر سرابر بھی اور کمی بیشی کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن لین دین اسی جگہ ہو جانا چاہیے۔ پس ایسی اشیاء کا ادھار سودا کمی بیشی کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص پانچ تربوز دس تربوز کے عوض فروخت کرے اور شرط یہ ہو کہ یہ دس تربوز بعد میں وصول کیے جائیں گے، کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ غذائی اشیاء کا ادھار سودا جو حرام ہے اس کا سبب صرف یہی ہے کہ وہ غذائی شے ہے؛ اور ہر طرح کی کھجور تازہ ہو یا خشک ان اشیاء میں سے ہے جس میں بموجب نص حدیث ربا کو دخل ہے اور گو ان کی اقسام مختلف ہوں لیکن وہ سب ایک ہیں مثلاً خرمائے زغلول (چھوٹی قسم کی کھجور) اور 'سمان' (موٹی قسم کی) اور اسیوطی (ملی جلی) اور مغربی وغیرہ۔ پس ان کھجوروں کا سودا کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، خواہ مختلف اقسام کی ہوں۔ چنانچہ مثلاً ایک رطل زغلولی (کھجور) کا سودا دو رطل سمانی (کھجور) کے عوض درست نہیں ہے وغیرہ۔ ہاں مساوی مقدار میں اور دست بدست ان کا سودا ہو سکتا ہے۔ کشمش کے مسائل بھی کھجور کی طرح ہیں کہ ان کی مختلف اقسام ایک ہی جنس ہیں جیسے زیب نباتی (ایک خاص قسم کی کشمش) وغیرہ لہٰذا اس کا سودا بھی کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں ہے۔

←

تازہ انگور (کی بابت) جو ہنوز خشک ہو کر منقیٰ نہ بنا ہو اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ان اشیاء میں ہے جن میں ربائے فضل کو دخل ہے لہٰذا ان کی مختلف اقسام مثلاً انگور ازمیری، فیومی، اور امریکی کا سودا کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، تاہم بعض کہتے ہیں کہ اس میں ربائے فضل کو دخل نہیں ہے، کیونکہ وہ بغیر سوکھے ذخیرہ کے قابل نہیں ہیں۔

اس بارے میں کہ آیا تازہ کھجور کا پرانے کھجور کے عوض سودا کیا جا سکتا ہے؟ اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح ہے، اور یہ بھی کہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کا مساوی المقدار ہونا متحقق نہیں ہے۔ ہاں تازہ کھجور سکھا لی جائے تو ایسی ہی سکھائی ہوئی کھجور سے اور خشک شدہ کھجور کا سودا خشک شدہ سے برابر سرابر ہو تو درست ہے۔

خشک میوے جیسے اخروٹ، بادام، خوبانی، حموی یا پاکستانی اور پستہ اور 'بندق' وغیرہ سب مختلف الجنس اشیاء ہیں۔ اس میں از روئے تحقیق ربائے فضل اور ربائے نسیئہ دونوں کو دخل ہے، کیونکہ اس کا ذخیرہ رکھا جاسکتا ہے اور اسے خوراک بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھجور کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے تمام قسم کے فواکہ اور سبزیوں میں جن کو وزن کرکے یا پیمانے سے ناپ کر بیچا جاتا ہے، ربا کو دخل ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

جاننا چاہیے کہ درخت خرما میں لگنے والے تمام کھجور ایک ہی جنس کی شے ہیں اگرچہ ان کی قسمیں مختلف ہوں۔ لہٰذا کھجور کا سودا کھجور سے نہیں کیا جا سکتا تاآنکہ وہ مساوی المقدار اور دست بدست ہو۔ کھجور بڑھیا قسم کی ہو یا گھٹیا قسم کی اس سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ گھٹیا یا بڑھیا ہونے سے وہ اشیاء ربویہ سے خارج نہیں ہو جاتی۔ لیکن اگر یتیم کا مال ہو تو میت کے وصی (یا پسماندگان) کو یہ جائز نہیں ہے کہ یتیم کے ورثہ میں اچھی کھجور آئی ہو تو اسے ردی سے فروخت کردے۔

تازہ کھجور کا سودا خشک کھجور سے درست ہے جیسے بھیگی ہوئی گندم کا سودا خشک کے عوض درست ہے۔ اور تازہ پھل کا خشک پھل کے ساتھ تبادلہ

← تو بدرجۂ اولیٰ درست ہے - نیز بھیگی ہوئی کھجور کا سودا خشک کھجور کے عوض جائز ہے - منقیٰ اور انجیر کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے جس طرح کہ تمام درخت خرما کے کھجور ایک ہی جنس ہیں - چنانچہ انگور ازمیری، امریکی ، بلدی اور فیومی سب ہم جنس اشیاء ہیں؛ ان کا سودا برابر سرابر اور دست بدست کیے بغیر درست نہیں ہے -

اس بارے میں کہ آیا تازہ کھجور کا سکھائے ہوئے کھجور (یعنی کشمش یا منقیٰ) سے تبادلہ درست ہے ؟ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کشمش کو انگور کے عوض برابر سرابر پیمانے میں ناپ کر خریدا یا بیچا جائے تو درست ہے - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ درست نہیں ہے ، کیونکہ دونوں کی مقدار مساوی نہیں ہو سکتی -

یہی حکم ہر ایسے پھل کا ہے جو خشک ہو جاتا ہے جیسے انجیر ، خوبانی ، اخروٹ ، ناشپاتی اور انار کہ ان سب صورتوں میں تازہ پھلوں کو خشک کے عوض اور تازہ کو تازہ کے عوض دونوں طرح سے بیع کیا جا سکتا ہے -

مختلف النوع درختوں کے پھل الگ الگ جنس ہیں - چنانچہ ناشپاتی ، سیب ، شفتالو ، کیلا ، اور خشک میوے سب الگ الگ اجناس ہیں ، لہٰذا ان میں سے کسی شے کا سودا اسی جیسی شے کے عوض برابر سرابر اور دست بدست ہی درست ہے - ہاں ان میں سے ایک جنس کا سودا دوسری جنس سے مقدار کی کمی بیشی کے ساتھ درست ہے لیکن تقابض شرط ہے (یعنی دست بدست ہونا چاہیے) -

چاندی سونے (کے سردوں میں) تقابض یہ ہے کہ مال موجود ہو اور فروخت کنندہ اس کے دام نقد وصول کر لے - لیکن غذائی اشیاء کے سودوں میں تقابض کا مطلب اشیاء خرید و فروخت کی تعیین ہے ، خواہ کوئی شے ہم جنس شے کے عوض میں فروخت کی جائے یا دوسری جنس کے عوض میں - پس اگر سفید رنگ کے کسی کپڑے مثلاً مارکین (یا لٹھے) کا اسی جیسے کپڑے کے عوض سودا کیا جائے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں طرف کی اشیاء کی تعیین کردی جائے اور ان کی تفصیل بتا دی جائے - یہ ضروری نہیں ہے کہ لین دین بھی اسی وقت ہوجائے ، جیسا کہ آیندہ بتایا جائے گا - ←

→ ایسے پھل جن کا سودا گن کر ہوتا ہے جیسے آم اور سنگترہ ان میں سود کو دخل نہیں ہے، لہٰذا ان کی تعداد میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

تربوز، پھوٹ اور خربوزے وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تمام کھجوریں ایک ہی جنس ہیں گو ان کے اقسام مختلف ہوں۔

مختلف انواع کے درختوں کے پھل مثلاً ناشپاتی اور سیب جداگانہ اجناس ہیں کیونکہ ان دونوں کی اصل مختلف ہے۔ اسی طرح شفتالو اور خوبانی جدا جدا مختلف اجناس ہیں ان میں سے ایک جنس کی شے کا سودا اس کی ہم جنس شے کے عوض درست نہیں ہے تاآنکہ برابر سرابر نہ ہو۔

تازہ پھل کا سودا اسی جیسے خشک (پھل) کے عوض درست نہیں ہے، لہٰذا انگور کا سودا کشمش کے عوض صحیح نہیں ہے۔ نہ خشک شدہ کھجور کا سودا تازہ سے اور نہ اعلیٰ قسم کے خرما کا سودا چھوہارے سے ہاں تر کھجور کا سودا اسی جیسی کھجور سے، تازہ انگور کا سودا اسی جیسے انگور سے برابر سرابر درست ہے۔ اسی طرح تازہ زرد آلو (خوبانی کا سودا) اسی جیسے سے درست ہے۔ توت اور انجیر وغیرہ کا سودا بھی اسی طرح برابر سرابر درست ہے۔ لیکن اعلیٰ قسم کی بے گٹھلی کھجور کا سودا گٹھلی والی کھجور سے درست نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام فواکہ اور سبزیوں میں سود کو دخل ہے، کیونکہ اس میں ربا یا حرام ہونے کا سبب موجود ہے۔ یعنی اس کا غذائی شے ہونا۔ جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

یاد رہے کہ ایسی کھجور جو خشک ہو جاتی ہے اس میں برابر سرابر ہونا اس وقت معتبر ہے جب کہ وہ خشک ہو جائے، یعنی مکمل طور پر پھل تیار ہو جائے۔ لہٰذا تر کھجور کا سودا تر کھجور کے عوض درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں باہم برابر ہونا خشک ہونے کے وقت ہی متحقق ہوتا ہے جس کا پتہ اس سے پہلے نہیں چل سکتا۔ ←

گوشت کا سودا اسی جیسے گوشت سے، اور اس کے متعلقہ مسائل

گوشت منجملہ ایسی اقسام کے ہے جس میں بلا اختلاف ربا کو دخل ہے؛ لیکن ان کی اجناس کی تفصیل اور اس کا ہم جنس کے عوض سودا کرنے کے بارے میں اختلاف ہے ۔[1]

← اسی طرح خشک ہونے سے پہلے کھجور کو کھجور کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا ۔ نہ انگور کو انگور کے عوض اور نہ انگور کو کشمش کے عوض فروخت کرنا درست ہے ۔ لیکن ایسے پھل جو خشک نہیں ہو سکتے جیسے وہ انگور جو کشمش (یا منقیٰ) نہیں بنتے یا جیسے ککڑی ان کا سودا ہم جنس اشیاء کے عوض قطعاً نہیں ہو سکتا ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ گوشت کی چار اجناس ہیں :

اول چوپاؤں (حیوان) کا گوشت ، اس کی دو قسمیں ہیں : ماکول (حلال) اور غیر ماکول (حرام) ۔ ماکول کی تمام اقسام ایک ہی جنس ہیں ، خواہ وہ وحشی جانور کا گوشت ہو جیسے جنگلی گدھا ، نیل گائے اور ہرن، یا وحشی کا نہ ہو، جیسے اونٹ ، بھیڑ، بکری اور گائے کا گوشت ۔

دوم پرندے کا گوشت سو تمام پرندوں کا گوشت ایک جنس ہے ، خواہ وہ وحشی پرندے ہوں جیسے گدھ ، عقاب اور کوا یا وحشی نہ ہوں جیسے کبوتر ، مرغی ، مرغابی ، شتر مرغ اور بطخ ۔

سوم بحری جانوروں کے گوشت ۔ مختلف اقسام کی تمام مچھلیوں کا گوشت بھی ایک ہی جنس ہیں حتیٰ کہ ان مچھلیوں کا بھی جو خشکی کے جانوروں کی ہم شکل ہوں جیسے دریائی سانپ ، بحری گھوڑا اور ترسہ (کچھوا) ۔

چہارم ٹڈی کا گوشت کہ بقول راجح یہ اشیائے ربویہ میں ہے ۔

ان چاروں قسم کی اجناس میں سے کسی ایک جنس کے جانور کے گوشت کا سودا اسی جیسے گوشت کے عوض نہیں ہوسکتا جب تک کہ برابر سرابر اور دست ←

← بدست نہ ہو؛ لہٰذا نصف سیر دنبہ کے گوشت کا سودا ایک سیر بکری کے گوشت کے عوض یا گائے کے ڈیڑھ سیر گوشت کے عوض درست نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ مچھلی کے گوشت کو کچھوے کے گوشت کے عوض یا مرغابی کے گوشت کو کبوتر کے گوشت کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا جائے۔ اسی طرح نصف سیر تازہ گوشت کو نصف سیر خشک گوشت کے عوض بیچنا درست نہیں ہے۔ اور ادھار سودا بھی درست نہیں ہے، بلکہ واجب ہے کہ خریدار فروخت شدہ شے کا اور فروخت کنندہ اس کے دام کے لین دین کی تکمیل فوری طور پر ہوجائے۔ ہاں ایک جنس کے گوشت کا سودا دوسری جنس کے گوشت کے عوض کمی بیشی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایک سیر بکری کے گوشت کا تبادلہ مچھلی کے دو سیر گوشت سے کرنا روا ہے۔ اسی طرح گائے کے دو سیر گوشت کے عوض ایک سیر پرندے کا گوشت خریدنا درست ہے۔ تاہم اس کے صحیح ہونے کے لیے مناجزہ (لین دین کی تکمیل) کی شرط ہے۔ مال کے لینے میں کچھ دیر لگ جائے تو مضایقہ نہیں ہے۔

(گوشت کی) مختلف اجناس میں سے اگر ایک خشک ہو اور دوسری تازہ ہو تو بیع درست ہے، لہٰذا گائے کے تازہ گوشت کا سودا خشک مچھلی سے جسے 'بکلاء' (سکھائی ہوئی مچھلی) کہتے ہیں روا ہے، کیونکہ دونوں مختلف اجناس ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایک جنس کے گوشت کا سودا اسی جنس کے عوض جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں:

اول 'مماثلہ' یعنی بائع اور مشتری دونوں کے گوشت میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ نہ ہو۔

دوم 'مناجزہ' یعنی بائع اور مشتری دونوں اپنے اپنے گوشت پر قبضہ کرلیں (ادھار سودا نہ ہو)۔

ایک جنس کے گوشت کا سودا دوسری جنس کے گوشت کے ساتھ ہو تو اس میں صرف ایک شرط ہے یعنی (دست بدست)۔

اب رہا ٹڈی کا مسئلہ، سو اس کے متعلق بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ غذائی اشیاء میں شامل نہیں ہے، لہٰذا اس میں ربا کو دخل نہیں ہے؛ اور بعض ←

→ کہتے ہیں کہ یہ غذا ہے اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے - پس یہ پرندوں کے گوشت سے مختلف ایک جنس ہے ، لہذا اس کا سودا دوسری اجناس مذکورہ کے ساتھ ہو سکتا ہے - البتہ اسی جیسی شے کے ساتھ (یعنی ٹڈی کا سودا ٹڈی کے عوض) صحیح نہ ہوگا بجز اس کے کہ برابر سرابر اور دست بدست ہو -

اب سوال یہ ہے کہ آیا اگر گوشت کو مختلف سبزیوں کے ساتھ مثلاً بھنڈی ، ملوخیہ (غالباً چینی کدو یا Jews' mallo) یا گول کدو میں پکایا جائے تو وہ گوشت کی جنس سے خارج متصور ہوگا یا نہ ہوگا ؟ اور گوشت سے جو مختلف اقسام کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں وہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں ان کو ایک مختلف جنس تصور کیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے -

اگر ہڈی دار گوشت کو بن ہڈی کے گوشت کے عوض فروخت کیا جائے تو اس باب میں قول مشہور یہ ہے کہ دونوں کا وزن مساوی ہونا ضروری ہے اور ہڈی کو نظرانداز کر دیا جائے گا - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس گوشت میں جتنی ہڈی ہے اس کے وزن کا اندازہ لگا کر گوشت کے وزن سے کم کر دیا جائے گا - یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ہڈی ایسی ہو جو چبائی جا سکے جیسے کرکری ہڈی ، اگر وہ ہڈی کھائی نہ جا سکے تو ہڈی‌دار گوشت کو بن ہڈی کے گوشت کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے -

گوشت کا زندہ اور حلال جانور سے تبادلہ کرنا درآنحالیکہ گوشت اسی جیسے جانور کا ہو جیسے مثلاً بکری کے بچہ کا گوشت (زندہ) میمنہ کے عوض درست نہیں ہے - اسی طرح گائے کا گوشت بکری کے بچہ کے عوض وغیرہ درست نہیں ہے کیونکہ کھال اتارنے سے پہلے گوشت کی کیفیت نامعلوم ہوتی ہے اور کھال اتارنے کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے اور معلوم کی فروخت ہم جنس شے نامعلوم الحال کے عوض جائز نہیں ہے، ہاں دوسری جنس کے عوض جائز ہے - تاہم اگر مال فروخت کوئی ایسا زندہ جانور ہو جس کی عمر بڑی ہوتی ہے اور گوشت کے علاوہ اس کے اور بھی متعدد منافع ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو ایسے جانور ، کا سودا گوشت کے عوض نقد اور ادھار دونوں طرح ہوسکتا ہے - ایسے جانور مثلاً اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں ہیں کہ ان کی عمر بڑی ہوتی ہے اور گوشت کے علاوہ آن ←

← کے اور بھی فائدے ہیں چنانچہ اونٹنی کو باربرداری کے کام میں لایا جا سکتا ہے اور دودھ بھی دیتی ہے، اور گائے کو کھیتی باڑی کے کام اور دودھ کے لیے رکھا جاتا ہے اور مادہ بھیڑ بکریوں سے دودھ اور اُون حاصل کیا جاتا ہے۔

اگر جانور ایسا ہو جو زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہے جیسے بعض پالتو پرندے یا ایسا جانور ہو جس کا گوشت کے سوا اور کوئی فائدہ نہ ہو جیسے مینڈھے یا پھر ایسا جانور ہو جس کا گوشت کے علاوہ فائدہ تو ہو لیکن معمولی سا ہو جیسے خصی شدہ نر بکرا کہ یہ ایک ایسا جانور ہے کہ اس سے گوشت کے علاوہ صرف آون کا فائدہ ہے جو سابقۃ الذکر جانوروں کے فائدوں کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے، ایسے جانور کے گوشت کا تبادلہ دست بدست ہو سکتا ہے۔

حلال جانور کے گوشت کا تبادلہ حرام جانور سے جائز ہے جس طرح گائے کو گدھے یا گھوڑے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، تاہم حلال جانور کے گوشت کی فروخت مکروہ جانور کے عوض مکروہ ہے جیسے پرندوں کے گوشت کو بلی یا خرگوش کے عوض بیچنا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ گائے اور بھینس کے گوشت ہم جنس ہیں، اسی طرح بھیڑ اور بکری کے گوشت بھی یکساں جنس ہیں۔ ان کے علاوہ اور مختلف جانوروں کے گوشت جدا جدا اجناس ہیں۔ چنانچہ اونٹ کا گوشت ایک علیحدہ جنس ہے، گو وہ گوشت مختلف قسم، مثلاً بخشی یا عربی اونٹ کا ہو۔ مختلف پرندوں کے گوشت جدا جدا اجناس ہیں۔ یہی حال مختلف قسم کی مچھلیوں کے گوشت کا ہے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک جنس کا گوشت اسی جیسی جنس کے گوشت کے عوض صرف برابرسرابر اور دست بدست ہی فروخت ہوسکتا ہے۔ اور دست بدست فروخت ہونے کے معنے یہ ہیں کہ مال فروخت اور قیمت کا تعین کر دیا جائے، غذائی اشیاء کا اسی جگہ لین دین ہو جانا شرط نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ ہاں ادھار فروخت بغیر تعین اور تخصیص کے حرام ہے، کیونکہ اس کا سودا مقدار میں ہوتا ہے اور اسے تول کر فروخت کیا جاتا ہے گو ان کی اجناس مختلف ہوں اور یہ بات سابقاً بتائی جا چکی ہے کہ وہ اشیاء جن میں صرف مقدار کا لحاظ ہو یا دونوں اشیاء ہم جنس ہوں تو ان کا سودا کمی بیشی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ لیکن ادھار سودا ←

← حرام ہے - پس گائے کے گوشت کا سودا گائے کے گوشت کے عوض کمی بیشی کے ساتھ روا ہے - چنانچہ نصف سیر گوشت سیر بھر گوشت کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے - اور بھیڑ کے گوشت کو گائے کے گوشت کے عوض بڑھوتری کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے - اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ گوشت کو زندہ جانور کے عوض فروخت کیا جائے، خواہ وہ گوشت اسی جیسے جانور کا ہو یا کسی اور جانور کا، کیونکہ وزن کرکے بکنے والی شے کو ایسی شے سے بیچا جا سکتا ہے جو وزن کر کے بکنے والی نہ ہو - ایسا کرنا خواہ کسی طرح بھی ہو جائز ہے - لیکن اس قسم کے تمام سودوں میں جو بڑھوتری کے ساتھ کیے جائیں دست بدست ہونے کی شرط ہے اور دست بدست ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ سودے کی تعیین ہو جائے (کہ یہ شے اتنی اور اتنے میں فروخت ہوئی) -

پرندوں کا گوشت اگر ایسا ہو جو بالعموم وزن کرکے فروخت ہوتا ہے اس میں ربا کو دخل ہوگا چنانچہ ایک ہی جنس کے گوشت کا سودا کمی بیشی کے ساتھ نہیں ہو سکتا - لیکن اگر بغیر وزن کے ان کا سودا ہوتا ہے تو ان کی فروخت برابر سرابر اور کمی بیشی کے ساتھ دونوں طرح سے ہو سکتی ہے - چنانچہ ایک مرغی کو دو مرغی کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے خواہ وہ مرغی ذبح شدہ ہو یا زندہ ہو اور خواہ بریاں ہو یا غیر بریاں - اسی طرح ایک مرغی دو کبوتروں کے عوض فروخت ہو سکتی ہے -

مچھلی اگر تل کر بکتی ہو تو اسی قسم کی مچھلی کو کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا درست نہیں ہے اور ایک مچھلی کو دوسری مچھلی کے عوض برابر سرابر بیچنا درست نہیں ہے - البتہ کسی اور جنس کی مچھلی کو بڑھوتری کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے جیسے قرتور مچھلی کو شلبہ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا - ہاں اگر اس علاقہ کے لوگ مچھلی کو بغیر وزن کیے بیچتے ہوں تو ایک مچھلی کو اس کی ہم جنس مچھلی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کر سکتے ہیں -

حنابلہ کہتے ہیں کہ بھیڑ بکری کے گوشت ایک ہی جنس ہیں اور گائے بھینس کے گوشت بھی ہم جنس ہیں - ان کے علاوہ اور تمام گوشت جو مختلف جانوروں ←

→ کے ہوں اور اُن کے نام مختلف ہوں تو وہ جدا جدا جنس کے ہیں ، لہٰذا ہر قسم کے اونٹ مثلاً عربی یا بختی اونٹوں کا گوشت ایک ہی جنس کا ہے اور گائے کا گوشت بھیڑ کا گوشت مرغی کا گوشت اور بطخ کا گوشت سب الگ الگ جنس کے گوشت ہیں -

ہم جنس اشیاء کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا حرام ہے - ہاں مختلف جنس کی اشیاء کا سودا اس طرح جائز ہے - چنانچہ آدھ سیر بکری کا گوشت گائے کے ایک سیر گوشت کے عوض فروخت کرنا درست ہے - اسی طرح آدھ سیر بکری کی سری اونٹ کی ایک سیر سری کے عوض بیع ہوسکتی ہے، لیکن سودا دست بدست ہونا چاہیے -

چربی ، جگر ، تلی ، سری ، پائے ، دل اور اوجھڑی وغیرہ سب مختلف الجنس اشیاء ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جنس کی بیع اُسی جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ صحیح نہیں ہے ، البتہ دوسری جنس کے عوض اس طرح سودا ہو سکتا ہے -

گوشت کو زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا جب کہ وہ جانور مختلف جنس کا ہو ، خواہ حلال ہو یا حرام ، درست ہے - مثلاً بچھڑے کا گوشت دو بزغالوں کے عوض خریدنا یا اونٹ کا گوشت بچھڑے اور گدھے کے عوض بڑھوتری سے خریدنا - جمہور کے نزدیک اس طرح کا سودا آدھار درست نہیں ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ گائے اور بھینس کا گوشت ایک جنس ہے اور بھیڑ بکری کا گوشت ایک دوسری جنس ہے - لہٰذا ان دونوں جنسوں میں سے کسی جنس کے گوشت کا سودا اُس کے ہم جنس گوشت سے درست نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ برابر سرابر اور دست بدست ہو - لیکن بعض جنسیں ایسی ہیں کہ اُن کا گوشت کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کیا جا سکتا ہے اور اگر گوشت خشک ہو تو اُس میں برابر سرابر ہونے کی شرط کو ملحوظ رکھا جائے گا - اگر گوشت خشک ہو کہ 'قدید' (سکھایا ہوا گوشت) بن جائے تو اُس کو اُسی جیسے گوشت کے عوض بطریق بالا بیع کیا جا سکتا ہے -

گوشت کو کسی زندہ جانور کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا ، خواہ وہ ←

مائع اشیاء کی فروخت ہم جنس اشیاء کے عوض یا اس کے عوض جن سے وہ اشیاء برآمد ہوئیں اور ان کے متعلقہ مسائل

مائع (یعنی رقیق) اشیاء میں دودھ، سرکہ، پانی، تیل اور عرق وغیرہ جیسی اشیاء شامل ہیں۔ ان تمام اشیاء میں ربا کو دخل ہے۔ اسی طرح آن اشیاء میں بھی ربا کو دخل ہے جن سے یہ رقیق اشیاء برآمد ہوں۔ ان میں سے ایک جنس کی شے کا اُسی جیسی جنس کے عوض یا کسی دوسری جنس کے عوض معاملہ

← اُسی جنس کے جانور کا گوشت ہو یا دوسری جنس کا اور خواہ حلال ہو یا نہ ہو، لہٰذا بکری کا گوشت زندہ بکری کے عوض بیچنا دوست نہیں ہے۔ اور نہ مچھلی یا یا گدھے کے عوض درست ہے۔

چکتی، چربی، جگر، تلی اور گردے کے مسائل بھی گوشت کے مسائل کی مانند ہیں، یعنی ان کو بھی زندہ جانور کے عوض بیع نہیں کیا جا سکتا۔

یہ تمام اشیاء مختلف الجنس ہیں گو ایک ہی جانور کی ہوں، لہٰذا چکتی کو چربی کے عوض یا جگر، تلی یا گردے کے عوض خشک ہونے کے بعد بھی کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے۔ یہی حکم پائے، مغز، اوجھڑی، دل، سری اور کوہان وغیرہ کے گوشت کا ہے۔ کہ یہ سب مختلف الجنس اشیاء ہیں؛ ان پر وہی پہلا حکم لاگو ہوتا ہے۔

اب رہے دریائی جانور سو ایسے جانور جو مچھلی کی شکل کے ہیں جیسے حوت (عام مچھلی) لبیس (ایک کانٹے دار مچھلی) مرجان (غالباً پمفلٹ)، بلطی یا بوری (بحری مچھلیوں کی قسمیں) وغیرہ، ان سب کی بابت کہا جاتا ہے کہ ایک جنس ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مختلف الجنس ہیں۔ یاد رہے کہ ایک جنس کی اشیاء بھی جنگلی یا پالتو ہونے کے اعتبار سے مختلف الجنس اشیاء شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ مثلاً صحرائی گائے (نیل گائے) اور پالتو گائے مختلف الجنس اشیاء ہیں۔ اور دو مختلف الجنس جانوروں کے میل سے جو پیدا ہو وہ تیسری (جداگانہ) جنس ہے۔

کرنے اور اس کے متعلقہ امور میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ مائع اشیاء کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا اُس شے کے مختلف ہونے پر منحصر ہے جس سے وہ مائع شے برآمد کی جائے - لہٰذا کسی ایک جنس سے نکلی ہوئی رقیق شے دوسری جنس سے نکلی ہوئی رقیق شے سے مختلف الجنس متصور ہوگی - چنانچہ مثلاً تلی کا تیل تخم کاہو کا تیل اور روغن زیتون وغیرہ سب جدا جدا اشیاء ہیں - لہٰذا ان میں سے ایک شے کی فروخت اُسی جیسی شے کے ساتھ دست بدست ہو تو جائز ہے - اور دو مختلف الجنس اشیاء کا سودا کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے ، بشرطیکہ دست بدست ہو، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا - البتہ مچھلی کا تیل کسنبھ کا تیل ، اور السی کا تیل اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ، کیونکہ ان اشیاء میں ربا کو دخل نہیں ہے ، پس ان اشیاء کی فروخت ہم جنس شے کے عوض یا دوسری جنس کی شے کے عوض مطلقاً روا ہے - یہی حکم ارنڈی کے درخت اور اُس کے بیج کا ہے - لیکن ارنڈی کا تیل ربوی اشیاء میں ہے - اگر مشک ، گلاب ، السی اور قرطم ، بضم قاف (یعنی کسبنھ) کی کھلی ایسی اشیاء ہیں جن میں سود کو دخل نہیں ہے - پس ان میں کسی شے کو اُس جیسی شے کے عوض فروخت کرنا بہرصورت جائز ہے -

تل اور کاہو وغیرہ کے تیل کی گاد (یا کھلی) مختلف جنس کی اشیاء ہیں لہٰذا ان کا سودا ہم جنس اشیاء سے کیا جا سکتا ہے ، بخلاف طحینہ کے (طحینہ پھوک ہے یا گجک وغیرہ کی قسم ہے) کہ اس کے مسائل آٹے کے مسائل کی مانند ہیں - لہذا ان کو ہم جنس شے کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ ان کے اجزا باہم یکساں نہیں ہوتے - اور ان کی فروخت دراہم (سکوں) کے عوض بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ان میں ملاوٹ ہونے کے باعث مال فروخت کی تعیین نہیں ہوسکتی -

اگر تیل کی کسی ایک قسم کے ساتھ دوسرے اقسام کے تیل ملا دیے جائیں تو اس کی وجہ سے وہ سب تیل متعدد اجناس بن جائیں گے - پس اگر تلی کے تیل میں روغن بنفشہ ، یا روغن گلاب یا چمبیلی کا تیل آمیز کر دیا جائے تو جائز ہو گا کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے تیل کے ساتھ کمی بیشی سے فروخت کیا جائے -

←

→ سرکہ کا مسئلہ بھی تیل کی مانند ہے کہ اگر سرکے مختلف اشیاء سے تیار کیے جائیں تو تمام اقسام کے سرکے مختلف الجنس اشیاء قرار پائیں گے - چنانچہ انگور کا سرکہ کشمش یا کھجور کے سرکے سے مختلف شے ہے - اب اگر سرکہ میں پانی نہ ملایا گیا ہو تو ان میں سے ہر ایک جنس کے سرکہ کا سودا ہم جنس سرکہ کے عوض برابر سرابر اور دست بدست ہو سکتا ہے اور ایک قسم کا سرکہ دوسری قسم کے سرکہ سے کمی بیشی کے ساتھ تحت شرایط مذکورہ سابقہ خرید و فروخت کیا جا سکتا ہے - اگر ایک سرکہ میں پانی ملا ہوا ہو تو اس کو اسی قسم کے سرکہ کے عوض بیع نہیں کیا جا سکتا، ہاں پانی ملے ہوئے سرکہ کا سودا کسی اور قسم کے سرکے سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب سرکہ میں پانی مل جائے تو وہ اس جیسے دوسرے سرکہ کا ہم جنس نہیں رہتا ، خواہ بقول معتمد وہ ملایا ہوا پانی میٹھا پانی ہو یا نہ ہو - یہی حکم ایسے عرقوں کا ہے جو مختلف قسم کی چیزوں سے نچوڑا جائے کہ مختلف اشیاء سے نچوڑے ہوئے عرق (یا رس) مختلف الجنس اشیاء شمار ہوں گے - چنانچہ عرق انگور ، عرق خرما ، عرق انار اور گنے کا رس وغیرہ سب ایک دوسرے سے مختلف اشیاء ہیں اور ان کے مسائل وہی ہیں جو اوپر بتائے گئے -

انگور کے عرق یا (رس) کو انگور کے عوض فروخت کرنا درست نہیں ہے؛ اسی طرح انگور کا سرکہ بھی انگور سے فروخت نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شے کسی چیز سے نکالی جائے اسے نہ خود اس چیز کے عوض بیچا جا سکتا ہے اور نہ اس چیز کی کسی شے کے عوض جس سے وہ شے نکالی گئی ہے - تاہم انگور کے سرکہ کو خود انگور کے عوض یا انگور کے رس کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں مختلف الجنس ہیں - پس کھجور کے شیرے کو کھجور کے عوض نہیں بیچا جا سکتا، البتہ کھجور کے سرکہ کی فروخت اس کے شیرے کے عوض ہو سکتی ہے -

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکہ دراصل شیرہ (یا رس) ہی ہوتا ہے تو یہ فروخت کیسے درست ہوسکتی ہے جب کہ کسی شے کو اس کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا - اس کا جواب یہ ہے کہ سرکہ شیرہ پر مشتمل ←

← نہیں ہوتا ، قطع نظر اس کے کہ ان دونوں اشیاء کے نام اور خاصیت میں بہت بڑا فرق ہے -

کشمش کو انگور کے سرکہ یا اس کے شیرے کے عوض فروخت کرنے کے باب میں کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ صحیح ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے -

اب رہا دودھ سو اس کی مختلف قسمیں ہیں ، مثلاً سادہ دودھ، رڑکا ہوا دودھ ، دہی اور چھاچھ - ان میں سے تمام اقسام کی شے کو اسی جیسی شے سے ناپ کر فروخت کرنا صحیح ہے - اس کی دو شرطیں ہیں :

ایک شرط تو یہ ہے کہ اس میں پانی کی آمیزش نہ ہو ، کیونکہ یہ بات سابقاً بتائی جا چکی ہے کہ پانی کی آمیزش سے دونوں کا یکساں (برابر) ہونا ممکن نہیں رہتا - مزید براں جب دودھ میں پانی ملا دیا جائے تو اس کی فروخت (بطور دودھ کے) بہرحال صحیح نہیں ہے ، یہاں تک کہ نقدی سے بھی اسے نہیں خریدا جا سکتا ، کیونکہ اس صورت میں فروخت ہونے والی شے (کی مقدار) مبہم اور نا معلوم ہوتی ہے (یعنی یہ نہیں معلوم کہ کس قدر دودھ کا سودا ہوا ہے)

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دودھ آگ پر ابالا نہ گیا ہو - اگر دودھ کو جوش دیا گیا تو ایسے دودھ کا دوسرے ابالے ہوئے دودھ سے سودا کرنا درست نہیں ہے ، کیونکہ ممکن ہے کہ ابلنے میں ایک دودھ کی مقدار دوسرے سے سوخت ہو جانے کے باعث کم ہو گئی ہو - ہاں نیم گرم ہو تو تبادلہ میں مضایقہ نہیں ہے (کیونکہ اس میں کمی بیشی کے بہت معمولی سے فرق کا امکان ہے)

اس کے علاوہ دودھ سے بنی ہوئی اور چیزیں مثلاً شیر بستہ ، پنیر، مکھن، نمک ڈال کر پھاڑا ہوا دودھ جس سے ''کشک'' (یا ربڑی) بنائی جائے (کشک ایک غذا ہے جو دودھ اور ستو کے خمیر سے بنائی جاتی ہے) ان میں سے کسی چیز کو بھی اسی جیسی چیز سے فروخت نہیں کیا جا سکتا ، یعنی دہی کو دہی کے عوض ، پنیر کو پنیر کے عوض، یا مکھن کو مکھن کے عوض فروخت نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ پنیر میں نمک ہوتا اور جبن (شیر بستہ غالباً کسٹرڈ) ←

← میں خوشبو اور نمک کی بھی آمیزش ہوتی ہے - اور مکھن میں تھوڑی بہت بلوئے ہوئے دودھ کی ملاوٹ ہوتی ہے ، لہٰذا اس کی فروخت اس جیسی چیز سے نہیں ہو سکتی، بلکہ نقدی کے عوض بھی نہیں ہو سکتی ، کیونکہ اس میں ملاوٹ ہو جانے کے باعث فروخت شدہ کی مقدار کا علم نہیں ہوتا - ہاں ان اشیاء میں سے ہر ایک کی فروخت دوسری جنس کی اشیاء سے ہو سکتی ہے ، درآنحالیکہ دوسری چیز اس سے بنی ہوئی نہ ہو - چنانچہ دہی کی فروخت دودھ کے عوض جائز نہیں ہے - اسی طرح پنیر کو مکھن کے عوض نہیں بیچا جا سکتا ، کیونکہ وہ بھی دودھ سے بنتا ہے - ہاں ان میں سے ہر ایک کا دوسری جنس کے عوض لین دین ہو سکتا ہے تا آنکہ ملونی اتنی زیادہ نہ ہو کہ بیع کے مقصد کا پتہ نہ چلے ؛ ایسا ہوا تو بیع درست نہ ہو گی - اور بقول معتمد گھی کا سودا گھی کے عوض ہو سکتا ہے ، بشرطیکہ جما ہوا ہو تو تول کر اور رقیق ہو تو ناپ کر سودا کیا جائے - البتہ گھی کو نہ مکھن کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ دودھ کے عوض ، کیونکہ گھی اسی سے بنتا ہے -

میٹھا پانی (یعنی پینے کا پانی) بھی ایسی اشیاء میں ہے جن میں ربا کی گنجائش ہے ، کیونکہ یہ غذائی اشیاء میں داخل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"من لم یطعمہ فانہ منی"

(یعنی جو شخص اس پانی کو طعام نہ بنائے گا وہ ہی میرا بندہ شمار ہو گا) پس پانی کا سودا پانی کے عوض درست ہے ، در آنحالیکہ برابر سرابر اور دست بدست ہو -

شہد جو شکر سے بنایا جائے وہ شکر سے مختلف جنس متصور ہو گا اور شہد کی مکھی والا شہد ایک جدا گانہ شے ہے - ہر قسم کے شہد کا سودا اسی قسم کے شہد سے کیا جا سکتا ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ مختلف اشیاء سے نکلی ہوئی رقیق اشیاء بھی ان اشیاء کی طرح مختلف الجنس ہوتی ہیں - چنانچہ تل کا تیل ، زیتون کا تیل، کھجور کا سرکہ ، انگور کا سرکہ ، شہد کی مکھی والا شہد اور شکر سے بنایا ہوا شہد سب الگ الگ اشیاء ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک جنس کی فروخت اس کی ہم جنس ←

→ شے سے ہو سکتی ہے ، مگر برابر سرابر اور دست بدست - باقی دوسری قسم کی اشیاء سے کمی بیشی کے ساتھ سودا ہو سکتا ہے ، البتہ انگور کے سرکہ کا معاملہ زیتون کے سرکہ کے عوض درست نہیں نہ برابر سرابر نہ کمی بیشی کے ساتھ، کیونکہ زیتون کے سرکہ میں پانی کی آمیزش ناگزیر ہے -

"دبس" (شیرۂ خرما) کا تبادلہ اسی جیسے شیرے کے ساتھ درست ہے - دبس سے مراد وہ شیرہ ہے جو شہد کی طرح کھجور سے بہتا ہے - اس کی بیع ہم جنس کے ساتھ دست بدست ہونی چاہیے - اگر یہ شیرے مختلف الجنس ہوں تو ان کا سودا کمی بیشی کے ساتھ ہو سکتا ہے ، البتہ شہد کا سودا اسی جیسے شہد سے درست نہیں ہے، خواہ اس میں موم کی آمیزش ہو یا نہ ہو-

گھی کا تبادلہ گھی سے درست ہے ، البتہ مکھن کا سودا نہ گھی سے ہوسکتا ہے اور نہ دودھ سے ،کیونکہ وہ دونوں ایک ہی چیز (دودھ) سے بنتی ہیں اور کسی شے کا سودا اس کی اصل سے (جس سے وہ شے بنی ہو) درست نہیں ہے - اسی طرح پنیر اور دہی کی بیع دودھ کے عوض نہیں ہو سکتی ، لیکن ایک جنس کی شے کو دوسری جنس کی شے کے عوض بیع کرنا درست ہے ، درآنحالیکہ وہ دوسری جنس اس بنی ہوئی نہ ہو لہٰذا مکھن کو مخیض (مکھن نکالے ہوئے دودھ یا چھاچھ) کے عوض دست بدست فروخت کرنا صحیح ہے ، کیونکہ دونوں اجناس مختلف ہیں اور لسی مکھن کی اصل نہیں ہے (یعنی لسی میں مکھن نہیں ہوتا ، بلکہ دودھ میں ہوتا ہے)

ایک جیسی چیز سے نکلے ہوئے رسوں کا باہم تبادلہ کیا جا سکتا ہے ، چنانچہ انگور کے شیرے کو انگور کے شیرے سے بیع کیا جا سکتا ہے ، بشرطیکہ دونوں کو پکا لیا گیا ہو - ہاں اگر ایک پکایا ہوا ہو اور دوسرا نہ ہو تو درست ہے -

اگر کسی ایک جنس کی شے میں دوسری چیز کی برائے نام آمیزش ہو جیسے آٹے میں نمک تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے - اس صورت میں ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں حرج نہیں ہے - اسی طرح کھجور یا کشمش کے سرکہ میں اگر پانی کی آمیزش کی جائے تو کوئی مضایقہ نہیں کیونکہ وہ پانی بہت تھوڑا سا ←

←ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک جنس کا سودا ہم جنس شے سے کرنے میں حرج نہیں ہے ، کیونکہ وہ پانی جو سرکہ کے لیے ملایا جاتا ہے وہ بذات خود مقصود نہیں ہوتا (بلکہ وہ سرکہ کی تیاری کے لیے ہوتا ہے) بخلاف دودھ کے جس میں ملایا جائے پس پانی ملائے ہوئے دودھ کا سودا دودھ سے نہیں ہو سکتا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ رقیق اشیاء اگر مختلف‌الجنس اشیاء سے نکلی ہوں تو وہ مختلف الجنس ہیں، لہٰذا تلی کا تیل ، خس کا تیل، زیتون وغیرہ کا تیل الگ الگ اجناس ہیں۔ ان میں سے ہر جنس کی خرید و فروخت اس کی ہم جنس شے سے برابر سرابر ہو سکتی ہے اور غیر جنس اشیاء سے کمی بیشی کے ساتھ ہو سکتی ہے بشرطیکہ اشیاء مبادلہ کا تعین ہو جائے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ہر چیز کا سودا اس شے سے ہو سکتا ہے جس سے وہ چیز نکلی ہو؟ مثلاً تلی کے تیل کی تل سے یا شیرۂ انگور کی انگور سے اور گھی کی دودھ سے بیع درست ہے یا نہیں ؟ جواب یہ ہے کہ اگر اس چیز کی خالص مقدار سے زیادہ اصل کے اندر (جس سے وہ شے برآمد ہوئی ہے) موجود ہے تب تو بیع درست ہو گی ، لیکن اگر کم ہو یا برابر ہو یا مقدار معلوم نہ ہو تو یہ سودا درست نہ ہو گا ، چنانچہ اگر مثلاً پانچ سیر روغن کنجد دو کیل (پیمانہ) کنجد کے عوض فروخت کیا جائے تو دیکھنا ہو گا کہ دو کیل کنجد میں پانچ سیر روغن کنجد سے زیادہ ہے تو یہ معاملہ درست ہے ورنہ نہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ تیل نکالنے کے بعد جو گاد یا تلچھٹ رہ جاتی ہے وہ کارآمد ہو اور کچھ مالیت رکھتی ہو ، جیسے تل کی کھلی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کی کوئی مالیت نہ ہو جیسے مکھن کا سودا گھی کے عوض سو یہ درست نہیں ہے ، کیونکہ مکھن کو پگھلا کر جب گھی بنایا جاتا ہے تو اس کا فضلہ جو باقی رہ جاتا ہے وہ نہ کارآمد ہوتا ہے اور نہ اس کی کچھ قیمت ہوتی ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ خالص گھی جو اس میں بغیر تلچھٹ کے ہے وہ اس گھی کے برابر ہے جس کے ساتھ فروخت کیا گیا تو یہ سودا درست ہو گا۔ اسی طرح اگر پانچ سیر دودھ کا سودا ایک سیر گھی سے کیا تو یہ درست ہو گا، بشرطیکہ دس سیر دودھ میں گھی کی مقدار ایک سیر سے کم ہو۔ اگر دودھ میں سیر بھر سے←

← زیادہ گھی ہو تو یہ فروخت صحیح نہ ہو گی ، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ دودھ کی تلچھٹ جسے مکھن کہتے ہیں وہ کارآمد ہے یا کچھ مالیت رکھتی ہے - اس حکم کا سبب ظاہر ہے کہ اصل شے میں ایسی چیز زیادہ ہے جو کارآمد ہے مثلاً اس کی تلچھٹ - پس لازم ہے کہ اس زیادتی کے عوض کسی شے کو محسوب کیا جائے - چنانچہ اگر تل کو اس قدر تیل سے فروخت کیا جائے جتنا کہ اس تل کے اندر موجود ہے تو تل کا پھوک فالتو رہ گیا - لیکن اگر وہ پھوک (یا تلچھٹ) قطعاً کارآمد نہ ہو جیسے نچڑے ہوئے انگور کا پھوک ہوتا ہے تو اس صورت میں انگور کو اس کے رس کے عوض بیچنا صحیح ہے درآنحالیکہ اس کی مقدار انگور میں موجودہ رس سے زیادہ نہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ انگور میں جس قدر رس ہے وہ اس رس کے برابر ہے جسے انگور کے عوض خریدا ہے -

اگر کسی قسم کے تیل میں کچھ اور آمیزش کر دی جائے تو وہ مختلف شے بن جائے گی مثلاً تلی کے تیل میں بنفشہ ، چمبیلی یا گلاب کا تیل ملا دیا جائے تو وہ سب تیل جدا جدا اشیاء بن جائیں گے ، جیسا کہ متحد الجنس اشیاء کی شناخت کے بیان میں سابقاً بتایا گیا -

سرکہ کے متعلق مسائل (خرید و فروخت) وہی ہیں جو تیل کے ہیں کہ جن مختلف اشیاء سے سرکے بنائے گئے ہیں انہیں کے مطابق وہ مختلف اشیاء متصور ہوں گے - چنانچہ انگور کا سرکہ اور دقل (یعنی گلی ہوئی املی) کا سرکہ الگ الگ اشیاء ہیں لہٰذا ان کا معاملہ کمی بیشی کے ساتھ درست ہے اور ان میں سے ہر ایک کی بیع اس کے ہمجنس کے ساتھ برابر سرابر درست ہے - تاہم یہ یاد رہے کہ سرکہ کی فروخت شیرہ کے عوض بڑھوتری کے ساتھ درست نہیں ہے ، کیونکہ رس ایک مدت کے بعد سرکہ بنتا ہے ، لہٰذا اس صورت میں گویا اس سرکہ کو بڑھوتری کے ساتھ اسی جیسی شے کے عوض فروخت کرنا ہوگا (جو امر ناجائز ہے) -

اسی طرح آدھ سیر خوشبودار تیل کا سودا آدھ سیر سادہ تیل کے عوض درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں گویا نصف سیر تیل کو اسی کے برابر ←

← تیل کے عوض خوشبودار شے کی زیادتی کے ساتھ فروخت کیا گیا (جو درست نہیں ہے)

دوہے ہوئے (یعنی خالص) دودھ کا اسی جیسے دودھ کے عوض برابر سرابر سودا ہو سکتا ہے ۔ البتہ دودھ کو دہی کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ یہ دونوں مختلف اشیاء ہیں ۔ اور خالص دودھ کو رڑکے ہوئے دودھ کے عوض سودا اس صورت میں درست ہوگا جب کہ رڑکے ہوئے دودھ کی مقدار زیادہ ہو ، ورنہ نہیں ۔ چنانچہ ایک سیر رڑکے ہوئے دودھ کے عوض نصف سیر خالص دودھ کا سودا درست ہے ۔ اس کے برعکس ہو تو درست نہیں ہے ، کیونکہ خالص دودھ میں مکھن شامل ہوتا ہے ، اس کی زیادتی کا خیال کیا جانا چاہیے ۔

اگر پانی کنوئیں یا نہر کے اندر ہو تو اس کی فروخت درست نہیں ہے ، لہٰذا یہ جو عام رواج ہے کہ کنوئیں کے اندر کے پانی کو روٹی وغیرہ کے عوض فروخت کرتے ہیں وہ درست نہیں ہے ۔ ہاں اگر ڈول اور رسی جس کے ذریعے پانی نکالا جائے کی اجرت میں کچھ لیا جائے (نہ کہ پانی کی قیمت میں) تو صحیح ہے ۔

اگر کسی نے کنوئیں سے پانی نکال کر کسی گھڑے وغیرہ میں بھر لیا تو اب وہ اُس پانی کا حق دار اور اُس کا مالک متصور ہوگا اور اُس کا فروخت کرنا اُس کے لیے درست ہوگا ۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل 'مساقاہ' (بہم رسانی آب) کے مسائل میں آگے آ رہی ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی اصل کے اعتبار سے یکساں یا مختلف قرار دی جاتی ہے ، لہٰذا تیلوں کو ان کی اصل کے مختلف ہونے کی بنا پر مختلف الجنس قرار دیا جائے گا ۔ چنانچہ کسنبھ ، تل ، شلجم ، زیتون ، مولی کے بیج ، خس کے بیج اور السی وغیرہ کے تیل میں سے ہر ایک مختلف جنس کی اشیاء ہیں اور ان میں ربا کو دخل ہے ۔ ان کا ایک دوسرے سے مختلف الجنس ہونا اُن کی اصل (کے مختلف ہونے) کی بنا پر ہے جن سے یہ تیل نکالا گیا ، جیسا کہ متحد الجنس اشیاء کی تعریف کے سلسلہ میں پہلے بتایا گیا ہے ۔ اسی طرح شہد بھی اپنی اصل (جس سے کہ وہ بنایا گیا ہے) کے مختلف ہونے کی بنا پر الگ الگ جنس ہے ۔ ان میں ہر ←

← ایک جنس کا سودا اُسی جنس کے ساتھ برابرسرابر دست بدست اور غیر جنس کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ درست ہے -

سرکہ کے مسائل بھی شیرہ کی مانند ہیں - شیرے سے مراد زیتون ، ملیٹھی ، کھجور ، خوبانی اور سلوٹ وغیرہ کا عرق اور انجیر کا آب شورہ ہے - نیز اس حکم میں دوسرے مشروبات کی ایسی اقسام مختلفہ شامل ہیں جو ربوی اشیاء سے نکالی جائیں - یہ تمام چیزیں ایک جنس کی اشیاء ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک جنس کا سودا اُس کی ہم جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں ہے - اس حکم میں خروب (ایک ہسپانوی درخت کی پھلی) کا شیرہ شامل نہیں ہے ، کیونکہ خروب کا شمار ربوی اشیاء میں نہیں ہے -

سرکہ اور کھجور دو مختلف اجناس ہیں، لہٰذا ان کا باہمی تبادلہ بڑھوتری کے ساتھ ہوسکتا ہے - لیکن رس اور سرکہ بقول معتمد ہم جنس اشیاء ہیں لہٰذا ان کا سودا کمی بیشی کے ساتھ درست نہیں ہے ؛ برابرسرابر درست ہے - اسی طرح نبیذ (عصادہ) اور کھجور گو ہم جنس ہیں لیکن اُن کی خرید و فروخت درست نہیں، نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابرسرابر -

اب رہا دودھ اور اُس سے بنی ہوئی اشیاء کا مسئلہ سو اس کی سات قسمیں ہیں: سادہ دودھ ، مکھن ، گھی ، رڑ کا ہوا دودھ اور اَقط (اس سے مراد خشک کیا ہوا دودھ ہے جو جم کر سخت ہو جاتا ہے اور اُسے رکھ کر سوکھی سبزی کی طرح پکاتے ہیں) اور پنیر اور دہی - ان تمام اقسام میں سے کسی ایک شے کی فروخت اُسی جیسی شے سے درست ہے ، لہٰذا آدھ سیر سادہ دودھ کو سیر بھر سادہ دودھ سے اور آدھ سیر مکھن کو سیر بھر مکھن کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے وغیرہ۔ البتہ خالص دودھ کو نہ مکھن کے عوض فروخت کرنا درست ہے نہ دودھ سے نہ دہی سے - اسی طرح مکھن کو گھی یا پنیر یا جمائے ہوئے دودھ سے فروخت کرنا درست نہیں ہے - تاہم رڑکے ہوئے دودھ یا دہی کو منجمد دودھ کے عوض فروخت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے - کچھ کہتے ہیں کہ قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ خشک دودھ بیچنا جائز نہیں ہے - اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ درست ہے - اسی طرح کا اختلاف پنیر کو خشک دودھ کے عوض فروخت کرنے میں بھی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی کہ ممنوع ہے -

صرافہ کا بیان

صرف (یا صرافہ) سے مراد یہ ہے کہ سونے کو سونے سے یا چاندی کو چاندی سے یا ان میں سے ایک کو دوسرے کے عوض بیع کیا جائے، یہ تو معلوم ہے کہ صرافے کا کاروبار بھی عام خرید و فروخت کی اقسام میں سے ہے لہٰذا وہ امر جو عام خرید و فروخت کے ارکان میں سے ہے وہی امر معاملۂ صرافہ میں بھی رکن ہے۔ البتہ صحت بیع کی دوسری شرائط کے علاوہ صرافہ میں چند مزید مخصوص شرایط بھی ہیں:

ایک تو یہ کہ اشیاء مبادلہ (یعنی مال اور دام) باہم مساوی ہوں، خواہ وہ سونے چاندی کے سکے ہوں جو شہر میں رائج ہیں مثلاً گنی، ریال وغیرہ۔ یا وہ پگھلائی یا گھڑی ہوئی اشیاء ہوں جیسے کنگن، جھانجھ، بالی (بندا)، گلوبند، طوق یا ہار وغیرہ۔ پس ایک گنی کو ایک گنی اور ایک قرش یا اس سے کم و بیش بڑھوتری کے ساتھ فروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ مثلاً ایک کنگن کو جس کا وزن بیس مثقال ہو پچیس مثقال وزنی کنگن کے عوض فروخت کیا جائے، خواہ ان کے نقش و نگار (یا ساخت) میں کتنا ہی فرق ہو۔

دوسری شرط 'حلول' (یعنی نقدانقد) ہے، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ سونے کا سودا سونے کے عوض یا چاندی کا سودا چاندی کے عوض کیا جائے اور اشیاء مبادلہ کے لین دین میں فریقین کی جانب سے یا کسی ایک جانب سے تاخیر کی جائے، خواہ یہ تاخیر ایک لحظہ ہی کے لیے ہو۔

تیسری شرط ''تقابض فی الجنس'' (یعنی اسی جگہ لین دین کی تکمیل کا ہونا) ہے بایں طور کہ فروخت کنندہ اپنے دام اور خریدار اپنا مال وہیں کے وہیں لے لیں۔ اگر (اس سے پہلے) فریقین میں سے کوئی وہاں سے ہٹ گیا اور ہنوز مال یا دام وصول نہیں کیا تو وہ سودا باطل ہو جائے گا۔

اگر ان میں سے ایک جنس کا سودا دوسری جنس کے ساتھ یعنی سونے کا سودا چاندی کے عوض یا چاندی کا سونے کے عوض ہو تو دونوں کا مساوی الوزن ہونا

ضروری نہیں ہے - لہٰذا جائز ہے ایک گنی کے دام سو قرش یا اُس سے زیادہ ہوں۔ اس قسم کے سودوں میں دو شرایط کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے :

اول حلول (یعنی نقد سودا) لہٰذا ادائیگی میں تاخیر روا نہیں ہے -

دوسرے تقابض فی المجلس (یعنی اُسی جگہ لین دین کی تکمیل) - واضح ہو کہ دوسری قسم کی اشیاء ربویہ جن کا ذکر اوپر ہوا ، ان کے مسائل بھی سونے چاندی کی بیع کے مسئلوں کی مانند ہیں -[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ دوسری اشیاء ربویہ مثلاً غذائی چیزوں کے سودے کے مسائل اُسی جگہ (دست بدست) لین دین کے بارے میں سونے چاندی کے سودوں کی مانند نہیں ہیں ، کیونکہ سونے اور چاندی کو مخصوص سونا اور چاندی نہیں قرار دیا جاتا۔ لہٰذا جو سونا یا جو چاندی فروخت ہوئی اُس کی تعیین قبضہ حاصل کرنے سے پہلے نہیں ہوتی ، چنانچہ اگر کسی نے ایک خاص اشرفی کو پچاس دو قرشی سکہ کے عوض فروخت کیا تو فروخت کنندہ کو حق ہوگا کہ وہ سودا ہو جانے کے بعد بھی اُس اشرفی کی بجائے کوئی اور اشرفی دے دے - اسی طرح اگر سونے کی کوئی ڈلی مساوی سونے کے عوض فروخت کی گئی تو اُس ڈلی کی تعیین اُس وقت تک متصور نہ ہوگی جب تک کہ اُس کا قبضہ نہ حاصل کیا جائے اور قبضہ کے بعد ہی وہ شخص اُس کا مالک متصور ہوگا - اسی لیے سونے چاندی کے سودوں میں وقت کے وقت لین دین کی تکمیل لازمی ہے ، خواہ یہ معاملہ رائجُ الوقت سکوں کا ہو یا ڈھلی گھڑی اشیاء کا - چاندی سونے کے علاوہ دوسری اقسام کی تمام اشیاء کا تعین متعین کرنے سے ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے گندم کی ایک مخصوص بوری کا سودا جو کی دو بوریوں کے عوض کیا تو اب ان اشیا کی تعیین ہوگئی اور خرید و فروخت کرنے والوں کو یہ حق نہ رہے گا کہ جن بوریوں کا سودا کیا ہے اُن کے علاوہ اور بوریوں کا لین دین کریں ، لہٰذا ایسی صورتوں میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ان اشیاء کے معاملات میں فوری قبضہ کی شرط عاید کی جائے۔ تاہم ایسے معاملات کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں :

اول یہ کہ مال اور دام حاضر ہوں - ←

لیکن قروش وغیرہ سکے جو چاندی، سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں، مثلاً نکل، پیتل یا تانبے کے بنے ہوئے ہوں جنھیں بالعموم فلوس (یا پیسہ) کہا جاتا ہے، اُس کے متعلقہ مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[۱]

← دوم یہ کہ مال اور دام کا تعین ہو جائے ۔ لہٰذا اگر ایک بوری گندم کا سودا دوسری ایک بوری گندم سے کیا گیا اور یہ متعین نہیں ہوا کہ دونوں بوریاں کون کون سی ہیں تو یہ بیع درست نہ ہوگی ۔

سوم یہ کہ جس شے کو فروخت کیا گیا ہے اُس کی سپردگی کو اٹھا نہ رکھا گیا ہو ۔ ہاں دام کی ادائیگی میں تاخیر روا ہے ۔ پس اگر کسی کے ہاتھ متعین ایک بوری گندم عمدہ گندم کی ایک بوری کے عوض فروخت کی گئی اور یہ عمدہ گندم سردست موجود نہیں ہے تو یہ بیع درست ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ خریدار نے جو دام طے کیے ہیں، یعنی ایک بوری عمدہ گندم وہ اُسی وقت ادا کردیے جائیں اور خریدار اُس کو لےلے، کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مال فروخت اور اُس کے دام کا تعین ایسے معاملات میں شرط ہے؛ اگر وہ شے قرض ہو تو اُس کی تعیین نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس پر قبضہ نہ ہو، لہٰذا اس کا قبضہ اُسی جگہ حاصل کرنا لازم ہے ۔ پس اگر فروخت کنندہ دام لے لے اور مال پر خریدار نے قبضہ نہیں کیا تو بیع درست متصور ہوگی ۔ لیکن اگر مال فروخت کو قرض رکھا جائے مثلاً یوں کہا کہ میں آپ سے ایک بوری عمدہ گندم، حاضرالوقت اس دو بوری جو کے عوض خریدتا ہوں تو یہ قطعاً درست نہیں ہے اگرچہ فروخت شدہ گندم کو (بعد میں) وہاں پر لایا جائے، کیونکہ اس معاملہ میں مال فروخت کا وجود وہاں پر موجود نہ تھا؛ قرض قرار دے کر فروخت کیا گیا تو گویا یہ غیر موجود شے کا سودا ہے، لہٰذا یہ بیع درست نہ ہوگی ۔

---

۱ ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بقول معتمد پیسے کے معاملات میں ربا کو دخل نہیں ہے (یعنی پیسہ غیر ربوی شے ہے)، خواہ یہ رائج الوقت سکہ ہو یا نہ ہو، لہذا ان سکوں کو ویسے ہی سکوں کے عوض کمی بیشی کے ساتھ اور میعادی ادائیگی کی شرط پر لین دین کیا جا سکتا ہے ۔ پس بیس قرش مصری رائج‌الوقت ڈھلے ہوئے سکوں کو پچاس قرش معروف کے عوض اور ایک ماہ میں ادائیگی کی میعاد پر ←

ممنوع سودوں کا بیان
ایسے امور جو منع ہیں لیکن بیع کو باطل نہیں کرتے

واضح ہو کہ ایسے متعدد معاملات ہیں جو گو ممنوع ہیں لیکن اُن سے معاملۂ بیع باطل نہیں ہوتا۔

منجملہ اُن کے بیع النجش ہے (یعنی مال کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا)۔

← فروخت کرنا جائز ہے اگرچہ یہ سودا پانچ قرش زیادتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ چاندی سونے کے علاوہ کسی بھی شے کے بنے ہوئے سکوں (یا پیسوں) کو کمی بیشی کے ساتھ میعادی ادائیگی کی شرط پر بیع کرنا جائز ہے، چنانچہ تین مصری رائج الوقت سکے کو، جسے قرش کہا جاتا ہے، دو ریال کے عوض ایک ماہ کی میعادی ادائیگی کی بنیاد پر بیع کیا جائے تو درست ہے۔ تاہم بعض اصحاب سے یہ منقول ہے کہ اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اس میں اُدھار ناجائز ہے؛ ہاں پیسوں کا نقد لین دین کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اُسی جگہ پر لین دین ہو جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کے علاوہ اور سکوں یا پیسوں کو دام قرار دیا جائے تو متعین کرنے سے اُن کی تعیین نہیں ہو جاتی، لہٰذا وہ بھی سونے چاندی کی نقدی کی مانند ہیں۔ البتہ ان سکوں کا اُنھی جیسے سکوں کے عوض تبادلہ کیا جانا درست ہے۔ اس میں فریقین کا قبضہ ہونا درست نہیں ہے، لہٰذا اگر ڈھلے ہوئے ایک قرش کو ایک قرش معروف کے عوض کمی بیشی کے ساتھ خریدا اور ادائیگی کے لیے میعاد مقرر کی تو درست ہے، درآنحالیکہ قرش کا قبضہ حاصل کرلیا ہو۔ اگر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے فریقین یا اُن میں سے کوئی ایک شخص اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو معاملہ بھی درست نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فلوس (یا پیسے) جو تانبے وغیرہ کے بنے ہوئے ہوں وہ مال تجارت کی مانند ہیں، اُن کا چاندی سونے کے عوض خریدنا ایسا ہی ہے جیسے ان زیورات کی خرید و فروخت جن میں سونے چاندی کی آمیزش ہو۔ ایسی چیزوں کا (یعنی جو گنگا جمنی ہوں) محض سونے یا محض چاندی سے نقد سودا کرنا درست نہیں ہے، خواہ اُس میں چاندی یا سونا کم یا زیادہ ہو۔

لفظ نجش (بفتح نون و سکون جیم) سے مراد یہ ہے کہ بیع کے وقت مال فروخت کی قیمت میں کوئی شخص بلا قصد خریداری اضافہ کرکے بولی دے دے، تاکہ خریدار دھوکے میں آ کر اُس مال کو گراں قیمت میں خرید لے۔

یہ حرکت حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ مؤطاء میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بیع النجش'' سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر اس سازش میں فروخت کنندہ بھی شریک ہے، جیسا کہ فی زمانہ بعض تاجر کرتے ہیں، تو وہ دونوں گنہگار ہوں گے؛ ورنہ صرف وہ شخص گنہگار ہے جس نے اس غرض سے دام بڑھانے کے لیے بولی دی۔ تاہم اگر ایسا کرنے سے دام میں اضافہ نہیں ہوا تو یہ فعل حرام نہ ہوگا۔

اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر فروخت کنندہ کو ناجش (قیمت بڑھانے والے) کی بابت معلوم تھا (کہ وہ دام بڑھانے کے لیے ایسا کررہا ہے) اور اس کی اس حرکت پر وہ راضی رہا اور خاموشی اختیار کر رکھی یہاں تک کہ سودا ہوگیا تو اس طرح یہ بیع تو ہو جائے گی لیکن خریدار کو اس مال کے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔ اگر واپسی کی نوبت نہیں آئی اور وہ مال (خریدار کے پاس) ضایع ہوگیا تو اس پر واجب ہوگا کہ اس مال کی مالیت اور دام دونوں میں سے جو کم ہو صرف وہ (فروخت کنندہ کو) دے۔ اور مالیت وہ متعین کی جائے گی جو معاملۂ بیع کے دن تھی، سپردگی کے دن کی نہیں۔ اگر فروخت کنندہ کو ناجش کی اس حرکت کا علم ہی نہ رہا ہو تو پھر بہر حال خریدار کو واپسی مال کا اختیار نہ رہے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ناجش (قیمت بڑھانے والے) نے فروخت کنندہ سے گٹھ جوڑ نہ کر رکھی ہو تو خریدار کو بالاتفاق واپسی مال کا اختیار نہ رہے گا؛ ہاں اگر دونوں کی سازش سے ایسا ہوا ہو تو اس بارے میں مختلف رائیں ہیں، لیکن صحیح ترین رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی خریدار کو واپسی مال کا اختیار ←

بیع صرف (یعنی صرافہ میں) ایک جنس کو دوسری کسی اور جنس کے ساتھ جو نقدی نہ ہو ، ملا کر (اکٹھا) سودا کرنا جائز نہیں ہے ۔[1] مثلاً کوئی شخص ایک گنی اور بکری (دونوں چیزوں کو اکٹھا) ایک گنی اور بکری ، یا

← نہ ہوگا ، کیونکہ گویا اس نے خود مال کی چھان بین کے بارے میں کوتاہی کی اور دھوکا دینے والے کے دام فریب میں آگیا تو اب واپسی کا حق نہیں رہا ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بیع النجش (جس میں صرف دام بڑھانے کی غرض سے بولی دی گئی ہو) فعل مکروہ تحریمی (حرام) ہے ، درآنحالیکہ فی الواقع مال کی واجبی قیمت سے زیادہ دام دینا پڑا ہو ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع النجش میں خریدار کو مال کی واپسی کا اختیار ہوتا ہے ، خواہ قیمت بڑھانے والا فروخت کنندہ سے ملا ہوا ہو یا نہ ہو ۔ لیکن یہ شرط ہے کہ وہ مال عام قیمت سے بہت زیادہ پر بکا ہو ۔ ایسی صورت میں خریدار کو اختیار ہے چاہے تو مال رکھے اور چاہے واپس کردے ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مال کے رکھنے کی صورت میں اسے حق ہے کہ واجبی قیمت سے زیادہ جو دام دیا ہے فروخت کنندہ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے اور اس سے واپس لے لے ۔

یاد رہے کہ یہ بھی بیع النجش ہی ہے کہ فروخت کنندہ (مال کی قیمت بڑھانے کے لیے) خریدار سے کہے کہ اس مال پر میرا اتنا خرچ ہوا ہے ، اور چھان بین سے یہ پتہ چلے کہ اس نے جھوٹ بولا تھا ۔ اس صورت میں بھی خریدار کو مال کے رکھ لینے یا واپس کرنے کا اختیار ہے ۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں یہ شرط ہے کہ خریدار ناواقف ہو ، اگر واقف کار ہو (یعنی جانتا ہو کہ مال فی الواقع اس قیمت کا ہے یا نہیں ؟) تب اسے واپسی کا اختیار نہ ہوگا ۔ یہ زیادتی ہوگی ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملات صرف میں ایک جنس کی چیز کو دوسری جنس کی چیز سے ملا کر (اکھٹا) سودا کرنا جائز ہے ، خواہ وہ چیز نقدی ہو یا کوئی اور شے ۔ چنانچہ اگر ایک بوری گندم اور ایک بوری جو کا سودا ڈیڑھ ←

دو گنیوں کے عوض فروخت کرے - اس مسئلہ کو مسئلۂ ''مدعجوۃ و درھم بمد عجوۃ و درھم اودرھمین'' - کہا جاتا ہے -

(یعنی ایک مد کھجور اور ایک درہم کا اکٹھا سودا ایک مد کھجور اور ایک درہم یا دو درہموں کے عوض کرنا) -

عام طور پر اس مسئلہ کو تمثیلاً اسی عبارت سے بیان کیا جاتا ہے -

اس قسم کے سودوں کے ناجائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دام کو دونوں مال فروخت پر حصہ وار ڈالا جائے تو آدھی بکری اور آدھی گنی کے دام آدھی بکری اور آدھی گنی ہوگی - اس میں یہ احتمال ہے کہ نصف بکری جو دام لگائے گئے وہ فروخت شدہ نصف بکری سے کم یا زیادہ ہوں اور یہ بھی احتمال ہے ایک پوری بکری کی قیمت ایک گنی سے زیادہ ہو ، اور احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی باتوں کو جن میں ربا کا شائبہ ہو ترک کر دیا جائے - البتہ اگر نقدی کی کسی ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر سودا کیا جائے تو وہ درست ہے -[1]

مثلاً ایک قدیم مصری گنی اور ایک ریال کا سودا جدید مصری گنی اور ریال کے عوض کیا جائے تو درست ہے ، درآنحالیکہ وہ قیمت اور وزن میں مساوی ہوں ، کیونکہ چاندی اور سونے دونوں نقدیوں کو صرافہ کے سودے میں ملا کر اکٹھا سودا جائز ہے -

---

← بوری گندم اور ایک بوری جو کے عوض کیا تو درست ہے اور یہ ایک جنس کا مبادلہ غیر جنس کے ساتھ متصور ہوگا - اسی طرح ایک بکری اور گنی کو ایک بکری اور گنی کے عوض یا دو بکریوں یا دو گنیوں کے عوض فروخت کرنا بھی درست ہے -

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ (معاملۂ صرف میں) نقدی کی ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر اکھٹا فروخت کرنا بھی صحیح نہیں ہے ، لہٰذا ایک گنی اور ریال کو (ملا کر) ایک گنی اور ریال کے عوض بیع کرنا درست نہیں ہے -

ممنوع سودوں کے منجملہ یہ بھی ہے کہ کوئی شہری بادیہ نشین کے مال کی دلالی کرے - اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی بدو (بیوپاری) تھوک میں فروخت کرنے کے لیے کوئی مال لائے اور کوئی شہری اس مال کو سنبھال لے اور شہر کا رہنے والا دلال اسے پرچون کے طور پر فروخت کرے - اس سے عوام کو مال کی کمیابی کا سامنا کرنا پڑے گا اور مال کی قیمت بڑھ جائے گی -

اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شہر کا رہنے والا اس مال کو جو اہل بادیہ (یا دساور کا بیوپاری) لے کر آئے اسے خود سنبھال کر فروخت کرے درآنحالیکہ یہ دو باتیں پائی جائیں :

اول یہ کہ وہ مال کسی شہری کو فروخت کیا جائے ؛ ہاں شہری نے اگر اسی طرح بدوی کو فروخت کیا تو جائز ہے -

دوسرے یہ کہ اس مال کے بھاؤ سے اہل شہر آگاہ نہ ہوں ، اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اس مال کا کیا بھاؤ ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا ، کیونکہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے لوگ وہ مال جو عوام کی سہولت کے پیش نظر ارزاں نرخ پر فروخت ہوتا اس سے باز رہتے ہیں - اب اگر مال کا نرخ معلوم ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ لانے والا (بیوپاری) خود اسے فروخت کرے یا دلال کی معرفت فروخت کیا جائے ؛ تاہم کہا جاتا ہے کہ اس طرح کا (بالا بالا) سودا بالکل جائز نہیں ہے ؛ ہاں کوئی شہری اہل بادیہ کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے -

رہا یہ سوال کہ آیا چھوٹے چھوٹے دیہات کے رہنے والے بھی اہل بادیہ (بیوپاریوں) کی مانند ہیں ؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں اور قوی تر خیال یہ ہے کہ اہل شہر کو اہل قریہ کے لائے ہوئے مال کی فروخت کا کام سنبھال لینا جائز ہے - اب اگر کوئی شخص اہل بادیہ کے لائے ہوئے مال کے فروخت کی ذمہ داری لے کر متذکرہ بالا دونوں شرطوں کی موجودگی میں اس پر عمل کرے تو اس طرح جو سودا ہوگا وہ فسخ کر دیا جائے گا اور مال فروخت شدہ بیوپاری کو واپس کر دیا جائے گا ، بشرطیکہ لینے والے کے پاس تلف نہ ہو گیا ہو - اگر تلف ←

→ ہو گیا تو اس کے دام گئے ۔ اور فروخت کنندہ ، خریدار اور دلال سب گناہ کے مرتکب قرار پائیں گے اور اس حرکت پر انھیں تنبیہ کی جائے گی اور اس فعل حرام سے واقف نہ ہونے کی سزا دی جائے گی ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اہل شہر کو اہل بادیہ کے ساتھ (اس طرح) بالا ہی بالا سودا کرلینا حرام ہے اور درست بھی نہیں ہے ، لیکن اس کا حرام ہونا اور درست نہ ہونا ان پانچ شرایط پر موقوف ہے :

ایک تو یہ کہ بدوی (بیوپاری) اس مال کو فروخت کرنے کی غرض سے لایا ہو ۔ اگر وہ مال ذخیرہ کرنے یا کھانے کے لیے لایا اور اہل شہر میں سے کسی نے اسے فروخت کرنے کی ترغیب دی اور فروخت کی ذمہ داری لے لی تو جائز ہے ، کیونکہ اس سے اہل شہر کو سہولت ہوگی ۔

بدوی (یا بادیہ نشین) سے مراد وہ بیوپاری ہے جو اس شہر کا رہنے والا نہ ہو ، خواہ بادیہ نشین ہو یا نہ ہو ۔

دوسرے یہ کہ (مال لانے والے) بیوپاری اس مال کو موجودہ نرخ پر فروخت کرنے کے ارادہ سے لایا ہو ۔ اگر یہ ارادہ تھا کہ اس مال کو روک رکھے گا اور ارزاں نرخ پر نہیں بیچے گا تب بھی یہ امر (یعنی بالا ہی بالا سودا کرلینا) ممنوع ہے ، لیکن یہ ممانعت اب خود بیوپاری کے نقطۂ نظر کے پیش نظر ہوگی؛ اس وجہ سے نہ ہوگی کہ کسی شہری نے اس کے مال کی دلالی کی ۔

تیسرے یہ کہ باہر سے آنے والا (بیوپاری) مال کے موجودہ نرخ سے واقف نہ ہو؛ اگر وہ مال کے نرخ سے واقف ہے تو شہری کا اس کے مال کی دلالی کرنا درست ہوگا ، کیونکہ اس نے دانستہ نرخ کو زیادہ نہیں کیا ۔

چوتھے یہ کہ خریدار اہل شہر ہو ، اگر خریدار بھی آسی جیسا باہر کا (بادیہ نشیں) ہے تو اس معاملہ میں شہری کا دلالی کرنا درست ہوگا ، کیونکہ اس جیسے بدوی کے ہاتھ فروخت کرنے میں کوئی گنجایش نفع نہیں ہے ۔

پانچویں یہ کہ وہ مال ایسا ہو جس کی اہل شہر کو ضرورت ہے ؛ لیکن اگر کوئی شہری اہل بادیہ کے لیے (اس طرح) سودا کرے تو جائز ہے ۔ ←

→ شافعیہ کہتے ہیں کہ اہل شہر کا اہل بادیہ کی طرف سے بطریق مذکور سودا کرنا حرام ہے - اس باب میں اختلاف ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ ؟ تاہم یہ فعل اسی صورت میں گناہ ہے جب کہ یہ علم ہو کہ یہ حرکت حرام ہے - اس میں خواہ اہل شہر ہو یا باہر کا (دونوں کو گناہ ہے) - بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ گناہ صرف شہری کو ہوگا ، اہل بادیہ کا کوئی قصور نہیں کیونکہ اس نے تو اپنی سہولت کے پیش نظر اس شہری سے گٹھ جوڑ کیا - اس بارے میں وہ معذور ہے - (ان مسائل میں) شہری سے مراد بستی کا باشندہ ہے - اس میں شہر ، ریف اور قریہ شامل ہیں - ریف وہ زمین ہے جہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو (جسے مزرعہ کہتے ہیں) - اس میں مکانات (بنے ہوئے) نہیں ہوتے ، اگرچہ اون کے بنے ہوئے عربیوں کے خیمے نصب ہوتے ہیں - تاہم یہاں پر اہل بادیہ سے مراد یہ نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر علاقۂ غیر کا آدمی جو حدود شہر کے باہر سے مال لے کر فروخت کرنے کی غرض سے شہر میں آئے - بعض اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اس شخص (بیوپاری) کے لیے غیر علاقہ کا باشندہ ہونے کی پابندی نہیں ہے ، پس اگر اہل شہر میں سے بھی کسی نے اپنا مال گندم وغیرہ ذخیرہ کر رکھا ہو اور پھر اسے تھوک میں فروخت کی غرض سے نکالے اور کوئی شخص کہے کہ ابھی اس کی فروخت کو روک رکھو تھوڑا تھوڑا فروخت کرنا تو یہ شخص گناہ گار ہوگا ، خواہ وہ شخص وہاں کا شہری ہو یا باہر کا اور قطع نظر اس کے کہ یہ شخص وہ ہو جس نے فروخت کا کام سنبھالا (یا دلالی کی ہے) یا کوئی اور ہو ، کیونکہ ممانعت کا جو سبب ہے وہ دونوں حالتوں میں موجود ہے ، یعنی لوگوں پر تنگی اور نرخ کی گرانی -

بعض اصحاب نے اس قول کو معتمد قرار دیا ہے کہ وہ شخص جو باہر سے مال لے کر آئے وہی اجنبی (یا باہر کا بیوپاری) ہے - اور یہ جو کہتے ہیں کہ وہ شخص (جو بالا ہی بالا سودا کرے) بہرحال گناہ گار ہوگا ، خواہ علاقہ غیر کا ہو یا شہری ہو، سو اس کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں :

اول یہ کہ وہ مال ایسا ہو جو ضروریات عوام میں سے ہے - مثلاً خوراک - گو وہ مال تمام اہل شہر کی ضروریات میں سے نہ ہو ، بلکہ کسی خاص طبقہ کی ←

← ضروریات میں سے ہو - خواہ وہ مسلمان نہ ہوں - البتہ اگر وہ اشیاء خوراک ایسی ہوں جن کی بالعموم ضرورت نہ پڑتی ہو جیسے میوے وغیرہ تو اس صورت میں یہ حرام نہیں ہے -

دوم، یہ کہ آنے والا اس مال کو موجودہ نرخ سے فروخت کرنے کی غرض سے لایا ہو ، لیکن اگر پرچون میں (تھوڑا تھوڑا) فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور کسی شخص نے کہا کہ میں اس مال کو پرچون میں فروخت کرنے کا ذمہ دار ہوں تو اس میں گناہ نہیں ہے ، کیونکہ اس سے لوگوں کو نقصان نہیں ہوتا اور کوئی امر صاحب مال کو پرچون میں اپنا مال فروخت کرنے سے مانع نہیں ہے - مالک کو اختیار ہے کہ حدود شرع میں رہتے ہوئے اپنے مال کو جس طرح چاہے فروخت کرے -

سوم یہ کہ صاحب مال نے کسی سے مشورہ لیا ہو کہ اس مال کو کس طرح بیچنے میں زیادہ فائدہ ہے ؟ آیا تھوک میں فروخت کرنے سے فائدہ ہوگا یا پرچون میں بیچنے سے ؟ اب اگر کسی نے اس سے کہا کہ پرچون میں فروخت کرنے کی ذمہ داری میں لیے لیتا ہوں تو یہ گناہ نہیں ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ ان مسائل میں شہری سے مراد دلال (یا بچولیا) ہے اور بادیہ نشین سے مراد اہل قریہ (بیوپاری) ہے - یہ درست نہیں ہے کہ کوئی دلال (اہل شہر) فروخت کنندہِ دیہاتی کو (مال) فروخت کرنے سے باز رکھے اور اسے کہے کہ یہ مال تم فروخت نہ کرو ، یہ کاروبار میں تم سے بہتر جانتا ہوں ، اور پھر یہ اس کا نمایندہ بن جائے اور درآمد شدہ مال کو فروخت کرے - ایسا کرنا مکروہ تحریمی اور گناہ صغیرہ میں سے ہے - تاہم یہ کام اسی حالت میں مکروہ ہوگا جب کہ لوگ تنگی (قحط) کی حالت میں ہوں ، اس مال کی ضرورت ہو اور ایسا کرنے میں لوگوں کو تکلیف ہو ؛ کیونکہ (اس طرح کرنے سے) مال کے دام چڑھ جائیں گے اور لوگوں کو مشکل کا سامنا ہوگا - البتہ اگر عوام میں فراخی اور (مال کی) فراوانی ہو تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مال بغرض تجارت دساور سے کسی شہر میں لایا جائے تو اس کا آگے جا کر سودا کر لینا منع ہے ، لہٰذا ایسا کرنا حلال ←

→ نہیں ہے کہ کوئی شخص بستی سے باہر جا کر کھڑا ہوجائے اور جو بیوپاری مال تجارت لے کر آ رہے ہوں ، ان کا تمام مال خرید لے ایسا کرنا اہل شہر کو نقصان دہ اور تکلیف کا موجب ہے - ہاں اگر وہ شخص شہر سے چھ میل کی مسافت پر آگے چلا جائے اور وہاں سے جس قدر بھی چاہے مال خرید لے تو روا ہے - خواہ وہ مال تجارت کا ہو یا خوراک کے لیے خریدا ہو اور قطع نظر اس کے کہ اس شہر میں جہاں وہ مال لایا جا رہا ہے کوئی منڈی (یا بازار) ہو یا نہ ہو- یہی قول قابل اعتماد ہے ، لیکن اگر وہ مال چھ میل سے کم مسافت سے لایا گیا اور شہر میں منڈی ہے تو اس شخص کا تجارت کی غرض سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے ہاں خوراک کےلیے جائز ہے تاہم اگر شہر مین کوئی منڈی (یا بازار) نہیں ہے تو خوراک اور تجارت دونوں مقاصد کے لیے ایسا کرنا درست ہے -

واضح ہو کہ اگر مال شہر میں آ جائے اور اس میں بازار ہے تو وہاں پر آنے سے پہلے ہی اس کا سودا کر لینا بالکل جائز نہیں ہے - ہاں منڈی نہ ہو تو بالکل جائز ہے -

اگر کوئی مال والا شہر میں رہتا ہے اور اس کا مال کسی اور شہر میں ہے اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اس مال کو وہاں سے لا کر اس شہر میں جہاں پر اس کا قیام ہے فروخت کرے تو ایسے مال کی بابت معلومات حاصل کرکے شہر میں آنے سے پہلے ہی اس کا سودا کر لینا جائز نہیں ہے - جس مال کا پیشگی سودا کرلینا ممنوع ہے اگر کوئی شخص اسے خرید ہی لے اور سودا طے ہو جائے تو اب اس کو مان لیا جائے گا اور جس نے خریدا ہے وہ اس مال کا ذمہ دار ہوجائے گا - اب سوال یہ ہے کہ آیا خریدنے کے بعد وہ مال خریدار کے لیے مخصوص ہوجائے گا یا اس پر لازم ہوگا کہ اسے بازار میں لائے تاکہ جو شخص چاہے اس میں شرکت کر سکے- اس بارے میں بالعموم دو رائیں ہیں -

ایسا درآمدی مال جس کا آگے سے سودا کرنے کی ممانعت ہے اس سے یہ چیزیں مستثنیٰ ہیں : پھل ، روٹی اور آب رسانی کے اونٹ -

حنفیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ دساور سے مال لاد کر کسی شہر میں آتے ہیں ان سے بالا ہی بالا مل کر سودا کر لینا مکروہ تحریمی ہے ، کیونکہ اب یا تو خریدار اہل شہر کی حاجت مندی کے پیش نظر پہلے ہی سے خرید کر اونچے داموں شہر والوں کو فروخت کرے گا ؛ اس سے عوام کو نقصان ہے اور یا پھر یہ ←

← ہوگا کہ یہ شخص بیوپاریوں کی ناواقفیت سے (ناجائز) فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں دھوکا دے کر واجبی نرخ سے بہت ارزاں نرخ پر خریدے گا۔ یہ دونوں باتیں مکروہ ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان لوگوں سے بستی کے باہر ہی مل لے جو دساور سے مال لاد کر شہر میں بیچنے کے لیے لا رہے ہوں اور ان کا مال ان کے شہر میں داخل ہونے اور بھاؤ جاننے سے پہلے ہی خرید لے تو گناہ ہوگا اور اس مال والے کو اختیار ہوگا کہ نرخ معلوم ہونے پر وہ سودا منسوخ کردے۔ اس کے لیے دو امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اول یہ کہ وہ مال شہر کے عام نرخ کے خلاف خریدا گیا ہو؛ اگر شہر کے موجودہ نرخ سے خریدا گیا ہے تو اب یہ اختیار نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ فروخت کنندہ (بیوپاری) بھاؤ سے ناواقف ہو۔ اگر شہر کا بھاؤ معلوم تھا (اور پھر بھی اس نے مال بیچ دیا) تو اب اسے یہ اختیار جاتا رہا؛ اگرچہ شہر کے موجودہ نرخ سے کم میں سودا ہوا ہو۔

یاد رہے کہ اگر فسخ بیع کا اختیار حاصل ہو تو اس پر فوری عمل درآمد لازم ہے۔ چنانچہ اگر مال کا بھاؤ معلوم ہونے کے ساتھ ہی معاملہ کو قائم رکھنے یا فسخ کر دینے کے اختیار کو کام میں نہ لایا گیا تو یہ حق ختم ہو جائے گا۔ ہاں اگر بیوپاری کہے کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ بیع کے فسخ کرنے کا مجھے اختیار ہے اور یا یہ کہ فوراً ہی فسخ کرنا چاہیے تھا، تو اس کا یہ عذر تسلیم کیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص شہر کے باہر کسی اور ارادے سے گیا، بیوپاریوں سے ملنے کا ارادہ نہ تھا، مثلاً سیر و شکار کے لیے باہر نکلا اور شہر کی جانب آنے والے بیوپاری سے ملنا ہو گیا اور اس سے مال خرید لیا تب بھی صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اگر وہ اس حکم شرعی سے آگاہ ہے تو گناہ ہوگا، کیونکہ اس میں بھی ممانعت کی وجہ موجود ہے، یعنی آنے والے کو دھوکے اور فریب میں ڈالنا۔

(اس کے برعکس) اگر کوئی شخص (یا دلال) آنے والے بیوپاری سے اس لیے ملے کہ اس شہر کے مال کا سودا کر لے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، لیکن قول معتمد یہی ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ←

منجملہ ممنوعات بیع کے دوسرے کے دام پر دام بڑھانا ہے، مثلاً یہ کہ فریقین کسی مال کا سودا خاص قیمت پر طے کر لیں اور ابتدائی طور پر فریقین راضی ہو گئے ہوں پھر ایک اور شخص آ جائے اور مال کے مالک کو اس سے زیادہ دام پیش کرے جس پر وہ راضی ہو گیا ہے اور اسے کہے کہ تم اتنے میں فروخت نہ کرو جتنے پر تم راضی ہو، میں اس سے زیادہ نرخ دینے کو تیار ہوں۔

اسی طرح یہ بھی (ممنوع) ہے کہ خریدار اولاً کسی چیز کا سودا کرلینے پر تیار ہے بعد میں کوئی اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ یہ مال واپس کر دیجیے میں اس سے اچھا مال آپ کو دے سکتا ہوں یا یوں کہا کہ اس سے کم دام میں دوں گا (یہ تمام صورتیں ممنوع ہیں)۔ لیکن اگر شروع ہی میں قبل اس کے کہ فروخت کنندہ اور خریدار کسی فیصلہ پر راضی ہو گئے ہوں اور بیچنے کا ارادہ ہی کر رہے ہوں اور اس وقت کوئی دام بڑھا دے تو جائز ہے۔

واضح ہو کہ دام بڑھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے:

''لا یسوم الرجل علی سوم اخیہ رواہ'' الشیخین

(یعنی کوئی شخص اپنے بھائی کے دام پر دام نہ بڑھائے) بروایت شیخین۔ یہ حدیث ایسا کرنے سے ممانعت پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔[1]

← حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسا مال جو شہر میں بیچنے کے لیے بیوپاری لائے اس مال کو پہلے ہی سے خرید لینے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور ایک یہ کہ حرام ہے۔ یہ دوسرا قول زیادہ قابل اعتماد ہے۔ بیوپاریوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مال لے کر سواری پر یا پیدل چل کر آئے ہوں۔ اگر کسی نے ان سے کچھ خریدا یا ان کے ہاتھ فروخت کیا اور غیر معمولی طور پر دھوکے سے کام لیا اور ان کو نقصان پہنچایا، بعد میں اصل بھاؤ معلوم ہو گیا تو اب بیوپاری کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس معاملہ کو قائم رکھے یا فسخ کر دے۔

---

(1) حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی کے لگائے ہوئے دام پر (نرخ بڑھا کر) ←

← دام لگانا مکروہ تحریمی ہے جب کہ خرید و فروخت کرنے والے قیمت مال طے کر چکے ہوں اور فروخت کنندہ فروخت پر آمادہ ہو گیا ہو۔ لیکن اگر فروخت کنندہ ہنوز اس دام پر بیچنے کے لیے راضی نہ ہو تو اس وقت زیادہ دام لگانا روا ہے۔ لیکن بہرحال پسندیدہ طریقہ وہ ہے جس میں فروخت کنندہ کو فائدہ ہو اور مال کی ترویج ہو۔

نکاح کے لیے منگنی کا معاملہ بھی بیع کی طرح ہے، لہٰذا یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص کسی اور کی مخطوبہ کے ساتھ (یعنی جس سے منگنی ہوئی ہو) اپنے ساتھ منگنی کی درخواست کرے، حالانکہ اس کا مہر مقرر ہو چکا ہو، ہاں اگر پہلے کا مہر طے نہیں پایا تھا تو مکروہ نہیں ہے۔ کرایہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لگائے ہوئے دام پر بڑھ کر دام لگانا اگر نرخ کے تیقن اور اس پر فریقین کے متفق ہو جانے سے پہلے ہو تب بھی اچھی بات نہیں ہے؛ اس کے بعد تو نرخ بڑھانا حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر (فریقین معاملہ سودے کی) قیمت طے کر لیں اور صریحاً باہم راضی ہو گئے ہوں تو دوسرے شخص کے لگائے ہوئے دام پر دام لگانا حرام ہے۔ لیکن اگر فروخت کنندہ خاموش ہو یا اس نے یہ کہا ہو کہ مجھے اس بارے میں مشورہ کر لینے دیجیے تو اس کو صریحاً دام پر راضی ہونا تصور نہ کیا جائے گا۔ ایسی حالت میں بقول صحیح نرخ بڑھا کر دام لگانا درست ہے۔ اس کا حرام ہونا اسی حالت میں ہے جب کہ یہ معلوم ہو (کہ کسی کے ساتھ سودا ہوچکا ہے)؛ اگر معلوم نہ ہو تو حرام نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر صریحاً سودے کے دام طے ہو چکے ہیں اور فریقین اس پر راضی ہیں تو اب لگائے ہوئے دام پر دام بڑھا دینا حرام ہے۔ ہاں اگر مال کی فروخت علانیہ نیلامی سے ہو رہی ہو تو نرخ بڑھانا یا بڑھ کر بولی دینا حرام نہیں ہے، جیسا کہ اکثر کیا جاتا ہے۔ یہ بلا اختلاف جائز ہے۔

مرابحہ (بتعین نفع) سودا کرنے اور
تولیہ (دام کے دام) بیچنے کا بیان

مرابحہ کا مادہ 'ربح' ہے جس کے معنے اضافہ (یا نفع) کے ہیں ، لیکن فقہ کی اصطلاح میں کسی مال کو اتنے میں فروخت کرنا جو اس کی قیمت خرید (یا مالیت) اور اضافۂ نفع پر مشتمل ہو ۔ مسالک مختلفہ میں اس کی خاص شرایط ہیں جو تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ 'مرابحہ' یہ ہے کہ کسی مال کو اس کی قیمت خرید پر ایک مقررہ فائدے کے اضافہ کے ساتھ جو فروخت کنندہ اور خریدار کو معلوم ہو فروخت کیا جائے ، ایسا کرنا طریق اولیٰ کے خلاف ہے ، کیونکہ اس کے لیے لمبی چوڑی تفصیلات کی ضرورت پڑتی ہے جو بالعموم مشکل کام ہے ، لہٰذا ایسی بیع ناقص ہے ، کیونکہ اس میں فروخت کنندہ کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ مال کی قیمت خرید کے علاوہ جو کچھ اس پر مزید خرچ ہوا ہے اس کی تفصیل بتائے ۔ اس میں اکثراوقات جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے ۔

اسی قسم کا سودا 'بیع الاستئمان' (یعنی کسی کے بھروسے یا ایمان کی بنا پر سودا کرلینا) ہے مثلاً کوئی مال فروخت کنندہ کی دیانت کے بھروسے پر لیا جائے، بایں طور کہ خریدار یوں کہے کہ یہ مال اسی نرخ پر مجھے دے دو جس پر دوسروں کے ہاتھ بیچتے ہو ، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا بھاؤ ہے ؟

اسی طرح کا سودا 'بیع المزایدہ' بھی ہے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی مال کے دو یا دو سے زیادہ خریدار ہیں اور فروخت کنندہ ہنوز کسی سے مال کی قیمت طے نہیں کر پایا کہ خریداروں نے مال کا دام بڑھانا شروع کر دیا (یہ طریقہ بھی خلاف اولیٰ ہے) ۔ لیکن اگر کسی سے قیمت طے پا چکی ہے اور ایسا کیا جائے تو حرام ہے ، کیونکہ یہ دام پر دام بڑھانا ہے جس کا ممنوع ہونا اوپر بتایا جا چکا ہے ۔

اب جاننا چاہیے کہ بیع مرابحہ (یعنی بتعین منافع سودا کرنے) کی دو صورتیں ہیں :

←

← ایک صورت یہ ہے کہ نرخ اس طرح پر چکا لیا جائے کہ خریدار مثلاً (قیمت خرید پر) دس فی صدی یا کم و بیش منافع دے گا۔ اس کی بھی دو شکلیں ہیں :

ایک تو یہ کہ فروخت کنندہ نے اس مال کو مقررہ دام ادا کر کے خریدا ہو اور اس کے علاوہ مزید کوئی خرچ نہ کرنا پڑا ہو۔ اس طرح تو معاملہ صاف ہے۔ خریدار کو چاہیے کہ اس قیمت خرید پر اسی حساب سے جیسا کہ باہم طے ہوا ہو رقم منافع بڑھا کر اس کے دام ادا کر دے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ بائع نے مال پر علاوہ اس کی قیمت خرید کے مزید مصارف کیے ہوں۔ اب یہ مصارف تین امور پر مشتمل ہوں گے :

ایک امر یہ ہے کہ اس مال پر جو کچھ خرچ ہوا ہے وہ ایسی شے ہے جو مال کے ساتھ باقی ہے، مثلاً کوئی سفید کپڑا خریدا اور پھر اس کو رنگا، یا دھنی ہوئی اون تھی اور پھر اسے بٹ لیا گیا، یا کوئی کپڑا خریدا اور اس پر کڑھائی کی۔ ان صورتوں میں وہ رنگ یا بٹائی اور کڑھائی اور سلائی ایسی اشیاء ہیں جو اس کپڑے کے ساتھ برقرار ہیں۔ اس صورت میں وہ خرچ جو ہوا وہ بھی دام ہے۔ اور اسے بھی قیمت خرید میں شامل کیا جائے گا اور اسی نسبت سے منافع لگایا جائے گا۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ فروخت کنندہ اس کو بھی قیمت خرید کی طرح بیان کردے اور بتا دے کہ میں نے اتنے میں یہ کپڑا خریدا اور اس کے رنگوانے، سلانے یا کڑھائی پر اتنا خرچ ہوا ہے۔

اب اگر یہ کام بائع نے خود کیا ہو، مثلاً بائع خود درزی ہے اور اس نے وہ کپڑا سی لیا، یا رنگ ریز ہے جس نے رنگا تو اس کی اجرت کو قیمت اور منافع لگانے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ مال پر جو کچھ مزید خرچ ہوا وہ مال فروخت میں برقرار نہیں ہے اور نہ اس مال کی خصوصیات میں سے ہے، مثلاً اس مال کے حمل و نقل اور اپنے گھرمیں رکھنے کے اخراجات۔ اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ ان اخراجات کو قیمت خرید میں شامل کیا جائے اور نہ اس پر منافع لگایا جائے گا۔ ہاں اگر ←

← اس مال کے لیے (خاص طور پر) کوئی مکان کرایہ پر لینا پڑا ہو کہ اس میں رکھا جا سکے کہ اگر وہ مال نہ لیا جاتا تو اس مکان کی ضرورت نہ پڑتی تو اس مکان کا کرایہ مال کی قیمت میں شامل کیا جائے گا، لیکن اس پر نفع عاید نہ کیا جائے گا۔ دلال کی اجرت کا بھی یہی حکم ہے درآنحالیکہ خریداری کی توثیق عادةً اس پر منحصر ہو۔ (یعنی دلال کی اجرت کو قیمت مال میں شمار کیا جائے گا لیکن اس پر منافع نہیں لگایا جائے گا)

تیسرا امر یہ ہے کہ (مزید مصارف جو ہوئے ہیں) گو وہ مصارف مال فروخت میں برقرار نہ ہوں لیکن وہ اس مال کے مخصوص مصارف ہوں، مثلاً کپڑے (کے تھان وغیرہ) کا تہ کرنا اور اس کا لپیٹنا کہ اگر رواجاً بائع یہ کام خود کرتا ہے، لیکن اس نے اس کے لیے کسی کو اجرت پر لگالیا ہے تو یہ اخراجات نہ قیمت مال میں شمار ہوں گے اور نہ ان پر منافع لگایا جائے گا۔ لیکن اگر وہ ایسا کام ہے جو تاجر کے کرنے کا کام نہیں ہے، مثلاً جانور کے چارے وغیرہ کے اخراجات تو ایسے مصارف کو قیمت میں شامل کر لیا جائے گا، لیکن اس پر منافع نہیں لگے گا۔ تاہم یہ شرط ہے کہ اس کی تفصیل بتا دی جائے۔

اگر فروخت کنندہ خریدار پر یہ شرط لگا دے کہ جو کچھ بھی مال پر خرچ ہوا ہے تمام اخراجات پر بھی نفع لگائے گا، خواہ وہ مصارف مال میں برقرار ہوں جیسے رنگ وغیرہ جن کا ذکر کیا گیا، یا نہ ہوں، یا ایسا خرچ ہو جو کیا تو گیا ہو لیکن وہ خرچ اس مال کے لیے مخصوص نہ ہو مثلاً باربرداری وغیرہ، یا مخصوص ہو لیکن بالعموم اس کام کو خود بائع انجام دیتا ہو، یا اس کے برعکس کوئی دوسرا انجام دیتا ہو تو ایسی تمام شرط کی پابندی لازم ہے جن کا ذکر کر دیا گیا ہو۔

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ (مرابحہ کی صورت میں) قیمت خرید اور اس کے علاوہ دوسرے اخراجات جو مال پر کیے گئے، خواہ وہ اخراجات مال کے ساتھ برقرار ہوں یا نہ ہوں، ذکر کر دینا شرط ہے، لہٰذا اگر بائع نے کہا کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ اس کی قیمت خرید اور دوسرے اخراجات جو اس پر آئے ہیں سب پر دس فی صدی منافع لگا کر فروخت کرتا ہوں، لیکن ان اخراجات ←

→ کی تفصیل نہیں بتائی جن کو قیمت میں شامل کر کے منافع لگانا درست ہے یا قیمت میں شامل کرنا تو صحیح ہے لیکن ان پر منافع لگانا صحیح نہیں ہے اور یا ایسے مصارف ہیں جن کو قیمت میں شامل نہیں کیا جا سکتا تو یہ سودا فاسد (ناقص) ہو گا ، کیونکہ اس صورت میں خریدار کو مال کی قیمت کا پتہ نہیں چل سکتا ۔

بیع مرابحہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ مال کی مجموعی قیمت پر ایک متعین نفع لگا کر سودا کیا جائے ، مثلاً یہ کہا جائے کہ میں یہ مال دس یا پانچ فی صد منافع کے ساتھ بیچتا ہوں ۔ اس صورت میں بھی یہ شرط ہے کہ مال کی قیمت خرید اور اس پر جو اور مصارف ہوئے ہیں ان کو بتا دیا جائے ، خواہ وہ مصارف مال میں برقرار ہوں جیسے رنگ وغیرہ جن کا ذکر کیا گیا یا نہ ہوں جیسے باربرداری اور گودام کے اخراجات ۔ نیز وہ اخراجات جن کو قیمت اور منافع لگانے میں شامل نہیں کیا جاتا یا قیمت میں شامل کیا جاتا ہو لیکن منافع اس پر نہ لگایا جاتا ہو ، یا کسی میں بھی شامل نہ کیا جاتا ہو اس حالت میں وہ بیع درست ہو گی ۔ لیکن ایسے مصارف جن کو مال کی قیمت میں شامل نہیں کیا جاتا ، مثلاً باربرداری وغیرہ کی اجرت وہ خریدار کے ذمہ ڈالی جائے گی ۔ البتہ اگر ان کو بھی (نفع کے) حساب میں شامل کرنے کی شرط ہو تو روا ہے ۔ مال کی قیمت خواہ سونے یا چاندی کی شکل میں ہو یا کوئی شے ہو جس کی قیمت لگائی جا سکے ۔ چنانچہ اگر (مثلاً) کوئی کپڑا ایک بکری کے عوض خریدا گیا تو روا ہے کہ اس کپڑے کو اسی جیسی بکری کے عوض مقررہ منافع کے اضافہ کے ساتھ (بطور مرابحہ) فروخت کیا جائے ۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جس بکری کو بیچنے کا ارادہ ہے وہ فروخت کے وقت بائع کی ملکیت میں ہو ، یا پھر اس کا کوئی ضامن ہو جس سے اس بکری کو حاصل کیا جا سکے ۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو اس کی فروخت (اس طرح) درست نہیں ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع مرابحہ مذکورہ ، اس صورت میں بغیر کراہت کے درست ہے جب کے اس کے دام اور منافع کی مقدار معلوم ہو ۔ لہذا اگر مثلاً یوں کہا کہ میں یہ مکان سو اشرفی میں کہ اتنے ہی میں اسے میں نے ←

← خریدا ہے، دس اشرفی منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں تو صحیح ہے۔ لیکن اگر یوں کہا کہ میں یہ مکان قیمت خرید پر ایک فی صدی منافع پر فروخت کرتا ہوں لیکن قیمت خرید نہیں بتائی گو درست ہے لیکن مکروہ ہے اور فروخت کنندہ پر لازم ہے کہ اس کی قیمت خرید اور جو اخراجات مزید اس پر ہوئے ہوں ان کی تفصیل بتا دے۔ پس اگر دس میں خریدا ہے اور دس مزید مصارف ہوئے ہیں تو اس کی تفصیل بتا دینا واجب ہے کہ میں نے اتنے میں خریدا اور اس پر رنگنے یا ناپ تول پر یا اس جانور کے چارے وغیرہ پر یہ مصارف مزید ہوئے وغیرہ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیع مرابحہ درست ہے، خواہ یہ کہا گیا ہو کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ اس کی قیمت خرید مثلاً ایک سو پر مزید دس کے منافع کے ساتھ بیچتا ہوں یا یوں کہا کہ میں یہ مال آپ کے ہاتھ دس فیصدی منافع پر بیچتا ہوں اور خریدار اُس مال کے دام سے اور اُس پر جو مزید اخراجات آئے ہیں اُن سے آگاہ ہے تو وہ سب تفصیل بائع کے اس طرح کہنے میں آ گئی کہ میں اس مال کو قیمت خرید اور مزید اس قدر منافع پر بیچ رہا ہوں، خواہ اس کی تفصیل بائع نے نہ بتائی ہو۔ البتہ اس میں اُس کام کی اُجرت داخل نہیں ہے جو بائع نے خود انجام دیے ہوں یا اُس کے کارندوں نے بلا اُجرت انجام دیا ہو۔ ہاں اگر پہلے سے بتا دیا گیا ہو (کہ اس کام کی اجرت ہوگی) تو وہ بھی قیمت میں داخل متصور ہوگی۔

اگر یہ صورت ہو کہ خریدار اُس مال کے بالائی اخراجات سے ناواقف ہے تو وہ اخراجات قیمت میں شامل نہ ہوں گے جب تک کہ بائع نے اُس کی تفصیل نہ بتائی ہو۔ اسی طرح اگر وہ مال کسی سامان کے عوض لیا گیا ہو جس کی بابت خریدار کو علم نہیں ہے تو لازم ہے کہ بائع اُس (سامان) کی تفصیل بتا دے اور یہ کہہ دے کہ میں نے یہ کپڑا فلاں سامان کے عوض جو اتنی قیمت کا ہے خریدار ہے آپ کے ہاتھ (اتنے منافع پر بیچتا ہوں)۔ اگر خریدار یہ جانتا ہو کہ جس سامان کے عوض وہ مال خریدا گیا اُس کی قیمت اتنی ہے تو بائع کے لیے اس تفصیل کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے، تاہم اگر بیان کر دے تو درست ہے۔ ←

← واضح ہو کہ یہ تفصیل اس لیے ضروری ہوتی ہے کہ جھوٹ سے بچا جائے جو حرام ہے - اگر مال کے دام نقدی ہوں یا اشیائے مثلی یعنی ناپ تول والی اشیاء وغیرہ ہوں تب بھی (بائع کو) اس تفصیل کا بیان کرنا لازم نہیں ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ 'بیع مرابحہ' یعنی قیمت خرید پر منافع لگا کر سودا کرنا صحیح ہے - اس کی دو شرطیں ہیں :

اول یہ کہ بکنے والی چیز سامان کے قسم کی ہو ، لہٰذا نقدی کا سودا نفع لگا کر (یعنی بشکل مرابحہ) نہیں ہوسکتا - چنانچہ اگر سونے کی دو اشرفیاں دو سو بیس چاندی کے سکہ 'قرش' کے عوض خریدی گئیں تو اب یہ درست نہ ہوگا کہ اُن دونوں اشرفیوں کو اُن کی قیمت خرید پر مثلاً پانچ قرش مزید منافع لگا کر فروخت کیا جائے - اس کا سبب یہ ہے کہ (اس میں مال فروخت کا تعین نہیں ہوا) اشرفی ایسی چیز ہے کہ متعین کرنے سے اس کا تعین نہیں ہو جاتا جیسا کہ سابقاً ایک سے زیادہ بار بتایا جا چکا ہے - چنانچہ یہ کہہ کر کہ میں یہ اشرفی آپ کے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں اُس اشرفی کے عوض کوئی اور اشرفی دی جائے تو روا ہے - ایسے سودوں میں محض سودا ہو جانے سے اس شے کا کوئی شخص مالک نہیں ہو جاتا (جب تک کہ اُس کا قبضہ نہ حاصل کیا جائے) -

واضح ہو کہ فروخت کنندہ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مال کی قیمت خرید میں اُن تمام اخراجات کو شامل کر لے جو بالعموم تاجر لوگ ویسے مال پر کرتے ہیں ، خواہ وجہ مصارف مال فروخت میں برقرار ہو، جیسے رنگ ، سلائی یا چھاپ ، یا اُون اور روئی کی صورت میں اُس کا بٹا یا کاتا ہوا ہونا یا (مکان وغیرہ کی صورت میں) نالی یا حوض کا اضافہ اور خواہ وہ وجہ مصارف مال فروخت سے خارج یا اُس میں موجود نہ ہو، جیسے مال کے نقل و حمل کی اجرت پر یا جانور کی خوراک پر بغیر فضول خرچی کے جو مصارف آئے یا دلال کی اُجرت - (یہ تمام اخراجات قیمت میں شامل کیے جا سکتے ہیں) -

اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا ان اخراجات کو قیمت میں شامل کرنے کی شرط لگانا اور اُس کی تفصیل کا بتانا بائع کے لیے ضروری ہے یا نہیں ؟ اس بارے میں قابل ترجیح امر یہ ہے کہ عام دستور کو دیکھا جائے گا ، جیسا کہ سابقاً اس کی ←

← طرف اشارہ کیا گیا ہے ؛ یعنی اگر بالعموم تاجر لوگ ان اخراجات کو قیمت میں شامل کرتے ہیں تو شامل کیے جائیں ورنہ شامل نہ کیے جائیں ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال کی قیمت مثلی ہونی چاہیے جیسے رائج الوقت اشرفی یا ریال وغیرہ ۔ ناپنے اور تلنے والی اشیاء اور گنی جانے والی یکساں جسامت کی اشیاء بھی داخل ہیں ایسی اشیاء داخل نہیں ہیں جن کی جسامت وغیرہ باہم بہت مختلف ہو، کیونکہ ایسی (عددی) اشیاء کو مثلی قرار نہیں دیا گیا ۔

اگر کوئی اونٹ بیس گنی کا خریدا گیا تو اس کی اس قیمت پر ایک مقررہ منافع لگا کر فروخت کرنا درست ہے ۔ اگر وہ اونٹ دس بوری گندم کے عوض خریدا تو اسے اتنی ہی گندم اور ایک بوری مزید گندم کے منافع سے فروخت کرنا درست ہے اسی طرح اگر ایک بوری گندم گھی کے ایک کنستر (یا پیپے) کے عوض جس میں تیس رطل (یا پندرہ سیر) گھی ہے ، خریدا تو اسے قیمت خرید اور مزید گھی کی مقررہ مقدار کے منافع پر فروخت کیا جا سکتا ہے ۔

اگر مال کے دام مثلی اشیاء کی شکل میں نہ ہوں ، بلکہ دام میں قیمتی شے دی گئی ہو یعنی ایسی شے جو ناپی تولی نہیں جاتی بلکہ اس کی قیمت لگا کر سودا کیا جاتا ہے جیسے کوئی جانور ، کپڑا یا سامان خانہ ہے ، ایسی اشیاء میں بیع مرابحہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ دو شرطیں نہ ہوں :

پہلی شرط یہ ہے کہ مال کے دام بعینہ وہی ہوں جو پہلی بار فروخت کے تھے ۔ مثلاً زید نے عمر سے ایک کپڑا ، بکری کے عوض خریدا ، پھر محمد نے وہ بکری عمر سے لے کر اسی بکری کے عوض وہ کپڑا زید سے (منافع پر) خرید لیا ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس منافع کی مقدار معلوم ہو ، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں یہ کپڑا آپ سے اس بکری کے عوض خریدتا ہوں جس کے عوض آپ نے وہ کپڑا خریدا تھا اور اس پر مزید دس قرش یا ایک بوری گندم منافع دیتا ہوں ۔ اگر منافع کی مقدار کا تعین نہ کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں بکری کی قیمت پر پانچ فی صد منافع اور اصل قیمت بکری کے عوض خریدتا ہوں تو یہ سودا درست نہ ہوگا ، کیونکہ اس صورت میں اس کپڑے کی قیمت کا تعین نہیں ہوتا ۔

تولیہ کا لفظ لغت میں (مصدر) 'ولیٰ غیرہ' سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں کہ ''اُس نے کسی اور کو والی بنایا'' ۔ شرع کی اصطلاح میں 'تولیہ' کے معنے کسی مال کو اُس کی پہلی قیمت خرید پر بغیر کسی زیادتی کے فروخت کرنا (جسے دام کے دام میں بیچنا کہتے ہیں) ۔ اس کے مسائل بھی ویسے ہی ہیں جیسے بیع مرابحہ کے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ۔ یہی حکم ''بیع وضعیہ'' کا ہے جسے ''بیع محاطہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد کسی مال کو قیمت خرید سے کم میں فروخت کرنا ہے ۔ (جسے گھاٹے کا سودا کہا جاتا ہے) ۔

واضح ہو کہ اگر کوئی چیز بطریق مرابحہ یا بطریق وضعیہ (یعنی نفع لگا کر یا نقصان جتا کر) فروخت کی گئی اور بعد میں دلائل سے یا بائع کے اقرار وغیرہ سے یہ ثابت ہوا کہ بائع نے مال کی قیمت وغیرہ کے بارے میں غلط بیانی کی تھی ، اس کے متعلق مسائل از روئے مسالک تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر بائع کا جھوٹ دلائل سے یا اُس کے اقرار سے یا حلف اٹھانے سے انکار کرنے سے ثابت ہو جائے تو خریدار کو حق ہے کہ اُس مال کو پوری قیمت جتنے میں خریدا تھا دے کر رکھ لے یا واپس کر دے اور اُسے یہ بھی حق ہے کہ بیع تولیہ (دام کے دام سودے) میں جو دام ادا کیا ہے اُس میں سے صرف اُس قدر وضع کر لے جو بائع نے جھوٹ بول کر زیادہ لیا ہے ۔ یاد رہے کہ مرابحہ (نفع لگا کر سودا کیا) ہو تو اُس صورت میں خریدار کو صرف طے شدہ قیمت پر مال کے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہے (یعنی زائد ادا شدہ دام کی واپسی کا حق نہیں ہے) تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جو کچھ (بائع کی دروغ بیانی کی وجہ سے) زیادہ گیا ہے اُس کے وضع کرنے کا حق ہے ۔ پس اگر کوئی کپڑا دس روپیہ قیمت خرید پر پانچ قرش منافع لگا کر خریدا گیا اور پھر ثابت ہوا کہ کپڑے کی قیمت خرید صرف آٹھ تھی دس نہیں تھی تو خریدار کو حق ہے کہ اصل قیمت میں سے دو اور اُس پر لگایا ہوا منافع جو ایک قرش ہوتا ہے اُس کے دام میں سے کم کر دے ۔ اگر (اس دوران) مال تلف ہوگیا یا خریدار اُسے کام میں لے آیا اور یا خریدار کے پاس اُس مال میں خرابی پیدا ہو گئی تو اب یہ اختیار جاتا رہے گا اور پوری قیمت واجب الادا ہوگی ۔ ←

← مالکیہ کہتے ہیں کہ بیع مرابحہ میں اگر فروخت کنندہ نے صداقت سے کام نہیں لیا تو (اس کی تین صورتیں ہوں گی) یا تو وہ غاشی ہوگا (یعنی مال کی کیفیت غلط بتائی) یا کاذب ہو گا (کہ مال کی قیمت بتانے میں جھوٹ بولا) یا پھر 'مدلس' ہوگا (کہ مال کے عیب کو چھپایا)۔

غاشی وہ ہے جو خریدار کو اس خوش فہمی میں ڈال دے کہ مال میں کوئی دل پسند خوبی موجود ہے اگرچہ اس کے نہ ہونے سے اس مال میں کوئی خرابی متصور نہ ہو۔ یا اس کے برعکس یہ تصور دے کہ مال میں وہ بات نہیں ہے جو پسند نہیں کی جاتی۔ مثلاً یہ خوش فہمی دلانا کہ مال نیا ہے اور تازہ بتازہ کارخانے سے آیا ہے، حالانکہ وہ مال پرانا ہے اور عرصہ سے بائع کے پاس پڑا رہا ہے۔ یا یہ جتانا کہ وہ مال فلاں کارخانے کا ہے حالانکہ وہ اس کارخانے کا مال نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے مال کی مالیت میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔ اگر مال میں عیب تھا تو اس کے مسائل خیار عیب کے بیان میں بتائے جا چکے ہیں۔ بیع مرابحہ میں اس قسم کی دروغ بافی کا حکم یہ ہے کہ خریدار کو (بائع کا جھوٹ کھلنے کے بعد) اختیار ہوگا کہ مال رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے۔

'کاذب' وہ ہے جو قیمت میں جھوٹ بولے، یعنی قیمت خرید زیادہ بتائے، مثلاً یوں کہے کہ وہ مال تیس میں خریدا ہے، حالانکہ صرف بیس میں خریدا تھا۔ ایسی صورت میں خریدار کو حق ہے کہ جس قدر دام بائع نے زیادہ بتائے اور اس پر جو منافع لگایا گیا اس کو دام میں سے نکال دے۔ اور اندریں حال اس مال کا لینا اسے لازم ہوگا۔ ہاں اگر فروخت کنندہ اس پر راضی نہ ہو تو اب خریدار کو مال کے رکھنے یا واپس کر دینے کا اختیار ہے۔

اگر اس دوران کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے جس کے باعث اس مال کی واپسی نہ ہو سکے، مثلاً بھاؤ کا بڑھ جانا یا گھٹ جانا یا بازار کا مندا ہونا تو (بائع کا) غش (حقیقت پوشی) ثابت ہونے پر خریدار کو لازم ہے کہ اس مال کے دام یا اس کی مالیت جو قبضہ لینے والے دن تھی ان دونوں میں سے جو کم ہو اس قدر ادا کردے اور منافع کچھ نہ لگایا جائے گا۔ اور کذب (بائع کے جھوٹ بولنے) کی ←

← صورت میں خریدار کو یہ اختیار ہوگا کہ مال کو اُس کی اصل قیمت اور طے شدہ منافع کے عوض اُس مال کو رکھ لے یا قبضہ کرنے والے دن جو اُس کی مالیت تھی وہ ادا کر دے ۔ اگر اُس کی مالیت اس غلط دام اور منافع سے جو بائع نے بتائے تھے زیادہ ہو جائے تو اُس وقت خریدار پر لازم نہیں ہے کہ اُس زیادتی کو واپس کرے ، کیونکہ فروخت کنندہ اپنی غلط بتائی ہوئی قیمت پر راضی تھا ۔ اب اگر مال کی قیمت بڑھ گئی تو اس سے بائع کو کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو جاتا ، درآنحالیکہ اُس نے جھوٹ بول کر پہلے ہی زیادہ دام لے رکھے ہیں ۔

مدلس وہ شخص ہے جو یہ جانتا ہو کہ مال میں کوئی خرابی ہے اور وہ اُسے چھپا لے ایسے شخص کا حکم بیع مرابحہ میں بھی وہی ہے جو دوسرے معاملات بیع میں ہے ۔ اور یہ بات 'خیار' کے بیان میں بتائی جا چکی ہے کہ (ایسی صورت میں) خریدار کو اختیار ہوتا ہے کہ مال کو رکھ لے یا واپس کر دے اور اُس کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا وغیرہ ۔

یاد رہے کہ اگر 'بیع مرابحہ' میں بائع کا کذب یا غش یا دلس (یعنی جھوٹ یا حقیقت پوشی یا عیب پوشی) ثابت ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے مال میں کوئی نقصان دہ خرابی نکل آئے ، لہٰذا اگر مال مشتری کے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی تلف ہو جائے تو خریدار اس سے بری الذمہ ہوگا ۔ بخلاف بیع مزایدہ یا بیع مساومہ کے ، اگر اس میں بائع کا کذب یا غلط بیانی وغیرہ ثابت ہو اور وہ مال قبضہ حاصل کرنے سے پہلے لیکن معاملہ طے ہو جانے کے بعد تلف ہو جائے تو خریدار اس کا ذمہ دار ہوگا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مال کا سودا بطریق تولیہ یا مرابحہ (یعنی دام کے دام پر نفع لگانے کی شرط پر) کیا گیا اور بعد میں پتا چلا کہ بائع نے قیمت کے بارے میں جھوٹ بولا تھا تو خریدار کو یہ حق ہے کہ تولیہ اور مرابحہ میں اصل قیمت سے زیادہ جو کچھ بائع نے بتایا ہے اُس کو اور اُس پر جو نفع لگایا گیا ہے اُس کو وضع کرلے ۔ بیع مواضعہ میں بھی جو جھوٹ بول کر زیادہ بتایا گیا ہے اُس قدر ساقط کر دیا جائے گا ۔ باقی بیع نافذ رہے گی اور خریدار کو اس بارے میں اور کچھ اختیار نہیں ہے ۔

←

→ اگر فروخت کنندہ کہے کہ میں نے مال کے دام بتانے میں غلطی کی ہے - جو دام میں نے بتائے وہ مال اس سے زیادہ کا ہے تو اس کی یہ بات اس کے حلف اٹھا لینے پر مان لی جائے گی ، درآنحالیکہ خریدار اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کرے اور وہ قسم کھا کر یہ کہے کہ بیع کے وقت اسے معلوم نہ تھا کہ جو دام بتائے گئے وہ اصل دام سے کم ہیں - اب اگر وہ یہ قسم کھا لے تو خریدار کو اختیار ہے کہ وہ مال واپس کردے یا اس قدر اور ادا کردے جس کا بائع نے دعویٰ کیا - اگر بائع حلف اٹھانے سے انکار کرے تو وہی قیمت برقرار رہے گی جس پر معاملہ طے ہوا تھا - بعض اصحاب نے اس رائے کو ترجیح دیا ہے کہ فروخت کنندہ نے جو زیادہ دام بتائے اسے بظاہر تسلیم نہ کرنا چاہیے تاآنکہ اس کا ثبوت (گواہ) مہیا نہ کیا جائے - البتہ اگر وہ شخص سچا مانا جاتا ہو تو اور بات ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بیع مرابحہ میں فروخت کنندہ کا جھوٹ ثابت ہو جائے مثلاً اس نے بتایا کہ فلاں چیز سو میں خریدی تھی اور دلائل سے یا اس کے اپنے اقرار سے یہ ثابت ہوا کہ اس سے کم میں لی تھی تو خریدار کو حق ہے کہ زیادہ دام جو اس نے بتائے اس قدر دام اور اس پر جو منافع لگایا تھا وہ سب وضع کر لے -

اگر بائع کو یہ خیال آئے کہ اس نے غلطی سے جو دام بتائے تھے مال اس سے زیادہ کا ہے تو اب اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ جو قیمت بتا چکا ہے اس میں زیادتی کرے ؛ ہاں اگر خریدار اس کی بات کو مان لے تو فروخت کنندہ کو اختیار ہے کہ سودا بحال رکھے یا اسے توڑ دے - اگر خریدار نے بائع کو جھٹلایا اور بائع نے اپنی غلطی کی توجیہ کچھ اس طرح کی کہ اس کے سر زد ہو جانے کا احتمال تھا ، مثلاً اس نے بتایا کہ جب میں نے اپنا بہی کھاتہ دیکھا تب معلوم ہوا کہ اس مال کی قیمت اس سے زیادہ ہے جو پہلے بتائی گئی اور اس کے لیے شہادت طلب کی گئی اورگواہ نے اس کی تصدیق کردی تو اب بائع کو (نفاذ و فسخ بیع کا) تو اختیار ہوگا مزید قیمت کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا - اور اگر بائع کوئی ایسی وجہ نہ بیان کر سکا جس سے غلطی کا احتمال ہو سکتا تو اس بارے میں اس سے

غبن فاحش یعنی سودے میں ناجائز منافع خوری کا بیان

خرید و فروخت کی اجازت شرع میں اس لیے ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں - غبن (منفعت کوشی) کی جڑ یہی ہے ، کیونکہ فروخت کنندہ اور خریدار دونوں ہی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں - شارع علیہ السلام نے بیع و شراء میں نفع کمانے سے منع نہیں فرمایا اور نہ منافع کی کوئی حد متعین فرمائی ہے ، البتہ غلط بیانی اور فریب کاری سے منع فرمایا ہے اور ایسے سودوں کی تعریف فرمائی ہے جس میں یہ برائی نہ ہو کہ مال کے عیب کو چھپا کر سودا کیا جائے وغیرہ - پس اگر کسی شخص نے مال بیچنے میں ایسی کوئی حرکت کی تو خریدار کو

← کی پیش کردہ شہادت کو مطلق قابل سماعت نہ سمجھا جائے گا - (اس بارے میں) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس تضاد کے پیش نظر جو بائع کے اقوال میں ہے گواہوں کی شہادت کسی حال میں نہ لی جائے گی ، خواہ وہ وجہ ایسی ہو جس سے غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے یا نہ ہو - ان دونوں باتوں میں سے پہلی بات زیادہ قابل وثوق ہے -

واضح ہو کہ (ان معاملات میں) بائع کو بھی یہ حق ہے کہ وہ خریدار کو قسم دلائے کہ واقعی اسے معلوم نہ تھا کہ مال کی جو قیمت بتائی گئی ہے دراصل وہ مال اس سے زیادہ قیمت کا ہے - اگر خریدار اس بات کو مان لے تو گویا اس نے بائع کے (قول) کی تصدیق کردی اب فروخت کنندہ کو اختیار ہے (کہ سودا بحال رکھے یا فسخ کردے) لیکن زیادہ دام کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے -

اگر خریدار یہ قسم کھا لے کہ اسے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کتنے میں سودا ہوا تو فریقین میں سے کسی کو اختیار (نہ رہے گا) - اگر خریدار قسم کھانے سے انکار کرے تو فروخت کنندہ کو قسم دلائی جائے اور جب وہ قسم کھا لے تو اب اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو جتنی قیمت پر قسم کھائی ہے اسے ادا کرکے اپنا مال واپس لے لے یا خریدار کو دے دے -

حق ہے کہ مال واپس کردے ، جیسا کہ خیار کے بیان میں مفصل بتایا جا چکا ہے اور خیار (واپسی مال کا حق) شریعت نے اس لیے دیا ہے کہ بائع اور مشتری دونوں کو سوچ بچار کا موقع مل جائے اور نہ کسی شخص پر زیادتی ہو اور نہ کسی کو بعد میں پچتانا پڑے ، جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا ۔ ہرچند کہ یہ بات ممکن ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے سوجھ بوجھ سے کام لیں کہ کوئی شخص دوسرے کو نقصان نہ پہنچا سکے، تاہم اگر ایسی صورت حال پیدا ہوجائے درآنحالیکہ فریب اور عیب پوشی سے کام نہ لیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟ اور کس حد تک یہ عمل قابل درگزر ہے یا ناقابل درگزر ہے ؟ اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام مسالک میں یہ بات مانی ہوئی ہے کہ منافع خواہ کتنا ہی زیادہ اور غیر معمولی ہو (فروخت شدہ) مال واپس نہیں کیا جا سکتا ، البتہ چند صورتیں مستثنیٰ ہیں :

ایک صورت یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ خرید و فروخت کرنے والا کسی کا وکیل یا وصی (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو یا گماشتہ یا سرپرست) ہو ۔ اگر ایسی صورت ہو تو وہ معاملہ خرید و فروخت رد کر دیا جائے گا ۔ اور مؤکل یا محجور (نا اہل) پر (جس کی طرف سے کسی اور نے سودا کیا ہے) روا ہوگا کہ وہ مال واپس کردے ۔ پس اگر کسی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے کوئی مال خریدے، اس نے وہ مال غبن فاحش کے ساتھ (یعنی بڑا نقصان اٹھا کر) یا بائع کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے خریدا تو وکیل بنانے والے (مؤکل) کو حق ہے کہ اس مال کو واپس کردے ، بشرطیکہ مال موجود ہو اور جوں کا توں ہو، اس میں تبدیلی نہ آئی ہو ۔ اگر مال میں خرابی آ گئی ہے تو مؤکل کو حق ہے کہ فروخت کنندہ سے اس کا مطالبہ کرے جو اس نے زیادہ لیا ہے ۔ اگر اس سے لینا دشوار ہو تو اس کا مطالبہ وکیل سے ہوسکتا ہے جس نے اس مال کا سودا کیا ۔

غبن فاحش (یعنی ناجائز منافع) کی حد کی تعیین کرنے میں اختلاف ہے ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کوئی مال تہائی قیمت سے زیادہ منافع پر یا تہائی قیمت سے زیادہ نقصان سے سودا ہوا ہو تو یہ 'غبن' ہے، لیکن اس باب میں قابل اعتماد قول ←

یہ ہے کہ غبن یہ ہے کہ مال کے دام واضح طور پر بہت ہی زیادہ ہوں یا واضح طور پر بہت ہی کم ہوں - اگر یہ زیادتی یا کمی نمایاں ہو تو یہ 'غبن فاحش' ہے -

دوسری صورت مستثنیٰ یہ ہے کہ خریدار مال کے دام (کا فیصلہ) خود بائع پر چھوڑ دے اور یہ کہے کہ مجھے یہ مال اتنے میں دے دو جتنے میں تم اوروں کو دیتے ہو - یا فروخت کنندہ مال کے دام خریدار (کے فیصلہ) پر چھوڑ دے کہ یہ چیز مجھ سے اتنے میں خرید لو جتنے میں اوروں سے خریدتے ہو - اب اگر اس میں خریدار یا فروخت کنندہ غبن کرے تو مال کی واپسی کا حق ہے -

تیسری صورت یہ ہے کہ بائع یا مشتری مال کی قیمت (کا تعین) ایک دوسرے کے ایمان پر چھوڑ دیں اور یوں کہا جائے کہ میں یہ مال خریدتا ہوں یا بیچتا ہوں اس کی جو قیمت بھی مناسب ہو لگائی جائے - اس صورت میں اگر بعد میں اس مال کی قیمت بہت زیادہ یا کم لگائی گئی تب بھی وہ مال واپس کیا جا سکتا ہے -

واضح ہو کہ بعض ائمہ مالکیہ نے اس صورت میں جب کہ مال کا سودا ایک تہائی سے زیادہ منافع یا ایک تہائی سے زیادہ نقصان پر ہوا ہو اور خرید یا فروخت کرنے والوں کو اس کا علم ہو (یعنی دیدہ دانستہ اتنا زیادہ نفع لیا ہو یا اتنی کم قیمت دی ہو جو اصل قیمت کی ایک تہائی سے زیادہ ہو) اور مال جوں کا توں موجود ہو اور ہنوز ایک سال نہ گزرا ہو تو اس مال کی واپسی کا فتویٰ دیا ہے - چنانچہ بعض اسلامی علاقوں میں اس پر عمل درآمد ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر سودے کے منافع یا گھاٹے میں غبن فاحش ہوا ہو (یعنی نامناسب طور پر نفع لیا گیا ہو یا گھاٹے میں سودا ہوا ہو) تو ان تین صورتوں میں وہ مال واپس کیا جاسکتا ہے -

ایک صورت تلقی رکبان کی ہے (یعنی شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی بنجاروں کے ساتھ سودا کر لینا) -

دوسری صورت بیع نجش ہے (قیمت بڑھانے کے لیے دوسرے کے دام پر دام بڑھا کر لگانا) -

→ تیسری صورت یہ ہے کہ بیچنے یا خریدنے والے کو مال کا نرخ معلوم نہ ہو اور فریقین نے اچھی طرح سے دام چکا کر سودا نہ کیا ہو - اس بارے میں اگر کسی نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ مجھے اس مالیت کا اندازہ نہیں تھا تو اس کو مان لیا جائے گا، درآنحالیکہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کی لاعلمی کے دعوے کی تکذیب کرے - بعض اصحاب، کی رائے یہ ہے کہ اس بات کو قابل توجہ نہ سمجھا جائے گا جب تک کہ ایسی کوئی شہادت موجود نہ ہو کہ واقعی اسے مال کی قیمت معلوم نہ تھی- لیکن اگر کسی شخص نے اچھی طرح (بھاؤ تاؤ کرکے) قیمت چکائی ہو اور اس مال کے بھاؤ سے واقف ہو تو مال کی واپسی کا حق نہ رہے گا ، خواہ اس میں کتنا ہی غبن فاحش ہوا ہو، یعنی مال کی قیمت واجبی نرخ سے کتنی ہی زیادہ یا کتنی ہی کم لگی ہو -

حنفیہ کہتے ہیں کہ 'غبن فاحش' ایسے دام کو کہتے ہیں جو مالیت لگانے والوں کے تخمینہ سے باہر ہوں - مثلاً کوئی مال دس میں خریدا گیا اور واقف کاروں میں سے کسی نے اس کی مالیت صرف پانچ بتائی ، کسی نے چھ اور کسی نے سات لیکن دس کسی نے نہ بتائی تو کہا جائے گا کہ وہ دام کسی کے اندازے کے مطابق نہیں ہے - لیکن اگر صورت یہ ہو کہ وہ دام کسی کے بھی اندازے کے مطابق ہوں ، مثلاً کوئی اس کے دام آٹھ کوئی نو اور کوئی دس لگائے تو اسے غبن فاحش نہ کہیں گے کیونکہ جس نرخ پر وہ مال خریدا گیا اس کی تائید کسی نے کردی (اور یہ نہیں ہوا کہ کسی نے بھی وہ دام نہیں لگائے) -

معاملۂ بیع میں غبن فاحش کا حکم یہ ہے کہ اسے واپس نہیں کیا جا سکتا بجز اس صورت کے جب کہ سودے میں دھوکے سے کام لیا گیا ہو - پس اگر بائع نے مشتری سے کہا کہ یہ سوتی کپڑے دیسی ہیں اور (اس خیال سے) اسے چار اشرفی میں خرید لیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کپڑے شامی ہیں جن کی قیمت صرف دو اشرفی ہوتی ہے تو اس صورت میں خریدار کو حق ہے کہ اس مال کو واپس کردے -

اسی طرح اگر خریدار نے فروخت کنندہ سے کہا کہ اس میمنہ کی قیمت بازار میں ایک اشرفی ہے اور بائع نے اس کی بات کو سچ خیال کرکے اتنے ہی میں اس ←

ان اشیاء کا بیان جو کسی شے کی فروخت میں بغیر ذکر کیے شامل ہوتی ہیں اور وہ اشیاء جو شامل نہیں ہوتیں

اگر کسی شخص نے کوئی مکان خریدا تو اس میں اس مکان کی تعمیرات ، اس کے دروازے اور ایسی تمام اشیاء جو مکان کے ساتھ وابستہ ہیں ،گو ان کی فروخت میں ان کا ذکر نہ آیا ہو ؛ داخل ہیں - اسی طرح اگر کوئی زرعی یا ایسی زمین جس میں پودے لگائے گئے ہوں اور درخت ہوں فروخت کی جائے تو اس کے درخت

← کے ہاتھ فروخت کردیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ واقعی اس کی قیمت دو اشرفی ہے تو فروخت کنندہ کو حق ہے کہ اس سودے کو فسخ کر دے - اگر (غبن فاحش کا) علم ہونے سے پہلے اس مال میں سے کچھ خریدار اپنے تصرف میں لا چکا ہے اور وہ مال مثلی ہے (یعنی وہ جنس دستیاب ہوتی ہے) تو جس قدر مال صرف ہو چکا ہے اس کے عوض اتنا ہی مال ملا کر پورا مال واپس اور مال کی (ادا شدہ) پوری قیمت واپس لے لے - اگر وہ مال (مثلی نہیں بلکہ) قیمت والا مال ہے اور خریدار اس مال کا کچھ حصہ یا پورا مال اپنے کام میں لا چکا ہے یا کوئی ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ اس کا واپس کرنا ممکن نہیں رہا تو اب اسے واپس کرنے کا اختیار جاتا رہا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ غبن فاحش میں مال کی واپسی واجب نہیں ہے ، بشرطیکہ فروخت کنندہ نے دھوکا نہ کیا ہو ، خواہ غبن زیدہ ہو یا کم ہو ، کیونکہ سنت کا منشاء یہ ہے کہ خریدنے یا فروخت کرنے والے پر سختی نہ ہونی چاہیے ، جب تک کہ فریقین میں سے ایک نے دوسرے کو دھوکا نہ دیا ہو -

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اگر کوئی شخص بالا ہی بالا بنجاروں سے مل کر غبن فاحش (یعنی بہت ہی کم قیمت پر) مال خرید لے تو اس معاملہ پر عمل درآمد نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اس معاملہ سے دست بردار ہونے کا حق ہے - ←

فروخت میں داخل ہوں گے ۔ اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ان صورتوں میں مسائل کی بنیاد تین اصول پر مبنی ہے :

پہلا اصول یہ ہے کہ ہر وہ شے جو فروخت شدہ مال کے نام میں داخل سمجھی جاتی ہے وہ سب فروخت میں آجائے گی، خواہ (معاملہ کے وقت) اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو ۔ چنانچہ اگر کوئی مکان خریدا تو لفظ 'مکان' میں جو جو چیزیں داخل سمجھی جاتی ہیں وہ سب فروخت میں داخل ہیں ۔ تفصیل آگے آ رہی ہے ۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ شے مال فروخت شدہ کے ساتھ برقرار رہنے کے لیے ہو، اس لیے نہ ہو کہ اسے وہاں سے ہٹانا یا کاٹنا ہے ۔ مثلاً کوئی درخت ہے جو زمین میں لگا رہنے کے لیے لگایا گیا، تاکہ اس کے پھل سے فائدہ اٹھایا جائے، مثلاً کھجور، انار، آم یا مغز والی اشیاء (اخروٹ ، بادام وغیرہ) کے کھڑے درخت ؛ یہ سب فروخت شدہ مال (زمین) میں داخل ہیں ، اگرچہ بیع کے وقت ان کا ذکر نہ آیا ہو ۔ خواہ وہ درخت پھل دار ہوں یا بغیر پھل کے ہوں ۔ بخلاف سوکھے ہوئے درختوں کے کہ انہیں برقرار رکھنا پیش نظر نہیں ہے کیونکہ اب ان کو تو وہاں سے کاٹ کر ہی کام میں لایا جا سکتا ہے ۔ اسی میں وہ ہرے درخت بھی شامل ہیں جو پھل نہیں دیتے اور وہ اس لیے لگائے گئے ہیں کہ ایک خاص عرصہ کے بعد خواہ ایک سال یا دو سال ہو اکھاڑ لیے جائیں گے، مثلاً وہ درخت جو لکڑی حاصل کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں ایسے درخت (زمین کی) فروخت میں شامل نہیں ہوں گے جب تک کہ بیع میں اس کی تصریح نہ کر دی جائے ۔ اسی طرح ہر قسم کی کھیتیاں جن کو کاٹنے کے لیے لگایا جاتا ہے جیسے گندم ، مکی ، جو اور چنے وغیرہ کے پودے کہ ان کو لگا رہنے کے لیے نہیں بویا جاتا ، کیونکہ کاٹے بغیر ان کے بونے کا کچھ فائدہ نہیں ، لہٰذا کھیتی فروخت (زمین) میں داخل نہ ہو گی جب تک کہ اس کی صراحت نہ کردی جائے ۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ ایسی اشیاء جو حسب ذیل دو قسموں کے تحت نہ ←

← آتی ہوں وہ نہ عام طور پر مال میں شامل سمجھی جاتی ہیں اور نہ ان کو فروخت شدہ شے سے دائمی طور بر وابستہ قرار دیا جائے گا۔

پہلی قسم کی وہ اشیاء ہیں جو مرافق مبیع میں سے ہیں (یعنی بکنے والی شے کے ساتھ کام میں آتی ہیں) اور ان پر فروخت شدہ شے کا حق ہے۔ ایسی اشیاء کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان مرافق وحقوق کا ذکر دیا جائے کہ میں نے اس مکان کو اس کے حقوق کے ساتھ خریدا ہے تو وہ اشیاء فروخت میں شامل ہوں گی۔ اگر مرافق و حقوق (جس کو آج کل کی اصطلاح میں حقوق داخلی و خارجی کہتے ہیں) کا ذکر نہیں کیا گیا تو وہ فروخت میں داخل متصور نہ ہوں گی۔

واضح ہو کہ مرافق و حقوق (یعنی متعلقات مبیع اور حقوق) دونوں سے ایک ہی شے مراد ہے، یعنی وہ چیز جو فروخت ہونے والی شے کے لوازمات سے ہو، یعنی اگر وہ نہ ہو تو وہ شے بے مصرف ہو کر رہ جائے، مثلاً زمین کے سودے میں راستہ یا آب رسانی کا ذریعہ۔ لیکن راستہ ایسی شے ہے کہ جب تک بیع میں حقوق و مرافق کا ذکر نہ کیا جائے وہ فروخت میں داخل نہ ہو گا۔ البتہ وہ راستے جو شارع عام سے متصل ہوں یا شارع عام کے علاوہ پگ ڈنڈی (یا تنگ گلی) سے متصل ہوں ان کا ذکر نہ آئے تب بھی فروخت میں داخل تصور کیا جائے گا۔

دوسری قسم میں وہ اشیاء ہیں جو مال فروخت کے مرافق و حقوق (یعنی لوازمات) میں سے نہ ہوں (کہ ان کے بغیر فروخت شدہ شے بے مصرف ہو کر رہ جائے) جیسے درخت کا پھل ہے کہ پھل لوازمات میں سے نہیں ہے (کہ بغیر پھل کے درخت بے مصرف ہو جائے) لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں یہ درخت خریدتا ہوں تو اس خرید میں پھل شامل نہیں ہے، جب تک کہ اس کی صراحت نہ کی گئی ہو، یا یوں کہا جائے کہ میں اس درخت میں جو کچھ لگا ہے اس کے سمیت خریدتا ہوں۔

ان امور کو جان لینے کے بعد ان تمام مسائل کی جو اس بارے میں بیان کیے جاتے ہیں ان اصول سے تطبیق کی جا سکتی ہے۔ ←

→ مثلاً کوئی مکان خریدا تو اس میں مکان کی عمارت، اس کی چھتیں ، دروازے، کھڑکیاں (یا چھپکرے) اور بدررروئیں اور زینہ گو وہ عمارت کے ساتھ نہ ہو ، بلکہ لکڑی وغیرہ کا ہو ، سب داخل ہیں ، کیونکہ زینہ کو عام طور پر مکان میں داخل سمجھا جاتا ہے - اسی طرح پانی کے نلکے اور بجلی کی لائن بھی فروخت میں داخل ہے - البتہ برقی لیمپ کو مکان کا حصہ تصور نہیں کیا جاتا - کنجیاں (یا کھٹکے) وغیرہ اشیاء خانہ میں ہیں البتہ سائبان فروخت میں داخل نہ ہو گا جب تک کہ مرافق و حقوق میں اس کی صراحت نہ کر دی جائے۔ اگر مکان کے بیرونی حصہ میں کھدائی سے اینٹیں یا سنگ مرمر وغیرہ نکلے اور وہ تعمیری ہو تب تو وہ گھر کی ساتھ والی شے شمار ہو گا اور خریدار کا حق ہو گا لیکن اگر تعمیری نہ ہو تو وہ فروخت کنندہ کا مال ہے۔ اگر یہ کہا گیا کہ یہ اس شخص کا مال نہیں ہے تو اسے گری پڑی شے کی مانند تصور کیا جائے گا (ایسی چیزوں کو لقطہ کہتے ہیں) -

اسی طرح اگر کسی نے مچھلی خریدی اور اس کے پیٹ سے جواہر نکلا (اس کا بھی یہی حکم ہے) - اور اگر موتی سیپ کے پیٹ میں ہے تو وہ خریدار کا مال ہے، اگر سیپ میں نہیں ہے تو خریدار اسے فروخت کنندہ کے پاس لوٹا دے اور وہ موتی بائع کے پاس لقطہ (گری پڑی چیز) کی مانند رہے گا جس کی بابت وہ عام اعلان کرے گا ، پھر سال بھر کے بعد (اگر اس کا کوئی مالک نہ ملے تو) اس کو صدقہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مرغی خریدی اور اس کے پیٹ سے سونے کی ڈلی نکلی تو وہ فروخت کنندہ کی ہے اور اگر سیپ یا صدفی جانور کھانے کے لیے خریدا اور ان میں سے کسی میں موتی نکل آیا تو وہ خریدار کا حق ہے - اگر حمام خریدا تو اس میں دیوار کے اندر نصب شدہ حوض ، پانی کے نلکے اور تانبے کی ٹینکیاں جو دیواروں میں نصب ہوں اور ہر ایسی شے جو گڑی ہوئی اور زمین کے ساتھ وابستہ ہو ، بغیر تفصیل بتائے فروخت میں داخل ہیں - اگر درخت خریدا تو اس کا پھل بیع میں داخل نہ ہوگا، جب تک کہ یہ شرط نہ رکھی گئی ہو ، اور یہ ایسی شرایط ہیں جن کے لگانے سے سودا کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہوتی - اسی طرح کھیتی ہے جو ہمیشہ لگی رہنے کے لیے نہیں بوئی جاتی ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا - ایسے ←

← سودوں میں دام وصول کرنے کے بعد فروخت کنندہ سے کہا جائے گا کہ اس کو کاٹ لے اور زمین اور درخت خریدار کے حوالے کر دے ، قطع نظر اس کے کہ درخت میں پھل آ گئے ہوں یا نہ آئے ہوں ۔ قیمت وصول کرنے کے بعد فروخت کنندہ کو اس میں توقف کرنا جائز نہیں ہے، خواہ پھل پختگی پر آ گئے ہوں یا ہنوز نہ آئے ہوں ۔ فروخت کنندہ کو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ خریدار سے وہ درخت ٹھیکہ پر لے لے کہ پھلوں کے پختہ ہونے تک لگا رہنے دیا جائے ۔ ہاں یہ جائز ہے کہ خریدار بطور عاریت وہ درخت بیچنے والے کے سپرد کر دے ۔ اگر خریدار یہ رعایت دینے سے انکار کرتا ہے تو فروخت کنندہ کو اختیار ہے کہ چاہے تو پھل (جیسے بھی ہوں) اتار لے اور فروخت قائم رکھے یا پھر یہ سودا منسوخ کر دے ۔

یہ تمام مسائل فروخت کی شکل میں لاگو ہوتے ہیں ؛ رہن کی صورت ہو تو درخت کے ساتھ پھل بھی رہن میں داخل ہوں گے ۔ پس اگر کوئی زمین گروی رکھی جائے تو اس پر کھڑی کھیتی بھی زمین کے ساتھ رہن رکھنے والے کی ہے اگرچہ رہن میں اس کی صراحت نہ کی گئی ہو ۔ وقف کی صورت میں زمین کی تعمیرات اور درخت سب وقف شدہ تصور ہوں گے ، البتہ کھڑی کھیتی وقف میں داخل نہ ہو گی ۔ اور فروخت شدہ زمین کی بیع اگر فسخ کی جائے تو کھیتی اس میں شامل نہ ہو گی ۔ اور ہر وہ شے جو فروخت شدہ شے کے ساتھ بیع میں داخل ہو اس کے دام جدا گانہ نہیں لگائے جائیں گے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب کسی شے کو فروخت کیا جائے تو اس فروخت میں وہ تمام اشیاء آ جاتی ہیں جن کا ذکر کر دیا گیا ہو یا جو بالعموم اس شے کا جزو سمجھی جاتی ہیں ۔ پس اگر کوئی درخت خریدا اور یا کوئی عمارت خریدی اور اس زمین کا ذکر نہیں کیا گیا جس میں وہ درخت یا عمارت واقع ہے تو اس بیع میں وہ زمین بھی داخل ہے ، بجز اس صورت کے جب کہ فروخت کنندہ نے شرط رکھ دی ہو کہ زمین فروخت نہ ہو گی ، یا عام دستور ہی یہ ہو کہ ایسی صورت میں زمین فروخت میں داخل نہیں سمجھی جاتی ۔ اس بارے میں بیع ، رہن ، ہبہ ، وقف ، وصیت اور صدقہ کے احکام یکساں ہیں کہ اگر کوئی عمارت رہن ←

→ رکھی گئی تو اس کی زمین بھی بموجب بالا اس کے ساتھ ہی رہن میں داخل ہو گی - یہی صورت ہبہ یا کسی شے کے بارے میں وصیت کی ہے -

اگر کوئی زرعی زمین خریدی گئی جس میں فروخت کنندہ نے گندم ، برسیم (ترپھلا یا تپتیا) یا مکی وغیرہ بو رکھا ہے اور ہنوز بیج پھوٹے یا اگے نہیں تو وہ سب (بیج) فروخت میں داخل ہوں گے ، بجز اس صورت کے جب کہ فروخت کنندہ نے یہ شرط رکھ دی ہو کہ وہ بیع میں شامل نہیں ہوں گے - لیکن اگر بیج اگ آئے ہیں تو وہ کھیتی فروخت میں شامل نہ ہو گی تا آنکہ یہ شرط نہ لگا دی گئی ہو یا عام دستور ہی ایسا نہ ہو -

اسی طرح بیع میں وہ روئیدگی بھی داخل نہ ہو گی جو کاٹنے کے بعد دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے جیسے برسیم وغیرہ - غرض بجز اس کے جو اس وقت کھیت میں موجود ہے خریدار کا حق نہیں ہے تا آنکہ اس کی شرط نہ لگا دی گئی ہو -

اگر خریدی ہوئی زمین میں کوئی شے دبائی ہوئی نکلی ، مثلاً سل یا سنگ مرمر یا خشت (پختہ) یا ستون یا ایسی ہی کوئی اور شے تو یہ خریدار کی نہ مانی جائے گی - اگر فروخت کنندہ اس کا دعویٰ کرے اور وہ ہو بھی ایسی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ بائع ورثہ وغیرہ کے طور پر اس کا مالک قرار دیا جا سکتا ہے تو بائع اس کا حقدار ہو گا - لیکن اگر وہ بہت پرانی ہو جس کی حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ فروخت کنندہ کو اس کا مالک قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا تو اسے لقطہ (گری پڑی شے) قرار دیا جائے گا -

اگر خرید کردہ زمین میں گڑھا یا کنواں نکل آئے تو خریدار کو حق ہو گا کہ وہ بیع کو توڑ دے یا اس عیب کے باعث زمین کی مالیت جو کم ہو گئی ہے اس کی تلافی کا مطالبہ بائع سے کرے -

اگر کوئی مچھلی خریدی اور اس کے معدے سے کوئی موتی (یا جوہر) نکل آیا اور یہ پتہ چلا کہ یہ موتی کسی شخص کا ہے بایں جہت کہ بندھا ہوا ہے یا اس پر صنعت کاری وغیرہ کی گئی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی سے گر گیا اور مچھلی نے اسے نگل لیا ہے تو اسے بھی 'لقطہ' (گری ←

← پڑی شے جس کا مالک معلوم نہ ہو) تصور کیا جائے گا۔ خریدار کو چاہیے کہ سال بھر تک اسے اپنے پاس رکھ کر لوگوں کو بتاتا رہے (اگر کوئی مالک پیدا نہ ہو تو) اسے بیت‌المال (خزانۂ حکومت) کے شعبۂ مالیات میں داخل کر دے۔ لیکن اگر موتی سے یہ نہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کا کوئی شخص مالک ہے اور خریدار کو یقین یا گمان یا شک ہے کہ اس کا مالک کوئی نہیں ہے تو اب یہ خریدار کا مال ہے۔ بعض اصحاب مالکیہ نے اسی خیال کو پسند فرمایا ہے اور بعض کے نزدیک قرین صواب یہ سمجھا گیا کہ وہ فروخت کنندہ کا مال ہے۔ اور بعض اصحاب کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر وہ مچھلی تل کر فروخت ہوئی ہے تب تو وہ موتی خریدار کا ہے اور اگر اکواں بکی ہے تو فروخت کنندہ کا ہے۔

اگر کوئی مکان خریدا تو بوقت بیع مکان کی تمام متعلقہ اشیاء جو اس میں موجود ہوں وہ سب فروخت میں شامل ہوں گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور شے جو وہاں موجود نہیں ہے اگرچہ وہ اس مکان ہی کی ہو بیع میں شامل نہ ہو گی۔ پس جڑے ہوئے دروازے، روشن دان، لگے ہوئے زینے، خواہ پتھر کے ہوں یا اینٹ کے سب فروخت میں داخل ہیں۔ البتہ لکڑی کا زینہ جو میخوں سے جڑا ہوا نہ ہو اس کی بابت بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فروخت میں شامل ہے درآنحالیکہ بالاخانہ پر جانے کے لیے اس کا ہونا ضروری ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک بیع کی شرط میں اس کا ذکر نہ آیا ہو وہ بیع میں داخل متصور نہ ہو گا۔

اسی طرح مکان کی چھت جو اس کی دیواروں پر قائم ہے یا نالیاں جو بنائی گئی ہیں یا میخوں سے جڑی ہوئی ہیں سب بیع میں داخل ہیں۔ لیکن ایسی اشیاء منقولہ جو مکان کے ساتھ لگی ہوئی نہیں ہیں وہ فروخت میں داخل نہیں ہیں یہاں تک کہ اگر دروازے اور روشن دان جو اس میں لگائے جانے کے لیے وہاں رکھے ہوئے ہوں اور ہنوز لگائے نہ گئے ہوں تو وہ فروخت میں نہیں آئیں گے، بجز اس صورت کے جب کہ اس کی صراحت کردی گئی ہو۔ اسی طرح پتھر اور سلیں اور سیمنٹ، چونا وغیرہ سامان تعمیر جب تک کہ ان کی تصریح نہ کردی گئی ہو یہ سب فروخت میں داخل نہیں ہیں جب تک کہ مکان میں لگے ہوئے نہ ہوں۔ ←

→ اگر کوئی پھل دار درخت خرما خریدا جس میں تمام یا کچھ حصہ کے اندر تابیر کیا ہوا ہے (یعنی گابھا لگا ہوا ہے) تو وہ گابھا فروخت شدہ درخت میں شامل نہ ہوگا۔ تابیر نخل کے معنے یہ ہیں کہ (کھجور کے نر درخت کی) کونپل مشہور طریقہ کے مطابق (مادہ درخت میں) لگا دی جائے۔ ایسی صورت ہو تو اُس (گابھے دار) درخت میں جو پھل آئے وہ فروخت کنندہ کا ہوگا۔ ہاں یہ شرط لگا دی جائے کہ تمام لگے ہوئے گابھے بھی خریدار کے ہوں گے تو اس صورت میں وہ بھی خریدار کا حق ہوگا۔ لیکن یہ (مبہم سی) شرط کہ اس میں سے کسی قدر خریدار بھی لے گا درست نہیں ہے، کیونکہ گویا یہ تیاری سے پہلے (درخت میں) پھل کی فروخت ہے (جو جائز نہیں ہے)۔

واضح ہو کہ کچھ حصہ کی قید اُس صورت میں درست ہوتی کہ نزاع ہو تو اُس کا تجزیہ کیا جا سکے۔ اگر معاملہ میں پورے کی شرط ہوگی تو وہ سب بیع میں شامل ہے اور نزاع کا اندیشہ نہیں ہے۔

اگر کوئی درخت بغیر گابھے کے ہے یا نصف سے کم حصہ میں گابھا ہے تو (جس قدر ہے) وہ سب بیع میں داخل ہوگا اور خریدار کا حق ہوگا۔ اس باب میں قول مشہور یہ ہے کہ فروخت کنندہ کو ایسی شرط لگانا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

اگر آڑو، بادام، شفتالو یا انجیر کا درخت خریدا اور اُس میں تمام یا بیشتر پھل اپنی جگہ پر پھوٹ آئے تھے بایں طور کہ اُن کو پہچانا جا سکے تو وہ پھل جب تک کہ اس کی صراحت نہ کر دی جائے (درخت کی) فروخت میں شامل نہ ہوں گے۔ ان درختوں میں پھلوں کے لگنے کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے کھجور کے درختوں میں گابھے کا۔ اگر درخت میں ابھی کوئی پھل آنے نہیں لگا یا آدھے سے کم میں لگا ہے تو وہ شرط کے بغیر بھی فروخت میں شامل ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اصولاً تین اشیاء ایسی ہیں جن کی فروخت میں اُس سے وابستہ دوسری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں، خواہ اُن کا ذکر نہ کیا گیا ہو:

اول زمین جس کی تعبیر مختلف طریقہ سے کی جاتی ہے، مثلاً گھر، گاؤں یا باغ۔ ←

دوم درخت →

سوم جانور

اب اگر زمین فروخت کی گئی تو اس میں (اُس زمین پر واقع) عمارت اور درخت (بیع میں) داخل ہوں گے خواہ اُن کا ذکر نہ کیا گیا ہو - لیکن خشک درخت اس میں شامل نہیں ہے - البتہ دوسری بار پھوٹ آنے والی سبزی اور روئیدگی بیع میں داخل ہے جو بار بار پھوٹ آتی ہے، خواہ وہ سبزی بے پھل کی ہو، جیسے برسیم (تپتی) جرجیر (ایک سبزی کا نام) یا سلق (غالباً چولائی) - یہ ایسی سبزیاں ہیں کہ اسے کاٹ لیتے ہیں لیکن جڑ باقی رہتی ہے اور وہ پھر پھوٹ آتی ہے چنانچہ برسیم جب دوسری بار پھوٹے تو اُسے 'ربہ' کہتے ہیں اور تیسری بار پھوٹے تو 'خلفہ' کہلاتی ہے - یا وہ سبزی پھل دار ہو جیسے کھیرا، ککڑی کہ اسے بار بار توڑا جاتا ہے - ایسی سبزیاں (زمین کی) فروخت میں داخل ہیں، خواہ ان کا ذکر نہ کیا جائے کیونکہ یہ سبزی چونکہ بار بار اُتاری جاتی ہے اور جڑ کو باقی رکھا جاتا ہے تو گویا یہ دائمی اور قائم رہنے والی شے ہے، لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ اُن کو برقرار رکھنے کے لیے لگایا گیا ہے (لہٰذا وہ زمین کا جزو ہوئی اور زمین کے ساتھ فروخت ہوگئی) - لفظ دائم سے مقصد اتنے عرصہ تک باقی رکھنا ہے جو ایسی اشیاء کے لیے مخصوص ہے، خواہ وہ ایک سال ہی کی مدت ہو - ایسی اشیاء مزروعہ جو دوبارہ نہیں پھوٹتیں، بلکہ اُنہیں ایک بار ہی کاٹا جاتا ہے جیسے گندم، جو، مولی اور گاجر وغیرہ ایسی سبزیاں زمین کی فروخت میں داخل نہیں ہیں تاآنکہ فروخت میں اس کی صراحت نہ کر دی گئی ہو - اگر (فروخت کے وقت) اس کا ذکر نہ آئے تو خریدار کو اختیار ہے کہ اُس فروخت کو بحال رکھے یا توڑ دے، بشرطیکہ سودا کرنے کے وقت اس بات کا علم نہ رہا ہو اور وہ سبزی ایسی ہو کہ اگر اُس کو زمین پر لگا رہنے دیا جائے تو خریدار کا حرج ہو کیونکہ جتنے عرصہ تک وہ سبزی زمین (فروخت شدہ) میں باقی رہے گی اُس سے (حسب دل‌خواہ) فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا - لیکن اگر (اُس سبزی کے زمین میں رہنے سے) ایسا کوئی نقصان نہ ہو، مثلاً فروخت کنندہ نے زمین خریدار کے سپرد کرکے یہ کہہ دیا ہو کہ میں جلدی ہی زمین کو اس سے صاف کر دوں گا تو اب خریدار کو (واپسی) کا اختیار نہ ہوگا اور وہ سبزی جتنے عرصہ زمین پر باقی رہے گی اُس ←

ہے۔ کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ ایسی سبزی اور ترکاری جو بغیر ذکر کیے فروخت میں شامل ہوتی ہے ، اگر فروخت کے وقت لگی ہوئی ہو تو وہ خریدار کی نہ ہوگی - پس اگر ایسی زمین خریدی جس میں برسیم لگی ہوئی ہے تو وہ برسیم فروخت کنندہ کی ہوگی اور خریدار رہ ، یا جذور کا مالک ہوگا ، یعنی جو دوسری تیسری بار پھوٹے نیز ہر قسم کی سبزی جو دوبارہ پھوٹ جاتی ہے اس کا حکم اور ایسی ترکاریوں کا بھی جو بار بار اترتی رہتی ہیں ، جیسے ککڑی ، خربوزہ وہی ہے جو برسیم کا ہے۔ ہاں بیع سے پہلے جو کچھ لگا ہوا ہو وہ فروخت کنندہ کا ہے ، مشتری کا حق وہ ہے جو بیع کے بعد پیدا ہو - اگر فروخت کنندہ ایسی سبزیوں کی دوبارہ پیداوار کو بھی لینا چاہتا ہے جس کی جڑ چھوڑ دی گئی ہو اور وہ پھر اگ آئے تو بیع کے وقت اس شرط کا ذکر کردینا واجب ہے - لیکن ایسی سبزیوں کی صورت میں جو بار بار آتاری جاتی ہیں اگر تازہ لگی ہوئی موجودہ ترکاری کے ساتھ بعد میں آترنے والی ترکاری کو بھی بائع کا حق قرار دیا جائے تو اس میں جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ ہے - اگر ایسا نہ ہو تو شرط کی ضرورت نہیں ہے -

واضح ہو کہ شرط عاید کرنا اس کا کام ہے جو معاملہ میں پہل کرے خواہ خریدار ہو یا بائع - اگر خریدار ہو تو وہ یوں کہے کہ آپ اپنی یہ زمین میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے ، شرط یہ ہوگی کہ اس میں جو برسیم یا ککڑی وغیرہ لگے گی وہ آپ کا حق ہوگا - اور بائع اس سے اتفاق کرے - اگرپہل فروخت کنندہ کی طرف سے ہو تو وہ یوں کہے کہ میں اپنی زمین آپ کے ہاتھ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس میں جو برسیم یا ککڑی وغیرہ لگے گی وہ سب میرا حق ہوگا اور خریدار اس سے اتفاق کرے - اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمین جس میں فروخت کنندہ اپنا یہ حق قائم رکھنا چاہتا ہے ، اس کی پیداوار کے کاٹنے کے لیے کوئی میعاد مقرر کی جائے یا نہ کی جائے اور قطع نظر اس کے کہ اس زمین میں قصب فارسی ہو جسے ''غاب'' کہتے ہیں (یعنی سرکنڈے یا بانس کی جھاڑیاں) یا کچھ اور - گنے کا بھی یہی حکم ہے لیکن اس میں صحت معاملہ کے لیے (تعین وقت کی) شرط کی وضاحت ضروری ہے - تاہم بائع کو (مزروعہ شے) کے کاٹ لینے کا ذمہ دار ←

←گردانا شرایط سے خارج امر ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے ، کہا جاتا ہے کہ بائع کو ذمہ دار گردانا جائے گا بشرطیکہ مزروعہ شے دوبارہ اتنی پھوٹ آئی ہو کہ بائع اُس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھا سکے، خواہ وہ 'قصب فارسی' (یا سرکنڈے) ہوں یا کچھ اور ، نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس کا کاٹ لینا بائع کی مطلق ذمہ داری ہوگی (جو کسی شرط پر موقوف نہیں)۔

واضح ہو کہ ان مسائل میں (سبزی کے) بیج سبزی کے تابع ہیں، لٰہذا برسیم ، جرجیر (ایک قسم کی ترکاری) ، اجوائن اور ککڑی وغیرہ ترکاری جو اترتی رہتی ہیں اُن کے بیج زمین کی فروخت میں شامل ہیں اگرچہ اُن کا ذکر نہ کیا جائے۔ بخلاف گندم ، مولی ، گاجر وغیرہ کے بیج کے جو بار بار نہیں اتاری جاتیں کہ یہ فروخت میں سبزی کے تابع نہیں ہیں۔

ایسی روئیدگیاں جن کا خریدار (فروخت زمین کے بعد) مالک نہیں ہوتا اگر اُن کی موجودگی نقصان دہ ہو تو خریدار کو اُس بیع کے فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی خرید شدہ زمین میں اُسے باقی رہنے دے تو اُس کا معاوضہ بھی طلب نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی زمین فروخت ہوئی اور خریدار کو اُس میں دفن شدہ کچھ اشیاء برآمد ہوئیں ، خواہ وہ پتھر ہو یا کوئی اور معدنی شے تو وہ زمین کی فروخت میں داخل نہیں ہے۔

گھر کی فروخت میں اُس کی زمین ، عمارت اور درخت سب داخل ہیں۔ دکان ، احاطہ ، سرائے ، باڑا اور چوپال کی بیع کا بھی وہی حکم ہے جو گھر کی فروخت کا ہے کہ ان کی فروخت میں عمارت ، زمین اور وہاں لگے ہوئے درخت سب داخل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا چھت پر بنے ہوئے بالا خانہ کی فروخت کی صورت میں وہ چھت بھی بیع میں آتی ہے ؟ کیونکہ وہ چھت بھی ایسی ہی ہے جیسے کسی عمارت کی زمین، یا اس ضمن میں نہیں آتی ؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ چھت فروخت میں داخل نہیں ہے ، لیکن خریدار کو اُس سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر وہ چھت گر جائے تو (بالا خانہ کے) فروخت←

← کنندہ پر اُس کی دوبارہ تعمیر کرنے کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھت بیع میں داخل ہے -

گھر کی فروخت میں لگے ہوئے دروازے ، کھڑکیاں (یا روشن دان) اور جڑی ہوئی ٹینکیاں داخل ہیں - اگر یہ چیزیں گھر کے اندر لگی ہوئی نہ ہوں تو فروخت میں شامل نہ ہوں گی - اسی طرح سیڑھیاں اور کارنس (یا الماریاں) جو لگی ہوئی چیزیں ہوں وہ فروخت میں داخل ہیں -

باغ اور گاؤں (جائداد یا جاگیر) کی فروخت میں زمین ، درخت اور عمارتیں سب داخل ہیں ، البتہ قرب و جوار کے کھیت داخل نہیں ہیں -

جانور (یا مویشی) کی فروخت میں اُس کی نعل بھی جس کو 'حدوہ' کہتے ہیں داخل ہوتی ہے ، بجز اُس صورت کے جب کہ وہ چاندی کی ہوں - اور وہ کڑا (یا نکیل) فروخت میں داخل ہے جو اونٹ کی ناک میں ہوتا ہے ، درآنحالیکہ چاندی کا نہ ہو -

ہرا درخت فروخت ہو تو اُس کی ہری شاخیں اور سب پتے ، خواہ وہ خشک ہوں ، اور اُس کی جڑیں ، گو خشک ہوں سب فروخت میں داخل ہیں ، بشرطیکہ (بائع نے) درخت کاٹ لینے کی شرط نہ لگا دی ہو؛ اگر ایسی شرط ہو تو وہ فروخت میں داخل نہ ہوگا ، اور نہ سوکھی ٹہنیاں داخل بیع ہوں گی - نیز درخت کی فروخت میں وہ زمین شامل نہیں ہے جہاں پر وہ درخت لگا ہوا ہے - البتہ خریدار کو اس وقت تک کہ جب تک وہ درخت قائم ہے اُس جگہ سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے؛ درخت کاٹ لیا جائے تو یہ حق جاتا رہے گا -

واضح ہو کہ جس طرح اشیاء متذکرہ سابقہ کی فروخت میں اُن کی متعلقہ اشیاء جن کا ذکر ہوا شامل ہیں اسی طرح ہر اُس معاملہ میں جس میں انتقال ملکیت ہوتا ہے مثلاً ہبہ ، وقف ، وصیت ، خلع وغیرہ یہ اشیاء اُس معاملہ کے تحت آجاتی ہیں - اور جن معاملات میں انتقال ملکیت نہیں ہوتا جیسے گرو رکھنے یا عاریتاً لینے میں بجز اُن کے جن کی تصریح کر دی جائے اور کوئی شے داخل نہیں ہوتی - پس اگر کوئی زمین رہن رکھی گئی تو اس رہن میں اُس زمین کے درخت اور ایسی مزروعات جو کاٹنے کے بعد دوبارہ پھوٹ آتی ہیں داخل نہیں ہیں - لیکن باغ ←

→کے رہن میں زمین اور درخت تو رہن متصور ہوں گے، لیکن اُس کی تعمیرات رہن میں داخل نہ ہوں گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی اصل اشیاء جن کی فروعات بغیر اس کے کہ اُن کا ذکر کیا جائے فروخت میں شامل ہو جاتی ہیں یہ ہیں: زمین، مکان، باغ، کولھو، چکی وغیرہ۔ چنانچہ مکان کی فروخت میں اُس کی زمین، عمارت، چھت اور بالاخانہ اور اُس کے آگے فنا (صحن) ہو تو وہ بھی داخل ہے۔ 'فنا' سے مراد وہ کھلی زمین ہے جو مکان کے متعلق اُس کے آگے چھٹی ہوئی ہوتی ہے۔ نیز ٹٹیوں کے درخت جیسے انگور وغیرہ کی بیل ہوتی ہے اور اسی طرح سلالیم (سیڑھیاں) بھی داخل ہیں۔ لفظ سلالیم سلم بضم سین و فتح لام کی جمع ہے جس کے معنے مشہور 'زینے' ہیں۔ اور جڑی ہوئی الگنی یا لٹکن اور لگے ہوئے دروازے سب داخل ہیں اور وہ پتھر بھی داخل ہیں جو قدرتی طور پر زمین میں ہوں نیز وہ عمارتی پتھر جو کچھ گری ہوئی دیوار میں جڑے ہوئے ہوں اور کچھ زمین میں دھنسے ہوں۔ اور جس طرح یہ اشیاء فروخت میں داخل ہیں اسی طرح رہن، ہبہ، وقف، وصیت اور اقرار (ثبوت حق) میں بھی داخل ہیں۔

اب اگر زمین میں کوئی ایسی شے ہو جو زمین کے لیے نقصان دہ ہو، مثلاً سخت پتھر کی موجودگی جو درخت کی جڑ کو نقصان دہ ہے تو اس کو زمین کے عیوب میں شمار کیا جائے گا۔ اگر خریدار کو پہلے سے یہ معلوم نہ تھا تو اُسے اختیار ہوگا کہ قاعدہ (خیار عیب) مذکورہ سابقہ کے مطابق یا تو وہ زمین واپس کردے یا اس عیب کا معاوضہ لے کر زمین کو رکھ لے۔ ہاں اگر یہ بات پہلے سے اُس کو معلوم تھی تو اب یہ اختیار نہ ہوگا۔ اگر گھر (فروخت شدہ) میں کچھ سلیں اس لیے دبا کر رکھی گئی ہوں کہ وہاں سے اٹھا لی جائیں گی تو وہ فروخت کنندہ کی ہیں اور اُسے چاہیے کہ وہاں سے نکال لے اور گڑھے کو پر کرکے زمین ہموار کردے، کیونکہ اُس زمین کو ٹھیک حالت میں سپرد کرنا بائع کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی ایسا پتھر ہے جس کا اکھاڑنا اس زمین کے لیے نقصان دہ ہو تو اُسے عیب تصور کیا جائے گا، جیسا کہ اُوپر بتایا گیا۔

ایسی اشیاء جو زمین میں بطور خزانہ وغیرہ دفن ہوں وہ بیع میں شمار نہ←

← ہوں گی ، کیونکہ وہ اس زمین کا جزو نہیں ہیں - اسی طرح وہ اشیاء جو زمین سے الگ ہوں جیسے فروش ، منقولہ سامان اور وہ لکڑی جو مکان میں جڑی ہوئی یا دیوار میں گڑی ہوئی نہیں ہے - یا یہ کہ اُس مکان میں فروخت کنندہ کا کوئی سامان موجود ہے تو لازم ہوگا کہ بائع مناسب طریقہ سے اُسے منتقل کر دے - باربرداروں کو راتوں رات لانے اور سامان منتقل کرنے کے لیے مجبور نہ کیا جائے گا - اگر سامان کی منتقلی کا کام دیر طلب ہو جس کی مقدار بعض اصحاب نے تین دن سے زیادہ بتائی ہے تو یہ عیب میں شمار ہوگا - اگر خریدار کو یہ (صورت حال) پہلے سے معلوم نہ تھی تو اسے عیب شمار کیا جائے گا اور خریدار کو حق حاصل ہوگا کہ اس بیع کو رد کر دے -

یاد رہے کہ سامان کی منتقلی اگر اس مدت کے اندر ہو جائے تو بائع کے ذمہ کوئی معاوضہ واجب الادا نہ ہوگا - ہاں اگر وہ سامان لے جانے سے انکار کرے تو خریدار کو اُسے مجبور کرنے کا حق ہے -

زمین یا باغ کی فروخت میں اُس جگہ کی عمارت اور درخت شامل ہیں ، اگرچہ خریدار نے اُس کے حقوق کے ساتھ خریدنے کا دعویٰ نہ کیا ہو ، کیونکہ یہ چیزیں بہرحال زمین کے تابع ہیں اور اُس پر قائم رہنے کے لیے ہیں - اس میں کٹے ہوئے یا جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت داخل نہیں ہیں -

اگر بائع نے کہا کہ میں یہ مکان اور اس کی ایک تہائی تعمیر فروخت کرتا ہوں ، یا یہ کہا کہ یہ زمین اور اُس کے ایک تہائی درخت فروخت کرتا ہوں تو اس میں صرف اُس قدر حصہ شامل ہوگا جو بتایا گیا -

فروخت شدہ زمین کا پانی زمین کے ساتھ فروخت میں داخل ہے ، بایں معنیٰ کہ خریدار کو اس سے مستفید ہونے کا حق ہے -

قریہ (گاؤں) کی فروخت میں اس کے (مضافات کے) کھیت داخل نہ ہوں گے جب تک کہ ان کی صراحت نہ کر دی جائے - یا (اس کے بیع میں داخل ہونے کا قرینہ پایا جاتا ہو ، مثلاً یہ کہ (بیع کے وقت) کھیت کا بھاؤ تاؤ کیا گیا ہو یا (گاؤں کی) حدود بتائی گئی ہوں ، یا اتنے دام لگائے گئے ہوں جو گاؤں اور کھیت کی قیمت کے برابر ہوں - گاؤں کی فروخت میں عمارات ، گڑھیاں ، فصلیں ، جو اس کے چاروں طرف ، ہوں داخل ہیں - ←

بیع ثمار (پھلوں کی خرید و فروخت) کا بیان

لفظ 'ثمار' بکسر ثاء 'ثمرہ' کی اسم جمع جنسی ہے۔ ثمرہ کی حقیقی جمع 'ثمرات'

→ اگر کوئی درخت خریدا گیا تو خریدار کو حق ہے کہ اسے مع زمین متعلقہ کے فروخت کرے۔ درخت کی زمین سے فائدہ اٹھانے کا خریدار کو حق ہے۔ اس زمین کو بیچنے اور وہاں گابھا لگانے کا حق ہے۔ اگر درخت اکھڑ جائے یا اس کا خاتمہ ہو جائے تو اب خریدار کو اس جگہ پر کوئی اور درخت لگانے کا حق نہیں ہے۔

اگر فروخت شدہ زمین میں ایسی شے بوئی ہوئی ہے جو کاٹنے کے بعد پھر پھوٹ آتی ہے اور اس کی پیداوار ایک بار کاٹنے کے بعد پھر کاٹی جا سکتی ہے جیسے برسیم، پودینہ، گندنا یا ایسی سبزی جس سے بار بار پھل اترتے رہتے ہیں جیسے ککڑی یا بینگن، یا ایسی روئیدگی جس میں بار بار پھول آتے ہیں، جیسے بنفشہ، نرگس، گلاب، چمبیلی اور یا بان کا پودا (Ben tree) ان سب کی جڑوں کا مالک خریدار ہوگا۔ ہاں فروخت کے وقت جو کچھ اس میں لگا ہو وہ فروخت کنندہ کا مال ہے؛ ہاں خریدار نے یہ کہہ دیا ہو کہ یہ اس کا ہوگا (تو اور بات ہے)۔ فروخت کنندہ کو چاہیے کہ (فروخت شدہ میں) جو اس کا حق ہے وہ اسی وقت اتار لے۔

ایسی مزروعات جو دوبارہ نہیں پھوٹتیں بلکہ ایک بار ہی کاٹی جاتی ہیں جیسے گندم، جو، مسور، گاجر، مولی، لہسن، پیاز، باجرا، چنا اور گنا ان سب اشیاء کو بائع ایک بار کاٹ لے گا۔ اگر وہ روئیدگی جذور (بار بار پھوٹنے والی) ہے اور اس سے پیداوار دوبارہ حاصل کی جاتی ہے، لیکن اس کے لیے ازسر نو محنت، مثلاً بوائی (جڑ لگانا) درکار ہوتا ہے یا یہ کہ وہاں قصب فارسی (یعنی بانس یا نرسل کا جھاڑ) ہو یہ تمام اشیاء زمین کی فروخت میں داخل نہ ہوں گی، بلکہ بائع کا حق ہوں گی اور کاٹے جانے یا اکھاڑے جانے تک اس کی مملوکہ متصور ہوں گی اور اس کا کوئی معاوضہ بائع کے ذمہ عاید نہ ہوگا، بشرطیکہ خریدار نے اس کے خلاف کوئی اور شرط نہ لگا دی ہو، خواہ معلوم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ حق شرط کے ساتھ (فروخت) زمین کے ساتھ داخل ہے۔

ہے - 'ثمار' کا واحد ثمر ہے جیسے 'جبال' کا واحد 'جبل' (بمعنی کوہ) ہے - ثمار کی جمع ثمر آتی ہے جیسے کتاب کی کتب اور 'ثمر' بضم ثاء کی جمع اثمار آتی ہے جیسے 'عنق' کی 'اعناق' (بمعنی گردن) - بہر حال اس کے معنے اس تولید (یا پھل) کے ہیں جو درخت سے ہو گو کھانے میں نہ آئے - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ پیلو کا ثمر (پھل) ، انگور کا ثمر (پھل) -

مال فروخت کی حیثیت سے پھل کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو وہ پھل جو درخت کے ساتھ بک جائے ، یعنی مقصد درخت کا بیچنا ہو - درخت کے ساتھ پھل کے بک جانے کی تفصیل سابقاً بیان ہو چکی ہے -

دوسرے وہ پھل کہ ان ہی کا خاص طور پر بیچنا مقصود ہو ، خواہ وہ درخت میں لگے ہوئے ہوں ، جیسا کہ اس زمانے میں کھجور کے درخت انگور کی بیل اور باغات (یا مجمع الاشجار) کے پھل (لگے ہوئے) فروخت کیے جاتے ہیں ، یا پھر ان کو اتار کر بیچا گیا ہو - ان تمام صورتوں کے مسائل از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ ثمر (پھل) میں یہ سب چیزیں شامل ہیں : سونگھنے والی شے مثلاً گلاب ، چمبیلی، ریحان ، ایسی بیل کی ترکاریاں جو بار بار اتاری جاتی ہیں ، خربوزہ ، بینگن اور بھنڈی -

درختوں کے پھل کا حکم یہ ہے کہ وہ حسب شرایط بیع فروخت کنندہ کے ہوں گے یا خریدار کے دراں صورت کہ یہ بات طے نہیں ہوئی کہ فریقین میں سے (فروخت شدہ درخت کے) پھل کا مالک کون ہوگا- ان پھلوں کی تین قسمیں ہیں :

پہلی قسم یہ ہے کہ کھجور کا درخت فروخت ہوا جس میں خام کھجوریں لگی ہوئی ہیں- ایسے درخت کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں :

ایک حالت یہ ہے کہ اس درخت کا پھل گابھے سے نمودار ہوا ہو - گابھے سے نمودار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھیلی پھٹ جائے جس کے اندر سفید گچھا یا شگوفہ ہوتا ہے جسے نکال کر دوسرے درخت میں لگانے سے پھل زیادہ آتے ہیں - ←

← ایسی صورت ہو تو وہ پھل (درخت خرما کے) فروخت کنندہ کا ہے اور درخت کے ساتھ فروخت میں شامل نہ ہوگا۔

(یہاں پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ) اصل میں تابیر جس کو 'تلقیح' (یعنی درخت کو گیابھن کرنا) کہا جاتا ہے یہ ہے کہ نر کھجور کے شگوفہ کو مادہ کھجور میں لگا دیا جاتا ہے۔ اسے گابھا لگانا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس عمل کا سردست کیا جانا مراد نہیں ہے بلکہ یہاں صرف شگوفہ (خرما) کا شق ہو جانا مراد ہے، یہ ضروری نہیں کہ پورے درخت میں پھل آ گیا ہو، بلکہ (جہاں تک ان مسائل کے منطبق ہونے کا تعلق ہے) صرف ایک حصہ کا گابھا کافی ہے، خواہ وہ تھوڑا ہی سا ہو۔

اگر کھجوروں کا گچھا اپنے وقت سے آگے پیچھے شق ہوا ہو تو اس صورت میں جو کھجور اترے گا وہ فروخت کنندہ کا حق ہوگا اور درخت کے ساتھ فروخت شدہ متصور نہ ہوگا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ہنوز پھل کی نمود نہ ہوئی ہو اور ان کا وجود نہیں ہے اور درخت فروخت ہوا تو اب جو پھل آئے گا وہ خریدار کا حق ہے اور فروخت کنندہ کا اس میں کوئی حق نہیں خواہ اس کی شرط کی گئی ہو۔ ہاں اگر پھل آگئے ہوں گو نمایاں نہ ہوئے ہوں تو وہ فروخت کنندہ کے ہوں گے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کھجور کے سوا کوئی اور درخت فروخت ہو۔ ان میں بھی یہی دو حالتیں (یعنی پھل کا ظاہر ہونا یا نہ ظاہر ہونا) ہوں گی۔ لیکن دوسرے درختوں کے پھل گابھے میں نہیں آتے۔ گابھا لگانے کا عمل تو صرف کھجور کے لیے مخصوص ہے۔ دوسرے درختوں میں پھل آنا یہ ہے کہ وہ نمایاں ہو جائیں خواہ اس میں شگوفہ آتا ہو یا گھنڈیاں جیسے زرد آلو (یا خوبانی) میں ہوتا ہے۔ یا شگوفہ نہ آتا ہو جیسے توت۔ ایسے درختوں میں اگر (فروخت کے وقت) پھل ظاہر ہو گئے ہوں تو وہ فروخت کنندہ کے ہیں؛ اگر ظاہر نہیں ہوئے تو وہ درخت کے ساتھ فروخت میں آ گئے اور خریدار کے ہیں۔ بلح (ناپختہ کھجور) کا معاملہ اس سے جدا ہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ کھجوریں گو لگی ہوئی نہ ہوں جب بھی لگیں وہ فروخت کنندہ کا حق ہیں درآنحالیکہ کھجور کا کوئی بھی شگوفہ (یا گابھا) شق ہو گیا ہو (یا کھل گیا ہو)۔ ←

← تیسری قسم یہ ہے کہ فروخت شدہ دو مختلف اشیاء ہوں ، اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ درخت مختلف جگہوں پر واقع ہونے کے باعث مختلف قرار پائیں مثلاً کھجور کے درخت دو باغات میں ہوں تو ایک باغ میں جو درخت ہے وہ دوسرے باغ کے درخت سے مختلف ہوا ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ درخت اپنی جنس کے اعتبار سے مختلف ہوں مثلاً کھجور کا درخت اور انگور کی بیل ہو جو ایک ہی باغ میں ہوں تو گو دونوں کا محل وقوع ایک ہے لیکن دونوں مختلف قسم کے درخت ہیں ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ معاملۂ بیع مختلف ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو مختلف سمجھا جائے مثلاً ایک درخت کا دو بار سودا کیا گیا (تو گویا دو مختلف درختوں کا سودا ہوا) ۔ اس تیسری قسم کی ان تینوں صورتوں میں یہ حکم ہے کہ جو پھل نمودار ہو گئے ہیں صرف وہ فروخت کنندہ کے ہیں، باقی دوسرے پھل خریدار کے ہیں ۔

تیسری قسم کی ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا درخت خریدا گیا جو سال میں دو بار پھل دیتا ہے مثلاً انجیر کا درخت ، اس کا حکم وہی ہے جو دوسری قسم کا ہے ۔ یعنی جو پھل لگے نظر آ رہے ہیں وہ فروخت کنندہ کے ہیں اور جو ہنوز نہیں لگے وہ خریدار کے ہوں گے ۔ بخلاف ایسے درخت کے جو سال میں ایک بار پھل دیتے ہیں جیسے کھجور کا درخت ؛ ایسے درختوں کے جو پھل ہنوز نمودار نہیں ہوئے وہ بھی ان صورتوں میں جو اوپر بتائی گئیں فروخت کنندہ کے ہوں گے ۔

اب رہا (بغیر درخت کے) صرف پھلوں کی فروخت کا معاملہ ، سو اس کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم یہ ہے کہ ان پھلوں میں پختگی کے آثار ظاہر ہوگئے ہوں، ایسی حالت میں ان کا سودا مطلقاً جائز ہے ، خواہ درخت میں لگے ہوں یا نہ لگے ہوں اور خواہ ان کے (فوری) کاٹ لینے (یا توڑ لینے) کی شرط ہو یا نہ ہو ۔

یاد رہے کہ پختگی کا ظہور مختلف پھلوں میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے ۔ ←

ایک طریقہ تو رنگ ہے کہ بعض پھلوں کی پختگی ان کے رنگ سے معلوم ہوتی ہے جیسے کھجور اور عناب کہ جب وہ رنگ پکڑ لیں تو سمجھو کہ پختگی پر آ گئے۔ دوسرے ذایقہ ہے جیسے گنے کی مٹھاس اور انار کی ترشی۔ تیسرے پیلاپن اور نرمی جیسے خربوزہ اور انجیر۔ چوتھے مضبوطی اور سختی جیسے گندم اور جو۔ پانچویں لمبائی اور پری جیسے ملوخیا (ایک ترکاری کا نام ہے جسے Jews mallow کہتے ہیں)، فاصولیا (ایک قسم کا پھل Negro beau) اور لوبیا۔ چھٹے جسامت میں بڑا ہو جانا جیسے ککڑی۔ ساتویں غلاف (یا شگوفہ) کا پھٹ جانا جیسے کپاس اور گاجر۔ آٹھویں پنکھڑیوں کا کھل جانا جیسے گلاب اور چنبیلی۔

اگر ایسا پھل فروخت کیا جو پختگی (یا تیاری) پر آنے لگا ہے تو بائع کو چاہیے کہ (درختوں کو) پانی دیتا رہے تاکہ پھلوں کی نشو و نما پورے طور پر ہوتی رہے اور ضائع یا خراب ہونے سے محفوظ رہیں۔ اگر فروخت کے وقت یہ شرط رکھی گئی کہ آیندہ پانی وغیرہ دینا خریدار کا کام ہے تو یہ فروخت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر فروخت کنندہ کی بے پروائی، پانی وغیرہ نہ دینے کے باعث جو اس کا کام تھا وہ پھل تلف ہو جائیں تو بیع منسوخ ہو جائے گی۔

فروخت ہونے والے پھلوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہنوز ان میں پختگی کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں (بغیر درخت کے) محض پھلوں کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ اس شرط سے وہ پھل فروخت ہو سکتا ہے کہ خریدار اس درخت سے اپنے پھل اتار لے گا درآنحالیکہ خریدار اس درخت کا مالک نہ ہوا ہو۔ اگر خریدار اس درخت کا بھی مالک ہو تو بقول صحیح توڑ لینے کی شرط لگائے بغیر اس کا پھل فروخت ہو سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے ایک درخت خریدا جس میں پھل لگے ہوئے ہیں تو اس کے پھل فروخت کنندہ کے ہوں گے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایسی حالت میں بیچنے والے کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ وہ پھلوں کو توڑ لے۔ اگر کسی درخت کا پھل اس شخص کے ہاتھ فروخت کیا گیا جس نے درخت کو خرید لیا ہے تو اب یہ شرط واجب نہیں ہے کہ وہ پھل اتار لے، کیونکہ (پھل کا) خریدار جب درخت کا بھی مالک ہو گیا اور جو پھل اس میں لگا ہے وہ اس کی ملکیت

← میں آ گیا تو ان پھلوں کو توڑ لینے کی ذمہ داری بھی نہ رہی -

کھیتی (فصل) اگر تیاری پر آ گئی ہو تو اس کا فروخت کرنا مطلقاً جائز ہے - اگر تیاری پر نہیں آئی تو صرف پیداوار کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ اسی وقت کھیت کاٹ لینے یا اکھاڑ لینے کی شرط ہو -

ایسے دانوں کی فروخت درست نہیں ہے جو ہنوز بالیوں میں چھپے ہوئے ہوں مثلاً گندم ، تل ، مسور یا چنے ، خواہ صرف دانوں کو فروخت کیا جائے یا مع پودوں کے بیچا جائے - ہاں اگر (دانوں سے قطع نظر) صرف پودوں کو فروخت کیا تو ان اشیاء کا پودوں کے ساتھ فروخت ہو جانا درست ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا -

گندم کو جب کہ ہنوز بالیوں میں ہو بھوسی جدا کی ہوئی گندم کے عوض فروخت کرنا درست نہیں ہے - اس قسم کی بیع کو 'بیع محاقلہ' (خوشہ کے دانوں کی فروخت) کہتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے - اسی طرح تر کھجور کو جو درخت میں لگی ہوئی ہو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا (بھی درست نہیں ہے) - اس کو بیع مزابنہ (محض اٹکل کا سودا) کہتے ہیں - اس کی بھی ممانعت آئی ہے - البتہ یہ صحیح ہے کہ نورس کھجور اور انگور کو جو درخت میں لگے ہوئے ہوں اٹکل کرکے اتنے ہی خشک کھجور یا کشمش کے عوض ناپ کر فروخت کیا جائے -

نورس کھجور کو جو درخت میں لگی ہوئی ہو خشک کھجور کے عوض بیچنا تو درست نہیں ہے ، کیونکہ یہ بیع مزابنہ ہے جس کے ممنوع ہونے کی بابت ابھی بتایا گیا - لیکن اس حکم سے عرایا (ایسے درخت جو کسی کے لیے مخصوص کر لیے گئے ہوں) مستثنیٰ ہیں - ایسے درختوں کے تازہ لگے ہوئے کھجوروں کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے - واضح ہو کہ عریہ کہتے ہیں ایسے درخت کو جس کا پھل کھانے کے لیے مالک نے مخصوص کر لیا ہو - پس اگر کوئی شخص باغ یا نخلستان کا مالک ہے اور اس باغ کے درختوں میں بعض درختوں کو پھل کھانے کے لیے مخصوص کر لیا تو اس درخت کے تازہ لگے ہوئے پھلوں کو خشک کھجور کے عوض خرصاً (یعنی اکواں) فروخت کر سکتا ہے - ←

لفظ خرص بکسر خا کا مطلب یہ ہے کہ درخت میں لگے ہوئے کھجوروں کی مقدار کا اندازہ خریدار یا بائع یا کوئی اور اپنی سمجھ اور تخمینہ کے بہ موجب لگائے کہ اس میں ایک بوری یا اس سے کم یا زیادہ کھجور ہیں اور خریدار اس کے دام خشک کھجور کی شکل میں اسی قدر ناپ کر دے دے جتنی مقدار کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

ان مسائل میں درخت میں لگے ہوئے تازہ کھجوروں کا جو حکم بتایا گیا ہے وہی حکم انگور اور کشمش کا ہے، یعنی بیل میں لگے ہوئے انگور کی مقدار کا تخمینہ کرکے اتنی ہی کشمش کے عوض ناپ کر بیچا جا سکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک اور تر کھجور کے باہمی سودے کی اجازت دی ہے۔ اسی پر کشمش اور انگور کو قیاس کیا گیا۔ اس کی اجازت جس وجہ سے حضور نے دی وہ یہ ہے کہ بعض تہیدست محتاج اشخاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ شکایت کی کہ ان کے پاس خشک کھجور کے علاوہ اور کوئی ایسی شے نہیں ہے جس سے وہ تازہ کھجور خرید سکیں۔ حضور نے انھیں اس کی اجازت دے دی اور پھر یہ اجازت، محتاج اور غیر محتاج سب کے لیے عام ہوگئی کیونکہ اصول یہ ہے کہ مسائل میں الفاظ حکم کی عمومیت پر اعتماد کیا جاتا ہے، حکم کا خاص سبب ہو تو اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

اگر درخت پر لگے ہوئے پھل کو دام قرار دیا جائے، بایں طور کہ ایک درخت کے تر کھجور سے دوسرے درخت کے خشک کھجور کو خریدا جائے تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ دام کی مقدار پیمانوں میں متعین کی جائے محض اٹکل سے اندازہ درست نہیں ہے۔

عرایا (یعنی باغ کے ایسے درخت جو مالک نے اپنے لیے مخصوص کر لیے ہیں) کی فروخت کے صحیح ہونے کی نو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ فروخت شدہ (پھل) کی مقدار خشک ہو کر پانچ وسق (یعنی پانچ بار شتر؛ ایک بار شتر بالعموم سوا دو من کا ہوتا ہے) سے کم ہو، گو فروخت کے وقت (سوکھنے سے پہلے) اس کا وزن اس سے زیادہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اس پر زکواۃ واجب الادا نہ ہو، ایسا ہوا تو بیع درست نہ ہوگی۔

تیسرے یہ کہ بیع ہونے والی شے انگور ہو یا کھجور۔

چوتھے یہ کہ جو پھل زمین پر ہوں ان کی مقدار پیمانوں میں دیکھی جائے اور جو ان کے علاوہ ہوں ان کی مقدار کا اندازہ اٹکل سے لگایا جائے۔

پانچویں یہ کہ زمین پر جو پھل ہوں وہ خشک ہوں باقی پھل تر ہوں۔

چھٹے یہ کہ تر کھجور درختوں میں لگے ہوئے ہوں۔

ساتویں یہ کہ فریقین معاملہ جدا ہونے سے پہلے اشیاء مبادلہ ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ خشک کھجور اور کشمش کو (جو دام ہے) پیمانہ سے ناپ کر دیا جائے اور فروخت کنندہ درخت کو اس کا پھل اتارنے کے لیے خریدار کے سپرد کر دے۔ اگر درخت معاملہ کے وقت وہاں پر موجود نہ ہو تب بھی فریقین کا وہاں پر اتنے عرصہ تک موجود رہنا ضروری ہے کہ اتنے عرصہ میں درخت تک پہنچا جا سکے۔

آٹھویں یہ کہ پھلوں کا تیاری پر آ جانا ظاہر ہو۔

نویں یہ کہ اشیاء مبادلہ (مال یا دام) میں ہم جنس اشیاء کے سوا اور کوئی شے شامل نہ ہو۔

ان مسائل میں (ہر جگہ) کھجور اور انگور کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پھل مثلاً اخروٹ، بادام اور زرد آلو وغیرہ اس مسئلہ کے تحت نہیں آتے۔ لہٰذا ان پھلوں (یا میوؤں) کا معاملہ خشک اور تر پھلوں (جو درخت میں لگے ہوئے ہوں) کے باہمی تبادلہ سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ پھل درخت میں منتشر ہوتے ہیں (گچھے کی شکل میں نہیں ہوتے) اور پتوں میں چھپے رہتے ہیں، اس لیے اٹکل سے ان کی مقدار کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ان مسائل میں ''ثمار'' (پھلوں) سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کو میوؤں میں شمار کیا جاتا ہے، جیسے (پھلوں میں) کھجور، انجیر اور انار، سبزیوں میں ساگ، گندنا اور مولی، اور دالوں میں گندم اور جو۔ ایسی چیزوں کی خرید و فروخت جب کہ وہ ہنوز درخت میں لگی ہوئی ہوں، یا کاٹی نہ گئی ہوں کی جائے تو اس کی دو حالتیں ہوں گی:

پہلی حالت یہ ہے کہ ان میں پختگی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں - اس کے ظہور کی کیفیت مختلف پھلوں میں جدا جدا ہوتی ہے ، چنانچہ مثلاً کھجور اور عناب کی پختگی کے آثار یہ ہیں کہ وہ پیلے یا سرخ ہو جائیں - تاہم مختلف شہروں ، مثلاً قاووں ، حرش ، عجور ، عبدلاوی ، دمیری اور شہد میں اس کے بارے میں دو رائیں ہیں : ایک تو یہ کہ ان کی تیاری پیلے ہو جانے سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ پھل زردی مائل ہو جائے تو تیار ہو جاتا ہے گو پیلا نہ ہوا ہو -

کچے خربوزے کی پختگی کی علامت اس کے گودے کا سرخی یا زردی مائل ہو جانا ہے - اور انجیر کی تیاری یہ ہے کہ وہ سیاہ ہونے لگے - حبشی انگور کا بھی یہی حال ہے - باقی اور دوسرے میووں کی تیاری کا اندازہ مختلف رنگوں اور یا ذایقہ سے ہوتا ہے -

ان تمام امور کا انحصار اس امر پر ہے کہ پھل ایسا ہو جائے جسے استعمال کیا جا سکے ، گو توڑنے کے کچھ عرصہ بعد استعمال کیا جا سکے ، مثلاً کیلا ایسا پھل ہے کہ ہرا ہو تب بھی اس کی بیع کی جا سکتی ہے - درآنحالیکہ وہ ایسا ہو کہ مٹی یا پھونس وغیرہ میں دبا کر اسے تیار کیا جا سکے - یہی حال آم کا بھی ہے -

کلیوں کا تیار ہونا یہ ہے کہ اس کا اوپری خول کھل جائے اور پنکھڑی ظاہر ہوجائے - گلاب اور چمبیلی کی بھی یہی صورت ہے - سبزی (ترکاری) مثلاً شلجم گاجر ، مولی ، پیاز ، بنجر (یا پات گوبھی یا Beet-root) وغیرہ کا تیاری پر آجانا یہ ہے کہ اس کی پتیاں پوری آ جائیں اور انھیں کام میں لایا جا سکے اور اکھاڑنے سے وہ خراب نہ ہو جائیں -

گندم وغیرہ دانوں کی تیاری اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خشک ہو جائیں اور پانی دینے سے ان کو فائدہ نہ ہو ، یعنی اگر پانی دیا جائے تو ان میں کوئی تازگی پیدا نہ ہو -

تیار پھلوں کی بابت حکم یہ ہے کہ ان کو درختوں میں لگے ہوئے بھی اکوان بغیر ناپے یا تولے فروخت کرنا درست ہے - اسی طرح یہ بھی درست ہے ←

← نہ پھلوں کو اتار کر یا درخت کے ساتھ فروخت کیا جائے ، (فوری طور پر) کاٹ لینے کی شرط ہو یا درخت پر لگے رہنے کی شرط ہو اس سے کوئی حرج نہیں پڑتا - لیکن یہ شرط بہرحال ہے کہ کھجور اپنے غلاف یا پتوں میں چھپے ہوئے نہ ہوں ، جیسے کچی کھجوریں اور انگور نمایاں ہوتے ہیں - لیکن اگر وہ چھپے ہوئے ہوں جیسے اخروٹ اور بادام جو اپنے اوپری چھلکوں میں یا گندم اور جو جو بالیوں میں چھپے رہتے ہیں ، ان کا اکواں جداگانہ (بغیر پیڑوں کے) سودا کرنا بغیر خول یا چھلکا اتارے جائز نہیں ہے - چنانچہ بالیوں میں لگی ہوئی صرف گندم کا سودا بالیوں کے بغیر درست نہیں ہے ، مثلاً کوئی شخص فروخت کنندہ سے کہے کہ میں صرف یہ گندم جو اس کھیت میں لگی ہوئی ہے اس کی بھوسی وغیرہ کے بغیر اکواں خریدتا ہوں تو یہ سودا صرف اس صورت میں درست ہوگا جب کہ کھیت سوکھ کر تیار ہو گیا ہو اور اب اسے پانی دینا سود مند نہ ہو - ایسی صورت میں گندم کو بالیوں میں رہتے ہوئے اکواں خریدا جا سکتا ہے -

گیہوں کی طرح اخروٹ ، بادام ، لوبیا اور فصولیا (گندنا) وغیرہ چھلکے دار پھلوں کو بھی ان کے چھلکے (غلاف) سے نکالے بغیر (اور بغیر ناپ تول کے) اکواں فروخت کرنا درست نہیں ہے، خواہ وہ درخت میں لگے ہوئے ہوں یا توڑ لیے گئے ہوں - ہاں اگر وہ خشک ہو گئے ہوں اور آب پاشی سے ان پر کچھ اثر نہ پڑے تو ایسے صرف پھلوں کو بغیر چھلکے کے اکواں فروخت کرنا درست ہوگا - لیکن ناپ کر یا تول کر بیچنے کی صورت میں (خشک تر) ہر حال میں بیع درست ہو گی -

دوسری حالت پہلی حالت کے برعکس یہ ہے کہ پھل تیاری پر نہ آیا ہو تو اس کی فروخت تین صورتوں میں درست ہے :

پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو اس کی جڑ کے ساتھ فروخت کیا جائے یعنی پھل ہو تو درخت سمیت اور کھیتی ہو تو زمین سمیت - پس پھل جو تیاری پر نہ آیا ہو اسے درخت سمیت اور فصل تیار نہ ہو تو اسے اراضی سمیت فروخت کرنا صحیح ہے -

←

→ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے اصل (جڑ یا پیڑ) کو فروخت کیا جائے اور پھل یا کھیتی کا کوئی ذکر نہ ہو اور پھر ان پھلوں اور فصل کو جو ہنوز تیاری پر نہ آئی ہو اس فروخت میں ملا دیا جائے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ محض پھل یا فصل کو اس کی اصل (جڑ) کے بغیر فروخت کیا جائے۔ اس بیع کے درست ہونے کا انحصار تین شرطوں پر ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ فروخت شدہ پھل توڑ لیے جائیں۔ فروخت کے بعد ان کا درخت میں چھوڑ دینا درست نہں ہے، تاہم اتنے تھوڑے عرصہ کے لیے درخت پر چھوڑا جا سکتا ہے کہ اس عرصہ میں نہ تو کوئی تازہ پھل لگے اور نہ موجودہ پھلوں کی حالت میں تبدیلی رونما ہو۔ غرض اگر اس شرط پر فروخت ہو کہ پھلوں کو پکنے تک کے عرصہ میں درخت پر لگا رہنے دیا جائے گا تو یہ بیع درست نہ ہو گی۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ پھل بیچ دیے جائیں اور انھیں توڑ لینے یا درخت میں لگے رہنے کی بابت کوئی شرط نہ کی جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پھل ایسے ہوں جو کسی کام آ سکیں، مثلاً وہ انگور ہرے جو ہنوز تیاری کو نہ پہنچے ہوں۔ اگر پھل کسی کام کے نہیں ہیں تو ان کی فروخت درست نہیں ہے، کیونکہ یہ تو مال کا ضائع کرنا اور نقصان اٹھانا ہے۔ یہ شرط ہر طرح کی اشیاء کی بیع میں ملحوظ رہنی چاہیے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ خریداری کسی مقصد برآری کے لیے ہو، گو وہ احتیاج حد ناگزیر کو نہ پہنچی ہو، خواہ اس کا علم اہل شہر کو ہو یا نہ ہو، اس کا اثر معاملہ پر نہیں پڑتا۔

اگر کوئی پھل تیاری سے پہلے خریدا گیا اور شرط یہ تھی کہ اسے (فوری طور پر) توڑ لیا جائے گا (اور ہنوز توڑا نہ تھا کہ) اس پیڑ کو بھی خرید لیا تو اب اس پھل کو درخت میں لگا رہنے دینا جائز ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر پھل اسی شرط پر خریدا تھا کہ اس کو درخت میں رہنے دیا ←

→ جائے گا اور اس کے بعد گو درخت کو خرید لیا ہو تب بھی اس پھل کا درخت میں لگائے رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ پھل کی فروخت (اس شرط کے ساتھ) سرے سے ناجائز تھی ۔

اگر ایسا معاملہ بیع منسوخ ہوا اور پھل درخت پر موجود ہیں تو اُس کا ہرجانہ فروخت کنندہ کے ذمہ ہوگا ۔ لیکن اگر خریدار نے پھل توڑ لیے (اور تب بیع منسوخ ہوئی) تو اُسے واپس کرنا لازم ہے ، جب کہ خشک کھجور ہو اور باقی ہو ۔ اگر اُسی پھل کا واپس کرنا دشوار ہو تو اُسی جیسی کھجور دستیاب ہو تو اُسے دیا جائے ورنہ اُس کی قیمت ادا کی جائے ۔ لیکن اگر توڑے ہوئے پھل تر کھجور ہیں تو اُس کی قیمت کا ادا کرنا لازم ہے ۔ یہ تمام مسائل اُس صورت میں ہیں کہ پھل اس شرط پر خریدا گیا ہو کہ اُسے درخت میں لگا رہنے دیا جائے گا ۔ لیکن اگر کوئی شرط نہیں تھی اور خریدار نے خریدنے کے بعد پھل توڑ لیے تو دام ادا کر دینے پر وہ بیع نافذ ہو جائے گی ، اور خریدار یا فروخت کنندہ کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا ۔

درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی فروخت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ تمام ہی درختوں کے پھل تیاری کو پہنچ گئے ہوں ۔ لہٰذا اگر کسی کا کوئی باغ یا باڑی ہے جس میں مختلف قسم کے درخت ہیں مثلاً کھجور ، انار ، انگور ، انجیر ، آم اور گری والے پھل وغیرہ اور یہ سب ایک ہی باغ میں ہوں اور اُس باغ کے ایک قسم کے درختوں میں سے کسی ایک میں بھی پھل تیاری پر آگئے ہیں تو اس قسم کے باقی تمام درختوں کے پھلوں کو فروخت کرنا درست ہے گو سب کے پھل تیاری پر نہ آئے ہوں ۔ چنانچہ اگر انار کے درختوں میں سے کسی ایک درخت کے انار تیار ہوگئے ہیں تو تمام انار کے درختوں کے پھل کی فروخت درست ہوگی گو دوسرے درختوں کے پھل ہنوز تیاری پر نہ آئے ہوں ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جس درخت کے پھل تیاری پر آئے ہیں اُس کے تمام انار دوسرے درختوں کے اناروں کی تیاری سے پہلے نہ ختم ہو جائیں ۔

یاد رہے کہ اگر کوئی درخت ایسا ہے کہ اُس کا پھل دوسرے درختوں سے پہلے ہی تیار ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ حکم نافذ نہ ہوگا ۔ یہی مسئلہ ←

ہے تمام دوسرے قسم کے درختوں کا ہے۔

اگر (مختلف قسم کے درختوں میں سے) کسی ایک قسم کے درخت کا پھل تیاری پر آ جائے مثلاً باغ کا انگور تیار ہو جائے اور انجیر تیار نہ ہو تو اس صورت میں بھی کہا جاتا ہے کہ انجیر کے پھلوں کی فروخت روا ہوگی جب کہ اُسی باغ کے انگور تیاری پر آ گئے ہوں جو دوسری قسم کا درخت ہے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کا اختلاف اُس صورت میں ہے جب کہ ایک شہر کے مختلف باغات میں سے کسی ایک باغ میں پھل لگ جائیں اور دوسرے باغوں میں نہ لگے ہوں تو آیا اُس باغ میں پھلوں کے تیار ہو جانے کی بنا پر دوسرے باغ کے پھلوں کی فروخت جس کے درختوں میں ہنوز پھل تیار نہیں ہوئے درست ہوگی یا نہ ہوگی ؟

ایسی مزروعات (کے پھل) جو کاٹنے کے بعد پھر پھوٹ آتی ہیں جیسے برسیم، چمبیلی اور سبز ترکاریاں ، کھیرا ، خربوزہ ، کدو اور گولر جب دوسری بار پھوٹیں تو وہ خریدار کا حق ہیں یہاں تک کہ پھل آترنے بند ہو جائیں۔ اس کے لیے وقت کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔

یہ بات ربا کے بیان میں بتائی جا چکی ہے کہ تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا درست نہیں ہے ، لیکن اس حکم سے عرایا (وہ درخت جو مالک نے مخصوص کرلیے ہوں) مخصوص شرایط کے تحت مستثنیٰ ہیں۔ عرایا کا لفظ 'عریہ' کی جمع ہے اور عریہ کہتے ہیں تازہ لگے ہوئے پھلوں کو کسی مقصد کے لیے وقف کر دینے کو۔ جیسے درخت خرما کی تازہ کھجور یا انگور وغیرہ تازہ پھل جو درخت پر چھوڑ دینے سے مرجھا کر خشک ہو جاتے ہیں اور خشک و تر دونوں طرح استعمال میں آتے ہیں ، جیسے اخروٹ ، انگور ، زیتون ، بادام ، پستہ اور ایسے انجیر جو سکھائے جا سکتے ہیں۔ وہ انجیر جو سکھائے نہیں جا سکتے اس میں داخل نہیں ہیں ، جیسے باغات مصر کے انجیر کہ اُنھیں خشک نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اُن کا حکم عرایا جیسا نہیں ہے۔ اسی طرح وزن کرکے بکنے والی وہ اشیاء جن کو خشک نہیں کیا جا سکتا ، نیز شفتالو ، انار ، سیب اور ایسے تمام پھل بھی جو درخت پر لگے لگے خشک نہیں ہوتے اور نہ اُنھیں سکھا کر کام میں لایا جاتا ہے اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ←

بیع عرایا کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں : اول یہ کہ ان کو خریدنے والا وہی ہو جس نے اُن پھلوں کو ہبہ کیا ہو یا پھر اُس شخص کا کوئی قائم مقام ہو - پس اگر کسی شخص نے درخت خرما کا پھل کسی کو عطا کر دیا ہے تو روا ہے کہ عطا کرنے والا خود اُس پھل کو اُس سے خرید لے جسے عطا کیا ہے یا اُس شخص کا قائم مقام (جانشین) خریدے - قائم مقام سے مراد وہ شخص ہے جو وارث ہو کر یا خرید کر یا کسی اور طرح سے اُس درخت کا مالک ہوگیا ہو لیکن جس دام کے عوض وہ کھجور خریدی گئی اگر وہ خشک کھجور ہے تو پیمانوں سے ناپ کر وہ دام ادا کیے جائیں ، بایں طور کہ درخت میں لگی ہوئی کھجور کی مقدار اٹکل اور ذہن سے متعین کی جائے کہ اس میں کتنی کھجور ہے - اگر اس میں ایک بوری کھجور بتائی جائے تو اُس کے عوض ایک بوری خشک کھجور دی جائے گی ، اس سے نہ کم نہ زیادہ - اگر درخت سے کھجور اتاری گئی اور جتنا اندازہ لگایا تھا اُس سے زیادہ نکلی تو چاہیے کہ زاید کھجور فروخت کنندہ کو واپس کردی جائے - اگر (اندازے سے) کم ثابت ہو تو خریدار کو حق ہے کہ تمام واپس کر دے اور دام میں جو کچھ دیا ہے واپس لے لے - اس کے علاوہ اور کچھ لازم نہیں ہے - اگر کھجور کا کم ہونا ثابت نہ ہو سکے تو خریدار کو چاہیے کہ تمام کھجوریں واپس کردے اور جس قدر کمی ہو اُسے پورا کرنے کا ذمہ دار ہوگا -

غرض عریہ کی نورس کھجوروں کو خشک کھجور کے عوض خریدنا تب ہی درست ہوگا جب کہ خریدار وہی شخص ہو جس نے ہبہ کیا ہو یا پھر اُس کا جانشین ہو جیسا کہ بتایا گیا - اور بقول مشہور نقدی یا مال تجارت کے عوض بھی اس کی خرید ہو سکتی ہے -

دوسری شرط یہ ہے کہ عریہ کے طور پر دینے والا پھل کو عطا کرنے کے وقت یوں کہے کہ ان پھلوں کو میں نے تمہارے لیے عریہ کے طور پر مخصوص کر دیا - اگر یوں کہا کہ میں نے تمھیں ہبہ کیا تو اُس صورت میں یہ مسائل لاگو نہ ہوں گے ، کیونکہ اس طرح کی فروخت کی اجازت صرف عرایا کے لیے ہے -

تیسری شرط یہ ہے کہ (عرایا کے) پھل اٹکل سے خریدنے کے وقت پھلوں

→ کا پختگی پر آ جانا ظاہر ہو گیا ہو۔ ہبہ (عطا) کے وقت اُن پھلوں کا تیاری پر آ جانا ضروری نہیں ۔ اگر پھل تیاری پر نہ آئے ہوں تو اُن کی فروخت (اس طرح) درست نہ ہو گی ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر (عرایا کے) پھلوں کی خریداری اٹکل سے کی جائے تو اُسی کی ہم نوع شے کے عوض یہ خریداری ہونی چاہیے۔ لہٰذا (عرایا کے) ہرے اخروٹ کو کھجوروں کے عوض خریدنا درست نہیں ہے ۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ خریدار اُن کے دام اُس وقت ادا کرے جب کہ اُن کے کاٹنے کا وقت آئے۔ اگر دام کے فوری ادا کرنے کی شرط لگائی گئی تو فروخت باطل ہو جائے گی ، گو فوری ادائیگی نہ کی گئی ہو ۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ اُن پھلوں کے دام خریدار کے ذمہ قرض واجب الادا کی حیثیت رکھیں گے (کہ جس کھجور کی شکل میں جی چاہے ادا کرے) کسی باغ کے مخصوص پھل کے ادا کرنے کی قید درست نہیں ہے ۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ خریدار عریہ کے پھلوں کی مقررہ مقدار میں جو پانچ وسق (۵ بارشتر) یا اس سے کم ہے زیادتی نہ کرے ۔اس کی تفصیل زکواۃ کے بیان میں آ چکی ہے کہ پانچ وسق سے کم کھجور کی مقدار پر زکواۃ نہیں ہے ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پھلوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں :

پہلی حالت یہ ہے کہ ہنوز اُس کی گھنڈی نہ بندھی ہو اور پھل (کی شکل) ظاہر نہ ہوئی ہو اور شگوفہ سے جدا نہ پہچانا جاتا ہو۔ ایسی حالت میں تو پھل کی فروخت مطلقاً درست نہیں ہے ، کیونکہ پھل (جس کی فروخت مطلوب ہے وہ) موجود ہی نہیں ہے ۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ شے غیر موجود کا سودا صحیح نہیں ہے ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ پھل نمایاں ہو گیا ہو اور نظر آنے لگے ، بایں طور کہ اگر شگوفہ (یا کلی) کا پھل ہے تو شگوفہ سے الگ ہو گیا ہو اور الگ پہچانا جا سکے ، خواہ جسامت میں چھوٹا ہو ، جیسے خولدار پھل اور زردآلو۔ ایسی صورت میں دیکھنا چاہیے کہ اُن کی صلاحیت ظاہر ہو گئی (یعنی وہ پھل تیاری پر آ گئے ←

← ہیں) یا نہیں ؟ اگر ان کا تیاری پر آنا عیاں ہو تو اُن کی فروخت مطلقاً درست ہے۔ صلاحیت کا نمایاں ہو جانا یہ ہے کہ وہ پھل فضائی آفتوں اور تلف ہونے سے محفوظ ہو گئے ہیں - پس جب پھل اس دور سے گزر جائیں جس میں اُن کے آسمانی آفتوں وغیرہ سے خراب ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے تو گویا اب وہ تیاری پر آ گئے ہیں - اگر وہ پھل تیار نہیں ہوئے تو ایسے پھلوں کا اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ اُنھیں (تیار ہونے تک) درخت پر لگا رہنے دیا جائے گا درست نہیں ہے ، کیونکہ معاملۂ بیع اس شرط کا متقاضی نہیں ہے - ایسا ہونے سے یہ لازم آئے گا کہ دوسرے شخص کے مملوکہ درخت کو کام میں لایا گیا جو حق ملکیت کے خلاف ہے - اگر پھل کو درخت میں لگے رہنے کی شرط نہیں رکھی گئی ، بلکہ اس بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی :

ایک یہ کہ وہ پھل ایسا ہو کہ اُسے (کسی نہ کسی) کام میں لایا جا سکے ، خواہ مویشی کے چارے کے طور پر سہی تو بیع درست ہوگی کیونکہ بیع فاسد اُسی صورت میں ہوتی ہے جب درخت میں لگے رہنے کی شرط لگائی گئی ہو -

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ پھل مطلق کسی کام کے نہ ہوں - ایسی حالت میں ان پھلوں کی صحت فروخت کے مسئلہ میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اُن کی فروخت جائز ہے ، کیونکہ وہ بہرحال مال ہے گو سردست اُس سے فائدہ نہ اُٹھایا جا سکے ، لیکن کچھ عرصہ کے بعد تو اُسے کام میں لانا ممکن ہے - اور اگر کوئی چاہے تو اس طرح بیع کو بالاتفاق جائز بنا سکتا ہے کہ وہ درخت کے پتوں کو خریدنے کا حیلہ بنائے ، درخت کے پھل بھی تو پتوں کے منجملہ ہیں تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ پھل درخت کے پتوں کے تابع متصور ہوں گے (یعنی پتوں کے ساتھ پھل بھی بک جائیں گے) . ایسی صورت میں اُن پھلوں کا سودا بالاتفاق صحیح ہوگا ، بشرطیکہ درخت میں لگے رہنے کی شرط نہ رکھی ہو -

تیسری حالت یہ ہے کہ درخت کے کچھ پھلوں کی گھنڈی بندھ گئی ہو اور پھل بن گئے ہوں اور کچھ نہ بنے ہوں - اس کی چار صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ صرف موجودہ پھلوں کو فروخت کیا جائے اور جو موجود نہیں ہیں ان کی فروخت کو اُن کے مکمل ہونے تک اٹھا رکھا جائے - اس ←

← حال میں یہ بیع درست ہوگی اور اُس پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو پھلوں کے تیار ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں سابقاً بتائے گئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ موجودہ پھلوں کے دام لگا کر اور اُن کے دام بھی لگا کر جو آئندہ پیدا ہوں گے فروخت کیا جائے، پھر فروخت کنندہ خریدار کو اجازت دے دے کہ آئندہ جو پھل لگیں اُن سے فائدہ اٹھائے۔ اس صورت کا حکم بھی وہی ہے جو سابقہ صورت کا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ موجودہ پھلوں کو فروخت کیا جائے اور جو پھل ابھی نہیں آئے اُن کا ذکر نہ کیا جائے، نیز پھلوں کو اتار لینے یا درخت میں لگے رہنے کی بھی کوئی شرط نہ کی گئی ہو۔ یہ صورت دو امور پر مشتمل ہے: پہلا امر یہ ہے کہ خریدار فروخت شدہ پھل توڑ کر لے لے بعد میں پھر اُس میں اور پھل آ جائیں۔ ایسی حالت میں بیع فاسد نہ ہوگی اور فروخت کنندہ بعد میں آنے والے پھلوں کے اندر خریدار کا شریک ہوگا، کیونکہ یہ پھل بھی اُن میں شامل متصور ہوں گے جو فروخت کے وقت لگے ہوئے تھے۔ ان پھلوں کی مقدار کی بابت خریدار جو کچھ حلف سے کہہ دے اُسے مانا جائے گا کیونکہ یہ اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اُن پھلوں کی مثال جو درخت پر ہوں ایسی ہے جیسے سبزی ترکاری جو لگتی رہتی ہے، جیسے بینگن، تربوز اور خربوزہ۔ دوسرا امر یہ ہے کہ ہنوز خریدار نے فروخت شدہ پھل پر قبضہ نہ کیا تھا کہ اور پھل آنے لگے۔ ایسی صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، کیونکہ فروخت شدہ پھل خریدار کے حوالے کرنا ممکن نہ رہا، اس لیے کہ بیع کے وقت جو پھل موجود تھے اُس میں نئے پھل مل جل گئے، گویا اس صورت میں مال فروخت حوالہ کرنے سے پہلے تلف ہو گیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ موجود اور معدوم کو فروخت کیا جائے (یعنی جو پھل لگے ہوئے ہیں اور جو ہنوز نہیں لگے سب کا سودا کیا جائے) اس میں اختلاف ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہوگی، کیونکہ غیر موجود شے کی فروخت ممنوع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سلم میں (جس میں قیمت نقد اور مال ادھار ہوتا ہے) غیرموجود شے کے فروخت کی اجازت ضرورت کے←

← پیش نظر دی ہے - یہی قول ظاہر روایت کا ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ایسی بیع درست ہے کیونکہ لوگوں کا عام عمل اسی پر ہے اور جو طریقہ لوگوں میں جاری ہے اُس کو ہٹانے میں بڑی مشکل واقع ہوگی - درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اور مشکل کو دور کرنے کے خیال سے بیع سلم کی اجازت دی ہے ، یہی صورت حال یہاں بھی ہے -

اس سے واضح ہے کہ اس زمانے میں جو لوگ اپنے نخلستان اور باغ (کے پھلوں) کو اس طرح فروخت کرتے ہیں ، اس میں اُنہیں دین کے قواعد پر عمل کرنا بآسانی ممکن ہے اور ایسا کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے - یہاں پر جن صورتوں کی وضاحت کر دی گئی ہے وہ عمل کے لیے کافی ہے - تاہم ان تمام معاملات میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ خرید و فروخت میں باہم کوئی نزاع نہ ہو اور اختلاف کے جراثیم کو ختم کر دیا جائے - اور اللہ ہی ہے جو صحیح راہ دکھا سکتا ہے -

اس مقام پر دو باتوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے :

اول یہ کہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا پھل لگے ہوئے درخت کو اگر فروخت کیا جائے تو اس کے پھل فروخت میں شامل نہ ہوں گے جب تک کہ ایسی شرط نہ لگا دی گئی ہو ، لہٰذا وہ پھل بائع کا حق ہے خواہ درخت تابیر شدہ ہو یا نہ ہو - تابیر درخت کو گیابھن کرنے کا نام ہے- اس کی صورت یہ ہے کہ (نر درخت کے) شگوفہ کا غلاف پھاڑ کر اور اُس کا مادہ لے کر مادہ درخت خرما کے شگوفہ میں لگا دیا جائے -

(سابقاً) یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گلاب ، چمبیلی وغیرہ سونگھنے کی چیزوں (یعنی پھول وغیرہ) کا شمار پھل میں ہے -

کھیتی کی فروخت جائز ہونے کے بارے میں قبل اس کے کہ وہ درانتی لگائے جانے کے قابل ہو اختلاف ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور زیادہ قرین قیاس یہ خیال ہے کہ جائز ہے کیونکہ یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ کھیتی تیار ہو جائے گی -

اگر کھیتی اُگ آئی ہو اور اُس کی کوئی قیمت ہو اور تب اُس اراضی کو ←

→ فروخت کیا جائے جس میں وہ کھیتی ہے تو (زمین کی) فروخت میں وہ کھیتی شامل نہ ہوگی جب تک کہ ایسی شرط نہ ہو - اگر کھیتی اُگ تو آئی ہے لیکن اُس اُگی ہوئی کی کوئی قیمت نہیں ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ بیع اراضی میں بغیر شرط رکھے داخل ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایسی شرط نہ ہو تو بیع میں داخل نہ ہوگی اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ بغیر شرط کے وہ فروخت میں داخل ہے - اسی طرح اگر ہنوز برسیم کی جڑ نہیں پھوٹی ، یا بار بار پھوٹنے والی مزروعات کی دوسری پھٹائی ہو اور (وہ زمین فروخت کی جائے) تو اس میں اختلاف ہے یعنی کہا جاتا ہے کہ وہ بیع میں داخل ہے اور یہ بھی کہ داخل نہیں ہے -

دوسری بات (یاد رکھنے کے قابل) یہ ہے کہ 'ربا' کے بیان میں سابقاً یہ بتایا گیا ہے کہ تر (یعنی نو رس) کھجور کی فروخت سوکھے کھجوروں کے عوض جائز ہے ، خواہ وہ عرایا (مخصوص درختوں) کی ہو یا دوسرے درختوں کی -

حنابلہ کہتے ہیں کہ تیاری پر آ جانے سے پہلے پھلوں کی فروخت درست نہیں ہے - اسی طرح فصل کو بھی جب تک کہ دانے سخت نہ ہو جائیں فروخت کرنا درست نہیں ہے - کھجوروں کا تیار ہو جانا یہ ہے کہ اُن کی شکل نمایاں ہو جائے اور کھانے میں خوش ذایقہ ہو جائیں - دانوں کی تیاری یہ ہے کہ وہ سخت اور سفید ہوجائیں ، تاہم جو پھل ہنوز تیار نہیں ہوئے اُن کی فروخت چند شرایط کے تحت ہو سکتی ہے :

پہلی شرط یہ ہے کہ اُنھیں فروخت کے بعد ہی توڑ لیا جائے - یہ درست نہیں ہے کہ درخت کو ٹھیکہ پر یا عاریتاً اس شرط پر دیا جائے کہ اُن کے پھل درختوں پر لگے رہیں گے -

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پھل ایسے ہوں کہ اُنھیں توڑ کر کسی نہ کسی کام میں لایا جا سکے -

تیسری شرط یہ ہے کہ اُس میں (اور کی) شرکت نہ ہو ، مثلاً یہ کہنا کہ درخت کے پھل مشترکہ طور پر نصفا نصف ہوں گے - ایسی فروخت پھلوں کے تیار ہو جانے سے پہلے درست نہیں ہے ، کیونکہ پھلوں کے توڑنے کے وقت یہ ممکن نہ →

← ہوگا کہ صرف وہ پھل توڑے جائیں جن کا توڑنے والا مالک ہے اور وہ پھل نہ توڑے جائیں جن کا وہ مالک نہیں ہے اور جن کا اُسے حق نہیں ہے -

چوتھی شرط یہ ہے کہ پھل اصل (جڑ) کے ساتھ یعنی پھل کو درخت کے ساتھ یا کھیتی کو زمین کے ساتھ فروخت کیا جائے - یا یوں ہو کہ کسی شخص کے ہاتھ پہلے درخت کو اور پھر اُسی کے ہاتھ پھل کو فروخت کیا جائے - اور سبزیوں کے پھل جو بار بار اترتے رہتے ہیں اگر الگ الگ جھول میں نہ ہوں تو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے ، ہاں صرف وہ پھل جو فی الحال لگے ہوئے ہوں اُن کو فروخت کیا جا سکتا ہے ، آئندہ اترنے والے پھلوں کو نہیں بیچا جا سکتا - البتہ اگر زمین ہی بیچ دی جائے تو وہ پھل بھی (جو آئندہ اتریں گے) فروخت میں آ جائیں گے - ایسے پھل مثلاً ککڑی خربوزہ ہیں کہ اُن کو جڑوں سمیت یعنی ٹیٹوں سمیت جن پر وہ بیلیں چڑھی ہوئی ہیں فروخت کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ اس صورت میں وہ پھل جڑ کے تابع ہیں -

کپاس کا حکم بھی وہی ہے جو کھیت کا ہے ، یعنی اگر کپاس کی گھنڈی ہنوز ملائم اور ہری ہو اور اُس میں سختی نہ آئی ہو تو ان کی فروخت صحیح نہیں ہے - اسی طرح ہری فصل کو بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا ؛ ہاں اگر بکنے کے ساتھ ہی کاٹ لینے کی شرط ہو تو فروخت درست ہے - اگر کپاس کی گھنڈی سخت ہوجائے تو اس شرط پر بھی کہ اُسے پودے میں لگا رہنے دیا جائے گا ، مطلقاً جائز ہے جس طرح وہ کھیت جس کے دانے سخت ہو گئے ہوں اسی طرح بیچنا جائز ہے -

بینگن کا معاملہ بھی کپاس کی طرح ہے ؛ واضح ہو کہ جب پھل یا کھیت تیار ہو جائے تو اُس کی فروخت مطلقاً جائز ہے - اس کے لیے کاٹ لینے یا اپنی جگہ پر لگے رہنے کی شرط کا سوال نہیں پیدا ہوتا -

اگر کھجور کا درخت جس کے طلع بکسرطا (یعنی گچھے) کا سفید غلاف پھٹ گیا ہو فروخت کیا جائے تو اس کا پھل فروخت کنندہ کا حق ہے - گچھے کے ڈنٹھل ، شاخیں اور چھال اس میں داخل نہیں ہیں - اور اس حق کے لیے یہ شرط بھی نہیں ہے کہ اس میں تابیر ہوئی ہو (یعنی گابھا لگا ہوا ہو) - تابیر کے معنے ←

بیع سلم کا بیان

سلم کی تعریف

سلم بفتح سین و لام فعل اسلم کا اسم مصدر ہے۔ اس کا اصل مصدر اسلام ہے جس کے لغوی معنے رقم کا فوری طور پر ادا کرنا اور (سودا لینے سے) پہلے ہی دام دے دینا ہے۔ سلم کو اہل لغت سلف بھی کہتے ہیں۔ اہل حجاز کی لغت میں جو سلم ہے اہل عراق کی لغت میں وہی سلف ہے۔ البتہ 'سلف' کا لفظ 'سلم' کی بہ نسبت عمومیت کا حامل ہے، کیونکہ اس کا اطلاق 'قرض' پر بھی ہوتا ہے، یعنی 'سلف' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

ایک بمعنی 'قرض' جس سے قرض دینے والے کو عنداللہ ثواب کے علاوہ اور کوئی فائدہ پیش نظر نہیں ہوتا، اور قرض لینے والے نے جس قدر لیا ہے اتنا ہی واپس دینا اس پر لازم ہوتا ہے۔

← تلقیح (یعنی درخت کو گیابھن) کرنے کے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نر درخت خرما کا شگوفہ مادہ درخت میں لگایا جائے۔

(صورت بالا میں) فروخت کنندہ کو یہ حق ہے کہ وہ کھجوروں کو اس وقت تک درخت میں لگا رہنے دے کہ پھل پورے طور پر تیار ہو جائیں اور پورے طور پر ذایقہ آ جائے۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ خریدار نے یہ شرط نہ کی ہو کہ بائع اپنے پھل فوری طور پر توڑ لے گا۔

دوسرے یہ کہ اس کے درخت میں لگے رہنے سے درخت کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو فروخت کنندہ کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنے پھل توڑ لے۔

واضح ہو کہ رہن، ہبہ، اجارہ، خلع اور مہر کے تمام مسائل بھی بیع (کے مسائل) کی مانند ہیں۔ پس اگر کسی درخت خرما کو ہبہ کیا یا ٹھیکہ پر دیا گیا یا اسے خلع یا مہر قرار دیا گیا اور اس پر کھجور لگے ہوئے ہیں تو اس کے تابع اصل (یعنی درخت کے ساتھ شامل فروخت) ہونے وغیرہ کے مسائل وہی ہیں جو بیع کے متعلق بیان ہوئے۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ کوئی خاص مال خریدنے کے لیے سونا یا چاندی (یعنی رقم) پیشگی ادا کردی جائے ، بایں شرط کہ فلاں چیز اتنے عرصہ کے بعد موجودہ نرخ سے بہتر (طے شدہ) نرخ پر حاصل کی جائے گی - اس میں قرض (کے طور پر پیشگی دام) دینے والے کو فائدہ پیش نظر ہوتا ہے - اسی دوسری صورت کو سلم کہتے ہیں -

سلف کا لفظ فعل اسلف کا اسم مصدر ہے اس کا مصدر دراصل 'اسلاف' ہے محاورہ میں بولتے ہیں ''سلفہ'' (یعنی اسے قرض دیا) اس فعل کا مصدر 'تسلیف' ہے -

فقہاے شریعت کے نزدیک یہ ایک اصطلاح ہے جس کی تعریف از روے مسالک تفصیل طلب ہے -[1]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ سلم کسی ایسی شے کی فروخت اوٹ لینا ہے جس کی تفصیل بتا دی گئی ہو - اس کے لیے لفظ 'سلم' ہی کا استعمال ہونا چاہیے - مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں آپ کو بیس گنی مصری بطور سلم (پیشگی) دیتا ہوں ، اس کے عوض بیس بوری گندم جو اس قسم کی ہو ایک ماہ بعد آپ سے لوں گا - اگر ایسا معاملہ (لفظ سلم کی بجائے) بیع کے لفظ سے کیا جائے ، بایں طور کہ آپ بیس بوری ایسی گندم بیس گنی میں فروخت کردیجیے ایک مقررہ مدت کے بعد میں وہ گندم لے لوں گا - اس طرح کہنے میں اختلاف ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ معاملہ بیع ہے، لہٰذا اس میں وہ تمام مسائل جو بیع کے ہیں لاگو ہوں گے ، مثلاً دام کا غیر فوری طور پر ادا کرنا ، اور اس کے لینے میں وہاں سے تاخیر کرنا اور اس دام کے بدلے کوئی اور شے ادا کرنا اور شرط خیار کا ہونا -

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ معاملہ سلم کا ہے ، کیونکہ جو کچھ طے ہوا ہے وہ درحقیقت سلم ہی (کی شکل) ہے لفظ کو نہ دیکھنا چاہیے - لہٰذا دام جو کچھ طے ہوا ہے اس کو بدل کر کچھ اور نہیں دیا جا سکتا ، یعنی اگر سونا طے ہوا ہے تو یہ درست نہ ہوگا کہ اس کی بجائے (دام میں) گندم دی جائے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس دام کے عوض جو کچھ لینا ہے (یعنی جس شے پر بیع سلم ہوئی ہے) اس کی بجائے اور کچھ لیا جائے - پس اگر گندم کے لیے بیع سلم ہوئی ہے تو اس کی بجائے 'مکی' دینا درست نہیں ہے - اسی طرح دام کو اسی جگہ ←

← ادا کر دینے کی بجائے تاخیر سے دینا بھی درست نہیں ہے ، اور اس میں شرط خیار (واپسی کا اختیار) بھی درست نہیں ہے - لیکن قابل وثوق امر یہی ہے کہ جب تک معاملہ میں سلم کا لفظ استعمال نہ ہو اسے سلم کا معاملہ نہیں مانا جائے گا - بیع کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس معاملہ میں بیع کے احکام لاگو ہوں گے -

یاد رہے کہ سلم کا معاملہ ان تین امور میں سے ہے جن کا تحقق مخصوص الفاظ (کے استعمال) پر موقوف ہے ، یعنی سلم ، نکاح اور کتابت (یعنی کچھ رقم کے عوض غلام کو آزادی کی تحریر دینا) -

حنفیہ کہتے ہیں کہ سلم کہتے ہیں نقد دام کے عوض مال کا ادھار سودا کرنے کو - دام میں سونا ، چاندی (یا نقدی) دینے والے کو مسلم بکسر لام (یعنی سلم کے لیے رقم دینے والا) یا رب السلم کہتے ہیں اور جس سے ایک خاص عرصہ کے بعد مال لینا ہے اسے 'مسلم الیہ' کہا جاتا ہے (یعنی جس کے ساتھ معاملۂ سلم کیا گیا یا جسے دام پیشگی دے گیے) اور وہ مال جس کا سودا سلم میں کیا گیا ، مثلاً گندم یا مکھن اسے مسلم فیہ کہتے ہیں (یعنی وہ شے جس کے لیے پیشگی دام دے گئے) اور وہ دام (جو سلم میں دیا گیا) اسے سلم کا راس المال (یا سرمایۂ سلم کہتے ہیں - پس اگر کسی شخص نے یہ ارادہ کیا کہ ایک مقررہ عرصہ کے بعد گندم وصول کرے گا اور اس کی قیمت فوری طور پر پیشگی ادا کردی تو اس کو معاملۂ سلم کہیں گے - خریدار کو 'مسلم' فروخت کنندہ کو مسلم الیہ - گندم کو مسلم فیہ اور اس دام کو سلم کا راس المال کہا جائے گا - اس میں یہ شرط ضروری نہیں ہے کہ سلم یا سلف ہی کا لفظ استعمال کیا جائے ، بلکہ لفظ سلم کہنے سے تو معاملۂ خرید و فروخت بھی منعقد ہو جاتا ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ سلم ایک عقد معاوضہ (یعنی لین دین کا معاملہ) ہے جس میں (ادائیگی کی) ذمہ داری جو متعین شے یا منفعت کی بابت نہیں ہوتی پورا کرنا ہوتی ہے - اس میں اشیاء معاوضہ برابر سرابر نہیں ہوتیں -

اس تعریف میں لفظ معاوضہ کا مطلب یہ ہے کہ فریقین معاملہ ایک دوسرے کو ایک شے کے عوض دوسری شے دیتے ہیں - اس میں ہبہ یا صدقہ وغیرہ جیسے معاملات نہیں آتے جن میں باہمی لین دین نہیں ہوتا ، بلکہ یک طرفہ خرچ ہوتا ہے←

بیع سلم کی شرعی حیثیت اور اس کا ثبوت

بیع سلم ایک امر جائز ہے۔ اس میں استثنائی طور پر یہ اجازت ہوتی ہے کہ بائع ایسا مال فروخت کرے جو سر دست اس کے پاس موجود نہیں ہے۔

کتاب ، سنت اور اجماع سے اس کا ثبوت ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''یا ایھاالذین آمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ''۔

(یعنی اے ایمان والو اگر خاص مدت کے وعدۂ ادائیگی پر تم کسی کو قرض دو تو لکھ لیا کرو)۔

← اور متعین شے یا استفادہ کے الفاظ سے کسی متعین شے کی سونے چاندی (یا نقدی) کے عوض ادھار بیع کا معاملہ نکل گیا۔ تفصیل ، بیع کی تعریف میں سابقاً آچکی ہے۔ استفادے کی نفی سے مکان کے کرایہ وغیرہ اور ضمانت میں رکھی ہوئی چیز کے معاملات خارج ہوگئے ، کیونکہ یہ معاملہ متعین شے کا سودا نہیں ، بلکہ کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا ہے۔ اور اشیاء معاوضہ کے برابر سرابر نہ ہونے کی قید لگانے سے سلف یا ادھار (قرض) کا معاملہ نکل گیا ، کیونکہ اس میں قرض خواہ جس قدر لیتا ہے اتنا ہی دینا پڑتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سلم کسی قابل فروخت ، موصوف فی الذمہ شے کی بابت خاص مدت کے اندر (فراہمی کا) معاہدۂ بیع کرنا ہے۔ موصوف فی الذمہ سے مراد وہ تفصیل ہے جس پر فریقین کو قائم رہنے کا ذمہ دار گردانا جائے اور وہ تفصیل دوسروں کے لیے قابل فہم ہو۔ اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

سلم کا معاملہ لفظ 'بیع' کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے ، مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ سے اس قسم کی اور اس مقدار میں گندم کا سودا کرتا ہوں جو ایک ماہ بعد (مثلاً) وصول کروں گا۔ اس کے لیے لفظ 'سودے' کی بجائے لفظ 'سلم' یا 'سلف' کے استعمال سے بھی ، بلکہ ہر ایسے لفظ سے جو سودا کرنے کے مفہوم میں ہو ، بیع سلم ہو سکتی ہے ، مثلاً میں نے آپ کو (اتنے دام میں) مالک بنا دیا یا آپ کو دیا وغیرہ۔

اس آیت میں لفظ 'دین' (قرض) کا مفہوم عام ہے جس میں قرض بطور 'سلم' اور عام قرض سب شامل ہے - ابن عباس رض نے اس کی تفسیر 'سلم' کے قرض سے کی ہے (جس میں دام نقد اور مال ادھار ہوتا ہے) -

سنت سے اس کا ثبوت صحیح بخاری و صحیح مسلم سے یہ حدیث ہے :

"من اسلف فی شییء فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم"-

(یعنی جب کوئی نقد دام ادھار سودے کے لیے دے تو چاہیے کہ اس چیز کا ناپ تول اور مدت ادائیگی طے ہو جائے) -

رہا اجماع تو تمام ائمۂ اسلام کا اس کے جائز ہونے پر اتفاق ہے -

سلم کے ارکان و شرایط کا بیان

واضح ہو کہ سلم بیع کی اقسام میں سے ایک طرح کا معاملۂ بیع ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ، لہٰذا اس کے ارکان و شرایط بھی وہی ہیں جو معاملۂ بیع کے ہیں ہاں اس میں چند مزید شرطیں ہیں :

اجمالی طور پر یہ ہے کہ معاملۂ سلم کی اشیاء معاوضہ (یا مبادلہ) یعنی راس المال جسے معاملۂ بیع میں "دام" کہا جاتا ہے اور 'مسلم فیہ' جسے مال فروخت کہتے ہیں ، دونوں کی تفصیل بیان کر دی جائے اور ان کی خصوصیات کو اس طرح بتا دیا جائے کہ فریقین تاریکی میں نہ رہیں اور کوئی امر باعث نزاع نہ رہے مبادا کہ باہمی عداوت پیدا ہو جائے -

شریعت اسلامیہ نے اس خرابی سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اسے ناپسند فرمایا ہے ، لہٰذا معاملۂ سلم صرف ایسی ہی اشیاء میں ہو سکتا ہے جن کی تفصیل ممکن ہو - مثلاً وہ اشیاء جو ناپ کر یا تل کر یا وزن سے یا گنتی کے ذریعہ یا گزوں کے اعتبار سے بکتی ہیں اور ان کی حدود متعین ہیں اور ان کی تفاصیل کو معرض ضبط میں لایا جا سکتا ہے - نیز سلم کا درست ہونا ان شرایط کی تکمیل پر موقوف ہے جن کا ذکر معاہدۂ سلم کے وقت کیا گیا ہو - منجملہ ان کے مال کا نام ، جس کے لیے معاملہ سلم کیا گیا اور دام کا ذکر ہے جو پیشگی دیا جائے گا مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کو ایک گنی پیشگی (بطور سلم) کھجور یا گیہوں کے لیے دے رہا ہوں - اور پھر یہ بھی بتا دیا جائے کہ وہ کھجور زغلول ہوگی یا

اسیوطی اور گندم بعلی ہوگی یا مسقی (یہ کھجور اور گندم کی علاقائی قسمیں ہیں) - نیز ان کی کیفیت بھی بتا دی جائے کہ وہ بڑھیا ہوں[1] یا گھٹیا ، اور اس کی

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ مسلم فیہ (یعنی مال بیع سلم) کی بابت گھٹیا یا بڑھیا کی قید (معاملۂ سلم کے) شرایط میں سے نہیں ہے - اگر یہ نہ کہا جائے تو اس کا مطلب بالعموم بڑھیا ہوتا ہے ، اور بڑھیا کا کم سے کم درجہ مطلوب ہو گا - تاہم بڑھیا یا گھٹیا کی شرط لگانا جائز ہے - جہاں تک شرط کا تعلق ہے وہ 'مسلم فیہ' کی صرف ان ہی صفات کے لیے ہے جن سے (مال فروخت کی) کیفیت (خصوصیت) اور تعیین اچھی طرح سے ہو جائے اور اکثر اس مال میں وہ خصوصیت پائی جاتی ہو - اگر کوئی ایسی خصوصیت بتائی جائے جو کم یاب ہو تو معاملۂ بیع سلم درست نہ ہو گا - ایسی اشیاء جن کی صفات ایسی ہیں جو کثرت سے پائی جاتی ہیں وہ مثلاً زرعی علاقوں میں (اناج کے) دانے ہیں اور یا حیوان وغیرہ جو دستیاب ہوتے رہتے ہیں - اور ایسی اشیاء کی مثال جن کی صفات نادرالوقوع ہیں بڑے بڑے جواہرات ہیں جو زیورات کے لیے استعمال ہوتے ہیں - ان میں بیع سلم کا معاملہ درست نہیں ہے، کیونکہ بیع سلم میں یہ لازم ہے کہ اس (جوہر) کا حجم ، وزن ، شکل اور خوبیاں بیان کر دی جائیں ، لیکن ان تمام صفات کا یک جائی طور پر (جواہرات میں) موجود ہونا شاذونادر ہوتا ہے ، لہذا اس میں سلم نہیں ہو سکتا - ہاں چھوٹے جواہرات جو دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں ان میں سلم صحیح ہے - تاہم عقیق میں درست نہیں ہے ، کیونکہ سنگ عقیق کی اقسام مختلف بہت سی ہیں ، حالانکہ معاملۂ سلم میں شرط یہ ہے کہ فریقین معاملہ مسلم فیہ کی ان صفات سے اجمالی طور پر آگاہ ہوں جو ان کے استعمال کی مختلف اغراض پوری کر سکیں، مثلاً وہ گندم کے متعلق جانتے ہیں کہ کوئی بعلی ہوتی ہے اور کوئی مسقی اور بھیڑ اور بکریاں سیمی بھی ہوتی ہیں اور صعیدی بھی- اسی طرح ایک نابینا شخص بھی دوسروں سے سن کر مال فروخت سے آگاہ ہو سکتا ہے - لیکن اس کے لیے دو انصاف پسند اشخاص کا موجود ہونا ضروری ہے جو ان صفات کی تفصیل و تعیین سے آگاہ ہوں کہ اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو وہ اشخاص فیصلہ کردیں - غرض فریقین کا مال فروخت سے باخبر ہونا ضروری ہے -

مقدار پیمانوں ، وزن ، گنتی یا گزوں میں جیسی بھی صورت ہو بتا دی جائے۔

اور منجملہ شرایط سلم کے ایک یہ بھی ہے کہ مسلم فیہ (یعنی مال جس کے لیے دام پیشگی دیے جا چکے ہیں) بعد میں (تاخیر سے) واجب الوصول ہو[1] اور اس کی مدت طے شدہ ہو اور کم سے کم ایک ماہ ہو۔[2] لہٰذا اسی وقت (یا اس سے پہلے) ادائیگی کا تعین وقت ہو تو بیع سلم درست نہ ہو گی۔ البتہ راس المال یا دام کی جلدی ہی ادائیگی (بموجب تفصیل) مسالک مختلفہ شرط ہے۔[3]

---

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ مال فروخت کا تاخیر سے دینا سلم کے لیے کوئی شرط نہیں ہے ، بلکہ جلد ہی دے دیا جائے تو درست ہے۔

۲ - مالکیہ کہتے ہیں کہ کم سے کم مدت نصف ماہ یعنی پندرہ یوم سے زیادہ ہے ؛ زیادتی خواہ کتنے ہی کم عرصہ کی ہو۔

۳ - حنفیہ کہتے ہیں کہ (سلم میں) شرط یہ ہے کہ 'راس مال السلم' (پیشگی رقم) اسی جگہ لے لی جائے، خواہ وہ کوئی شے ، یعنی متعین چیز ہو یا گنی ہو یا رائج الوقت نقدی ہو۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ بات چیت کے پہلے ہی مرحلہ میں ادائیگی رقم ہو جائے بلکہ بات چیت ختم ہونے سے پہلے ہونا چاہیے ، خواہ اس میں کتنی ہی دیر لگ جائے۔ اگر فریقین اٹھے اور ساتھ ساتھ گیے اور کافی دور جانے کے بعد پیشگی رقم دی گئی تو معاملہ درست ہوگا ، بشرطیکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ اسی طرح معاملہ طے کرنے کے بعد اگر خریدار (پیشگی رقم دینے والا) اپنے گھر سے دام لانے کے لیے کھڑا ہو تو اب اگر وہ فروخت کنندہ کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا تو معاملہ صحیح رہا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر راس المال معاملہ طے ہونے کی جگہ پر وصول کرنے میں دیر لگی تو دیکھنا ہو گا کہ اگر یہ تاخیر معاہدے کے مطابق ہوئی ہے یعنی پیشگی دینے والے نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ بعد میں (تاخیر سے) دام دے گا تو 'معاملۂ سلم' بالاتفاق باطل ہو جائے گا ، خواہ وہ بہت زیادہ تاخیر ہو کہ میعاد فراہمی مال فروخت سے بھی آگے ہو یا کم ہو۔ لیکن اگر یہ تاخیر کسی شرط کی بنا پر نہیں تھی ، (بلکہ احیاناً پیشگی جلد نہیں دی جا سکی) تو اس ←

بارے میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ وہ معاملہ فاسد ہو جائے گا، خواہ تاخیر زیادہ ہوئی ہو یا کم ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ معاملہ فاسد نہ ہو گا، خواہ تاخیر زیادہ ہوئی ہو یا کم۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سلم میں راس المال (پیشگی رقم) کا فریقین معاملہ کے باہم جدا ہونے سے پہلے ہی وصول ہو جانا شرط ہے۔ اگر (وہ رقم) فروخت کنندہ کے قبضہ میں پہلے ہی سے بطور امانت ہو تو وہ وصول ہو جانے کے برابر ہے۔ نیز خریدار کی کوئی شے اس نے غصب کر رکھی ہو (اور ناجائز قبضہ سے) اس کے پاس ہو تو اس (مال مغصوبہ) کو پیشگی دام کی ادائیگی قرار دینا درست ہو گا، درآنحالیکہ وہ خریدار کی مملوکہ رہی ہو، کیونکہ غصب کردہ مال قبضہ حاصل کرنے کے برابر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ راس المال (یعنی پیشگی رقم سلم) کا حقیقی طور پر اسی جگہ قبضہ لینا شرط ہے، اس کے حوالہ (یعنی کسی دوسرے کو ذمہ دار بنا دینا) کافی نہیں ہے اگرچہ وہ ذمہ دار شخص اسی جگہ رقم ادا کر دے، کیونکہ اس شخص کی ادائیگی خریدار کی جانب سے نہیں ہو سکتی جب تک کہ خریدار (پیشگی دینے والا) اسے خود لے کر فروخت کنندہ کے حوالے نہ کر دے۔ اگر راس المال (پیشگی) نفع (استفادہ) کی شکل میں ہو مثلاً کوئی کہے کہ میں اپنا گھر سپرد کرتا ہوں کہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں، اس کے عوض میں اتنے عرصہ کے بعد بیس بھیڑیں آپ سے لے لوں گا، تو یہ درست ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ فریقین کے جدا ہونے سے پہلے وہ مکان (بائع کے) قبضہ میں دے دیا جائے۔ تاہم اگرچہ بموجب شرط حقیقی طور پر قبضہ نہ ہوا ہو لیکن اس کی سپردگی اس طرح پر ہو کہ اس کا قبضہ ممکن ہو جائے تو اسے بھی حقیقی معنوں میں قبضہ مانا جائے گا۔ اور اسی جگہ قبضہ حاصل کر لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جگہ چھوڑنے سے پہلے پہلے قبضہ حاصل کر لیا جائے، بلکہ قبضہ یہ ہے کہ فریقین کے جسمانی طور پر جدا ہونے سے پہلے قبضہ حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اگر فریقین اس جگہ سے اٹھ جائیں اور ساتھ ساتھ کچھ فاصلہ طے کر لینے کے بعد لیکن ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے قبضہ حاصل ہو جائے تو درست ہے۔

اور منجملہ شرایط سلم کے مسالک مختلفہ کے بموجب کچھ اور امور بھی ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ سلم کی شرطیں دو قسم کی ہیں : ایک قسم کی شرط کا تعلق نفس معاملہ سے ہے اور دوسری قسم کی شرایط کا تعلق اشیاء معاوضہ سے ہے ۔ وہ شرط جس کا تعلق نفس معاملہ سے ہے وہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ معاملۂ سلم میں فریقین کو یا کسی ایک فریق کو شرط خیار نہیں رہتا ۔ البتہ اگر راس المال (یا پیشگی دام) کا حقدار کوئی اور ہو اور پیشگی دینے والا اس کا مالک نہ ہو اور اس کی ادائیگی کرنے کے بعد فریقین معاملہ جدا ہو جائیں تو ایسی صورت میں مال فروخت کے مالک کو اختیار ہو گا کہ وہ معاہدۂ سلم کو بحال رکھے یا ختم کر دے ۔ اگر (وہ حقدار) اجازت دے دے تو معاملۂ سلم درست ہو جائے گا ۔

رہیں وہ شرطیں جن کا تعلق اشیائے معاوضہ (یا مبادلہ) سے ہے وہ پندرہ ہیں ۔ منجملہ اس کے چھ کا تعلق راس المال (جو بطور پیشگی دیا جائے گا) سے ہے اور دس کا تعلق مال فروخت سے ہے (جس کے بیچنے کا وعدہ ہے) ۔

وہ چھ شرطیں جن کا تعلق راس المال سے ہے وہ یہ ہیں :

اول یہ کہ اگر وہ نقدی سونے چاندی کی صورت میں ہو تو اس کی جنس بتا دی جائے کہ وہ گنی ہے یا کوئی اور رائج الوقت سکہ یا پھر وہ کوئی شے ہے مثلاً گندم ، جو وغیرہ ۔

دوم اس کی قسم کی وضاحت یعنی یہ کہ وہ گنی مصری ہے یا انگریزی (پونڈ) ہے ۔ اور وہ گندم بعلی ہو گی یا مسقی (گیہوں کی علاقائی اقسام) ۔

سوم اس کی صفات کی تفصیل کہ وہ بڑھیا ہو گی یا گھٹیا یا اوسط درجہ کی ۔

چہارم اس کی مقدار کہ پانچ گنی یا دس بوری گندم یا جو ۔ اب سوال یہ ہے کہ تعیین مقدار کے لیے (پیش نظر) شے کی طرف اشارہ کر کے بتا دینا کافی ہے یا نہیں ؟ جواب یہ ہے کہ (تفصیل) بیان کرنے کی بجائے اشارہ کافی ہو گا جب کہ وہ شے گزوں سے ناپی جانے والی یا مختلف سائز کی گنی جانے والی شے ہو، ←

← لہٰذا یوں کہنا کہ میں یہ کپڑا یا تربوز کا یہ ڈھیر فلاں مال کے عوض بطور پیشگی دام کے (یا بطور سلم) دیتا ہوں تو درست ہے اگرچہ یہ نہ بتایا گیا ہو کہ وہ کپڑا کتنے گز ہے یا اس ڈھیری میں کتنے تربوز ہیں۔ لیکن اگر وہ شے (پیمانوں میں) نپنے یا تلنے والی شے ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں اشارہ کافی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی مقدار کا (پیمانہ یا وزن میں) بتانا ضروری ہے۔

پنجم یہ کہ یہ پیشگی اسی جگہ ادا کر دی جائے جہاں یہ معاملہ طے ہو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔*

اب رہیں وہ دس شرطیں جن کا تعلق مسلم فیہ (مال فروخت) سے ہے، ان شرایط میں سے چار شرایط تو وہی ہیں جو راس المال کی ابتدائی چار شرطیں ہیں، یعنی جنس، قسم، وصف اور مقدار کی تفصیل کا بیان کرنا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مال فروخت کو تاخیر سے (یعنی بعد میں) بہم رسانی کا وعدہ ہو، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

چھٹے یہ کہ وہ جنس بازار میں دستیاب ہو، بموجب تفصیل آیندہ۔

ساتویں یہ کہ وہ شے ایسی ہو جس کی تعیین کی جا سکے، جیسا کہ بتایا گیا۔

آٹھویں یہ کہ حوالگی مال کی جگہ بتا دی جائے، بالخصوص ایسی اشیاء کی بابت جس کی باربرداری میں مصارف ہوتے ہیں جیسے گندم۔

نویں یہ کہ اشیاء مبادلہ موجبات ربا الفضل سے نہ ہوں (یعنی ایسی اشیاء نہ ہوں جن میں ربائے فضل واجب ہے)۔ جن امور کے پیش نظر ربائے فضل واجب ہوتا ہے وہ دو ہیں: مقدار اور جنس جیسا کہ پہلے بیان ہوا (غالباً مقصد یہ ہے کہ اشیاء مبادلہ متحد الجنس اور مختلف القدر نہ ہوں)۔* ←

---

*واضح ہو کہ مؤلف نے چھٹی شرط نہیں بتائی اس میں غالباً تسامح ہوا ہے۔

*واضح ہو کہ یہ شرط راس المال پر بھی عاید ہوتی ہے جو چھٹی شرط ہے کہ بیان سے رہ گئی۔

→ دسویں یہ کہ وہ شے ان چار اقسام میں سے ہو: پیمانے سے نپنے والی، وزن ہونے والی، گنتی میں آنے والی یکساں حجم کی اشیاء اور (گزوں سے) پیمائش والی اشیاء۔

اب جاننا چاہیے کہ مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ پیمانوں میں یا وزن سے یا گنتی یا گزوں سے۔ پیمانے والی اشیاء کا معاملۂ سلم درست ہے، خواہ وہ دانے (اناج) ہوں یا شہد یا دودھ یا مکھن یا کھجور۔ اس باب میں اختلاف ہے کہ آیا بیع سلم ان اشیاء کا وزن کرکے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ وزن سے بھی درست ہے، کیونکہ اصل مقصد یہ ہے کہ (وہ شے ایسی ہو کہ) تعیین کرنے سے مقدار کی تعیین ہو جائے۔ پیمانے کے لیے ضروری ہے کہ اس پیمانہ کو لوگ جانتے ہوں۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ میں یہ گنی پیشگی دیتا ہوں اس کے عوض بیس قصعہ (تسلے) گندم لوں گا، درآنحالیکہ قصعہ (تسلا) کیلہ وغیرہ کی طرح لوگوں میں رائج (مشہور) پیمانہ نہیں ہے۔ (کیلہ کم و بیش دو سیر کا پیمانہ ہوتا ہے)۔

تلنے والی اشیاء میں سلم درست ہے درآنحالیکہ وہ نقدی یعنی سونا چاندی نہ ہو۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں آپ کو یہ کپڑا بطور سلم (پیشگی) دیتا ہوں جس کے عوض میں اتنے وزن کی گنی ایک ماہ بعد لے لوں گا؛ کیونکہ متعین کرنے سے گنی کی تعیین نہیں ہوتی، حالانکہ بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ جس شے کا سودا کیا جائے وہ ایسی ہو کہ تعیین سے اسے متعین کیا جا سکے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ سونے چاندی کے نقود تعیین سے متعین نہیں ہو جاتے (چنانچہ پہلے بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں اس کپڑے کے عوض وہ اشرفی خریدتا ہوں تو ضروری نہیں کہ کپڑے کے عوض وہی اشرفی دی جائے و بالعکس) رہا یہ مسئلہ کہ آیا مندرجہ بالا سودے کو (گنی کی بجائے) کپڑے کی فروخت قرار نہیں دیا جا سکتا بایں طور کہ کپڑے کو مال اور گنی کو دام تصور کیا جائے۔ اس بارے میں دو رائیں ہیں: ایک تو یہ کہ ہاں ایسا کرنا صحیح ہے اور اسی بات کو بعض اصحاب نے ترجیح دی ہے اور دوسری یہ کہ صحیح نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے اس رائے کی بھی تائید کی ہے۔ ←

← اشیائے معدودہ (یعنی گنتی والی چیزیں) اگر وہ ایک ہی حجم کی ہوں جیسے شامی اخروٹ جسے وہاں عین الجمل کہتے ہیں اس کے دانے برابر برابر ہوتے ہیں چنانچہ اگر کسی نے ایسے اخروٹ ضائع کر دیے تو مالک کو اسی جیسے اخروٹ لینے کا حق ہے - اگر دانوں میں باہم فرق ہو اور وہ تلف ہو جائیں تو مالک قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے - غرض اس قسم کی گنتی والی یکساں اشیاء میں بیع سلم ہو سکتی ہے -

گنتی والی مختلف سائز کی چیزوں کی مثال کدو اور انار وغیرہ ہیں چنانچہ ایسی اشیاء کی بابت یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ''میں ایک گنی آپ کو پیشگی دیتا ہوں اس کے عوض ایک سو تربوز یا دو سو انار آپ سے لے لوں گا'' کیونکہ یہ چیزیں مختلف (حجم اور وزن کی) ہوتی ہیں - ہاں مرغی کے انڈے گو بعض بڑے اور بعض چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ان کی زردی اور سفیدی تقریباً یکساں ہوتی ہے - اسی طرح شتر مرغ کے انڈے بھی اگر کھانے کے لیے خریدے جائیں تو یکساں متصور ہوں گے لیکن اگر ان کے خول کو سامان آرایش کے طور پر استعمال کے لیے لینا ہو تو وہ مختلف متصور ہوں گے ، کیونکہ بعض انڈوں کا خول بڑا ہوتا ہے اور بعض کا چھوٹا -

گنتی کی متقارب (ہم حجم) اشیاء میں پیسے بھی ہیں یعنی سونے چاندی کے علاوہ اور دھات مثلاً نکل یا تانبے کے بنے ہوئے قروش (سکے) ان کی بیع سلم ہو سکتی ہے چنانچہ یہ صحیح ہے کہ ایک ماہ بعد ایک سو بیس قرش لینے کے وعدے پر ایک گنی بطور سلم پیشگی دے دی جائے -

گنتی والی یکساں اشیاء میں سوکھی اینٹیں یا پختہ اینٹیں یا جلی ہوئی اینٹیں (یعنی کھنگر) بھی ہیں ، لہذا کسی خشت ساز سے یہ کہہ کر سودا کرنا درست ہے کہ میں آپ کو ایک گنی دو ہزار اینٹوں کے لیے پیشگی دیتا ہوں - اس میں یہ شرط ہے کہ سانچے کی پیمائش بتا دی جائے کہ اتنی لمبی چوڑی اینٹیں ہوں - اسی طرح جس بھٹہ کی مطلوب ہوں اس جگہ کی نشان دہی بھی کر دی جائے -

گزوں سے ناپی جانے والی اشیاء جیسے کپڑا ، فرش اور چٹائی کی بیع سلم حسب ذیل شرایط کے ساتھ صحیح ہے :

اول یہ کہ اس کی لمبائی چوڑائی (پیمایش) بتا دی جائے۔

دوم یہ کہ اس کی صفات بیان کردی جائیں مثلاً کپڑے کی صورت میں یہ وضاحت کہ وہ بن سلا ہو، سوتی ہو یا ٹسری، یا اونی یا ریشمی یا ملا جلا۔

سوم یہ کہ جہاں کا تیار شدہ ہو وہ جگہ بتادی جائے۔ مثلاً سوتی ہے تو شامی ہو یا مصری یا کہے کہ جاپانی وضع کا ہو یا ہندوستانی (یا پاکستانی) اور چادر (یا پلنگ پوش) محلاوی ہو یا اخمیسی وغیرہ۔ اگر ریشم کا کپڑا ہے تو چاہیے کہ گزوں کے ساتھ اس کا وزن بھی بتا دیا جائے، کیونکہ کپڑے کے دام میں وزن کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ مخمل ریشمی کپڑے کی ایک قسم ہے جس قدر زیادہ بھاری ہوتی ہے اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ریشم کے دوسرے کپڑے جتنے ہلکے ہوتے ہیں اتنے ہی قیمتی ہوتے ہیں۔

اور نمک لگی ہوئی خشک مچھلی جسے بکلا (یا بکلاہ) کہتے ہیں کی بیع سلم درست ہے۔ اگر بڑی ہو تو گنتی سے اور چھوٹی ہو تو وزن کرکے یا پیمانے سے ناپ کر سودا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ درست ہے کہ ایک گنی یا زیادہ پیشگی دام دے کر اس کے عوض مقررہ تعداد میں بکلا (خشک مچھلی) لی جائے۔ اس میں مچھلی کی قسم کا تعین ہوجانا چاہیے، مثلاً فرانسیسی یا انگلستانی بڑی مچھلی۔ چھوٹی مچھلی جسے سردین (یا سہدین) کہتے ہیں نمک لگی ہوئی خشک مچھلی ہو تو وزن کرکے یا پیمانوں سے ناپ کر اس کی بیع سلم جائز ہے۔ اسی طرح تازہ مچھلی کی بیع سلم مطلقاً صحیح ہے لیکن اسی صورت میں جب کہ یہ ہمہ وقت دستیاب ہو۔ اگر بعض اوقات میں دستیاب نہ ہوتی ہو مثلاً بعض سرد علاقوں میں جہاں موسم سرما میں پانی جم جاتا ہے، مچھلی دستیاب نہیں ہوتی تو اس صورت میں یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ معاملۂ سلم میں جو مدت مقرر کی جائے اس میں یہ مچھلی دستیاب ہوتی ہو لہٰذا اتنی مدت مقرر کرنا جس میں وہ نایاب ہوجاتی ہے درست نہیں ہے۔

جانوروں کی بیع سلم بہر حال صحیح نہیں ہے۔ البتہ ذبح شدہ جانور کے اعضا مثلاً پائے، سری وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہے اور مشہور قول یہی ہے کہ جانور کی طرح اس کی بیع سلم درست نہیں ہے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر وزن کرکے اور اس کی قسم کی تعیین اور دوسری شرایط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیع ←

←سلم کی تو مضایقہ نہیں ہے - اسی طرح (جانور کے) گوشت کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور فتویٰ یہ ہے کہ اس کی بیع سلم درست ہے -

گٹھروں کے اعتبار سے لکڑی کی بیع سلم درست نہیں ہے مثلاً کوئی کہے کہ میں آپ کو ایک گنی پیشگی دیتا ہوں جس کے عوض سو گٹھر لکڑی کے لوں گا - کیونکہ گٹھر کی مقدار متعین نہیں ہو سکتی - ہاں وزن کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے تو درست ہے - اسی طرح چارے کی ہری گھاس مثلاً برسیم وغیرہ جو کاٹ کر گٹھا یا ڈھیری بنا لی جاتی ہے - اس کی بیع بھی (گٹھوں میں) درست نہیں ہے - ہاں اگر اس کی مقدار اس طرح متعین ہو جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے تو جائز ہے -

عقیق اور بلور (چمکدار پتھر) وغیرہ کی بیع سلم بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے ٹکڑوں میں بہت فرق ہوتا ہے -

بڑے بڑے موتیوں کا بھی یہی حکم ہے - ہاں چھوٹے موتی جو تل کر بکتے ہیں ان کی بیع سلم ہو سکتی ہے ، لہٰذا جوہری (یا سنار) سے یوں کہا جائے کہ میں پیشگی سو گنی دیتا ہوں جس کے عوض اس قسم کے موتی اور اتنے وزن میں لوں گا -

حنابلہ کہتے ہیں کہ معاملۂ سلم کی سات شرطیں ہیں :

اول یہ کہ مسلم فیہ (مال فروخت) کے وہ اوصاف بیان کردیے جائیں جن کی بنا پر اس کے دام کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے - یعنی اس مال کی جنس قسم ، رنگ اور جہاں تیار ہوتا ہے اس جگہ کا نام بتا دیا جائے اور یہ بھی کہ وہ مال نیا ہوگا یا پرانا -

دوم یہ کہ اس کی مقدار بتا دی جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوا -

سوم یہ کہ مدت فراہمی مال طے کرلی جائے -

چہارم یہ کہ وہ مال بوقت فراہمی اکثر دستیاب ہو - اگر وہ وقت رکھا گیا جب وہ نایاب ہوتا ہے ، جیسے انگور کہ فصل نکل جانے کے بعد نایاب ہو جاتا ہے تو یہ وقت رکھنا درست نہ ہوگا -←

← پنجم یہ کہ راس المال (یعنی دام پیشگی) اسی جگہ ادا کر دیا جائے جہاں معاملۂ سلم طے ہوا جیسا کہ اوپر بتایا گیا -

ششم یہ کہ اوٹا ہوا مال ایک واجب الادا قرض کی حیثیت میں ہو ؛ اگر وہ گھر ہے یا موجود الوقت کوئی شے ہے تو اس کی بیع درست نہیں ہے -

ہفتم یہ کہ وہ مال ایسا ہو جس کی صفات کو ضبط میں لایا جا سکے ، جیسے وہ اشیاء جو پیمانوں سے ناپ کر یا وزن کرکے یا گن کر یا گزوں سے پیمایش کرکے بکتی ہیں ، خواہ وہ دانے (یعنی اناج) ہو، یا کچھ اور جیسے دودھ، تیل اور شہد وغیرہ -

اناج کی شکل میں شرط یہ ہے کہ ان چار امور کی تفصیل کر دی جائے :

ایک تو یہ کہ اس کی قسم مثلاً گندم ساحلی علاقہ کی (یا نہری پیداوار) یا بارانی -

دوسرے یہ کہ جہاں کی پیداوار ہے اس شہر کا نام بتا دیا جائے کہ وہ بحیری یا صعیدی یا ہندی (یا پاکستانی) ہو یا آسٹریلیا کی -

تیسرے دانہ کی کیفیت کہ موٹے دانوں کی ہو یا چھوٹے دانوں کی -

چوتھے یہ کہ نئی ہو یا پرانی -

اسی طرح مسور کا سودا ہو تو یہ بتا دینا شرط سلم ہے کہ چھلکوں دار یا دھلی ہوئی اور کس علاقہ کی ہو ، یعنی اسنادی وغیرہ اور یہ کہ نئی ہو یا پرانی - بڑی مسور ہو یا چھوٹی - ثابت ہو یا دال ؟ غرض یہی حکم تمام قسم کے اناجوں کا ہے -

گندم کی بیع سلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ چھڑی ہوئی (یعنی بھوسی نکالی ہوئی) ہو -

کھجور کی بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ اس کی قسم بتا دی جائے کہ وہ زغلول ہوگی یا سمان (یعنی گدرائی ہوئی یا پھولی ہوئی) اور چھوٹی قسم کی یا بڑی ؟ سرخ یا پیلی اور کس علاقہ کی یعنی واحی یا اسیوطی ؟ تازہ یا پرانی - بڑھیا قسم کی یا معمولی قسم کی ؟ ←

← تمر (خشک کھجور) کی طرح رطب (تر یا تازہ کھجور) کی تفصیل کو بھی اسی طرح بیان کرنا چاہیے۔

شہد ہو تو بتایا جائے کہ وہ مصری ہو یا کسی اور جگہ کا اور کس فصل کا تیار شدہ ربیعی یا صیفی؟ (یعنی موسم سرما کا یا گرما کا) اور اس کا رنگ سفید ہو یا سیاہ اور اعلیٰ قسم کا ہو یا ادنیٰ قسم کا اور یہ کہ موم میں سے نتھارا ہوا ہو یا نہ ہو؟

گھی ہو تو اس کی قسم بتا دی جائے مثلاً بھیڑ، بکری، گائے یا بھینس (کے دودھ) کا رنگ سفید ہو یا پیلا یا ہرا۔ اعلیٰ درجہ کا ہو یا ادنیٰ درجہ کا؟ اور کہاں کے جانور کا یعنی بحیری ہو یا صعیدی، کیونکہ جانوروں کی مختلف چراگاہوں کے اعتبار سے گھی کی قیمت بھی مختلف ہوتی ہے۔ گھی کے لیے نیا یا پرانا کی تفصیل غیر ضروری ہے کیونکہ پرانا گھی ہو تو وہ عیب ہے جس کی بنا پر اس کو واپس کیا جا سکتا ہے، (لہذا بہرحال تازہ گھی ہی کی بیع سلم ہو سکتی ہے)۔ گھی کی طرح مکھن کی تفصیل بھی ہونی چاہیے۔ اس میں اتنا اور بڑھایا جائے کہ مکھن اسی روز کا نکلا ہوا ہو یا ایک دن پہلے کا۔

دودھ کے معاملہ میں بھی اس کی قسم کا تعین ہونا چاہیے، یعنی بھیڑ بکری، بھینس یا گائے کا؟ اس کے لیے چراگاہ کی اور اسی دن یا ایک دن پہلے کے نکالے ہوئے دودھ کی قید غیر ضروری ہے، کیونکہ اگر یہ نہ بتایا جائے تو اسی روز کا (تازہ دودھ) مراد ہوتا ہے۔

وزن والی اشیاء میں جن کی بیع سلم ہوتی ہے، روئی، میوہ، گوشت کچا، یا ہڈی سمیت، اور سیسا، تانبا وغیرہ ہیں۔

اگر گوشت کا معاملہ ہو تو پہلے اس کی مقدار بتائی جائے پھر اس کی قسم کہ گائے کا ہو یا بھینس یا بھیڑ یا بکری کا۔ پھر اس کی عمر اور یہ کہ نر یا مادہ اور خصی یا بلا خصی جانور کا ہو اور یہ کہ وہ دودھ پیتے بچے کا ہو یا حلوان کا (جو دودھ نہ پیتا ہو)۔ گھر کے چارہ پر پلا ہوا ہو یا چراگاہ میں چر کر۔ موٹا ہو یا پتلا۔

پرندوں کے گوشت کا معاملہ ہو تو اس میں نر اور مادہ کی تفصیل کی ←

← حاجت نہیں ، بجز اس صورت کے جب کہ نر اور مادہ (کے گوشت) کی قیمتوں میں تفاوت ہو ، جیسا کہ مرغے کا گوشت مرغی کے گوشت سے کم قیمت ہوتا ہے۔ (پرندوں کے گوشت میں) یہ تفصیل ضروری نہیں کہ کہاں کا گوشت ہونا چاہیے۔ مثلاً یہ کہ ٹانگ کا گوشت ہونا چاہیے۔ ہاں اگر بڑے پرندے ، مثلاً شتر مرغ کا گوشت ہو اور اس میں سے کچھ لینا ہو تو بتا دیا جائے کہ کہاں سے کٹا ہوا ہو کیونکہ اس کا (بڑائی کے اعتبار سے) حجم مختلف ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ پکے ہوئے یا بھنے ہوئے گوشت کی بیع سلم درست نہیں ہے۔

روٹی کا سودا ہو تو یہ بتانا چاہیے کہ گیہوں کی یا جو ، باجرے یا مکی کی۔ پھر خشک ہو یا ملائم اور کس رنگ کی ہو ؟

مچھلی کے معاملہ میں اس کی نوع کا بتانا ضروری ہے کہ وہ نہر کی ہو یا جوہڑ (حوض) کی اور کون سی قسم ہو یعنی بوری(Mullet)ہو یا بلطی(Bullet) (یہ مچھلیوں کے نام ہیں) پھر یہ کہ چھوٹی ہو یا بڑی اور موٹی ہو یا پتلی اور تازہ ہو یا نمک لگی ہوئی جسے 'بکلا' کہتے ہیں۔

سیسے ، تانبے اور لوہے کے سودے میں بتایا جائے کہ وہ کس قسم کا ہو اور اس کا رنگ کیسا ہو؟ جب کہ مختلف رنگ کی قیمتوں میں اختلاف ہو۔ مثلاً تانبا پیلا ہو یا سرخ یا سفید اور یہ کہ نرم ہو یا سخت۔ لوہے کے بارے میں یہ بات اور بھی بتانا ہو گی کہ نر لوہا ہو یا مادہ (اس سے کچا یا پکا لوہا مراد ہے) درآنحالیکہ ان دونوں قسم کے لوہوں کی قیمت میں اختلاف ہو۔

پیسوں کی بیع کسی اور وزن والی شے کے عوض وزن کر کے درست نہیں ہے۔ پس اگر پیسہ کا وزن ہوتا ہو تو اس کا سودا ایسی شے کے عوض جس کا سودا وزن میں ہوتا ہے ، مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ کو ریشمی کپڑا جس کا وزن اتنا ہے نکل کے دو سو قرش دام کے طور پر پیشگی دیتا ہوں درست نہیں ہے ، کیوں کہ کسی وزن والی شے کا ادھار سودا دوسری وزن والی شے سے کمی بیشی کے ساتھ حلال نہیں ہے ، البتہ اگر پیسے گنتی والی اشیاء میں سے ہوں تو ایسی صورت میں بقول صحیح معاملۂ سلم ہو سکتا ہے گو وہ مستعمل سکے ہوں کیونکہ اس کی حیثیت مال کی ہوگی دام کی نہیں، جیسا کہ اوپر ←

← بتایا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ محض قیمت کی صورت میں درست ہے جب کہ راس المال سلم کے علاوہ ہو، لہٰذا یوں کہنا درست ہو گا کہ میں آپ کو یہ کپڑا پیشگی دام کے طور پر ادا کرتا ہوں اس کے عوض ایک گنی ایک مہینہ بعد لوں گا۔ لیکن اگر مثلاً یوں کہا کہ یہ گنی (بطور سلم) پیشگی دیتا ہوں اس کے عوض ایک سال بعد چھ ریال لے لوں گا، تو یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ یہ ربا ہو جائے گا۔

گنتی کی ایسی اشیاء کی بیع سلم جو الگ الگ مختلف (سائز) کی ہوں درست نہیں ہے۔ تاہم جانور کی بیع سلم درست ہے، کیونکہ اس کی تفصیل ضبط میں لائی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پر، انڈے، انار، خربوزے وغیرہ گنتی سے بکنے والی اشیاء جن کے الگ الگ دانوں میں باہم فرق ہو بیع سلم درست نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ تقریباً یکساں (سائز کے) ہوں جیسے شامی اخروٹ یا مرغی کے انڈے تو درست ہے۔

واضح ہو کہ جانور کی تفصیل میں عمر کا ذکر، نر یا مادہ ہونا، موٹا یا پتلا ہونا چراگاہ میں چرنے والا یا چارہ پر پلنے والا ہونا اور جوان یا حلوان ہونا ہے اور اس کی تفصیل میں رنگ بھی ہے جب کہ اس کی اقسام میں مختلف رنگ کے جانور ہوں مثلاً بھیڑ سفید، کالی یا لال ؟

اونٹ کی تفصیل چار اعتبار سے ہوتی ہے: نسل کے اعتبار سے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں قبیلے کے اونٹوں کی نسل سے ہے۔ اور سن کے اعتبار سے مثلاً بنت مخاض (دو سال کی اونٹنی) اور رنگ کے اعتبار سے یعنی سفید، سرخ یا نیلگوں اور نر یا مادہ ہونے کے اعتبار سے۔

گھوڑے کی خصوصیات میں بھی اونٹ کی طرح مذکورہ چار باتیں بیان کی جاتی ہیں اور اس کی قسم کا بیان کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اونٹ جس طرح بختی یا عرابی ہوتا ہے اسی طرح گھوڑے کی بابت بتایا جاتا ہے کہ وہ عربی ہو یا حجین (یعنی دوغلا) یا برذون (ترکی)۔ اور غنم میں بھیڑ یا بکری کی تخصیص کی جائے۔ خچر اور گدھے کی کوئی قسم نہیں ہوتی۔

اینٹ (خشت خام) کی تفصیل میں وہ مٹی بتائی جائے جس سے وہ بنائی جائے ←

← اور اس کی پختگی (یا ضخامت) کو بتایا جائے۔

گزوں سے پیمائش کی جانے والی اشیاء کی تفصیل میں ان کی قسم بتائی جائے۔ مثلاً وہ کتان (ٹسر وغیرہ) یا سوتی یا ریشمی یا اونی ہو اور جہاں کا بنا ہوا ہو اس کا ذکر، مثلاً مصری یا شامی نیز اس کی لمبائی چوڑائی اور اس کا غف ہونا یا باریک ہونا اور دبیز ہونا اور نرم یا سخت ہونا۔ لیکن (تفصیلات میں) اس کا وزن نہ بتایا جائے۔ اگر تفصیل میں وزن بتایا گیا تو بیع سلم درست نہ ہو گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام اقسام کی اشیاء کی بابت ان صفات کو جن کے بیان کرنے یا نہ کرنے سے کپڑے کے دام میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے کھول کر بیان کردیا جائے۔

اگر ایسی شے کی بیع سلم جو پیمانوں سے نپ کر فروخت ہوتی ہے وزن میں بیع سلم کی جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کو ایک گنی (بطور سلم پیشگی) بعوض دو بوری گندم کے دیتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ درست ہو گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ درست نہ ہو گا۔ اکثر اصحاب نے پہلی بات کو اختیار کیا ہے، کیونکہ مقصد محض مقدار اور اس کی حیثیت کا جاننا ہے اور یہ مقصد اس صورت میں پورا ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ علاوہ ان شرطوں کے جو بیع کے صحیح ہونے کی ہیں، بیع سلم کے صحیح ہونے کی مزید سات شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ راس المال (یعنی پیشگی دام) تمام وصول کر لیا جائے۔ اس میں تاخیر یا عدم تاخیر کے مسائل پہلے بتائے جا چکے ہیں اور راس المال (یعنی دام) اور مسلم فیہ (یعنی شے فروخت) کے بارے میں مال پر قبضہ کرنے سے تین دن پہلے تک خیار شرط جائز ہے؛ اس سے زیادہ عرصہ تک جائز نہیں ہے، اگرچہ بقول معتمد راس المال کوئی مکان ہو۔ اگر راس المال (پیشگی دام) شرط خیار کے ساتھ ادا کیا گیا (یعنی پیشگی دام اس شرط پر دیا کہ واپسی کا اختیار ہو گا) تو معاملۂ سلم فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اگر مسلم الیہ نے جو فروخت کنندہ کی حیثیت میں ہے راس المال کو جو دام کی مانند ہے خیار کی شرط ←

→ مانتے ہوئے لے لیا تو اس راس المال کی حیثیت قطعی طور پر دام کی سی نہ ہو گی بلکہ (شرط خیار کے باعث) وہ ایک قرض کا مال ہو گا جسے دینے والا واپس لے سکتا ہے ، لہٰذا معاملۂ سلم منعقد نہ ہو گا۔ پس راس المال کی نقد ادائیگی کے ساتھ شرط خیار لگ جائے تو عقد سلم باطل ہو جائے گا اگرچہ وہ معاملہ فی الواقع منعقد ہی نہیں ہوا ، کیونکہ مشروط جب متحقق ہو گا کہ شرط پوری ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس شرط خیار کو چھوڑ دینے سے بھی وہ معاملہ درست نہ ہو گا۔ اگر رب السلم یعنی پیشگی دام دینے والے نے کسی مصلحت سے راس المال بائع کے حوالے کر دیا ہے اور وہ مال کوئی معین شے ، مثلاً خاص کپڑا یا خاص جانور ہے تو ایسا کرنا درست ہے۔ لیکن اگر وہ ایسی شے ہے جس کی تعیین نہیں کی جا سکتی، مثلاً گنی تو معاملہ صحیح نہ ہو گا۔

اگر راس المال (دام) کسی خاص شے کے استعمال ، مثلاً کسی گھر میں رہنے یا کسی جانور سے کام لینے کی صورت میں ہو تو بیع سلم درست ہے لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں آپ کو اتنے عرصہ تک رہنے کے لیے اپنا گھر دیتا ہوں اس کے عوض ایک ماہ بعد میں آپ سے بیس گنی لوں گا تو یہ معاملہ درست ہے۔ لیکن قرض کی وصولی منفعت کی شکل میں ہو تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ مثلاً کسی ترکھان کے ذمہ کچھ قرض ہے اور اس سے کہا جائے کہ قرض کی ادائیگی کی بجائے ایک صندوق بنا دے تو کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ درست نہیں ہے۔ مکان میں رہائش کو راس المال قرار دیا جائے تو لازم ہو گا کہ تین دن کی میعاد گزرنے سے پہلے پہلے اس مکان پر قبضہ کر لیا جائے۔ جانور سے کام لینے میں اس سے بھی زیادہ تاخیر جائز ہے لیکن اس تاخیر کو معاملۂ سلم میں شرط نہ بنانا چاہیے۔ یاد رہے کہ جانور کو راس المال قرار دیا جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر یوں بھی روا ہے، خواہ خود جانور کو راس المال قرار دیا جائے یا اس سے استفادہ کو۔ لیکن تاخیر کی شرط لگانا بہر صورت ناجائز ہے۔ صحت سلم کی دوسری شرط یہ ہے کہ حسب ذیل پانچ باتیں نہ ہوں :

اول یہ کہ راس المال یا مسلم فیہ (یعنی دام یا مال فروخت) اشیاء خوراک میں سے نہ ہوں ، خواہ ایک ہی جنس کی اشیاء ہوں یا مختلف اجناس ہوں۔ بس ←

← یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں ایک بوری گندم کے لیے ایک بوری گندم بطور سلم (پیشگی) دیتا ہوں۔ اور نہ یوں کہنا درست ہے کہ میں ایک بوری گندم آپ کو دیتا ہوں اس کے عوض ایک ماہ بعد ایک بوری لوبیا لوں گا کیونکہ اس میں ربائے نسیئہ ہے۔ (واضح ہو کہ غذائی اشیاء کا تبادلہ اگر دست بدست نہ ہو تو وہ سود ہے)۔ اگر یوں کہا کہ میں ایک بوری گندم پیش کرتا ہوں اس کے عوض ایک ماہ بعد ڈیڑھ بوری گندم لوں گا تو اس میں دونوں طرح کا سود ہے؛ ربائے فضل بھی اور ربائے نسیئہ بھی، کیونکہ جتنا دیا تھا اس سے زیادہ لیا اور دست بدست بھی نہ تھا) ہاں اگر قرض کا معاملہ ہو اور کمی بیشی کے ساتھ نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً یوں کہنا کہ میں ایک بوری گندم آپ کو قرض دیتا ہوں ایک ماہ بعد اتنی ہی گندم لوں گا۔

دوم یہ کہ دونوں اشیاء (یعنی مال اور دام) نقدی نہ ہوں۔ چنانچہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں ایک گنی (بطور دام پیشگی) دیتا ہوں اس کے عوض ایک گنی لوں گا۔ اور نہ یوں کہنا درست ہے کہ میں ایک گنی اب دے دیتا ہوں بعد میں پانچ ریال آپ سے لے لوں گا، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں علت ربا پائی جاتی ہے (یعنی دست بدست نہ ہونا، جو نقود کے تبادلہ میں ضروری ہے)۔ واضح ہو کہ 'جدد' (یعنی نئے پیسے یا سکے) کے مسائل سلم کے باب میں وہی ہیں جو نقدی کے ہیں لہٰذا ان میں سے ایک کی بیع سلم دوسرے کے معاوضہ میں جائز نہیں ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں تانبے کے دس قرش دیتا ہوں بعد میں دس قرش لوں گا۔

سوم یہ کہ راس المال (یعنی دام) مسلم فیہ (یعنی مال) سے (مقدار میں) کم نہ ہو درانحالیکہ دونوں ہم جنس اشیاء ہوں۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یہ کپڑا اسی جیسے دو کپڑے کے وعدے پر بطور سلم دیتا ہوں۔ یا یہ کہ روئی کی ایک گانٹھ دو گانٹھ روئی کے لیے یا ایک بوری چونا (گچ) دو بوری چونے کے عوض پیش کرتا ہوں۔ ہاں اگر ہم جنس شے کے مختلف افراد نفع رسانی کے اعتبار سے مختلف ہوں بایں طور کہ ایک فرد کارآمد ہونے کے اعتبار سے دو کے برابر ہو تو ایسا کرنا درست ہے، مثلاً ایک تیز رفتار گدھے کو دو سست رفتار گدھوں کے لیے بطور سلم دیا جائے یا ایک اصیل گھوڑا جو ←

← دوسرے پر سبقت لے جائے اس گھوڑے کے عوض پیش کیا جائے جو اس سے زیادہ سبقت نہ لے جا سکا ہو - یا ایک اعلیٰ کاٹ کی تلوار دو تلواروں کے عوض جن کی کاٹ اس سے کم ہو 'سلم' میں دی جائے (یہ تمام صورتیں درست ہیں لیکن ان مسائل کا تعلق ہم جنس اشیاء سے ہے) - اگر مختلف اجناس ہوں تو ایک کو دوسری جنس کے لیے بطور سلم (یا دام پیشگی) کے دینا جائز ہے اگرچہ منفعت کے اعتبار سے دونوں (مال اور دام) تقریباً ایک جیسے ہوں مثلاً سوتی باریک کپڑا اور دبیز کپڑا ہے تو ان میں سے ایک کو راس المال اور دوسرے کو مال فروخت بنانا درست ہے -

چہارم یہ کہ راس المال گھٹیا اور مسلم فیہ بڑھیا نہ ہو جب کہ وہ دونوں ہم جنس اشیاء ہوں لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ میں آپ کو شامی سوتی کپڑا پیش کرتا ہوں جس کے عوض ایک ماہ بعد دیسی سوتی کپڑا لوں گا - یا یوں کہا جائے کہ میں آپ کو مٹیالے رنگ کے کتان کی ایک گانٹھ پیش کرتا ہوں جس کے عوض ایک ماہ بعد سفید رنگ کی کتان لوں گا - تاہم اگر یہ ہم جنس اشیاء منفعت کے اعتبار سے مختلف ہوں بایں طور کہ ایک جنس کی کوئی مقدار کارآمد ہونے کے اعتبار سے دوسری ہم جنس شے کی دوگنی مقدار کے برابر ہو جیسے معمولی روئی اور السکلاریدس روئی کہ دوسری قسم کی روئی پہلی قسم کی دگنی مقدار کے برابر کارآمد ہے، ایسی صورت میں ایک روئی کی ایک گانٹھ کی بیع سلم دوسری قسم کی روئی کی دوگنی مقدار کے عوض صحیح ہے -

پنجم یہ کہ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ راس المال (دام) بڑھیا اور مسلم فیہ (مال) گھٹیا شے ہو - لہٰذا یہ صحیح نہیں ہے کہ 'گندم' کی ایک بوری جو کی ایک بوری کے لیے سلم میں دے دی جائے - اور نہ یہ صحیح ہے کہ دو کپڑے ایک کپڑے کے لیے دیے جائیں، کیونکہ اس طرح معاملہ کی حیثیت بدل کر ضمانت کی حیثیت ہو جاتی ہے اس طرح کہ مسلم الیہ (یعنی بائع) رب السلم (یعنی خریدار) کو اس کپڑے کے دینے کا ضامن ہوگا جو مقررہ وقت پر اس کپڑے کے عوض جو اس وقت اس نے لیا ہے نہ دیا جائے - ایسا کرنا ممنوع ہے - یا پھر یہ کہ جو کی ایک بوری دینے کا ضامن اس مزید نفع کے عوض میں ہوگا جو ایک بوری گندم ←

← سے اُس نے اُٹھایا -

شرایط سلم کے منجملہ تیسری شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (یعنی مال سلم) مقررہ عرصہ ، جو فریقین میں طے ہوچکا ہے' کے بعد حوالہ کیا جائے - یہ مدت کم سے کم پندرہ یوم ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا - لیکن اُس صورت میں جب کہ مال سلم اُس شہر کے علاوہ جہاں معاملہ طے ہوا ہے کسی اور شہر میں پہنچ کر فوراً دیے جانے کی شرط ہو تو پندرہ یوم کی قید نہ ہو گی لیکن اس کے لیے چند شرایط ہیں :

اول یہ کہ وہ جگہ اُس جگہ سے کم از کم دو روز کی مسافت پر واقع ہو ، خواہ اتنی مسافت پر ہونے کا ذکر شرایط سلم میں نہ آیا ہو - اگر وہ جگہ اتنی مسافت سے کم فاصلہ پر ہے تو پندرہ یوم سے پہلے ادائیگی لازم ہو گی -

اس کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین معاملہ اُس جگہ سے جہاں یہ معاملہ طے ہوا ہے فوراً نکل کر روانہ ہو جائیں، تا کہ بائع شرایط کے مطابق وہاں پر پہنچتے ہی مال حوالہ کر دے - اگر وہاں سے نکلنے اور اُسی وقت روانگی کی شرط پوری نہ کی گئی تو پھر وہی نصف ماہ کی مدت (کم از کم) لاگو ہو گی -

تیسری شرط یہ ہے کہ راس المال فوری طور پر دے دیا جائے ، اُسی وقت یا اُس کے متصل ہی -

چوتھی بات یہ کہ سفر (وہ جس کا ذکر اُوپر آیا) فریقین خود کریں یا اُن کا وکیل خشکی کی راہ سے یا دخانی کشتی کے ذریعہ کرے اُس حالت میں کم از کم دو دن کا ہو جب کہ ناموفق ہوا کی وجہ سے سفر میں رکاوٹ نہ ہوئی ہو (یعنی کسی رکاوٹ کے باعث وہ سفر دو دن کا ہو جائے تو شرط پوری نہ ہوگی) -

پانچویں یہ کہ جس روز معاملہ طے ہوا ہے اُسی روز دونوں روانہ ہو جائیں - اگر ان شرایط میں سے کوئی پوری نہ ہو تو مدت ادائیگی مال سلم کی میعاد وہی پندرہ یوم ہوگی - ←

شرایط سلم کے منجملہ چوتھی شرط یہ ہے کہ دام یا مال کی تفصیل اُس طرح کی جائے جیسا کہ عام طور پر رائج ہے ، یعنی ناپ تول کے ساتھ یا گنتی سے - مثلاً گندم کا معاملہ بالعموم پیمانوں میں ہونے کا رواج ہے اور بعض اصحاب تول کر بھی کرتے ہیں لہٰذا اُس کی مقدار کی تفصیل پیمانوں میں بھی بتائی جا سکتی ہے اور وزن سے بھی ، دونوں طریقے صحیح ہیں -

گوشت کی مقدار لوگ وزن سے بتاتے ہیں لہٰذا اُس کی مقدار کا تعین بیع سلم میں وزن سے کیا جائے گا -

انار کی تعداد (مقدار) گنتی سے بتائی جاتی ہے تاہم بعض جگہ تل کر بھی معاملہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی بیع سلم بھی گنتی اور وزن دونوں طرح سے ہو سکتی ہے - اور چونکہ انار حجم میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں ، لہٰذا اناروں کا طول و عرض دھاگے وغیرہ سے ناپ کر اُس دھاگے کو رکھ لینا چاہیے تاکہ ادائیگی کے وقت اُس کے بموجب ناپ کر دیکھ لیا جائے - دھاگے کا یہ پیمانہ خواہ کسی کے پاس امانتاً رکھ دیا جائے یا پھر اُس کی تفصیل فریقین کی جانب سے لکھے گئے کاغذ میں لکھ لی جائے - اس طرح تفصیل کی توثیق ہو جائے گی اور تب یوں کہنا درست ہوگا کہ ”میں آپ کو یہ گنی انار کی ایک بوری کےلیے دیتا ہوں - انار کا سائز اس دھاگے کے برابر ہو“- یا یوں کہا جائے کہ میں ایک گنی سو انار کے لیے پیشگی دیتا ہوں، ہر انار کا طول ، عرض اور عمق اس تفصیل (تحریر کردہ) کے بموجب ہوگا - انڈوں کی تفصیل کے لیے بھی یہی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے -

سبزی گھاس مثلاً برسیم وغیرہ کی مقدار کی تفصیل اسی سے بتائی جاتی ہے - مثلاً یوں کہا جائے کہ میں ایک گنی برسیم کے سو گٹھوں کے لیے دیتا ہوں ؛ ہر گٹھا اس پنڈ (حلقۂ رسن) کے مطابق ہو - اس رسی کو کسی دیانت دار شخص کے پاس رکھ دیا جائے یا اس کی لمبائی چوڑائی کسی پیمانے سے ناپ کر کاغذ پر لکھ لیا جائے - اسی طرح ہرے گندنا اور دھنیا کی تفصیل بھی بتائی جاسکتی ہے- (اشیائے بیع سلم کے لیے) ضروری ہے کہ ناپ تول کے آلات معلوم اور رائج الوقت ہوں - اگر تفصیل مقدار کے لیے کوئی ایسا آلہ اختیار کیا گیا جس سے لوگ ناواقف ہیں ؛

← مثلاً یوں کہنا کہ تسلا بھر کر یا اس پتھر کے برابر جس کا وزن معیار کے مطابق نہ ہو تو وہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ (اشیاء مبادلہ کی) اُن صفات (خصوصیات) کا ذکر کر دیا جائے جس کی بنا پر لوگوں کی پسند میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مثلاً اُن اشیاء کی قسم، گھٹیا، بڑھیا یا اوسط درجہ کا ہونا، اور رنگ بھی بتایا جائے درآنحالیکہ اختلاف رنگ کے باعث ان اشیاء کی قیمت میں اختلاف کو دخل ہے۔ چنانچہ مثلاً بعض اصحاب کو سفید رنگ کی بھیڑ سے دلچسپی ہے تاکہ اُس کی سفید اُون سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ اس کے برعکس بعض لوگ سرخ یا سیاہ رنگ کی بھیڑ چاہتے ہیں اور اسی رنگ کے اختلاف کی بنا پر اُن کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اگر ایسی شے ہو جس کے رنگ کو بالعموم اُس کی قیمت میں دخل نہیں ہے تو اشیائے مبادلہ کی صفات میں اس کا ذکر ضروری نہیں ہے۔

اگر گندم کا معاملہ ہے تو اُس کے لیے شرط یہ ہے کہ اُس کی مقدار پیمانوں میں یا اگر وزن کرنے کا دستور ہے تو وزن میں بتائی جائے۔ اور اُس کی قسم یعنی بعلی یا بسقی اور اُس کی صفت کہ موٹے دانے کی یا پتلے دانوں کی اور نئی یا پرانی وغیرہ ایسی تمام خصوصیات بتا دی جائیں جن کی بنا پر اُس کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ ہاں، رنگ بتانا ضروری نہیں، کیونکہ جب قسم بتا دی جائے تو پھر رنگ بتانے کی حاجت نہیں رہتی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غیر ضروری ہے کہ وہ مٹی وغیرہ سے صاف کی ہوئی (یا چھڑی ہوئی) یا بن چھڑی یعنی بے صاف کی ہوئی ہوگی، کیونکہ اس بارے میں عام طور جیسی گندم کے معاملہ کا دستور ہے وہی سمجھا جائے گا۔ اگر اس بارے میں عام دستور نہ ہو تو اس سے اوسط درجہ کی گندم مراد ہوگی۔ تاہم جھگڑے سے بچنے کے لیے اگر یہ تفصیل بھی بیان کر دی جائے تو اچھی بات ہے۔

اگر کوئی شے ایسی ہے جو اُس شہر میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے شہر سے درآمد کی جاتی ہے تو یہ بتانا بھی شرط ہے کہ وہ چیز کس جگہ کی ہو مثلاً ہندی (پاکستانی)، آسٹریلیا کی یا روس کی۔

جانور کے معاملہ میں اُس کی قسم کی صراحت شرط ہے یعنی بھیڑ، بکری یا ←

← اعلیٰ قسم کا جانور یا ادنیٰ قسم کا۔ اگر اُس کے رنگ کو اُس کی قیمت کے مختلف ہونے میں دخل ہو تو رنگ بھی بتایا جائے، نیز عمر اور نر یا مادین ہونا اور فربہ یا لاغر ہونا بھی بتا دیا جائے۔

کھجور کی بیع سلم میں یہ بتانا چاہیے کہ وہ کون سی قسم ہے گھٹیا یا بڑھیا، چھوٹی یا بڑی کس علاقہ کی ہو اور کتنی مقدار میں۔ شہد کی بابت بتایا جائے کہ کون سی قسم کا ہے۔ شہد کی مکھی کا یا گنے کا یا چقندر کا یا شکر سے بنایا ہوا، اعلیٰ درجہ کا ہو یا ادنیٰ درجہ کا اور کس رنگ کا درآنحالیکہ رنگ کی بنا پر اُس کی قیمت میں اختلاف ہو۔ شہد کی مکھی کے شہد کے لیے یہ بھی بتانا چاہیے کہ وہ کس علاقہ کی مکھیوں کا ہے، کیونکہ مختلف علاقہ کی مکھیوں سے حاصل کیے ہوئے شہد کا ذایقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ باغ کے پھولوں کے رس سے جو شہد بنتا ہے وہ سب سے عمدہ اور بیش قیمت ہوتا ہے۔

گوشت کے معاملہ میں اُس کی قسم بتانا شرط ہے کہ بھیڑ کا گوشت یا بکری وغیرہ جانوروں کا جن کی صفات جانور کی بیع سلم کے ضمن میں بتائی گئیں۔ اس کے علاوہ جس جانور کا گوشت ہو اُس کا خصی ہونا یا بے خصی کا ہونا بھی بتایا جائے اور گھر میں پلے ہوئے جانور کا گوشت یا جنگل میں چرے ہوئے جانور کا۔ یہ شرط نہیں ہے کہ کہاں کا گوشت ران کا یا دست کا۔ ہاں اگر مختلف اعضا کے گوشت مختلف مقاصد کے لیے ہوں تب یہ تفصیل بھی واجب ہے۔

مچھلی کی بیع سلم میں یہ بتانا چاہیے کہ وہ مچھلی کون سی قسم کی ہے اور کیسی ہے، بڑی یا چھوٹی یا اوسط درجہ کی۔

غرض یہ کہ اشیائے سلم کی اُن تمام خصوصیات کی تفصیل ضروری ہے جس کی بنا پر اُن اشیاء کے دام وہاں پر جہاں یہ معاملہ ہوا ہے مختلف ہو سکتے ہیں۔

شرایط سلم میں سے چھٹی شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (یعنی جس شے کے لیے دام دیے گئے ہیں) اُس کی حیثیت فروخت کنندہ کے ذمہ واجب الادا قرض کی سی ہوتی ہے۔ لہٰذا معاملۂ سلم معین شے کے بارے میں درست نہ ہوگا، خواہ وہ شے وہاں موجود ہو، مثلاً یوں کہنا کہ میں ایک گنی اس کپڑے کے لیے دیتا ہوں۔

← یا وہ شے مثلاً یوں کہنا کہ میں آپ کو ایک گنی فلاں کپڑے کے لیے جس کو میں جانتا ہوں دیتا ہوں ، کیونکہ جب مال فروخت کی تعیین ہو جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ متعین شے فروخت ہو چکی ، اب اُس پر قبضہ کے لیے تاخیر جائز نہیں ہے۔اور اگر وہ متعین شے بائع کے پاس نہیں ہے تو یہ ایسی شے کی فروخت ہوئی جو موجود نہیں ہے ، اور یہ صورت بھی ممنوع ہے۔ اور (سلم میں) ذمہ داری کا اوٹ لینا ایک اعتباری کیفیت ہے جس کی شرع نے اجازت دی ہے۔ اس میں شرعاً یہ مان لیا جاتا ہے کہ وہ شے (یعنی مال سلم) بایع کے پاس موجود ہے قطع نظر اس کے کہ اُس کا فی الواقع اس طرح موجود ہونا نہ ہو کہ اُس کی ادائیگی کی ذمہ داری عاید کی جائے۔ (مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شے کے دینے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو شرعاً یہ تصور کیا جائےگا کہ وہ شے اُس کے پاس ہے) یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کا ضامن ہو جائے یا قرض دار ہو یا کسی کی طرف سے ذمہ داری لے لے مثلاً یوں کہے کہ آپ کے واجبات جو فلاں شخص پر ہیں میں اُس کے ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ (ان تمام صورتوں میں گو واجب الادا شے اُس کے پاس نہیں ہوتی لیکن یہ مان لیا جاتا ہے کہ اُس کے پاس ہے)۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ 'مال سلم' ایسی شے ہو جو ادائیگی کے مقررہ وقت پر دستیاب ہو سکتی ہو ، لہٰذا ایسے میوے کی بیع سلم درست نہیں ہے جس کی ادائیگی کا وہ وقت مقرر کیا جائے جب کہ وہ دستیاب نہ ہوتا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'سلم' کی شرطیں وہی ہیں جو بیع کی ہیں ، البتہ مال فروخت کو دیکھنا اس میں شرط نہیں ہے۔ لیکن سلم مسلم فیہ (یعنی مال سلم) کا دیکھنا شرط صحت نہیں ہے ، کیونکہ معاملۂ سلم اُس حکم سے مستثنیٰ ہے جس کی رو سے معدوم (غیر موجود شے) کی فروخت ممنوع ہے۔ بیع سلم میں بیع کی عام شرایط کے علاوہ کچھ اور شرایط بھی ہیں۔ ان میں سے بعض شرایط کا تعلق راس المال (یا دام) سے ہے اور بعض کا مسلم فیہ (یا مال) سے ہے۔ ان میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ ہو تو معاملۂ سلم درست نہ ہوگا۔

راس المال سے تعلق رکھنے والی دو شرطیں ہیں : ←

← پہلی شرط یہ ہے کہ راس المال (یعنی دام) فوری طور پر ادا کر دیا جائے۔ ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو معاملہ صحیح نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دام اسی جگہ دے دیے جائیں کیونکہ اگر اس میں تاخیر ہوئی تو یہ قرض کی فروخت قرض کے عوض ہوگی (اور یہ درست نہیں ہے) - اس سے فرق نہیں پڑتا کہ راس المال (دام) میں کوئی شے دی جائے یا کسی شے کی منفعت دی جائے مثلاً یہ کہنا کہ میں آپ کو اپنا گھر اتنے عرصہ کے لیے سپرد کرتا ہوں۔ اس (سے جو نفع آپ اٹھائیں گے اس) کے عوض آپ اتنی بھیڑیں دیں گے۔ اس صورت میں وہ مکان (فوراً) حوالہ کردینا ضروری ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

جن شرطوں کا تعلق مسلم فیہ (مال) سے ہے وہ حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ اگر اس جگہ جہاں معاملہ طے ہوا ہے 'مال' کا بہم پہنچانا مناسب معلوم نہ ہو تو یہ طے ہو جانا چاہیے کہ وہ مال کس جگہ حوالہ کیا جائے گا۔ خواہ معاملہ میں تاخیر کے ساتھ ادائیگی مال کی شرط ہو یا جلدی کی۔ اگر وہ جگہ ادائیگی مال کے لیے مناسب ہو اور وہاں تک مال کے لانے میں مصارف ہوں تو اس کی تفصیل کا تصفیہ 'سلم مؤجل' (جس میں تاخیر سے ادائیگی مال ہوتا ہے) ہو جانا چاہیے۔ اگر فوری مال حوالہ کرنا ہے تو اس کی حاجت نہیں ہے۔ نیز مال کی منتقلی میں مصارف کا سوال نہ ہو تو اس کا ذکر واجب نہیں ہے، خواہ بدیر ادائیگی کی شرط ہو یا بزودی ادائیگی کی۔

شرط دوم یہ ہے کہ بائع کے مقدور میں ہو کہ شرط تاخیر کی صورت میں انقضائے میعاد کے ساتھ ہی، اور بزودی ادائیگی کی شرط ہو تو معاملہ طے ہونے کے معاً بعد مال خریدار کے حوالے کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میوے کے معاملۂ سلم میں مال کی ادائیگی کے لیے وہ وقت مقرر کیا گیا جب کہ وہ میوہ نہیں ملتا تو یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا۔ یہ شرط بیع کی شرطوں میں بھی داخل ہے لہٰذا اس کو مزید شرط نہیں کہنا چاہیے۔ تاہم اس شرط سے بیع سلم میں شرایط بیع کے علاوہ ایک اور شرط کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بیع سلم نادرالوجود شے مثلاً بڑے سائز کے قیمتی پتھر اور یا یاقوت کی ہو تو وہ سلم درست ←

← نہ ہوگی کیونکہ اس میں تمام مطلوبہ صفات کا پایا جانا دشوار ہے ، حالانکہ اس کی جسامت ، ساخت اور عمدہ رنگ وغیرہ کی تصریح ضروری ہے لیکن ان تمام خوبیوں کا ایک جگہ جمع ہونا شاذ و نادر ہی ممکن ہے - اسی لیے یہ شرط رکھی گئی کہ مال سلم ایسی شے نہ ہو جو نادرالوجود ہو یا دستیاب تو بکثرت ہوسکتی ہو، لیکن ادائیگی کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا اس وقت نہ ملتی ہو - پس (فصلی) میوہ وغیرہ کی فراہمی کے لیے وہ وقت رکھنا جب وہ ختم ہو جاتے ہیں ، صحیح نہیں ہے -

اگر کسی نادر الوجود شے کے لیے یا کسی ایسی شے کے لیے جو وقت ادائیگی پر نایاب ہو جائے بیع سلم کی جائے تو رب السلم (خریدار) کو حق ہے کہ ان دو باتوں میں سے جو چاہے عمل میں لائے : یا تو انتظار کرے کہ مطلوبہ شے دستیاب ہو اور یا پھر معاملہ کو توڑ دے - اور یہ حق اسے اخیر تک حاصل رہے گا - جس وقت چاہے اپنا یہ حق استعمال کر سکتا ہے - اگر اپنا یہ حق فسخ معاملہ ساقط بھی کرے تو بقول صحیح وہ ساقط نہ ہوگا -

شرط چہارم یہ ہے کہ 'مال' کی تفصیل قطعی طور پر طے ہو ، لہٰذا ایسی اشیاء میں معاملۂ سلم نہیں ہوسکتا جو مختلف اشیاء سے ملی جلی (یعنی دڑے کا مال) ہو، جیسے مخلوط اناج اور گوجئی (یعنی گندم مخلوط بہ جو) جس میں جو کی مقدار زیادہ ہو یا استردار جوتا (جس میں گتا وغیرہ بھرا ہوا ہو) - ہاں بلا استر کا جوتا جیسے سینڈل (یا چپل) یا بلا استر کے موزے ہوں تو ان کی بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ وہ اون وغیرہ کے بنے ہوئے ہوں - چمڑے کے موزے کی بیع سلم درست نہیں ہے کیونکہ چمڑے میں معاملۂ سلم صحیح نہیں ہے - ذبح شدہ جانور کی سری جو تمام اجزائے سر سے مرکب ہو اس کی بیع سلم بھی درست نہیں ہے اگرچہ اس کے بال اتار لیے گئے ہوں - اسی طرح خوشبودار اشیاء کا مرکب جس میں عنبر ، مشک اور تیل وغیرہ ملا ہوا ہے ، اس کی بیع سلم بھی درست نہیں ہے -

شرط پنجم یہ ہے کہ مال سلم کوئی مخصوص متعین شے نہ ہو ، بلکہ اس کی حیثیت ایک قرض واجب الادا کی ہے - سلم کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس میں مال ←

← فروخت کی خصوصیات بتائی جاتی ہیں (کوئی خاص ،متعین شے مقرر نہیں کی جاتی) لہذا یہ کہنا کہ میں یہ اشرفی اس (خاص) کپڑے کے لیے دیتا ہوں درست نہیں ہے - اور یہ بھی درست نہ ہوگا کہ کسی متعین شے کے کسی حصہ کے لیے بیع سلم کی جائے مثلاً یوں کہنا کہ میں یہ گنی اس (خاص) کھلیان میں سے ایک بوری گندم کے لیے دیتا ہوں -

شرط ششم یہ ہے کہ (مال کی) جنس اور اس کی قسم بیان کردی جائے اور ان خصوصیات کو بتا دیا جائے جن کی بنا پر مال کی قیمت مختلف ہوتی ہے - پس اگر جانور کا سودا ہے تو لازم ہے کہ اس کی جنس اور قسم بتائی جائے کہ وہ بھیڑ بکری ہے یا گائے یا اونٹ ، نیز یہ کہ اس کا سن اور رنگت کیا ہو اور یہ کہ نر ہو یا مادہ -

پرندہ کے معاملہ میں ان کے علاوہ یہ بھی صراحت کی جائے کہ چھوٹا ہو یا بڑا - عمر کا بتانا لازم نہیں ؛ تاہم اگر عمر بتانے کا قاعدہ عام ہو تو وہ بھی بتا دی جائے -

کپڑا ہو تو اس کا طول و عرض ، باریک یا دبیز ہونا اور نرم یا سخت ہونا اور یہ کہ وہ کورا ہے یا دھلا ہوا یہ سب بتانا چاہیے -

گھی اور مکھن کی مقدار وزن یا پیمانے کے اعتبار سے اور جس جانور کا مطلوب ہو اس کا نام کہ گائے کا گھی ہو یا بھیڑ کا یا بھینس کا یا اونٹ کا اور یہ کہ تازہ ہو یا باسی - مکھن کے بارے میں ان کے علاوہ یہ بھی بتا دیا جائے کہ خشک ہو یا ملائم -

پنیر کی بابت بھی یہ طے ہو کہ بھیڑ ، بکری یا بھینس (کے دودھ) کا ہو اور کس قسم کا - دہی ، لسی یا دودھ سے نکالا ہو اور کہاں کا ہو، صعیدی ہو یا بحیری - ایسی ہی تفصیل فشدہ یا قشطہ (یعنی بالائی یا کریم) کی بھی بتائی جائے - تب ہی بیع سلم ہو سکتی ہے -

شرط ہفتم یہ ہے کہ مال سلم کی مقدار کرنے کا طریقہ عام معلوم ہو، مثلاً یہ کہ وہ نپنے والی شے ہے یا تلنے والی یا گنتی میں آنے والی یا پیمایش والی - دانوں (یا اناج) کے معاملہ میں مقدار کا بتانا لازم ہے لیکن پیمانہ وہ نہ ہو جس کی مقدار ←

ہے۔ گنجائش معلوم نہیں ، مثلاً ایک کوزہ یا تسلا ۔ اگر (مقدار کی) تعیین ان سے کی گئی تو بیع فاسد ہوگی ۔ ہاں ایسی اشیاء جن کو پیمانوں سے ناپا جاتا ہے ، اگر وزن کرکے ان کا سودا کیا جائے یا اس کے برعکس (تلنے والی شے کا سودا پیمانوں سے ناپ کر) ہو تو درست ہے ۔ لیکن ربا کے بارے میں (یہ طریق کار درست نہیں ہے) جس کے مسائل سابقاً بتائے گئے ۔ غرض سلم میں یہ درست ہے کہ گندم کی مقدار ناپنے سے بھی بتائی جا سکتی ہے اور تول سے بھی درآنحالیکہ وزن قطعی ہو (یعنی ٹھیک ٹھیک کیا جا سکے) ۔

اخروٹ ، بادام ، پستہ اور بن کے مسائل بھی وہی ہیں جو دانوں (یا اناج) کے ہیں ، کہ ان کا سودا پیمانوں اور وزن دونوں طریقوں سے ہو سکتا ہے ۔

مختلف جسامت کی گنتی والی اشیاء مثلاً خربوزہ اور ککڑی وغیرہ جن کی جسامت کھجور سے زیادہ ہو ان کی بیع سلم وزن کرکے ہی درست ہے ۔ مپانے سے ناپ کر نہیں کی جا سکتی ۔

یہی حکم (دوسری) سبزیوں کا ہے مثلاً ملوخیہ (ایک ترکاری Jews mallows) اور بھنڈی یا خرفہ کہ ان کا سودا وزن کرکے کیا جائے ۔

لکڑی ، خشک چارہ اور چوکر (یا نیار) کا لین دین بھی تل کر ہی ہونا چاہیے ۔

نقدی یعنی سونے چاندی کی بیع سلم بھی صحیح ہے ، لیکن یہ صرف وزن کرکے ہو سکتی ہے ۔ اگر وزن کے ساتھ گنتی کو بھی ملحوظ رکھا گیا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا ۔ گنتی اور وزن کو ایسی اشیاء میں اکھٹا کیا جا سکتا ہے جو مختلف سائز کی ہوتی ہیں جیسے خربوزہ ، لہٰذا اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں ایک گنی سو خربوزوں کے لیے دیتا ہوں ، ہر خربوزہ تین رطل (یا تقریباً ڈیڑھ سیر) کا ہونا چاہیے ، کیونکہ اس میں خربوزوں کی جسامت کا بیان لازمی ہوگا اور ایسی حالت میں (کہ سب ایک جسامت کے اور ہم وزن ہوں) دستیاب ہونا دشوار ہے ۔ تاہم اینٹ کے بارے میں گنتی کے ساتھ وزن کی تصریح بیع سلم میں ہو سکتی ہے ، مثلاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ میں ایک گنی ایک ہزار اینٹ کے ←

رہن (گروی رکھنے) کا بیان

رہن کی تعریف

لفظ رہن کے لغوی معنے ثابت رہنے یا قائم رہنے کے ہیں ، چنانچہ کہا جاتا ہے ماء راھن یعنی ٹھہرا ہوا پانی اور نعمة راھنة یعنی پائدار نعمت - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنے لغت میں پابند ہو جانے کے ہیں ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''کل نفس بما کسبت رھینة'' -

یعنی ہر شخص اپنے کیے ہوئے اعمال کا پابند ہے - اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

''نفس المومن مرھونة بدینه حتی یقضی عنه'' -

(یعنی اہل ایمان کی جان قبر میں اس کے قرض کے باعث بند رہے گی ، یہاں تک

←لیے دیتا ہوں کہ ان میں سے ہر اینٹ کا وزن دو رطل (یا ایک سیر) ہو - اس شرط پر عمل دشوار نہیں ہے کیونکہ اینٹ کا قالب ایسا ہی بنا لینا ممکن ہے - اسی طرح موٹی لکڑی کی تفصیل میں بھی دونوں باتوں (یعنی وزن اور عدد) کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے -

شرط ہشتم یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک کو یا دونوں کو شرط خیار حاصل نہ ہو ، کیونکہ راس المال میں تو تاخیر کا احتمال نہیں ہے لہٰذا اس میں اختیار کی شرط کیسے درست ہو سکتی ہے جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ راس المال پر قبضہ ہونے کے بعد بھی وہ لازم نہیں ہو جاتا - ہاں اس میں خیار مجلس کو دخل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں عمومیت پائی جاتی ہے کہ :

''البیعان بالخیار ما لم یتفرقا'' -

(یعنی فریقین جب تک جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہو گا) -

لیکن یہ شرط صرف معاملہ کے بارے میں ہے ، مال کے بارے میں نہیں ہے (یعنی معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے ، مال واپس نہیں کیا جا سکتا) -

کہ اسے ادا کردے) یہاں پر مرہونہ کے معنے محبوس فی القبر (یعنی قبر میں بند رہنے) کے ہیں - لفظ رہن کے یہ دوسرے معنے بھی نتیجۃً معنی اول ہی کو مستلزم ہیں کیونکہ محبوس ہونا (یا بند ہو جانا) بھی اپنی جگہ پر قائم رہنا اور وہاں سے نہ ہٹنا ہے - لیکن شرع کی اصطلاح میں رہن یہ ہے کہ ایسی شے کو جو شرعاً مالیت رکھتی ہو حصول قرض کے لیے وثیقہ (پختہ ضمانت) بنایا جائے کہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حاصل کرنا ممکن ہو - لفظ وثیقہ کے معنے وہ شے جس پر وثوق (بھروسا) کیا جائے - یہ لفظ ''وثق'' سے بنا ہے - کہا جاتا ہے کہ ''ظرف صاروثیقا'' (یعنی برتن مضبوط ہوگیا) لفظ 'وثیق' کےمعنے پائدار کے ہیں پس قرض میں کوئی شے رہن رکھی جائے تو وہ قرض قابل وثوق ہو جاتا ہے - (رہن کی تعریف میں) یہ جو کہا گیا کہ شے مرہونہ شرعاً مالیت رکھنے والی ہو ، اس قید سے وہ اشیاء اس تعریف میں نہیں آتیں جو خود نجس ہیں یا ایسی نجاست آلود ہیں کہ انھیں پاک نہیں کیا جا سکتا - ایسی شے قرض کے لیے وثیقہ (یا رہن کی شے) نہیں بن سکتی- اسی طرح وہ چیز بھی رہن نہیں رکھی جا سکتی جس کو بہ موجب اس تعریف کے ، جو بیع کے بیان میں بتائی گئی کہ اسے مالیت کی چیز قرار نہیں دیا -

رہن کی شرعی حیثیت اور اس کی دلیل

رہن کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ بھی خرید و فروخت کی طرح فعل جائز ہے ، کیونکہ بہ استثناء چند صورتوں کے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے ہر وہ شے جس کی بیع جائز ہے اس کو رہن (گرو) رکھنا بھی جائز ہے -

رہن کا معاملہ کرنا کتاب ، سنت اور اجماع سے ثابت ہے -

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''وان کنتم علیٰ سفر و لم تجدوا کاتباً فرھان مقبوضۃ'' -

اس آیت میں 'رہان' 'رہن' کی جمع ہے جیسے جبال 'جبل' کی جمع ہے - کبھی اس کی جمع رہن بضم ہا بھی آتی ہے - آیت کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسافر کو جو کسی کے ساتھ معاملہ (قرض) کرنا چاہے اور اس کی مضبوطی کے لیے کوئی تحریر کنندہ نہ ہو تو کوئی چیز رہن رکھ دے اور اس کے حوالے کردے جس سے قرض لینا ہے تاکہ قرض دینے والا اپنے مال کی طرف سے اطمینان حاصل

کرلے - اور ادھر قرض دار کو بھی جو قرض اس نے لے رکھا ہے اس کی ادائیگی کا خیال رہے گا کہ مبادا اس کا مال جو رہن ہے ضائع ہوجائے۔ لہٰذا وہ بے سوچے سمجھے اور بے دھڑک فیاضی اور فضول خرچی پر نہ اتر آئے گا -

رہن کا سنت سے ثبوت وہ روایت ہے جو صحیحین (بخاری و مسلم) میں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو مصارف کے لیے اپنی زرہ ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس صاع (کم و بیش ڈھائی من) جو کے عوض گرو رکھی تھی - اس حدیث سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر روشنی پڑتی ہے کہ حضورؐ کو دنیوی زندگی کے جاہ و جلال اور اس کے سازوسامان سے بے تعلقی اور مال و متاع سے بے نیازی تھی - اللہ کے وہ رسولؐ جن کے نام سے شاہان روم کے تخت لرز جاتے تھے اور جن کے پاس مال و منال کے انبار در انبار آتے تھے، وہ اپنی خوراک کی معمولی احتیاج تک کو پورا کرنے کے لیے اپنی زرہ گروی رکھتے ہیں۔ اس کا سبب سوا اس کے اور کیا تھا کہ آپؐ کی ذات اکرم نے مال کو بچا کر رکھنے سے خواہ کتنا ہی تھوڑا سا ہو، احتراز فرمایا - آپ کے پاس جس قدر مال آتا تھا وہ تمام حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور تھوڑا یا بہت اس میں سے کچھ بھی نہ لیتے تھے - یاد رکھو کہ یہ اللہ کے رسولؐ کی حقانیت اور صداقت کا ثبوت ہے -

یہودی کے پاس گروی رکھنے سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہل کتاب سے معاملہ کرنا (لین دین) جائز ہے -

اب رہا اجماع سے معاملۂ رہن کا ثبوت سو واضح ہو کہ تمام ائمۂ اسلام معاملۂ رہن کے جائز ہونے پر متفق ہیں - اس کے ارکان و شرایط حسب ذیل ہیں -

رہن کے ارکان (یا اجزائے ترکیبی)

رہن کے تین ارکان ہیں :[1]

اول ''اہل معاملہ'' یا فریقین ؛ (راہن یعنی رہن کرنے والا) جو (شے مرہونہ

---

١ - حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ رہن کا صرف ایک رکن ہے ، یعنی ایجاب و قبول (یعنی تسلیم و رضا) کیونکہ ہر معاملہ میں اصل شے یہی ہے ؛ اس کے علاوہ دوسری باتیں رہن کی اصلیت (ماہیت) سے خارج ہیں -

کا) مالک ہوتا ہے اور مرتہن یعنی قرض دینے والا جو قرض کے مقابلہ میں کوئی شے رہن رکھتا ہے۔

دوم اشیاء معاملہ: اس میں دو چیزیں ہیں، ایک تو رہن رکھی ہوئی شے اور دوسری وہ قرض جو رہن کے مقابلہ میں دیا گیا۔

سوم الفاظ معاملہ (جو لین دین کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں)۔

رہن کی شرطیں

معاملۂ رہن کے درست ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ کہ راہن اور مرتہن دونوں معاملۂ بیع کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یعنی کوئی جنون زدہ یا بے شعور نابالغ لڑکا نہ ہو۔ اُس کا کیا ہوا معاملۂ رہن درست نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ کچھ اور شرایط بھی ہیں جو از روئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ رہن کی شرایط چار قسم کی ہیں:

ایک قسم کا تعلق فریقین معاملہ یعنی راہن اور مرتہن سے ہے۔ اور ایک قسم مال مرہونہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور قسم کی شرط وہ ہے جو مرہون بہ (یعنی مال قرض) سے متعلق ہے۔ اور ایک قسم کو نفس معاملہ سے تعلق ہے۔

پہلی قسم کی شرط یہ ہے کہ ایسے شخص کا کیا ہوا معاملۂ رہن درست ہوگا جس کا کیا ہوا معاملۂ بیع درست مانا جاتا ہے، اور جس کا کیا ہوا معاملۂ بیع لاگو ہوگا اُسی کا کیا ہوا معاملۂ رہن بھی لاگو ہوگا۔ غرض رہن کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ رہن کرنے والا صاحب تمیز و شعور ہو۔ لہٰذا جنون زدہ اور نابالغ لڑکا جسے شعور نہ ہو یا بے عقل انسان ہو تو ایسے لوگوں کا کیا ہوا معاملۂ رہن صحیح نہیں ہے۔ صاحب شعور نابالغ یا بے عقل وغیرہ کا رہن رکھنا تو صحیح ہوگا لیکن اُس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کا ولی (یا سرپرست) اجازت نہ دے۔

انعقاد معاملۂ رہن، بیع یا قرض کی صورت میں یہ شرط ہے کہ یوں کہا ←

ہے جائے کہ میں یہ چیز آپ کے ہاتھ اس قیمت پر فروخت کرتا ہوں ۔ قیمت آپ اتنے عرصہ میں ادا کر دیں۔ اس کے عوض میں فلاں چیز اپنے پاس رہن رکھتا ہوں ۔ یا یوں کہا جائے کہ میں اس قدر رقم آپ کو اتنے عرصہ کے لیے قرض دیتا ہوں اور اس کے لیے فلاں چیز رہن رکھتا ہوں ۔

واضح ہو کہ معاملۂ رہن و بیع میں فرق ہے جب کہ مرض کی حالت میں کیا جائے۔ چنانچہ اگر مریض نے تندرستی کی حالت میں قرض لیا تھا تو حالت مرض میں اُس کے لیے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے بخلاف معاملۂ بیع کے کہ کوئی شے تندرستی کی حالت میں خریدے تو مرض کی حالت میں اُسے فروخت کر سکتا ہے ۔ لیکن اگر مرض کی حالت میں قرض لیا ہے تو حالت مرض ہی میں اُس کے لیے رہن بھی رکھ سکتا ہے اور (اس حال میں) خریدی ہوئی شے کو فروخت بھی کر سکتا ہے ۔

واضح ہو کہ رہن نافذ العمل (یا لاگو) اُس صورت میں ہوگا جب (راہن) مکلف (احکام شرع کا پابند) ہو ۔ لہٰذا نابالغ کا کیا ہوا معاملۂ رہن لاگو نہ ہوگا جیسا کہ ابھی بتایا گیا ۔ اسی طرح رشد (صلاحیت کار) بھی ضروری ہے ۔ لہٰذا بے عقل شخص کا معاملۂ رہن ولی کی اجازت کے بغیر نفاذ پذیر نہ ہوگا ۔ اس سے واضح ہوا کہ محجور (نا اہل) کا ولی خواہ باپ ہو یا وصی ہو یا قاضی جسے ولایت حاصل ہے اُس کے مال کو رہن رکھ سکتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ معاملہ محجور کی بھلائی کے پیش نظر ہوا ہو، مثلاً اُس کے کپڑے ، خوراک یا تعلیم کے لیے اور اُس حالت میں جب کہ اور کوئی سبیل کار نہ ہو ۔ اگر یہ معاملہ ولی نے اپنی مصلحت کے پیش نظر کیا تو باطل ہوگا ۔ لیکن بہرحال ولی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ مال کو رہن رکھنے کا سبب بیان کرے ۔ ہاں محجور کے مال کو فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا جب تک کہ ولی حاکم کے سامنے یہ نہ ثابت کر دے کہ فی الواقع اُس مال کے فروخت کرنے میں محجور کے لیے بہتری ہے ۔

اگر کسی محجور کے دو وصی ہوں تو اُن میں سے صرف ایک شخص کو بلا شمولیت دیگرے یہ حق نہیں ہے کہ اُس محجور کے مال کو رہن رکھے یا بیع کرے ۔

→ دوسری قسم کی شرط جس کا تعلق مال مرہونہ سے ہے، یہ ہے کہ وہی شے رہن رکھی جاسکتی ہے جس کو فروخت کیا جاسکتا ہو۔ اور جو فروخت کی جاسکتی ہو وہی رہن ہو سکتی ہے لہٰذا نجس شے مثلاً مردار جانور کی کھال کو رہن نہیں رکھا جا سکتا خواہ کھال مدبوغ ہو (یعنی کمائی ہوئی یا رنگی ہوئی کھال) اور نہ سور یا کتے کو رہن رکھا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی خریدوفروخت جائزنہیں ہے۔ یہی حکم شراب کا ہے خواہ اُس کا مالک مسلمان ہو اور ذمی (غیرمسلم رعایا) کے پاس رہن رکھے یا کوئی ذمی مسلمان کے پاس رہن رکھے۔ یہ رہن بہرحال فاسد ہے تاہم اس قاعدے سے کہ ہر وہ چیز جو بیع نہیں ہو سکتی رہن بھی نہیں ہوسکتی ایسی اشیاء مستثنیٰ ہیں جو 'حالت غرر' میں ہوں (یعنی اُن کاباقی رہنا غیریقینی ہو) مثلاً وہ پھل جو ہنوز لگے نہیں اور وہ بچہ جو مادین (جانور) کے پیٹ میں ہے اور وہ پھل جن کی صلاحیت ظاہر نہیں ہوئی اور ایسے ہی ہر وہ چیز جو حالت غرر یعنی خطرے کی حالت میں ہے بایں معنے کہ اُن کی بقا غیر یقینی ہے کہ باقی رہے تو رہ بھی جائے، نہیں توختم ہوجاتی ہے۔ ایسی اشیاء کی بیع ناجائز ہے لیکن اُن کا رہن رکھنا جائز ہے تاہم جو اشیاء بہت زیادہ غیر یقینی حالت میں ہوں جیسے مادین کے پیٹ کا بچہ اور یا وہ پھل جو ہنوز صورت پذیر نہیں ہوئے، ایسی اشیاء کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کو رہن کرنا بھی بیع کی طرح ناجائز ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جائز ہے خواہ کئی سال کے لیے ہو۔ اور یہ اختلاف اُس حالت میں ہے جب کہ راہن نے معاملۂ بیع یا معاملۂ قرض میں یہ شرط بھی رکھ دی ہو۔ مثلاً یوں کہا ہو کہ میں یہ مال اس قیمت پر خاص مدت کے وعدہ پر (قرض) فروخت کرتا ہوں یا اس قدر قرض دیتا ہوں بشرطیکہ آپ اُس بچے کو جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے یا اُس پھل کو جو آپ کے باغ میں دو سال تک لگیں میرے پاس رہن رکھ دیں۔ لیکن اگر بیع یا قرض میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی بلکہ کسی شے کو مقررہ میعاد کے اُدھار پر فروخت کیا یا میعادی قرضہ دیا اور پیٹ کے بچہ وغیرہ کو رہن رکھنے کی کوئی شرط نہیں تھی تو (بعد میں) ان اشیاء کو رہن رکھنا بالاتفاق جائز ہے۔

ایسی اشیاء جو زیادہ معرض خطر میں نہیں ہیں جیسے پھل جو ابھی تیاری پر نہ آیا ہو اُس کے رہن رکھنے میں اختلاف نہیں ہے۔ پس اگر تیاری پر آنے سے

← سے پہلے پھلوں کو رہن رکھا گیا تو اُس کے پکنے کا انتظار کیا جائے اور جب وہ تیار ہو جائے تو اُسے قرض کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے ۔ اس دوران اگر راہن فوت ہو جائے یا پھل پکنے سے پہلے اُس کا دیوالہ نکل جائے اور اُس کے ذمہ دوسروں کا بھی قرض ہو جس کے لیے کوئی شے رہن نہیں ہے اور اُس کے پاس دوسروں کا غیرمرہونہ مال ہے تو ایسی صورت میں وہ مرتہن دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اس کے تمام ترکہ میں جو رہن نہیں ہے شریک ہوگا ، کیونکہ ادائے قرض کی ذمہ داری متوفی پر تھی شے مرہونہ پر نہیں تھی ۔ اگر پھل تیار نہ ہوئے ہوں اور (متوفی یا دیوالیہ کا) اتنا مال موجود ہے کہ دوسرے قرض خواہوں کا قرض چکایا جا سکے تو اس قرض خواہ کو بھی (جس کے پاس پھل گرو ہیں) چاہیے کہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ مل کر اپنا قرضہ وصول کرے ۔ پھر جب پھل تیار ہو جائیں اور اُنھیں فروخت کیا جائے تو جو قیمت وصول ہو تو اس شخص کے قرضہ کی ادائیگی میں خاص طور پر اُسے دیا جائے گا اور وہ جو پہلے دوسروں کے ساتھ لے چکا ہے اُسے واپس کر دے گا ۔ اگر وہ (بقیہ) واجب الادا سے زیادہ ہے تو واپس کرے اور کم ہو تو اُس سے پورا کیا جائے ۔

واضح ہو کہ حالت بیع اور حالت رہن میں فرق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مال کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مال کسی کو قرض دے دے یا کسی مدت کے وعدے پر ادھار فروخت کر دے اور کوئی چیز رہن نہ رکھے ۔ ایسی حالت میں روا ہے کہ کوئی بھی شے خواہ وہ معرض تلف میں ہو یا نہ ہو بطور رہن رکھ لے ، کیونکہ کچھ بھی رہن نہ رکھنے سے بہرحال یہی بہتر ہے (لیکن ایسی شے کو فروخت نہیں کیا جا سکتا) ۔

چونکہ قرض کی شے کا متعین ہونا شرط ہے ، لہٰذا قرض (واجب الوصول) کو قرض (واجب الادا) کے لیے رہن رکھا جا سکتا ہے ، خواہ وہ قرض خود مقروض کو واجب الوصول ہو یا کسی اور کو ۔ اگر اس قرض کو رہن رکھا جو طالب قرض کو کسی سے لینا ہے تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس قرض واجب الوصول کی میعاد وصولیابی اس قرض کی میعاد سے زیادہ یا برابر ہو جس کے لیے رہن رکھا ہے ۔ اگر تقریباً برابر ہو تب یہ رہن صحیح نہ ہو گا ۔ ←

← اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً دوسرے شخص سے سو گنی میں گندم ادھار خریدی اور ادائے قیمت کے لیے تین ماہ تک کی مدت مقرر کی ، اور خریدار کا کچھ قرض فروخت کنندہ پر ہے جو اس نے لے رکھا ہے، یا کوئی مال اس سے خریدا ہے جس کی میعاد فراہمی تین چار ماہ بعد کی ہے تو ان صورتوں میں گندم کا خریدار اپنی واجب الوصول شے کو اس قرض کے عوض رہن رکھ سکتا ہے جو اسے واجب الادا ہے ۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ جو قرض واجب‌الوصول ہے اس کی میعاد کم ہے یا ختم ہو چکی ہے اور جس قرض واجب الادا کے لیے وہ اس قرض کو رہن کرتا ہے اس کی میعاد زیادہ ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہو گا کیونکہ جب اس قرض (واجب الوصول) کی میعاد پوری ہو گئی تو گویا مقروض (خریدار) کے پاس یہ (وصول شدہ) بطور واجب الادا سلف (پیشگی قرض) کے گندم کی فروخت کے مقابلہ میں رہ گیا (اور اس طرح بیع اور سلف اکٹھے ہو گئے حالانکہ) بیع اور سلف دونوں کا یکجا ہونا باطل ہے ، کیونکہ اس طرح یہ ربا (زیادتی) ہو جائے گی (کیونکہ خریدار نے علاوہ گندم کے اس مال سے بھی استفادہ کیا جو بائع کے پاس رہن تھا) ۔

قرض کے لیے دوسرے کا قرض رہن کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً عمرو پر زید کا ایک سو گنی قرض ہے، ادھر عمرو کو خالد سے ایک سو گنی لینا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ عمرو اپنا قرض جو اسے خالد سے لینا ہے اس قرضہ میں جو زید سے اس نے لے رکھا ہے رہن رکھ دے اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ عمرو خالد سے واجب الوصول قرضہ کی دستاویز اس وقت تک کے لیے زید کے حوالہ کر دے جب تک کہ زید کا قرضہ ادا نہیں ہوتا ۔

رہن کے درست ہونے کے لیے شے مرہونہ پر (مرتہن کا) قبضہ ہونا شرط نہیں ہے اور نہ رہن کے لاگو اور نافذالعمل ہونے کے لیے یہ شرط ہے ۔ لہٰذا اگر مرتہن نے شے مرہونہ پر قبضہ نہ کیا ہو تب بھی رہن صحیح ہے ، کیونکہ رہن محض ایجاب و قبول سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رہن کی بات طے ہو جانے کے بعد نہ راہن کو اس سے پھرنے کا حق ہے اور نہ مرتہن شے مرہونہ پر قبضہ کا مطالبہ کر سکتا ہے ۔

←

← رہن کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ شے مرہونہ میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، بلکہ مشترکہ ملکیت کی چیز کا بھی رہن رکھنا صحیح ہے جس طرح (مشترکہ شے کی) ہبہ، بیع یا وقف کرنے کا حق ہے، خواہ وہ شے مرہونہ از قبیل سامان خانہ ہو یا مال تجارت یا کوئی جانور ہو۔ پس مقروض کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر کا ایک حصہ قرض کے بدلے رہن کر دے گو راہن سارے گھر کا مالک ہو۔ اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ مکان جس کے کئی حصہ دار ہوں وہ اپنے حصہ کو رہن کر دے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اپنے پورے مکان میں سے کسی حصے کی شراکت کو رہن رکھے۔ اس صورت میں مرتہن کا دخل پورے مکان میں ہو گا، کیونکہ راہن جب اس کے ساتھ تصرف کرے گا تو اس کا تصرف اس مشترکہ حصہ پر بھی ہو گا اور رہن باطل ہو جائے گا کیونکہ رہن کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ راہن کا شے مرہونہ میں دخل اندازی کا کوئی اختیار نہ ہو۔

رہن کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جو شخص اپنے حصہ کو رہن کرے تو اپنے شریک سے اجازت لے لے۔ تاہم مستحب یہی ہے کہ ایسا کیا جائے۔ اسی طرح اس کے شریک کو تقسیم کرنے (یا حد بندی) کرانے کا حق حاصل ہے، لیکن اسے بھی راہن کی اجازت لے لینا بہتر ہے۔ ہاں اپنے حصہ کی بیع، بغیر شرکاء کی اجازت کے بھی ہو سکتی ہے۔

مستعار شے (یعنی مانگے کی چیز) کو بھی رہن رکھنا درست ہے، یعنی کوئی شے کسی سے رہن رکھنے کے لیے مانگ کر اپنے قرض کے بدلے رہن کر دے (تو درست ہے)۔ اگر مستعار لینے والا قرض ادا کر دے تو وہ مانگے کی چیز اس کے مالک کو واپس کر دی جائے گی ورنہ اسے فروخت کر کے قرضہ ادا کیا جائے اور اس کا مالک اپنی چیز کی مالیت کا مطالبہ مستعار لینے والے سے کرے گا۔ اور اس شے کی مالیت وہ متعین کی جائے گی جو عاریتاً لینے والے دن تھی۔

اگر کوئی شے رہن رکھنے کے لیے کسی سے مانگ کر لی گئی کہ وہ اس کو گندم کے دام کے عوض رہن رکھ دے گا۔ لیکن (گندم کی بجائے) گوشت (خریدا اور اس کے دام کے بدلے اس شے کو رہن رکھ دیا تو اس کا تاوان ادا کرنا ہو گا کیونکہ جو بات اس نے بتائی تھی اس سے تجاوز کیا۔ عاریتاً دینے والے کو حق ہے کہ وہ اپنی شے مرتہن سے واپس لے کر عاریت کا معاملہ ختم کر دے۔ ←

← اگر کوئی شے کسی کو کرایہ پر دی گئی ہو تو روا ہے کہ میعاد کرایہ داری ختم ہونے سے پہلے اسے کرایہ پر لینے والے کے پاس گرو رکھا جائے۔ پس اگر کسی نے ایک سال کے لیے کسی شخص کا مکان کرایہ پر لیا تو وہ شخص کرائے کی میعاد گزرنے سے پہلے بھی اس مکان کو کرایہ دار کے پاس رہن رکھ سکتا ہے۔ اور وہ قبضہ جو کرایہ دار کو پہلے ہی اس مکان پر ہے وہ (شے مرہونہ پر) قبضہ متصور ہو گا۔

نپنے والی، تلنے والی یا گنی جانے والی اشیاء کو رہن رکھنا درست ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اسے ایک جگہ پر بند کرکے مہر لگا دی جائے تاکہ جب اسے کھولا جائے تو وہ چیز دستیاب ہو جائے۔ اگر وہ جگہ مہر بند نہ ہو تو اس شے کا رہن رکھنا درست نہ ہوگا، کیونکہ (اگر وہ مال کھلا رکھا گیا تو) یہ اندیشہ ہے کہ وہ قرض جو راہن نے لیا ہے وہ تو پہلے ہی اس کے پاس پہنچ گیا اور مال جو رہن رکھا وہ محض ظاہری طور پر رہن ہے، اب اس کا فائدہ مقروض کو پہنچے تو یہ ربا (سود) ہو جائے گا۔ تاہم اگر وزن یا پیمانے والی شے کسی امانت دار کے پاس (امانتاً) رکھ دی جائے تو اب اسے سربند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسری قسم کی شرط جس کا تعلق رہن والے قرضہ سے ہے یہ ہے کہ وہ قرض فوری طور پر یا ناگزیر طور پر لاگو ہو؛ لہٰذا کسی کام کی اجرت کے لیے کچھ رہن رکھنا درست ہے۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ تم ایک سو (کی اجرت) میں میرا یہ مکان تعمیر کردو، تو یہ درست ہوگا کہ اس کام کے معاوضہ کے لیے کوئی چیز رہن رکھ دی جائے۔ اس صورت میں وہ ایک سو کی رقم پہلے ہی واجب الادا نہیں ہے لیکن انجام کار اس کا ادا کرنا ناگزیر ہے۔

واضح ہو کہ امانت وغیرہ رہن (یا قرض) کے مفہوم سے خارج ہے، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ امانت دار مال امانت کے عوض کوئی شے رہن رکھے۔

اگر کسی شخص نے کوئی چیز ادھار کسی کے ہاتھ فروخت کی تو اس کی قیمت کے لیے کوئی شے رہن رکھی جائے تو درست ہے۔ اسی طرح کوئی کاریگر اپنے کام کی اجرت کے لیے جو وہ انجام دے رہا ہے کوئی چیز رہن رکھے تو ←

←درست ہے ، کیونکہ (یہ اجرت بھی) انجام کار قرض ہو جاتی ہے ، مثلاً کوئی لوہار یا ترکھان یا معمار ایسا کر سکتا ہے - اور یہ بھی درست ہے کہ جس نے کسی شخص کو کام پر لگایا ہے اور اس کی اجرت دے دی ہے تو اس کام کی تکمیل کے لیے کوئی شے رہن رکھ لے -

اگر کوئی شخص قرض دینے کا وعدہ کر لے تو یہ درست ہوگا کہ اس وعدہ ہی کی بنا پر قرض لینے والا (قبل از حصول قرض) اس کے پاس کچھ رہن رکھ دے - مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ چیز آپ اس قرض کے لیے جو آپ مجھے یا فلاں شخص کو دیں گے یا میرے ہاتھ یا فلاں شخص کے ہاتھ جو کچھ آپ ادھار فروخت کریں گے اس کے لیے بطور رہن رکھ لیجیے تو (ان صورتوں میں اس طرح کا پیشگی) رہن درست ہے اور فوری طور پر لاگو ہو جائے گا ، کیونکہ رہن کے صحیح ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ رہن سے پہلے قرض کا دینا ثابت ہو جائے۔ تاہم یہ رہن اسی صورت میں قائم رہے گا جب کہ مستقبل میں قرض دیا جائے یا (ادھار) فروخت کیا جائے۔ اگر رہن رکھنے کے بعد قرض نہ دیا جائے یا کوئی شے ادھار فروخت نہ کی جائے تو رہن رکھنے والے کو اپنی شے مرہونہ واپس لینے کا حق ہے -

صحت رہن کی چوتھی شرط جس کا تعلق عقد معاملہ سے ہے وہ یہ ہے کہ رہن میں کوئی شرط ایسی نہ ہو جو تقاضائے رہن کے منافی ہو ، مثلاً رہن کا معاملہ اس امر کا متقاضی ہے کہ شے مرہونہ رہن کرنے والے سے لے لی جائے ؛ اگر ادائیگی قرض نہ ہو تو اس شے کو فروخت کرکے رقم وصول کر لی جائے - اب اگر راہن نے (بوقت رہن) یہ شرط لگا دی کہ اس شے کو مرتہن نہیں لے گا اور یا وصولی قرض کے لیے اسے فروخت نہ کیا جائے گا تو یہ شرط تقاضائے رہن (یا مقاصد رہن) کے خلاف ہے ، لہٰذا یہ رہن باطل ہوجائے گا -

حنفیہ کہتے ہیں کہ شرایط رہن کی تین قسمیں ہیں :

۱ - منعقد ہونے کی شرط -

۲ - صحیح ہونے کی شرط -

۳ - شرط لزوم (یعنی لاگو ہونے کی شرط) -

→ پہلی قسم یعنی انعقاد رہن کی شرط یہ ہے کہ رہن شدہ شے (از قبیل) مال ہو اور جس چیز کے لیے رہن رکھا گیا یعنی رہنی قرضہ وہ قابل کفالت شے ہو - ایسی اشیاء جن کا شمار مال میں نہیں ہوتا ان کی مثال مردار یا خون وغیرہ ایسی تمام اشیاء ہیں جن کو شرعاً 'مال' نہیں مانا جاتا - ایسی کسی شے کو رہن رکھنا درست نہیں ہے - اور ناقابل کفالت رہنی قرضہ کی مثال امانت کی اور ودیعت کی اشیاء ہیں (جو کسی کی سپردگی میں ہوں)- پس اگر کسی شخص کے پاس کوئی چیز بطور امانت ہے تو اس شے کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے - اگر ایسا کیا تو رہن باطل ہوگا کیونکہ امانت کی چیز ایسی ہے کہ اگر وہ کسی آسانی (نا گزیر) آفت سے امانت‌دار کے پاس تلف ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس پر عاید نہ ہوگی اور کوئی تاوان واجب الادا نہ ہوگا (یعنی امانت کی چیز ناقابل کفالت ہوتی ہے) ہاں اگر امانت دار دانستہ اسے ختم کرے تو اب وہ چیز امانت نہ رہی ، بلکہ شے مغصوبہ (ناجائز قبضہ کی ہوئی شے) ہوگئی - غرض بہرحال امانت کی چیز بہ حیثیت امانت رہن رکھی جانے کی صلاحیت نہیں رکھتی - اور اشیاء غیر مضمونہ (یعنی ناقابل کفالت اشیاء) کی طرح وہ چیزیں بھی ہیں جو غیر مضمونہ اشیاء کی مانند ہوجائیں ایسی چیزوں کو ''اشیاء مضمونہ لغیرہا'' کہتے ہیں (یعنی ایسی اشیاء جو کسی خارجی سبب کی بنا پر ناقابل کفالت ہو گئی ہوں) مثلاً فروخت شدہ شے جو ہنوز خریدار نے اٹھائی نہ ہو - پس اگر کسی شخص نے کوئی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کردی اور خریدار نے ہنوز اس پر قبضہ نہیں کیا تو فروخت کنندہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس مال کے عوض کوئی اور مال خریدار کے پاس اس مال کی سپردگی تک کے لیے رہن رکھ دے - ایسا کیا گیا تو یہ رہن باطل ہوگا کیونکہ فروخت شدہ مال (ناقابل کفالت ہے یعنی) اگر فروخت کنندہ کے پاس ہی تلف ہو جائے تو قیمت (کی واپسی کے) سوا اس پر اور کوئی تاوان عاید نہ ہوگا - اگر بائع نے دام لے لیے تھے تو اسے واپس کردے گا اور اگر نہیں لیے تھے تو معاملہ ختم ہے اور اس پر کچھ مطالبہ نہیں ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ رہن کی یہ صورت جائز ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے ، کیونکہ رہن شدہ شے مال ہے اور فروخت شدہ چیز مالیتی شے ہے جو بہ مقدار اس کے دام کے قابل کفالت ہے - لہٰذا اس کے لیے اسی طرح کوئی چیز رہن رکھی جاسکتی ہے جس طرح رہنی ←

← قرض کے لیے - واضح ہو کہ اعیان مضمونہ بنفسہا (یعنی ذاتی طور پر قابل کفالت اشیاء) کو رہن رکھا جا سکتا ہے - ان سے مراد نپنے والی یا وزن ہونے والی یا گنی جانے والی اشیاء ہیں - ان میں وہ اشیاء بھی ہیں جو مثلی نہیں ہیں لیکن ان کی مالیت ہوتی ہے جیسے جانور اور کپڑا (یہ سب قابل کفالت ہیں) کیونکہ اگر وہ تلف ہو جائیں تو مثلی کی صورت میں اسی قدر تاوان دینا ہوگا اور غیر مثلی ہے تو اس کی مالیت کا ادا کرنا لازم ہے -

یہاں سے معلوم ہوا کہ اشیاء بلحاظ کفالت وغیرہ کے تین قسم کی ہیں :

۱ - ''اشیاء مضمونہ با نفسہا'' (یعنی ایسی اشیاء جو بذاتہ قابل کفالت یا ضمانت ہیں جن کی مالیت از خود متعین ہے) یہ مثلی اور مالیتی اشیاء ہیں - اور

۲ - ''مضمونہ بغیر ہا'' (جس کی مالیت کا تعین دوسری چیز کرتی ہے) اور یہ ''مضمونہ بثمن'' اشیاء ہیں (یعنی ان کی مالیت دام کے اعتبار سے ہوتی ہے) - اور

۳ - ''اشیاء غیر مضمون'' (یعنی ناقابل ضمانت کہ ان کی مالیت ہی نہیں ہوتی) -

اب سمجھنا چاہیے کہ تمام اشیاء مضمونہ (یا قابل کفالت اشیاء) کے لیے کچھ رہن رکھے جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے - اور جو اشیاء اس کے مشابہ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا - اور جو اشیاء غیر مضمونہ (یا ناقابل کفالت) ہیں ان کے لیے کوئی چیز رہن نہیں رکھی جا سکتی اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے - اور مغصوبہ شے (یا ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی چیز) قابل کفالت ہے ، لہٰذا اگر کسی نے غصب شدہ مال کسی کے ہاتھ فروخت کیا اور اس کی سپردگی تک کے لیے کوئی شے رہن رکھ دی تو یہ رہن صحیح ہوگا ، کیونکہ وہ مال (قابل کفالت) ہے ، اگر تلف ہوگیا تو غاصب اس کے تاوان کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے - اسی طرح اگر کسی شے کو مہر یا معاوضۂ خلع قرار دیا اور اس کی سپردگی تک کے لیے کوئی چیز رہن رکھ دی تو درست ہے ، کیونکہ وہ شے قابل کفالت ہے -

ناقابل کفالت اشیاء میں وہ شے بھی ہے جو حق شفع میں حاصل کی جائے ←

← چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز خریدی اور شفیع نے اس کا مطالبہ کیا تو اس صورت میں اس کا حوالہ کردینا واجب ہوگا لیکن حوالگی تک کے لیے مشتری کا شفیع کے پاس کوئی چیز رہن رکھنا درست نہ ہوگا ، اگر ایسا کیا تو وہ رہن باطل ہوگا کیونکہ یہ رہن ایسی شے کے لیے ہے جو ناقابل کفالت ہے - اس واسطے کہ خریدار فروخت شدہ شے کا ضامن نہیں ہے- چنانچہ اگر وہ چیز شفیع کے قبضہ میں آنے سے پہلے تلف ہو گئی تو خریدار پر کوئی تاوان عاید نہیں ہوتا -

ذاتی کفالت کی مثال بھی ایسی ہی ہے مثلاً محمد کا کوئی قرض خالد پر ہے اور عمر نے خالد کی شخصی ضمانت کی کہ مثلاً سال بھر بعد وہ قرضہ محمد کو ادا کردے گا - اب اگر وہ ادا نہ کرسکا تو عمر اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا جو اس پر واجب الادا ہے - لیکن عمر کا اس حالت میں اپنی کفالت کے عوض مکفول یعنی خالد سے کچھ رہن رکھوا لینا درست نہیں ہے ، کیونکہ خالد پر کوئی قرض نہیں ہے جس کے لیے عمر کچھ رہن رکھوائے- اگر کچھ رہن رکھا گیا تو باطل ہوگا ، کیونکہ جس کے لیے رہن رکھا جائے ، چاہیے کہ وہ رہن کا سبب ہو، یعنی یا تو حقیقی معنیٰ میں قرض ہو یا حکمی قرض ہو (یعنی اسے قرض مان لیا گیا ہو) -

دین حکمی میں وہ اشیاء ہیں جو ''مضمون بنفسہ'' (یا خود کفیل) ہوں کیونکہ درحقیقت یہ اشیاء بذات خود قرض کی کوئی چیز نہیں ہوتیں ، بلکہ ان کی مثل یا ان کی مالیت قرض ہوتی ہے - چنانچہ اگر وہ تلف ہو جائے اور وہ مثلی شے ہو تو اسی مقدار میں وہ چیز اور مالیتی شے ہو تو اس کی مالیت واجب الادا ہوتی ہے - لہٰذا تمام قابل ضمانت اشیاء کے لیے حقیقی شے کے قرض کی مانند کوئی شے رہن رکھی جا سکتی ہے (یعنی ایسی چیزیں رہن رکھنے کا سبب ہو سکتی ہیں) -

رہن کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے قرض دیا گیا ہو تب رہن رکھا جائے بلکہ یہ بھی درست ہے کہ قرض کے وعدے ہی پر کوئی چیز رہن رکھ دی جائے - پس اگر کسی نے وعدہ کیا کہ ایک ہزار قرض دوں گا بشرطیکہ اپنا مکان رہن رکھ دیجیے اور اس وعدے کی بنا پر مکان رہن رکھ دیا تو یہ رہن درست ہے - اب جس قدر قرض کا وعدہ تھا اگر اس کا کچھ حصہ دے کر قرض دینے والا رہ گیا تو اسے باقی قرض دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا - ←

→ اگر شے مرہونہ مرتہن کے پاس تلف ہو جائے اور قرض اس کے مساوی یا اس سے کم تھا تو قرض اس سے پورا کر لیا جائے گا اور اگر قرض کی مقدار اس رہن شدہ شے سے زیادہ تھی تو اس کی جو مالیت تھی وہ قرض میں محسوب ہوگی - اسی طرح رہن کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ کوئی چیز ہو لہٰذا ابتداءً قرض کو رہن رکھنا درست نہیں ہے - لیکن اگر کوئی شے رہن رکھی گئی اور مرتہن نے راہن کی اجازت سے اسے فروخت کر دیا تو اب اس کے جو دام وصول ہوئے اس کو اس شے مرہونہ کی بجائے رہن شدہ شے مانا جائے گا ، کیونکہ دام گو کوئی مرہونہ شے نہیں ہے لیکن شروع میں جو چیز رہن رکھی گئی تھی یہ اس کی مالیت کا بدل ہے -

واضح ہو کہ سونے اور چاندی کا رہن رکھنا درست ہے - اس میں اگر ہم جنس شے کےلیے اسی جنس کی چیز رہن رکھی گئی اور وہ تلف ہوگئی تو جس قدر تلف ہوئی وہی مقدار تلف شدہ قرار پائے گی (مالیت سے قطع نظر کیا جائے گا) لیکن اگر رہن شدہ شے کسی دوسری جنس کی شے کے لیے رہن ہے مثلاً سونے کو چاندی کے لیے یا گندم کے لیے رہن رکھا اور رہن شدہ شے تلف ہوگئی تو اب اس کی جو مالیت ہے اس کو تلف شدہ شے قرار دیا جائے گا -

'رأس السلم' (یعنی پیشگی) کو رہن کا سبب بنانا صحیح ہے - اسی طرح 'مسلم فیہ' (یعنی وعدہ کا مال) بھی رہن کا سبب ہو سکتا ہے (یعنی ان کے لیے رہن رکھا جا سکتا ہے) چنانچہ اگر کسی نے سو بوری گندم کے لیے ایک سو گنی پیشگی بطور سلم پر معاملہ طے کیا کہ سال بھر کے بعد گندم لے لوں گا اور ہنوز سو گنی نہیں دی لیکن اس کے عوض اپنا مکان رہن رکھ دیا تو صحیح ہے کیونکہ یہ سو گنی تو حقیقی معنوں میں اب سلم کا معاملہ کرنے والے پر قرض ہو گیا - اسی طرح اگر مسلم الیہ (یعنی فروخت کنندہ جس نے گندم فروخت کی ہے اور دام لے لیے ہیں تو) فراہمی گندم کے وقت تک کے لیے اپنا مکان مشتری کے پاس رہن رکھ دے تو درست ہے -

اگر کسی شخص نے کوئی مکان دوسرے شخص سے خریدا اور یہ اندیشہ تھا کہ مبادا یہ مکان کسی کا ہو یا کسی دوسرے کا اس میں حق ہو، فروخت کنندہ ←

سے اطمینان خاطر کے لیے کوئی شے رہن رکھنے کا مطالبہ کیا تو یہ رہن باطل ہوگا۔ اس کو رہن درک (عاقبت اندیشانہ رہن) کہتے ہیں، کیونکہ وہ اندیشہ جو رہن کا سبب ہے وہ کوئی مال (قابل کفالت) نہیں ہے۔

دوسری طرح کی شرط جسے رہن کے صحیح ہونے کی شرط کہتے ہیں، اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کا تعلق نفس معاملہ سے ہے، اس میں دو امور ہونے چاہئیں:

امر اول یہ ہے کہ رہن کسی ایسی شرط پر منحصر نہ ہو جو تقاضائے رہن کے منافی ہو۔

امر دوم یہ کہ اس کے لیے کوئی وقت متعین نہ کرنا چاہیے، مثلاً یہ کہہ دینا کہ میں یہ رہن دو یا تین ماہ کے لیے رکھتا ہوں۔

دوسری قسم کا تعلق شے مرہونہ سے ہے، اس میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ رہن شدہ شے متمیز (غیر مشترک) ہو، لہٰذا مشترکہ شے کو جس کے شرکا کے حصوں میں امتیاز نہ ہو رہن رکھنا درست نہیں ہے قطع نظر اس کے کہ وہ شے قابل تقسیم ہو یا نہ ہو اور وہ رہن کسی اجنبی نے کیا ہو یا شرکاء میں سے کسی نے۔ پس اگر کسی کا قرض ایک شخص پر ہے اور وہ شخص ایک مکان کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ مشترکہ طور پر مالک ہے اور وہ اپنے حصہ کی مشترکہ ملکیت قرض کے عوض رہن کرے تو یہ درست نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ شے مرہونہ "حیازت مرتہن" میں ہو (یعنی جس پر قبضہ کرنا مرتہن کے حیطۂ قدرت میں ہو) لہٰذا محض پھل کا بغیر درخت کے اور محض کھیتی کا بغیر زمین کے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ درخت ہی مرتہن کی دسترس میں نہیں ہے تو پھل بھی نہ ہوگا۔ یہی کیفیت کھیتی کی ہے کہ جس طرح درخت کے بغیر پھل پر دسترس نہیں ہے اسی طرح زمین کے بغیر کھیتی پر بھی نہیں ہے۔ حیازت مرتہن میں نہ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وہ شے حیزۂ تصرف سے باہر ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ شے مرہونہ پر راہن کے حق میں کوئی دوسرا شریکہ

← نہ ہو ، لہٰذا کسی درخت کا رہن اس طرح رکھنا کہ پھل راہن کا ہوگا ، درست نہیں ہے - اسی طرح ایسے مکان کا رہن رکھنا بھی صحیح نہیں ہے جس میں راہن کا سامان موجود ہو اور اسے نکالنے سے پہلے مرتہن کے سپرد کردیا جائے -

چوتھی بات یہ کہ رہن شدہ شے نجس نہ ہو ، لہٰذا مسلمان کے لیے روا نہیں ہے کہ مسلمان کی شراب کو رہن رکھے یا رہن کرے اور یہ معاملہ ذمی (غیر مسلم رعایا) کے ساتھ بھی درست نہیں ہے - چنانچہ اگر کسی ذمی (غیر مسلم) کے پاس شراب رہن رکھی اور اس ذمی نے اس کو تلف کر دیا تو اس کا کوئی تاوان نہیں - لیکن اگر کسی ذمی (غیر مسلم) نے کسی مسلمان کے پاس اس کو رہن رکھا اور مسلمان نے اسے پھینک دیا یا تلف کر دیا تو اس کا تاوان اس ذمی کو ادا کرنا ہوگا - تاہم حنفیہ کا کہنا ہے کہ یہ رہن صحیح نہیں ہے ، حالانکہ رہن باطل کے متعلق قاعدہ متذکرہ بالا کا جو مفاد ہے اس کے بموجب رہن شدہ شے ایسی نہیں ہے جو کسی ذمی (غیر مسلم) کے مسلمان کے پاس شراب رہن رکھنے کو متقاضی نہ ہو کیونکہ ذمی کے نزدیک شراب مالیت رکھتی ہے کہ اگر مسلمان کے ہاتھوں وہ تلف ہو جائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا -

پانچویں بات یہ ہے کہ شے مرہونہ ایسی مباح شے نہ ہو جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ، جیسے ہری گھاس جو چرنے کے لیے چھوڑی ہوئی ہو یا شکار جس کی عام اجازت ہو - ایسی اشیاء کا رہن کرنا فاسد ہے ، تاہم یہ شرط نہیں ہے کہ راہن شے مرہونہ کا مالک ہو لہٰذا ایک شخص دوسرے کی مملوکہ شے کو رہن رکھ سکتا ہے درآنحالیکہ اسے مال پر تصرف کا حق حاصل ہو ، مثلاً 'ولی' اپنے 'محروم التصرف' نابالغ بچے یا کم عقل شخص کی چیز کو رہن کر سکتا ہے - یہ ولی خواہ باپ ہو یا وصی ہو یہ رہن درست ہوگا اگرچہ ولی کی اپنی مصلحت کے پیش نظر کیا گیا ہو - چنانچہ اگر کوئی باپ اپنے کمسن بچے کے مال کو اپنے قرضے میں رہن رکھے تو درست ہے - اگر شے مرہونہ مرتہن کے پاس فک رہن (یعنی ادائے قرض کے بعد شے مرہونہ چھڑانے) سے پہلے تلف ہو جائے تو باپ اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور شے مرہونہ کی مالیت اور جتنے میں رہن رکھی گئی ان دونوں میں سے جو مقدار کم ہوگی اتنا باپ کو دینا ہوگا - پس اگر شے مرہونہ کی مالیت تیس گنی ←

ــــ تھی اور قرض جس کے عوض رہن رکھا تھا وہ صرف پچیس گنی ہے تو باپ صرف پچیس گنی کا تاوان دار ہوگا اور اس کے برعکس صورت میں بھی -

اگر اس دوران کہ (بیٹے کا مال) مرتہن کے پاس رہن ہو بیٹے میں صلاحیت معاملہ پیدا ہو جائے تو بیٹے کو یہ حق نہیں ہے کہ ادائے قرض کے بغیر اپنا مال واپس طلب کرے - البتہ باپ کو کہا جائے گا کہ قرض ادا کرکے رہن کی چیز واپس لے اور بیٹے کے حوالے کرے - اگر بیٹے نے اپنے باپ کا قرض ادا کرکے رہن شدہ شے کو چھڑا لیا تو یہ صدقہ (معاف) متصور نہ ہوگا ، بلکہ جس قدر دیا ہے وہ اپنے باپ سے اُس کا مطالبہ کر سکتا ہے -

(اس باب میں) وصی کی حیثیت بھی باپ ہی کی سی ہے ، اتنا فرق ہے کہ اگر وصی نے (محجور کا مال) کچھ رہن کیا ہے اور وہ مال مرتہن کے پاس تلف ہو گیا تو وہ رہن کی پوری مالیت کا تاوان دار ہوگا ؛ دونوں میں سے کم مقدار کا نہیں - کیونکہ باپ اور کسی دوسرے شخص کے درمیان جو فرق ہے وہ ظاہر ہے - باپ کو تو اپنے بیٹے کے مال سے یوں بھی فائدہ اُٹھانے کا حق ہے -

کسی دوسرے شخص کی چیز کو بھی اُس کی اجازت کے ساتھ عاریتاً لے کر رہن کرنا درست ہے - چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز اپنے کسی دوست یا رشتہ دار وغیرہ سے عاریتاً لی کہ اسے اپنے قرض کے عوض رہن رکھ دے تو درست ہے درآنحالیکہ اُس چیز کا مالک اس بات پر راضی ہو - ایسی صورت میں رہن کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ رہن شدہ شے کی جنس یا مقدار بیان کی جائے یا اُس کی مدت مقرر کی جائے - ہاں اگر یہ باتیں بیان کی جائیں تو جو کچھ کہا گیا ہے اُس کی پابندی لازم ہے - اگر اس کی مخالفت کی گئی تو عاریتاً دینے والے کو اُس چیز کے واپس لینے اور رہن کو منسوخ کرنے کا اختیار ہے -

(رہن کے باب میں) حاصل کلام یہ ہے کہ جن اشیاء کی فروخت درست ہے اُن کا رہن کرنا بھی بہ استثناء چند امور کے درست ہے - ان امور (استثنائی) میں سب سے اہم امور ''مشاع'' (مشترکہ ملکیت) اور ''مشغول بحق راہن'' (جس میں راہن کو حق مداخلت ہو) اور شے متصل لغیرہ ہیں (یعنی وہ شے جو دوسری شے کے ساتھ وابستہ ہو) جیسے کھیتی جو اراضی سے وابستہ ہے - اس کی تفصیل بیان ــــ

→ کی جا چکی ہے (کہ محض کھیتی کو زمین سے جداگانہ طور پر رہن نہیں کیا جا سکتا) -

تیسری بات جس کا تعلق فریقین معاملہ سے ہے "عقل" ہے - پس اگر کوئی فاترالعقل معاملۂ رہن کرے، یا بچہ معاملہ کرے جسے تمیز نہ ہو تو وہ رہن درست نہ ہوگا، ہاں ایسا لڑکا اور یا کم عقل شخص جو معاملہ کا مطلب جانتا ہو، وہ ولی کی اجازت سے معاملات (لین دین) انجام دے سکتا ہے - یعنی بالغ ہونا صحت رہن کی شرط نہیں ہے؛ اسی طرح آزاد ہونا (غلام نہ ہونا) بھی شرط نہیں ہے -

رہن فاسد کا حکم یہ ہے کہ وہ قبضہ حاصل کرنے پر منحصر ہوتا ہے (یعنی قبضہ کے بعد وہ رہن لاگو ہو جاتا ہے) بخلاف رہن باطل کے کہ وہ کسی پر منحصر نہیں ہوتا (بلکہ وہ رہن ہوتا ہی نہیں) -

تیسری قسم کی شرط وہ ہے جس کا تعلق معاملہ کے لاگو ہونے سے ہے اور وہ یہ ہے کہ شے مرہونہ پر (مرتہن) کا قبضہ ہو جائے - پس اگر رہن کی بات چیت شرایط انعقاد رہن کے ساتھ طے ہو گئی تو رہن درست ہو گیا لیکن یہ معاملہ لاگو اس وقت ہوگا جب معاملہ کی چیز پر قبضہ ہو جائے - لہذا راہن کو حق ہے کہ وہ شے مرہونہ کو حوالہ کرنے سے پہلے رہن کا ارادہ ترک کر دے - یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے معاملۂ ہبہ کہ شے موہوبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہونے سے پہلے، ہبہ کرنے والے کو حق ہے کہ ہبہ کرنے سے باز رہے - لیکن قبضہ حاصل ہونے کے بعد اب اس کی رضا مندی کے بغیر جس کو ہبہ کیا گیا ہے ہبہ سے رجوع کا حق نہیں رہتا - یا پھر اس کے لیے عدالتی فیصلہ ہونا چاہیے - اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے بتائی جائے گی -

بعض اصحاب نے اس خیال کی تائید کی ہے کہ ہبہ کے منعقد ہونے کی شرط بھی 'قبضہ' ہے، یعنی اگر شے مرہونہ پر مرتہن کا قبضہ نہیں ہوا تو رہن کا معاملہ ہی باطل ہے - لیکن جو بات پہلے بتائی گئی وہ زیادہ صحیح ہے -

ہبہ کے لاگو ہونے کی شرایط میں "رشد" اور "تکلیف" (یعنی صلاحیت کار اور شرع کا مکلف ہونا) بھی ہے -

مال رہن پر قبضہ صحیح اس حال میں مانا جائے گا جب کہ راہن نے ←

← صراحتاً (یعنی لفظاً) اور یا دلالتاً (یعنی طرز عمل سے) اجازت رہن دے دی ہو۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ راہن کہے کہ شے مرہونہ پر قبضہ کرنے کی میں آپ کو اجازت دیتا ہوں یا اسے آپ کے قبضہ میں دیے جانے سے میں راضی ہوں ۔ اس صراحت (یا وضاحت) کے بعد جائز ہے کہ مرتہن مال مرہونہ پر اسی جگہ قبضہ کرے یا راہن سے جدا ہونے کے بعد قبضہ کرے ۔

دوسری صورت (دلالتاً اجازت کی) یہ ہے کہ مرتہن رہن شدہ شے پر راہن کے سامنے قبضہ کرے اور راہن خاموش رہے اور قبضہ کرنے سے مانع نہ ہو (اس خیال سے کہ رہن کا تصفیہ پہلے ہی ہو چکا ہے) تو یہ قبضہ صحیح ہے کیونکہ راہن کی خاموشی سے اس قبضہ کی اجازت ظاہر ہوتی ہے ۔ ہاں اگر مرتہن نے مال رہن پر اس حال میں قبضہ کیا کہ شرایط رہن میں سے کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو یہ قبضہ ناقص ہوگا اور رہن منعقد نہ ہوگا ۔ اسی طرح یہ قبضہ ناقص ہوگا جب کہ مال رہن میں راہن کو مداخلت کا حق باقی ہو یا وہ شے رہن شدہ ایسی ہو کہ (وہ کسی دوسری شے کے ساتھ وابستہ ہونے کے باعث) مرتہن کی دست رس سے باہر ہو جیسے درخت کا پھل (کہ بغیر درخت کے اس پر دست رس ممکن نہیں) یا محض کھیتی جو اراضی زرعی پر ہو یا یہ کہ وہ مال مشترکہ ہو ۔ اسی طرح کی صورت یہ بھی ہے کہ قبضہ لینے والا فاترالعقل ہو تو اس کا قبضہ صحیح نہ ہوگا ۔ اور یہ شرایط قبضہ کے درست ہونے کی اور رہن کے صحیح ہونے کی بھی ہیں ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرایط رہن کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم کی شرط کا تعلق رہن کے لازم (یا لاگو) ہونے سے ہے اور شرط مال مرہونہ پر قبضہ کرنا ہے ۔ پس اگر کوئی مکان رہن رکھا گیا اور مرتہن نے ہنوز اس پر قبضہ نہیں کیا تو رہن لاگو نہ ہوگا اور راہن اگر رہن سے پھر جائے تو درست ہے ۔ اگر مال مرہونہ معاملہ* رہن طے ہونے سے پہلے ہی مرتہن کے تحت تصرف میں ہے خواہ بطور کرایہ دار کے اس کے قبضہ میں ہو یا مانگے کے طور پر لے رکھا ہو اور یا ناجائز قبضہ کر رکھا ہو ، یا کسی اور طرح سے وہ مکان مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو اسے قبضہ مانا جائے گا بشرطیکہ اس کے پاس آئے ہوئے ←

← اُسے اتنا عرصہ گزر چکا ہو جس عرصہ میں اُس پر قبضہ کیا جانا ممکن ہے۔
قبضہ کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ راہن نے (قابض ہونے کی) اجازت دے دی ہو۔

دوسری قسم کی شرایط کا تعلق رہن کے صحیح ہونے سے ہے۔ ان شرایط کی ذیلی تقسیم کئی طرح سے کی گئی ہے۔ پہلی تقسیم کا تعلق عقد رہن سے ہے۔ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ رہن کا معاملہ کرتے وقت کوئی ایسی شرط نہ لگائی جائے جو ادائے قرض کے تقاضوں (یا قاعدوں) کے منافی ہو، ایسا کرنے سے رہن باطل ہو جائے گا۔ ہاں ایسی شرط لگائی جا سکتی ہے جس سے عقد کے تقاضوں (یا قاعدوں) کی تائید ہوتی ہو، مثلاً یہ شرط کہ دوسرے قرض داروں کے مقابلہ میں مرتہن کو مال مرہونہ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ فوقیت دی جائے گی۔ ایسی شرایط میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شرط کی دوسری تقسیم کا تعلق فریقین معاملہ راہن اور مرتہن سے ہے اور وہ یہ شرط ہے کہ فریقین معاملہ میں سے ہر ایک عاقل و بالغ ہو اور محجور (نااہل معاملہ) قرار نہ دیا گیا ہو، لہٰذا کوئی بچہ یا فاترالعقل یا احمق شخص اگر کوئی چیز رہن رکھے تو وہ رہن مطلقاً درست نہ ہوگا خواہ ولی کی اجازت سے ایسا کیا ہو۔ ولی کو اجازت ہے کہ وہ محجور کے مال میں ان دو حالتوں میں تصرف کرے:

پہلی حالت یہ ہے کہ فی الواقع اُس مال کو رہن کرنا ضروری ہو مثلاً محجور (جو خود مال میں تصرف نہیں کر سکتا) کی خوراک، لباس یا تعلیم وغیرہ پیش نظر ہو اور اُس کا مال رہن رکھنے کے سوا اور کوئی سبیل کار نہ بن پڑتی ہو۔

دوسری حالت یہ ہے کہ محجور کا مال رہن رکھنے میں کچھ اُس کو مالی فائدہ حاصل ہوتا ہو، مثلاً کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی ہے جس کا سودا کر لینے میں محجور کا فائدہ ہے اور اتنا مال نہیں ہے کہ اُس سے وہ چیز خریدی جاسکے، ایسی صورت میں یہ درست ہے کہ اُس کا مال رہن رکھ کر وہ چیز خرید لی جائے تاکہ اُسے فائدہ پہنچے۔

تیسری قسم کی شرط کا تعلق مال مرہونہ سے ہے اور اس میں بھی چند باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ←

→ پہلی بات یہ ہے کہ راہن اُس مال کے رہن کرنے کا مختار ہو ، بایں طور کہ وہ مال محجور (محروم التصرف) کا ہو اور رہن کرنے والا اُس کا ولی یا وصی ہو (جسے رہن رکھنے کا اختیار ہے)- یا پھر وہ ایسا مال ہو جو ولی نے کسی سے رہن کے لیے عاریتاً لے کر حصول قرض کی خاطر رہن رکھا ہو - اس کے لیے عاریتاً مال لینے کی تین شرطیں ہیں :

ایک تو یہ کہ جس سے عاریتاً کوئی چیز بغرض رہن لی گئی ہے اُس کو قرض کی نوعیت ، اُس کی مقدار اور خصوصیات سے آگاہ کر دیا جائے ، یعنی یہ بتا دیا جائے کہ جس قرض کے لیے وہ مال (عاریتاً حاصل کردہ) رہن رکھا جا رہا ہے اُس کی مقدار بیس گنی مصری یا بیس انگریزی پونڈ ہے یا چاندی کا مصری سو ریال کا سکہ یا کسی اور جگہ کا ہے -

دوسری شرط یہ ہے کہ اُس کی ادائیگی قرض کی میعاد بتا دی جائے کہ تھوڑے عرصہ کی ہے یا زیادہ عرصہ کی -

تیسری شرط یہ ہے کہ جس کے پاس رہن رکھنا ہے اُس کا ذکر کر دیا جائے اور (جب رہن کے لیے عاریتاً کوئی چیز دے دی جائے تو) دینے والے کو یہ حق نہ ہوگا کہ مرتہن کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ اُسے واپس طلب کرے - اور عاریتاً لی ہوئی شے اگر تلف ہو جائے تو راہن یا مرتہن پر کوئی تاوان نہ ہوگا -

مدت قرض پوری ہو جانے پر مرتہن اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضا مال مرہونہ کے مالک اور راہن دونوں سے کر سکتا ہے - اگر وہ چیز فروخت کی جائے تو اُس کے دام کا حق دار مالک ہے جس نے وہ چیز دی ہے - خواہ دام اُس کی مالیت سے کم ملے ہوں -

دوسری بات جو شے مرہونہ کے متعلق ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ کوئی مال ہو - مکان میں رہنے سہنے یا اسی قسم کے اور فوائد کو جو مال نہیں شمار کیے جاتے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے - اسی طرح ابتدائی قرضہ کا رہن رکھنا بھی صحیح نہیں ہے- چنانچہ اگر کسی شخص کو ایک سوگنی اپنے کرایہ دار سے لینا ہے اور اس شخص پر کسی اور کا سوگنی قرض ہے تو یہ سوگنی جو اسے کرایہ دار سے لینا ہے اپنے قرض کے عوض رہن نہیں رکھ سکتا ، کیونکہ یہ کرایہ جو ابتدائی قرض ←

← ہے مال نہیں ہے (جسے رہن رکھا جاسکے)۔ ہاں جو چیز مستقل قرضہ بن جائے اُسے رہن رکھنا صحیح ہے - مثلاً کسی شخص نے کوئی مال اپنے قرض (واجب الادا) کے بدلے میں رہن رکھا اور وہ مال مرتہن کے پاس تلف ہوگیا تو اب اگر وہ مال مثلی تھا تو مرتہن اس کی اتنی ہی مقدار کا اور اگر مالیتی تھا تو اُس کی مالیت کا تاوان دار ہوگا (جو اب اُس کے ذمہ مستقل قرض ہوگیا) اور یہ اُس کے اپنے واجب الوصول قرضے کے لیے مال مرہونہ متصور ہوگا اور اس طرح کے قرض کا رہن رکھنا صحیح ہے کیونکہ یہ تاوان ابتداءً قرض نہ تھا ، بلکہ پہلے تو رہن شدہ شے مال تھا جس کا رہن رکھنا درست تھا گو اب وہ قرض بن گیا ہے -

تیسری بات یہ ہے کہ مال مرہونہ جلد خراب ہوجانے والی شے نہ ہو درآنحالیکہ قرض دیرپا شے ہو جو بہت عرصہ تک رہنے والی ہے اور مال مرہونہ ادائے قرض کی میعاد گزرنے سے پہلے ہی خراب ہو جائے اور اُس مال کو نہ بیچنے کی شرط لگا دی گئی ہو یا کوئی شرط نہ لگائی ہو - ہاں اگر یہ شرط ہو کہ اُس مال مرہونہ کو خراب ہونے سے پہلے فروخت کر دیا جائے یا ادائیگی قرض کی میعاد گزرنے سے پہلے وہ خراب ہونے والا مال نہ ہو تو رہن صحیح ہوگا -

ایسی چیز کی مثال جس کا رہن رکھنا درست نہیں ہے یہ ہے کہ کسی سے قرض ایک ماہ کے بعد (ادائیگی) کے وعدہ پر لیا گیا اور برف اُس کے لیے رہن رکھی اور یہ شرط بھی لگا دی کہ اُس کو فروخت نہ کیا جائے یا بغیر کسی شرط کے ہی رہن رکھ دیا تو یہ رہن فاسد ہوگا - ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ اُس برف کو میعاد قرض کی مدت تک محفوظ رکھنا ممکن ہو تو رہن درست ہے - لیکن اُس کے منجمد اور محفوظ رکھنے کا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا -

چوتھی بات یہ ہے کہ مال مرہونہ پاک ہو - نجس شے کا رہن رکھنا درست نہیں ہے جیسا کہ بیع کے بیان میں بتایا گیا -

پانچویں بات یہ ہے کہ مال مرہونہ کارآمد ہو ، گو اُس کا نفع مستقبل میں حاصل ہو - مثلاً کوئی چھوٹا سا جانور ہے کہ اُس کو رہن رکھنا درست ہے ، کیونکہ آئندہ کو اُس سے فائدہ اُٹھانا ممکن ہے -

ان شرایط کے علاوہ مال مرہونہ کے لیے وہ شرطیں بھی ہیں جن کا ذکر ←

← قابل بیع اشیاء کے بارے میں کیا گیا ۔ غرض ہر وہ شے جس کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے اُس کو رہن رکھنا بھی درست ہے ۔ البتہ مجرد نفع (یا فائدہ) ایسی شے ہے کہ اس کی بیع تو درست ہے لیکن رہن درست نہیں ہے ، چنانچہ راہ داری کی آمدنی کو رہن رکھنا درست نہیں ہے لیکن اس کا فروخت کرنا صحیح ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ۔

چوتھی قسم کی شرط کا تعلق مرہون بہ یا سبب رہن سے ہے (یعنی جس کی خاطر مال رہن رکھنا پڑا) اس میں چار باتوں کا لحاظ لازم ہے :

پہلی بات یہ ہے کہ رہن قرض کے لیے رکھا جائے ؛ قرض نہ ہو تو رہن بھی درست نہیں ہے جیسے مال مغصوبہ یا مستعار شے ، چنانچہ اگر مغصوبہ زمین فروخت کی تو مملوکہ مکان رہن رکھنا درست نہیں ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی جانور مانگے کو لیا تو اُس کے لیے اپنا کپڑا رہن رکھ دینا درست نہیں ہے ، کیونکہ مانگے کی چیز قرض نہیں ہوتی اور رہن کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ قرض کے عوض ہوتا ہے اور جب تک کہ وہ مال موجود ہے اُسے واپس کرنا مرتہن کے ذمہ ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرض کا وجود ثابت ہو؛ وجود قرض سے پہلے رہن رکھ دینا درست نہیں ہے مثلاً کسی نے اپنا مکان رکھ دیا کہ مرتہن اُسے سو گنی قرض دے دے گا۔ یا اپنی گھڑی آن اشیاء کے لیے رہن رکھ دی جو روغن فروش کی دکان سے خریدنی ہیں ۔ کیونکہ خریداری سے پہلے دام کا تعین نہیں ہوا (یعنی قیمت ہی نہیں معلوم تو سودا نہ ہوا اور سودا نہیں تو قرض بھی نہیں اور قرض نہیں تو رہن کیسا ؟) ۔ لیکن اگر کوئی شے قرض خریدی اور اس قرض کے مقابلہ میں جس کی ادائیگی کی میعاد مقرر نہیں ہے کوئی شے رہن رکھ دی تو جائز ہے ۔ مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں زمین آپ کے ہاتھ ایک سو گنی میں فروخت کرتا ہوں اور اس دام کے عوض آپ کا مکان رہن رکھنے پر تیار ہوں ۔ خریدار کہے کہ میں نے زمین خریدنا اور مکان رہن رکھنا مان لیا ۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ قرض (جس کے لیے رہن رکھنا ہے) یا تو اسی وقت قرضہ ہو یا انجام کار وہ قرض بن جائے ، لہٰذا مدت خیار کے دوران مال کے دام کے عوض کوئی شے رہن رکھنا درست ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی مکان پسندیدگی ←

← کی شرط پر فروخت کیا گیا اور خریدار کا اُس پر قبضہ بھی ہو گیا لیکن فروخت کنندہ کو ہنوز اُس کے دام نہیں ملے تو اُسے حق ہے کہ اُس دام کے عوض کوئی شے رہن رکھ لے، کیونکہ یہ دام اگرچہ سردست قرض نہیں ہیں لیکن انجام کار تو (بشرط پسندیدگی) اُسے قرض ہونا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ (رہن رکھنے کے لیے) قرض کی بابت یہ جاننا شرط ہے کہ وہ کیا چیز ہے، کس قدر ہے اور کیسی ہے۔ اگر یہ باتیں معلوم نہیں ہوئیں تو اس قرض کے لیے رہن رکھنا درست نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرایط رہن دو طرح کی ہیں:

شرایط لزوم اور شرایط صحت:۔پہلی قسم شرایط لزوم (یعنی رہن کے لاگو ہونے کی شرط) میں مال مرہونہ پر قبضہ ہونا ہے کہ جب مرتہن اُس پر قبضہ کر لے تب رہن لازم (یا لاگو) ہو گیا۔ اس کے بعد رہن سے پھر جانے کا حق نہیں رہتا۔ ہاں مرتہن کا قبضہ ہونے سے پہلے رہن لاگو نہ ہوگا اور راہن کو اختیار ہوگا کہ اپنی چیز کو جس طرح چاہے کام میں لائے، یہاں تک کہ وہ چاہے تو اُسے کسی اور کے پاس رہن رکھ دے۔ ایسی صورت میں پہلا معاملۂ رہن باطل ہو جائے گا۔

اگر راہن نے مرتہن کو مال مرہونہ اٹھا لینے کو کہہ دیا لیکن اس نے ابھی نہیں اٹھایا تب بھی راہن کو اپنے مال پر تصرف کا حق ہے اور مرتہن پر رہن مطلقاً لازم نہیں ہوتا؛ وہ جب چاہے رہن کو فسخ کر سکتا ہے۔ کیونکہ رہن ایسی چیز ہے کہ وہ اپنے قرض کا تحفظ اس سے کر سکتا ہے لہٰذا وہ چاہے تو اسے قائم رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔

اور اس بات کی دلیل کہ رہن لازم نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر مرتہن کا قبضہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''فرھان مقبوضہ'' (یعنی تب رہن ہے جس پر قبضہ ہو جائے (ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ) رہن پر قبضہ اس کے لاگو ہونے کی شرط ہے۔ اور قبضہ صحیح جب مانا جائے گا کہ راہن نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ اگر راہن کی اجازت کے بغیر مال پر قبضہ کر لیا تو یہ رہن لاگو نہ ہو گا۔ اور قبضہ کرنے کی صورتیں وہی ہیں جو ←

ــ فروخت شدہ شے پر قبضہ کرنے کی ہیں کہ اگر مال منقولہ ہے جیسے کوئی زیور تو اسے منتقل کرنے سے ، اور اگر سونا چاندی ہے تو اسے خرچ میں لانے سے ، اگر نپنے کی شے ہے تو مپانے میں ناپ لینے سے ، وزن کی چیز ہے تو وزن کرنے سے ، اور گنتی کی چیز ہے تو گن لینے سے اور پیمائش کی چیز ہے تو پیمائش کرنے سے قبضہ متصور ہو گا ۔ لیکن اگر مال رہن غیر منقولہ مثلاً اراضی یا مکان یا درخت یا درخت کے پھل یا زمین کی فصل ہے تو یہ تمام اشیاء رہن ہو سکتی ہیں اور ان پر قبضہ کی صورت یہ ہے کہ اس شے سے اپنا دخل ہٹا لیا جائے کہ راہن اور مال مرہونہ کے درمیان کوئی امر مانع قبضہ نہ ہو ۔ اور اس قبضہ کا مسلسل رہنا رہن کے لاگو ہونے کی شرط ہے ۔ اگر مرتہن نے مال مرہونہ راہن کو کسی طرح بھی واپس دے دیا خواہ کرایہ پر یا عاریتاً یا امانتاً تو یہ رہن لاگو نہ رہے گا اور یہ سمجھا جائے گا جیسے قبضہ ہوا ہی نہیں۔ تاہم اگر راہن اسے پھر مرتہن کواپنی خوشی سے لوٹا دے تو عقد سابقہ کے تحت رہن پھر لاگو ہو جائے گا ۔ لیکن اگر مرتہن کی مرضی کے خلاف راہن نے مال رہن کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا یعنی اس پر زبردستی قبضہ کر لیا یا چرا کر لے گیا تب بھی رہن لاگو رہے گا ۔

وہ شرایط جو رہن کے لاگو ہونے کی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں :

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق نفس معاملہ (عقد) سے ہے ۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق فریقین معاملہ یعنی راہن اور مرتہن سے ہے ایک قسم کا تعلق مال‌رہن سے ہے اور ایک قسم کا تعلق اس قرضے سے ہے جس کے لیے رہن رکھا گیا۔

پہلی قسم کی شرط جس کا تعلق عقد معاملہ سے ہے یہ ہے کہ معاملہ میں کوئی ایسی شرط نہ رکھی جائے جو عقد کے تقاضوں (یا قاعدوں) کے منافی ہو جیسا کہ بیع کے بیان میں بتایا گیا ۔

دوسری قسم جس کا تعلق فریقین معاملہ سے ہےیہ ہے کہ جو شرطیں معاملۂ بیع کے صحیح ہونے کی ہیں وہ سب ان میں پائی جائیں ۔ لہٰذا جو شخص معاملۂ بیع کرسکتا ہے وہ معاملۂ رہن بھی کرسکتا ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی بے عقل دیوالیہ اور یا جنون زدہ جو امتیاز کھو چکا ہو رہن رکھے تو درست نہ ہوگا ، جیسا کہ بیع کے باب میں بتایا گیا ۔ ــ

→ تیسری قسم کی شرایط جن کا تعلق مال مرہونہ سے ہے ان کی چند قسمیں ہیں؛ منجملہ ان کے یہ کہ اس مال کا یا اس کے فوائد کا راہن مالک ہو - چنانچہ اگر کوئی شخص کوئی چیز کرایہ پر لے اور اپنے قرض کے بدلے اسے رہن رکھے تو درست ہو گا - اسی طرح کسی سے کچھ مانگ کر اس چیز کو رہن رکھ دیا تب بھی درست ہے - اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ مقروض کرایہ پر یا عاریتاً دینے والے شخص کو اپنے اس قرض کی تفصیل بھی بتائے جس کے بدل اس چیز کو رہن رکھا ہے، تاہم اچھا یہی ہے کہ قرض کی مقدار، مرتہن کا نام اور میعاد رہن اور مال رہن کی جنس بیان کر دے - اگر ان میں سے کسی چیز کو شرط قرار دیا اور پھر اس کے خلاف کیا تو رہن درست نہ ہو گا -

اس میں ایک شرط یہ ہے کہ جو شے رہن رکھی ہے وہ از قسم مال ہو لہٰذا ہر وہ شے جو قابل فروخت ہے وہ قابل رہن بھی ہے - اگر وہ چیز ایسی نہ ہو تو نہ اسے رہن رکھنا صحیح ہے اور نہ فروخت کرنا صحیح ہے - لہٰذا کسی چیز سے 'استفادہ' ایسی چیز نہیں ہے جسے رہن رکھا جا سکے - چنانچہ اگر قرض کے کسی مکان میں ''رہائش رکھنے'' کو رہن کیا تو درست نہیں ہے - نیز اشیاء نجس کو جن کا ذکر شرایط بیع میں کیا گیا رہن رکھنا درست نہیں ہے -

چوتھی قسم کی شرط جس کا تعلق مرہون بہ سے ہے یعنی سبب رہن سے (جس کی خاطر رہن رکھا) اس سے مراد ہر ایسا قرض ہے جو سردست واجب الادا ہے یا جو انجام کار واجب الادا ہونے والا ہے - جیسے دوران مدت خیار میں مال کے دام کے بدل کچھ رہن رکھ دیا، مثلاً کسی شخص کو کوئی چیز 'خیار شرط' (یا پسندیدگی کی شرط پر) فروخت کی گئی تو ایسی صورت میں بھی فروخت کنندہ کا اس شے کے دام کے عوض کچھ رہن رکھنا درست ہے، کیونکہ اگرچہ وہ دام سردست واجب الوصول نہیں ہے، تاہم بالآخر جب شرط پسندیدگی کی مدت ختم ہو جائے گی تو قیمت انجام کار واجب الادا (قرض) ہو جائے گی -

اعیان مضمونہ (یعنی قابل ضمانت اشیاء) کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے لیے رہن رکھنا صحیح ہے۔ اسی طرح اشیاء مغصوبہ یعنی (ناجائز قبضہ کی ہوئی) چیز کے بدل رہن رکھا جا سکتا ہے، مثلاً کسی نے نا جائز قبضہ کی ہوئی شے کسی کے ←

← ہاتھ (ادھار) فروخت کردی تو (اس کے دام کے بدل) خریدار کا کوئی مکان وغیرہ عرصۂ حوالگی تک کے لیے رہن رکھ سکتا ہے۔ عاریتاً لی ہوئی شے کے لیے بھی رہن رکھنا صحیح ہے۔ چنانچہ اگر کوئی چیز عاریتاً کسی سے لی تو اس کے لیے کچھ رہن رکھ دینا درست ہے، کیونکہ راہن اپنے مال مرہونہ کے خیال سے عاریت کے مال کی واپسی پر مجبور ہو گا۔ اگر وہ واپس نہ کر سکا تو اس کی تلافی مال مرہونہ سے کی جائے گی لہٰذا وہ بھی قرض کے مشابہ ہو گیا۔

اجرت کار کے لیے بھی رہن رکھنا صحیح ہے مثلاً معماروں کو کسی مکان کی تعمیر کے لیے پیشگی اجرت دے دی گئی تو اس اجرت کے عوض معماروں سے کوئی چیز رہن رکھوائی جا سکتی ہے۔ اگر وہ مکان نہ بنا سکے تو مرتہن مال رہن شدہ کو فروخت کر کے اس کے دام دوسرے معماروں کی اجرت میں دے سکتا ہے۔ تقریباً ایسی ہی وہ صورت بھی ہے کہ کاروبار کرنے والے اپنے کاری گروں کو ان کے اطمینان کے لیے رقم دے دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے کام کی انجام دہی میں سستی نہ کریں۔

ایسی اشیاء کو بھی رہن کیا جا سکتا ہے جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں جیسے سبزی اور تازہ پھل وغیرہ۔ اگر اس پھل کو خشک کرنا ممکن ہو، جیسے نیم پختہ کھجور یا انگور تو راہن پر لازم ہے کہ اسے خشک کرے اور میعاد قرضہ گزرنے تک اسے محفوظ رکھے۔ اگر اس کا خشک کرنا اور باقی رکھنا ممکن نہ ہو، جیسے خربوزہ یا برف اور مرتہن نے اس شرط پر رہن لیا کہ وہ اسے فروخت کر دے گا تو وہ اسے فروخت کر کے اس کے دام اپنے پاس بطور رہن رکھے۔ اگر مرتہن نے فروخت کرنے کی شرط نہ لگائی لیکن رہن کرنے والا اس پر راضی ہو تب بھی (فروخت کرنا) صحیح ہے۔ اگر راہن راضی نہ ہو تو حاکم اسے فروخت کرنے کا حکم دے گا۔ اگر (ایسی چیزوں کی بابت) یہ شرط لگا دی جائے کہ اسے فروخت نہ کیا جائے گا تو یہ شرط باطل ہے۔

مشترکہ شے کا رہن رکھنا صحیح ہے، خواہ اپنے شریک کے پاس رہن رکھا جائے یا کسی اور کے پاس۔ پس اگر کوئی شخص کسی مکان میں دوسرے کا شریک ہے اور شریک کا قرض اس کے اوپر ہے تو جائز ہے کہ وہ مکان کے ←

مال مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا بیان

رہن شدہ مال خواہ اراضی زرعی ہو یا کرایہ کا مکان یا جانور ، آیا اس مال میں یا اس سے حاصل ہونے والی شے میں ، راہن یا مرتہن کا حق ہے ؟ اس بارے میں مسائل مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← اپنے حصے کو قرض کے عوض رہن رکھ دے نیز وہ اپنے حصے کو کسی اور کے پاس بھی (جو شریک نہیں ہے) رہن رکھ سکتا ہے ۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اپنے حصہ کا کچھ حصہ رہن رکھے ۔

غیر منقولہ مال مثلاً جائداد کو رہن رکھا تو اس پر مرتہن کے قبضہ کا یہ طریقہ ہے کہ راہن اس رہن شدہ جائداد اور مرتہن کے درمیان سے اپنا واسطہ ہٹا لے ، خواہ شریک (فریق) مال موجود ہو یا نہ ہو ۔

مال منقولہ کی صورت میں اگر مرتہن اور شرکت دار اس امر پر متفق ہو جائیں کہ دونوں میں سے کوئی اسے اپنے تصرف میں رکھے تو یہ بھی ہو سکتا ہے ۔ بصورت دیگر اس مال کو حاکم کسی کی تحویل میں دے دے گا اور اس کے لیے جائز ہو گا کہ اگر حاکم مصلحت دیکھے تو اس تحویل داری کی کوئی اجرت ان دونوں پر ڈال دے ۔

یہ بھی درست ہے کہ فروخت شدہ مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے کسی کے پاس رہن رکھ دے بشرطیکہ وہ مال نپنے والا ، تلنے والا ، گنتی میں آنے والا یا پیمائش میں آنے والا نہ ہو ۔ چنانچہ اگر کوئی مکان خریدا اور ہنوز اس پر قبضہ نہیں کیا تو اسے فروخت کنندہ کے علاوہ کسی کے پاس بھی رہن رکھنا درست ہے اور فروخت کنندہ کے پاس بھی رہن رکھا جا سکتا ہے ، خواہ اس کے دام کے عوض رہن رکھے ، کیونکہ اس کے دام جو خریدار کے ذمہ واجب الادا ہیں وہ اب اس پر قرض ہے اور فروخت شدہ شے کا وہ مالک ہے لہٰذا وہ اس کو رہن رکھ سکتا ہے ۔

---

۱ ۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ رہن شدہ مال کا پھل یا اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو وہ راہن کا حق ہے ، بشرطیکہ مرتہن نے اس کے لیے شرط (استفادہ) ←

← نہ لگائی ہو (اگر شرط لگائی ہے تو) ایسی صورت میں (مال مرہونہ میں) مرتہن کا حق ہو گا لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرض (جس کے لیے رہن رکھا گیا) فروخت کا ہو، قرض نہ ہو - مثلاً کسی شخص نے کوئی چیز یا مال تجارت دوسرے کے ہاتھ (کسی قیمت پر) ادھار فروخت کیا اور اس کے واجب الادا دام (قرض) کے عوض وہ شے رہن رکھ دی -

دوسری شرط یہ ہے کہ مرتہن نے خود یہ شرط لگائی ہو کہ وہ مال مرہونہ سے فائدہ اٹھائے گا - اگر راہن نے رضاکارانہ طور پر اسے اجازت دی تو اس کا لینا جائز نہیں ہے -

تیسری شرط یہ ہے کہ مال مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کی مدت متعین کر دی جائے - اگر مدت معلوم نہ ہو تو (مال رہن سے استفادہ) درست نہیں ہے -

اگر یہ تینوں شرایط پوری ہوں تو مرتہن مال مرہونہ کے فائدے کا مالک ہو سکتا ہے یا اسے لے سکتا ہے - لیکن اگر وہ مال قرض کے بدل رہن ہے تو کسی حالت میں بھی اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، خواہ اس کی شرط ہو یا نہ ہو، اور راہن نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اور فائدہ اٹھانے کے لیے مدت مقرر کی ہو یا نہ کی ہو - کیونکہ یہ قرض ایسا ہو جائے گا جس سے قرض دینے والے نے فائدہ اٹھایا، لہٰذا یہ سود ہوا اور حرام ہوگا -

مال مرہونہ سے جو فائدہ ہو اس پر راہن کا حق ہونے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مال مرہونہ پر اس کا تصرف بھی ہو گا یا یہ کہ مال اس کے ہاتھ میں رہے گا - ایسا ہرگز نہیں ہے - مال رہن مرتہن ہی کے قبضہ میں رہے گا، لیکن اس سے جو فائدہ ہو گا وہ راہن کو ملتا رہے گا، جبکہ متذکرہ بالا شرایط موجود نہ ہوں - پس اگر کوئی مکان رہن رکھا گیا تو مرتہن ہی اسے کرایہ پر چڑھائے گا لیکن کرایہ راہن کو دیتا رہے گا - اگر مرتہن یہ اجازت راہن کو دے دے کہ وہی اسے کرایہ پر دے گا تو رہن ختم ہو جائے گا اگرچہ ہنوز وہ کرایہ پر نہ دیا گیا ہو - یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ راہن کو مکان ←

→ مرہونہ میں رہنے کی اجازت دے دی جائے (کہ رہن باطل ہو جائے گا) - ہاں اگر ایسی کوئی چیز ہے جس کا منتقل کرنا ممکن ہو ، جیسے سامان ، فرش فروش ، ایسی چیزوں کو محض کرائے پر دینے کی اجازت سے رہن باطل نہ ہو گا، بلکہ اسی صورت میں باطل ہو گا جبکہ راہن فی الواقع اُس چیز کو کرایہ پر دے دے۔ اسی طرح اگر مرتہن مال مرہونہ کو فروخت کرنے کے لیے راہن کے حوالے کردے تو رہن باطل ہو جائے گا اور وہ قرض بغیر رہن کے رہ جائے گا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ مال مرہونہ کے نفع کا حق دار رہن کرنے والا ہے لیکن مال مرتہن ہی کے قبضہ میں رہے گا - اور وہ اسے اپنے قبضہ سے دور صرف اس صورت میں کرے گا جب اس مال سے مستفید ہونے کے لیے راہن کے حوالے کرنا پڑے اور مرتہن کے پاس رہتے ہوئے راہن اس کا فائدہ نہ لے سکے - (اس صورت میں) اگر مرتہن کو یہ اطمینان نہ ہو کہ راہن کے پاس جاکر مال واپس نہ آئے گا تو اس کے لیے گواہ بنا لینا چاہیے -

راہن کو مال مرہونہ سے ہر ایسا فائدہ حاصل کرنا جائز ہے جس سے اصل مال میں کوئی نقص نہ پیدا ہو - چنانچہ مکان میں رہایش کرنے یا جانور پر سوار ہونے سے (مال میں نقص نہیں ہوتا) اس کے لیے مرتہن کی اجازت درکار نہیں ہے - تاہم راہن کو یہ حق نہیں ہے کہ اراضی مرہونہ پر کوئی مکان تعمیر کرے یا اس میں درخت لگائے - اگر ایسا کر لیا تو اب مکان کو ڈھانا یا درخت کو اکھاڑنا لازم نہیں ہے ، تاوقتیکہ قرض کی میعاد پوری نہ ہو جائے - میعاد قرض پوری ہونے کے بعد اگر اس تعمیر یا شجرکاری سے زمین کے دام میں کمی آ جائے اور قرض کو پورا نہ کر سکے تو اسے ہٹانا لازم ہوگا بصورت دیگر لازم نہ ہوگا لیکن یہ عمارت اور درخت شے مرہونہ میں شامل نہ ہوں گے ، کیونکہ یہ اضافہ رہن رکھنے کے بعد ہوا ہے -

مرتہن کی اجازت کے بغیر مال مرہونہ میں ایسا تصرف جس سے اس کی مالیت میں کمی آ جائے درست نہیں ہے - اور یہ صحیح نہیں ہے کہ راہن رہن کیا ہوا مال لے کر اتنے عرصہ کے لیے کرایہ پر چڑھادے جس کی میعاد رہن کی میعاد سے زیادہ ہو - ہاں اگر کرایہ داری کی مدت قرض کی میعاد تک یا اس سے کم ہو تو ←

← درست ہے ، کیونکہ اس سے مرتہن کو کچھ نقصان نہیں ہے - اگر مرتہن اس کی اجازت دے دے تو درست ہے - تاہم مرتہن کو حق ہے کہ وہ مال راہن کے قبضہ میں آنے سے اپنی اجازت سے پھر جائے - اگر مرتہن اجازت سے پھر جائے اور راہن کو اس کی خبر نہ ہو کہ مرتہن نے جو اجازت دی تھی اس سے پھر گیا ہے تو اس حال میں جو تصرف وہ مال پر کرے گا وہ باطل ہوگا -

اگر مرتہن نے (بوقت رہن) یہ شرط رکھ دی تھی کہ مال مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کا اسے حق ہوگا تو راہن کا حق رہن فاسد ہو جائے گا - کہا جاتا ہے کہ اس سے محض وہ شرط فاسد ہوگی ، معاملۂ رہن قائم رہے گا - لیکن مرتہن کی اس شرط سے اسے بہر حال مال سے فائدہ کا حق نہیں ہے - ہاں اگر راہن نے مرتہن کو رہن سے پہلے ہی اس مال سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے رکھی تھی جسے رہن رکھنے کا ارادہ تھا تو رہن کے بعد بھی وہ استفادہ مرتہن کو حلال ہے - اسی طرح اگر راہن نے مرتہن کو پہلے ہی کچھ قرض دے رکھا تھا اور رہن کے وقت اس قرض کا کوئی ذکر نہ تھا ، اس کے بعد اس سے کچھ قرض لیا تو یہ درست ہے -

جاننا چاہیے کہ مال مرہونہ میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں :

۱ - اضافۂ متصل - اور

۲ - اضافۂ منفصل -

اگر وہ اضافۂ منفصل ہو (یعنی مال مرہونہ سے حاصل ہونے والی شے اس کے وجود سے جدا ہوجانے والی چیز ہے) تو وہ رہن میں شامل نہ ہوگی ، جیسے انڈا ، کھجور اور پیدا ہونے والا بچہ - پس اگر کوئی گیابھن جانور ہے اور اسے رہن کی رقم پورا کرنے کے لیے بیچا گیا تو پیٹ کا بچہ بھی فروخت میں شامل ہوگا کیونکہ وہ اضافۂ متصل ہے - اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد فروخت کیا گیا تب بھی بقول صحیح جانور کے ساتھ بچہ بھی بک جائے گا - لیکن اگر جانور رہن رکھنے کے بعد گیابھن ہوا تو بقول اکثر وہ بچہ رہن میں داخل نہ ہوگا -

اضافۂ متصل کی مثال جانور کا فربہ ہو جانا اور درخت کا بڑا ہو جانا ہے - یہ اضافہ رہن میں داخل ہے -

اگر مرتہن نے راہن کو صرف مشورہ دیا کہ وہ مال رہن کو فروخت کردے ←

ـ۔ اور یوں کہا کہ رکھنے سے اس کا فروخت کر دینا بہتر ہے ، لیکن مال اس کے حوالے نہیں کیا ، تو مرتہن کو قسم دلائی جائے گی (کہ اس نے اسی غرض کے لیے بیچنے کو کہا تھا) اور وصول شدہ دام مرتہن کے پاس رہن رہیں گے جب کہ راہن نے پہلی جیسی کوئی شے (اس کے عوض) رہن نہ رکھ دی ہو۔ اگر مرتہن نے مال مرہونہ عاریتاً خود راہن کو یا راہن کی اجازت سے کسی اور کو دے دیا اور میعاد قرض سے پہلے اسے واپس کرنے کی شرط نہیں رکھی تو یہ رہن باطل نہیں ہوگا ۔ اگر ایسی شرط رکھی تو رہن باطل ہو جائے گا ۔ اور اگر وہ چیز کچھ ایسی ہے جو عام طور پر عاریت لینے والا انقضائے میعاد قرض سے پہلے یوں بھی واپس کر دیا کرتا ہے تو رہن باطل نہ ہوگا ۔

اگر مال مرہونہ کو مرتہن اپنی خوشی سے راہن کو واپس کردے تو رہن ختم ہو جائے گا اور راہن کا اس پر تصرف مثلاً فروخت وغیرہ کرنا درست ہوگا تاہم اگر راہن نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا تو مرتہن کو اسے پھر واپس لے لینے کا حق ہے ، بشرطیکہ وہ قسم کھا کر کہے کہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس طرح دینے سے رہن فسخ ہو جاتا ہے ۔

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ مال مرہونہ میں اگر کوئی اضافہ منفصل ہو جیسے دودھ ، گھی ، مکھن یا چھتے کا شہد ، انڈے اور کرایہ مکان تو یہ سب کچھ راہن کا حق ہے اور رہن میں داخل نہیں ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی شرط نہ ہو ۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مرتہن کو مال رہن سے کس حد تک فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے اور کہاں تک نہیں ہے ۔

اضافۂ متصل مثلاً جانور کے پیٹ کا بچہ خواہ بہ وقت رہن وہ گیابھن رہا ہو یا نہ رہا ہو اور 'فسیل نخل' یعنی کھجور کے درخت کی جڑ سے پھوٹا ہوا درخت جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہو، رہن میں داخل متصور ہوگا ۔ لیکن بھیڑ کے جسم کی اون اگر وہ پہلے ہی سے موجود تھی تو وہ مال مرہونہ میں شامل ہے کیونکہ بوقت رہن اس کا نہ اتارنا جب کہ وہ پورے طور پر موجود تھی اس امر کی دلیل ہے کہ بھیڑ کے ساتھ اون کو بھی رہن کرنا مقصود تھا ۔ لیکن اگر وہ اون بوقت رہن اتارنے کے قابل نہ تھی (اور رہن کے بعد بڑھی) تو اسے اضافۂ منفصلہ قرار ـ

← دیا جائے گا اور وہ رہن میں شامل نہ ہوگی ۔ لہٰذا راہن کو اختیار ہے کہ جب اون اس کے جسم پر مکمل طور سے آ جائے تو اسے اتار لے ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ راہن کو مال مرہونہ سے کسی طرح بھی فائدہ لینے کا حق نہیں ہے تاوقتیکہ مرتہن اس کی اجازت نہ دے ۔ لہٰذا جب تک کوئی مال رہن ہے ، مرتہن کی اجازت کے بغیر راہن کو اس سے کسی بھی فائدے کا حاصل کرنا درست نہیں ہے ، کہ جانور سے کام لے یا اپنے رہن شدہ مکان میں رہے یا کرائے پر دے ۔ یا کپڑا رہن ہو تو اسے پہنے یا کسی کو مال رہن میں سے کچھ عاریتاً دے ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس مال کے استعمال سے اس کی مالیت گھٹ جائے یا نہ گھٹے ۔ ہاں اگر مرتہن اس کی اجازت دے دے تو درست ہے ، تاہم مال مرہونہ کا فائدہ جو کچھ بھی حاصل ہو وہ راہن کا حق ہے ۔ مثلاً اس سے جو بچہ پیدا ہو، یا پھل ، دودھ ، انڈے ، بال وغیرہ راہن اس کا حق دار ہے ۔ اگر (یہ فوائد) فک رہن (یعنی ادائے قرض اور واپسی رہن) تک (مرتہن کے پاس) باقی رہے تو قرضہ میں محسوب ہو جائیں گے ۔ اگر ادائے قرض سے پہلے تلف ہو گئے تو محسوب نہ ہوں گے بلکہ ان کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے گا ۔ لیکن شے مرہونہ سے فائدہ اٹھانے کے عوض جو کچھ حاصل ہو ، مثلاً جانور کو کام میں لانے کا کرایہ وہ راہن کا حق نہیں ہے ۔ رہا یہ کہ آیا راہن کی اجازت سے مرتہن کو مال رہن سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مال رہن سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے اگرچہ راہن نے اس کی اجازت دے دی ہو، خواہ رہن کا سبب بیع ہو یا قرض، کیونکہ قرض دینے والا تو اپنا واجب الوصول قرض پورا وصول کرلے گا باقی رہا، یہ فائدہ جو بغیر کسی عوض کے وہ اٹھائے گا یہی ربا (سود) ہے لیکن اکثر اصحاب کا یہ خیال ہے کہ مرتہن کو مال مرہونہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے بشرطیکہ راہن اجازت دے دے ۔ مگر یہ اجازت قرض کی شرایط میں نہ ہونا چاہیے ، اس واسطے کہ اگر ایسی شرط لگائی گئی تو وہ ایسا قرضہ ہوگا جس سے فائدہ اٹھایا گیا اور یہی ربا (سود) ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے کچھ قرض لیا اور اسے کچھ تحفہ کے طور پر دیا تو اب اگر یہ ہدیہ اس قرض کی شرط ہے تو یہ مکروہ ہے اگر بغیر شرط کے دیا تو جائز ہے ۔

اگر مرتہن کو رہن شدہ کے استعمال کی اجازت دے دی گئی تو اب اس سے ←

← پھرنا روا نہیں ہے - اگر مرتہن مال مرہونہ کو مالک کی اجازت سے کام میں لایا اور اس دوران وہ تلف ہوگیا تو گویا امانت تلف ہوئی ، لہٰذا مرتہن پر اس کا تاوان نہ ہوگا اور وہ قرض بلا رہن رہ جائے گا - لیکن اگر استعمال کرنے کے بعد یا استعمال سے پہلے تلف ہوا تو گویا قرض دی ہوئی چیز تلف ہوئی (جس پر تاوان واجب ہے) -

اگر راہن نے مال مرہونہ پر مرتہن کی اجازت کے بغیر تصرف کیا اور اسے فروخت کیا تو اس فروخت پر عمل درآمد نہ ہوگا - ہاں قرض اتارنے کے بعد یہ ہو سکتا ہے - اگر اس بیع کی اجازت مرتہن نے نہیں دی تھی تو اسے بیع کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہے ، بلکہ اس بیع کو لاگو (یا قابل عمل درآمد) نہ مانا جائے گا - ایسی صورت میں خریدار کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ میعاد رہن کے ختم ہونے کا انتظار کرے اور یا حاکم شرع کے پاس نالش کرکے اس بیع کو منسوخ کرا لے اور بقول صحیح یہ اختیار اسے ہوگا ، خواہ خریدنے سے پہلے اسے یہ علم رہا ہو کہ یہ مال مرہونہ ہے یا نہ رہا ہو - اسی طرح اگر مرتہن نے مال مرہونہ کو راہن کی اجازت کے بغیر بیچ دیا اور راہن نے اس کی اجازت دے دی تو بیع لاگو ہوگی ورنہ لاگو نہ ہوگی اور راہن کو حق ہے کہ اس بیع کو باطل کرکے اس مال کو پھر مال رہن کے طور پر اس کے پاس رکھ دے - یہی صحیح ہے -

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ راہن کی اجازت کے بغیر اگر مرتہن مال رہن کو فروخت کردے تو بیع نافذ ہوجائے گی ، لہٰذا اگر راہن نے مال مرہونہ کے فروخت کرنے کی اجازت مرتہن کو دے دی ہے تو اس کے دام اس مال کے بدل مرتہن کے پاس رہن رہیں گے خواہ خریدار سے وہ دام وصول ہوگئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں- یہ دام اصل شے مرہونہ کی بجائے متصور ہوں گے - ورنہ مال کی قیمت ابتداءً قابل رہن نہیں ہوتی ، کیونکہ وہ (ابتدائی حیثیت میں) قرض ہوتی ہے اور جو چیز قرض ہو وہ رہن رکھے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا - یہ حالت اس پر منطبق نہیں ہوتی ، کیونکہ اس میں ابتدائی قرض کو رہن نہیں رکھا گیا (بلکہ ابتدا میں کوئی چیز رہن تھی بعد میں اس کی قیمت قرض بن گئی) - ←

اگر مرتہن مال مرہونہ عاریتاً راہن کو دے دے تو اس سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ اس سے مرتہن کی ذمہ داری اٹھ جاتی ہے کیونکہ وہ مال مرہونہ کا ذمہ دار اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ مال اس کے پاس ہے؛ اگر اس نے مال رہن کو راہن کے حوالے کیا اور وہ مال اس کے پاس جا کر تلف ہوا تو مرتہن اس کا دین دار نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کے تلف ہو جانے سے اس کے قرض واجب الوصول میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ہاں اگر راہن اس مال کو پھر مرتہن کے حوالہ کردے تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر عاید ہو جائے گی اور مرتہن کو یہ حق ہے کہ واپس دیے ہوئے مال رہن کو پھر اپنے قبضہ میں لے لے۔ اگر (احیاناً) واپس لینے سے پہلے راہن فوت ہو جائے تو مرتہن کو (ادائے قرض میں) تمام دوسرے قرض خواہوں پر فوقیت دی جائے گی۔

یاد رہے کہ مال مرہون کا راہن کو اس طرح واپس دینا جو اعارہ (عاریتاً دینا) کہا جاتا ہے اس میں ذرا سی غلطی ہے، کیونکہ عاریتاً دینا تو یہ ہے کہ کسی شخص کو بلا معاوضہ فائدہ اٹھانے کے لیے ایک شے کا مالک بنا دیا جائے، لیکن مرتہن جو دیتا ہے وہ مالک نہیں بنا دیتا تاہم چونکہ مال مرہونہ جب راہن کو دیا جاتا ہے تو مرتہن پر اس کی ذمہ داری اسی طرح نہیں رہتی جس طرح عاریتاً دیے ہوئے مال پر نہیں رہتی اور یہ بھی جائز ہوتا ہے کہ وہ اسے واپس لے لے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو عاریتاً دی ہوئی شے کی صورت میں بھی ہوتی ہیں اس لیے اس کو اعارہ (عاریتاً دینا) کہا جاتا ہے۔ اور ودیعت (یعنی سپردگی اور امانت) میں دینے کے بھی وہی احکام ہیں جو عاریتاً دینے کے ہیں۔ اگر راہن مرتہن کو یہ اجازت دے دے کہ وہ مال مرہونہ کسی اور کے پاس امانتاً سپرد کردے اور امانتی کے پاس وہ تلف ہو جائے تو وہ قرض میں محسوب ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مال راہن کی اجازت سے کسی کی ودیعت (سپردگی) میں دیا جائے تو اس صورت میں ودیعت اور عاریت کے احکام میں فرق ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ مال مرہونہ میں تصرف کی چھ صورتیں ہیں:

اول، عاریت (مانگے کو دینا)

دوم، ودیعت (امانت کے طور پر دینا) اس کا حکم اوپر بتایا گیا۔

→ سوم ، رہن جس سے سابقہ رہن باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر راہن نے مرتہن کو اجازت دی کہ وہ مال مرہونہ کو کسی اور کے پاس رہن رکھ دے تو موجودہ رہن باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر مرتہن ، راہن سے کہے وہ (اپنی رہن رکھی ہوئی شے) کسی اور کے پاس رہن رکھ دے تب بھی رہن باطل ہو جائے گا۔

چہارم اجارہ (کرایہ پر دینا) اس کی دو حالتیں ہیں :

پہلی حالت یہ ہے کہ راہن خود کرایہ پر لے مثلاً محمد نے خالد کے پاس بیلوں کا جوا رہن رکھا پھر محمد ہی نے اس جوے کو اس سے کرائے پر لیا تو یہ کرائے پر لینا باطل ہو گا اور مال مرہونہ کو عاریتاً لی ہوئی چیز تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ تلف ہو جائے تو اس کا تاوان نہ ہو گا۔ ہاں مرتہن کو یہ حق ہو گا کہ اسے جب چاہے واپس لے لے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والا مرتہن ہو اور وہ مال جو اس کے پاس رہن ہے اسے خود کرایہ پر لے یا کوئی اور شخص ان دونوں کی اجازت سے کرایہ پر لے ، ایسی صورت میں عقد رہن ٹوٹ جائے گا اور کرایہ وصول شدہ راہن کا ہو گا اور وصول کنندہ وہ ہو گا جس نے ان دونوں میں سے کرائے کے معاملہ کو اٹھایا تھا۔ (کرائے پر دینے کے بعد) وہ مال رہن نہ رہے گا جب تک کہ اسے نئے سرے سے پھر نہ رہن رکھا جائے۔

پنجم 'بیع' اس کے مسائل بتائے جا چکے ہیں۔

ششم ، 'ہبہ' یہ بھی بیع کی مانند ہے کہ اگر راہن مرتہن کو اجازت دے دے کہ وہ مال مرہونہ کو ہبہ کر دے تو رہن باطل ہو جائے گا۔ راہن ، مرتہن یا دونوں کی موت سے ہبہ باطل نہیں ہوتا اور شے مرہونہ بدستور وارثوں کے پاس رہن رہتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مال مرہونہ یا تو کوئی جانور ہو گا جس پر سواری کی جا سکے یا اس کا دودھ نکالا جا سکے اور یا وہ مال جانور کے علاوہ اور کچھ ہو گا۔ اگر دودھ دینے والا یا سواری کے قابل جانور ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اس پر سواری کرے یا اس کا دودھ دوہے۔ راہن کی اجازت کے بغیر ←

←۔ وہ ایسا کر سکتا ہے اور یہ اس خرچ کے معاوضہ میں ہو گا جو مرتہن اس جانور پر کرتا ہے ، تاہم اس بارے میں انصاف کو ملحوظ رکھنا چاہیے -

اگر مال رہن دودھ دینے والا یا سواری کے قابل جانور نہیں ہے تو اس صورت میں مرتہن کے لیے جائز ہے کہ مال مرہونہ سے باجازت راہن بغیر کسی معاوضہ کے فائدہ اٹھائے ، بشرطیکہ وہ جانور قرض کے بدل رہن نہ رکھا گیا ہو - اگر وہ قرض کے عوض رہن ہو تو مرتہن کو اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے اگرچہ راہن نے اس کی اجازت دے دی ہو - اسی طرح راہن کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مال مرہونہ میں کوئی تصرف کرے لہٰذا وہ اپنے رہن رکھے ہوئے مال کو مرتہن کی اجازت کے بغیر نہ وقف کر سکتا ہے اور نہ کسی اور کے پاس دوبارہ رہن رکھ سکتا ہے - مرتہن بھی راہن کی اجازت کے بغیر ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا - اگر فریقین اس بات پر متفق نہ ہوں تو مال مرہونہ کا فائدہ معطل کر دیا جائے گا (یعنی اس سے کوئی بھی استفادہ نہ کر سکے گا) - چنانچہ اگر کوئی مکان رہن ہے تو اسے مقفل کر دیا جائے گا اور اگر زمین ہے تو فک رہن تک اس سے کچھ فائدہ حاصل کرنا روک دیا جائے گا اور فریقین میں سے کسی کو بھی اس میں تصرف کرنا صحیح نہ ہو گا - اور وہ شے جو مال مرہونہ سے پیدا ہو، خواہ اس سے متصل ہو یا منفصل ، جیسے دودھ ، انڈے اور اون اور یا جو کچھ اس سے جھڑ جائے جیسے چھال ، شاخیں اور ڈنٹھل ، یا درخت سے جو کچھ کاٹا جائے جیسے خشک لکڑی یا مکان کا ملبہ - یہ تمام اشیاء مرتہن یا اس کے وکیل کے پاس یا اس کے پاس جس پر فریقین متفق ہوں بطور رہن ہوتی ہیں - چنانچہ اگر اصل کو بیچا جائے تو یہ اشیاء بھی اس کے ساتھ فروخت ہو جاتی ہیں - ہاں اگر ایسی کوئی شے ہو جو باقی نہیں رکھی جا سکتی تو اسے فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت مرتہن کے پاس (اس رہن کے عوض) رہے گی -

واضح ہو کہ راہن کو یہ اختیار ہے کہ وہ شے مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت مرتہن کو دے - لیکن اس کی تین صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے بیچنے کی اجازت دی جائے ←

قرض کا بیان

قرض کی تعریف

'قرض بفتح قاف و بکسر' کے لغوی معنی 'قطع' (یعنی کاٹنے یا جدا کرنے) کے ہیں - پس وہ مال جو آپ کسی شخص کو دے کر اپنے سے جدا کرتے ہیں، اسے قرض کہتے ہیں، کیونکہ وہ مال مالک (کے تصرف) سے جدا ہو جاتا ہے - اسی سے استقراض بنا ہے جس کے معنے قرض مانگنے کے ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ استقرض منہ یعنی کسی نے فلاں شخص سے قرض مانگا اور اس نے قرض دیا - اور مقارضہ و اقراض بالکسر بھی اسی سے نکلا ہے - یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی مال بغرض تجارت (یا کاروبار) اس شرط پر دے کہ اس سے جو نفع حاصل ہو گا اس میں حسب شرایط طے شدہ دونوں شریک ہوں گے -

فقہی اصطلاح میں قرض کے معنیٰ بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

ــ اور یہ شرط ہو کہ اس کی جو قیمت حاصل ہو گی وہ (اس مال مرہونہ کے بدل) رہن رہے گی - اس صورت میں وہ بیع اور یہ شرط دونوں باتیں درست ہیں -

دوسری صورت یہ ہے کہ قرض کا کچھ حصہ ادا کرنے کے بعد اس مال کو فروخت کرنے کی اجازت دی جائے - اس صورت میں بھی بیع درست ہے اور اس کی فروخت سے جو دام ملیں گے اس میں سے صرف اس قدر جو راہن ادا کر چکا ہے، لے لے گا، باقی قیمت رہن رہے گی درآنحالیکہ یہ شرط ہو چکی ہو -

تیسری صورت یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے مال مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت دے دی جائے - ایسی صورت میں رہن ختم ہو جائے گا اور بیع نافذ ہو گی اور مرتہن کا قرض بغیر کسی ضمانت (رہن) کے باقی رہے گا -

---

۱ - مالکیہ کہتے ہیں کہ 'قرض' کے معنے اصطلاح (شریعت) میں یہ ہیں کہ "کوئی شخص ایسی چیز جو مالیت رکھتی ہو دوسرے شخص کو محض نیکی کے خیال سے دے، بایں طور کہ یہ دینا وقتی طور پر عاریتاً جواز (استعمال) کا مقتضی نہ ہو اور اس شرط پر دیا ہو کہ اس کے عوض میں اتنا ہی جو مقروض پر ــ

→ واجب ہوا اس سے واپس لیا جائے گا - اور جو کچھ لیا جائے گا وہ قرض میں دی ہوئی شے سے جداگانہ شے نہ ہو گی-"

اس تعریف میں یہ جو کہا گیا کہ وہ شے مالیت کی چیز ہو اس سے وہ شے خارج ہو گئی جس کی کوئی مالیت نہیں ہوتی مثلاً کسی شخص کو تھوڑی سی آگ دی گئی کہ اس سے وہ اپنا ایندھن جلا لے ، یا ایسی ہی اور کوئی معمولی سی شے جو بالعموم لوگ لیتے دیتے ہیں قرض نہیں ہے، کیونکہ ان اشیاء کی کوئی مالی حیثیت نہیں ہوتی - اور یہ جو کہا گیا کہ محض نیکی کے لیے دیا جائے)، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینے کا مقصد صرف یہ ہو کہ لینے والا اس سے فائدہ اٹھا لے - اس کہنے سے سودی معاملہ خارج ہو گیا ، کیونکہ اس میں اس نفع کے پیش نظر قرض دیا جاتا ہے جو قرض دینے والے کو حاصل ہوتا ہے- عاریتاً جواز کے مقتضی نہ ہونے کی جو قید لگائی گئی اس سے عاریت (یا مانگے کے طور پر) کوئی چیز دینے کا معاملہ خارج ہو گیا - کیونکہ گو اس میں بھی مانگے کی چیز سے لینے والے کو فائدہ اٹھانا جائز ہے ، لیکن اسے قرض نہیں کہا جاتا - اور دی ہوئی شے کے عوض اتنا ہی لینے کی جو شرط ہے اس سے بلا معاوضہ ہبہ کرنے کی صورت خارج ہو گئی - اور یہ قید کہ وہ شے جو ادائیگی قرض میں دی جائے وہ قرض دی ہوئی شے سے مختلف نہ ہو ، اس لیے ہے کہ معاملۂ سلم اور صرافہ کا معاملہ اس سے خارج ہو جائے ، کیونکہ معاملۂ سلم کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں راس المال جو (قرض کے طور پر) دیا جاتا ہے اس کے عوض میں جو کچھ لینا ہوتا ہے وہ اس مال سے جداگانہ کوئی شے ہوتی ہے - اور یہی صورت صرافہ میں ہے کہ اس میں اشیائے مبادلہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں - اور تاخیر سے ادائیگی کی شرط جو ہے اس سے ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلہ کا معاملہ خارج ہو گیا- چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بوری گندم کے عوض کسی سے اتنی ہی گندم کا معاملہ کرے اور لین دین اسی وقت ہو جائے تو اسے قرض (کا لین دین) نہیں کہیں گے، بلکہ اسے مبادلہ کہتے ہیں - واضح ہو کہ قرض کا لین دین ہر ایسی شے میں ہو سکتا ہے جس میں معاملۂ سلم ہو سکتا ہے ، خواہ وہ مال تجارت ہو یا جانور ہو یا مثلی اشیاء ہوں -

حنفیہ کہتے ہیں کہ قرض یہ ہے کہ کسی کو مال مثلی دیا جائے ←

← بایں شرط کہ اسی کے مساوی وصول کیا جائے گا ۔ لہٰذا قرض کے معاملہ میں یہ شرط ہے کہ وہ مال جو قرض میں دیا جائے وہ مال مثلی ہو ۔ مال مثلی کی تعریف یہ ہے کہ اس کی خاص مقدار اور اسی جنس کی ہم مقدار شے میں باہم تفاوت نہ ہو کہ ان کی مالیت مختلف قرار پائے ۔ ایسی اشیاء وہ ہیں جو پیمانے یا وزن سے ناپی یا تولی جاتی ہیں یا پھر وہ اشیاء ہیں جو گنی جاتی ہیں ، بشرطیکہ ان کی (جسامت میں) باہم فرق نہ ہو جیسے انڈے یا شامی اخروٹ جنہیں ''عین الجمل'' کہتے ہیں ۔ اور وہ اشیاء جو مثلی نہیں ہیں ان کی مثال جانور ، ایندھن اور سامان خانہ وغیرہ ہیں جن کا اندازہ قیمت سے لگایا جاتا ہے ، ایسی اشیاء کا قرض لین دین درست نہیں ہے ۔ اسی طرح گنتی کی وہ اشیاء (بھی غیر مثلی ہیں) جن کی الگ الگ قیمتوں میں تفاوت ہوتا ہے ، مثلاً تربوز اور انار وغیرہ جن کا ذکر ''بیع سلم'' کے بیان میں آ چکا ہے۔ ان اشیاء کا بھی قرض لین دین درست نہیں ہے ۔ پس اگر ان میں سے کوئی شے قرض لی گئی تو وہ قرض فاسد ہو گا ۔ تاہم اگر قرض لینے والا اس کا قبضہ حاصل کر لے تو وہ اس کا مالک قرار دیا جائے گا ۔ مثلاً کسی نے کوئی اونٹ بطور قرض لیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کا مالک متصور ہو گا ۔ لیکن اس اونٹ سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے ، البتہ اگر اسے فروخت کیا تو یہ فروخت درست متصور ہو گی، کیونکہ وہ شخص (شرعاً) اس کا مالک ہو گیا تھا ۔ تاہم ایسا کرنا گناہ ہے، کیونکہ فاسد معاملات کا فسخ کرنا واجب ہے اور فروخت کرنے کے بعد معاملہ فسخ نہیں ہو سکتا ۔ پس گویا اس نے ایسا کام کیا جو حکم واجب کے منافی ہے ، لہٰذا گنہگار ہوا ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شریعت کی رو سے (لفظ) قرض کا اطلاق شے مقرض بفتح را (یعنی قرض دی ہوئی شے) پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ (مقرض) اسم مفعول ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''من ذاالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً''

(یعنی ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسنہ دے ؟) یہاں پر لفظ قرض موصوف ہے جس کی صفت 'حسن' آئی ہے ۔ ←

مسائل متعلقہ قرض کا بیان

قرض کے متعلقہ مسائل مختلف مسالک کی رو سے تفصیل طلب ہیں ۔[1]

قرض کا لفظ مصدر کی صورت میں اقراض (قرضہ دینے) کے معنے میں آتا ہے ۔ قرض کو 'سلف' بھی کہتے ہیں اور سلف کے معنے ہیں کسی کو ایک چیز کا مالک اس شرط پر بنا دینا کہ وہ اتنی ہی چیز واپس کرے گا ۔ آج کل جو یہ رواج ہے کہ تقاریب میں اہل تقریب کے ہاتھ یا اس شخص کے ہاتھ میں جسے کسی کو اس کے لیے کہا گیا ہو کوئی تحفہ شادی (یا نیوتا) دیا جاتا ہے وہ قرض ہوتا ہے ، کیونکہ اس مال کا مالک دوسرے کو اس لیے بنایا جاتا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی دے گا ۔ اس کی بابت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ (قرض نہیں بلکہ) ہبہ (عطیہ) ہوتا ہے جس میں واپسی نہیں ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ (اسے قرض یا ہبہ قرار دینا) دستور پر موقوف ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قرض یہ ہے کہ کسی کو اپنے کام میں لانے کے لیے اس ارادے سے کچھ دیا جائے کہ وہ اتنا ہی واپس دے گا ۔ یہ بھی ادھار سودے کی ایک قسم ہے تاکہ قرض لینے والے نے جو کچھ قرض لیا ہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب قرض لینے والا قرض کی چیز کا قبضہ لے لے تو یہ ایک واجب النفاذ معاملہ ہو جاتا ہے۔ اب قرض کا معاملہ طے ہونے کے بعد قرض دینے والے کو اپنی بات سے پھرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ اپنا حق تصرف اس مطالبہ کے عوض جو مقروض سے واجب الوصول ہے' ختم کر چکا ہے ۔ لیکن قرض لینے والا اپنے حق کے بارے میں اس معاملہ کا پابند نہیں ہے ، کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ اب بھی اسے حق ہے کہ قرض لینے کے معاملہ سے پھر جائے ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسائل متعلقہ قرض کے منجملہ یہ ہے کہ اس میں لین دین برابر سرابر ہوتا ہے ۔ چنانچہ اگر پیمانے والی کوئی شے قرض دی گئی ، مثلاً گندم تو یہ لازم ہو گا کہ جو شے لی ہے وہ اسی قدر واپس کرے قطع نظر اس کے کہ وہ سستی ہو یا مہنگی ہو۔ یہی حکم ان اشیاء کا ہے جن کا سودا گنتی سے یا وزن سے کیا جاتا ہے ، چنانچہ اگر مثلاً سکے (یارائج الوقت قرش کی خاص ←

ہے۔ تعداد) قرض لی اور معاملہ ختم ہو گیا تو اتنی ہی تعداد میں اسے واپس کرنا ہو گا۔ اسی طرح اگر مثلاً بیس پونڈ گوشت ادھار لیا اور ایک پونڈ گوشت کا بھاؤ اس وقت پانچ قرش تھا، پھر اس کا بھاؤ گر کر دو قرش فی پونڈ رہ گیا تو بیس ہی پونڈ گوشت واپس کرنا ہو گا۔ اسی طرح اگر کچھ روٹی قرض لی تو اتنی ہی تعداد میں اس کا واپس کرنا لازم ہے جتنی لی تھی یا اتنے ہی وزن کی واپس کرنا ہو گی جتنے وزن کی قرض لی تھی درآنحالیکہ روٹی کا قرض گن کر اور وزن کر کے دونوں طرح ہو سکتا ہو۔

قرض کے متعلقہ مسائل میں ایک یہ بھی ہے کہ حصول قرض کے لیے کسی کو وکیل بنانا درست ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ مجھے اتنا قرض دو اور پھر کوئی وکیل بنا دے کہ وہ قرض اس سے حاصل کرے۔ (یہ تو درست ہے) لیکن کسی کو اس کام کے لیے مقرر کرنا، یعنی طلب قرض کے لیے وکیل بنا دینا درست نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو وکیل بنایا کہ فلاں شخص کے پاس جا کر اس کے لیے کچھ قرض لائے تو اس صورت میں وہ اس کا وکیل متصور نہ ہو گا لہٰذا اگر اس شخص نے کچھ قرض لے لیا اور یہ کہا کہ جس شخص کے لیے میں نے قرض لیا تھا اسے میں نے دے دیا ہے لیکن یہ شخص انکار کرتا ہے تو اس قرض لیے ہوئے مال کا وہ ذمہ دار ہو گا جسے قرض کے لیے کہا گیا تھا اور کہنے والے پر کچھ لازم نہ ہو گا، کیونکہ اس بارے میں اس کی وکالت مانی نہیں جائے گی۔ تاہم اگر قرض حاصل کرنے کے لیے کوئی قاصد کسی کے پاس بھیجا جائے کہ اس کے لیے کچھ قرض لے آئے اور وہ جا کر کہے کہ فلاں صاحب آپ سے اس قدر قرض مانگ رہے ہیں، اور وہ دے دے تو اب ادائے قرض کی ذمہ داری اس پر ہو گی جس نے یہ کہہ کر اسے بھیجا تھا۔ لیکن اگر اس قاصد نے یوں کہا کہ آپ مجھے اتنا قرض دے دیجیے، یعنی قرض لینے کی نسبت اپنی طرف کی اور قرض مل گیا تو یہ مال اسی کا ہو گا اور اسے حق ہے کہ بھیجنے والے کو نہ دے۔ اس مسئلے کی کچھ تفصیل قسم کے بیان میں ہو چکی ہے۔

اور منجملہ مسائل قرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو قرض دے←

← اور کوئی (ذاتی فائدہ) پیش نظر ہو تو یہ فعل مکروہ ہے۔ لیکن اس (کراہیت) کا اطلاق اس صورت میں ہو گا جبکہ قرض کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی جائے۔ مثلاً کسی کو بیس بوری گندم بغیر چھانے پھٹکے قرض دی اور یہ شرط لگا دی کہ اس کے عوض صاف گندم لوں گا ۔ لیکن اگر کسی کو قرض میں گھٹیا چیز دی اور قرض لینے والے نے اس کے عوض اچھا مال ادا کیا جس کی شرط نہ تھی تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے ۔ اسی طرح کی یہ مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کو کچھ مال قرض دے اور قرض لینے والا اس شخص سے بھاری قیمت میں وہ خرید لے (تو مکروہ نہیں ہے) مثلاً کسی کے پاس ریشمی یا سوتی کپڑے ہیں جن میں سے ہر ایک کی قیمت دس ہے ۔ اب کسی نے آ کر اس سے دو سو قرض مانگے، اس نے قرض کا کچھ حصہ تو کپڑے کی شکل میں دیا' بایں طور کہ (دس والا کپڑا) بیس میں دیا اور باقی نقدی قرض میں دے دی تو ایسا کرنا جائز ہو گا ، بشرطیکہ قرض لیتے وقت یہ شرط نہ رہی ہو ۔ اس صورت کے قرض کو بھی بعض اصحاب مکروہ کہتے ہیں ۔ ہاں اگر یہ شرط قرض لیتے وقت لگا دی گئی ہو تو یہ معاملہ مکروہ ہو گا ۔

گو اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے کہ مقروض کوئی چیز بطور تحفہ قرض دینے والے کو دے ، تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسا کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

اسی طرح کی باتوں میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی سے نقدی قرض کی درخواست کرے اور وہ کہے کہ (نقد تو نہیں ، ہاں) مجھ سے یہ کپڑا بیس میں (قرض) خرید لو ۔ اب اس نے وہ کپڑا بیس میں خریدا اور کسی کے ہاتھ دس میں فروخت کر دیا اور اس نے اصل کپڑے والے کو دس میں فروخت کر دیا اور اس نے وہ کپڑا لے کر پہلے خریدار کو دے دیا جس نے اسے لے لیا اور اس طرح اس کے ذمہ بیس (کے بیس) واجب الادا رہے (یعنی دس تو وہ جو اس نے پہلی بار کپڑے کو فروخت کرکے نقد حاصل کیے اور دس کا یہ کپڑا) اس قسم کی بیع کو بیع العینہ بکسر العین (یعنی ادھار کی شرط پر قیمت موجودہ سے زیادہ میں بیچنا) کہتے ہیں ۔ اس کو بعض اصحاب جائز اور بعض مکروہ کہتے ہیں ۔

منجملہ مسائل قرض ایک ایسے بچے کا قرض لینا ہے جو محجور ہو (یعنی اہلیت ←

← معاملہ نہ رکھتا ہو) جائز نہیں ہے ؛ لہٰذا اگر کسی نے ایسے ہی کسی بچے کو قرض دیا اور بچے نے جو لیا تھا وہ ضائع کر دیا تو دینے والے کا مال ضائع ہوگیا۔ البتہ اگر اُس بچے کو محجور (معاملہ کا نااہل) قرار نہ دیا گیا ہو اور اُسے مال میں تصرف کی اجازت ہو تو اُسے قرض دینا درست ہے اور اُسے بالغ تصور کیا جائے گا۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ محجور شخص اگر قرض میں لیے ہوئے مال کو ضائع کر دے تو اُس کی ادائیگی کا ذمہ دار رہے گا۔ ہاں اگر وہ مال احیاناً از خود ہی تلف ہوگیا تو بالاتفاق اُس کا تاوان کسی پر عاید نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر معتوہ شخص کا (یعنی جسے معاملہ کا نااہل قرار دے دیا گیا ہو) وہی حکم ہے جو بچے کا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قرض کے بارے میں حسب ذیل چند احکام ہیں :

ایک تو یہ کہ اُس کے (معاملۂ قرض کے) وہی ارکان ہیں جو بیع کے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ جو شے قرض دی جائے اُس کی مقدار معلوم ہو اور یہ بھی لازم ہے کہ فریقین کی جانب سے بیع کی طرح ایجاب و قبول (رضا کا اظہار) ہو۔ اب یہ ایجاب (یعنی قرض دینا) صراحتاً بھی ہو سکتا ہے اور اشارۃً بھی؛ صراحتاً تو یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں یہ چیز آپ کو بطور قرض یا ادھار دیتا ہوں۔ اور یوں کہنا بھی صراحت ہی ہے کہ میں نے اس چیز کا مالک آپ کو اس شرط پر بنایا کہ پھر اتنی ہی چیز واپس کر دینا۔ یا یوں کہا کہ ”لے لیجیے، اس کے عوض اتنا ہی دے دیجیے گا“ یا یہ کہا کہ ”اسے لے کر کام چلاؤ پھر مجھے اس کے عوض دے دینا“۔

واضح ہو کہ ایک صورت حکمی قرض کی ہے (یعنی ایجاب و قبول نہ ہو پھر بھی وہ قرض کے حکم میں متصور ہوتا ہے)، اس میں ایجاب و قبول نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کا کوئی مویشی ہاتھ لگا اور اُس پر (چارہ وغیرہ میں) اسے خرچ کرنا پڑا تو خرچ گویا اُس مویشی والے پر قرض ہے جس میں گو ایجاب و قبول کی شرط پوری نہیں ہوتی پھر بھی یہ قرض واجب الوصول رہتا ہے۔

دوسرے یہ ضروری ہے کہ مقرض بکسر را ، یعنی قرض دینے والا اس کارخیر کے انجام دینے کا حق رکھتا ہو ، لہٰذا کسی والی (یا سرپرست) کو یہ حق نہیں ہے←

← کہ وہ محجور کا مال (یعنی اُس شخص کا مال جسے تصرف سے روک دیا گیا ہو) کسی کو قرض دے ، درآنحالیکہ ایسا کرنے کی ضرورت نہ ہو - مثلاً تحویل دار (ولی) کے پاس اُس کے لٹ جانے یا تلف ہوجانے کا ڈر وغیرہ ہو۔ البتہ قاضی (حاکم شرع) کو اختیار ہے کہ مال محجور کسی کو یہ دیکھ کر کہ لینے والا ایمان دار ہے اور بہ آسانی ادا کرسکتا ہے ، قرض دے دے - اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرض دینے والے نے وہ قرض اپنے اختیار سے دیا ہو ؛ جبریہ قرض بھی دوسرے جبری معاملات کی طرح درست نہیں ہے - قرض لینے والے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ وہ معاملہ کرنے کا مجاز ہو، یعنی بالغ و عاقل ہو اور محجور (محروم التصرف) نہ ہو -

تیسری بات جو قرض کی شے کے لیے شرط ہے یہ ہے کہ وہ چیز ایسی ہو جس کی بیع سلم (یعنی وعدہ ادائیگی مال کا قرض سودا) ممکن ہو۔ اس میں یہ شرط ہے کہ اُس شے کی تفصیل ذمہ داری کے ساتھ (پختہ طور پر) بتائی جا سکے - مثلاً یہ کہ میں اپنا اونٹ جس کی یہ تفصیل ہے ، آپ کو قرض دیتا ہوں - ایسی صورت میں لازم ہوگا کہ قرض لینے والا فوراً اُس (مال قرض) پر قبضہ کرلے - لہٰذا قبضہ لینے میں تاخیر درست نہیں ہے ، تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسی جگہ قبضہ لیا جائے گا؛ فریقین وہاں سے ہٹ جائیں تب بھی قبضہ لیا جا سکتا ہے (لیکن فوری طور پر) - اگر قرض کی چیز کوئی متعین شے ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں یہ اونٹ جو یہاں موجود ہے (قرض دیتا ہوں) تو اس صورت میں فوراً ہی قبضہ حاصل کرنا شرط نہیں ہے ، کیونکہ کسی شے کی تعیین اُس کی مکمل تفصیل بیان کرنے سے زیادہ پختہ امر ہے - پس اس کے لینے میں تاخیر ہو تو مضایقہ نہیں ہے -

بیع سلم کے باب میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ متعین شے کے بارے میں بیع سلم کا معاملہ درست نہیں ہے ، ہاں اُس کو قرض دیا جا سکتا ہے۔ اور یہ جو قید لگائی گئی کہ وہ شے ایسی ہو جس میں بیع سلم ممکن ہے اس سے وہ اشیاء خارج ہو گئیں جن کی تفصیل مکمل بتائی جا سکتی ہے، لیکن بیع سلم نہیں ہوسکتی مثلاً حاملہ جانور کہ اُسے نہ قرض دیا جا سکتا ہے اور نہ اُس کی بیع سلم ہو سکتی ہے - اور بیع سلم کے قابل ہونے کی شرط عاید کیے جانے کا سبب یہ ہے کہ جس ←

← شے کی بیع سلم نہیں ہوسکتی وہ چیز ایسی ہے جس کی تفصیل کو ضبط میں نہیں لایا جا سکتا یا پھر وہ نادرالوجود ہو کہ اُس جیسی شے کا واپس کرنا مشکل ہے -

اس حکم سے روٹی مستثنیٰ ہے کہ اس کی بیع سلم نہیں ہو سکتی ، لیکن قرض میں اس کو تول کر دینا جائز ہے کیونکہ عام طور پر اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اسے تول کر اور گن کر بھی دونوں طرح قرض میں دیا جا سکتا ہے -

مشترکہ سامان کا آدھا حصہ مثلاً گھر کا نصف حصہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں بیع سلم نہیں ہے لیکن قرض درست ہے - اس کا سبب یہ ہے کہ قرض کی شے میں یہ امر ملحوظ رہتا ہے کہ قرض کی چیز کوئی ایسی شے ہو جس کی مثال موجود ہو ، تاکہ قرض لینے والے کو ادا کرنا ممکن ہو - مشترکہ مکان کا نصف حصہ ایسی شے ہے جس کی مانند اُسی جیسا مکمل طور پر موجود ہے - پس اندریں حال درست ہوگا کہ قرض لینے والا دوسرے نصف حصہ سے اپنے قرض کی ادائیگی کردے جو اُسی جیسا ہے - لیکن اس کی بیع سلم (یعنی وعدہ ادائیگی مال کی شرط والا سودا) ممکن نہیں ہے ، کیونکہ قرض کی چیز نادرالوجود ہے کہ بجز اُس نصف حصہ کے اُس جیسی چیز دستیاب نہیں ہے - اگر وہ نہ ہو تو اُس جیسا مکان ملنا دشوار ہے ، لہٰذا اس میں معاملۂ سلم نہیں ہو سکتا - یاد رہے کہ کسی سامان خانہ کا دو تہائی حصہ یا پورا سامان قرض میں دینا درست نہیں ہے اور نہ اس میں بیع سلم ہو سکتی ہے ، کیونکہ اس کی مثل موجود نہیں ہے - اب ایسے معاملات میں یہ نہیں کہا جا سکتا کسی سامان خانہ کا دو تہائی حصہ یا پورا سامان پورا قرض میں لے لیا جائے اور اُس کی ادائیگی اور دوسرے سامان کی شکل میں کر دی جائے کیونکہ قرض میں یہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ قرض کی چیز ظاہر و باطن ہر دو لحاظ سے ویسی ہی واپس کی جائے بلکہ ادائیگی قرض کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی نظیر دوسرے سامان میں موجود ہے - مگر ایسا اس واسطے نہیں ہو سکتا کہ اس طرح کی ادائیگی میں جھگڑا اٹھ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ قرض خواہ راضی نہ ہو جب تک کہ ادائیگی میں مال قرض کی ہم شکل چیز نہ دی جائے اور مال قرض کی نظیر میں کوئی اور سامان لینا وہ منظور نہ کرے - تاہم اگر قرض خواہ ←

← پہلے ہی سے مال قرض کے عوض کوئی اور سامان لینے پر راضی ہوگیا ہو تو بظاہر ایسا کرنا درست ہوگا۔

آمور بالا سے واضح ہے کہ (صرف) ایسی اشیاء کا قرضہ درست ہے جس کی ہم مثل شے موجود ہو اور یا وہ ایسی شے ہو جو مالیت رکھتی ہو۔ اگر مثلی شے ہے تو قرض دار پر واجب ہے کہ اُسی جیسا مال واپس کرے، خواہ وہ شمار میں آنے والی نقدی ہو یا کوئی اور شے ہو۔ اب اگر کچھ نقدی قرض لی گئی اور اس کا رواج (لین دین) ختم ہوگیا لیکن اس کی قیمت بحال ہے تو اُسی جیسی شے کا ادا کرنا لازم ہے۔ اگر اس کی مالیت گھٹ گئی ہو تو مطالبۂ ادائیگی کے وقت سے قریب ترین وقت میں جس قدر مالیت اس کی ہوتی ہے اتنا ہی ادا کرنا لازم ہے۔ یہی حکم پیسوں اور قرشوں کا ہے جو چاندی سونے کے نہیں ہوتے۔

قیمت والی اشیاء قرض کی صورت میں قرض لینے والے کو چاہیے کہ جو کچھ قرض کے عوض ادا کیا جائے وہ صورت میں اُس جیسا ہو، مثلاً اگر کوئی اونٹ قرض لیا ہے تو اُسی جیسے اونٹ کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے عوض گائے دے دی جائے۔ ہاں یہ درست ہے کہ قرض کے اونٹ سے زیادہ اچھا یا اُس سے بڑا اونٹ دیا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھ سال کا اونٹ قرض لیا اور اس کے عوض سات سال کا اونٹ دیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قرض کے ساتھ اگر کچھ نفع حاصل کرنے کی شرط لگا کر کوئی قرض دے تو یہ معاملہ فاسد ہوگا۔ مثلاً مال قرض کی مقدار یا اس کے وصف میں زیادتی کی شرط لگا کر قرض دینا، جیسے غیر صاف شدہ گندم کی ایک بوری قرض میں دی اور یہ شرط لگا دی کہ اس کے عوض چھانی پھٹکی گندم ادا کی جائے گی۔ یا یہ کہ قرض میں چاندی دی اور یہ شرط ٹھہری کہ سونا واپس لیا جائے گا۔ ہاں اگر کسی شرط کے لگائے بغیر ہی قرض لینے والے نے جتنا لیا ہے اُس سے زیادہ ادا کیا تو یہ ایک اچھی بات ہے، جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔

اگر قرض کے لیے کسی نے یہ شرط کی کہ بغیر رہن رکھے یا ضمانت یا گواہی کے قرض نہ دوں گا تو یہ درست ہے، کیونکہ معاملۂ قرض خود ان آمور کا متقاضی ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ ←

← خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرض کی شرایط تین قسم کی ہیں :

ایک تو یہ کہ قرض دینے کی غرض یہ ہو کہ قرض دینے والا کوئی فائدہ حاصل کرے ۔ ایسی صورت میں یہ قرض فاسد ہوگا اور معاملہ کو یہ مقصد ناقص کر دے گا ۔

دوسری قسم کی شرط یہ ہے کہ قرض لینے والا کوئی ایسی شرط جس سے خود اس کو نفع حاصل کرنا مقصود ہو ، مثلاً یہ شرط کہ بڑھیا قسم کی گندم قرض میں لوں گا اور گھٹیا قسم کی واپس کروں گا ۔ یہ شرط ناقص (یا بے اثر) ہوگی لیکن معاملۂ قرض (بجائے خود) درست ہوگا ۔

تیسری قسم کی وہ شرط ہے جو معاملہ کی مضبوطی کے لیے لگائی جائے ، مثلاً رہن یا ضمانت کی شرط یہ درست ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا ۔

واضح ہو کہ شرایط قرض کے یہ تمام مسائل اسی وقت مؤثر ہوں گے جب کہ معاملہ قرض میں ان کو شامل کیا جائے ۔ معاملہ سے پہلے تو فریقین کو اختیار ہے جو شرایط بھی چاہیں اس پر متفق ہو جائیں لیکن قرض کے معاملہ میں ان کا ذکر نہ کیا جائے ، کیونکہ ایسا کرنے سے یہ شرایط معاملہ ہی کو فاسد کر دیں گی ۔

اب مناسب ہوگا کہ اس مقام پر ربا (سود) سے بچنے کی ایک ترکیب بیان کردی جائے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے تو قرض دینے والے کو روا ہے کہ وہ اس کے ہاتھ کوئی شے واجبی قیمت سے زیادہ پر فروخت کردے پھر اسی شے کو جتنی قیمت پر فروخت کیا ہے اس سے کم میں خرید لے اور جتنے دام وصول کیے ہیں وہ قرض خواہ کو دے دے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ سو بوری گندم دو اشرفی ، فی بوری کے حساب سے فروخت کی جائے حالانکہ اس کی واجبی قیمت صرف ڈیڑھ اشرفی فی بوری ہے ۔ اس کے بعد اس گندم کو اسی واجبی نرخ سے خرید لے تو اس طرح اسے نفع حاصل ہو جائے گا اور اس میں سود نہ ہوگا ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قرض سے تعلق رکھنے والے احکام حسب ذیل ہیں :

منجملہ ان کے ایک یہ کہ ہر ایسی شے جس میں بیع سلم ہو سکتی ہے اس ←

← میں قرض بھی ہو سکتا ہے ، جیسے وہ اشیاء جن کی مقدار پیمانے یا وزن سے یا گنتی سے لگائی جاتی ہے - اس قسم کی تمام اجناس میں معاملۂ سلم (یعنی وعدہ ادائیگی مال پر سودا) ہو سکتا ہے ، چنانچہ گندم میں سلم ہو سکتا ہے ، کیونکہ یہ پیمانے سے نپنے والی شے ہے اور گوشت بھی اس میں شامل ہے، اگرچہ احیاناً اس میں معاملۂ سلم ممکن نہیں ہوتا لیکن اس کا معاملۂ قرض روا ہے - اسی طرح اگر ناپ یا تول کے پیمانے کا علم نہ ہو تو اس میں سلم نہیں ہوتا لیکن قرض درست ہے - چنانچہ اگر کسی کو بالٹی یا تسلے یا پیالے سے ناپ کر گندم قرض میں دی گئی اور یہ شرط ٹھہری کہ اسی مقدار میں بالٹی یا تسلے یا پیالے سے ناپ کر یہ قرض واپس کیاجائے گا تو یہ درست ہے - لیکن اس طرح بیع سلم نہیں ہوسکتی جب تک کہ گندم کی مقدار اس پیمانے کی روسے نہ بتائی جائے جو رائج الوقت ہے یا (اگر پیمانہ رائج نہ ہو تو) اس آلۂ وزن کا اعتبار ہوگا جو رائجُ الوقت ہو ، مثلاً پیمانے کی صورت میں کیلہ (کم و بیش دو سیر گندم کا پیمانہ) اور ربع یا قدح اور وزن کی صورت میں رطل (کم و بیش نصف سیر کا بٹہ) اور 'اوقیہ' (تقریباً نصف چھٹانک) وغیرہ جو مشہور ہیں -

جانوروں اور مال تجارت میں بھی قرض کا معاملہ ہو سکتا ہے - چونکہ ان اجناس میں بیع سلم درست ہے اس لیے قرض لین دین بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا -

منجملہ احکام قرض کے ایک یہ ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے مقروض سے تحفہ وغیرہ لینا حرام ہے - ہاں اگر پہلے ہی سے ان میں باہم تحفوں کا لین دین ہوتا رہا ہے ، یا کوئی تقریب ایسی ہے جس میں تحفہ دینا چاہیے ، جیسے شادی وغیرہ کی تقریبات ہیں (تو مضایقہ نہیں) - ہاں قرض کے تعلق کی بنا پر ہدیہ لینا ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے حرام ہے - اگر تحفہ کا لین دین محض باہمی دوستی اور محبت کی بنا پر ہو تو گو وہ باطنی طور پر حلال ہو لیکن حاکم وقت باعتبار ظاہر اسے (روا) تسلیم نہ کرے گا -

قرض میں کوئی ایسی شرط لگا دینا بھی جس کا مقصد حصول منفعت ہو ایسا ہی (ممنوع) ہے ، مثلاً یہ کہ قرض میں کوئی کمزور سا (جانور) دیا جائے اور ←

← توانا (لینے) کی شرط ہو - لہٰذا اگر ایسا بیل قرض دیا جو کھیت جوتنے کے قابل نہیں ہے اور یہ شرط لگا دی کہ اس کے عوض ایسا بیل لوں گا جو کھیت جوتنے کے قابل ہو - یا کسی کو ناصاف گندم قرض دی اور صاف گندم لینے کی شرط لگا دی تو یہ درست نہیں ہے -

قرض میں ایک بات یہ بھی ہے کہ معاملۂ قرض طے ہوتے ہی قرض لینے والا صدقہ ، ہبہ یا مانگے کی چیز کی طرح اس مال کا مالک ہو جاتا ہے - اب اگر قرض لینے والے نے مال قرض پر قبضہ کر لیا تو دیکھا جائے گا کہ ادائیگی قرض کے لیے کوئی میعاد طے پائی ہے یا نہیں - اگر میعاد طے پا گئی ہے تو لازم ہے کہ انقضاے میعاد کے ساتھ ہی قرض کی ادائیگی کر دی جائے ، خواہ اس قرض کے لینے سے جو استفادہ بالعموم ہوتا ہے وہ نہ کیا جا سکا ہو -

اگر ادائیگی کی کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی تو اب دیکھنا ہوگا کہ آیا اس قسم کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت ہوا کرتا ہے ؟ مثلاً گندم قرض لینے کی صورت میں عام رواج یہ ہے کہ فصل کٹنے کے بعد وہ قرضہ اتار دیا جاتا ہے ، یا یہ کہ اس کے لیے کوئی رواج خاص نہیں - اگر واپسی قرض کے بارے میں کوئی رواج ہے تب تو انقضاے مدت پر اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور مطابق دستور ادائیگی کا جو وقت ہوتا ہے اسی وقت وہ قرض ادا کردینا چاہیے - اگر اس کے لیے کوئی مقررہ دستور نہیں ہے تو عام دستور کے مطابق قرض لی ہوئی شے سے فائدہ اٹھانے کے بعد ہی قرض کی واپسی لازم ہوگی -

قرض دار کے لیے جائز ہے کہ جو کچھ بطور قرض لیا ہے اس کی مثل واپس کرے اور یا اسی شے کو واپس کردے ، خواہ وہ شے مثلی ہو یا نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس شے کی کیفیت میں کسی امر کی زیادتی یا کمی کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہ آئی ہو؛ اگر اس میں تبدیلی آ گئی ہو تو اسی جیسی شے سے قرض ادا کرنا واجب ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ قرض سے تعلق رکھنے والے احکام حسب ذیل ہیں :

اول یہ کہ قرض ہر ایسی شے میں جائز ہے جس کی خرید و فروخت ناپ کر یا تول کر ہوتی ہو یا وہ شے ناپی جانے والی ہو اور یا گنتی میں آنے والی ہو یا ←

← ایسی ہی کوئی اور شے جس کی خرید و فروخت اس طرح ہوتی ہو۔ اور منفعت کے قرض کی بابت رائیں مختلف ہیں ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ایک دن میں آپ کے ساتھ مل کر کھیت کاٹنے کا کام کرتا ہوں ، کسی دن آپ میرے ساتھ مل کر کھیت کاٹنے کا کام کر دیجیے گا ۔ بعض اصحاب نے اسے جائز رکھا ہے اور بعض نے ممنوع بتایا ہے ۔

دوم یہ کہ قرضہ کی چیز کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو ۔ اگر وہ شے پیمانہ سے نپنے والی ہو تو لازم ہے کہ پیمانہ معلوم ہو جیسے 'کیلہ' یا ربع وغیرہ اسی طرح اگر وہ شے تلنے والی ہے تو لازم ہے کہ تولنے کے بٹے جانے پہچانے ہوں مثلاً رطل یا اوقیہ وغیرہ ۔ اگر پیمانہ کا علم عام طور پر نہیں ہے تو قرض صحیح نہ ہوگا مثلاً تسلہ یا بالٹی کہ اگر گندم کو بالٹی یا ڈونگرے سے ناپ کر قرض دیا تو وہ قرض بھی بیع سلم کی طرح درست نہ ہوگا وزن کی طرح پیمائش کے آلات ہیں کہ ان کا علم بھی لوگوں کو ہونا چاہیے مثلاً میٹر یا گز وغیرہ ۔

اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس مال کی صفت (یا کیفیت) معلوم ہو ، مثلاً یہ کہ قرض میں مصری گنی دی جائے گی یا انگریزی پونڈ یا یہ کہ وہ پاکستانی گندم ہوگی یا دیسی وغیرہ ۔

سوم یہ کہ قرض دینے والا ایسا شخص ہونا چاہیے جو ایسے کارہائے خیر انجام دینے کا اہل ہو ، لہٰذا کسی بچے کا یا پاگل وغیرہ کا قرض دینا درست نہیں ہے ۔

چہارم یہ کہ قرض نفاذ پذیر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرض کی چیز حاصل کر لے ، خواہ وہ چیز پیمانے والی ہو یا وزن والی یا شمار والی یا گننے والی وغیرہ ۔ اور قرض لینے والے کے لیے روا ہے کہ جو مال اس نے قرض لیا ہے اس کے عوض کوئی شے قرض دینے والے سے خرید لے ۔ پس اگر محمد نے علی سے ایک سو اشرفی قرض لی تو اسے اختیار ہے کہ اس کے عوض علی سے کوئی مکان وغیرہ خرید لے ، اور صاحب مال کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قرض کی چیز قرض دار کو قرض دینے کے بعد پھر واپس لے لے ۔ ہاں اگر مقروض مفلس (یا دیوالیہ) ہو جائے اور افلاس کی وجہ سے اسے معاملہ کا نا اہل قرار دیا گیا ہو اور ہنوز ←

← قرض دار نے مال قرض کے عوض کوئی چیز اس سے نہ لی ہو تو اسے اپنا دیا ہوا قرض واپس لینے کا اختیار ہے ۔

پنجم یہ کہ اگر قرض میں دی ہوئی شے مثلی ہو اور مثلی سے مطلب پیمانہ یا وزن والی شے ہے جس سے کوئی جائز ہنر کا تعلق نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لازم ہے کہ قرض دینے والے کو اسی جیسی شے ادا کی جائے ۔ اور یہ لازم نہیں ہے کہ جو شے قرض دی گئی ہے بعینہ وہی شے واپس کی جائے ، کیونکہ قرض لینے والا اس چیز کا مکمل طور پر مالک ہو جاتا ہے اور یہ اس کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اس شے کو اپنے کام میں لائے ۔ تاہم اگر کوئی شخص وہی چیز جو قرض میں لی گئی ہے واپس کرے تو قرض‌خواہ کو اسے قبول کرلینا لازم ہے ، بجز اس صورت کے جب کہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو ۔ مثلاً کسی نے گندم قرض لی اور وہ دانے پھوٹ آئے یا اس میں تعفن پیدا ہو گیا ، یا ایسی ہی کوئی اور خرابی ہو گئی تو اب اسے واپس لینا لازم نہیں ہے ۔

اگر قرض کی چیز مثلی نہ ہو تو قرض لینے والے پر اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے ۔ اگر اسی شے کو واپس کرنا چاہے تو قرض خواہ کے لیے اسے قبول کرنا لازم نہیں ہے ، کیونکہ غیر مثلی اشیاء جو قرض دی جاتی ہے تو اس کی قیمت واجب الادا ہوتی ہے اس کے معاوضہ میں کوئی اور چیز لازم نہیں ہے ۔ اور مثلی اشیاء میں اس کی مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے ، خواہ اس شے کی قیمت بڑھ گئی ہو یا گھٹ گئی ہو ۔ پس اگر گندم اس وقت قرض دی گئی جب کہ اس کا نرخ فی بوری دو گنی تھا ، اور ادائیگی کے وقت اس کی قیمت صرف ایک گنی (فی بوری) رہ گئی ۔ قرض دار کی ذمہ داری یہ ہے کہ اتنی ہی گندم واپس دی جائے ؛ قیمت سے قطع نظر کیا جائے گا ۔

اگر قرض ایسی چیز کا ہے جسے پیمانے سے ناپا یا وزن کیا جاتا ہے اور اس کا دستیاب ہونا دشوار ہے تو اس کی وہ قیمت دی جائے جو اس روز تھی جب کہ وہ شے نایاب ہوئی ۔ ایسے حالات ہوں تو ناپ یا تول والی اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء کے قرض کی ادائیگی قیمت میں لازم ہے ۔

←

→ اگر کسی نے روٹی گن کر قرض لی اور اس (تعداد سے) زیادہ کی واپسی شرط نہ تھی اور نہ ایسی کوئی غرض وابستہ تھی تو وہ جائز ہے۔

ششم یہ کہ معاملۂ قرض میں کوئی ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے جس سے غرض قرض دینے والے کو منفعت حاصل کرنا ہو۔ مثلاً قرض دینے والا قرض دار پر یہ شرط عاید کر دے کہ وہ اس کے گھر میں مفت یا کم کرائے پر رہے گا۔ یا یہ شرط کہ اس قرض سے جو مال حاصل ہو اس میں سے اسے بھی کچھ دیا جائے یا یہ کہ کوئی تحفہ دے (تب قرض دیا جائے گا)۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ قرض لینے والا یہ کہے کہ جتنا میں نے قرض لیا ہے اس سے کم واپس کروں گا۔

البتہ ایسی شرط جس سے مقصد معاملۂ قرض کی توثیق (یا مضبوطی) ہو صحیح ہے اور اس شرط پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً قرض دینے والا کہے کہ میں قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم کوئی چیز رہن رکھو یا کوئی ضامن لے کر آؤ۔

حجر

یعنی تصرف کا نااہل قرار دیے جانے کا بیان

لفظ حجر کے معنے از روئے لغت 'باز رکھنے' کے ہیں - عربی میں کہتے ہیں حجر علیہ حجراً - باب قتل یقتل سے - یعنی فلاں شخص کو (مال وغیرہ میں) تصرف سے روک دیا گیا۔ یہ لفظ بفتح حا و کسر حا دونوں طرح درست ہے - اسی وجہ سے 'حطیم' کو (جو قوسی شکل کی ایک چار دیواری کعبہ کے قریب ہے) حجر کہتے ہیں کیونکہ اسے عمارت کعبہ سے الگ اور منقطع کر دیا گیا ہے - اور عقل کو بھی 'حجر' کہتے ہیں ، کیونکہ عقل برے کام سے روکتی اور باز رکھتی ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

''ھل فی ذالک قسم لذی حجر'' -

یعنی صاحب عقل کے لیے اس میں قسم ہے -

اصطلاح شرع میں اس لفظ کے معنے مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں -[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ 'حجر' (یا نا اہل قرار دیے جانے سے) مراد یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو خاص تصرف سے یا اس کے قول پر عمل درآمد سے خاص حد تک روک دیا جائے ، لہٰذا 'حجر' (یعنی نااہلیت) کا کسی بچے یا مجنون وغیرہ پر عاید کیا جانا سرے ہی سے قولی تصرف سے مانع ہے جب کہ اس کے کہنے پر عمل درآمد کرنے سے محض نقصان ہے - لہٰذا اگر کسی بچے (نابالغ) نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی یا غلام کو آزاد کر دیا تو اس کے کہنے پر عمل درآمد روک دیا جائے گا، کیونکہ اس سے محض نقصان ہے - اس کا یہ قول سرے سے نافذ العمل نہ ہوگا - یہی حال مجنون کا ہے - اب اگر کسی محجور کے قول میں محض فائدہ ہے مثلاً کسی نے اس کو مال ہبہ کیا اور اس نے اس ہبہ (یا عطیہ) کو قبول کر لیا یا ایسی ہی کوئی اور بات جس میں اسے حقیقی معنوں میں نفع ہو

← تو اس کا قول درست اور نافذ العمل متصور ہو گا اور اس کے ولی (یا سرپرست) کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا - اگر ایسے شخص کے کسی قول میں نفع اور نقصان دونوں باتوں کا احتمال ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیچا یا خریدا وغیرہ (ایسے معاملات میں دیکھنا چاہیے) کہ اگر وہ نااہل معاملہ جانتا ہے کہ خریدنے اور بیچنے کا مطلب کیا ہے یعنی اس قدر جانتا ہے کہ (فلاں مال کے) یہ دام ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مال تو لیا جائے لیکن قیمت نہ دی جائے، تو (اتنی تمیز ہونے کی وجہ سے) اس شخص کے سودا کرنے سے خرید و فروخت تو ہو جائے گی، لیکن اس کے ولی (یعنی سرپرست، وصی یا نگران حال) کی اجازت پر موقوف رہے گی - اور ولی کو چاہیے کہ اس کی اجازت دے دے، بشرطیکہ اس سودے میں غبن فاحش (یا دھوکے کو دخل) نہ ہو جس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے - لیکن اگر بچہ قطعاً نادان ہے تو اس کا یہ تصرف (معاملہ) سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا -

واضح ہو کہ بچہ اور دیوانہ کے افعال میں 'حجر' (نا اہلیت کے ان مسائل) کا اطلاق واجب نہیں ہے چنانچہ اگر کوئی بچہ سو رہا ہے اور اس نے کروٹ لی اور کوئی شیشے کی چیز اس نے توڑ دی تو اس کا تاوان واجب ہوگا لہٰذا اگر وہ بچہ مال کا مالک ہے تو اس مال سے قیمت وصول کی جائے گی - اسی طرح اگر کسی پاگل نے کچھ نقصان کر دیا تب اس کو بھی اس نقصان کا ذمہ دار گردانا جائے گا -

اگر کوئی فعل سرزد شدہ ایسے مسئلہ سے متعلق ہے جس میں شبہہ ہو (تو الزام) ساقط ہو جاتا ہے جیسے حدود اور قصاص (یعنی شرعی سزائیں) - ایسی صورتوں میں (نادان) بچے یا پاگل کے بلا ارادہ کسی فعل (ممنوع) کے ارتکاب کی سزا ساقط ہو جائے گی -

چنانچہ اگر کسی بچے نے زنا کیا یا قتل کیا تو اس پر حد (شرعی سزا) عاید نہ ہوگی، کیونکہ (اس کے افعال میں) نیت یا عمد نہیں ہے - اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے -

بعض اوقات 'حجر' (یا نا اہلیت) کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ حجر (نا اہل ←

ـ قرار دیے جانے) کی صورت میں تصرف کے مسائل عاید نہیں ہوں گے - اس تعریف کی رو سے بچے اور دیوانے کو محجور قرار دیا جاتا ہے (کہ ان کے قول و فعل سے عمل تصرف ثابت نہ ہوگا) پس افعال زنا و قتل وغیرہ جن میں حد واجب ہوتی ہے انہیں ان افعال کا مرتکب قرار ہی نہیں دیا گیا ، کیونکہ انہیں ایسے افعال سے روکنا ممکن ہی نہیں خاص کر جب کہ سرزد ہو چکے ہوں - پس ایسے امور میں ان کے محجور (یا نا اہل) ہونے کے یہ معنے ہیں کہ ان میں ان افعال کا مرتکب ہونے کی حیثیت ہی سرے سے معدوم ہے ، لہٰذا ان پر حد یا تعزیر عاید نہیں ہوتی -

مالکیہ کہتے ہیں کہ حجر (یا نا اہلیت) (صفت حقیقی نہیں ، بلکہ) حکمی صفت ہے ، یعنی حکم شرع کے تحت کسی پر یہ صفت عاید کردی گئی ہے - پس جس شخص میں شرعاً یہ صفت پائی جائے (یعنی جس کو شرعاً محجور یا نا اہل کار قرار دیا جائے) وہ اگر کوئی تصرف (یا مداخلت) کرے تو اس کے اعمال کو جو اس سے بے اختیاری میں سرزد ہوئے غیر مؤثر قرار دینا واجب ہے - اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ کسی کو اپنے ایک تہائی مال سے زیادہ میں تصرف پر عمل درآمد سے روک دیا جائے-

پہلی صورت میں بچہ ، مجنون ، احمق اور دیوالیہ وغیرہ پر یہ پابندی لگائی جائے گی کہ وہ اپنے اختیار سے زیادہ تصرف کرنے کے مجاز نہ ہوں - پس اگر ان میں سے کسی نے کوئی شے بیچ دی یا خریدی یا کسی کار خیر میں کچھ لگایا تو ان تمام تصرفات کا نفاذ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا جیسا کہ بیع کے بیان میں بتایا گیا -

دوسری صورت میں یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ "اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ محجور کو کسی تبرع (کار خیر) میں ایک تہائی مال سے زیادہ کے اندر تصرف پر عمل درآمد سے روک دیا جائے" اس میں مریض انسان یا بیوی کا 'حجر' (یعنی اہلیت تصرف کی تحدید) داخل ہے - یعنی انہیں خرید و فروخت کے تصرف سے نہیں روکا گیا ، بلکہ تبرع (کار خیر) کے طور پر صرف کرنے سے روکا گیا ہے ، بشرطیکہ مصارف کی مقدار ان کے مال کی ایک تہائی سے زیادہ ہو - لہٰذا ـ

حجر (نا اہل قرار دیے جانے) کے اسباب کا بیان

شریعت اسلامیہ میں نا اہلیت (معاملہ) کا سبب درحقیقت صرف ایک ہے اور وہ دوسرے مستحسن امور (شریعت) کی طرح بنی نوع انسان کی بہبود پر مبنی ہے۔ شریعت کے تمام احکام کی تشکیل میں فرد اور معاشرہ کی فلاح کو پیش نظر رکھا گیا ہے چنانچہ اس کے عام قاعدے اور بنیادی اصول انسان کے باہمی تعاون کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ صاحب مقدور پر لازم گردانا گیا ہے کہ جہاں تک

← مریض کو حق ہے کہ اپنے مال میں سے ایک تہائی تک کسی کے ساتھ سلوک کرے۔ اسی طرح بیوی بھی کر سکتی ہے، لیکن اپنے ایک تہائی مال سے زیادہ کسی کو بطور حسن سلوک نہیں دے سکتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرع (کی اصطلاح) میں 'حجر' کے معنے ہیں ''خاص حالات کے تحت مال میں تصرف سے باز رکھنا''۔ مال میں تصرف سے باز رکھنے (یعنی خرچ کرنے کی اجازت نہ ہونے) کا یہ مطلب ہے کہ مال کے (خرچ کرنے) کے علاوہ اور دوسری اشیاء (مواجب) میں لگانے پر حجر (قدغن) نہیں ہے۔ لہذا نادان شخص ہو یا مفلس اور مریض ہو دوسرے امور مثلاً خلع، طلاق، ظہار اور اقرار واجب العقوبت کی صورت میں تصرف کر سکتا ہے اور عبادت بدنیہ کے لیے بھی کرسکتا ہے، خواہ وہ عبادت واجب رہی ہو یا نفلی۔ البتہ مالی عبادت کی صورت میں صرف عبادات واجبہ، مثلاً حج میں جو تصرف کرے گا وہ قابل نفاذ ہوگا۔ نفلی عبادات مالیہ جیسے نفلی صدقات میں تصرف نفاذ پذیر نہ ہوگا۔

باقی رہے بچے اور مجنون سو انہیں کسی طرح بھی تصرف کرنے کا مطلق حق نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (مالک مال) کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے باز رکھنے کا نام حجر ہے۔ خواہ شرعاً باز رکھا گیا ہو، جیسے کمسن بچے یا مجنون کو (تصرف مال سے) باز رکھا جائے یا پھر حاکم شرع کی جانب سے قدغن عاید کردی گئی ہو مثلاً حاکم کسی خریدار کو روک دے کہ وہ اپنے خرید کردہ مال کو اس وقت تک کام میں نہ لائے جب تک کہ اس کے دام واجب الادا کی ادائیگی نہ ہو جائے۔

ممکن ہو کمزور کی مدد کرے۔ بڑوں کو تاکید ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو جن کی سرپرستی آن پر عاید کی گئی ہے ، سہارا دیں اور ان کے ساتھ نہایت ہی خلوص کا مظاہرہ کریں ، یہاں تک کہ (ان کے حق میں) کوئی ایسی کوشش جس سے آنھیں دینی یا دنیوی فائدہ حاصل ہو سکے اٹھا نہ رکھیں ۔ اگر قدرت الٰہی کسی بچہ کو باپ ، بھائی یا قریبی رشتہ دار کی فطری محبت سے محروم کر دے تو دوسرے اشخاص پر لازم ہے کہ وہ اس کی تلافی کریں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حاکم وقت کو اس امر کا ذمہ دار گردانا ہے کہ اس بچے کی تربیت (پرورش) کے لیے کسی شخص کا انتخاب کرے جو اس کی بہبود کا خیال رکھے اور اس کے مال میں اضافہ کی کوشش آسی طرح جاری رکھے جس طرح اس کا کوئی نزدیک ترین رشتہ دار یا قرابتی اس کے لیے کر سکتا ۔ اللہ تعالیٰ نے بچوں کے ولیوں اور وصیوں کو ان کی خبر گیری کا حکم دیا ہے اور اس کو نظرانداز کرنے یا ان کا مال ہتھیانے کے لالچ میں پڑ جانے کے اس انجام سے ڈرنے کا حکم دیا ہے جس سے خوف خدا رکھنے والوں اور اللہ کی گرفت اور عذاب سے ڈرنے والوں کے بدن کانپ جاتے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے :

''ولیخش الذین لو ترکوا من خلفهم ذریة ضعافاً خافوا علیهم فلیتقوا الله ولیقولوا قولاً سدیدا ۔ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونهم ناراً و سیصلون سعیرا''

(یعنی لوگوں کو یہ سوچ کر ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ناتواں کم سن اولاد چھوڑ جاتے تو ان کی جانب سے کس قدر اندیشہ ان کو ہوتا ۔ پس چاہیے کہ (ان بے سہارا بچوں کے بارے میں) اللہ سے ڈریں اور اچھی باتیں کہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناروا طریقہ سے کھاتے ہیں وہ گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں ۔ چنانچہ جلد ہی وہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''وابتلوا الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشداً فادفعوا الیهم اموالهم ولاتاکلوها اسرافاً وبداراً ان یکبروا ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیراً فلیأکل بالمعروف''

(یعنی یتیموں کی صلاحیت کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ جب وہ جوانی کی

عمر کو پہنچ جائیں اور اُن میں صلاحیت کار ملاحظہ کرو تو اُن کا مال ان کے سپرد کر دو اور بدیں نقطۂ نظر کہ وہ بڑے ہو گئے ہیں ان کے مال کو فضول خرچی اور فوقیت جتانے (یا نام و نمود) کے کاموں میں صرف نہ کرو۔ اگر ولی صاحب حیثیت ہے تو اُسے (خاص طور پر) یتیموں کے مال سے بچنا چاہیے۔ ہاں اگر محتاج ہے تو صرف اس قدر کام میں لائے جو مناسب خیال کیا جاتا ہے)۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ (یتیم کے) نگران حال یا وصی کو اتنی اجازت ہے کہ ان کے مال سے اپنا حق الخدمت صرف اس قدر لیں جو عام طور پر مناسب ہو۔

اب دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے وصیوں (یا سرپرستوں اور ولیوں) کو سابقۃ الذکر آیت میں کس طرح اس انجام سے ڈرایا ہے جو قریب ہی پیش آنے والا ہے اور قاصر (یا ناقابل کار) افراد کے معاملات کو سرانجام دینے کی کس قدر رغبت دلائی ہے۔ پس ایسے ذمہ داروں کو جن کے چھوٹے چھوٹے ناتواں بچے ہوں، سوچنا چاہیے کہ اگر احیاناً وہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر وفات پا جائیں تو وہ کس طرح کا سلوک اپنے بچوں کے لیے پسند کریں گے۔ پس جن کو اللہ تعالیٰ نے فرایض وصی کے انجام دینے کا موقع دیا ہے اُنھیں چاہیے کہ وہ ویسا ہی سلوک (اپنے زیر سرپرستی بچوں کے ساتھ) کریں۔ اور جان لینا چاہیے کہ اگر وہ اپنے قول و فعل میں خوف خدا کو ملحوظ رکھیں گے تو دوسروں کے لیے بھی ایک نمونۂ عمل ہوگا اور لوگ ان کی اس خوبی سے فیض یاب ہوں گے۔ علاوہ اس کے ان اعمال نیک سے ان کی نیک نامی ہوگی اور ان کی اچھی مثال سے لوگوں میں ان کی توقیر بڑھے گی اور ان کے بعد ان کے کمزور پسماندگان کے ساتھ اور لوگ بھی محبت کریں گے اور ان کی خدمات کے بجا لانے میں زحمت محسوس نہ کریں گے۔

پھر اس سخت تنبیہ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو اس بارے میں نگران حال اشخاص کے حق میں یتیموں کے مال کا لالچ کرنے کے خلاف آئی ہے۔ اس سے زیادہ مذمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے کو پیٹ میں دوزخ کی آگ دہکانے سے مشابہ فرمایا ہے۔ اگرچہ کوئی شخص یتیموں کا مال کھا کر دنیوی زندگی میں وقتی طور پر لذت محسوس کرے۔ لیکن انجام کار قیامت کے روز اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جہنم کی آگ اس کی

انتڑیوں میں دہک رہی ہوگی اور تب ہی اسے پتہ چلے گا کہ وہ مال دوزخ کی آگ اور جہنم کا کھانا ہے -

اس سلسلہ میں باقی امور کا ذکر ہم نے اپنی تالیف ''کتاب الاخلاق'' کی دوسری جلد کے باب ''تشریع الحجر'' میں کیا ہے -

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں بالغ اشخاص (بڑوں) کو نابالغ اشخاص (چھوٹوں) کی مدد کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، وہاں خردمند اشخاص کو اس امر کی تلقین بھی کی ہے کہ وہ دیکھیں کہ بڑوں میں سے کس کو محجور (محروم التصرف) قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ جو شخص قدرتی طور پر ضعیف العقل اور فاقد البصیرت ہو ہر چند کہ وہ جسم اور عمر میں بڑا ہو ایک بچہ کی مانند ہے، لہٰذا اسے من مانی کرنے کے لیے نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ بد طینت اشخاص اس پر غالب آ جائیں -

واضح ہو کہ صغر سنی یا جنون کے باعث معاملہ کا نااہل قرار دیا جانا جس میں خود اس کی بہتری ہے ائمۂ اسلام کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے - البتہ عاقل، بالغ شخص کو بد عنوانی معاملات بے وقوفی اور فضول خرچی وغیرہ کے باعث، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، محجور قرار دیے جانے کے بارے میں اختلاف ہے -[۱] تاہم جمہور علما و ائمۂ اسلام کی رائے یہ ہے کہ ایسا شخص فاتر العقل یا

۱- حنفیہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ کہا ہے کہ 'احمق' ہونا (نا اہلیت معاملہ) کے اسباب میں سے نہیں ہے، وہ صرف امام ابوحنیفہؒ ہیں صاحبین (امام محمدؒ امام یوسفؒ) تو وہی کچھ فرماتے ہیں جو جمہور ائمۂ فقہا کہتے ہیں یعنی احمق اشخاص کو بھی صغیر سن اور مجنون کی طرح نا اہل معاملہ قرار دیا جائے- ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا رجحان اس امر کی جانب ہے کہ مال کو (اس کے حق داروں سے) محروم نہ رکھا جائے، کیونکہ اگر کوئی شخص مال میں تصرف کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ اپنے مال سے فائدہ اٹھائے تو فبہا یہ اس کا حق ہے، اور جو اہلیت نہیں رکھتا اور فضول خرچی پر تلا ہوا ہے، تو اس کی سزا یہی ہے کہ مال اس کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے جو اسے اپنے مفاد میں استعمال ے

نابالغ بچوں کی مانند ہے، کیونکہ جن نتائج کے پیش نظر کسی کو معاملہ کا نا اہل قرار دیا جاتا ہے، وہی نتائج احمق شخص میں موجود ہیں کہ نافہم (یا احمق) شخص جو معاملات کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا وہ ایک بچے اور یا پاگل شخص کی طرح اپنے مال کو ختم کرنے سے نہیں چوکے گا۔ پس اگر کسی شخص

← کریں اور لوگوں کو بھی نفع ہو اسی خیال کے پیش نظر امام موصوف کا کہنا ہے کہ جب تک حاکم مجاز کا حکم نہ ہو وقف کا نفاذ نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل وقف کے بیان میں آئے گی۔ غرض عاقل بالغ شخص کو تصرف کا نا اہل قرار نہیں دیا جاسکتا، خواہ وہ بدکردار اور فضول خرچ ہو، تاہم ان کا کہنا ہے کہ عاقل بالغ کو محروم التصرف قرار دیے جانے کے اسباب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ایسے اعمال کا مرتکب ہو جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہوں، جیسے ایک جاہل طبیب جو ٹھیک طور سے علاج کرنا نہیں جانتا لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح جاہل مفتی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے یا کوئی مسخرہ غلط فتوؤں سے لوگوں کو بھکائے یا حیلے بہانے سے لوگوں کا مال ہتھیالے۔ ایسا ہی وہ شخص جو پتے باز ہو کہ لوگوں سے اونٹ کا کرایہ وصول کرے اور اس کے پاس کرایہ پر دینے کے لیے اونٹ وغیرہ کچھ نہ ہو۔ جب لوگ اس سے کرایہ کا اونٹ لینے کے لیے آئیں تو آڑنچھو ہو جائے اور اس طرح لوگوں کا مال ضائع ہو۔

اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان تین قسم کے اشخاص کو نا اہل قرار دیا جا سکتا ہے، درآنحالیکہ وہ خود کہتے ہیں کہ آزاد اور عاقل شخص کو محروم التصرف کر دینا ٹھیک نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام صاحب کا مطلب ایسے لوگوں کو شرعاً محجور (نا اہل معاملہ) قرار دینا نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جس کے بموجب ان کا کیا ہوا معاملہ نافذ العمل نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اشخاص پر قدغن عاید کی جائے کہ وہ کوئی معاملہ نہ کریں۔ چنانچہ حاکم کو چاہیے کہ جاہل طبیب کو طبابت کا پیشہ انجام دینے کی اجازت نہ دے اور غیر سنجیدہ اشخاص کو بھی لوگوں کے درمیان فتوے بازی کی اجازت نہ ہو، تاہم اگر احیاناً ایسا شخص کوئی صحیح تصرف کرے، مثلاً کوئی شخص مذاق میں صحیح حکم دے تو اس کا یہ فتویٰ نافذ متصور ہوگا۔

کو نا اہل قرار دینا اُس شخص کی بہبود کے پیش نظر ہوتا ہے تو ایک نافہم شخص کی بہبود کے لیے بھی اسے نا اہل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے میں (نہ صرف اس کا بلکہ) عوام کا بھی بھلا ہے، کیونکہ لازمی طور پر ایسا شخص دوسروں کے معاملات انجام دے کر ان کا مال بھی غارت کرے گا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''لاتؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً''

(یعنی بے عقلوں کے ہاتھ میں اپنا مال نہ دے دو جسے اللہ نے تمھارے گزارے کے لیے بنایا ہے)۔

واضح ہو کہ لوگوں کی بہتری کے لیے کسی کو محجور (یعنی معاملہ کا نا اہل) قرار دینے کا ایک سبب قرض بھی ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہوگا کہ محجور (التصرف) قرار دیے جانے کے عام اسباب جن پر زیادہ تر عمل ہو رہا ہے تین ہیں:

اول صغر سنی

دوم جنون جس میں مدہوشی بھی داخل ہے

سوم بے عقلی

ان کے علاوہ بھی کچھ اسباب ہیں جیسے غلام ہونا کہ یہ بھی محجور ہونے کا سبب ہے کیونکہ غلام مالک ہی نہیں ہوتا تو غیر کے مال میں اسے تصرف کا حق بھی نہ ہوگا بجز اس کے کہ اسے کسی ایسے کام کا حکم دیا جائے وغیرہ۔

صغر سنی کے باعث نا اہل ہونے کا بیان

صغیرالسن ہونا انسان کی ایک حالت ہے جو اس کی ولادت کے وقت سے لے کر سن بلوغت تک رہتی ہے۔ چھوٹی عمر میں انسان کی قوائے بشریہ تکمیل کو نہیں پہنچتیں۔ بیشتر افراد انسانی کی یہ کیفیت ضروری ہے، تاہم انسان کبھی بالغ السن ہوسکتا ہے تو اس کی صغر سنی بھی مختلف ہوگی، لیکن یہ صورت نایاب ہے جیسا کہ آدم اور حوا میں۔

بالغ ہونے کی علامات کا بیان

نابالغ شخص کے بالغ ہونے کی پہچان کبھی تو عمر سے ہوتی ہے اور کبھی

بالغ ہو جانے کی علامات ظاہر ہونے سے ہوتی ہے ، اگرچہ مقرر (بلوغ کی) عمر کو نہ پہنچا ہو ۔ اس کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مردوں میں بالغ ہونے کی علامت احتلام ، مادۂ تولید کا خارج ہونا ، یا عورت کو حمل رکھوانا ہے ۔ اور عورتوں میں حیض کا آنا یا حمل ہو جانا ہے ۔ اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ ہو تو مرد و عورت کا بالغ ہونا ان کی عمر سے معلوم ہوگا ۔ پس قول مفتیٰ بہ کے مطابق جب لڑکا یا لڑکی پندرہ سال کے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں ۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عمر کے اعتبار سے لڑکا جب پورے بارہ سال کا ہوجائے اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تب وہ بالغ متصور ہوگی ۔

نابالغ شخص اس وقت تک کا معاملہ نا اہل متصور ہوگا جب تک کہ اس عمر کو نہ پہنچ جائے یا علامات مذکورہ میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو ۔ پھر بالغ ہونے کے بعد بھی اس کے اطوار پر نظر رکھی جائے گی ۔ اگر تجربہ کے بعد اس کا رشید (خوش اطوار) ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دینا چاہیے ۔ اگر وہ رشید ثابت نہ ہو تو اس کے حوالے نہ کرنا چاہیے ۔ رشید (یا خوش اطوار) ہونے کی تعریف یہ ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے مال کو مناسب طور سے خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ اگر مال اس کے حوالے کیا گیا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا ۔ اگر یہ شخص گنہگار ہے کہ نماز وغیرہ نہیں پڑھتا تو یہ امر اس کے مال کی سپردگی سے مانع نہیں ہے ، البتہ اگر وہ بدکار اور جنسی خواہشات کا شکار ہے جو بدکاری اور قمار بازی میں مال کے ختم کر دینے کا موجب ہیں تو ان عادات کی وجہ سے اس کو محجور (یا نا اہل معاملہ) قرار دیا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں وہ اس قابل نہیں ہے کہ اپنے مال کا انتظام کرسکے ۔ صاحبین (امام محمدؒ و یوسفؒ) جو کم عقل اشخاص کو محجور قرار دینے کے حق میں ہیں فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص کم عقلی میں مبتلا رہے گا اس کو تصرف سے محروم رکھا جائے گا ۔ خواہ وہ اپنی طویل پوری عمر اسی حال میں گزار دے ۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ جو کم عقل شخص کو محجور قرار دینے کے حق میں نہیں ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مال پچیس سال تک اس کے حوالے نہ کیا جائے اور یہ اس لیے ہے کہ اگرچہ وہ آزاد اور عاقل ہے جس پر یہ پابندی ←

← درست نہیں ہے ، تاہم اگر وہ بالغ ہو کر بھی کم عقل ہی رہا تو یہ ضروری ہے کہ تادیباً اس کا مال اتنے عرصہ کے لیے روک لیا جائے جو (بالعموم) سلیقہ شعاری سے واقف ہونے کے لیے کافی ہوتا ہے - اور یہ پچیس سال کی عمر ہے - جب کوئی شخص اس عمر کو پہنچ جائے جس میں انسان دادا بن سکتا ہے اور اس کے پوتے ہو جاتے ہیں اور پھر بھی اسے سمجھ نہ آئے تو اب اس کو تادیب سے کوئی کامیابی کی امید نہیں ہے اور مال روک رکھنے کے کچھ معنے نہیں ہیں لہٰذا اس کا مال اس کو دے ہی دینا چاہیے ، وہ جانے اور اس کا کام -

مالکیہ کہتے ہیں کہ بالغ ہونے کی چند علامتیں ہیں :

ایک تو یہ کہ مادۂ تولید خارج ہو جائے ، خواہ بیداری میں یا خواب میں -

دوسرے حیض آنا یا حمل ٹھہر جانا - یہ علامت عورتوں کے لیے مخصوص ہے -

تیسرے موئے زیر ناف کا اُگنا - یہ بال سخت ہو - باریک بال جسے رواں کہتے ہیں ، بالغ ہونے کی علامت نہیں ہے - اسی طرح ڈاڑھی مونچھ کا آ جانا بھی بالغ ہونے کی علامت نہیں ہے ، کیونکہ بعض اوقات انسان ڈاڑھی مونچھ نکلنے سے بہت پہلے ہی بالغ ہو جاتا ہے -

جب موئے زیر ناف سخت اُگ آئیں تو انسان حقوق اللہ نماز ، روزہ وغیرہ کی ادائیگی اور ازروئے تحقیق حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی مکلف (ذمہ دار) ہو جاتا ہے -

چوتھے بغل کی بسائند

پانچویں ناک میں بال اُگنا یا اس کا ظہور

چھٹے آواز کا بھاری ہو جانا

اگر ان میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو لڑکے کا بالغ ہونا عمر پر ہوگا یعنی کہ پورے اٹھارہ سال کا ہو جائے - اور کہا جاتا ہے کہ اٹھارھویں سال میں داخل ہوتے ہی لڑکا بالغ ہو جاتا ہے - →

→ اگر کوئی بالغ ہونے کا دعویٰ کرے یا بالغ ہونے سے انکار کرے تو اس کی دو حالتیں ہوں گی:

پہلی حالت یہ ہے کہ اس کی سچائی میں شبہ ہو۔ اس شبہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ بالغ ہونے کا دعویٰ اس نے مال حاصل کرنے کے لیے کیا، یا اس لیے کہ اس کے ذمہ دوسرے کا مال (واجب الادا) ثابت ہو جائے۔ اول الذکر مثال یہ ہے کہ بالغ ہونے کا دعویٰ اس لیے کیا کہ جہاد میں اپنے حصہ کا حق دار ہو۔ ثانی الذکر کی مثال یہ ہے کہ کسی نے اس پر دعویٰ کیا ہو کہ اسے جو مال امانت کے طور پر دیا گیا تھا اس نے تلف کر دیا اور یہ کہ وہ بالغ ہے۔ اب اگر وہ اعتراف کرتا ہو اور اس کا ولی (نگران حال) اس کی مخالفت کرے تو اس صورت میں اس کا دعویٰ شک کی بنا پر تسلیم نہ کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بالغ ہونے کا دعویٰ وہ اس لیے کرتا ہے تاکہ اپنی بیوی سے طلاق ثابت کرسکے۔ یا بالغ نہ ہونے کا دعویٰ کرے تاکہ بیوی سے طلاق ثابت ہونے سے گریز کرسکے۔ ایسی صورت میں اس کا دعویٰ بالغ ہونے کا یا بالغ نہ ہونے کا تسلیم کر لیا جائے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نابالغ ہونے کا دعویٰ اس لیے کرے تاکہ جو جرم شرعی اس سے سرزد ہوا ہے اس کی سزا سے بچ جائے۔ ایسی صورت میں اس کا دعویٰ اس کی سچائی میں شبہہ کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے گا، کیونکہ حدود (شرعی سزائیں) شبہ (جرم) کی حالت میں ساقط ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی بالغ ہونے کا دعویٰ اس لیے کرے کہ اس کا جرم ثابت ہو جائے اور اس میں شک ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اس کا سبب بھی یہی ہے (کہ شک کی حالت میں حد ساقط ہو جاتی ہے)۔

دوسری حالت (مدعی بلوغ کی) یہ ہے کہ اس کے قول کی سچائی میں شبہ نہ ہو؛ ایسی حالت میں اس کا دعویٰ اثباتاً اور نفیاً (دونوں صورتوں میں) مانا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی نے اپنے بالغ ہونے کا دعویٰ کیا تاکہ جہاد میں اپنا حصہ بٹانے →

→کے لیے ہے ، یا ایسے سال کے لیے جس کی ادائیگی کو بالغ ہونے کی شرط ہے وغیرہ تو اس کا یہ دعویٰ صرف اسی صورت میں مانا جائے گا جب کہ دعویٰ مشکوک نہ ہو۔اسی طرح دینی امور میں بھی (بالغ ہونے کا دعویٰ) مان لیا جائے گا جیسے امامت کے لیے یا جمعہ کی جماعت میں (بالغ) مقتدیوں کی تعداد پوری کرنے کے لیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کا بالغ ہونا پندرہ سال (عمر کی) حد پوری ہونے سے معلوم ہوگا۔ عمر کے علاوہ بلوغ کی اور علامتیں بھی ہیں۔ منجملہ ان کے مادۂ تولید کا خارج ہونا ہے۔ لیکن یہ علامت اسی صورت میں معتبر ہے جب کہ عمر نو سال کی ہوگئی ہو۔ اگر اس سے پہلے مادۂ تولید خارج ہو تو اس کا سبب کوئی مرض ہوگا ، بلوغ نہ ہوگا لہٰذا اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

لڑکیوں کے لیے (بلوغ کی علامت) حیض کا آنا ہے اور یہ کیفیت جبھی ہو سکتی ہے کہ وہ تقریباً نو سال کی ہو جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی ، ان کا بالغ ہونا تین باتوں سے معلوم ہوتا ہے:

اول مادۂ تولید کا خارج ہونا ، جاگتے میں ہو یا خواب میں ، اور خواہ یہ کیفیت احتلام سے ہو یا مباشرت وغیرہ سے۔

دوم موئے زیر ناف کا اُگ آنا جو سخت ہو کہ ان کے اکھاڑنے کے لیے موچنے کی ضرورت پڑے۔ باریک بال جسے رونگٹا کہتے ہیں وہ بالغ ہونے کی علامت نہیں ہے۔

سوم پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جانا۔

لڑکیوں کے بالغ ہونے کی علامتوں میں لڑکوں کی بہ نسبت دو باتیں اور بھی ہیں: ایک تو حیض کا آجانا ، دوسرے حمل کا ٹھہر جانا۔ اس صورت میں لڑکی کے بلوغ کا زمانہ وضع حمل سے چھ ماہ پہلے کا شمار کیا جائے گا۔

خنثیٰ مشکل (جس کی جنس کی تعیین نہ کی جا سکے) کا بالغ ہونا بھی پندرہ سال کا ہو جانے اور موئے زیر ناف کے اُگنے وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

بالغ شخص کے بد اطوار ہونے کے مسائل

اگر لڑکا بالغ ہو جائے لیکن بد اطوار ہو تو اس کا مال اس کے سپرد نہ کیا جائے، بلکہ اس کی کم عقلی کے پیش نظر اس کو محجور (یعنی تصرف کا نا اہل) قرار دیا جائے۔ اندریں باب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دو اصحاب (امام محمدؒ و امام یوسفؒ) اس امر پر متفق ہیں کہ ایسے شخص کے محض بالغ ہوجانے کی بنا پر اس کا مال اس کے سپرد نہ کیا جائے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ تجربہ (یا آزمائش) سے اس کی صلاحیت کار ثابت ہو۔ تاہم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر تک انتظار کرنے کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے۔ (اس عرصہ میں) خواہ وہ شخص راہ راست پر آگیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور ایسا شخص اگر مال میں تصرف کرے (یعنی کوئی معاملہ یا سودا کرے) تو جب تک وہ آزاد اور عاقل ہے اس کا کیا ہوا معاملہ نافذ العمل متصور ہوگا، کیونکہ کم عقلی کے باعث اسے محروم التصرف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن صاحبینؒ (امام احمد اور امام یوسف) کہتے ہیں کہ مال اس کے سپرد نہ کیا جائے خواہ وہ اسی حالت میں سو سال تک رہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ مزید تفصیل کم عقل کے محجور قرار دیے جانے کے بیان میں آ رہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکا بالغ ہو جائے اور اس میں صلاحیت نہ ہو، صلاحیت سے مراد مالی اور دینی امور کی انجام دہی کی قابلیت ہے، اور کہتے ہیں کہ محض مالی امور کی صلاحیت مراد ہے، تو پابندی (یا نا اہلیت) برقرار رہے گی۔ چاہیے کہ بالغ ہونے سے پہلے اس کے مال کی نگہداشت اس کا باپ، وصی یا حاکم کرتا ہے اور پھر نا اہلیت کے باعث جو پابندی تھی اسے ہٹا لیا جائے اور اس سے کم عقلی کا مظاہرہ ہو تو دوبارہ پابندی لگائی جا سکے گی۔ اگر ایسا شخص دینی اعتبار سے گنہگار ہو، لیکن مال کے خرچ میں الٹے تلّے نہ کرے تو اس پر پابندی عاید نہ کی جائے گی، خاص کر اس قول کے مطابق کہ رشد (صلاحیت) کا انحصار مال میں صلاحیت کار پر ہے۔ ←

← یاد رہے کہ اس صورت میں اس پر یہ پابندی حاکم کے حکم ہی سے لگ سکتی ہے، کیونکہ دوسری بار جو اس کو مال کے لٹانے کی خصلت آئی وہ مختلف قسم کی ہے۔ اس میں غور و فکر اور ذہنی کاوش سے کام لینے کی ضرورت ہے لہٰذا اس کے لیے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کسی دیوالیہ پر پابندی لگائی جائے کہ اس کے لیے بھی حاکم کا فیصلہ لازم ہے اور ایسے اشخاص کے مال کی نگہداشت اور عاید کردہ پابندی ہٹانا بھی حاکم ہی کا کام ہے، اور جب لڑکا بالغ ہو جائے اور اس میں صلاحیت ہو، یا جنون زدہ شخص میں عقل اور سلیقۂ کار آ جائے تو یہ پابندی ہٹا لی جائے۔ اس کے لیے حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مال اس کے سپرد کردیا جائے تاہم مستحب (بہتر) یہی ہے کہ قاضی (حاکم) کی اجازت سے ایسا کیا جائے، اسی طرح یہ بھی امر مستحب ہے کہ اس کی صلاحیت کا ثبوت گواہوں سے بہم پہنچایا جائے اور مال کی سپردگی بھی گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ نیز بالغ ہونے اور صلاحیت اور عقل کا ثبوت ہونے سے پہلے پابندی نہ ہٹائی جائے، اگرچہ اسی حال میں وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بالغ کا رشد (یا اس کی صلاحیت) محض بالغ ہونے پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس میں دینی صلاحیت اور مال برتنے کا شعور (دونوں باتیں) ہونی چاہییں، جیسا کہ پہلے کہا گیا۔

دینی صلاحیت کا ظہور اس امر سے ہو گا کہ صغیرہ گناہوں میں ملوث اور اس کا بار بار مرتکب نہ ہو، اور مالی صلاحیت یہ ہے کہ فضول خرچی اور نفسانی ناجائز خواہشات میں مال برباد نہ کرے، یا خرید و فروخت یا لین دین کے معاملات میں غبن فاحش کا شکار نہ ہو جائے۔ اگر ایسا شخص خیرات اور نیکی کے کاموں اور کھانے پینے میں شاہ خرچی سے کام لے تو اس کو بھی کہا جاتا ہے کہ فضول خرچی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ فضول خرچی نہیں ہے اور اسی قول کو ترجیح ہے۔

بالغ ہونے سے پہلے صلاحیت کار تجربہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کی صورتیں نابالغ شخص کے خاندانی مشاغل کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ پس اگر کسی کا باپ ←

←مثلاً تاجر ہے تو خرید و فروخت کے معاملات کو نمٹانے سے اس کے بیٹے کی آزمائش ہوسکتی ہے۔ اگر باپ زراعت پیشہ ہے تو کھیتی باڑی سے متعلق امور کی انجام دہی سے اس کی صلاحیت کا پتہ چل سکتا ہے کہ اس کو اپنے کاشتکاروں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری سپرد کر کے اور کھیت کاٹنے والوں کی دیکھ بھال وغیرہ کے کام پر لگا کر دیکھا جائے چھوٹی عمر کی لڑکی میں امور خانہ‌داری کے بندوبست مثلاً کھانے کی حفاظت اور امور معیشت میں اس کے سلیقہ کو دیکھ کر اس کی صلاحیت کا تجربہ کیا جاتا ہے۔

صلاحیت کی آزمائش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بالغ ہونے کے بعد ہی کی جا سکتی ہے، لیکن قابل ترجیح قول یہ ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی اس کا تجربہ ہو جاتا ہے۔ اول الذکر قول کے مطابق وہ معاملات جو زیر آزمائش یا مسلوب الاختیار لڑکا انجام دے گا وہ آزمائشی حیثیت کے ہوں گے (قطعی معاملات نہ ہوں گے)۔ اگر ایسے شخص اور معاملہ کے فریق ثانی سے اس بات پر اتفاق بھی ہو جائے تو اس معاملہ کو ولی پر چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ وہ خود تو بالغ نہیں ہے اس لیے بقول راجح اس کا کیا ہوا معاملہ درست متصور نہ ہو گا۔ اور ثانی الذکر قول کے مطابق اس معاملہ کا ذمہ دار وہ (لڑکا) خود ہو گا، کیونکہ بالغ مانا گیا ہے۔

واضح ہو کہ رشد (صلاحیت) کی آزمائش دو یا اس سے زیادہ مرتبہ تجربہ کر کے ہو سکتی ہے، یہاں تک کہ اس کی صلاحیت کی بابت گمان غالب حاصل ہو جائے۔

کسی شخص کو محجور (نااہل یا) محروم التصرف قرار دینے کے لیے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت قاضی (حاکم) کے فیصلہ کی حاجت نہیں ہے۔ اسی طرح نا اہلیت (کی پابندی) قاضی کے حکم کے بغیر ہٹائی جا سکتی ہے کیونکہ جو پابندی قاضی کے فیصلہ کے بغیر عاید کی گئی ہے اس کو ہٹانا بھی قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ پابندی باپ یا دادا ہٹا سکتا ہے۔ نگران حال یا وصی کو پابندی کے ہٹانے کا اختیار ہونے کی بابت دو رائیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس پابندی کا دور کرنا قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے، کیونکہ اس کا فیصلہ غور و فکر اور سوچ بچار کا محتاج ہے۔

→ اگر لڑکا بالغ ہونے کے بعد رشید (یعنی صاحب صلاحیت) ہو یعنی مال کے برتنے میں سلیقہ مند اور دین کے راستوں پر گامزن ہو تو اس پر حجر (یا پابندی) مطلق نہ ہو گی - اگر بالغ ہو کر بھی اس میں صلاحیت کار مفقود رہی تو نااہلیت کی پابندی برقرار رہے گی کیونکہ اگر نابالغیت کی صلاحیت ختم ہو جائے، تاہم بہ سبب کم عقلی اور بے راہ روی کے اس میں پھر نا اہلیت آ گئی ہے - اور اس کے مال میں تصرف کا حق اسی کو ہو گا جس کو اس سے پہلے تھا - اب اس بارے میں کہ اندریں حال کسی کی مداخلت کے بغیر اس پر پابندی عاید کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اختلاف ہے - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ دوبارہ قاضی (یا حاکم) کے فیصلے کے بغیر اس کو نا اہل نہیں قرار دیا جا سکتا اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ باپ، دادا یا وصی بھی قاضی کی طرح دوبارہ اسے نا اہل قرار دے سکتا ہے اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس پر پھر وہی پابندی عاید ہوجائے گی، خواہ کوئی شخص عاید کرے یا نہ کرے - اگر کوئی شخص فضول خرچی تو نہ کرتا ہو لیکن ایسی دینی گمراہی میں مبتلا ہو جس میں مال کا ضیاع نہ ہو مثلاً بخل (یا حرص) اور زکواۃ نہ دینا اور نماز وغیرہ نہ پڑھنا تو بقول معتمد ان اسباب کی بنا پر اسے محجور (یا نا اہل) قرار نہیں دیا جا سکتا - البتہ ایسا گناہ جس میں بیجا خرچ ہو، مثلاً بدکاری، جوا اور مال ضائع کرنے والی نفسانی خواہشات میں پڑ جانا، ایسی صورت میں حجر (یا پابندی بوجہ نا اہلیت) واجب ہے، کیونکہ یہ مال کا ضائع کرنا ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نابالغ لڑکا بالغ ہو کر نااہل ہو جائے بایں طور کہ اسے جنون ہو جائے یا اس میں اپنے مال کے تحفظ کی صلاحیت نہ رہے تو نا اہلیت برابر برقرار رہے گی - ہاں جب ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کرنے کے قابل ہے تو بالغ ہونے پر بغیر باپ کے ہٹائے نا اہلیت کی پابندی از خود دور ہو جائے گی - لیکن اگر اس کا کوئی ولی ہو جسے باپ نے وصی بنایا ہو تو جب تک یہ وصی نا اہلیت کی پابندی نہ ہٹائے یہ پابندی باقی رہے گی - کم عقلی کی وجہ سے جو نا اہلیت کی پابندی ہو اس کو ہٹانے کی کیفیت آگے بتائی گئی ہے -

(پابندی دور ہونے کی بابت باپ اور وصی کی) دونوں صورتوں میں جو ←

ولی یا وصی کا بیان

نابالغ (بچہ) یا کوئی اور، جسے مجبور (نا اہل) قرار دیا جائے، اس کا ولی (یا سرپرست) اس کا باپ ہوتا ہے درآنحالیکہ اس کا باپ ولی بننے کے قابل موجود ہو، یعنی وہ خود جنون زدہ یا مجبور نہ ہو۔ باپ کے علاوہ کسی اور (کے سر پرست بننے) کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

← فرق ہے وہ یہ ہے کہ بیٹے کے لیے باپ کا ولی (یا سرپرست) ہونا کسی درمیانی واسطہ کے بغیر ثابت ہے، لہٰذا جب لڑکے میں صلاحیت آ جائے تو (جس طرح اس پر پابندی از خود عاید ہو گئی تھی) از خود دور ہو جائے گی، کسی اور امر کی حاجت بجز صلاحیت ثابت ہو جانے کے نہیں ہے۔ لیکن وہ شخص جسے باپ نے لڑکے کا ولی بننے کی وصیت کی ہے اس کو یہ سرپرستی باپ کے واسطہ سے حاصل ہوئی ہے لہٰذا پابندی ہٹانے کے لیے لڑکے میں صلاحیت آ جانے کے علاوہ) ایک اور امر کی ضرورت ہے اور وہ امر وصی کا پابندی ہٹانا ہے (از خود یہ پابندی دور نہ ہو گی)۔ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ (مجبور) لڑکا ہو؛ اگر لڑکی ہو تو اس کے مال کو اس کے سپرد کرنا صلاحیت ہونے کے علاوہ ایک اور امر پر موقوف ہے اور وہ خاوند کا ہونا ہے جس کے ساتھ تخلیہ ہو چکا ہو۔ اگر اس کی شادی نہیں ہوئی اور خاوند کے ساتھ اس کا تخلیہ نہیں ہوا تو ہنوز وہ اس کی مستحق نہیں ہوئی کہ اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اس امر کی مزید تفصیل کم عقل شخص پر پابندی عاید کرنے کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صغر سن بچے کا ولی مالی معاملات میں اس کا باپ ہے اس کی وفات کے بعد اس کا ولی وہ شخص ہوگا جسے باپ نے ولی بننے کی وصیت کی ہو اور وصی کی وفات کے بعد وہ وصی ہوگا جسے باپ کے وصی نے وصی بنایا ہو۔ اس کے بعد دادا ولی ہوگا اور یا وہ جو اس سے اوپر ہو (یعنی پڑدادا سگڑدادا وغیرہ)۔ اس کے بعد دادا نے جسے وصی بنایا ہو پھر دادا کے بنائے ہوئے وصی کا وصی اس کے بعد والی ملک جسے فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر قاضی یا وہ شخص جسے قاضی نے مامور فرمایا ہو ان دونوں میں جو کوئی بھی (مجبور کے)←

← مال میں تصرف کرے گا اسے صحیح مانا جائے گا - غرض یہ ہے کہ باپ کے وصی کی موجودگی میں دادا وصی نہیں ہو سکتا اور دادا کے وصی کی موجودگی میں حاکم یا قاضی کو ولی بننے کا حق نہیں ہے - اس کے بعد کوئی (ترجیحی) ترتیب نہیں ہے ، لہٰذا حاکم یا قاضی یا کوئی بھی شخص جسے قاضی مقرر کردے وہی ولی ہوگا -

(بچے کے) مالی امور میں ماں کو ولی کے حقوق حاصل نہیں ہیں ، لہٰذا ماں اگر وفات پانے سے پہلے اپنے بچے کے حق میں کسی کو ولی بنانے کی وصیت کر گئی ہو تو اس وصی کو ماں کے ترکے میں تصرف کا حق نہ ہوگا ، درآنحالیکہ باپ یا اس کا وصی یا اس وصی کا وصی یا دادا یا دادا کا وصی موجود ہو - اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو اب اس کی ماں کے وصی کو چاہیے کہ اس کے ترکہ کی حفاظت کرے اور منقولہ املاک کو فروخت کر دے کیونکہ فروخت کرکے ہی متروکہ مال کی حفاظت کی جا سکتی ہے - اس کے علاوہ کوئی اور تصرف (محجور کے) مال میں کرنے کا حق نہیں ہے ، خواہ وہ اسے ماں کے ورثہ میں ملا ہو یا کسی اور طرح سے - اسی طرح باقی دوسرے قریبی رشتہ داروں میں سے بھی کسی کو صغیر سن بچے کے مالی معاملات میں حق ولایت حاصل نہیں ہے - یعنی بھائی یا چچا وغیرہ کسی کو مذکورہ بالا حق دار ولیوں میں سے جن کو بالترتیب بیان کیا گیا کسی کی موجودگی میں تصرف کا حق نہیں ہے -

رہا نکاح کی ولایت کا سوال ، سو اس کا ثبوت چار طریقوں سے ہوتا ہے : رشتہ داری ، ولایت ، امامت یا حکومت -

ولی ہونے کا حق بالترتیب بموجب ذیل ہے :

بیٹا ، پھر اس کے نیچے پوتا ، پڑپوتا وغیرہ - اس کے بعد باپ پھر اس کے اوپر دادا پڑدادا وغیرہ ، پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا پھر بھائی کا باپ شریک بیٹا اور اس کے نیچے کی اولاد در اولاد ، پھر حقیقی چچا پھر باپ کی طرف سے چچا - پھر حقیقی چچا کی اولاد در اولاد ، پھر ان کے بیٹے - اسی ترتیب سے پھر دادا کا حقیقی چچا پھر باپ شریک چچا پھر ان دونوں کی اولاد اسی ترتیب سے - اس کے بعد عورت کے بعید ترین پدری رشتہ دار یعنی دور کے ←

→چچا کا لڑکا۔ غرض ان میں سے ہر ایک کو بالترتیب بچے کے نکاح کے بارے میں ولی بننے کا حق حاصل ہے اور لڑکی یا لڑکے کو جب کہ وہ کم سن (نابالغ) ہوں شادی پر مجبور کرنے کا حق ہے۔ بالغ ہونے کے بعد یہ حق نہیں رہتا۔ اگر پدری رشتہ داروں میں کوئی نہ ہو تو مادری رشتہ سے جن کو ورثہ ملتا ہے انہیں ولی بننے کا حق ہے۔ ان میں قریب ترین رشتہ دار ماں ہے پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر پوتے کی بیٹی پھر نواسی کی بیٹی پھر حقیقی بہن پھر ماں شریک بھائی اور بہن پھر ان کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اس کے بعد پھپھی پھر ماموں پھر خالہ پھر چچا زاد بہن۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نانا کو بہن پر فوقیت ہے. اس کے بعد آزاد شدہ غلام، پھر بادشاہ پھر نانی اور پھر وہ جسے نانی نے والی بنایا ہو۔ پھر آزاد شدہ غلام، پھر بادشاہ پھر قاضی اور یا وہ جسے قاضی مامور فرمائے۔

واضح ہو کہ صغر سن بچے کے باپ یا دادا کو بچے کی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کے بارے میں حق ولایت ثابت ہے اور جب تک بچہ بالغ ہونے کے بعد رشد (صلاحیت) نہ پیدا کر لے وہ بدستور اس کا ولی رہے گا۔ بالغ ہونے پر بھی اگر یہ معلوم ہو کہ اس کو جنون لاحق ہے، یا عقل باختہ ہے، تو باپ یا دادا مسلسل اس کے ولی رہیں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بچے کا ولی اس کا باپ ہے پھر اس کا دادا پشت در پشت۔ اگر باپ اور دادا دونوں ہوں تو قدرتی طور پر باپ کو دادا پر فوقیت حاصل ہوگی بجز اس صورت کے جب کہ باپ میں ولی بننے کی صلاحیت ہی نہ ہو، مثلاً وہ خود محجور (یا ممنوع التصرف) یا اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ باپ اور دادا کے ولی ہونے کےلیے صرف یہ کافی ہے کہ بہ ظاہر وہ عادل (حق پسند) ہوں۔ باپ کی وفات یا ولی بننے کے نا اہل ہونے کی صورت میں (باپ کی زندگی ہی میں) دادا ولی ہو جائے گا۔ دادا کے بعد ولی بننے کا حق اسے حاصل ہو گا جسے باپ یا دادا دونوں میں سے کسی نے، جس کا انتقال بعد میں ہوا، وصی بنا دیا ہو۔

اگر (بچے کے) دادا کی وفات باپ کی وفات کے بعد ہوئی اور وہی ولی تھا تو←

ـ اب ولی وہ ہوگا جسے دادا نے وصیت کی ہو۔ اور اگر دادا کے بعد باپ کی وفات ہوئی تو اب ولی وہ ہوگا جسے باپ نے وصیت کی ہو ۔ باپ کا دادا کی زندگی میں کسی کو ولی بنانا درست ہے ۔ پس اگر دادا کی زندگی میں باپ کا انتقال ہوگیا اور باپ کا بعد میں انتقال ہوا تو بچے کی سرپرستی (یا ولایت) کا حق اسے ہوگا جس کے حق میں باپ نے دادا کی زندگی میں وصیت کی تھی ، کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دادا کی وفات کے بعد وصیت کی جائے ۔

وصی کے لیے بقول معتمد یہ شرط ہے کہ ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے عادل (منصف مزاج) ہو ۔

باپ اور دادا کے بنائے ہوئے ولی (وصی) کے بعد یہ ولایت قاضی (حاکم شرع) کو منتقل ہو جائے گی جسے اختیار ہوگا کہ یا تو وہ خود ولی کے فرایض انجام دے یا کسی اور امانت دار شخص کو مقرر فرمادے ۔

اگر لڑکا (محجور) ایسے شہر میں ہو جہاں پر قاضی ہے ، لیکن اس کا مال ایسے شہر میں ہے جہاں کا قاضی کوئی اور ہے تو مال کا نگران وہ قاضی ہوگا جو اس شہر کا قاضی ہے جہاں مال ہے اور اسی کو یہ حق ہوگا کہ مال کو فروخت کرے یا کرائے پر چڑھائے ۔ لیکن جہاں تک اس مال سے استفادہ کا تعلق ہے اس کا حق اس شہر کے قاضی کو ہے جہاں وہ (محجور) لڑکا رہتا ہے ۔

ماں کے ولی بننے کے بارے میں قول معتمد یہ ہے کہ اسے ولی بننے کا حق نہیں ہے جب تک باپ یا دادا یا قاضی نے اسے ولی نہ بنایا ہو ۔ ماں اگر ولی بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو غیروں پر اسے ترجیح حاصل ہے ۔ ماں کے علاوہ دوسرے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کی حیثیت یکساں ہے ۔ تاہم پدری رشتہ داروں کو یہ حق ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت پر اس کے مال میں سے خرچ کریں ، خواہ انہیں (باقاعدہ) ولی نامزد نہ کیا گیا ہو اور عام طور پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ولی وہ شخص ہے جسے نابالغ لڑکے کو 'محجور' یا مسلوب الاختیار کرنے کا حق ہے ۔ اس میں سب سے پہلا حق باپ کا ہے اس کے بعد وہ شخص جسے باپ نے وصی بنایا ہو ، اس کے بعد وہ شخص جس کے لیے باپ ـ

کے وصی نے وصیت کی ہو - وعلیٰ ہٰذا القیاس - جہاں حاکم ولی نہ بن سکے یا کوئی حاکم ہی نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت اس کی ولی ہوگی -

اب جاننا چاہیے کہ نابالغ لڑکے کے مجبور (مسلوب الاختیار) ہونے کی دو قسمیں ہیں :

اول یہ کہ اسے اپنی ذات کے متعلق اختیار نہ ہو -

دوم یہ کہ اسے اپنے مال (میں تصرف) کا اختیار نہ ہو -

اپنی ذات پر اختیار نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ ہلاکت سے اپنے تئیں بچانے اور ضرر رساں باتوں سے محفوظ رہنے کی صلاحیت سے محروم ہو تو ایسے بچے کو اس کے حال پر نہ چھوڑا جائے گا کہ وہ ایسی حرکات کا مرتکب ہو جو اس کی ہلاکت کا باعث ہوں -

مال میں مسلوب الاختیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنا مال برباد کرنے سے اس طرح روکا جائے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے -

یتیم بچے کے کفیل رشتہ دار ، دادا ، چچا ، ماں وغیرہ کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے مال میں (باپ کی) وصیت کے بغیر تصرف کریں - اگر یتیم بچے کے باپ نے ان میں سے کسی کے حق میں (ولی بننے کی) وصیت نہیں کی یا قاضی نے مامور نہیں فرمایا تو ان کو یتیم کے مال پر حق ولایت حاصل نہیں ہے - ہاں اگر عام طور پر یہ دستور ہو کہ یہ لوگ بطور ایک ولی کے بچے کے کفیل ہوتے ہیں گو ان کے لیے وصیت نہ ہو تو اسی دستور پر عمل کیا جائے گا اور وہ ولی کی طرح یتیم بچے کے مال میں تصرف کر سکیں گے - بعض اصحاب نے امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بچے کا کفیل وصی کی مانند ہے گو اس کا عام دستور نہ ہو - پس اگر کوئی شخص چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر وفات پا گیا اور اس کا دادا یا چچا اس کا کفیل ہوا تو اسے 'ولی' کی طرح بچے کے مال میں تصرف کا بھی حق ہوگا -

حنابلہ کہتے ہیں کہ نابالغ بچے یا جنون زدہ مرد یا عورت کا ولی اس کا آزاد ، با شعور اور منصف مزاج باپ ہے ، خواہ وہ محض بظاہر ایسا ہو - کسی کافر (غیر مسلم) کا اپنے بیٹے کا ولی بننا درست ہے بشرطیکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق

آیا نابالغ بچے کے ولی کو اس کی جائداد غیر منقولہ کی فروخت کا اختیار ہے

اس بارے میں کہ آیا بچے کے ولی کو اس کی جائداد غیر منقولہ، مثلاً مکان یا اراضی کے فروخت کرنے کا اختیار ہے؟ اہل مسالک کے درمیان اختلاف ہے۔[۱]

← منصف مزاج ہو۔ باپ کے بعد وہ شخص ولی ہوگا جس کی بابت باپ نے وصیت کی ہو۔ لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ وہ شخص عادل (منصف طبع) ہو۔ ولایت کا حق اسی کو منتقل ہوگا خواہ اسے اجرت دینی پڑے اور گو ایسا شخص موجود ہو جو یہ کام رضا کارانہ طور پر (بلا اجرت) انجام دے، کیونکہ (وصی) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی کی حین حیات میں وکیل کی ہوتی ہے۔ اگر باپ نہ ہو اور اس نے کسی کے لیے ولی بننے کی وصیت نہ کی ہو یا باپ ہو لیکن اس میں ولی بننے کی اہلیت نہ ہو تو ایسے بچے یا مجنون کا ولی حاکم ہوگا اور دادا، پڑدادا وغیرہ یا ماں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کو ولی بننے کا حق نہ ہوگا۔

کسی ولی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ محجور بچے یا مجنون شخص کے مال میں تصرف کرے جب تک کہ اسی میں ان کے لیے بہتری پیش نظر نہ ہو۔ پس اگر کارخیر کے طور پر ان کا مال کسی کو دیا گیا یا صدقہ وغیرہ کیا گیا تو اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ اگر مال گھاٹے سے فروخت کیا گیا تو وہ ذمہ دار ہوگا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ کو روا ہے کہ وہ اپنا مال اپنے کم سن بچے کے ہاتھ فروخت کردے یا اس کا مال اپنے لیے خرید لے۔ پس اگر باپ نے اپنے بچے کے لیے کچھ فروخت کیا یا اس کی کوئی شے اپنے لیے خریدی تو بقول صحیح تکمیل بیع کے لیے ایجاب و قبول (یا معاملہ طے کرنے کی بات چیت) ضروری نہیں ہے۔ پس اگر یوں کہا کہ میں نے یہ مال اپنے بچے کی طرف سے فروخت کرلیا وغیرہ تو درست ہے؛ اگرچہ یہ نہ کہا ہو کہ میں نے اس کا خریدنا قبول کرلیا ←

← لیکن یہ خرید و فروخت اس صورت میں صحیح ہوگی جب کہ مناسب قیمت پر یا معمولی سے فرق کے ساتھ جو بالعموم معاملات میں ہوتا رہتا ہے ہوئی ہو - لیکن اگر واضح طور پر زیادتی ہوئی ہو تو یہ بیع درست نہ ہوگی اور اس معاملہ پر عمل درآمد قاضی کی اجازت سے ہو سکے گا - اگر قاضی نے مناسب سمجھا کہ معاملہ کو توڑ دینے میں بچے کا فائدہ ہے تو اسے چاہیے کہ اسے فسخ کردے - اگر باپ نے (کم قیمت پر) خریدا ہے تو اس کی تلافی باپ سے براہ راست نہیں کرائی جائے گی بلکہ قاضی اس بچے کی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرے گا جو باپ سے وصول کرکے باپ کو بطور سپردگاری (یا امانت) حوالہ کر دے گا -

اگر باپ نے اپنے 'کمسن بچے' کے لیے کوئی مکان خریدا اور وہ خود اس میں مقیم ہے تو جب تک کہ باپ اسے خالی کرکے قاضی کے (مامور کردہ) تحویلدار کو سپرد نہ کر دے بچے کو اس کا قبضہ منتقل نہیں کیا جا سکتا - اگر باپ یا اس کا کنبہ باوجود خوشحال ہونے کے پھر اسی مکان میں رہنے لگے تو اسے غاصب (یا نا جائز قابض) قرار دیا جائے گا -

باپ کے لیے جائز ہے کہ اپنے صغیر سن بچے کا مال کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دے - لیکن اگر وہ مال غیر منقولہ جائداد ہے، جیسے مکان یا اراضی وغیرہ تو اس کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں :

اول یہ کہ اس کے دام مناسب یا اس سے زیادہ وصول کیے جائیں -

دوم یہ کہ باپ یا تو پسندیدہ اطوار مشہور ہو اور یا مجہول الحال ہو - اگر باپ بد اطوار ہو تو یہ معاملہ بقول صحیح ناجائز ہوگا، اگرچہ مناسب قیمت پر فروخت ہوا ہو - ہاں منقولہ مال ہو اور اس کی فروخت سے بچے کو فائدہ ہو تو گو باپ بداطوار مشہور ہو، یہ فروخت جائز ہے - اگر باپ نے بچے کا مال فروخت کیا اور کچھ دام وصول ہوگیا ہے (پورا وصول نہیں ہوا) تو باپ کو فروخت شدہ شے کے واپس لینے اور یا پورا زرثمن وصول کرنے تک وصول شدہ دام اپنے پاس رکھنے کا حق ہے -

وصی کو بھی بقول امام ابو حنیفہؒ جائز ہے کہ اپنا مال اس بچے کے ہاتھ جس کا وہ نگران حال ہے فروخت کر دے اور یا اس کا مال اپنے لیے خرید لے - ←

ـ لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے ، اور ایک قول یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ جائز ہے، تاہم اس کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں :

ایک شرط تو یہ ہے کہ اس میں بچے کا فائدہ ہو ۔ اور فائدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خرید شدہ مال کے دام بہ نسبت اس دام کے جس میں وہ کسی اور سے خریدا جا سکتا بہ قدر ایک تہائی کے زیادہ دیے گئے ہوں ۔ مثلاً اگر وہ مال دوسری جگہ سے دس میں ملتا تو لازم ہے کہ بچے کا مال ولی پندرہ میں خریدے ۔ اگر اس سے کم میں خریدا تو اسے بچے کا فائدہ قرار نہ دیا جائے گا لہٰذا یہ معاملہ ناجائز ہے ۔ اسی طرح اگر بچے کے مال سے فروخت کی اور وہ چیز ایسی ہے کہ اسے پندرہ میں بیچا جا سکتا تو اسے صرف دس میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معاملہ میں باقاعدہ ایجاب و قبول ہو (یعنی لین دین کے الفاظ بولے جائیں) بایں طور کہ یہ کہا جائے کہ میں نے یہ مال بچے کی طرف سے فروخت کیا اور خریداری قبول کر لی ۔ باپ کے معاملہ میں یہ ضروری نہیں ہے ۔ وہاں الفاظ قبول کی شرط نہیں ہے ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا رہا وصی کا بچے کے مال کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا ، سو یہ اس صورت میں درست ہوگا جب کہ حسب ذیل تین باتیں پائی جائیں :

اول یہ کہ مال دگنی قیمت پر فروخت کیا جائے ۔

دوم یہ کہ بچے کو واقعی اس مال کے دام درکار ہوں ۔

سوم یہ کہ اس مال سے متوفی (باپ یا مورث) کا قرض ادا کرنا ہو اور اس کے سوا اور کوئی سبیل نہ ہو کہ وہ قرض ادا کیا جا سکے ۔ اسی پر فتویٰ ہے ۔ اور یہ فروخت لاگو اس وقت ہوگی جب کہ قاضی نے اجازت دے دی ہو ۔ اگر اس معاملہ کی تنسیخ میں بچے کا فائدہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ بیع سے روک دے جیسا کہ 'باپ' (کے وصی ہونے) کی صورت میں بتایا گیا ۔

اگر وصی نے یتیم کی جائداد ادھار فروخت کردی اور قیمت کی ادائیگی کے لیے اتنی طویل مدت رکھی جتنی اس مال کی فروخت کے لیے بالعموم درکار نہیں ہوتی تو یہ بیع جائز نہ ہوگی ۔ اسی طرح اگر یہ اندیشہ تھا کہ خریدار ادائیگی قیمت سے منکر ہو جائے گا یا مال تلف کردے گا تو (ایسی حالت میں) تھوڑے ـ

عرصہ کے وعدے پر بھی (ادھار) فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر تھوڑے عرصے کے وعدے پر فروخت ہو اور اس کے دام کا کوئی ضامن ہو تو جائز ہے۔

اگر کوئی شخص، مثلاً صغر سن بچے کا مال ایک ہزار میں خریدنے پر تیار ہو اور کسی دوسرے شخص نے آکر ایک ہزار سے ایک سو زیادہ دام لگا دیے۔ لیکن پہلا شخص دوسرے سے زیادہ مال دار ہے تو وصی کو چاہیے کہ پہلے شخص ہی کے ہاتھ فروخت کرے جس پر زیادہ وثوق ہے اور ایک سو کی زیادتی کو نظرانداز کردے۔

اگر کسی شخص نے کوئی وصی مقرر کردیا لیکن بالغ اولاد چھوڑ کر وفات پائی تو ایسی صورت میں وصی کے کیا فرائض ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہوں گی۔

ایک صورت یہ ہے کہ متوفی کے مال ترکہ پر کسی قرض کا بار نہ ہو اور اس کی بالغ اولاد نرینہ موجود ہو۔ ایسی صورت میں وصی کو ترکہ میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس کی مداخلت صرف اسی حالت میں ہوگی جب کہ متوفی کا دوسروں پر کچھ قرض ہو۔ اس صورت میں وصی پر لازم ہے کہ وہ قرض وصول کرکے متوفی کی وارث اولاد کو دے دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ متوفی پر پورے مال متروکہ کے برابر قرض ہو۔ ایسی صورت میں وصی کو اس کے ترکہ کا کام انجام دینا ہوگا کہ مال متروکہ کو فروخت کرکے تمام قرض چکا دے اور اگر قرض مال متروکہ کے کچھ حصہ کے برابر ہو تو وصی اسی قدر مال فروخت کرے جو ادائے قرض کے لیے کافی ہو۔ اگر متوفی کے ورثا میں سے کسی کو ادائے قرض کا مقدور ہو تو پھر وصی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ متوفی نے اپنے مال کے ایک تہائی حصہ یا اس سے کم کے بارے میں کوئی وصیت کی ہو تو وصی کا یہ کام ہوگا کہ اسی قدر فروخت کرکے وصیت کو پورا کرے۔ ہاں اگر متوفی کے ورثاء یہ کام خود انجام دے سکیں تو وصی کو کچھ نہ کرنا ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ متوفی کے ورثا تین دن کی مسافت پر ہوں اور ترکہ پر قرض یا وصیت کا بار نہیں ہے تو وصی کو چاہیے کہ صرف اموال منقولہ کو فروخت کر دے ۔ بقول صحیح اموال غیر منقولہ کو فروخت نہیں کر سکتا ، اگرچہ اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو ۔ اسی طرح اگر ترکہ پر مشترکہ قرضہ کا بار ہو تب بھی صرف اموال منقولہ کو فروخت کرنا چاہیے خواہ وہ مقدار قرض سے زیادہ ہو یا کم ۔

واضح ہو کہ باپ کا وصی ویسا ہی ہے جیسے باپ کے وصی کا وصی ۔ اور دادا کا وصی اور قاضی کا وصی اور قاضی کے وصی کا وصی بھی ایسے ہی ہیں جیسے باپ کا بنایا ہوا وصی ؛ صرف اتنا فرق ہے کہ اگر قاضی نے کسی خاص مقصد کے لیے کسی کو 'ولی' مقرر کیا ہے تو اس کو اس سے زیادہ تجاوز کرنا درست نہیں ہے ۔ لیکن باپ نے اگر کسی ایک مقصد کے لیے وصی بنایا تو وہ ہر معاملہ میں وصی متصور ہوگا ۔

یاد رہے کہ قاضی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنا مال یتیم کے ہاتھ فروخت کرے یا اس کا مال اپنے لیے خرید کرے ۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر بچے کا فائدہ پیش نظر ہو تو باپ کو حق ہے کہ اپنا مال اپنے بچے کو فروخت کر دے یا اس کا مال خود خرید لے ۔ اگر اس بیع سے ذاتی فائدہ مقصود ہو تو یہ بیع منسوخ ہوگی اور مال فروخت شدہ اگر اسی حالت میں محفوظ ہے تو واپس کر دیا جائے گا ، لیکن اگر مال ضایع ہوگیا یا خراب ہوگیا تو باپ اس کی مالیت کا قرضدار رہے گا ۔ باپ خوش حال ہو یا خستہ حال اس سے فرق نہیں پڑتا ۔ اسی طرح باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے کم سن بچے یا بے عقل اولاد کو بغیر ان اسباب کی پیش آمد کے جن کی تفصیل وصی کے بیان میں آگے آ رہی ہے فروخت کر دے ، خواہ یہ مال منقولہ ہو یا غیر منقولہ ، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ بچے کا فائدہ پیش نظر ہو ۔ اور ایسا ہو کہ بچے کو بڑا ہو کر اس پر کوئی اعتراض نہ رہے ۔ اگر اس کے مال کو اپنے فائدے کے پیش نظر فروخت کیا تو یہ بیع منسوخ کر دی جائے گی جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔

وصی کے لیے اپنے زیر کفالت کم سن بچے کا مال فروخت کرنا جائز نہیں ←

ہے تاآنکہ حسب ذیل امور میں سے کوئی امر درپیش نہ ہو :

اول یہ کہ اس کا فروخت کرنا کسی ضرورت کے لیے ہو ، مثلاً (بچے کے) خرچ پرچ یا اس کا قرض چکانے کے لیے فروخت مال کے سوا اور کوئی سبیل کار نہ ہو ۔

دوسرے یہ کہ وہ مال عام قیمت سے ایک تہائی زیادہ یا اس سے بھی زیادہ میں فروخت ہو ۔ اور یہ کہ ایسے مال کے عوض نہ فروخت ہو جس کی بابت معلوم ہے کہ وہ حرام ہے ۔ جس کی بابت معلوم نہ ہو اسے حلال تصور کیا جائے گا ۔

تیسرے یہ کہ اس مال کو ذخیرہ اندوزی سے بچنے کے لیے فروخت کیا جائے ۔ اور وصی کا ارادہ یہ ہو کہ اس کو فروخت کرکے اور مال خرید لیا جائے تاکہ ذخیرہ اندوزی کا شائبہ نہ ہو ۔ لیکن اگر اس مال میں نسبتاً افزونی زیادہ ہو تو اس کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا ۔

چوتھے یہ کہ کسی مکان یا زمین وغیرہ میں حصہ ہو تو ولی کے لیے درست ہوگا کہ اسے فروخت کرکے اس کی بجائے کوئی اور جائداد خرید لے جس میں شرکت کا جھگڑا نہ رہے ۔

پانچویں یہ کہ کوئی جائداد ایسی ہو جن سے کوئی پیداوار نہ ہوتی ہو یا بہت کم ہوتی ہو تو اسے فروخت کرکے کوئی اور جائداد خرید لی جائے جس سے پیداوار میں اضافہ ہو ۔

چھٹے یہ کہ کوئی مکان برے لوگوں کے پڑوس میں ہو جن سے دنیوی یا دینی ضرر کا اندیشہ ہو تو اسے فروخت کرکے اچھے لوگوں کے پڑوس میں کوئی مکان خرید لیا جائے ۔

ساتویں یہ کہ اس مکان میں کوئی شریک ہو اور وہ شراکت دار اس مکان کو بیچنا چاہتا ہو اور (مجبور کے پاس) اتنا مال نہ ہو کہ اسے خرید سکے اور یہ بھی ممکن نہ ہو کہ اس کے الگ الگ حصے کیے جا سکیں تو اس کا فروخت کرنا صحیح ہے ، خواہ اس کی بجائے کوئی اور مکان نہ خریدا جا سکے ۔

آٹھویں یہ کہ مکان کے منہدم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور اتنا مال نہ ہو کہ منہدم کرنے کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی جا سکے ، تو اسے فروخت کر دیا جائے۔ اسی طرح

نویں یہ کہ وہ مکان ایسا ہو کہ اس کے مسمار ہو جانے کا اندیشہ ہو اور گو اتنا مال ہو کہ اس کی دوبارہ تعمیر کی جا سکے لیکن تعمیر کی بجائے اس کے فروخت کرنے ہی میں فائدہ ہو (تو اسے فروخت کر دیا جائے) -

دسویں یہ کہ کسی ظالم کے دانت اس جائداد پر ہوں اور اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، مثلاً یہ کہ اس زمین پر کچھ لوگوں کا ناجائز عمل دخل ہو یا اس کی آمدنی پر زبردستی قبضہ جمائے ہوئے ہوں اور انہیں باز رکھنے کا مقدور نہ ہو (تو اسے فروخت کر دیا جائے) -

الغرض باپ کے بتائے ہوئے وصی کو جائز نہیں ہے کہ اپنے زیر تحویل صغیر سن بچے کی جائداد کو حسب بالا وجوہ کے بغیر فروخت کرے -

رہا یہ سوال کہ آیا محض ولی کے بیان سے فروخت کرنے کی وجہ کو تسلیم کر لیا جائے یا نہ تسلیم کیا جائے ، بلکہ اس کے لیے گواہ لانے ہوں گے - اس کے بارے میں اختلاف ہے - بخلاف باپ کے کہ اسے اپنے محجور (نا اہل معاملہ) فرزند کی املاک فروخت کرنے کے لیے کوئی وجہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے - اس کے کیے ہوئے کو بچے کی بہبود پر محمول کیا جائے گا ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا -

وصی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یتیم کے مال کو کسی معاوضہ میں ہبہ کردے یا بغرض ثواب ہبہ کرے ، لیکن حاکم یا حاکم کے معین کردہ وصی کو جو اس کی سرپرستی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے یہ حق ہے کہ وہ ایسے یتیم بچے کے مال کو فروخت کرے جس کے باپ نے کسی کو اس کا وصی نہ مقرر کیا ہو ، درآنحالیکہ فروخت کرنا ضروری ہو - اس کے لیے حسب ذیل شرایط ہیں :

اول یہ کہ اس بچے کی یتیمی ثابت ہو -

دوم یہ کہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو اس کا وصی نہ بنایا ہو -

←

۔ سوم یہ کہ جس جائداد کا بیچنا مقصود ہے اس کی ملکیت بحق یتیم ثابت ہو بایں طور کہ کم ازکم دو گواہ اس امر کی شہادت دیں کہ فلاں جائداد اس بچے کی مملوکہ ہے ۔

چہارم یہ کہ قاضی (حاکم شرع) ایک جماعت کو اس جائداد کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجے جو داخلی اور خارجی طور پر تحقیقات کرکے قاضی کے سامنے یا قاضی کے مقرر کردہ فرستادے کے سامنے شہادت دیں کہ یہ جائداد جس کا انھوں نے معائنہ کیا ہے فی الواقع وہی ہے جس کی بابت شاہدوں نے شہادت دی ہے کہ یہ جائداد اس صغیر سن بچے کی مملوکہ ہے ۔ اگر ابتدائی شہادت دینے والا ہی اس جائداد کی حدود اربعہ بیان کر دے اور اس کی پوری پوری تفصیل بتا دے تو پھر معاینہ کرنے والوں کی گواہی ضروری نہ رہے گی ۔ اس کو ''بینۂ حیازہ'' (یا ماہرین کی شہادت کہتے ہیں ۔

پنجم یہ کہ جائداد زیر فروخت کی تشہیر اور منادی کرائی جائے اور اس کی فروخت کی بابت حاکم کی جانب سے اعلان کیا جائے ۔

ششم یہ کہ جو دام اس کے لگائے گئے ہیں اس سے زیادہ کوئی اور خریدار دینے کے لیے تیار نہ ہو ۔

ہفتم یہ کہ اس کی قیمت واجبی ہو یا عام قیمت سے زیادہ ملتی ہو ۔

ہشتم یہ کہ وہ مال تجارت نہ ہو ، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ سستا فروخت ہو جائے جس سے بچے کو نقصان پہنچے ۔

نہم یہ کہ اس کی فروخت نقد ہو ، ادھار نہ ہو ، کیونکہ اس سے اندیشہ ہے کہ مبادا خریدار دیوالیہ ہو جائے جس سے بچے کو نقصان اٹھانا پڑے ۔

دہم یہ کہ قاضی (حاکم شرع) ایک دستاویز تیار کرے جس میں یہ درج ہو کہ اس نے ان شہادتوں کی بنا پر جن کے نام اس میں ثبت ہیں فروخت کا فیصلہ کیا ۔ اس میں درج ہو کہ فلاں فلاں اشخاص کی شہادت کی بنا پر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ فلاں بچہ یتیم ہے اور فلاں فلاں اشخاص نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ بے وصی کا بچہ ہے جس کے باپ نے کسی کو اس کا وصی نہیں بنایا اور فلاں فلاں اشخاص نے گواہی دی ہے کہ وہ بچہ اس جائداد کا مالک ہے وغیرہ ۔

←

→ امور متذکرہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بچے کی املاک کو فروخت کرے تاآنکہ وہ بچہ یتیم ہو، اس کا باپ زندہ نہ ہو اور اس نے کسی کو وصی مقرر نہ کیا ہو - ایسے بچے کو شرع کی اصطلاح میں ''مہمل'' (بے سہارا) کہتے ہیں - ساتھ ہی فروخت (املاک یتیم) کے لیے یہ شرط ہے کہ اسے کسی ضرورت سے فروخت کیا گیا ہو، بے ضرورت فروخت نہ کیا گیا ہو - یاد رہے کہ ایسے دوسرے اسباب جن کی بنا پر وصی کو یتیم کی املاک کا فروخت درست ہے قاضی کو یا قاضی کے مقرر کردہ وصی کو اس کا فروخت کرنا درست نہیں ہے -

یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ بچے کی بہبود کے پیش نظر باپ اس کی املاک کو بغیر کسی شرط اور پابندی کے فروخت کر سکتا ہے - لیکن باپ کا مقرر کردہ وصی (صرف) ان اسباب کے پیش نظر فروخت کر سکتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا - اور حاکم یا حاکم کا مقرر کردہ وصی بچے کی املاک کو صرف ایک ہی وجہ سے فروخت کر سکتا ہے اور وہ وجہ اس کا نفقہ یا بہبود ہے - اور یہ کہ بغیر فروخت کیے ان ضروریات کو پورا نہ کیا جا سکتا ہو - نیز وہ شرایط ملحوظ رہیں جن کا ذکر کیا گیا -

واضح ہو کہ ولی کو حق ہے کہ وہ کوئی جائداد بحق یتیم بذریعۂ حق شفع حاصل کرے، درآنحالیکہ وہ ارزاں قیمت پر دستیاب ہو، نیز مصلحت کے مطابق حق شفع سے دست بردار ہونے کا بھی اسے حق ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ ولی کا اپنے زیر ولایت شخص کی مملوکہ املاک مثلاً مکان یا اراضی زرعی وغیرہ کا فروخت کر دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ دو باتیں پائی جائیں :

اول یہ کہ فی الواقع اس املاک کا بیچنا ضروری ہو جائے مثلاً خوراک یا لباس کے لیے، درآنحالیکہ اس کی آمدنی سے یہ ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں -

دوم یہ کہ محجور علیہ (یا محروم التصرف) کی املاک کو فروخت کرنے میں نمایاں طور پر اس کی بہبود پیش نظر ہو، بایں طور کہ بیع کا یہ سودا فائدہ بخش ←

←- ہو یعنی اس کے دام واجبی دام سے زیادہ مل رہے ہوں کہ اسی طرح کی کوئی شے اس سے کم میں مل جائے جتنے میں اسے بیچا گیا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو ولی کو اپنے محجور علیہ کی املاک کا بیچنا جائز نہیں ہے - یہ شرایط پائی جائیں تب ہی اس کی فروخت درست ہے - تاہم چاہیے کہ اسے نقد فروخت کیا جائے۔ ہاں اگر نقد معاملہ میں اتنے دام نہ ملتے ہوں جتنے ادھار کی صورت میں تو اسے ادھار بھی بیچا جا سکتا ہے لیکن اس صورت میں ولی پر لازم ہوگا کہ اس ادھار سودے کے دام قرض کی ادائیگی کی بابت پورا پوا اطمینان کر لیا جائے مثلاً بیع کا گواہ بنا لے اور اس کے لیے کوئی چیز رہن رکھ لے جو دام کے لیے مکتفی ہو۔ اگر ولی نے یہ نہ کیا تو وہ خود ادائیگی دام کا ذمہ دار ہوگا۔

بہرحال ولی پر واجب ہے کہ محجور کی املاک میں اسی صورت میں تصرف کرے جس میں محجور کی بہبود ہو -

حنابلہ کہتے ہیں کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ صغیر سن یا مجنون کے مال میں سے کوئی شے اپنے لیے خریدے اور نہ اسے رہن رکھنا جائز ہے۔ ہاں اگر (ولی) باپ ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے کیونکہ دوسروں کے برخلاف باپ قدرتی طور پر اپنے بیٹے کی بہبود کی کوشش کرے گا۔ اور وہی کچھ کرے گا جس میں اس کے بیٹے کا فائدہ ہو - نیز ولی کو خواہ باپ ہو یا کوئی اور جائز ہے کہ اپنے زیر ولایت کی املاک کسی خاص مصلحت کی بنا پر فروخت کردے، اگرچہ دام مناسب نہ ملیں۔ واضح ہو کہ مصلحت کی بہت سی صورتیں ہیں :

مثلاً کھانے پینے اور لباس کا خرچ یا قرض وغیرہ کا ادا کرنا ہو جو اس بچے یا مجنون پر لازم ہے۔ درآنحالیکہ اس محجور کے پاس اس جائداد کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ ہو جس سے اس کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔

ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ املاک کے غرقاب ہو جانے یا خراب ہو جانے وغیرہ کا اندیشہ ہو۔

اسی طرح یہ بھی ایک مصلحت ہے کہ وہ املاک ارزاں ہو اور اس کے فروخت میں بڑا فائدہ ہوتا ہو، مثلاً (کوئی ال) بہت زیادہ دام میں فروخت ہو رہا ←

نابالغ بچے کا اپنے مال میں تصرف کرنے کا بیان

بعض صورتوں میں بچوں کو اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

← ہو۔ اس کے لیے یہ پابندی نہیں ہے کہ ایک تہائی کا نفع ہوتا ہو۔

یہ بھی ایک مصلحت ہے کہ وہ املاک ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی آمدنی سے نفع نہ اٹھایا جا سکے، مثلاً یہ کہ وہ کسی غیر آباد یا گندے علاقہ میں واقع ہو اور اس کو اس لیے فروخت کیا جائے کہ اس کو بیچ کر کوئی ایسی جگہ خریدی جائے، جو قابل رہائش ہو یا جہاں اس کو اچھے کرایہ پر اٹھایا جا سکے۔

ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ولی کوئی شے سستے داموں میں خریدنا چاہتا ہو لیکن اس کا خریدنا ممکن نہ ہو جب تک کہ اس کی املاک کو فروخت نہ کیا جائے۔

اور یہ بھی ایک مصلحت ہے کہ جس مکان میں وہ رہتا ہو اس کے پڑوسی برے ہوں لہٰذا اس مکان کو اس غرض سے فروخت کیا جائے کہ کوئی (بہتر پڑوس کا) مکان خرید لیا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حجر (یا نااہلیت تصرف) کی تفصیل میں یہ بات بتا دی گئی ہے کہ اگر بچہ میں تمیز (شعور) نہ ہو تو اس کا کیا ہوا معاملہ نافذ نہ ہوگا، ہاں اگر بچہ باشعور ہے تو اس کے تصرف مال کی تین صورتیں ہیں:

اول یہ کہ اس کا تصرف نمایاں طور پر نقصان دہ ہو، مثلاً طلاق ہو جائے یا آزاد کرنا، یا قرض لینا، یا صدقہ کر دینا، ایسا تصرف قطعاً منعقد نہ ہوگا خواہ ولی نے اس کی اجازت دے دی ہو۔

دوم یہ کہ وہ تصرف مفید ہو مثلاً مال ہبہ کا قبول کر لینا، اسلام لانا ایسا تصرف نافذ العمل ہوگا خواہ ولی نے اجازت نہ دی ہو۔

سوم ایسا تصرف جس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو، مثلاً خرید و ←

← فروخت کا معاملہ ہے کہ بنیادی طور پر ان معاملات میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس سودے میں فائدہ ہو یا خسارہ ہو جائے - اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی کبھی کوئی سودا نمایاں طور پر نفع بخش ہوتا ہے - ایسی صورت میں یہ سودا دوسری نوع کا متصور ہوگا ، کیونکہ خرید و فروخت میں بنفسہ دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے - اس طرح کے سودے کا منعقد ہونا ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا - لیکن ولی کو چاہیے کہ اگر اس سودے میں غبن فاحش (بہت بڑی زیادتی) ہوئی ہو تو اس کی اجازت نہ دے - غبن فاحش کی تفصیل اپنی جگہ پر آچکی ہے -

واضح ہو کہ جس ولی کی اجازت سود مند ہوگی وہ ولی ہے جس کا ذکر مال کے بیان میں ہو چکا ہے - اگر ولی نہ ہو تو (وہ سودا) قاضی کی یا قاضی کے نمائندے کی اجازت پر موقوف ہوگا - اگر باپ یا باپ کا مقرر کردہ وصی موجود ہو اور وہ اجازت نہ دے اور قاضی اجازت دے دے تو قاضی کا حکم نافذ ہوگا - اور محجور کی نا اہلیت تصرف سستا سودا کرنے والے (محجور) سے ختم ہو جائے گی اور اب اسے دوبارہ محجور (یا نا اہل معاملہ) کسی اور قاضی کے حکم ہی سے قرار دیا جا سکے گا -

تفصیل بالا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قاضی کو باپ پر فوقیت حاصل ہو جائے - کیونکہ اس صورت میں باپ کا مصلحت کی بنا پر بھی اجازت دینے سے باز رہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کو نکاح کرنے سے مانع ہو- اس میں بھی قاضی کو حق ہوتا ہے کہ وہ نکاح کا حکم دے دے - یہی صورت حال اس مسئلہ میں بھی ہے -

قاضی کو یہ بھی حق ہے کہ کفایت شعار بچے کا مال فضول خرچ باپ سے لے کر کسی (نفع بخش) محفوظ کام میں لگا دے ، مثلاً اسے ولی کو حق ہے کہ اس کے مال کو نفع آور کاروبار میں لگا دے - اگر وہ مال کسی نفع آور کام میں لگانا دشوار ہو تو اسے حق ہے کہ وہ مال کسی شخص کو قابل اطمینان صورت میں بطور قرض دے دے - لیکن باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے صغیر سن بچے کا مال کسی کو قرض کے طور پر دے - ہاں اسے یہ حق ہے کہ بچے کے ←

← قرض میں اس کا مال رہن رکھ دے، جیسا کہ رہن کے بیان میں بتایا گیا۔

اگر کسی نابالغ بچے یا دیوانے یا بے عقل سے کسی کو نقصان پہنچانے والا عمل سرزد ہو تو اس کا تاوان ان سے لیا جائے گا اور وہ اس نقصان کے ذمہ دار متصور ہوں گے۔ چنانچہ اگر ان میں سے کوئی بھی کسی کا مال تلف کر دے تو اس کے تاوان کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔ تاہم اس قاعدے سے چند صورتیں مستثنٰی ہیں:

۱۔ اگر کسی نے اپنا مال (خود) ان میں سے کسی کو قرض دیا اور وہ مال اس نے ہضم کرلیا تو اس پر تاوان نہ ہوگا۔

۲۔ اگر کسی نے اپنی کوئی چیز ان میں سے کسی کے سپرد کی (یا امانتاً دی) اور اس نے وہ چیز کھودی یا ضائع کردی تو یہ نقصان اس کے مالک کا ہوا،جسے دیا گیا تھا اس پر تاوان عاید نہ ہو گا۔ ہاں اگر وہ مال اس نے باپ کے یا وصی کے سپرد کیا تھا اور اس کو تلف کر دیا گیا تو اس کی ذمہ داری اس ولی یا وصی پر ہو گی۔

۳۔ اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی کو عاریتاً (مانگے کو) کوئی شے دی اور اس نے لے کر اس شے کو ضائع کر دیا تو مالک کا مال ضائع ہوا، وہ ذمہ دار نہ ہو گا۔

۴۔ اسی طرح اگر کسی نے ان میں سے کسی کے ہاتھ کچھ فروخت کیا اور لینے والے نے اسے ضائع کر دیا تو وہ محجور علیہ اس کا ذمہ نہیں گردانا جائے گا۔ ان چاروں صورتوں میں محجور علیہ کا ذمہ دار نہ ہونا اسی حالت میں ہے جب کہ ولی کی اجازت کے بغیر ایسا ہوا ہو۔ لیکن اگر اس امانت یا قرض یا عاریت یا فروخت میں ولی کی اجازت لی گئی تھی اور محجور نے اسے تلف کیا تو اب وہ ذمہ دار متصور ہو گا اور اس کے تاوان کی ادائیگی لازم ہو گی۔

اگر ان تینوں میں سے کسی نے کوئی ایسی چیز جس کا وہ مالک نہ تھا کسی اپنے جیسے محجور کو دے دی اور اس نے ضائع کردیا تو اس صورت میں مالک کو اختیار ہو گا کہ اس جیسی چیز کا مطالبہ (بطور تاوان) جس کو اس نے دیا تھا اس سے یا اس شخص سے کرے جس کے پاس وہ شے ضائع ہوئی۔ مثلاً کسی ←

← بچے نے زید کا مال اس کی لاعلمی میں (اجازت کے بغیر اٹھا کر اپنے جیسے کسی اور (محجور) بچے کے حوالے کر دیا اور اس بچے نے اس چیز کو ضائع کردیا تو زید کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس (کے تاوان) کا مطالبہ پہلے بچے سے کرے یا دوسرے سے - اس مسئلہ اور سابقۃ الذکر چاروں مسائل میں یہ فرق ہے کہ سابقۃ الذکر مسائل میں مالک نے اپنے اختیار سے اپنا مال محجور کے قبضہ میں دے دیا تھا ، گویا اس نے خود حد سے تجاوز کیا - لیکن دوسرے مسئلہ میں اس نے خود محجور کے قبضہ میں نہیں دیا تھا - ایسی صورت میں اس محجور نے اس کے علم کے بغیر اس کا مال تلف کیا (اس لیے تاوان کا ذمہ دار ہے)

اگر کسی دیوانے سے شرعی جرم سرزد ہو جائے تو اس پر حد واجب نہ ہو گی - اسی طرح بچے اور عقل باختہ پر بھی نہ ہو گی - لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے قتل کر دیا تو اس کے عوض اس کو قتل نہ کیا جائے گا - البتہ اس کا خون بہا اس کے عاقلہ پر (یعنی حمایتی جسے خون بہا لینے یا دینے کا حق ہے) واجب ہو گا - عاقلہ کے زمرے میں وہ لوگ ہیں جن پر اس کی اعانت کا فرض عاید ہوتا ہے ، خواہ وہ اس کے کنبہ کے ہوں یا اس کے خاندان کے ، یا اس کے ہم پیشہ ہوں یا اس کے قبیلہ کے ہوں یا ایسے ہی دوسرے اشخاص جن کی تفصیل اپنی جگہ پر بتائی گئی ہے -

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر باشعور بچہ بیع و شراء وغیرہ ایسے معاملات جن میں اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے ، کرے تو اس معاملہ کو موقوف رکھا جائے گا - اگر اس کو قائم رکھنے ہی میں مصلحت ہو تو ولی کو اس کی اجازت دے دیناچاہیے- اگر اس معاملہ کو منسوخ کردینے میں مصلحت ہو تو ولی اس کو رد کردے گا- اگر دام (جس پر سودا ہوا ہے) باقی ہے تو اسے واپس کر دیا جائے گا - اگر اسے خرچ کرلیا ہے تو اس مال سے جو لیا تھا وصول کر لیا جائے - اگر وہ مائل جو لیا تھا ختم ہو گیا ہو اور پھراور مال آ گیا ہو تو اب اس میں سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا اور خریدار نے جو قیمت دی تھی وہ ضائع شدہ متصور ہو گی - اس بارے میں دو اقوال اور بھی ہیں : ←

ایک قول تو یہ ہے کہ وہ بیع بہرحال منسوخ ہو جائے گی اور خریدار نے جو دام دیے ہیں وہ گئے گزرے ہوئے، کیونکہ قاصر سے سودا کرنا سرے سے ٹھیک نہ تھا۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ معاملہ بہرحال نافذ متصور ہو گا۔ یہ خیال سابقۃ الذکر قول کے مطابق ہے۔

بہرحال باشعور لڑکے کی خرید و فروخت کے منعقد ہو جانے کی چند شرایط ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سودا (مال کی) مالیت کے مناسب ہوا ہو۔ اگر خرید یا فروخت میں (ناروا) زیادتی ہوئی ہو (یعنی مناسب دام نہ لگے ہوں) تو وہ معاملہ بالاتفاق رد کر دیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بیع ایسے خرچ برچ کے لیے ہوئی ہو جو ضروری ہیں۔ اگر محض نفسانی خواہش کے پیش نظر جن کے پورا کیے بغیر رہا جا سکتا تھا سودا کیا گیا تب بھی بلا اختلاف وہ معاملہ رد کر دیا جائے گا اور خریدار کے دام ضایع گئے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جس مال کو فروخت کیا گیا وہ اس بچے کے تمام مال میں سب سے زیادہ قابل فروخت ہو۔ اگر ایسا مال بیچ دیا جس کی آمدنی سے نفع اٹھایا جا سکتا حالانکہ ایسا مال موجود تھا جس کو کاروبار میں نہیں لگایا جا سکتا تو وہ بیع بلااختلاف رد کر دی جا سکتی ہے۔

اگر لڑکے میں شعور نہ ہو تو اس کا تصرف کسی حال میں بھی منعقد نہ ہو گا۔ اسی طرح بے شعور بچے کا ایسے معاملات کو انجام دینا جس میں مبادلۂ اشیاء نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہ کسی نے اپنے مال میں سے کچھ ہبہ کر دیا یا صدقہ کر دیا وغیرہ تو ایسا معاملہ بہرحال منسوخ قرار دیا جائے گا۔

اگر کسی بچے نے خواہ وہ ذی شعور ہو یا نہ ہو کسی اور شخص کے مال میں تصرف بیجا کیا اور اس مال کو ضائع کر دیا بایں طور کہ اپنے اوپر خرچ کیا، یا برباد کر دیا تو اس کے مال سے اس کا تاوان ادا کرنا ہو گا۔ اگر مال نہ ہو تو یہ مال اس کے ذمہ قرض (واجب الادا) رہے گا اور جب کبھی ←

← اس کے پاس مال ہو گا اس سے ادائیگی تاوان کی جائے گی - مثلاً کسی شخص نے ایک اور شخص کے پاس کوئی مال بطور امانت رکھا اور امانت دار کے چھوٹے بچے نے اس مال کو تلف کر دیا تو یہ لڑکا اس کی تلافی کا ذمہ دار ہو گا - اگر وہ لڑکا صاحب مال ہے تو اس کے مال سے اس کا تاوان ادا کر دیا جائے گا، ورنہ یہ قرض اس لڑکے کے ذمہ رہے گا - ہاں اگر بچہ ایک ماہ کا یا اس سے کم کا ہے تو وہ بری الذمہ ہو گا کیونکہ اس کا (نقصان) کرنا ایسا ہے جیسے کسی چوپائے نے کر دیا -

اگر کسی نے صاحب مال لڑکے کو کوئی امانت سپرد کر دی یا اسے کچھ مال قرض دے دیا اور لڑکے نے اسے ضائع کر دیا تو وہ بچہ اس کا ذمہ دار نہ ہو گا اور مال کے مالک یا قرض دینے والے کا مال خود اسی کے پاس ضائع شدہ متصور ہو گا، کیونکہ اس نے خود اپنے مال کے بارے میں بے ضابطگی کی اور ایک صغیر سن بچے پر اسے چھوڑ دیا - لیکن اگر اس بچے نے اس مال کو اپنی لابدی ضروریات میں صرف کر لیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے مال میں سے صرف اس قدر لیا جائے گا جس قدر وہ (اپنی ضروریات یومیہ پر) خرچ کیا کرتا تھا - مثلاً اگر وہ بچہ ہر روز اپنے مال سے بہ مقدار ایک قرش کے اپنے کھانے پر خرچ کرتا ہے، لیکن اب اس نے مال قرض سے روزانہ دو قرش کھانے پر خرچ کر ڈالا تو قرض خواہ روزانہ ایک قرش کے حساب سے جتنا مال بنتا ہے اسی قدر اس سے وصول کرے گا - اگر اس سے کم خرچ کیا ہے تو اسی اعتبار سے کم حساب لگایا جائے گا -

واضح ہو کہ باشعور بچے کا حالت صحت و حالت مرض میں وصیت کرنا درست ہے -

شافعیہ کہتے ہیں کہ بچے کا، خواہ اس میں شعور ہو یا نہ ہو، مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے - لہٰذا نہ اس کے اقرار کو مؤثر مانا جائے گا اور نہ اس کی ولایت تسلیم کی جائے گی، کیونکہ بچے کو بیان دینے یا ولی بننے کے قابل نہیں مانا گیا - چنانچہ اگر کوئی بچہ جس کے ماں باپ کافر ہوں اپنی بابت مسلمان ہونے کا بیان دے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا - اسی طرح اگر وہ ←

مجنون کے حجر (یا نا اہل معاملہ ہونے) کا بیان

واضح ہو کہ حجر (یا نااہلیت معاملہ) کے باب میں مجنون کے متعلقہ مسائل وہی ہیں جو بچے کے ہیں - تاہم اس کے متعلق کچھ اور احکام بھی ہیں جو مسالک

← نکاح میں ولی بنایا جائے تو وہ نکاح نہ ہوگا - البتہ باشعور بچے کی عبادت صحیح ہے- اسی طرح اگر وہ کسی غیر شخص کو گھر میں آنے کی اجازت دے دے تو درست ہے، بخلاف مجنون کے کہ اس کی عبادت صحیح نہیں ہے -

واضح ہو کہ بچہ اور یا دیوانہ اس لکڑی کا مالک قرار دیا جائے گا جو اس نے خود چنی یا کسی اور طرح سے فراہم کی ہو - چنانچہ جب وہ لکڑی اکٹھا کر لے تو وہ اس کا مالک ہے اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ اس سے لے لے- اسی طرح وہ اپنے کیے ہوئے شکار کا بھی مالک ہے -

اگر کوئی بچہ یا مجنون کسی دوسرے کا مال تلف کر دے تو اس کی تلافی اس کے مال سے کی جائے گی - اگر کسی مجنون نے ایک عورت سے مباشرت کر لی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی تو اس مباشرت کی بنا پر اگرچہ وہ فعل بظاہر ناجائز ہے اس بچہ کا نسب اس دیوانے سے قائم ہو جائے گا-

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے بچے کا تصرف کرنا جس میں شعور نہ ہو قطعاً باطل ہے- ہاں اگر بچہ ذی شعور ہو تو اس کا تصرف درست ہو گا، بشرطیکہ ولی اجازت دے دے - اور تجارت وغیرہ کے جن معاملات میں اجازت تصرف دی گئی ہے ان معاملات میں اس کی نااہلیت ختم ہو جائے گی اور ان امور میں اس کا اقرار درست مانا جائے گا - ولی کو یہ حق ہے کہ وہ قاصر کا مال کسی معتبر کے سپرد کر دے جو فائدہ میں سے ایک مقررہ حصہ دینے کے وعدے پر اس کے مال سے تجارت کرے - اسی طرح اس کا مال کسی دولت مند کے ہاتھ قرض فروخت کرنے اور کسی معاوضہ میں ہبہ کرنے نیز ضرورت پڑنے پر کسی معتبر شخص کے پاس اس کا مال رہن رکھ دینے کا حق ہے اور اس کی جائداد کی ایسی تعمیر کرنے کا بھی حق ہے جو اس بستی میں بالعموم کی جاتی ہو -

مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔[1]

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ مجنون وہ ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو کہ بات کو نہ سمجھ سکے اور کسی وقت بھی اسے افاقہ نہ ہوتا ہو - لیکن ایسا شخص جو بعض باتوں کو سمجھ لیتا ہو اور کچھ کو نہ سمجھتا ہو، اس کی سمجھ ناقص ہو اور اس کی گفتگو بے ربط ہو اور اس کی رائے درست ہوتی ہو لیکن گالی گلوچ نہ بکتا ہو اور مار دھاڑ نہ کرتا ہو ایسے شخص کو معتوہ کہا جاتا ہے۔ ایسا دیوانہ جسے کبھی بھی جنون سے اس طرح افاقہ ہو جاتا ہو کہ اس میں پاگل پنے کا کوئی اثر نہ رہتا ہو تو اس حال میں جبکہ اسے جنون سے افاقہ ہو جاتا ہو وہ بالغ اور عاقل شخص کی طرح متصور ہو گا جسے محجور (نا اہل معاملہ) قرار نہ دیا جائے گا - اور اس حالت (صحت مزاج) میں جو تصرفات کرے گا وہ سب نافذالعمل ہوں گے -

اب جاننا چاہیے کہ مجنون جو قطعاً عقل سے عاری ہو اس کا حکم تمام معاملات متذکرہ بالا میں اس بچے کی مانند ہے جس کو شعور نہ ہو، لہٰذا اس کے کیے ہوئے تمام تصرفات (معاملات) باطل ہوں گے، خواہ نفع بخش ہوں یا نقصان دہ یا کچھ اور - اور خبطی شخص کی مثال معاملات میں باشعور بچے کی مانند ہے - یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایسا شخص اگر کوئی ایسا معاملہ کرے جس میں خالص فائدہ ہو جیسے ہبہ کا قبول کرنا تو یہ معاملہ نافذ ہو گا اور ولی کی اجازت پر منحصر نہ ہو گا - اور اگر ایسا معاملہ کرے جس میں خالص نقصان ہے، مثلاً بیوی کو طلاق دے دے یا اپنا مال کسی کو ہبہ کر دے یا بطور قرض دے دے تو وہ معاملہ نافذ العمل نہ ہو گا اگرچہ اس میں ولی کی اجازت ہو- اگر ایسا معاملہ کیا جس میں بالعموم فائدہ اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے مثلاً خرید و فروخت کے معاملات تو ایسے معاملات کا نفاذ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا- ولی کو اس کے قائم رکھنے یا منسوخ کر دینے کا اختیار ہو گا -

مالکیہ کہتے ہیں کہ حجر (یا نا اہلیت قرار دینے) کے بارے میں مجنون کے مسائل وہی ہیں جو بچے کے ہیں خواہ وہ بالکل مسلوب العقل ہو کہ بیشتر اوقات ←

←اسے جنون سے نجات نہ ہوتی ہو، یا اس کا جنون مرگی کے باعث ہو (جو کبھی کبھی لاحق ہوتا ہے) یا وسوسوں کے جنون میں مبتلا ہو جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیال میں کوئی کام انجام دیتا ہے لیکن فی الواقع اس کو نہیں کیا ہوتا۔ ان تینوں حالات میں (ایک ہی حکم ہے) اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ جنون مسلسل قائم رہے یا کبھی کبھی لاحق ہوتا ہو۔

واضح ہو کہ جنون لاحق ہونے کے بعد جب تک اسے جنون سے بالکل افاقہ نہ ہو جائے اور اس میں پورے طور پر سمجھ بوجھ نہ آ جائے وہ نااہل معاملہ متصور ہو گا۔ اگر کسی نابالغ بچے کو جنون لاحق ہو تو اس پر محجوریت یعنی پابندی کا عاید کرنا اس کے باپ یا باپ کے مقرر کردہ وصی کا حق ہے درآنحالیکہ اس کا باپ یا اس کا وصی موجود ہو۔ اگر باپ یا وہ وصی موجود نہیں ہے یا موجود ہے لیکن جنون لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد لاحق ہوا ہے تو ایسی صورت میں اسے محجور (یا نااہل) قرار دینا صرف حاکم کا حق ہے۔ اگر کوئی بچہ بالغ ہونے سے پہلے مجنون تھا اور بالغ ہونے سے پہلے اس کا جنون جاتا رہا تو اس پر بوجہ صغیرسن ہونے کے نااہلیت کی پابندی عاید کی جا سکتی ہے اور یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ صغرسنی کی وجہ سے (حجر کی) پابندی عاید کرنا باپ یا اس کے ولی کا حق ہے۔ اگر کسی کو بالغ ہونے کے بعد جنون سے تو افاقہ ہو گیا لیکن بے عقلی (یا بے وقوفی) جاری رہی تو اس پر نااہلیت کا حکم عائد کرنا حاکم کا کام ہے، باپ یا وصی کا کام نہیں ہے۔

اگر مجنون کسی غیر شخص کا مال ضائع کر دے تو اس کے جبر نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔ اگر وہ مال دار ہے تو اس کے مال سے تاوان ادا کر دیا جائے گا، ورنہ پھر یہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔ اگر مجنون شخص نے کسی کی جان یا اس کے اعضا کو نقصان پہنچایا اور وہ ایک شرعی جرم کا مرتکب ہوا تو اب اگر اس کا جبر نقصان پورا یا ایک تہائی سے زیادہ ہو تو اس کے عاقلہ (حمائتیوں) کو اس کا تاوان ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر تاوان کی مقدار ایک تہائی سے کم ہو تو وہ اس مجنون کے مال سے وصول کیا جائے گا۔ پس وہ اس معاملہ میں ایک باشعور لڑکے کی مانند ہو گا، کیونکہ جس پر تاوان واجب ہو اسے مکلف ہونا (جس پر احکام شرعیہ فرض ہوتے ہیں) شرط نہیں ہے۔ ←

سفیہ (بے وقوف شخص) کے محجور (نااہل معاملہ) ہونے کا بیان

بے وقوف شخص کو بھی اسی طرح معاملے کا نااہل قرار دیا جائے گا جس طرح بچے اور مجنون کو۔ سفیہ کی تعریف اور اس کے متعلقہ مسائل کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

شافعیہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کو جنون لاحق ہو جائے تو وہ محروم التصرف قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کا کیا ہوا کوئی معاملہ نافذالعمل نہ ہو گا اور اس کا ولی وہی ہو گا جو صغرسن بچے کا ہوتا ہے۔ تفصیل اوپر آچکی ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا ولی صرف حاکم ہو سکتا ہے۔ اگر وہ کسی کا نقصان کر دے تو اس کی تلافی کا ذمہ دار وہی ہو گا۔ چنانچہ اگر مجنون کسی عورت سے مباشرت کرے اور اسے حمل ہو کر بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب اس مجنون سے قائم کیا جائے گا لیکن اس کی نااہلیت معاملات دور نہ ہو گی جب تک کہ اس کا جنون مکمل طور سے دور نہ ہو جائے اور پاگل پن کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حجر کے بارے میں مجنون کا حکم وہی ہے جو صغیرسن بچے کا سابقاً بتایا گیا۔ لیکن اگر کوئی بچہ بالغ ہونے کے بعد بھی دیوانہ رہے تو اس کو حاکم کے حکم ہی سے نااہل قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے مال کی نگرانی بھی حاکم ہی کرے گا۔

بے وقوف (یا خبطی) شخص کے متعلقہ مسائل آگے آ رہے ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سفیہ (یا بے وقوف) کا نااہل معاملہ قرار دیا جانا ہر مسلک میں ایک قول مفتیٰ بہ (امر فیصلہ شدہ) ہے اور اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

سفیہ (یا بے وقوف) کی تعریف یہ ہے: وہ شخص جو اپنے مال کا صحیح استعمال نہ جانتا ہو۔ اسے ناجائز اور فضول کاموں میں لٹائے اور بیجا یا حد سے بڑھ کر صرف میں لائے۔ ایسی فضول خرچی میں جس کی بنا پر کسی کو نااہل معاملہ قرار دیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ گراں قدر مال کھیل تماشوں اور کبوتر ←

... بازی یا مرغ بازی میں اڑائے یا قمار بازی وغیرہ ایسے امور میں جو عقل و شرع کے منافی ہوں برباد کرے۔ یہی حال نیک کاموں، مثلاً مدرسہ مسجد یا شفاخانوں کی تعمیر پر (زیادہ) خرچ کرنے کا ہے۔ ایسے خرچ کرنے والے کو بھی بے وقوف قرار دیا جائے گا اور اسے محروم التصرف کر دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعمال خیر کا مکلف اسی حد تک بنایا ہے کہ اس کی مالی حالت اس خرچ کی متحمل ہو سکے، تاکہ مال کا صرف اتنا زیادہ نہ کرے کہ وہ اپنے اعمال خیر کی وجہ سے مفلس ہو جائے۔

واضح ہو کہ بے وقوف شخص کو بقول راجح حاکم کے حکم ہی سے محروم التصرف کیا جا سکے گا۔ اس سے پہلے اگر وہ کچھ خرچ کر چکا ہے تو جو معاملہ ہو چکا وہ نافذالعمل ہو گا اور اسے صحیح قرار دیا جائے گا۔ اگر وہ راہ راست پر آ جائے تو اس کا ثبوت بھی حاکم کے فیصلہ پر موقوف ہو گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال کو برباد کرے اسے محجور (یا محروم التصرف) کر دینا واجب ہے اور جب اس کی اصلاح ہو جائے تو اس پر سے پابندی کا ہٹایا جانا حاکم کے فیصلہ سے قطع نظر لازم ہے۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ امام (ابو حنیفہؒ) یہ فرماتے ہیں کہ کسی آزاد عاقل کو محروم التصرف کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ احمق ہو، البتہ اگر بالغ ہونے پر بھی وہ ٹھیک راہ پر نہ آئے تو پچیس سال تک اس کا مال اس کے حوالہ نہ کیا جائے۔ اور بالغ ہونے کے بعد اس عمر کو پہنچنے سے پہلے اس نے اپنے مال میں تصرف کیا ہو تو وہ نافذ العمل ہو گا کیونکہ اسے محجور (یا محروم التصرف) قرار نہیں دیا گیا تھا البتہ تنبیہ یا سزا کے طور پر مال کو اس کے حوالہ کیے جانے سے روک لیا گیا تھا۔ لیکن اس قول (امام) پر فتویٰ (عمل درآمد) نہیں ہے۔ اور بے وقوف محجور کا حکم ایسے معاملات میں جن میں تنسیخ کا احتمال ہوتا ہے اور اگر مذاق (یا خوش طبعی) کے طور پر ہو تو باطل متصور ہوتے ہیں، جیسے خرید و فروخت کے معاملات ہیں، وہی ہے جو باشعور بچے کا ہے۔ البتہ ایسے معاملات جن میں فسخ (یا نسخ) کا امکان نہیں ہے اور مذاق کے طور پر بھی ہوں تو باطل نہیں ہوتے مثلاً نکاح، طلاق اور عتاق وغیرہ بے وقوف شخص کا کیا ہوا ...

→ معاملہ بالاتفاق منعقد ہو جاتا ہے اور اس کے تصرفات نافذالعمل ہوتے ہیں - پس اگر وہ نکاح کر لے تو نکاح ہو جائے گا لیکن مہر کی مقدار بہت زیادہ مقرر کی ہے تو وہ لازم نہ ہو گا، بلکہ صرف مہر مثل لازم ہو گا ، اور اس سے زیادہ کی رقم باطل ہو گی - اگر تخلیہ سے پہلے ہی اس نے طلاق دے دی تو مہر مقررہ کا نصف واجب الادا ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی -

اگر ایسے شخص نے غلام کو آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا ، لیکن غلام پر لازم ہو گا کہ وہ اپنی قیمت ادا کرے - اسی طرح بے وقوف پر بھی مالی عبادتیں، مثلاً زکواۃ واجب ہے اور قاضی کو چاہیے کہ اس کے مال کی زکواۃ اسی کے حوالے کرے کہ وہ مستحقوں میں تقسیم کر دے کیونکہ یہ ایک عبادت ہے اور اس کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے - تاہم اس کے ساتھ کوئی معتبر آدمی بھی بھیجا جانا چاہیے تاکہ وہ شخص مال (زکواۃ) بے جگہ نہ خرچ کرے - اسی طرح حج اس پر واجب ہے اور اس کا ادا کرنا درست ہے اور دوسری عبادتوں کا بھی یہی حکم ہے- لیکن بچہ کی عباذت اگرچہ صحیح ہے لیکن اس پر واجب نہیں ہے -

اگر کوئی احمق شخص اپنے مال کے ایک تہائی حصہ کے بارے میں کوئی وصیت کرے درآنحالیکہ اس کے وارث موجود ہوں ، تو درست ہے ، بشرطیکہ اس نے کسی نیک کام پر خرچ کرنے کی وصیت کی ہو ، مثلاً محتاجوں اور مسکینوں پر یا شفاخانہ ، پل ، یا مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنے کے لیے - اگر کھیل تماشے یا دعوتوں وغیرہ کے لیے وصیت کی تو یہ باطل ہوگی اور نافذ العمل نہ ہوگی - بچے کی وصیت ان میں سے کسی بات کے لیے نہ مانی جائے گی -

اگر ایسے شخص نے حجر (پابندی) عاید ہونے کے بعد مزید مال حاصل کیا تو کسی کے بارے میں اس کے اقرار کو تسلیم کیا جائے گا ، اگرچہ اس پر سے پابندی نہ ہٹائی گئی ہو - چنانچہ اگر اس نے کسی شخص کا مقروض ہونے کا اعتراف کیا اور اپنی پابندی کے دوران اس نے کچھ مال کمایا ہے تو قرض خواہ کو اس تازہ حاصل کیے ہوئے مال سے وہ قرضہ ادا کیا جائے گا اگرچہ اس پر سے پابندی نہ ہٹائی گئی ہو - اور ایسے شخص کا جسے بیوقوفی کی بنا پر مجبور قرار ←

← دیا گیا ہے اس مال کے بارے میں کوئی اقرار تسلیم نہیں کیا جائے گا جو پابندی کے وقت موجود ہو یا بعد میں کمایا ہو، خواہ وہ اقرار پابندی کے وقت کا ہو یا پابندی لگنے کے بعد یا دوران پابندی کا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ احمق پن نام ہے فضول خرچی اور مال کے نا مناسب طور پر خرچ کرنے کا۔ اگر ایسا کوئی شخص ہو تو اسے محجور (یا نا اہل تصرف) قرار دیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اب اگر اس میں حماقت بالغ ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مثلاً سال بھر کے اندر پیدا ہوئی ہو تو اس کے باپ کو حق ہے کہ اس پر تصرف کی پابندی عاید کردے۔ لیکن اگر اس میں حماقت بالغ ہونے کے سال بھر بعد ظاہر ہوئی ہو تو اس پر حاکم کے حکم کے بغیر پابندی عاید نہیں کی جائے گی۔ اب اگر اس بیوقوف شخص نے پابندی عاید کیے جانے سے پہلے کوئی تصرف (مال میں) کیا ہے تو اس کی چند صورتیں ہوں گی:

اول یہ کہ اس شخص میں احمق پن بالغ ہونے سے پہلے کا ہو اور بالغ ہونے کے بعد بھی قائم رہا اور اس کا باپ یا وصی موجود ہے تو اس کی بابت جو حکم ہے وہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یعنی یہ کہ حجر (یا پابندی) باقی رہے گی۔ نہ سابقہ پابندی ہٹانا ضروری ہے اور نہ از سر نو پابندی عاید کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے کیے ہوئے تصرف (یا معاملہ) کی بابت ولی کی جانب رجوع کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

دوم یہ کہ اس میں بے عقلی کا ظہور چھوٹی عمر ہی سے ہوا اور اسی حال میں وہ بالغ ہوگیا اور وہ یتیم تھا۔ نہ اس کا باپ موجود ہے اور نہ کوئی وصی ہے اور حاکم نے بھی اس کا نگران حال کسی کو مقرر نہیں کیا، ایسے سفیہ (بیوقوف) کو مہمل (بے وارثا) کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے بالغ ہونے کے بعد پابندی عاید ہونے سے پہلے کے تصرفات (معاملات) کو نافذ العمل قرار دیا جائے گا، کیونکہ معاملات کے غیر نافذ ہونے کا سبب حجر (پابندی) ہے اور جب پابندی ہی نہیں ہے تو اس کا تصرف نافذ العمل ہوگا۔ اور یاد رہے کہ پابندی عاید ہو جانے کے بعد حکم حاکم کے بغیر اس کو اٹھایا نہیں جا سکتا، خواہ وہ ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہو۔

←

سوم یہ کہ اس شخص میں احمق پن بالغ ہونے کے بعد لاحق ہوا اور اس نے کوئی تصرف (اپنے مال میں) پابندی لگنے سے پہلے کیا ہو تو اس صورت میں بھی اس کا کیا ہوا معاملہ نافذالعمل ہوگا۔ لیکن اگر بچپن میں اس نے کوئی تصرف کیا درآنحالیکہ وہ یتیم تھا اس کا نہ باپ تھا اور نہ وصی تھا اور حاکم نے بھی اس کا کوئی وصی مقرر نہ کیا ہو تو بالاتفاق اس کا تصرف باطل ہوگا۔

اگر کسی بے عقل بالغ عورت نے جس کا کوئی ولی نہ تھا یعنی وہ مہملہ (بے سہارا) تھی، کوئی تصرف کیا تو بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس کے کیے ہوئے معاملات مرد کے معاملات کی طرح نافذ العمل ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا تاآنکہ اس کی شادی ہوجائے اور خاوند سے تخلیہ ہوچکا ہو، اور صحت مند حالت میں ایک مدت تک اس کے ہمراہ رہ چکا ہو۔ اس مدت کی تعیین کے بارے میں جو عمل رہا ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنے خاوند کے ہاں رہتے ہوئے تقریباً دو تین سال گزر چکے ہوں۔ اگر اس عرصہ سے پہلے اس عورت کی شادی نہیں ہوئی تو اس کے معاملات اس وقت تک نافذ نہ ہوں گے یہاں تک کہ اس کی عمر اتنی ہو جائے کہ وہ فرائض زوجیت انجام دینے کے قابل نہ رہے۔ اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس سال کی عمر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچاس سے ساٹھ سال کی عمر تک ہے۔

صغیر سن بچی جس کا باپ یا وصی موجود ہو اس کی بابت بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اسے محجور (محروم التصرف) کر سکتا ہے۔ اور حجر کی پابندی نہیں اٹھا دی جا سکتی جب تک اس میں متذکرہ بالا شرایط پوری نہ ہوتی ہوں، یعنی بالغ ہونا اور راہ راست پر ہونا۔ یعنی اس میں اپنے مال کو ضایع ہونے سے بچانے کی صلاحیت ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ اس کا نکاح ہو چکا ہو اور فریضۂ زوجیت انجام دے چکی ہو اور دو یا دو سے زیادہ معتبر اشخاص اس کے معاملات کی خوش اسلوبی کی شہادت دیں۔ اگر خاوند سے تخلیہ نہیں ہوا تو نا اہلیت کی پابندی قائم رہے گی اگرچہ گواہوں نے اس کی صلاحیت کار کی گواہی دے دی ہو۔ اور جب یہ شرایط پوری ہو جائیں تو عاید شدہ پابندی اٹھ جائے گی اور بقول معتمد اس کے معاملات نافذ قرار پائیں گے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں۔

← کہ (نا اہلیت) پابندی نہیں اٹھائی جائے گی یہاں تک کہ خاوند کے ساتھ تخلیہ ہونے پر ایک سال گزر جائے اور سال گزرنے کے بعد گواہوں نے اس کی صلاحیت کار کی گواہی دے دی ہو - اس سے بھی اختلاف کیا گیا ہے -

امور بالا کے ثابت ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا باپ بہ حیثیت ولی کے یہ پابندی اٹھا لے؛ اس کی ضرورت اس صورت میں ہوگی جب کہ باپ کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا ولی ہو جیسا کہ سابقاً بتایا گیا -

واضح ہو کہ پابندی ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ وصی دو یا زیادہ معتبر اشخاص کے رو برو یہ کہے کہ لوگو گواہ رہو کہ میں نے اپنے فلاں محجور (ممنوع التصرف) پر سے نا اہلیت معاملہ کی پابندی ہٹا لی اور تصرف مال کا اختیار اس کے حوالہ کردیا اور اسے اپنے معاملات کی انجام دہی کا اختیار دے دیا، کیونکہ مجھے اس کی صلاحیت کار اور اپنے مال کی حفاظت کی صلاحیت معلوم ہو گئی ہے -

واضح ہو کہ باپ کو مطلقاً یہ حق ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اپنی بیٹی پر سے حجر (کی پابندی) اٹھا لے، خاوند کے ساتھ اس کا تخلیہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور گو اس کی صلاحیت کار کی شہادت گواہوں نے نہ دی ہو - لیکن وصی کو یہ حق خاوند سے اس کے تخلیہ کے بعد ہے - اس کے لیے بھی صلاحیت کار کی شہادت درکار نہیں ہے اور وہ شخص جسے قاضی نے اس کا نگران حال مقرر کیا ہو اور جسے ''مقدم القاضی'' (یا قاضی کا نمائندہ) کہتے ہیں، اس کی بابت قول راجح یہ ہے کہ تخلیۂ زوج سے پہلے پابندی اٹھانے کا مطلق اختیار نہیں ہے اور تخلیہ کے بعد اس صورت میں اٹھا سکتا ہے جب کہ اس کی صلاحیت کار کی شہادت گزر چکی ہو -

بیوقوف شخص کا وصیت کرنا بھی اسی طرح درست ہے جس طرح با شعور بچے کا وصیت کرنا اور اس کے تصرف کے متعلق احکامات بھی وہی ہیں جو ذی شعور بچے کے ہیں جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیوقوف وہ ہے جو اپنی املاک فضول خرچی میں اڑاتا ہو اور ایسے کاموں میں خرچ کرتا ہو جس کا نہ کوئی نفع سردست حاصل ہو ←

← اور نہ انجام کار حاصل ہو (یعنی جس میں دنیا کا فائدہ ہو نہ دین کا) مثلاً قمار بازی یا صحت ، آبرو اور دین کو نقصان پہنچانے والی نفسانی لذات اور بدکاری یا شراب نوشی میں خرچ کرنا یا مکروہات میں اڑانا مثلاً تمباکو نوشی میں - یا پھر وہ شخص اپنے مال کو بے طریقہ خرچ کرکے ضائع کر دے - جیسے کوئی سودا ناواقفیت کی بنا پر غبن فاحش (ناواجب دام) کے ساتھ کرے - اگر خرید و فروخت میں (ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ) بے پروائی کرتا ہو اور اس کو محسوس کرتا ہو تو اسے سفیہ (یا احمق) نہیں سمجھا جائے گا ، کیونکہ یہ عمل صدقہ کی مانند ہے -

اسی طرح اگر بیوقوف نے اپنا مال نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا ، مثلاً مسجد ، مدرسے یا شفاخانے تعمیر کیے اور یا محتاجوں اور مسکینوں کو دے دیا تو اس بنا پر اسے احمق نہیں کہا جائے گا - بلکہ اگر اس نے مباح لذتوں یعنی لباس اور کھانے پینے پر خرچ کیا خواہ اتنی فراخدلی سے ہو جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہے تب بھی اسے احمق نہیں گردانا جائے گا - اسی طرح اگر نکاح وغیرہ میں اپنا تمام مال حلال طور پر خرچ کردے تو یہ بھی صحیح مصرف ہے کیونکہ مال اسی لیے ہے کہ انسان اس کو نیکی کے کاموں اور حلال اشیاء سے مستفید ہونے میں خرچ کرے -

واضح ہو کہ فضول خرچ احمق شخص کا احمق پن یا تو بچپن ہی میں لاحق ہوا ہوگا اور اسی حال میں وہ بالغ ہوا ہو، ایسی صورت میں اس پر حجر (پابندی) بغیر قاضی کے حکم کے جاری رہے گی اور اس کے تصرفات نافذالعمل نہ ہوں گے - لیکن اگر اس میں صلاحیت کار پیدا ہو جائے تو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہی اس پر سے حجر (پابندی) اٹھ جائے گی - لیکن اگر کوئی شخص صلاحیت رکھتا ہو اور بالغ ہونے کے بعد اس میں حمق پیدا ہو جائے تو اب اس پر پابندی عاید کرنے کا حق قاضی کو ہے - لیکن اگر پابندی سے پہلے اس نے کوئی معاملہ کیا ہے تو وہ نافذ العمل ہوگا ، کیونکہ ایسی صورت میں اسے مہمل (یا بے سہارا) تصور کیا جائے گا -

اگر وہ احمق جس پر پابندی عاید ہو کوئی معاملہ از قبیل خرید و فروخت ←

← یا عتق یا نکاح یا ہبہ کرے تو یہ تمام معاملات باطل ہوں گے۔ لیکن اس کا طلاق دینا یا رجوع اور خلع کرنا درست ہے اور خلع کا معاوضہ اس کے ولی کو ادا کیا جائے گا، بصورت دیگر ادائے مال کرنے والا بری الذمہ نہ ہوگا ماسوا اس صورت کے جب کہ اس شرط پر خلع ہوا ہو کہ مال وہ خود لے گا، اس کا ولی نہ لے گا۔ ایسی صورت (بہ عوض خلع) جو مال دے گا وہ بری الذمہ ہوگا کیونکہ یہ خلع خود مال لینے پر منحصر رکھا گیا تھا لہٰذا جب تک یہ شرط پوری نہ ہو خلع صحیح نہ ہوگا۔ اور مالی عبادتوں مثلاً زکواۃ اور حج وغیرہ میں وہی حکم ہے جو ایک رشید (با صلاحیت) شخص کا ہے تاہم وہ خود مال زکواۃ کو تقسیم نہ کرے گا اور اگر ولی اجازت دے دے تو نکاح کرنا اس کے لیے درست ہوگا لہٰذا اگر کسی عورت سے بہ اجازت ولی اس نے نکاح کرلیا اور مہر مثل مقرر کیا ہے تو وہ عقد صحیح ہوگا۔ لیکن اگر مہر مثل سے زیادہ مہر باندھا تو اس صورت میں مشہور یہی قول ہے کہ نکاح تب بھی درست ہوگا لیکن مہر کی زیادہ مقدار لغو تصور کی جائے گی۔ اگر ولی نے کسی خاص عورت سے شادی کی اجازت دی اور اس شخص نے کسی اور سے شادی کر لی تو نکاح درست نہ ہوگا بجز اس صورت کے جب کہ وہ عورت حسن اور خاندان میں اس عورت سے بہتر ہو اور اس کا مہر یا نان نفقہ زیادہ نہ مقرر ہو۔ ان حالات میں اگر عقد کیا جائے تو بقول معتمد وہ صحیح ہوگا۔ اگر ولی نے اس سے کہا کہ میں تم کو اس قدر رقم مہر (نکاح کے لیے) دیتا ہوں لیکن کسی عورت کی تعیین نہیں کی تو یہ اجازت درست ہے اور اس مہر کے عوض جس عورت سے بھی چاہے شادی کر سکتا ہے۔

اگر احمق شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کر لے تو نکاح باطل ہوگا اور ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی اور اس کے ذمہ کچھ عاید نہ ہوگا اگرچہ عورت کو کچھ معلوم نہ ہوا ہو کہ وہ احمق ہے کیونکہ اس کی بابت پوچھ گچھ نہ کرکے کوتاہی کی گئی ہے (جس کا ذمہ دار کوتاہی کرنے والا ہے)۔

اسی طرح اگر کسی احمق شخص نے کچھ قرض لیا یا خرید کیا اور وہ چیز لے کر ضایع کردی تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا نہ تو اس کے نا اہل قرار دیے ←

←جانے کے دوران اور نہ حجر (کی پابندی) اٹھائی جانے کے بعد ۔ کیونکہ مالک مال نے خود ہی اپنے مال کے بارے میں بے پروائی کی اور ایک احمق کے ہاتھ میں دے دیا ۔ (ظاہر ہے کہ) بے پروائی کا نتیجہ نقصان ہے ۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ (معاملہ کے وقت) اسے معلوم رہا ہو (کہ ایک بیوقوف سے معاملہ ہے) یا نہ رہا ہو، کیونکہ اس حال سے ناواقف ہونا بھی اس کا اپنا قصور ہے۔ اگر کوئی حماقت زدہ شخص اس امر کا اقرار کرے کہ اس نے فلاں شخص سے کچھ قرض حجر (کی پابندی) عاید ہونے سے پہلے یا بعد میں لیا تھا تو اس کا یہ اقرار تسلیم نہ کیا جائے گا اسی طرح اس کا یہ اعتراف کرنا بھی کہ اس نے کسی شخص کے مال کو ضایع کیا یا اس کے جانور کو مار ڈالا ہے وغیرہ (بیکار ہے) ۔ لیکن اگر ولی نے دام کی رقم مقرر کر دی تھی مثلاً یہ کہہ دیا تھا کہ فلاں مال دس گنی میں خرید لو تو اس کا اقرار کرنا مؤثر ہوگا۔ لیکن اگر کوئی چیز بلامعاوضہ اسے دی گئی تھی جیسے ہبہ کی چیز تو اس کے ضایع کرنے کا اعتراف کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں ہے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سفیہ (یا حماقت زدہ) وہ شخص ہے جو اپنے مال کو مناسب طور پر استعمال کرنا نہ جانتا ہو ۔ اب اگر کوئی بالغ شخص ایسا احمق ہے کہ اپنے مال کو کام میں لانے کا سلیقہ نہیں رکھتا تو اس پر حجر (کی پابندی) عاید کرنے کا حق حاکم کو ہے ۔ لیکن اگر بچپن میں حماقت زدہ تھا اور بڑا ہو کر سدھر گیا تھا لیکن بعد میں پھر احمق پن ابھر آیا تو حاکم کی معرفت اس پر پابندی عاید کی جائے گی ۔ یہی حکم مجنون کی بابت ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔ اس پر لگائی ہوئی پابندی حاکم کے حکم کے بغیر نہیں اٹھائی جائے گی کیونکہ اسی کے حکم سے پابندی عاید کی گئی تھی ۔ لہٰذا اسی کے حکم سے اٹھائی جائے گی ۔

اگر کسی حماقت زدہ پر حجر (کی پابندی) لگائی گئی تو اس کے تمام تصرفات (معاملات) نا درست متصور ہوں گے ، ہاں ولی کو حق ہے کہ اسے کسی معاملہ کی اجازت دے ۔ اس میں شادی کر لینے کی اجازت بھی ہے ۔ چنانچہ اگر ولی نے شادی کی اجازت دی اور اس نے خود اپنی شادی کر لی تو وہ شادی ہو جائے گی ←

←ور اگر اسے خدمت یا تمتع کے لیے ایک بیوی کی (فی الواقع) حاجت ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر بھی اپنی شادی کر سکتا ہے، خواہ اس بارے میں ولی سے مطالبہ کیا ہو اور اس نے منع کر دیا ہو یا منع نہ کیا ہو۔ لیکن یہ شادی مہر مثل کے بغیر نافذ نہ ہوگی۔

حماقت زدہ شخص کا اپنی بیوی کو طلاق دے دینا یا کچھ مال لے کر خلع (قطع تعلق) کر لینا بھی درست ہے اور اس عمل کا حکم فوری طور پر نافذ ہو جائے گا اگرچہ ولی نے اجازت نہ دی ہو۔ لیکن جس مال کے عوض خلع کیا گیا ہے وہ مال اس شخص کو نہیں دیا جائے گا۔ اگر عورت نے اسے دے دیا تو وہ بری الذمہ نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر وہ مال لے کر اس نے ضایع کر دیا تو اس عورت کا مال گیا۔ اسی طرح حماقت زدہ شخص کا ظہار (یعنی بیوی کو ماں کہہ دینا) یا لعان (یعنی پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا) بھی درست ہے اور (کسی بچہ سے) نسب کا اقرار کرنا بھی درست ہوگا مثلاً یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے جو اس کی ماں نے میرے گھر میں ہوتے ہوئے جنا ہے۔ ایسی صورت میں نان نفقہ کی ذمہ داری اس پر عاید ہوگی۔ اسی طرح اس کا وصیت کرنا بھی ایک با صلاحیت شخص کی وصیت کی مانند درست ہوگا۔ نیز اس پر دینی مالی فرایض مثلاً زکواۃ کی انجام دہی واجب ہوگی، لیکن اس کی ادائیگی وہ خود نہیں کر سکتا۔ یہ کام دوسرے مالی امور کی طرح اس کا ولی انجام دے گا۔ اور اگر وہ ہر قسم کی عبادتیں مثلاً حج، روزہ اور زکواۃ وغیرہ کی منت مان لے تو درست ہے لیکن اس کا ہبہ یا وقف کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ تو نیک کام میں مال کا خرچ کرنا ہے اور اس میں نیک اعمال کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ نیز اس کا کسی کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا یا اپنے واجبات کو کسی پر ڈال دینا یا خود کسی کا ذمہ اوٹ لینا یا کسی کی ضمانت لینا یا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

اگر حماقت زدہ شخص کسی کے مال کا اپنے ذمہ اقرار کرے تو اس کا اقرار تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن حجر کے دوران اگر اقرار کرے تو وہ نہ مانا جائے گا۔ البتہ پابندی اٹھ جانے کے بعد اس پر ادائیگی لازم ہوگی، درآنحالیکہ ولی کو اس کا اقرار صحیح معلوم ہو کہ اس نے واقعی قرض لیا تھا تو لازم ہوگا کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔ ←

مقروض پر حجر (پابندی) عاید ہونے کا بیان

واضح ہو کہ مقروض پر بھی مال میں تصرف کے بارے میں حجر (پابندی) ہوگی ، تاکہ لوگوں کے واجبات جو اس پر ہیں اور وہ مال جو اس نے قرض لے رکھا ہے اس کو نقصان نہ ہو - اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں -[1]

→ واضح ہو کہ ولی کو اس کے مال سے اسی قدر خرچ کرنے کا حق ہے جو بالعموم واجبی سمجھا جاتا ہے ، اسی طرح (بہ حد مناسب) اس کی بیوی وغیرہ پر بھی اس کے مال سے خرچ کرے گا - اور حماقت زدہ شخص کے ولی کے متعلقہ احکامات بھی وہی ہیں جو مجنون کے ولی کے ہیں -

---

۱ - حنفیہ کہتے ہیں جس طرح حماقت زدگی اس معنے میں جس کا ذکر اوپر ہوا ، حجر (پابندی) کے اسباب میں سے ہے ، اسی طرح قرض‌دار ہونا اور غفلہ (سادہ لوحی) بھی ایک سبب ہے - پس وہ شخص محروم التصرف ہو جائے گا جس نے اس قدر قرض لے رکھا ہو کہ اس کا تمام مال کھپ جائے یعنی قرض اس کی املاک سے زیادہ ہو اور قرض خواہ جنھیں یہ قرضے واجب الوصول ہیں قاضی سے مطالبہ کریں مقروض پر حجر (پابندی) عاید کر دی جائے کہ اس کے پاس جو مال ہے اس میں تصرف نہ کر سکے ، تاکہ قرض خواہ اپنے واجبات سے محروم نہ رہیں - لیکن یہ پابندی عاید کرنے کا حق صرف وصی کو ہے - اور جب اس پر پابندی لگا دی گئی تو اب اس کے لیے درست نہیں ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ صدقہ یا ہبہ کرے اور یا ان مطالبہ کرنے والوں کے علاوہ جنھوں نے اس پر پابندی لگائی ہے کسی اور کے حق میں مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے - ہاں پابندی ہٹائی جانے کے بعد وہ اس مال کا اقرار کر سکتا ہے -

مقروض شخص پر (قرضہ کے باعث) اس کی عدم موجودگی میں پابندی عاید کی جا سکتی ہے لیکن مقروض کے معاملات کا نافذالعمل نہ ہونا اس امر پر موصوف ہوگا کہ اسے اپنے اوپر پابندی لگنے کا علم ہو یا اس کا اعلان کردیا گیا ہو - اگر پابندی کا علم نہیں ہوا اور اپنے مال میں تصرف کیا تو وہ تصرف صحیح ہوگا - اور قاضی کو یہ حق ہے کہ اگر وہ خود اپنی املاک فروخت نہ ←

← کرے تو قاضی خود اسے فروخت کر کے قرضوں کی ادائیگی کر دے اور قرض خواہوں کو حصہ رسدی کے مطابق تقسیم کر دے۔

اگر ایسا محجور شخص (جس پر پابندی عاید ہے) مقروض ہونے کے باوجود شادی کرلے تو وہ عقد صحیح مانا جائے گا اور اس کی بیوی قرض خواہوں کے ساتھ مہر مثل کے مطالبہ میں (حصہ رسدی) شریک رہے گی۔ اگر مہر مثل سے زیادہ مہر باندھا گیا تو جس قدر زیادہ ہے وہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔

قرض خواہوں کو حق ہے کہ مقروض کا پیچھا کریں اور جہاں کہیں وہ جائے اس کے ساتھ جائیں لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ مقروض کو سفر سے روک دیں یا خاص جگہ پابند کر دیں۔ ہاں قاضی کو حق ہے کہ وہ قرض واجب الادا کی خاطر مقروض کو قید کر دے، خواہ قرض کی نوعیت کچھ ہو مثلاً مہر یا زر ضمانت۔ اگر مقروض دو تین ماہ تک قید میں رہا اور اس دوران مال دستیاب نہ ہوا تو اسے کمانے کے لیے آزاد کر دیا جائے گا۔ اگر مقروض اس امر کی گواہی پیش کردے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تب بھی اسے چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وان کان ذوعسرة فنظرة الیٰ میسرہ

(یعنی اگر مقروض تنگ دستی میں مبتلا ہو تو سہولت حاصل ہونے تک انتظار کرنا چاہیے)۔

قید میں جانے کے بعد بھی اگر اس کی تنگ دستی کی گواہی گزر جائے تو اس کی تنگ دستی کی شہادتوں کی بنا پر قاضی اسے رہا کر دے۔ قرض کی وجہ سے جس کو قید کیا جائے گا اسے نہ مار پیٹ کی جائے گی اور نہ ہتھکڑی بیڑی لگائی جائے گی نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور نہ محض توہین کے لیے اس امر پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ قرض دار کی آنکھوں کے سامنے رہے، اور نہ اسے مزدوری پر لگایا جائے گا۔ ہاں اگر مقروض کے فرار ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اسے قید کیا جا سکتا ہے۔ قید کے دوران اسے جمعہ، عید، حج، فریضۂ صلواۃ، نماز جنازہ اور مریض کی مزاج پرسی کے لیے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اسے قید تنہائی میں رکھا جائے گا جہاں پر اس کے لیے بستر نہ بچھایا جائے اور کسی

← کو اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے اس کے پاس جانے کی اجازت نہ ہوگی ۔ یہ سزا انسان کو قرض کے جال میں پھنسنے سے بچانے کے لیے کافی ہے ، کیونکہ ہماری خوش معاملہ شریعت نے قرض خواہوں کو ایسی مشکلات میں مقروضوں پر فوقیت دی ہے ۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ یہ حکم مسلک حنفیہ کی رو سے قول مفتیٰ بہ (بطور فیصلہ شرعی) کے ہے لیکن امام (ابو حنیفہؒ) کا کہنا یہ ہے کہ قرض کی بنا پر کسی آزاد بالغ شخص پر (تصرف کرنے کی) پابندی عاید نہیں کی جا سکتی اگرچہ اس کا قرض اس کے تمام مال سے زیادہ ہو اور قرض خواہوں نے اس پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہو تو پابندی لگانے سے کچھ نہیں ہوتا لہٰذا اس شخص کو حق ہے کہ اپنے مال میں ہر طرح کا تصرف کرے ۔

واضح ہو کہ جس طرح مقروض ہونے کی بنا پر پابندی لگائی جا سکتی ہے اسی طرح غفلہ (یا سادہ لوحی) کی بنا پر بھی لگائی جا سکتی ہے ۔ غفلہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملات خرید و فروخت کو مروج طریقے سے انجام نہ دے اور اپنے سکون خاطر کے لیے اور طریقے اختیار کرے ۔ یہ طریق کار حماقت زدگی سے مختلف ہے ، کیونکہ حماقت زدہ (یا بےوقوف) وہ ہے جو ارادۃً اور جان بوجھ کر اپنی ناجائز نفسانی خواہشات کے غلبہ اور گناہ و نفسانیت کے تقاضے سے اپنا مال برباد کرے لیکن غفلہ والا شخص جسے 'مغفل' کہتے ہیں وہ اپنے مال کو بالارادہ اپنی خواہشات کی پیروی میں برباد نہیں کرتا ، بلکہ سہل انگاری کے فریب میں پڑ کر دوسروں کو یہ موقع دیتا ہے کہ اس کے مال میں بددیانتی کریں ۔ ایسے شخص کو معتوہ بھی نہیں کہا جا سکتا ، کیونکہ معتوہ وہ ہوتا ہے جس کی بات میں خلل ہو ۔ اور بتایا جاچکا ہے کہ امام (ابو حنیفہؒ) کی نظر میں ایسے شخص پر بھی پابندی عاید کرنا مناسب نہیں ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر اس قدر قرض ہو جو اس کی املاک سے زیادہ ہو جائے تو اس پر حجر (پابندی) عاید کی جا سکتی ہے ۔ اگر اس کے پاس مال اس کے قرض سے زیادہ ہو یا اتنا ہو جتنا کہ قرض ہے تو پابندی لگانا درست نہیں ہے ۔ اور جب قرض خواہ دیوالیہ پر پابندی لگانے کا مطالبہ کریں تو قاضی پر واجب ہوگا کہ فوراً پابندی لگا دی جائے اور جب پابندی عاید ←

← کردی جائے تو (اس کے مال پر) قرض خواہوں کا حق ہو جائے گا اور پھر اس پر (صاحب مال کا) تصرف کرنا ممنوع ہے، لہٰذا اس کے تصرفات (یا معاملات) بیع، ہبہ وغیرہ اس وقت تک باطل ہوں گے جب تک کہ قرض بے باق نہ ہو جائے۔

اور ایسا دیوالیہ جس پر پابندی عاید ہو اگر نکاح کرے تو درست ہوگا اور بیوی کا مہر اس کے ذمہ قرض رہے گا اور اس کے پاس جو مال ہے اس سے واجب الوصول نہ ہوگا۔ اسی طرح ایسے شخص کا خلع کرنا اور طلاق وغیرہ دینا بھی درست ہوگا۔ اگر پابندی سے پہلے کے کسی قرضہ کا اس نے اقرار کیا تو وہ درست ہوگا اور قرض دینے والا دوسرے قرض خواہوں کی طرح مطالبہ میں شریک ہوگا، لیکن اگر پابندی عاید ہونے کے بعد قرض لینے کا اقرار کیا ہو تو اس کا اقرار نہ مانا جائے گا۔ البتہ اگر پابندی کے بعد کسی شرعی جرم کا اقرار کیا جس میں مالی معاوضہ ادا کرنا ہوتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور جس کا جرم کیا ہے وہ بھی قرض خواہوں کے مطالبہ میں شریک ہوگا۔

اگر قرض کی وجہ سے پابندی عائد شدہ شخص نے پابندی سے پہلے کوئی چیز خریدی اور اس میں کوئی عیب نکلا تو اسے واپس کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ واپس کرنے میں فائدہ ہو۔ لیکن اگر اس عیب کی وجہ سے اس چیز کی مالیت میں کمی نہ ہوئی ہو اور باوجود عیب کے اس کے دام قیمت خرید سے زیادہ ہوں تو اسے واپس نہ کیا جائے گا اور دیوالیہ شخص کے مال کو قاضی کا فروخت کرنا امر مستحب ہے اس کے لیے مقروض یا قرض خواہ کی موجودگی شرط نہیں۔ تاہم سنت یہی ہے کہ ان کے سامنے فروخت ہو۔ اور اس چیز کو مثلی قیمت پر نقد رائج الوقت دام میں فروخت کرنا واجب ہے، ادھار نہیں، بصورت دیگر مقروض اور قرض خواہ کی رضا مندی کے بغیر اس کی فروخت درست نہ ہوگی۔ اگر مناسب دام میں نقد خریدنے والا (سردست) نہ ہو لیکن یہ امید ہو کہ نقد خریدنے والا مل جائے گا، تو اس کے لیے توقف کرنا واجب ہے۔ اور فروخت سے جو رقم وصول ہو اس کو قرض خواہوں کے درمیان قرض کی نسبت سے تقسیم کیا جائے۔ اگر تقسیم کے بعد کچھ اور لوگ بھی مطالبہ کرنے والے پیدا ہوجائیں تو وہ بھی تقسیم شدہ ←

← مال میں اسی نسبت سے شریک ہوں گے اور ان لوگوں سے اسی نسبت سے وصول کرکے (نئے مطالبہ کرنے والوں کو) دیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قرض بھی ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر حجر عائد کیا جاتا ہے ، بشرطیکہ وہ قرض مقروض کے مال سے زیادہ ہو ۔ اگر اس کے پاس اس قدر مال ہے جتنا قرض ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صورت بھی حجر (پابندی) کا سبب ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہے تاہم زیادہ قوی قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی پابندی لگائی جائے ، کیونکہ اس سے غرض قرض خواہوں کے حق کی حفاظت ہے لہٰذا ہر ایسی بات کی جس سے قرض کو نقصان پہنچے ممانعت کی جا سکتی ہے ۔

اب اگر قرض مقروض کے پورے مال پر چھایا ہوا ہو تو اس کی تین صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ حاکم سے مقروض کی تفلیس یا دیوالیہ قرار دیے جانے کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ ایسی صورت میں انھیں یہ حق ہے کہ مقروض کو اپنے مال میں ایسے تصرفات سے باز رکھیں جن سے ان کے مطالبات کو نقصان پہنچے؛ قطع نظر اس کے کہ ان کا قرض فوری طور پر واجب الادا ہو یا اس کی میعاد ادائیگی باقی ہو ۔ لہٰذا قرض خواہ اپنے مقروض کو نیک کاموں میں صرف کرنے ، ہبہ کرنے ، صدقہ کرنے یا وقف کرنے سے روک دیں گے اور اس امر سے مانع ہوں گے کہ وہ کسی شخص کی ضمانت لے یا نادہند کو قرض دے یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ کرے جس سے ان کے مال واجب الوصول کو نقصان پہنچے ۔ نیز کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اس شخص سے کوئی ہدیہ وغیرہ قبول کرے جس کا تمام مال قرض میں ڈوبا ہوا ہو ۔ اگر لاعلمی میں ایسا کیا ہو تو معلوم ہو جانے کے بعد جو کچھ لیا ہے اسے واپس کر دینا واجب ہے کیونکہ اب وہ مال (اس کا نہیں) دوسروں کا ہے ۔ اسی طرح قرض خواہوں کو حق ہے کہ وہ اپنے مقروض کو ایسے لوگوں کا قرض دار ہونے کے اقرار سے باز رکھیں جن کے متعلق یہ الزام لگایا جا سکے کہ ادائیگی قرض سے بچنے کے لیے اس نے ایسا کیا ہے ، جیسے اپنے بیٹے یا بیوی کے مقروض ہونے کا اقرار کرنا ۔ ہاں ←

←اگر وہ ایسے شخص کے مقروض ہونے کا اقرار کرے جس کی بابت ایسے اتہام کی گنجائش نہ ہو تو اس کا اقرار قابل اعتبار ہوگا۔

قرض خواہوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عام معمولی اخراجات سے مقروض کو روکیں مثلاً کسی سائل کو کچھ دینا یا عید اور قربانی پر کچھ خرچ کرنا یا اپنے باپ یا بیٹے پر فضول خرچی کے بغیر کچھ لگانا۔ اسی طرح خرید و فروخت کرنے یا ہبہ بالعوض وغیرہ کرنے سے کہ اس میں بالعموم مال کو زیاں نہیں ہوتا منع نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ انہیں مقروض کی تفلیس (دیوالیہ قرار دینے) کا حق ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حاکم ایسے مقروض کی تفلیس کرے (یعنی دیوالیہ قرار دے) اور اس کا مال لے کر قرض خواہوں کو دے دے، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ قرض خواہ اسے دیوالیہ قرار دیے جانے کا مطالبہ کریں، بغیر ان کے مطالبہ کے ایسے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مقروض دیوالیہ ہونے کا مطالبہ کرے تو درست نہیں ہے۔ اگر قرض خواہ زیادہ ہوں تو ان میں سے چند کے مطالبہ پر ہی اسے دیوالیہ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن حاکم جب دیوالیہ قرار دے تو تمام قرض خواہ اس کے مال میں شریک ہوں گے خواہ کسی نے وہ مطالبہ نہ کیا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ادائے قرض کی میعاد پوری ہو چکی ہو۔ ایسے قرض میں جس کی میعاد باقی ہے کسی کو دیوالیہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قرض (واجب الادا) مقروض کے مال سے زیادہ ہو۔ اگر اس کے پاس مال قرض کے برابر ہے تو دیوالیہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔

دیوالیہ قرار دیے جانے کے نتیجہ میں حسب ذیل چار باتیں ہوں گی:

اول تصرفات کی ممانعت جس کا ذکر صورت اول میں کیا گیا۔

دوم خرید و فروخت اور مالی معاملات کے انجام دینے کی ممانعت۔

سوم قرض دار کے مال کی قرض خواہوں میں تقسیم۔

چہارم میعادی قرضوں کی صورت میں میعاد کا پورا ہو جانا۔ ←

→ تفلیس کا حکم نافذ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مقروض موجود ہو - اس کی عدم موجودگی میں بھی اسے دیوالیہ قرار دیا جا سکتا ہے -

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض خواہوں نے یہ معاملہ حاکم کے روبرو پیش نہ کیا ہو ، بلکہ وہ خود اس کا پیچھا کرتے ہوں اور وہ ان سے چھپ جاتا ہو اور نہ ملتا ہو تو انھیں حق ہے کہ وہ مقروض اور اس کی املاک کے درمیان حائل ہو کر خیر خیرات میں صرف کرنے اور مالی معاملات خرید و فروخت وغیرہ کے انجام دینے میں رکاوٹ پیدا کریں -

دیوالیہ شخص کا مال جو حاصل ہوگا اسے مجموعی قرضہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا - ہر قرض خواہ کو اس کے قرض کی نسبت سے وہ مال ملے گا اور اس بات کو معلوم کرنے کے لیے کہ موجودہ قرض خواہوں کے سوا اور قرض خواہ نہیں ہیں ، مال کی تقسیم میں تاخیر نہ کی جائے گی اور موجودہ قرض خواہوں کو یہ ثابت کرنے کی زحمت نہ دی جائے گی کہ ان کے سوا اس شخص کے اور قرض خواہ نہیں ہیں - اور مقروض سے یہ حلف لیا جائے گا کہ اس نے اپنے مال میں سے کچھ چھپا نہیں رکھا اور جب وہ حلف اٹھا لے اور قرض خواہ اپنا اپنا مطالبہ اس سے بصورت مذکورہ وصول کر لیں تو اب اس پر سے حجر (کی پابندی کو) اٹھا لیا جائے گا اگرچہ ہنوز قرض اس کے ذمہ باقی رہے - اس کے بعد اگر اس کے پاس اور مال آ جائے مثلاً ورثہ کا یا تجارت کے نفع کا یا کسی کا ہبہ کیا ہوا مال وغیرہ تو اس مال میں تصرف کرنے کی اسے آزادی ہو گی بشرطیکہ حاکم نے دوبارہ اس پر پابندی نہ لگائی ہو -

قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ وہ مقروض کو قرض کی ادائیگی تک سفر پر جانے سے روک دے ، اگرچہ اس کا قرض اتنا نہ ہو جس میں اس کا تمام مال کھپ جائے - لیکن ممانعت سفر کے لیے چند شرطیں ہیں :

شرط اول یہ ہے کہ وہ سفر اتنا لمبا ہو کہ مقروض کی غیر حاضری میں میعاد ادائیگی پوری ہو جائے - اگر میعاد اس کی واپسی سے آگے کی ہے تو قرض اس کے سفر میں مزاحم نہیں ہو سکتا -

شرط دوم یہ ہے کہ مقروض کے لیے ادائیگی آسان ہو؛ اگر اس کے لیے قرض کا ادا کرنا دشوار ثابت ہو جائے تو اسے سفر سے منع کرنا درست نہیں ہے - ←

→ شرط سوم یہ ہے کہ مقروض نے ادائیگی قرض کے لیے ضامن نہ بنایا ہو۔ اگر قرض کا ادا کرنا اسے آسان ہو یا اس کا وکیل انقضائے میعاد پر ادائیگی کا ذمہ دار ہو یا کوئی ذی حیثیت شخص اس کے قرض کا ضامن ہو تو اس کو سفر سے نہیں روکا جا سکتا۔

ایسا مقروض جس پر قرض ثابت ہے قید میں رکھا جا سکتا ہے، سوا اس صورت کے جب کہ اس کے لیے ادائیگی قرض مشکل ہو۔ اگر یہ ثابت ہو کہ اسے قرض چکانا آسان ہے تو ادائیگی قرض تک اسے قید میں رکھا جائے گا، یا پھر وہ کسی مال دار کو اپنے قرض کا ضامن بنا دے۔ اگر مقروض کی بابت یہ معلوم نہ ہو کہ (وہ قرض ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟) تو اس وقت تک اسے قید میں رکھا جائے گا کہ اس کی تہیدستی ثابت ہو جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ 'قرض' بھی پابندی عائد کیے جانے کے اسباب میں سے ہے، بشرطیکہ قرض کی مقدار اس کے موجودہ مال سے زیادہ ہو۔

ایسا مقروض جس کا قرض اس کے مال پر چھایا ہوا ہو اور قرض اس کے مال سے زیادہ ہو دیوالیہ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ مال جو اس کے پاس ہے اب دوسرے اشخاص اس کے حق دار ہیں اور درحقیقت اس کا مال نہیں رہا۔ ایسی صورت میں حاکم کی معرفت اس پر حجر (پابندی) عائد کی جائے گی۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تمام قرض خواہ یا ان میں سے کچھ لوگ اس کا مطالبہ کریں۔ اگر ان کا مطالبہ نہ ہو تو پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔

مقروض کے وہ تمام معاملات جو پابندی سے پہلے اس نے انجام دیے ہوں، مثلاً بیع، ہبہ، اقرار اور بعض قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی، یہ تمام امور نافذالعمل ہوں گے۔ پابندی عائد کی جانے کے بعد مقروض کا اپنے مال میں کسی قسم کا تصرف بیع وغیرہ نافذ العمل نہ ہوگا۔ نیز پابندی عائد کی جانے کے بعد بھی جو مال آئے وہ اس مال کی مانند متصور ہوگا جو پابندی کے وقت موجود تھا، لہٰذا وہ اپنے (پابندی کے بعد حاصل ہونے والے) مال پر تصرف نہیں کرسکے گا۔ اسی طرح اگر وہ پابندی کا مطالبہ کرنے والے قرض خواہوں کے علاوہ کسی اور شخص کا مقروض ہونے کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ←

پابندی عائد کرنے کے بعد حاکم اس کی املاک فروخت کر کے اس کے قرض خواہوں میں ان کے قرضوں کی نسبت سے فوری طور پر تقسیم کر دے گا۔ اس کے لیے حاکم کو اس دیوالیہ شخص کی اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ وہ شخص (بوقت تقسیم) موجود ہو۔ اسی طرح قرض خواہوں کا موجود ہونا بھی مستحب ہے۔

اگر کسی نے (مقروض) کو پابندی عائد کیے جانے کے بعد کچھ قرض دیا یا اس کے ہاتھ کچھ فروخت کیا تو اب اس کا مطالبہ پابندی اٹھائی جانے کے بعد کیا جا سکتا ہے۔

قرض خواہ اپنے مقروض کو سفر سے روک سکتا ہے جس کے لیے ان شرایط کا ہونا ضروری ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سفر اتنا طویل ہو کہ اس کی واپسی سے پہلے ہی قرضہ کی میعاد ادائیگی پوری ہو جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ گو وہ سفر مختصر ہو، لیکن خطرناک ہو۔ اگر سفر بے خطر ہے اور اتنا مختصر ہے کہ قرضہ کی میعاد اس کے بعد ختم ہو تو اس کو سفر سے روکا نہیں جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ قرضہ رہن کے بدل نہ ہو جس سے قرض پورا کیا جا سکے، یا اس کی ادائیگی کا کوئی ضامن نہ ہو۔ ایسی صورت میں سفر سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ سفر جہاد کے لیے جس کا وقت مقرر ہے نہ ہو؛ اگر مقروض اس غرض سے سفر کرے تو اسے منع نہ کیا جائے گا۔

حاکم کو یہ حق ہے کہ اس شخص کو قید میں رکھے جسے ادا کرنا آسان ہو لیکن ادائیگی سے گریز کرتا ہو۔ یاد رہے کہ ادائے قرض کے لیے قید کرنا ایک نئی بات ہے اور سب سے پہلے جس نے قرض کی پاداش میں قید کیا وہ (قاضی) شریح[رح] تھے۔ اس کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اخذ کی گئی ہے:

''لی (مطل) الواجد ظلم یحل عرضہ و عقوبتہ''
(یعنی جس کے پاس مال ہو اس کا ادائیگی قرض میں دیر کرنا ظلم ہے۔ اس کی توقیر (یا اس کے خلاف دعویٰ اور اس کی سزا حلال ہے) اس حدیث میں لفظ ''عرض'' سے مراد حاکم کے پاس شکایت کرنا اور عقوبت کے معنے قید کرنا لیے گئے ہیں۔

مزارعت و مساقات

(ساجھے میں کھیتی باڑی کرنے کا بیان)

فقہا نے الفاظ مزارعت ، مساقات اور مخابرت (بٹائی) کو اصطلاحی معنوں میں استعمال کیا ہے جن کا تعلق احکام شرعیہ حلال ، حرام ، درست یا نا درست ہونے سے ہے - ان الفاظ کے اصطلاحی معنوں کی بنیاد ان کے لغوی معانی ہیں - ان میں سے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے :

مزارعت کی تعریف

یہ لفظ مفاعلہ کے وزن پر ہے اور (مادہ) زرع سے مشتق ہے - لفظ 'زرع' کے دو معنے ہیں :

اول القائے زرعہ (بالضم ، یعنی بیج) ڈالنا ، زرعہ بیج کو کہتے ہیں - زرع سے مراد زمین میں بیج بونا ہے -

دوسرے معنے 'انبات' (یعنی آگانے) کے ہیں - معنی اول مجازی ہیں اور معنی دوم حقیقی ہیں ، لہٰذا اس امر کی ممانعت آئی ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ ''زرعت'' (یعنی میں نے آگایا) بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ''حرثت'' (یعنی میں نے جوتا بویا) چنانچہ حضرت بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ زرعت اور اس سے زرع کے حقیقی معنی یعنی آگانا مراد ہوں ، کیونکہ درحقیقت آگانے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس ذات پاک نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

''افرأیتم ماتحرثون أنتم تزرعونہ امنحن الزارعین''

(یعنی تمھارا کیا خیال ہے کہ جو کھیتی تم کرتے ہو وہ تم نے آگائی ہے یا اس کے آگانے والے ہم ہیں؟)

غرض اس ذات پاک نے کھیتی باڑی کے کام یعنی بیج ڈالنے کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے ، رہا اس کا آگانا سو بندے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے کیونکہ اگر یہ ان کا کام ہوتا تو روئیدگی ضرور ہو جاتی - حقیقت کچھ اور ہے-

وہ صرف بیج ڈالتے ہیں آگانا ہرگز ان کے بس میں نہیں ہے۔ اگر آگ بھی آئے تو وہ برباد ہو سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

''لو نشاء لجعلناہ حطاماً''

(یعنی ہم چاہیں تو اسے برباد کر کے رکھ دیں)

ہاں اگر کوئی شخص 'زرعت' (یعنی میں نے زراعت کی) کا لفظ استعمال کرے اور اس کے مجازی معنے مراد لے یعنی بیج ڈالنے کے تو جائز ہے۔ چنانچہ مسلم نے جابر ابن عبداللہ رض سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

''لا یغرس المسلم غرساً ولا یزرع زرعاً فیأکل منہ انسان ولا دابة ولاشیی الا کانت لہ صدقة''

(یعنی مسلمان جب کوئی بوٹا لگاتا یا زراعت کرتا ہے اور اسے انسان کھاتا ہے یا جانور یا کوئی اور تو وہ کام اس شخص کے لیے صدقہ (کی مانند موجب اجر) بن جاتا ہے۔)

اس حدیث سے بہ صراحت ثابت ہوتا ہے کہ لفظ 'زرع' کی نسبت انسان کی طرف جائز ہے۔ تاہم (یہ مجاز ہے اور) حقیقت یہی ہے کہ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ زمین کو جوتے اور اس میں بیج ڈالے اور عام ذرائع کے مطابق اس کی دیکھ بھال کرے۔ رہا اس کا آگانا سو اس میں انسان کو دخل نہیں ہے (یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی اسی کے مطابق ہے کہ :

''افرأیتم ما تمنون أ أنتم تخلقونہ ام نحن الخالقون''

(یعنی آیا تم نے اس پر غور کیا کہ مادۂ تولید جو تم (رحم میں) ڈالتے ہو اس سے تم (بچہ) پیدا کرتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہیں؟) مطلب یہ ہے کہ بچے کی تخلیق اور تکوین کسی حال میں انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

واضح ہو کہ یہ سب جانتے ہیں کہ مصدر 'مفاعلہ' (کی خاصیت یہ ہے کہ اس) میں دو فریق کی باہم مشارکت مفہوم ہوتی ہے مثلاً الفاظ مشارکت یا مضاربت میں (یعنی باہمی شرکت کا معاملہ کرنا یا نفع میں مشترکہ کاروبار کرنا) لفظ اشتراک مصدر ہے جس سے مشارکت نکلا اور ضرب (مصدر) سے مضاربت بنا ہے۔ یہ (اشتراک اور ضرب) دو اشخاص کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی

مصدر مفاعلہ ایک شخص کے کام کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ اس صورت میں لفظ 'مفاعلہ' اپنے باب (کی خاصیت اشتراک) میں مستعمل متصور نہیں ہوتا ۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا لفظ زرع جس سے مزارعت بنا ہے اگر اس شخص کے لیے استعمال کیا جائے جو زمین پر عمل زرع کرتا ہے تو اس صورت میں باب مفاعلہ اپنی خاصیت میں مستعمل نہ ہو گا اور کاشتکار اور مالک (زمیندار) دونوں کے (اشتراک) کے لیے استعمال میں آئے تو مفاعلہ کا استعمال اپنے باب میں متصور ہو گا ؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا استعمال دونوں طرح درست ہے کیونکہ زرع (کھیتی) دو امور پر مشتمل ہے: اول کارندہ (یا کاشتکار) کا کام یعنی جوتنا ، بونا ، سینچنا وغیرہ ۔ دوسرے مالک (یا زمیندار) کا کام یعنی کاشتکار کو زمین اور آلات کشاورزی کے استعمال کا اختیار دینا ۔ ایسی صورت میں دونوں ہی کھیتی باڑی کے ہونے کا سبب (بننے میں شریک) ہوئے لہٰذا باب مفاعلہ کی خاصیت قائم رہی ۔ اگر (عمل زرع) کو فعل مالک سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے بایں لحاظ کہ کھیتی اس کارندے کا کام ہے جس نے کھیتی کی ہے تو باب مفاعلہ اپنی خاصیت میں مستعمل نہ ہو گا ۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مالک کے عمل (اشتراک) سے قطع نظر بالکل درست نہیں ہے کیونکہ مصدر مفاعلہ کی خاصیت یہ ہے کہ (کوئی کام) دو کی مشارکت میں ہو ۔ ہاں چند صورتیں سماعی ہیں (یعنی قیاسی قاعدے کے خلاف ہیں) مثلاً سافر (یعنی سفر کیا) جاوز (یعنی آگے بڑھا) اور واعد (یعنی وعدہ کیا) ۔ ان افعال کے مصادر (گو باب مفاعلہ سے ہیں) فرد واحد کے فعل کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔ دوسرے افعال کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ، لہٰذا ضرب زید عمراً کی بجائے ضارب زید عمراً کہنا درست نہیں ہے (کیونکہ ضارب باب مفاعلہ سے ہے جس میں مشارکت کی خاصیت ہے اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ تنہا زید نے عمر کو مارا) ۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ مزارعت کے لغوی معنی کھیتی میں شراکت کے ہیں ، لیکن فقہا کی اصطلاح میں مزارعت کے معنی بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرع کی اصطلاح میں مزارعت باہمی کھیتی باڑی←

←کا معاہدہ ہے جو زمین کی پیداوار کے کچھ حصے کی بنیاد پر کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مزارعت عبارت ہے مالک، زمین اور زمین پر کام کرنے والے (کاشتکار) کے درمیان معاہدے سے جس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ کاشتکار زمین کو ٹھیکے پر لے کر اس میں کھیتی کرے اور پیداوار کا کچھ (مقررہ) حصہ مالک زمین کو دے۔ یا یہ صورت ہو کہ مالک زمین خود کاشتکار کو اپنی زمین پر کاشتکاری کے لیے پیداوار کے ایک مقررہ حصے کے عوض کام پر لگائے۔ اس طرح کا معاملہ کرنے کے متعلق حنفیوں میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ امام ابو محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اسے جائز بتاتے ہیں۔ حنفیہ کے مسلک میں ان ہی کے قول پر فتویٰ ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے سہولت اور بہتری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ بھی مزارعت کو اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں جب کہ زمیندار اور کاشتکار دونوں آلات کشاورزی اور بیج کے مالک ہوں۔ اس صورت میں گویا کاشتکار نے زمین کو آلات کشاورزی اور بیج کے عوض کرایہ پر لیا اور (اس زمین کی) پیداوار کا ایک مقررہ حصہ اس کو ملے گا جو باہمی رضامندی کی بنا پر ہوگا، نہ کہ اجرت کے طور پر۔ امام ابو حنیفہؒ نے متذکرہ بالا صورت میں مزارعت سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس امر کی ممانعت آئی ہے کہ کسی شخص کو اس شرط پر کاشتکاری دی جائے کہ اس زمین سے جو کچھ حاصل ہو گا اس کا ایک مقررہ حصہ اس کو ملے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو ایک بوری گندم پیسنے کے لیے دی جائے اس شرط پر کہ پسے ہوئے آٹے میں سے ایک کیلہ (پیمانہ) آٹا اس کو بطور اجرت ملے گا۔ اس مسئلے کا نام قفیزالطحان ہے (یعنی پسن ہارے کی بوری)۔

مزارعت کی سابقۃالذکر صورت میں کاشتکار کی جو اجرت مقرر کی جاتی ہے وہ اس کی محنت سے حاصل ہونے والی شے کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس امر کی ممانعت ہے کہ کسی شخص کو آٹا پیسنے کی اجرت اس آٹے میں سے دی جانے کی شرط ہو جو اس نے پیسا ہے۔ اسی طرح کی یہ صورت بھی ہے کہ کسی شخص کا بیل آٹا پیسنے کے لیے کرائے پر لیا جائے یا کسی شخص کو کپاس چننے پر لگایا جائے اور شرط یہ ہو کہ اسی میں سے مثلاً نصف ڈھیری (یا آدھا پنڈ) اس کی اجرت ہو گی۔ لیکن اگر معاوضہ یوں ٹھہرا کہ کپاس چنو میں اچھی کپاس کی ←

نصف ڈھیری (اجرت) دوں گا ، لیکن اس کپاس کی طرف اشارہ نہ تھا جو مزدور نے چنی ہے تو یہ درست ہے - تاہم مالک کو اختیار ہے کہ وہ بعد میں مزدور کی اجرت اسی کپاس میں سے دے دے -

واضح ہو کہ اس بارے میں حنفیوں میں اختلاف نہیں ہے کہ اشیائے خوراک کی اجرت پر زمین حاصل کی جائے ، خواہ وہ خوردنی شے زمینی پیداوار ہو جیسے گندم یا روئی یا نہ ہو جیسے شہد - غرض جو شے بھی قیمت والی ہو وہ اجرت کے طور پر دی جا سکتی ہے - اس کی تفصیل اجرت کے بیان میں آ رہی ہے -

اب رہا مخابرہ (بفتح با یا بٹائی) سو شرعاً یہ بھی مزارعت کے ہم معنی ہے کیونکہ بٹائی بھی کھیتی باڑی ہی کا معاہدہ ہے جو پیداوار کے ایک حصے کی اجرت پر کیا جائے - لغت کی رو سے یہ لفظ 'خبار' سے مشتق ہے جس کے معنی پولی زمین کے ہیں -

حنابلہ کہتے ہیں کہ مزارعت یہ ہے کہ قابل زراعت اراضی کا مالک کسی کاشتکار کو اپنی زمین دے اور بیج بھی مہیا کرے تا کہ وہ اس پر کام کرے، جوتے ، بوئے اور اس کی پیداوار میں سے ایک حصہ دستور کے مطابق اس کاشتکار کی اجرت مقرر ہو ، مثلاً نصف یا ایک تہائی پیداوار - لیکن یہ درست نہیں ہے کہ اس کی اجرت وغیرہ ایک یا دو بوری گندم مقرر کی جائے - اسی طرح کی صورت یہ بھی ہے کہ مالک اراضی اپنی زمین جس میں پودے اُگے ہوئے ہوں کسی شخص کے حوالے کر دے کہ وہ اس پر کام کرے ، یہاں تک کہ اس کی پیداوار مکمل ہوجائے - اس کے معاوضے میں جو پھل وغیرہ اس سے حاصل ہو، اس میں سے ایک حصہ دستور کے مطابق کارندے کی اجرت ہو گی - اس کو بھی مزارعت کہتے ہیں - غرض حنابلہ بھی مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحبین امام ابو حنیفہؒ (یعنی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ) نے جائز قرار دیا ہے - البتہ ان اصحاب کے نزدیک بیج کی فراہمی کا کام صرف مالک اراضی کے لیے مخصوص ہے -

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک جائز ہے کہ مقررہ اراضی کو ایک خاص مدت کے لیے تہائی یا نصف پیداوار کے معاوضہ پر کسی کے حوالے کر دیا جائے - یہ پیداوار خواہ غلہ ہو جیسے گندم اور جو یا غلہ نہ ہو مثلاً کپاس سے

→ یا السی ۔ اس طرح کی اجرت نقد اجرت پر کام لینے کے برابر ہے ، دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ اجرت کے باب میں بتایا جائے گا ۔ غرض مخابرہ (بٹائی) بھی شرعی لحاظ سے مزارعت کی مانند ہے ۔

واضح ہو کہ اس معاملے کے صحیح ہونے کی بنیاد احادیث صحیحہ پر ہے ۔ منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی سے حاصل شدہ نصفا نصف پھل یا پیداوار کے معاوضہ پر معاملہ کیا تھا (متفق علیہ) ۔

مالکیہ کہتے ہیں مزارعت شرکت کا معاملہ ہے ۔ یہ معاملہ اس صورت میں باطل ہو گا جب کہ ایک فریق زمین کا مالک ہو اور بیج ، محنت اور آلات کشاورزی فریق ثانی کے ہوں جیسا کہ حنابلہ اور صاحبین (امام محمدؒ و امام یوسفؒ) کہتے ہیں ۔ پس وہ طریق عمل جو عہد حاضر میں مالکان اراضی قابل زراعت کا ہے کہ وہ اپنی زمین کسی کاشتکار کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ اسے بوئے ، جوتے اور اس پر خرچ کرے اور اس سے جو اناج پیدا ہو اس میں سے نصف مالکان اراضی لے لیں ، یا نصف پیداوار کے ساتھ کچھ نقدی بھی لیں ۔ مثلاً کاشتکار کو زرعی زمین دی اور اس کے عوض تین اشرفی مع نصف پیداوار کے جو اس زمین سے حاصل ہوئی وصول کر لیا گیا ۔ یہ صورت مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تو زمین یا اس کے کچھ حصے کو اس کی پیداوار کی ایک مقدار کے عوض اجرت پر دینا ہوا جو ان کے نزدیک ممنوع ہے ۔ غرض مزارعت کا جو طریقہ جائز ہے وہ یہ ہے کہ زمین کا کرایہ نقدی یا جانور یا مال تجارت مقرر کیا جائے ، مثلاً یہ کہ فلاں رقبۂ زمین کی اجرت چار اشرفی یا تین بیل یا اس قدر کپڑے کے برابر ہے ۔ اس زمین کی اجرت غلہ یا کپاس یا شہد میں مقرر کرنا روا نہیں ہے کیونکہ مالکیہ کے نزدیک زمین کو اشیائے خوردنی یا زمین سے حاصل ہونے والی شے کے عوض کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے ، جیسا کہ بابِ اجارہ میں بتایا جائے گا ۔

الغرض زمین کے کرائے کا تعین ہونے کے بعد عمل کاشت کی کوئی قیمت مقرر کی جاسکتی ہے ، لہٰذا مالک اراضی جب کوئی زمین کسی کے حوالے کرے ←

ـ اور اس زمین کا کرایہ (مثلاً) پانچ اشرفی متعین ہو تو اب کاشتکار کے لیے درست ہے کہ وہ اپنی محنت اور اخراجات زراعت کا حساب لگا کر کرایہ زمین میں محسوب کر لے ـ لیکن شرط یہ ہے کہ بیج کو کرایہ میں محسوب نہ کیا جائے کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ زمین کا کرایہ زمینی پیداوار کی شکل میں وصول کرنا درست نہیں ہے ـ پس بیج میں فریقین (زمیندار و کاشتکار) نصفا نصف کے شریک ہوں گے ـ اب اگر زمین کا کرایہ اور کاشتکار کے کام اور آلات کشاورزی کی مقدار اجرت متعین ہو گئی ہے تو فریقین میں سے ہر ایک کو اخراجات کی نسبت کے مطابق زمین سے حاصل شدہ منفعت حاصل کرنے کا حق ہو گا ـ پس اگر زمین کے کرائے کی مقدار پانچ ہے اور آلات زراعت اور محنت (کاشتکار) کی مقدار اجرت بھی پانچ ہے تو نصفا نصف نفع فریقین کا حق ہوگا ـ وعلیٰ ہٰذاالقیاس (ایسی صورت میں) اگر فریقین میں سے کوئی اپنے مخصوص حصے سے زیادہ لے تو معاملہ فاسد ہو جائے گا ـ

مزارعت کی یہی صورت مالکیہ کے نزدیک جائز ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مشارکت باہمی میں زمین کی پیداوار کو اس زمین کا کل کرایہ یا کرائے کا کچھ حصہ قرار دینا ممنوع ہے ـ یہ نہ ہو تو مزارعت حلال ہے بشرطیکہ فریقین نفع میں برابر کے شریک ہوں ـ

مالکیہ میں یہ مسئلہ اسی طرح مشہور ہے گو بعض اصحاب کہتے ہیں کہ زمین کو اس کی پیداوار کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے ـ لیکن ان کے مسلک کی رو سے یہ قول ضعیف ہے تاہم مالکیہ نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کسی زمین پرجس میں پودے لگے ہوئے ہوں اور وہ قابل زراعت بھی ہو کسی شخص سے عقد مساقاۃ (یعنی باغ لگانے کا معاملہ) کیا جائے تو اس شخص کو یہ حق ہے کہ باغ کے ساتھ زمین کی پیداوار کے کچھ حصے کے عوض مزارعت کر لے ـ

شافعیہ کہتے ہیں کہ مزارعت یہ ہے کہ کاشتکار زمین کی پیداوار کے ایک حصے کے عوض زمیندار سے معاملہ کرے اور شرط یہ ہو کہ بیج زمیندار کا ہوگا ـ مخابرہ (بٹائی) بھی مزارعت ہی ہے لیکن اس میں بیج کاشتکار کا ہوتا ہے ، یعنی مزارعت میں کاشتکار کا کام صرف محنت ہے ؛ بخلاف مخابرہ کے (کہ اس میں بیج بھی کاشتکار کا ہوتا ہے) ـ

مزارعت کی شرعی حیثیت اور اس کے ارکان ، شرائط وغیرہ کا بیان

معنٰی متذکرہ سابقہ کی رو سے مزارعت کے کچھ رکن ، کچھ شرائط اور کچھ اور متعلقہ مسائل ہیں جو ازروئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

← شافعیہ کے نزدیک یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں کیونکہ زمین کو اس کی پیداوار کے عوض کرائے پر دینا صحیح نہیں ہے ۔ ان کے ہاں اسی قول پر اعتماد ہے تاہم بعض اصحاب نے اس کی اجازت دی ہے ۔ اس معاملے کے ممنوع ہونے کا سبب انہوں نے یہ بتایا ہے کہ اس طرح جو معاملہ ہوتا ہے اس میں معاوضہ متعین نہیں ہوتا ۔ کاشتکار زمین پر محنت کرتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے اس کا کیا معاوضہ ملے گا ، لہٰذا یہ دھوکے کی چیز ہوئی ۔

اگر مالک زمین اپنی زمین میں کھیتی باڑی کرنے سے عاجز ہو تو وہ اسے کرائے پر دے کر نفع حاصل کر سکتا ہے ۔ اس طرح کرائے پر دے دینے سے جھگڑے کی جڑ کٹ جاتی ہے اور فریقین کے حقوق واضح ہو جاتے ہیں ۔ پس آخر ایسا کیوں ہو کہ (اس طرح) صاف صاف معاملہ کا طریقہ چھوڑ کر ایسا معاملہ کیا جائے جس میں دھوکا ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں مخابرہ (بٹائی) اور مزارعت کی ممانعت آئی ہے ۔ تاہم اگر مساقات (یعنی باغ لگانے میں باہمی مشارکت) کے سلسلے میں اسی زمین میں مزارعت (یعنی کھیتی کی شرکت) کا معاملہ بھی ہو تو شافعیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معاملہ مزارعت کے ارکان وہ امور ہیں جن سے مالک (زمیندار) اور کارندہ (کاشتکار) کے درمیان معاہدہ کی تکمیل ہوتی ہے ۔ یہ ارکان ہیں ایجاب و قبول (یعنی پیشکش اور منظوری) ۔ پس اگر زمیندار کاشتکار سے کہے کہ میں یہ زمین تم کو دیتا ہوں کہ تم اس پر (پیداوار کے) نصف یا تہائی پر کام کرو اور کاشتکار کہے کہ مجھے منظور ہے تو معاہدے کی تکمیل ہو گئی ۔

ظاہر ہے کہ ایجاب و قبول کے الفاظ مذکورہ میں یہ امور شامل ہیں : کاشتکار کی محنت ، قابل زراعت زمین ، آلات کشاورزی جن سے زراعت میں کام لیا جائے ←

←اور وہ بیج جو زمین میں ڈالا جائے، اور آگے - اس بنا پر بعض اصحاب نے مزارعت کے ارکان کی تعداد چار بتائی ہے، یعنی زمین، کاشتکاری، بیج اور آلات کشاورزی -

رہیں (مزارعت کی) شرطیں سو اس کی دو قسمیں ہیں :

ایک تو معاملہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے اور دوسری ایسی شرط جو معاملہ کو فاسد کر دیتی ہے - صحیح ہونے کی شرائط چند اقسام کی ہیں :

پہلی قسم (کی شرائط) کا تعلق فریقین معاملہ (زمیندار اور کاشتکار) سے ہے اور وہ فریقین کا ذی عقل ہونا ہے، لہٰذا فاترالعقل (مجنون) اور بچہ (بے شعور) کا عقد مزارعت کرنا صحیح نہیں ہے - ہاں اگر لڑکا صاحب شعور (یا باتمیز) ہو جسے اس کے وصی (نگران حال) نے اجازت دی ہو اور وہ معاملۂ مزارعت کرے تو درست ہے - اس بارے میں (صاحب معاملہ) کا آزاد ہونا شرط صحت نہیں ہے، لہٰذا غلام جو آقا کا ماذون (اجازت یافتہ) ہو تو اس کا کیا ہوا معاملہ درست ہے -

دوسری قسم کا تعلق اس جنس سے ہے جو بوئی جائے مثلاً گندم یا روئی وغیرہ جس کے بونے کا ارادہ کیا گیا ہے - ہاں اگر زمیندار یہ کہہ دے کہ جو جی چاہے تم بو سکتے ہو تو کاشتکار کو روا ہے کہ جو چیز چاہے بوئے - لیکن اسے یہ حق نہ ہو گا کہ اس زمین میں درخت لگائے کیونکہ عقد مزارعت خاص کھیتی کے لیے ہوتا ہے - اب اگر جنس مزارعت مثلاً گیہوں یا جو کی تعیین نہیں کی گئی اور بیج کاشتکار کے ذمہ ہے تو عقد مزارعت فاسد ہو جائے گا - اگر بیج مالک کے ذمہ ہے تو فاسد نہ ہو گا اس لیے کہ مزارعت کے معاملہ میں تخم ریزی سے پہلے معاملہ کی پابندی لازم نہیں ہوتی - اور بغیر کسی سبب کے بھی اسے فسخ معاملہ کا اختیار ہوتا ہے - اگر بیج مالک کے ذمہ ہے تو محض جنس کے بیان کر دینے سے وہ معاہدے کا پابند نہیں ہو جاتا کیونکہ (زمیندار کو) اختیار ہے کہ اپنی زمین میں جس جنس کی چاہے زراعت کرے - اور چونکہ بیج زمیندار کے ذمہ ہے لہٰذا معاملہ صحیح ہوا اور عقد معاملہ کی تکمیل کے لیے کاشتکار کو بیج کی بابت اطلاع دینا کافی ہے - لیکن اگر بیج کاشتکار کے ذمہ ہے تو ایجاب و قبول کے ساتھ زمیندار سے معاملہ پکا ہو جائے گا - اور بیج کا تعین ضروری ہو گا - اور اگر زمیندار نے←

← بیج کا معاملہ کاشتکار پر چھوڑ دیا مثلاً اس سے یوں کہا کہ جو جی چاہے وہ بو سکتا ہے ، بیج کی نوعیت نہیں بتائی اور بیج کاشتکار کے ذمہ ہے تو معاملہ مزارعت باطل ہو جائے گا - تاہم اگر عقد فاسد ہونے کے بعد زمیندار نے کاشتکار کو زمین میں تخم‌ریزی کرنے دی اور اس پر راضی ہو گیا تو معاملہ صحیح ہو جائے گا (اور فاسد نہ رہے گا) کیونکہ جنس مزروعہ کے بیان نہ کرنے کی وجہ سے جو خامی ہوئی زمیندار اس پر راضی ہے اور خود زمین سے بے نیاز ہو کر اس نے کاشتکار کو اختیار دے دیا ہے یہاں تک کہ اس میں تخم ریزی ہو گئی اور معاملہ میں جو خامی تھی وہ دور ہو گئی -

تیسری قسم (کی شرائط) کا تعلق پیداوار سے ہے جو کھیت سے حاصل ہوئی - اس کی چھ باتوں کا لحاظ رکھا جائے گا :

اول یہ کہ معاملہ کے وقت (حقوق فریقین) کا ذکر کر دیا جائے - اگر پیداوار کا ذکر اور فریقین کے حقوق کی تعیین نہیں ہوئی تو یہ معاملہ باطل متصور ہو گا -

دوم یہ کہ پیداوار میں فریقین کا حق تسلیم کیا جائے - اب اگر یہ شرط تھی کہ تمام پیداوار ایک فریق کا حق ہو دوسرے کا کچھ حق نہ ہو تو عقد مزارعت صحیح نہیں البتہ ایسی صورت میں اگر تمام پیداوار کارندہ (کاشتکار) کا حق ہے تو یہ مالک زمین کی عنایت ہو گی اور اگر تمام پیداوار مالک زمین کی قرار پائے تو کاشتکار کی طرف سے اس کی اعانت متصور ہو گی (یعنی یہ معاملہ باہمی مشارکت کا نہ رہے گا -

سوم یہ کہ فریقین میں سے ہر ایک کے لیے حاصل زرع کا ایک حصہ مقرر ہو جائے - اگر یہ قرار پایا کہ ایک فریق کو (اتنی) گندم ملے گی حالانکہ حاصل شدہ جنس کپاس ہو تو درست نہیں ہے - اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ فریقین میں سے ایک کو روئی ملنے کی شرط ہو لیکن وہ روئی نہیں جو اس زمین سے پیدا ہوئی وغیرہ -

چہارم یہ کہ اس زمین کی پیداوار میں سے ہر فریق کے لیے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ قرار پائے - ←

پنجم یہ کہ رواج عام کے مطابق حصہ طے پا جائے مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ ←
لہٰذا اس صورت میں یہ درست نہ ہوگا کہ دو یا تین بوری کی حد لگا دی جائے۔

ششم یہ کہ فریقین میں سے کسی ایک کے لیے (حصۂ مقررہ کے علاوہ) ایک خاص مقدار مزید مقرر ہو، مثلاً یہ طے ہو کہ کسی ایک فریق کو نصف پیداوار کے علاوہ ایک بوری مزید (جنس) ملے گی۔ یا یہ شرط ہو کہ بیج کی قیمت نکالنے کے بعد بقیہ پیداوار کا نصف یا تہائی اس کا حق ہو گا، کیونکہ ممکن ہے کہ اس زمین سے اتنا ہی پیدا ہو جتنا کہ بیج تھا (تو مزید کہاں سے دیا جائے گا)۔

چوتھی قسم کا تعلق اس رقبۂ زمین سے ہے جس میں زراعت مطلوب ہے؛ اس میں تین امور لازم ہیں:

ایک یہ کہ وہ زمین قابل کاشت ہو۔ اگر وہ زمین شور یا سیم زدہ ہے تو عقد مزارعت درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر زمین ایسی ہو جو میعاد معاہدہ کے اندر قابل کاشت رہے گو معاہدے کے وقت اس میں کاشت نہ کی جا سکے، مثلاً پانی دستیاب نہ ہو تب بھی معاملہ درست ہو گا۔

دوسرے یہ کہ وہ رقبہ معلوم ہو بایں طور کہ جس رقبۂ زمین میں کھیتی کا معاہدہ ہوا ہے اس کے حدوداربعہ کو بتا دیا جائے۔ اگر وہ رقبہ بیان نہیں کیا گیا تو معاملہ درست نہ ہو گا۔ چنانچہ اگر ایک خطۂ اراضی کی بابت کاشتکار کو کہا کہ گندم کاشت کرو تو اس قدر رقبہ میں اور مکی بونا ہو تو اس قدر رقبہ میں بونا تب بھی عقد مزارعت درست نہ ہو گا کیونکہ اس کے لیے ضروری تھا کہ گندم بونے اور مکی بونے کے لیے زمین کی حدبندی کر دی جائے تا کہ جس رقبہ میں کاشت ہونی ہے وہ مبہم نہ رہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ (اس رقبۂ زمین کے) کچھ حصے میں گندم اور کچھ حصے میں مکی بو دینا تب بھی عقد مزارعت صحیح نہ ہو گا کیونکہ اس طرح کہنے سے کہ دونوں اجناس کو کتنے کتنے حصے میں بویا جائے۔ غرض اس کی تفصیل ضروری ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ زمین ایسی ہو جس کی بابت معاملہ کیا جا سکے، کاشت کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور کاشتکار کو اس پر کام کرنا ممکن ہو۔ اگر زمیندار نے یہ شرط لگا دی کہ زمین پر وہ خود کام کرے گا تو معاہدۂ مزارعت ←

← صحیح نہ ہو گا کیونکہ اس شرط سے کاشتکار کو زمین پر کام کرنے کا پورا اختیار حاصل نہیں ہے اور مالک زمین اور رقبہٴ کاشت پر زمیندار کا حق مداخلت پورے طور پر دور نہیں ہوا - ہاں اگر اس زمین پر چھوٹے بوٹے ہوں تو (اس شرط کے ساتھ بھی) معاملہ درست ہو گا کیونکہ اس صورت میں وہ معاملہ مزارعت کا نہیں بلکہ مساقات (باغ لگانے) کا ہو گا - اگر (زمین میں) بڑی بڑی کھیتی آگ آئی ہے تو اب اس کے بارے میں کسی قسم کا عقد درست نہ ہو گا - نہ عقد مزارعت ، نہ عقد مساقات ، کیونکہ اس میں کاشتکار کا کوئی حق نہیں ہے -

پانچویں قسم کا تعلق آلات کشاورزی سے ہے - یہ آلات معاملہٴ مزارعت کے اندر (عمل مزارعت میں) شامل ہیں لہٰذا اگر اس بیل کا جو جوتنے میں استعمال ہوتا ہے یا کاشتکار کی محنت یا بیج وغیرہ کا کچھ معاوضہ مقرر کیا جائے تو معاملہ فاسد ہو جائے گا -

واضح ہو کہ صحت معاملہ کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ یہ بات طے ہو جائے کہ بیج کس کے ذمے ہو گا ؟ مالک کے یا کاشتکار کے ؟ اگر بیج زمیندار کا ہو تو مزارعت کا معاملہ گویا کاشتکار کو مزدوری پر لگا لینا ہے - اگر بیج کاشتکار کے ذمے ہے تو گویا اس نے زمین کرایہ پر لی - اب اگر یہ وضاحت نہ کی گئی کہ بیج کس کے ذمے ہے تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ زمین کرایہ پر دی گئی ہے یا کاشتکار کو اجرت پر رکھا گیا ہے - اس طرح جس امر پر معاہدہ ہوا ہے وہ معلوم نہ ہو گا لہٰذا وہ درست نہ ہو گا -

اب رہیں ایسی شرائط جن سے عقد مزارعت فاسد ہو جاتا ہے :

ان شرائط کے منجملہ یہ ہے کہ جملہ پیداوار کو فریقین میں سے ایک کا حصہ قرار دیا جائے - اسی طرح اگر کاشت کی ذمہ داری زمیندار نے اوٹ لی اور یہ شرط لگا دی کہ محنت اس کے ذمہ ہو گی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ وہ زمین (کاشت کے کام کی غرض سے) کاشتکار کے سپرد نہیں کی جائے گی حالانکہ معاملہٴ مزارعت کے صحیح ہونے کے لیے یہ ایک شرط ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔

ایک شرط (جس سے عقد مزارعت فاسد ہوجاتا ہے) یہ ہے کہ آلات کشاورزی، ←

← جانور وغیرہ (کا فراہم کرنا) زمیندار کے ذمے ہوگا - اور کہا جاتا ہے کہ کاٹنا چھڑنا وغیرہ زمیندار کے ذمے ہے بشرطیکہ یہی رواج مشہور ہو، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شرط عقد مزارعت کو باطل کر دیتی ہے - اسی قول پر فتویٰ ہے -

اس سلسلے میں جو اصول اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جو امور کاشت کے کام میں اناج کاٹنے اور خشک ہونے سے پہلے ضروری ہیں ، مثلاً سینچنا ، حفاظت کرنا نقصان دہ بوٹیوں کو اکھاڑنا (یا گڈائی) یا پانی کی کھال بنانا وغیرہ یہ سب تو مزارع (یا کاشتکار) کے ذمے ہوں ؛ باقی وہ امور جو بالیاں خشک ہونے اور انھیں اتارنے کے بعد ضروری ہیں ان کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم میں وہ امور ہیں جن کی ضرورت غلہ کی تقسیم سے پہلے پڑتی ہے ، مثلاً بالیوں سے دانے کو نکال کر بھوسے کو دور کرنا اور چھڑنا ، اور اس کو صاف کرنا اور اس پر جو اخراجات ہوں وہ تو فریقین کے ذمے ان کے حصوں کی نسبت سے ڈالے جائیں ، مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ -

دوسری قسم کے وہ امور ہیں جن کی ضرورت مزاوعت میں اناج کی تقسیم کے بعد پڑتی ہے جیسے کھیت سے اٹھا کر گھر تک لانا وغیرہ - ان اخراجات کی ذمہ داری فریقین کے حصے کے مطابق ہر ایک پر جدا جدا ہو گی ، یعنی تقسیم کے بعد جس قدر حصہ ان میں سے ہر ایک کو ملے گا اسی نسبت سے وہ اخراجات برداشت کریں گے -

منجملہ ایسی شرائط کے (جو معاملہ فاسد کرتی ہیں) ایک شرط یہ ہے کہ بھوسا اس فریق کا حق قرار پائے جس نے بیج نہ دیا ہو - یہ شرط تقاضائے (صحت) معاملہ کے منافی ہے - معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ بھوسا بیج والے کا حق ہے - پس اگر معاملہ میں یہ شرط لگا دی گئی کہ بھوسا بیج والے کا ہو گا تو یہ شرط اور معاملہ دونوں درست ہیں اور بھوسا بیج والا لے گا - اگر (بوقت معاملہ) بھوسے کا ذکر نہیں آیا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ بھوسا اس فریق کا ہو گا یا اُس فریق کا ، ایسی صورت میں بعض اصحاب تو یہی کہتے ہیں کہ بھوسا بیج والے کا حق ہے ، کیونکہ بھوسا اناج کے دانوں سے نکلا ہے لہذا وہ اس کا حق ہے جس نے دانے دیے - لیکن بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بھوسے پر عام رواج کے پیش نظر ←

ـ فریقین کے حصوں کے مطابق ان کا حق ہے ، بایں طور کہ اگر کاشتکار صرف چوتھائی حصے کا شریک ہے تو حنفیہ کے نزدیک غالب خیال یہ ہے کہ بھوسے پر اس کا کوئی حق نہیں ہے - ہاں اگر ایک تہائی کا شریک ہے تو آدھے بھوسے کا حقدار ہے -

ایک شرط (مفسد معاملہ) یہ ہے کہ زمیندار مزارع سے یہ شرط کرے کہ وہ زمین پر کوئی ایسی چیز بنائے گا کہ میعاد معاملہ گزرجانے پر بھی وہ چیز اس زمین پر باقی رہے جیسے کوئی گھر یا پانی کے لیے گڑھا (حوض) وغیرہ - اگر اس قسم کی کوئی شرط لگائی گئی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا - رہا اغراض کاشت کے لیے زمین کی کھدائی وغیرہ کی شرط تو دیکھنا ہو گا کہ یہ زراعت کے کام کی بہتری کے لیے ہے یا زمین کو بہتر بنانے کے لیے جس کا فائدہ مدت مزارعت گزر جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے - پہلی صورت میں یہ شرط صحیح ہے اور معاہدۂ مزارعت کو متقاضی بھی ہے کیونکہ جب تک زمین کی کھدائی نہ ہو وہ قابل کاشت نہیں ہوتی -

دوسری صورت میں ایسی شرط معاملہ کو فاسد کر دے گی - اس کی مثال یہ ہے کہ بغرض کاشت زمین میں قلبہ رانی کی شرط کے ساتھ یہ بھی شرط لگا دی کہ جب کھیتی کٹ چکے تو اس میں دوبارہ قلبہ رانی کر کے چھوڑا جائے تا کہ زمیندار اس زمین کو قابل کاشت تیار رکھے - اس صورت میں دوسری بار قلبہ رانی کی شرط کو اس کھیتی سے کوئی تعلق نہیں ہے ، لہٰذا معاملہ فاسد ہو جائے گا - ہاں اگر یہ شرط تھی کہ بدوران کاشت دو بار قلبہ رانی کی جائے گی اور دوسری بار کی قلبہ رانی کاشت کے لیے تھی جس کا فائدہ کھیتی ختم ہو جانے کے بعد متصور نہ تھا تو یہ شرط صحیح ہے -

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ معاملہٌ مزارعت سے کیا مراد ہے ، کس کے نزدیک جائز ہے اور کس کے نزدیک ممنوع ہے اور اس کے صحیح یا فاسد ہونے کی کیا شرائط ہیں یہ سمجھنا آسان ہے کہ معاملہٌ مزارعت کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ممنوع ہے -

اب یہ جاننے کے بعد کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کی جائز صورت ـ

← کہا ہے ذیل میں مختصراً یہ بتایا جاتا ہے کہ صاحبین (امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) نے کن صورتوں کو جائز یا ممنوع قرار دیا ہے ؟

صاحبینؒ کے نزدیک مزارعت کی جو صورتیں جائز ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ فریقین میں سے زمین ایک فریق کی اور بیج ، محنت اور آلات کشاورزی فریق ثانی کے ہوں اور یہ شرط ٹھہرے کہ پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ مالک زمین کا حق ہو گا - اس حالت میں کاشتکار زمین کا کرایہ دار ہو گا جس کے معاوضہ میں پیداوار کی ایک مقررہ مقدار مالک کو ادا کرے گا - صاحبینؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے - اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مالک زمین کسی کارندے کو پیداوار کی ایک مقدار کے عوض اجرت پر لگائے - ان دونوں صورتوں کے علاوہ معاملہ اجارہ ممنوع ہے - ایک صورت یہ ہے کہ زمین ، بیج اور آلات کشاورزی زمیندار کے ذمے ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو جس کے معاوضے میں پیداوار کا ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی اسے دیا جائے - یہ صورت بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی کسی کارندے کو اس زمین کی پیداوار کے معاوضے میں کام پر لگانا ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے -

ایک صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج کسی ایک فریق کے ذمے ہو اور محنت اور آلات کشاورزی فریق ثانی کے ہوں - یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس صورت میں زمیندار اپنے کاشتکار کو اس کے بیل وغیرہ آلات کشاورزی کے ساتھ کاشت کے کام پر لگاتا ہے -

اب وہ شرائط بیان کی جاتی ہیں جو معاملہ مزارعت میں ممنوع ہیں :

ان کے منجملہ ایک یہ ہے کہ زمین اور آلات کشاورزی مثلاً بیل وغیرہ ذرائع قلبہ رانی ایک فریق کے ذمے ہوں اور بیج اور زمین شریک ثانی کے ذمے - یہ معاملہ فاسد ہو گا کیونکہ زمین اور آلات کشاورزی کے فوائد ہم مثل نہیں ہیں کہ انہیں باہم ملایا جا سکے اور مالک زمین اسے بیج اور محنت کے مقابلے میں پہلے ادا کر دے - ظاہر ہے کہ زمین کا نفع اس کی پیداوار ہے اور بیل وغیرہ (آلات) کا نفع محنت ہے - یہ دونوں منفعتیں ہم جنس نہیں ہیں کہ ان کو ملایا جا سکے ←

←(اور ایک فریق کے ذمے ہو) اسی پر فتویٰ ہے، تاہم کہا جاتا ہے کہ اگر یہ عمل رواج پذیر ہو تو جائز ہے۔

(مزارعت فاسد کی) ایک صورت یہ ہے کہ صرف بیج ایک فریق کا ہو اور زمین، محنت اور آلات کشاورزی دوسرے فریق کے ذمے ہو۔ یہ معاملہ بھی فاسد ہے۔ اس واسطے کہ اس شرط کا مطلب یہ ہو گا کہ جس نے بیج مہیا کیا اس نے زمین کو بعوض بیج کے کرایہ پر لیا۔ اور پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ معاملہ کے صحیح ہونے کی شرایط میں سے ایک یہ ہے کہ کرایہ پر زمین لینے والے کو اُس کے استعمال (یا اُس پر کام کرنے) کا حق ہونا چاہیے، یعنی اُس کے اور زمین کے درمیان کوئی حائل نہ ہو لیکن اس صورت میں زمین پر کام کرنا فریق ثانی کے ذمہ ہے تو کیوں کر ممکن ہو گا کہ (کرائے پر لینے والا) اُس پر ہاتھ ڈالے جب کہ کام دوسرے کے سپرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاملۂ مزارعت میں تین اشخاص کے شریک ہونے کی شرط درست نہیں ہے۔ بایں طور کہ زمین کسی کی ہو اور بیج کسی دوسرے کا اور بیل وغیرہ آلات کشاورزی کسی تیسرے شخص کے۔ ایسی صورت میں زمین والا تو زمین کا کرایہ دار ہوگا اور زمین کارندہ (کاشتکار) کے حوالے ہوگی تو کرایہ پر لینے والا اُس زمین پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا لہٰذا معاملہ فاسد ہوگا۔

ایسی صورت میں جب کہ معاملۂ زمین میں چار اشخاص شریک ہوں، بایں طور کہ بیج ایک کے ذمہ ہو، زمین دوسرے کی، بیل تیسرے کا اور محنت چوتھے کی ایسی صورت میں معاملۂ مزارعت ایک اور سبب سے باطل ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ محض بیل کو پیداوار کی ایک مقدار کے عوض کرایہ پر لینا ہی درست نہیں ہے لیکن اس صورت میں بیل کو زمین کی پیداوار کی ایک مقدار کے عوض کرایہ پر لیا گیا ہے کیونکہ بیل کو بھی دوسری اشیائے سہ‌گانہ یعنی بیج، محنت اور زمین کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت مزارعت کی شرایط میں سے ایک امر یہ ہے کہ آلات کشاورزی کو معاملۂ مزارعت میں جداگانہ حیثیت نہ دی جائے بلکہ اسے دوسری شے کے تابع تصور کیا جائے۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ زمین کی ایک مقدار کے عوض کرایہ پر لینا درست ہے۔←

ہے اسی طرح کارندے (یا کاشت کار) کو پیداوار کی ایک مقدار کے معاوضہ میں مزدوری پر لگانا بھی درست ہے ان کے علاوہ اور کسی کو کرایہ یا اجرت پر لینا درست نہیں ہے۔

منجملہ ممنوع شرایط کے ایک یہ ہے کہ بیج اور بیل ایک فریق کے ذمہ ہوں اور محنت اور زمین دوسرے فریق کے ذمہ۔ یہ معاملہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ صحت معاملہ کی یہ شرط ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک جن اشیاء کی ذمہ داری یکجائی طور پر اوٹھتا ہے ان اشیاء کے فوائد ہم جنس (یعنی ایک جیسے) ہوں۔ لیکن (اس صورت میں) بیج اور بیل (جو ایک فریق کے ذمہ ہے) اُن کے فوائد ہم جنس (یکساں) نہیں ہیں۔ اسی طرح زمین اور محنت (جو دوسرے فریق کے ذمہ ہے) اُن کے منافع میں یکسانیت نہیں ہے، (لہٰذا یہ معاملہ فاسد ہوگا)۔

ایک شرط جو مزارعت میں منع ہے کہ زمین ایک شخص کی ہو اور بیج نصفا نصف فریقین کے ذمہ ہو اور شرط یہ ٹھہرے کہ زمیندار محنت سے بری الذمہ ہوگا اور زمین سے جو کچھ پیدا ہوگا وہ فریقین کا نصفا نصف حق ہوگا۔ یہ صورت بھی فاسد ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کاشت کار نصف زمین پر اپنا بیج بوئے گا کہ پوری پیداوار حاصل کرے گا اور بقیہ آدھی زمین پر زمیندار کا بیج بوئے گا کہ وہ اس کی کل پیداوار لے لہٰذا یہ معاملۂ مزارعت پوری زمین کی پیداوار کے عوض اس شرط پر ہوا کہ آدھی زمین کاشت کار کو عاریتاً دی جائے گی اور ایسی شرط باطل ہے۔ لیکن اگر زمین دونوں فریق کی مشترکہ ملکیت ہے اور بیج بھی دونوں کا ہے اور محنت میں بھی دونوں شریک ہیں اور شرط یہ ہے کہ پیداوار میں نصفا نصف دونوں شریک ہوں گے، تو دوست ہے، کیونکہ (اس صورت میں) فریقین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے بیج سے زمین کی کاشت کی اور آدھی زمین دوسرے کو بغیر شرط عمل کے عاریتاً دی گئی۔

واضح ہو کہ معاملۂ مزارعت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم صحیح مزارعت ہے۔ اس سے مراد سردست زمین کی صلاحیت کا مالک ہونا اور بالآخر زراعت سے حاصل ہونے والی پیداوار میں شرکت کرنا ہے۔ یہ یوں ہے کہ مالک زمین کارندے کو زمین کی صلاحیت کا (سردست) مالک بناتا ہے

دیتا ہے کہ وہ اس شرط پر کام کرے کہ اس (محنت) کے عوض اس زمین سے جو کچھ حاصل ہوگا اُس کے ایک حصہ کا حقدار وہ ہوگا - اس کے بعد کبھی تو یہ معاملہ لازم (پکا) قرار پاتا ہے اور کبھی لازم نہیں ہوتا - لازم اُس پر ہوتا ہے جس کے ذمہ بیج کا مہیا کرنا نہ ہو، خواہ مالک زمین (زمیندار) ہو یا کارندہ (کاشت کار)- اگر مزارعت میں یہ شق ہو کہ بیج مالک زمین کا ہوگا تو یہ معاملہ نافذ العمل نہ ہوگا جب تک کہ بیج نہ بو دیا جائے - تخم ریزی سے پہلے زمیندار (بیج دینے والے) کو اختیار ہے کہ بغیر کسی عذر کے اس خیال سے کہ مبادا بیج ضائع ہوجائے یہ معاہدہ توڑ دے - لیکن کاشت کار جس کے ذمہ بیج نہیں ہے اس پر اس معاملہ کا نفاذ ایجاب و قبول کے ساتھ ہی لازم ہو جائے گا اور بغیر کسی مجبوری کے اس کا توڑ دینا درست نہ ہوگا - اگر شرط اس کے خلاف ہو یعنی بیج کی ذمہ داری کاشت کار کی ہو تو حکم اس کے برعکس ہوگا کہ جب تک فی الواقع تخم ریزی نہ ہو جائے اس معاہدہ کا نفاذ (پابندی) کاشت کار پر لازم نہیں ہے - اگر معاملہ کرتے وقت صریحاً اس کا ذکر نہ آیا ہو کہ بیج کس کا ہوگا تو ضمناً اس کا ذکر آ جانا بھی کافی ہے مثلاً زمیندار ، کاشت کار سے یوں کہے کہ میں یہ زمین کاشت کرنے کے لیے تمھیں دیتا ہوں یا یہ کہے کہ میں تم کو اپنی زمین پر کام کرنے کے لیے اجرت پر لگاتا ہوں ، اس طرح کہنے سے بیج زمیندار کے ذمہ ہو جائے گا - بخلاف اس کے اگر مالک زمین نے یوں کہا ہو کہ میں یہ زمین تم کو اس لیے دیتا ہوں کہ تم اپنی مرضی سے اس پر کاشت کرو تو اس سے مترشح ہوتا ہے کہ بیج کاشت کار کے ذمہ ہوگا -

دوسری قسم متعلقہ مسائل سے متعلق ہے - اس میں چند باتیں ہیں :

ایک بات تو یہ ہے کہ (مزارعت فاسدہ کی صورت میں) مزارع پر امور کاشت کاری میں سے کسی کام کی انجام دہی واجب نہیں ہے یعنی معاملہ صحیح نہ ہو تو اُس کے ذمہ کچھ لازم نہیں ہے (یعنی وہ کسی امر کی انجام دہی کا ذمہ دار نہیں ہے) -

دوسری بات یہ ہے کہ اگر (معاملۂ فاسد میں) بیج مالک زمین کا رہا ہو تو جو محنت کارندے نے کی ہے اسی کے مناسب اُس کا معاوضہ ملنا چاہیے - اگر بیج کارندہ کا تھا تو مالک زمین کو اُس کی زمین کا کرایہ ملے گا - پھر یہ کہ (معاملۂ

← فاسد میں) جس کا بیج ہوگا تمام پیداوار پر اُس کا حق ہے۔ اگر بیج زمیندار کا تھا تو وہ پیداوار لے لے گا اور کاشت کار کو اُس کی محنت کا معاوضہ دے دے گا۔ اس صورت میں زمین کی تمام پیداوار اُس کے لیے حلال ہے اور اُس میں سے کچھ صدقہ کرنا لازم نہیں ہے، لیکن اس صورت میں جب کہ بیج کاشت کار کا ہو اور وہ زمین کی پیداوار کا مستحق ہو گیا اور زمیندار کو اس زمین کا مناسب کرایہ بھی ادا کر دیا تو تمام پیداوار اُس کے لیے مال طیب نہ ہوگی بلکہ پیداوار کا صرف اس قدر حصہ اُسے حلال ہے جس قدر کہ اُس نے بیج ڈالا تھا اور جس قدر زمین کا کرایہ دیا تھا اس سے زیادہ جو ہو اُسے صدقہ کر دینا چاہیے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مزارعت فاسدہ کی صورت میں کسی کام کی مناسب اُجرت اُس وقت تک واجب الادا نہ ہوگی جب تک کہ زمین استعمال میں نہ آئے۔ اگر مزارع نے زمین پر کچھ کام نہیں کیا تو اُسے محنت کے عوض اُجرت نہ ملے گی۔ اسی طرح زمین کا کرایہ بھی واجب الادا نہ ہوگا۔ اگر زمین پر اُس نے کام کیا ہے تو اُس کے مناسب اُجرت واجب الادا ہوگی خواہ پیداوار کچھ بھی نہ ہوئی ہو۔

اب جاننا چاہیے کہ اگر عقد مزارعت کسی طرح فاسد ہو جائے خواہ اس معاملہ کا فاسد ہونا تمام اماموں کے مسالک کی رو سے متفقہ طور پر مسلم ہو یا کسی ایک امام کے مسلک کی رو سے ہو اور شرکائے معاملہ یہ چاہیں کہ اُس (معاملۂ فاسد) سے جو پیداوار ہوئی ہے وہ دونوں کے لیے حلال ہو تو اس طرح عمل کرنے سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فریقین معاملہ (زمیندار اور کاشت کار) دونوں اپنے اپنے حصہ سے جو کچھ بھی ہے دست بردار ہو جائیں، پھر زمیندار مزارع سے کہے کہ تم پر میری زمین کا مناسب کرایہ واجب ہے اور مجھ پر تمھاری اور تمھارے بیلوں کی محنت کا معاوضہ اور بیج کے دام واجب ہیں۔ پھر مزارع کا جو حصہ ہے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ آیا اس گندم کے معاوضہ میں تم مصالحت کر لوگے؟ پھر مزارع زمیندار سے کہے کہ آپ پر میری اور میرے بیلوں کی محنت کی اُجرت اور بیج کی قیمت واجب الادا ہے اور مجھ پر آپ کی زمین کا مناسب کرایہ واجب الادا ہے، پھر زمیندار کے حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ آیا آپ اس گندم کے عوض مصالحت کریں گے←

ہے یعنی میرے ذمہ جو کچھ آپ کا حق ہے اس کے عوض آپ کے ذمہ جو کچھ میرا حق ہوگا ۔ تب زمیندار کہے کہ ہاں میں مصالحت کرتا ہوں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کو باہم جو کچھ لینا دینا ہے اُس کا تعین کرکے دونوں کے لیے نکالے ہوئے غلہ کے حصوں پر باہمی مصالحت ہو جائے اور اس کے بعد فریقین اپنے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں تو اس طرح کرنے سے فریقین کے حصہ میں جو غلہ آئے گا وہ مال طیب (حلال) ہوگا کیونکہ اس سے فریقین کے باہمی حقوق اُن کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملتے ۔ اب جب کہ دونوں کسی فیصلہ پر راضی ہوگئے تو ہر ایک کا حصہ اُس کے لیے حلال ہو گیا ۔ ظاہر ہے کہ اس میں رواداری اور بڑی آسانی ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ مزارعت کے رکن سے مراد وہ امر ہے جس کی بنا پر یہ معاملہ ٹھیک ٹھیک انجام پائے اور رکن کی حیثیت یہ ہے کہ معاہدے کی شرائط پوری ہو جائیں تو وہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے ۔

واضح ہو کہ کاشت کاری خواہ وہ مشترکہ (بنیادوں پر) ہو یا نہ ہو بہرحال اُس کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے کیونکہ انسان اور حیوان کے لیے یہ عمل ضروری ہے ۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا مزارعت میں شرکت کا معاہدہ محض بات چیت (یا ایجاب و قبول) سے لازم ہو جاتا ہے یا نہیں ہوتا ۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ محض الفاظ معاملہ کے تبادلے سے معاملہ پکا ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محض الفاظ کے تبادلے سے معاملہ لازم نہیں ہوتا بلکہ (معاہدہ کی پختگی کے لیے) لازم ہے کہ بیج زمین میں بو دیا جائے یا سبزی مثلاً پیاز یا خس لگایا جائے یا اروی یا بانس وغیرہ کی جڑ جما دی جائے یعنی فریقین میں سے ہر ایک کو لفظی طور پر معاملہ طے کرنے کے بعد بھی جب تک کہ تخم ریزی وغیرہ نہ کی جائے اختیار ہے کہ معاملہ منسوخ کر دے یا اس سے پھر جائے لیکن اس کے بعد وہ معاہدہ لازم العمل ہو جاتا ہے اور اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں رہتا ۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ (زمین پر) کام (متعلقہ زراعت) شروع ہو جائے تب معاہدہ لازم ہوتا ہے ۔ لہٰذا جب زمین میں قلبہ رانی کی گئی اور اسے ہموار کیا گیا تو معاہدہ پکا ہوگیا اگرچہ نہ بویا گیا ہو ۔ غرض (اس بارے میں) تین ہے

← رائیں ہیں ایک یہ کہ بات طے ہونے پر معاملہ پکا ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایجاب و قبول کے بعد زمین پر قلبہ رانی کرنے سے یا اسے ہموار کرنے سے معاملہ لازم ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب تک بیج بویا نہ جائے معاملہ پکا نہیں ہے۔

معاملۂ زراعت کے صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ زمین کو ایسی شے کے عوض کرایہ پر نہ لیا گیا ہو جس کے عوض لینا شرعاً ممنوع ہے۔ مثلاً یہ کہ زمین کو بیج کے عوض لیا جائے۔ بیج خواہ اناج کی قسم سے ہو جیسے گندم یا مکی یا نہ ہو جیسے کپاس (بہرحال ناجائز ہے)۔ یہ اس لیے ہے کہ زمین کو ایسی شے کے عوض کرایہ پر لینا جو زمین سے آگی ہیں مطلقاً ممنوع ہے۔ اس حکم سے بانس وغیرہ کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اس کی تفصیل اجارہ (کرائے) کے بیان میں آئے گی۔ اسی طرح فقہا منع کرتے ہیں کہ کوئی زمین اشیائے خوردنی کے عوض مطلقاً کرایہ پر لی جائے، خواہ وہ زمین سے نہ آگی ہو جیسے شہد۔ اس کی وضاحت مزارعت کی تعریف میں اوپر کر دی گئی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حاصل شدہ منافع میں دونوں شریک مساوی حصہ دار ہوں بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک اپنے لگائے ہوئے راس المال کی نسبت سے منافع حاصل کرے۔ لہٰذا یہ ناجائز ہے کہ مزارعت کے آدھے لازمی اخراجات دیے جائیں اور منافع ایک تہائی ملے۔ البتہ اگر فریقین شرکا میں سے کوئی فریق اپنے حصہ میں سے دوسرے کو بخوشی خاطر کچھ بخش دے تو روا ہے۔ لیکن ایسا کرنا درست نہ ہوگا جب تک کہ ہر فریق اپنے ذمہ کے تمام مطالبات پورے نہ کرلے اور بیج بو نہ دیا جائے۔ اور یہ شرط ہوگی کہ کوئی اپنا حصہ رواج کے خلاف پیشگی نہ لے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کا زریعہ (بہ تشدید را) یعنی مال زراعت خواہ وہ دانے ہوں یا کچھ اور باہم ملا جلا کر کام میں لایا جائے جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اگر مال مزروعہ فریقین کا جدا جدا ہو تو معاملہ درست نہ ہوگا جب تک کہ ایک ساتھی کا مال دوسرے کے مال کے ساتھ خلط ملط کرکے ←

← کام میں نہ لایا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کے اپنے بیج کو دوسرے فریق کے بیج پر ڈال کر عملاً ملا جلا دیا جائے، یا نتیجتاً وہ خلط ملط متصور ہوں بایں طور کہ ہر فریق اپنا اپنا مال اراضی کاشت میں لے آئے اور بلا امتیاز دونوں کا مال اکٹھا بو دیا جائے۔ اگر فریقین میں سے کوئی فریق اپنے مال کا بیج خاص رقبہ میں بونا چاہے تو معاملہ باطل ہو جائے گا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ (ملانا) ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ہر ایک فریق اپنے اپنے بیج کے لیے جداگانہ رقبہ مخصوص کرکے اپنے دانے فریق ثانی کے دانوں میں ملائے بغیر اس رقبہ زمین میں بو دے تو درست ہے۔ اس مسئلہ میں دونوں صورتوں کو ترجیح حاصل ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کے بیج مقدار اور قسم میں فریق ثانی کے بیج کی مانند ہوں۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ایک فریق گندم اور دوسرا جو یا لوبیا لائے۔ اگر ایک نے گندم اور دوسرے نے لوبیے کی کاشت کی تو معاملہ شرکت باطل ہوجائے گا اور ہر فریق کا حق وہی ہوگا جو اس کے بوئے ہوئے بیج سے حاصل ہوا اور وہی مخصوص اخراجات جو اس کے بونے میں ہوئے اس کے ذمہ ہوں گے۔ اگر اس کے مخصوص اخراجات سے زیادہ خرچ کیا ہے تو زیادہ مصارف کا مطالبہ فریق ثانی سے کیا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ اس شرط کے مؤثر ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے معاہدہ لازم (ناقابل تنسیخ) ہو جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ نہ ہوگا لہٰذا یہ صحیح ہے کہ فریقین میں سے ایک گندم لائے اور دوسرا لوبیا۔ الغرض دو شرطیں ایسی ہیں جن کے قابل ترجیح ہونے پر اتفاق ہے یعنی عقد مزارعت میں (ایک تو) یہ شرط نہ ہو کہ جن اشیاء کے عوض زمین کرایہ پر لینا منع ہے اس کے عوض کرایہ پر لی جائے۔ اور (دوسرے یہ کہ) فریقین شرکاء زمین کی پیداوار میں اپنے اپنے لگائے ہوئے مال کی نسبت سے حق دار ہوں گے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ زمینی پیداوار کے عوض زمین کا کرایہ پر لینا درست ہے اور معاملہ مزارعت مطلقاً جائز ہے۔ اور اس میں بڑی گنجائش (یا سہولت) ہے۔ ←

← اور متذکرہ سابقہ کو جان لینے کے بعد یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ معاملۂ مزارعت کی کون سی صورت صحیح اور کون سی فاسد (ناقص) ہے -

مالکیہ نے چند مثالیں دی ہیں جن پر دوسرے مسائل کا قیاس کیا جا سکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں :

مزارعت کی صحیح صورتوں میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص ، زمین ، محنت ، بیج ، آلات کشاورزی اور بیلوں میں باہم شریک ہوں اور وہ سب اس پر اتفاق کر لیں کہ زمین سے جو پیداوار ہوگی شرکاء میں سے ہر ایک کو اس میں حق ہوگا - اس کی کیفیت اوپر بتائی گئی ہے - یہ صورت شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق و بلااختلاف جائز ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین فریقین کی مملوکہ ہو یا کوئی ایسی زمین ہو جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور وہ زمین سب کے لیے مباح ہو اور اس پر دونوں فریق مل کر کاشت کاری کا معاہدہ کریں - ان میں سے ایک کے ذمہ بیج ہو اور دوسرے کے ذمہ محنت ہو - یہ صورت بھی صحیح ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی درست ہے - اگر بیج والا فریق ثانی کو بیج میں سے کچھ حصہ دے کر اس کے عوض فریق ثانی کے ساتھ اس کام میں شریک ہو جائے جو اس کے ذمہ ہے -

تیسری صورت یہ ہے کہ زمین ایک فریق کی ہو اور بیج بھی اس کے ذمہ ہو - اس کے مقابلہ میں محنت، بیل ، اور آلات کشاورزی یا صرف بیل دوسرے فریق کے ذمہ ہوں ، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا - یہ صورت بھی جائز ہے بشرطیکہ ان اشیاء کی کوئی قیمت ہو -

چوتھی صورت یہ ہے کہ زمین کسی ایک فریق کی ملکیت ہو اور اس کے ذمہ بیج کا بھی کچھ حصہ ہو اور فریق ثانی کے ذمہ محنت اور بیج کا باقی حصہ ہو ؛ یہ صورت صحیح ہے بشرطیکہ کارندہ (کاشت کار) کو نسبتاً اس سے کم نہ ملے جتنا کہ اس نے لگایا ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ جس نسبت سے اس نے دیا ہے اس کا حصہ پیداوار میں نسبتاً اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہو - اس کی مثال یہ ہے کہ زمیندار دو تہائی بیج دے اور کاشت کار ایک تہائی اور شرط یہ ٹھہرے کہ ←

← کاشت کار پیداوار میں سے نصف یا ایک تہائی لے گا۔ اگر نصف کی شرط تھی تو اس نے بیج سے نسبتاً زیادہ پایا کیونکہ اس نے صرف تہائی بیج دیا تھا، اور اگر ایک تہائی کی شرط تھی تو اس نے اپنے دیے ہوئے بیج کے برابر پایا۔ ہاں اگر یہ شرط تھی کہ اسے چوتھائی حصہ ملے گا تو معاملہٴ زراعت فاسد ہو گا۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ زمین کسی ایک کی ملکیت ہو اور بیج، بیل اور آلات کشاورزی بھی اسی کے ذمہ ہوں اور فریق ثانی کے ذمہ صرف محنت ہو، اس طرح کے معاہدے کو "خماس" کہتے ہیں (یعنی پانچویں چیز کی ذمہ داری)۔ اس کے درست ہونے کے بارے میں اختلاف ہے گو ترجیح اس خیال کو دی گئی ہے کہ یہ معاہدہ صحیح ہے جب کہ معاملہ لفظ شرکت کے ساتھ ہو بایں طور کہ یہ قرار پائے کہ کاشت کار کو پیداوار کا ایک جزو مثلاً چوتھائی یا پانچواں حصہ ہوگا۔ لیکن اگر معاہدہ اجارہ (یا کرایہ) کے الفاظ میں ہو اور یا شرکت یا اجارہ کی کوئی صراحت نہ کی گئی ہو تو وہ معاملہ فاسد ہوگا کیونکہ اجارہ (کرایہ) کے معاملہ میں کوئی امر نامعلوم ہو تو جائز نہیں ہے اور جب صراحت نہ ہو تو اسے کرائے کا معاملہ تصور کیا جائے گا۔ اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ معاملہ فاسد ہوگا، خواہ لفظ شرکت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

معاملہ کے فاسد ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ فریقین زمین کو نظرانداز کر دیں، باقی امور مثلاً بیج، محنت وغیرہ میں برابر کے شریک کار ہونے اور منافع میں مساوی کے حق دار ہونے کا معاہدہ ہو تو یہ معاہدہ فاسد ہے کیونکہ زمین کی بھی قیمت ہوتی ہے، اگر اس کو معاملہ میں نظرانداز کر دیا گیا تو فریقین شرکا میں تفاوت لازمی ہوگا لہٰذا ایک فریق راس المال میں اپنے ساتھی کے برابر نہ ہوگا۔ ہاں اگر زمین کا کوئی مالک نہ ہو اور اس کی کوئی قیمت نہ ہو (بلکہ جو چاہے اسے استعمال کر لے) تو ایسی زمین کو معاملہ میں نظر انداز کرنا جائز ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ ایک فریق کے پاس ارض رخیصہ (مفت کی زمین) ہو جس کی کوئی قیمت نہیں اور اس پر کام کیا جائے اور فریق ثانی کے ذمہ بیج کی فراہمی ہو تو یہ معاملہ فاسد ہوگا کیونکہ بیج کا ایک حصہ زمین کے معاوضہ میں ہوگا اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ یہ ممنوع ہے۔ اس پر کہا جا سکتا ہے کہ

← ارض رخیصہ (مفت کی زمین) کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس سے قبل کی صورت میں بتایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں بیج کو زمین کے مقابلہ میں نہیں رکھا گیا کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ فریقین زمین کے ماسوا بیج اور دوسری اشیاء (مزارعت) میں برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں ہی نے زمین کو خارج از حساب (نظرانداز) کر دیا ہے (لیکن اس صورت میں زمین کے عوض فریق ثانی کے ذمہ بیج کی فراہمی کی شرط رکھی گئی ہے)۔

معاملۂ فاسد کی ایک صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک کے ذمہ زمین اور ایک حصہ بیج ہو اور دوسرا محنت اور بیج کے باقی حصہ کا ذمہ دار ہو اور پیداوار میں سے اس کا حصہ بیج کی مقدار سے کم رکھا جائے جیسا کہ چوتھی صورت میں بتایا گیا۔

ایک صورت یہ ہے کہ زمین فریقین کی ملکیت ہو اور بیج میں بھی شریک ہوں اور محنت دوسرے فریق کے لیے مخصوص ہو تو یہ صورت ممنوع ہے کیونکہ راس المال کے اندر (دونوں کے حصوں میں) فرق ہوگا کیونکہ اگر (دونوں ہر چیز میں برابر کے شریک ہیں اور) محنت ایک ہی کے ذمہ ہو تو مشارکت میں اس کا حصہ مقابلتاً زیادہ ہوا۔ اب اگر پیداوار میں دونوں کا حق برابر رکھا گیا تو اس پر زیادتی ہوئی جس کے ذمہ محنت بھی لگائی گئی۔ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

مزارعت کی ایک ممنوع صورت یہ ہے کہ دونوں فریق تمام امور میں باہم شریک ہوں لیکن ان میں سے ایک فریق نے (دوسرے کے حصہ کے بیج) کو قرض دیا ہو کیونکہ اس صورت میں جو قرض دیا گیا وہ اس نفع کا معاوضہ ہے جو اسے زراعت سے حاصل ہوگا۔ اور ایسا قرض جس سے نفع حاصل ہو جائز نہیں ہے۔

واضح ہو کہ معاملۂ مزارعت کے فاسد (ناقص) ہونے کی دو حالتیں ہیں :

پہلی حالت یہ ہے کہ کام شروع ہونے سے پہلے ہی معاملہ کی خرابی کا علم ہو جائے۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ معاملہ منسوخ ہو جائے گا اور بات ختم ہو جائے گی۔ ←

دوسری حالت یہ ہے کہ معاملہ میں جو خرابی کا موجب تھا اس کا علم بعد میں ہوا ۔ اس کی چھ صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں فریق کار مزارعت میں شریک رہے قطع نظر اس کے کہ بقول معتمد دونوں کا کام برابر تھا یا کم و بیش ، اور معاملہ یوں ہوا تھا کہ زمین ایک کی ہوگی اور بیج دوسرے کا ، ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ زمین کی پیداوار دونوں میں برابر تقسیم کر دی جائے ۔ اس کے بعد ہر ایک کو اس راس المال کا جو اس کے ذمہ تھا نصف حصہ واپس کر دیا جائے ۔ اس طرح بیج والا مالک زمین سے اپنے بیج کا نصف حاصل کرے اور زمین کا مالک بیج والے سے اپنی زمین کا نصف کرایہ وصول کرے ۔ اس معاملہ کے فاسد ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس میں بیج کو زمین کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے جو منع ہے کیونکہ اشیائے خوراک کے عوض زمین کرایہ پر لینا ممنوع ہے ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے محنت میں تو شریک رہیں لیکن ایک کے ذمہ صرف کام ہو اور اس کے سوا کچھ نہ ہو اور دوسرے کے ذمہ بیج ، زمین اور آلات کشاورزی بھی ہوں ۔ یہ مسئلہ وہی ہے جسے سابقاً مسئلہ خماس کہا گیا ہے (یعنی پانچویں چیز کی ذمہ داری) ۔ ایسے معاملہ کی بابت یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ معاملہ فاسد نہیں ہوتا ۔ ہاں اگر لفظ اجارہ کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور شرکت کا لفظ نہ استعمال کیا جائے ، یا شرکت اور اجارہ دونوں میں سے کسی کا ذکر نہ ہو تو معاملہ فاسد ہوگا ۔ ہاں اگر شرکت کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو وہ معاملہ بقول راجح صحیح ہوگا ۔ اب اس صورت میں کہ عقد فاسد ہو (بایں طور کہ معاہدہ میں اجارہ کا لفظ استعمال کیا جائے یا کچھ ذکر نہ ہو) یہ حکم ہے کہ کارندہ (یا کاشت کار) کو پیداوار میں سے کچھ حق نہ ہوگا ۔ ہاں جس قدر کام اس نے کیا ہے اس کی اجرت کا مستحق ہوگا ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شریکین میں سے صرف ایک کے ذمہ محنت اور محنت کے ساتھ بیج بھی ہو اور زمین دوسرے فریق کی ہو ۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ حاصل زراعت کاشت کار کا حق ہوگا لیکن زمین کا کرایہ جو ہوتا ہے وہ

← دینا ہوگا - اس صورت کے فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں زمین کو محنت اور بیج کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے - گویا زمین کا کچھ حصہ محنت کے مقابلہ میں ہے اور دوسرا حصہ بیج کے مقابلہ میں ، اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے -

چوتھی صورت یہ ہے کہ محنت محض ایک فریق کے ذمہ ہو اور محنت کے ساتھ زمین بھی اس کی ہو اور بیج دوسرے فریق کا ، اس کا حکم بھی وہی ہے جو اُوپر بتایا گیا کہ کھیتی کاشت کار کی ہوگی لیکن بیج کا معاوضہ شریک ساتھی کو دینا ہوگا - اور اس صورت کے فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ بیج کو زمین اور محنت کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے - یعنی بیج کا ایک حصہ زمین کے مقابلہ میں اور ایک حصہ عمل کے مقابلہ میں ہے ، اور یہ معلوم ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے -

پانچویں صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک کو محنت کے لیے خاص کرلیا جائے ، باقی زمین اور بیج میں دونوں شریک ہوں - اس صورت میں بھی حکم یہ ہے کہ کھیتی کاشت کار کی ہوگی لیکن اس پر لازم ہوگا کہ اپنے شریک کو بیج کا معاوضہ اور زمین کا کرایہ ادا کرے - اس صورت کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فریقین کے حصے مساوی نہ رہے کیونکہ جس کو کام کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اس پر زیادتی ہوئی ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

چھٹی صورت یہ ہے کہ ایک فریق کو صرف کام کے لیے خاص کر لیا جائے اور کام کے سوا اس کے ذمہ اور کچھ نہ ہو - بلکہ زمین ، بیج اور آلات کشاورزی دوسرے کے ذمہ ہوں - ایسی صورت میں کاشت کار کو کام کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہ ملے گا جیسا کہ اوپر بتایا گیا -

مندرجہ بالا صورتیں وہ ہیں جن کو دوسری طرح فیصلہ کے مقابلہ میں پسند کرکے اختیار کیا گیا ہے - اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے -

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایجاب و قبول (یعنی پیش کش اور منظوری) معاملۂ مزارعت کے ارکان ہیں ایجاب (پیشکش) سے مراد ہر وہ بات ہے جس سے یہ (پیشکش ←

← کا) مقصد ہو مثلاً کسی سے کہا جائے کہ میں تم کو اپنی اس زمین میں کھیتی کے لیے لگاتا ہوں یا یہ کہ زمین تمھیں دیتا ہوں کہ اس میں کھیتی کرو ، اس کے عوض اس کی آدھی پیداوار تمھاری ہوگی ۔

شرکت مزارعت وغیرہ کے معاملہ میں لفظ اجارہ (اُجرت یا مزدوری) کا لفظ استعمال کرنا بھی درست ہے لہٰذا اگر یوں کہا گیا کہ میں اپنی زمین تم کو دیتا ہوں کہ تم اس کی آدھی پیداوار کی اُجرت پر کاشت‌کاری کرو یا یوں کہا کہ میرے باغ میں آدھے پھل یا اس کی آدھی زرعی پیداوار کے اجارہ پر کام کرو (تو درست ہے) ۔ اسی طرح کوئی بھی قول یا فعل جس سے (قبول کرنا عیاں ہو) اگر سرزد ہو تو اسے قبولیت شمار کیا جائے گا ۔

واضح ہو کہ یہ معاہدہ (مزارعت) ایک امر جائز ہے ، لازم نہیں ہے ؛ لہٰذا فریقین میں سے ہر ایک کو اس کے فسخ کر دینے کا بیج ڈالنے کے بعد بھی اختیار ہے ۔ اگر یہ معاہدہ زمیندار فسخ کرے تو لازم ہے کہ کاشتکار کی محنت کا معاوضہ اسے دے دے ۔

معاملۂ مزارعت کے صحیح ہونے کی چند شرایط ہیں :

ایک تو معاملہ کرنے والے کی اہلیت ، لہٰذا جنون زدہ شخص یا صغیر سن بے شعور بچہ کا معاملہ کرنا صحیح نہیں ہے ۔

دوسرے بیج کی قسم اور اس کی مقدار سے واقفیت ، لہٰذا اگر بیج کی بابت واقفیت نہ ہو تو معاملہ درست نہ ہوگا ۔

تیسرے زمین (کاشت) اور اس کے رقبہ (کاشت) کا تعین ۔

چوتھے جو جنس بوئی جانی ہے اس کی قسم کا تعین ، لہٰذا اگر زمیندار نے کاشت کار سے یوں کہا کہ جو بویا تو پیداوار کا چوتھائی حصہ اور گندم بویا تو نصف تمھارا حق ہوگا ۔ معاملہ میں جنس مزارعت کی وضاحت نہ ہونے کے باعث یہ معاہدہ درست نہ ہوگا ۔ اسی طرح یوں کہنا کہ جتنے رقبہ میں تم نے جو بویا اس کی آدھی پیداوار اور جتنے میں گندم بویا اس کی تہائی میں لوں گا لیکن رقبۂ کاشت کی تعیین (یا تحدید) نہیں کی تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا ۔

واضح ہو کہ بقول درست (مزارعت میں) یہ شرط نہیں ہے کہ بیج مالک زمین ←

→ ہی کے ذمہ ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک راس المال میں شریک ہو ۔ چنانچہ یہ درست ہے کہ فریقین میں سے ایک کی طرف سے صرف زمین ہو باقی بیج ، بیل اور محنت دوسرے کے ذمہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ بیج یا بیل یا دونوں زمیندار کے ذمہ ہوں اور محنت فریق ثانی کے ذمہ وعلیٰ ہٰذاالقیاس اور یہ بھی شرط ہے کہ فریقین کے حصوں کا اعلان کر دیا جائے مثلاً آدھا یا تہائی وغیرہ۔ اگر فریقین میں سے کوئی یہ شرط رکھے کہ اس کا حصہ کوئی خاص مقررہ مقدار ہوگی مثلاً دو بوری یا تین بوری تو معاملہ صحیح نہ ہوگا ۔

معاملۂ فاسد کے بارے میں حکم یہ ہے کہ کھیتی بیج والے کی ہوگی اور کام کرنے والے (کاشت کار) کو اس کی محنت کا معاوضہ دیا جائے۔ اسی طرح (مشارکت میں) یہ ٹھیک نہیں ہے کہ زمین ، بیج ، محنت اور آلات زراعت ایک شخص کے ذمہ ہوں اور صرف آب رسانی کا کام دوسرے شخص کے ذمہ ۔

اگر کسی شخص کے پاس کوئی قطعۂ اراضی ہو اور وہ اسے بایں شرط کسی کاشت کار کے سپرد کر دے کہ وہ اس کے نصف غلہ کی (شرط کے) عوض زمین پر کام کرے ، ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ میں اس رقبہ کا نصف دیتا ہوں اس کے لیے جتنے بیج کی ضرورت ہوگی اس کا آدھا تم مہیا کرو گے ۔ اسی طرح تم کو اپنی اور اپنے جانور کی آدھی محنت صرف کرنا ہوگی ۔ اس صورت میں کاشت کار آدھے رقبہ پر کام کرے گا اور پورے رقبہ کے لیے مطلوبہ بیج کی نصف مقدار نیز اپنی اور اپنے جانور کی اس محنت کا نصف جو پورے رقبہ کے لیے درکار ہے اس کے ذمہ ہوگا ۔ یہ صورت صحیح نہ ہوگی کیونکہ مقدار منفعت محنت معلوم نہیں ہے ۔ ہاں اگر یہ ممکن ہو کہ محنت کی مقدار کا تعین اور اس کا اندازہ کیا جا سکے تو یہ معاملہ درست ہوگا ۔

اگر مزارع نے یہ شرط لگائی کہ میں پہلے پیداوار میں سے بیج کے برابر غلہ لے کر باقی پیداوار میں سے حصہ لوں گا تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ یہ شرط ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیداوار میں سے (حصہ کی بجائے) بوریوں کی مقررہ تعداد کی شرط رکھے (اس کا ناجائز ہونا پہلے بتایا گیا ہے) ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ مزارعت بدیں نمط کہ پیداوار کے ایک حصہ کے ←

← عوض کوئی زمین ٹھیکہ پر لی جائے یا یہ کہ کاشت کار کو زمین کی پیداوار کے عوض لگایا جائے فاسد ہے۔ اگر کسی کاشت کار نے ایسے فاسد عقد کی بنا پر کام کیا تو جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمیندار کا ہوگا۔ لیکن زمیندار پر لازم ہے کہ کاشت کار کی محنت کا معاوضہ اور مصارف جو کھیتی پر آئے ہیں وہ ادا کر دے۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اس طرح کا معاملۂ مزارعت (جس میں زمین کی پیداوار کے معاوضہ میں زمین کا ٹھیکہ لیا جائے) معاملۂ مساقات (باغ لگانے میں شرکت) کے ضمن میں ہو تو درست ہوگا۔ اس طرح پر کہ زمین کا مالک اپنی زمین کو جس میں درخت یا پودے لگے ہوئے ہوں یا انگور کی بیل ہو کسی کارندے کے سپرد کر دے کہ وہ درختوں کو پانی وغیرہ دے اور اس کی حفاظت و پرورش کرے۔ اس کے معاوضہ میں وہ اس کے پھل کے ایک مقررہ حصہ کا حق دار ہوگا۔ اس کو عقد مساقات کہتے ہیں۔ اب اگر اس رقبہ زمین میں جہاں درخت یا انگور کی بیل ہے کچھ حصہ زمین خالی ہو جہاں زراعت کی جا سکے تو اس زمین کو (حصۂ باغ کے ضمن میں) اس کی پیداوار کے ایک حصہ کے عوض ٹھیکہ پر لینا درست ہے۔ لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ایک ہی معاہدہ میں عقد مساقات اور عقد مزارعت شامل ہو۔ دونوں کا معاملہ جدا جدا کیا گیا تو بقول معتمد یہ معاملہ فاسد ہوگا؛

دوم یہ کہ عقد مساقات اور عقد مزارعت کے درمیان (وقت کا) فاصلہ نہ ہو مثلاً عقد مساقات ہو جائے پھر ایک عرصہ تک ٹھہرنے کے بعد جب کہ دونوں یہ سمجھ لیں کہ فی مابین معاملۂ (مساقاۃ) طے ہو چکا ہے مزارعت کا معاملہ کیا جائے۔

سوم یہ کہ معاملہ طے ہونے کے وقت پہلے عقد مساقاۃ ہو اس کے بعد عقد مزارعت کیا جائے اور ہر ایک کو معلوم ہو کہ اصل مقصد مساقات (باغ میں شرکت) کا معاملہ ہے اور مزارعت کا معاملہ ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔

چہارم یہ کہ وہی شخص جس کے ذمہ مساقات کا کام ہے اسی کے ذمہ مزارعت کا کام بھی ہو۔

بعض اصحاب نے ان شرایط کے علاوہ ایک پانچویں شرط بھی عاید کی ہے اور←

←وہ یہ ہے کہ مساقات کے کام کی تکمیل زراعت کے کام کیے بغیر ممکن نہ ہو بایں طور کہ (زرعی زمین پر آب پاشی کے بغیر) درختوں وغیرہ کو پانی نہ دیا جا سکے ۔ اگر ایسا ممکن ہو تو باغ سے ملحقہ زمین کے بارے میں معاہدۂ زراعت ہو سکتا ہے ۔ لیکن قابل اعتماد بات یہ ہے کہ یہ شرط غیر ضروری ہے ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی اور صورتیں بھی ہیں جن میں زمین کو اس کی پیداوار کے عوض ٹھیکہ پر نہ لیا جائے ۔

منجملہ ایسی صورتوں کے ایک صورت یہ ہے کہ مالک زمین ایک قطعہ اراضی اور (اس کے لیے) بیج نکالے اور اس کو مشترکہ قرار دے کر نصف حصہ کاشت کار کو عاریتاً دے دے اور کاشت کار کو باقی ماندہ نصف زمین مشترکہ پر کام کرنے کے لیے لگا لے جس کا معاوضہ وہ آدھا بیج ہوگا جس کو عاریتاً لی ہوئی زمین میں کاشت کار بوئے گا ۔ اب کاشت کار اس معاہدہ کے مطابق جب کام کر لے گا تو اس کی پیداوار کے نصف حصہ کا حق دار ہوگا اور اس طرح زمینی پیداوار کے عوض زمین کا ٹھیکہ لینا (جو ممنوع ہے) متصور نہ ہوگا ۔

اسی طرح کی ایک شکل یہ ہے کہ مالک اور کارندہ راس المال میں شریک ہوں مثلاً زمیندار کی زمین ہو اور کاشت کار محنت اور بیل وغیرہ لوازمات زراعت مہیا کرے اور زمین کا کرایہ مزارع کے ذمہ کی اشیاء کے برابر ہو ۔ مزارعت کی یہ شکل حسب ذیل تین شرایط کے ساتھ درست ہے :

پہلی شرط یہ ہے کہ بیج دونوں کی طرف سے ہو کیونکہ غلہ (پیداوار) میں طرفین کا حصہ بیج کے تابع ہے (یعنی بیج میں شریک نہ ہوں گے تو پیداوار میں بھی شریک نہ ہو سکیں گے) ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اسی نسبت سے پیداوار کا حق دار ہوگا جس نسبت سے اس نے شرکت کی ہے ۔ چنانچہ اگر زمین کا کرایہ پیداوار کی تہائی کے برابر ہے تو نصف پیداوار کی شرط صحیح نہیں ہے ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ زمیندار کاشت کار سے کہے کہ میں نے یہ زمین تمھاری اور تمھارے بیل کی نصف محنت کے عوض ٹھیکہ پر دی ۔ اس طرح دینے میں زمینی پیداوار کے عوض زمین کا ٹھیکہ نہ ہوگا ۔ ←

معاملۂ مزارعت (بٹائی پر زمین دینے) کا ثبوت

معاملۂ مزارعت کے صحیح ہونے کی دلیل احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو فرمایا کہ وہ زمین کی پیداوار پھل یا کھیتی کے ایک حصہ کے عوض اس پر کام کریں۔ نیز حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اہل خیبر کو پیداوار کے ایک حصہ کے عوض زمین کے کام پر لگایا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض نیز ان کے کنبہ کے لوگ آج تک، تہائی یا چوتھائی پیداوار پر بٹائی کا معاملہ کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خلفائے راشدین نے زمین کو بٹائی پر اٹھایا اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، گویا اس پر اجماع ہے۔

زمین کو بٹائی پر اٹھانے کے ثبوت میں یہ دلیل مشہور ہے، لیکن اس میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ یہ معاملہ ایسی زمین کے لیے مخصوص ہو جہاں نخلستان ہے کیونکہ خیبر کی تمام زمین ایسی ہی تھی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حکم ہر قسم کی زمین کے لیے ہو، خواہ وہاں نخلستان ہو یا نہ ہو۔

واضح ہو کہ انہیں احتمالات کی بنا پر مجتہدوں کے نقطۂ نظر میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعض اصحاب نے بٹائی کو (یعنی زمین کی پیداوار کے عوض زمیں کا ٹھیکہ لینا) یا کسی کارندے کو اس کی محنت سے جو حاصل ہو اس کے عوض زمین کے کام پر لگانا منع فرمایا ہے کیونکہ یہ صورت نا معلوم اجرت کے عوض کسی سے محنت لینا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زمین سے کچھ بھی نہ پیدا ہو

← ایک اور شکل یہ ہے کہ مالک زمین کارندہ کو مثلاً نصف منافع عامہ اور جانوروں کے نصف نفع کے عوض جن سے اس کی زمین پر کام لیا جائے گا، ٹھیکہ پر دے دے۔ یہ منافع اگرچہ بظاہر متعین نہیں ہے لیکن عادت اور رواج کے مطابق اس کا تعین ہو جاتا ہے۔

اور کام کرنے والے کی محنت ضایع جائے حالانکہ شریعت اسلامیہ انسان کو اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ معاملات میں ہر بات واضح اور عیاں ہو تاکہ اہل معاملہ کے مابین کسی قسم کی شکایت یا نزاع کا موقع نہ پیش آئے۔ اسی طرح شریعت میں اس امر کی بھی ترغیب ہے کہ محنت کشوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اُس کی محنت کو اندازہ (یا تخمین) کے ترازو میں لٹکا رکھا جائے، بلکہ ضروری ہے کہ اُسے اپنی جدوجہد اور محنت کے پھل کی ضمانت دی جائے اور یہ بات اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ اُس کو کام کی اجرت واضح طور پر بتا دی جائے۔ رہا وہ جو حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی روایتوں میں آیا ہے وہ حکم خیبر کی زمین کے لیے خاص ہے جہاں کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے اور سب کو اُس کا پھل معلوم تھا۔ کام کرنے والے اُن کی نشو و نما اور آب رسانی کا کام کرتے اور اپنی محنت کے نتیجے سے واقف تھے۔ اس کو ''مساقاۃ'' کہتے ہیں جس کا بیان آگے آئے گا اور اس کے جائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، لہٰذا اُس پر ایسی اراضی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا جس میں کوئی چیز (درخت وغیرہ) مطلقاً نہیں ہے یا پھر وہ ایسی زمین ہے جس میں کمزور نبات آگائی جاتی ہو۔ ایسے اصحاب جو مندرجہ بالا معنوں میں معاملۂ مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے عوض ٹھیکہ پر لینے (یا بٹائی) کی اجازت دیتے ہیں اُن کی رائے یہ ہے کہ حدیث عام (معنوں میں) ہے اور اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے اس حکم کا صرف اراضی خیبر کے لیے مخصوص ہونا ظاہر ہو اور کسی اور زمین پر منطبق نہ ہو۔ رہی یہ بات کہ اس میں اجرت ایسی بات ہے جو معاملۂ مساقاۃ میں بھی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ درختوں میں پھل نہ آئے یا کم آئے یا حادثہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ دے اور اس طرح کام کرنے والے کی محنت ضایع ہو جائے۔ قطع نظر اس کے جو اصحاب بصورت بالا بٹائی کے معاملہ سے منع کرتے ہیں وہ بھی معاملۂ مساقاۃ کے ضمن میں مزارعت کا معاملہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں جس میں بہر حال نامعلوم معاوضہ پر کام ہوتا ہے۔ ان ہی حالات کے پیش نظر مزارعت (بٹائی) کے معاملہ کو معاملۂ مساقاۃ کی طرح نا معلوم المقدار اجرت پر کام کی جو ممانعت ہے اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اسی میں لوگوں کی بہتری ہے اور کوئی ضرر نہیں ہے۔

چنانچہ مثلاً ایک شخص اراضی کا مالک ہے لیکن کھیتی باڑی کا کام نہیں کرسکتا اور اجرت پر کام کرنے والا دستیاب نہیں ہوتا۔ اُدھر ایک شخص کے پاس زمین نہیں ہے لیکن کھیتی باڑی کا کام کر سکتا ہے اور اس بات پر تیار ہے کہ زمین پر کاشت کاری کرے اور اُس کے معاوضہ میں پیداوار کے ایک متعین مقررہ حصہ میں وہ مالک زمین کے ساتھ شریک رہے۔ اب اگر اس کی ممانعت کی جائے تو یہ دونوں فریقوں کی بہتری کو نظرانداز کرنا ہے اور جس میں سہولت تھی اُس میں دشواری پیدا کر دی گئی حالانکہ یہ مقصد شریعت کے خلاف ہے بلکہ اُس کے پیش نظر انسانوں کی بہتری، آرام اور سہولت کارہے۔ بٹائی کا معاملہ (یعنی زمین کی پیداوار کے عوض اُس کو ٹھیکہ پر لینے) کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ائمہ کے درمیان جس نقطۂ نظر کی بنا پر نزاع ہے اُس کی کیفیت اُوپر بیان ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اختلاف کرنے والے فریقین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کے مطابق شریعت اسلامیہ کے پیش نظر مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے اور ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر یہ سوچنے کی کوشش کی ہے کہ شرع کا جو منشا ہے وہ حاصل ہو اور بیچارہ کام کرنے والا نقصان سے محفوظ رہے اور دوسرے کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

متذکرہ بالا خیالات کی روشنی میں حالات زمانہ کے مطابق دونوں فریق کے خیالات میں مطابقت پیدا کرنا اور وہ طرز عمل اختیار کرنا جس میں عوام کی بہتری ہو اور اُن کے لیے سود مند ہو ممکن ہے۔

واضح ہو کہ بعض اشخاص اس موقع کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی کارندہ (یا مزدور) محنت مزدوری کا نہایت محتاج ہو تو چاہیے کہ وہ اپنی زمین اس طرح اُسے نہ دیں کہ اُس (محنت کش) کو سخت نقصان ہو یا شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑے۔ اگر محتاجی کے باعث وہ زمین پر کام کرنے کے لیے مجبور ہو تو اُس کی محنت کا پھل مالک زمین کے لیے مخصوص ہو کر رہ جائے گا اور مال اور محنت کی نسبت سے جو حق اُسے پہنچتا ہے اُس سے زیادہ ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ صورت حال شریعت اسلامیہ کے نزدیک جس کے پیش نظر مجبوروں کی رعایت اور بیچارے مزدوروں کی اعانت ہے، ناجائز ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ لوگوں کو ایسے طریق مزارعت یا بٹائی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جائے جس

میں کاشتکار اپنی محنت کے نتائج سے محروم رہے اور زمیندار اُس کی مجبوری کے باعث اُس کی حق تلفی کرے۔

یہی وجہ ہے کہ (اس بارے میں) مالکیہ کی رائے پر فتویٰ ہے جن کے نزدیک فائدہ کی تقسیم میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ فریقین اسی نسبت سے برابر کے حق دار ہوں جس نسبت سے اُنھوں نے زمین یا محنت وغیرہ میں شمولیت کی ہے تاکہ ایک فریق دوسرے کا حق نہ مارے۔ اگر لوگوں میں انسانی بہبود کا رجحان ہو اور فریقین شرکا میں سے ہر ایک یہ ٹھان لے کہ وہ اپنی زمین اور محنت کا نفع اُسی قدر لے گا جس کا وہ مستحق ہے تو اُن میں سے کوئی بھی نہ دوسرے کی حق تلفی کرے گا اور نہ اُسے کسی طرح کا نقصان پہنچائے گا اور نہ محنت سے جی چرائے گا۔ چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ مزارعت کا معاہدہ حاصل شدہ غلہ کی تقسیم کے اصول پر کیا جائے ایسی حالت میں اُس کی رائے پر فتویٰ (حکم شرعی) جاری ہوگا جس کے نزدیک پیداوار کے عوض زمین کا اُٹھانا جائز ہے اور اُن پابندیوں کو نظرانداز کر دیا جائے جن کا ذکر دوسرے فریق نے کیا ہے۔

مساقات کے مسائل

اُس کی تعریف ، شرایط ، ارکان اور اُس کے متعلقات

لغت کی رو سے لفظ مساقات ''سقی'' سے نکلا ہے۔ اس سے مراد ہے کسی شخص کو درخت خرما اور انگور کی بیلوں وغیرہ پر اس کی بہتری کے لیے اس کی پیداوار کے مقررہ حصہ کے معاوضہ میں کام پر لگانا۔ لغت میں اس لفظ کے یہی معنے ہیں جو اس کے شرعی مفہوم کے برابر ہے۔ لیکن اس کے شرعی معنے میں لغوی معنے کے خلاف خاص شرایط شامل ہیں جن پر معاملۂ 'مساقاۃ' کے صحیح ہونے کا انحصار ہے۔ دونوں معنوں میں جو فرق ہے وہ اسی جہت سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ لفظ مساقاۃ مفاعلہ (کے باب سے) ہے۔ ازروئے قاعدہ اس کا مادہ سقی (بمعنی آب پاشی) ہے جب کہ دو شخصوں میں باہمی مشارکت سے ہو۔ لیکن (سوال یہ ہے کہ) مساقاۃ میں تو یہ کام اکیلا کاشتکار کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ مصدر اپنے باب کی خاصیت میں مستعمل نہیں ہے؛ مزید برآں اس میں فریقین کی شمولیت بھی اس لحاظ سے ہے کہ یہ مالک زمین اور کام

کرنے والے کے درمیان باہمی معاہدہ ہوتا ہے جیسا کہ سابقاً مزارعت کے بیان میں بتایا گیا۔ نیز اہل لغت اور فقہا درخت کی دیکھ بھال کو مساقاۃ کہتے ہیں۔ اس میں پانی دینے کے علاوہ اور باتیں بھی شامل ہیں مثلاً درخت کی صفائی، اس کی کاٹ چھانٹ اور اس کی دیکھ بھال۔ ان کاموں میں پانی دینا سب سے اہم کام ہے، بالخصوص اس حالت میں جب کہ گہرے کنوئیں سے ڈول کے ذریعہ پانی نکال کر درختوں میں ڈالا جائے۔ غرض درختوں کو پانی دینا بڑی محنت کا کام ہے اس لیے (اس کی وجہ تسمیہ میں) دوسری باتوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔

بہرحال اصطلاح شرع میں مساقاۃ کے معنے نخل و شجر اور کھیت وغیرہ پر مخصوص شرایط مفصلہ مسالک مختلفہ[1] کے تحت کام کرنے کے ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ زمین سے اگنے والی چیزیں پانچ قسم کی ہیں:

اول وہ جس کی جڑ مضبوط جمی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے پھل اتار لیے جاتے ہیں لیکن اس کی جڑ بہت عرصہ تک باقی رہتی ہے جیسے کھجور، انگور، انجیر، زیتون، نارنگی، آم اور اخروٹ وغیرہ کے درخت۔

دوم وہ درخت جن کی جڑ تو قائم رہے لیکن اس سے پھل نہ اترتے ہوں جیسے جھاؤ، صنوبر اور بید کے درخت۔

سوم وہ جن کی جڑیں باقی نہیں رہتیں مگر ان سے پھل اترتے ہیں جیسے کیلا اور مقثات (یعنی ککڑی کی طرح بیل میں لگنے والے) تربوز، خربوزہ، (یا پھوٹ) اور ککڑی وغیرہ کی بیل۔ اس میں گھیا (کدو) بینگن، بھنڈی اور گنا وغیرہ داخل ہیں۔

چہارم وہ جن کی نہ جڑ دیرپا ہو اور نہ اس سے پھل اتریں لیکن اس کے پھول پتوں کو کام میں لایا جاتا ہو جیسے گلاب، چمبیلی وغیرہ۔

پنجم ہری سبزی کہ خود اسے نہ کہ اس کے پھل کو کام میں لایا جاتا ہو۔ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن کو جڑ سے اکھاڑ لیا جاتا ہے اور پیچھے کچھ نہیں رہتا جیسے پیاز، لہسن اور مولی وغیرہ تمام ایسی سبزیاں جو اکھاڑے جانے کے بعد پھر نہیں اگتیں۔ دوسری وہ سبزیاں جن کی جڑ چھوڑ کر۔

← اوپر سے کاٹ لیا جاتا ہے جیسے گندنا ، ہرا دھنیا ، جرجیر (ایک دریائی سبزی) بقدونس اور برسیم وغیرہ کہ ان کو اوپر سے کاٹ کر جڑ باقی رکھی جاتی ہے اور وہ دوبارہ پھوٹ آتی ہے ۔

ان اقسام میں سے ہر ایک کے معاملۂ مساقات کی شرطیں ہیں :

چنانچہ پہلی قسم یعنی وہ پیڑ جس کی جڑ باقی رہتی ہے اور اس سے پھل اترتے ہیں جیسے کھجور وغیرہ کے درخت ، ان کے معاملۂ مساقاۃ کی صحت کی دو شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ ان درختوں کو باغ میں لگے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہو کہ وہ تناور ہوگئے ہوں اور اسی سال جس میں معاہدہ ہوا ہے پھل لگنے کے قابل ہوں ۔ خواہ معاہدہ کے وقت پھل لگے ہوئے ہوں یا نہ ہوں ۔ اگر درخت اتنے چھوٹے ہیں کہ معاہدہ والے سال کے اندر تناور نہ ہوں ان کے بارے میں عقد مساقات درست نہیں ہے ۔ اہل عرب ایسے درخت خرما کو جو بارور ہونے کی حد کو نہیں پہنچا 'ودی' (پودا) کہتے ہیں ۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر ایسے باغ کا مالک جس میں تناور درخت بارور ہونے والے بھی ہوں اور ایسے بھی جو ہنوز تناور نہیں ہوئے عقد مساقات کرنا چاہے تو آیا ان چھوٹے پودوں کو بھی بڑے درختوں کے ضمن میں شامل معاہدہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان (چھوٹے) پودوں کی تعداد ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہے تو معاہدہ درست ہوگا ؛ اگر اس سے زیادہ ہو تو عقد فاسد (ناقص) رہے گا ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر معاملہ کرنے کے وقت درخت میں کھجور یا پھل لگے ہوئے ہوں تو لازم ہے کہ وہ پھل چھوٹے اور نارسیدہ (ناپختہ) ہوں ۔ پختگی کو پہنچنے کی علامت پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہے چنانچہ کچی کھجور کے پختگی کو پہنچنے کی علامت اُن کا سرخ یا پیلا پڑ جانا ہے اور دوسرے پھلوں کی علامت یہ ہے کہ اُس کے ذائقہ میں فرق آ جائے ۔ اگر پھل پختگی پر آ جائیں تو عقد مساقات صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس وقت درخت دیکھ بھال سے بے نیاز ہو جاتے ہیں ۔

بعض ائمۂ مالکیہ کہتے ہیں کہ (اس وقت بھی) مساقات درست ہے ۔ اگرچہ ←

→ یہ اجارہ (ٹھیکہ) ہے لیکن مساقات کے لیے لفظ اجارہ کا استعمال مالکیہ کے نزدیک درست ہے۔ اب اگر مالک باغ چاہے کہ کسی کارندہ کے ساتھ ایسے باغ کی نگرانی (یا مساقات) کا معاہدہ کرے جس کے پھل پختگی کو پہنچ گئے ہوں تو آیا معاہدہ درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے درست ہونے کی دو شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ (اُس باغ میں) تیار درختوں کی تعداد اُن سے کم ہو جو ہنوز تیار نہیں ہوئے، یعنی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اُس (باغ) میں مختلف اقسام کے درخت ہوں جیسے مثلاً کھجور اور انار کے درخت اور جس قسم کے درختوں کے پھل تیاری پر آگئے ہوں وہ اُن درختوں سے مختلف ہوں جو تیاری پر نہیں آئے۔ اگر کچھ کھجور پختگی پر آگئے ہوں اور انار کوئی بھی پختگی کو نہ پہنچا ہو، اور پختگی کو پہنچی ہوئی کھجوروں کی تعداد کچی کھجوروں سے زیادہ ہو تو معاملہ درست ہوگا۔

اگر باغ میں ایک ہی قسم کے درخت ہیں مثلاً تمام کھجور کے درخت ہیں اور اُن میں سے بعض کے پھلوں میں پختگی کے آثار نمایاں ہیں تو اس حال میں تمام درختوں کی بیع حلال ہے اور جن کے پھل پختگی کو نہیں بھی پہنچے وہ ایسے ہی متصور ہوں گے جیسے پختگی کو پہنچے ہوئے درخت۔ اسی طرح اگر باغ میں دو یا زیادہ قسم کے درخت ہوں اور اُن میں ہر ایک کے (کچھ) پھل پختگی کو پہنچ گئے ہیں، خواہ اُن کی تعداد کم ہو یا زیادہ تو یہ سمجھا جائے گا کہ تمام ہی درخت تیاری کو پہنچ گئے ہیں۔

واضح ہو کہ معاملہ میں جو درخت ضمناً داخل ہوئے ہیں اُن کا حکم یہ ہے کہ مالک اور کارندے کے درمیان مشارکت ہو۔ اگر یہ شرط ہو کہ اُن کا تعلق کسی ایک فریق سے ہوگا تو معاملہ باطل ہے۔

ایسے درختوں کے معاہدے میں جن کی جڑ باقی رہتی ہے اور پھل اُتار لیے جاتے ہیں ایک تیسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ ایسا درخت ہو جس میں اخلاف نہ ہو (یعنی کاٹنے کے پیچھے کچھ نہ رہتا ہو)۔ یاد رہے کہ ''اخلاف'' کے دو معنے ہیں ←

←۔ ایک معنے کا تعلق درخت سے ہے اور دوسرے معنے کا تعلق کاشت (کھیتی) سے ہے - درخت میں اخلاف کا یہ مطلب ہے کہ وہ درخت جب تناور ہو جائے تو اُس کے کاٹنے سے پہلے ہی اُس کے پہلو میں ایک نیا درخت پھل دینے والا اُگ آئے جیسے کیلے کا درخت کہ اُس میں پھل لگ جانے کے بعد ہی اُس کے پہلو میں ایک اور درخت اُگ آتا ہے جو پہلے درخت کو کاٹنے سے پہلے ہی پھل دے دیتا ہے - اسی طرح کے اور درخت بھی ہیں - کھیتی میں اخلاف کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے کاٹ لینے کے بعد اُسی جگہ پھر درخت اُگ آئے جیسے برسیم وغیرہ جن کا ذکر پہلے کیا گیا - ایسا درخت جس کے کاٹنے کے بعد دوسرا درخت اُگ آئے اُس دوبارہ روئیدہ درخت کا حکم یہ ہے کہ اُس کی بابت معاملۂ مساقات درست نہیں ہے کیونکہ اُس کا حال معلوم نہیں ہے ، نہ معلوم اُس سے کیا پیدا ہو - لیکن وہ درخت جو کٹنے کے بعد پھر اُگ آتا ہے جیسے جھڑبیری وغیرہ کا درخت ہے کہ بڑے درخت کو کاٹ دیں تو دوبارہ پھر اُگ آتا ہے ، اُس درخت کا معاملۂ مساقات درست ہے - لیکن وہ کھیتی جو کاٹنے کے بعد پھر اُگ آتی ہے اُس کی مساقات درست نہیں ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا -

دوسری قسم یعنی وہ جس کی جڑ باقی رہنے والی نہیں ہے لیکن اُس سے پھل اُترتا ہے اُس کی مساقات درست نہیں ہے -

تیسری قسم یعنی جس کی جڑ قائم نہیں رہتی لیکن اُس سے پھل اُترتا ہے جیسے پھل دینے والی بیلیں نیز پانچویں قسم یعنی ہری سبزی ان دونوں قسم کی روئیدگیاں ایسی ہیں کہ جب تک یہ پانچ شرطیں پوری نہ ہوں اُن کی مساقات درست نہیں ہے :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روئیدگی ایسی ہو کہ اُس کے کاٹ لینے کے بعد کچھ باقی نہ رہے جیسے پیاز ، مولی ، خس اور گاجر اور بیل میں لگنے والے پھل کہ کاٹے جانے کے بعد پھر وہ پیدا نہیں ہوتے ، اور ایسی سبزی جس کو جڑ سے اُکھاڑ لیا جاتا ہے اور اُس کی جڑ باقی نہیں رہتی کہ پھر اُگ سکے جیسے برسیم ، گندنا ، ہرا دھنیا اور ساگ پات - ایسی چیزوں کا معاملۂ مساقات درست نہیں ہے -

دوسری شرط یہ ہے کہ مالک (زمیندار) آبپاشی اور اُس کی خدمت پورے ←

← طور پر انجام دینے سے عاجز ہو ۔ اگر اُسے اپنی بیل اور پیاز یا مولی کے کھیت میں کام کرنا ممکن ہو تو کسی اور کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کہ اُس کی پیداوار کے ایک حصہ کے عوض وہ اُس پر کام کرے درست نہیں ہے ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ (مالک) کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر کسی کے ساتھ مساقات نہ کی گئی تو وہ سبزی مر جائے گی ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ سبزی زمین سے اگی ہوئی ہو تاکہ اُسے درخت سے مشابہت ہو جائے ۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ اُس کے پھلوں میں پختگی کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں ۔ غرض سبزی کی قسم متذکرہ بالا میں اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اُس میں عقد مساقات، درست نہیں ہے ۔

رہی چوتھی قسم یعنی وہ جس کی جڑ قائم رہنے والی نہیں ہے لیکن اُس کے پھول پتیوں کو کام میں لایا جاتا ہے جیسے گلاب اور چمبیلی تو ایسی روئیدگی درخت کی مانند ہے ، اس کی مساقات میں یہ شرط نہیں ہے کہ مالک اُس کو پانی دینے سے عاجز ہو لیکن اُس کی مساقات کے لیے بہرحال اُن شرائط کا ہونا ضروری ہے جن کا ذکر سابقاً درخت کے معاملۂ مساقات کی شرایط میں کیا گیا ۔

ایسی کپاس جس کو بار بار چنا جاتا ہے ، نیز زعفران کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے معاملۂ مساقات میں بھی وہی پانچ شرطیں ہیں جن کا تعلق زراعت سے ہے ۔ اسی قول کو ترجیح ہے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ بھی درخت کی مانند تصور کیا گیا ہے اس لیے اُس کے بارے میں معاملۂ درخت کی متعلقہ شرایط کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں ہے ۔ معاملۂ مساقات میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ایسی روئیدگی ہو جسے آبپاشی کی ضرورت پڑتی ہے ، تاہم اگر یہ شرط قرار پا گئی ہو اور زمین مرطوب ہو کہ درخت جڑ سے پانی حاصل کر لیتے ہوں اور پانی دینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو اُس میں بھی عقد مساقات درست ہے کیونکہ درخت (کی پرورش) کے لیے علاوہ پانی دینے کے اور بھی محنت درکار ہوتی ہے مثلاً اُس کی صفائی ، حفاظت اور اس زمین کا تیار کرنا جہاں پر درخت ہے ۔ معاہدۂ مساقات کے صحیح ہونے کے لیے یہ امور کافی ہیں ۔ ←

← یاد رہے کہ ایسی کھیتی جس کو پانی دینے کی ضرورت نہ ہو اسے "بعل" (بمعنی بارانی) کہتے ہیں۔

معاملۂ مساقات کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ پھل کے ایک حصہ کے معاوضہ کی شرط پر کیا جائے، بلکہ یہ معاملہ پیداوار کے ایک حصہ یا تمام پھلوں کے عوض کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر کارندہ نے یہ شرط لگائی کہ وہ محنت کے عوض تمام پھل لے گا تو درست ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ خود مالک یہ شرط لگائے۔ اگر شرط لگانے والا (معاوضہ کی) خاص مقدار معین کرنے کی شرط لگائے یا کسی خاص درخت کے پھل مخصوص کرلے مثلاً مالک کارندے سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ اپنے اس باغ کا معاملۂ مساقات کرتا ہوں، شرط یہ ہے کہ میں بیس پیمانے اس درخت کی گدرائی کھجور لوں گا، یا یوں کہا کہ (اس باغ کے) فلاں درخت کی ساری کھجوریں میری ہوں گی۔ اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ ہر درخت کے پھل میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً چوتھائی یا تہائی اس کا ہوگا اور تمام درختوں میں شریک رہے گا تو یہ درست نہ ہوگا کہ فریقین میں سے ایک فریق کھجور کے درخت یا دوسرے درختوں میں سے بعض میں شریک رہے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ کسی کا حصہ معلوم نہ ہو مثلاً ایک فریق دوسرے سے کہے کہ پھل کا ایک حصہ تم کو بھی ملے گا۔ یا یہ کہا کہ تھوڑا سا حصہ تم کو بھی مل جائے گا۔ اگر کسی کے حصہ کی بھی مقدار متعین نہیں کی گئی تو اس کے حصے کا تعین عام رواج کے مطابق مقرر ہو جائے گا جو اس جیسی صورتوں میں عام طور پر جانا پہچانا ہے۔

اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ جو حصہ فریقین کے لیے خاص کیا جائے وہ باغ کے تمام درختوں میں سب کے لیے برابر ہو۔

اگر باغ میں کھجور، انار اور انگور کے (یعنی مختلف الاقسام) درخت ہوں اور ایک تہائی (پھل کے معاوضہ) پر اتفاق ہو گیا ہو تو یہ امر واجب ہے کہ وہ تمام درختوں میں ایک تہائی کا شریک ہو، لہٰذا یہ درست نہ ہو گا کہ مثلاً کھجور کے درخت میں سے تہائی اور باقی درختوں میں سے چوتھائی کی شرط ہو۔ دراصل تمام درختوں میں یکساں طور پر شرکت کی جو شرط ہے اس کی موجودگی←

- میں اس شرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تہائی کی شرط میں شمولیت ہو تو ضرور ہے کہ وہ ہر قسم کے درختوں میں یکساں ہو ، تاہم یہ مسئلہ مزید وضاحت کے لیے بتا دیا گیا ۔

الغرض تین شرطیں ایسی ہیں جو مالک زمین اور کام کرنے والے کے حصوں کے بارے میں مخصوص ہیں :

اول یہ کہ حصے متعین ہوں ، مثلاً چوتھائی یا تہائی وغیرہ ، خواہ یہ تعیین وضاحت کے ساتھ لفظوں میں بیان کر دی گئی ہو یا اہل شہر کے رواج کی بنا پر ازخود متعین ہو جائے ۔

دوم یہ کہ (یہ حصہ مقررہ) مشترک اور تمام درختوں کے لیے ہو ۔

سوم یہ کہ حصہ کی کوئی خاص مقدار مثلاً بیس پیمانے یا کسی خاص درخت کے پھلوں کا تعین (شرط میں) نہ کیا گیا ہو ۔

معاملۂ مساقات کے صحیح ہونے کی یہی شرائط ہیں ۔

رہیں وہ شرائط جن سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے ان کے منجملہ یہ ہے کہ معاملہ کے وقت مالک (باغ) یہ شرط لگا دے کہ باغ میں موجودالوقت ملازمین اور جانوروں کو ہٹا لیا جائے گا (یعنی ان کا کام بھی معاہدہ کرنے والے ہی کو کرنا پڑے گا) تاہم اگر یہ شرط نہ تھی اور بعد میں بغیر شرط لگائے ان کو باغ سے ہٹا لیا تو معاملہ فاسد نہ ہو گا ۔ اسی طرح معاہدہ کرنے سے پہلے ہی نکال لیا (تب بھی معاملہ فاسد نہ ہو گا) اگر مساقات کا ارادہ رہا ہو ۔

ایک شرط (مفسد معاملہ) یہ ہے کہ باغ میں کوئی ایسی چیز بنانے یا لگانے کے لیے پابند کیا جائے جو معاملہ کے وقت موجود نہیں ہے ، مثلاً دیوار بنانا یا درخت لگانا ۔ ہاں اگر کسی نے یہ کام بطور خود بغیر شرط کے کر لیا تو معاملہ فاسد نہ ہو گا ۔

ایسی ہی ایک شرط یہ ہے کہ کسی فریق کی طرف سے کسی ایسے کام کی قید لگا دی جائے جس کا تعلق درختوں کی پرورش سے نہیں ہے ، مثلاً ایک فریق اپنے شریک پر یہ پابندی لگا دے کہ اسے گھریلو کام بھی کرنا ہو گا یا اناج پیسنا ہو گا وغیرہ ۔

←

→ کارکن پر لازم ہے کہ باغ کے متعلق بالعموم جن امور کا انجام دینا ضروری ہے وہ سب انجام دے ، خواہ معاہدہ کی میعاد گزر گئی ہو ، مثلاً درخت خرما میں گابھا لگانا ، نقصان دہ گھاس کو ہٹانا ، جانور کو لے کر آنا (مہیا کرنا) اور رسی ، ڈول جن کی ضرورت پانی دینے کے لیے پڑتی ہے ان کی مرمت کرنا وغیرہ۔ مالک پر لازم ہے کہ معاہدہ کے وقت باغ میں جو خادم ہوں ان کی مزدوری ادا کرے اور اگر ان میں سے کوئی مزدور بیمار ہو جائے تو اس کی بجائے کسی اور کو مامور کیا جائے۔

•

واضح ہو کہ معاملۂ مساقات کے چار رکن ہیں - پہلے رکن کا تعلق درخت ، کارکن اور مالک سے ہے - دوسرا رکن کارکن کی ذمہ داری ، تیسرا رکن کام (کی نوعیت) اور چوتھا رکن وہ الفاظ ہیں جن سے معاہدہ منعقد ہوتا ہے - ان الفاظ کے بارے میں بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ یہ خاص لفظ ''ساقیت'' ہے (یعنی یہ کہنا کہ میں تمھارے ساتھ معاملۂ مساقات کرتا ہوں) بعض اور اصحاب کہتے ہیں کہ ساقیت اور یا عاملت کہنے سے بھی معاملۂ مساقات ہو جاتا ہے (یعنی میں نے تم کو باغ کے کام پر لگایا) اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے -

حنفیہ کہتے ہیں کہ مساقات جس کو معاملہ (محنت کر کے شریک ہونا) بھی کہتے ہیں ، ہر طرح کی ایسی روئیدگی میں کیا جا سکتا ہے جو زمین پر ایک سال یا زیادہ عرصہ تک قائم رہے ، لہٰذا یہ تناور درخت جیسے کھجور یا بیری کے پیڑ یا اسی طرح کے اور درختوں کے بارے میں ہو سکتا ہے - اسی طرح کھیتی کی اشیا میں بھی درست ہے ، خواہ وہ سبزی ہو جیسے گندنا ، چقندر ، جرجیر (ایک دریائی سبزی) وغیرہ جن کو بقول (سبزی ترکاری) کہتے ہیں یا وہ مقثات (پھل دینے والی بیل) ہو جیسے تربوز ، خربوزہ ، ککڑی یا پھوٹ وغیر کی بیل ، کدو بینگن اور بھنڈی بھی اسی کی مانند ہیں - یا بیل والے درخت جیسے انگور نیز انگور اور انار اور امرود وغیرہ - ان تمام اقسام کو ''رطاب'' (تر پھل) کہتے ہیں - رطاب رطبہ کی جمع ہے جس طرح قصعہ (بل یا سوراخ) کی جمع 'قصاع' آتی ہے - (مساقات کے لیے) درخت کے بارے میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ پھل دار ہو لہٰذا بید ، دھتورا ، چیڑ اور جھاؤ وغیرہ کے درختوں میں بھی مساقات ہو سکتی ہے

← ہے بشرطیکہ انہیں پانی دینے اور دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہو؛ اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو مساقات درست نہیں ہے۔

مساقات کا رکن ایجاب و قبول یہ ہے کہ (مالک باغ) کہے کہ میں نے یہ باغ مساقات (یعنی محنت کے عوض پھل کی شرط) پر تمہارے حوالے کر دیا اور کام کرنے والا کہے کہ میں نے منظور کر لیا۔

معاملۂ مساقات کے صحیح ہونے کی چند باتیں ہیں:

ایک یہ کہ فریقین معاملہ ذی عقل ہوں گو بالغ نہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ ایسے بارور درخت کے بارے میں ہو جس میں محنت کرنے سے زیادہ پھل اتریں۔ اگر درخت میں گچھا، یا پھل لگا ہو اور سرخ، سبز یا پیلا ہو گیا ہو گو بالکل تیار نہ ہوا ہو تب بھی اس کی مساقاۃ درست ہے۔ ہاں اگر پھل تیار ہو گئے ہوں اور توڑنے کے قابل ہوں کہ پختہ ہو جانے پر ناقص ہو جائیں تو ان کا معاملۂ مساقات درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایک بات یہ ہے کہ درخت سے اترنے والے پھلوں میں فریقین کا حق ہو؛ اگر صرف ایک کا حق مانا گیا تو معاملہ درست نہ ہوگا۔

ایک بات یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کے حصہ کا تعین ہو جائے مثلاً تہائی یا چوتھائی وغیرہ۔

ایک بات یہ ہے کہ (فریقین کی) شرکت باغ کے تمام درختوں میں ہو۔ اور

ایک بات یہ ہے کہ باغ کام کرنے والے کے سپرد کر دیا گیا ہو یعنی کارکن اور درختوں کے درمیان کوئی امر حائل نہ ہو۔ اگر یہ شرط ٹھہری کہ کام میں دونوں شریک ہوں گے تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ معاملۂ مساقات کے صحیح ہونے کے لیے مدت کا تعین شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مدت معین کیے بغیر باہمی معاملہ طے کر لیا گیا تو معاہدہ درست ہوگا اور معاہدہ کے بعد پہلی بار جب پھل آتریں تو ان پر عاید ہوگا (یعنی وہی مدت طے شدہ قرار پائے گی)۔ اگر انگور کے درخت کے بارے میں معاہدۂ مساقات ہوا اور اس میں پھل لگنے کی مدت نہیں معلوم کہ کب پھل لگنا شروع ہوگا اور کب ختم ہوگا تو وہ معاملہ درست نہ ہوگا، ہاں اگر مدت معلوم ہو تو درست ہوگا۔ ←

ایسی شرطیں جن کے لگانے سے معاملۂ مساقات باطل ہوجاتا ہے ان کے منجملہ یہ ہے کہ حاصل پیداوار کل ایک فریق کا حق ہو یا یہ کہ کسی فریق کی مقدار گنتی یا پیمانوں میں مقرر کر لی جائے، مثلاً یہ شرط ہو کہ پھل کے دس پیمانے اس کا حق ہوگا وغیرہ۔ اسی طرح کی یہ شرط ہے کہ زمین کا مالک کام میں کارندہ کے ساتھ شامل ہوگا یا یہ کہ فریقین مل کر کام کریں گے۔ یہ شرط بھی مفسد معاملہ ہے کہ پھلوں کو اٹھانے اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ایک فریق ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے اپنے حصہ کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔

اسی طرح کی یہ شرط کہ پھل کو توڑنا یا چننا صرف کارکن کے ذمہ ہوگا۔

معاملے میں ایسے کام کی شرط لگا دینا جس کا فائدہ مدت مساقات گزر جانے کے بعد بھی باقی رہے مثلاً دیوار بنانے یا درخت وغیرہ لگانے کی شرط بھی معاملہ کو فاسد کر دے گی۔ یہی حال اس شرط کا ہے کہ کسی کا حصہ (شرکت کے اصول پر نہیں بلکہ) محنت کی بنیاد پر رکھا جائے۔ چنانچہ اگر یہ طے ہوا کہ کارکن کو محنت کے عوض ایک تہائی اور مالک کو ایک تہائی پھل ملے گا باقی تیسرا حصہ ایک اور شخص لے گا جس نے کوئی کام نہیں کیا، ایسی شرط سے معاملہ درست نہ ہوگا۔

معاملۂ مساقات کے متعلق چند مسائل ہیں:

مسئلہ: درخت وغیرہ کے لیے جن امور کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً پانی دینا، نالی نکالنا، نگرانی کرنا، گابھا لگانا، گھاس وغیرہ دور کرنا، یہ تمام امور کام کرنے والے کے ذمہ ہوں گے اور وہ اخراجات جو درخت پر کرنے پڑتے ہیں یا زمین پر جو خرچ ہوتا ہے مثلاً زمین کی گڈائی یا کھائی وغیرہ جس کو عربی زبان میں 'غرق' کہتے ہیں یا سیم وغیرہ سے زمین کو بچانے یا اسی طرح کے اور ضروری اخراجات جو درخت اور پھل کی اصلاح کے لیے کرنے پڑتے ہیں تاکہ درخت کی نشو و نما ہو اور زیادہ پھل لگیں، یہ اخراجات فریقین شرکاء کے ذمہ ہر ایک کے حصہ کے مطابق ہوگا۔

مسئلہ: پیداوار شرط معاہدہ کے مطابق تقسیم کی جائے۔ اگر پیداوار کچھ نہ ہو تو ایک فریق کو دوسرے سے کچھ مطالبہ نہ ہوگا۔

مسئلہ : مساقات کا معاملہ جب طے ہو جائے تو (اس پر کاربند ہونا) ہر ایک فریق پر لازم ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی فریق دوسرے کی رضامندی کے بغیر معاہدے کو فسخ نہیں کر سکتا ۔ ہاں کوئی معذوری لاحق ہو جائے تو اور بات ہے ، مثلاً کارکن مریض ہو جائے اور کام کرنے کی سکت نہ رہے یا مالک کو یہ پتا چل جائے کہ کارکن مشہور عادی چور ہے ۔ ایسی صورت میں مالک کو حق ہے کہ اس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا ہے اسے منسوخ کر دے ۔ نیز فریقین کی یا کسی ایک فریق کی موت واقع ہو جانے سے یا معاہدہ کی میعاد ختم ہو جانے سے بھی معاملہ فسخ ہو جاتا ہے ۔

مسئلہ : (معاہدہ کے مطابق) کارکن کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا ہاں کوئی مجبوری ہو جائے تو اور بات ہے ۔

مسئلہ: شرایط معاملہ میں کچھ کمی بیشی کرنا (فریقین کی صوابدید کے مطابق) جائز ہے ۔

معاملۂ مساقات فاسد ہو جائے تو جو پیداوار ہوئی ہے وہ تمام مالک کا حق ہوگا اور کارندہ کو اس کی محنت کا مناسب معاوضہ دیا جائے گا خواہ درخت سے کچھ پھل اترا ہو یا نہ اترا ہو ۔

معاہدۂ مساقات کا خاصہ یہ ہے کہ اس پر کاربند ہونا لازم ہوتا ہے ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ معاملہ مساقات کے صحیح ہونے کی شرطیں وہی ہیں جو مزارعت کی ہیں بجز ان امور کے جو مساقات میں ناقابل عمل ہیں ۔ مثلاً بیج کی قسم کا بیان کرنا (کہ معاملۂ مزارعت میں یہ شرط لازم ہے) ۔ اور مساقات کی شرعی حیثیت وہی ہے جو مزارعت کی یعنی یہ کہ بقول مفتیٰ بہ یہ درست ہے بخلاف اس امام کے جن کی رائے یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ مزارعت کی طرح کرنا درست نہیں ہے ۔

بہرحال مساقات اور مزارعت کے درمیان چار امور میں فرق ہے: ایک یہ کہ مساقات کا معاہدہ لازم ہوجاتا ہے ۔ ایجاب و قبول (یعنی زبانی معاملہ طے ہونے) کے بعد کسی فریق کو اس کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا لیکن عقد مزارعت ←

←سین بیج والے پر وہ لازم نہیں ہوتا جب تک کہ بیج زمین میں نہ بو دیا جائے۔ زمین میں بیج بو دیا جائے تو معاہدہ لازم (ناقابل فسخ) ہو جائے گا جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

دوسرے یہ کہ اگر عہد مساقات ایک مقررہ مدت کے لیے طے ہو جائے اور پھل تیار ہونے سے پہلے وہ مدت گزر جائے تو کارکن کو یہ حق ہے کہ پھلوں کے ختم ہونے تک وہ بدستور درختوں پر کام اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہے لیکن کارکن کو اس کا ذمہ دار گردانا جائے کہ درخت کے پھل اتارے جانے کے عرصہ تک کا معاوضہ جو اس کے حصہ میں آتا ہے ادا کرے۔ اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ معاہدۂ مساقات کی مدت گزر جانے کے بعد یہ احتمال ہے کہ مالک کارکن سے کہے کہ معاہدہ کی مدت گزر گئی اور معاہدہ ختم ہوگیا، اب جو پھل بعد میں آئے اس پر تمھارا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر ان کو آخر تک میرے درخت پر لگا رکھنا چاہتے ہو تو اس کا معاوضہ ادا کرو۔ ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور مالک کو حق نہیں ہے کہ پھلوں کو درختوں پر لگے رہنے کا معاوضہ کارکنوں سے طلب کرے کیونکہ درخت کو کرایہ پر لینا درست نہیں ہے البتہ مزارعت کی صورت میں اگرچہ کاشت کار کو یہ حق ہے کہ میعاد مزارعت گزر جانے کے بعد اخیر دم تک کھیتی باڑی کا کام کرتا رہے لیکن مالک کو کھیتی کا کام ختم ہونے تک کا کرایہ زمین طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ زمین کرایہ پر لینا درست ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر ایک شخص نے اپنے باغ میں کام کرنے کے لیے، عقد مساقات کے تحت کسی کو کام پر لگایا اور اس نے کام کیا، بعد میں پتہ چلا کہ اس باغ میں معاملہ کرنے کے علاوہ کسی اور شخص کا حق ہے۔ ان حالات میں اگر درختوں میں پھل آ گئے ہیں تو کارکن (اپنے معاوضۂ کارکردگی کے لیے) اس حق دار کی طرف رجوع کرے گا۔ لیکن اگر معاملہ مزارعت کا ہو اور یہ ثابت ہو کہ اس زمین کا حق دار کوئی اور شخص ہے تو اس زمین کی تمام پیداوار اس کی ہوگی جس کی زمین ثابت ہوئی اور کارکن زراعت میں سے اپنے حصہ کے مطابق پیداوار کی قیمت کا مطالبہ اس شخص سے کرے گا۔ ←

چوتھے یہ کہ مزارعت کے معاملہ میں معاہدے کی میعاد کا بتا دینا شرط ہے لیکن مساقات میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ، درختوں سے پھل اُتارنے کا وقت بالعموم معلوم ہوتا ہے۔ اگر میعاد کی وضاحت نہیں کی گئی تو اس سال پہلی بار جب پھل لگ جائیں تو وہی (معاہدہ کی) مدت ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ معاملۂ مساقات یہ ہے کہ ایک شخص جو درخت خرما یا انگور کا مالک ہے کسی کو کام پر لگائے اور شرط یہ ہو کہ وہ شخص درخت خرما یا انگور کی بیل کو پانی دینے، پرورش کرنے اور حفاظت وغیرہ کرنے کا کام کرے جس کے معاوضہ میں اس کے پھل کا ایک مقررہ حصہ اس کو ملے گا۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو معاملہ کنندہ کا ولی (یا سرپرست) اس کی بجائے یہ وعدہ پورا کرے گا۔

معاہدۂ مساقات کے پانچ رکن (اجزائے ضروری) ہیں:

پہلا رکن معاہدہ کے الفاظ (زبانی قول و قرار)۔ یہ الفاظ صراحتاً ادا کیے جاتے ہیں یا (کسی اور طرح) اس کو صراحت خیال کیا جا سکتا ہے گو اشارۃً ادا ہوں۔ صراحتاً کہنے کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ساقیت یا عاملت یعنی میں نے اس درخت خرما یا درخت انگور پر مساقات کیا یا تم سے معاملہ کیا جس کے عوض اس کے پھلوں میں سے اس قدر حصہ تم کو ملے گا۔ صراحت کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو تو یہ لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے الفاظ جن میں دو احتمال ہوں مثلاً یہ کہنا کہ میں یہ درخت یا انگور کی بیل اتنے پھل کے عوض تمھارے سپرد کرتا ہوں کہ اس کی دیکھ بھال کرو۔ یا یوں کہا کہ تم اس درخت کی پرورش اپنے ذمہ لے لو یا یہ کہا کہ اس پر محنت کرو۔ ان تینوں قسم کے الفاظ میں یہ احتمال ہے کہ اسے معاہدہ کی صراحت سمجھا جائے یا کنایہ قرار دیا جائے، کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان الفاظ سے میری مراد کرایہ پر دینا تھا۔ ایسی صورت میں یہ معاہدہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ پیداوار کے عوض درخت کا کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔ لیکن ماننے کی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ معاہدۂ مساقات کے لیے صراحت کے حامل ہیں کیونکہ اگر اجارہ (یعنی کرایہ) کا ذکر نہیں ہے اور پھل کا ایک حصہ کام کا معاوضہ قرار دیا گیا ہے تو معاملہ

ہے۔ مساقات ہو گیا ۔ ہاں اگر صریحاً لفظ اجارہ استعمال کیا ہو ، بایں طور کہ میں نے یہ درخت اس کے پھل کے ایک حصہ کے عوض تم کو کرایہ پر دیا تو (بے شک) اس صورت میں یہ (معاملہ) اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ اس میں صریحاً لفظ اجارہ کا استعمال کیا گیا ہے گو وہ مساقات کے معنی میں ہے ۔ اسی طرح اگر یوں کہا کہ میں اس درخت کے بارے میں تمہارے ساتھ بیس گنی کے عوض معاملہ مساقات کرتا ہوں تو یہ معاملہ فاسد ہوگا ۔ یہ مساقات کا معاملہ نہیں ہے کیونکہ مساقات پھل کے ایک حصہ کے عوض ہوتا ہے ، معاوضہ نقدی کی بنا پر نہیں ہوتا ۔ اور اس طرح کہنے سے اجارہ بھی نہ ہوگا کیونکہ یہاں لفظ مساقات استعمال کیا گیا ہے اگرچہ حقیقتاً اجارہ ہے بدیں جہت کہ اس میں نقد معاوضہ کی شرط ہے ۔

الفاظ معاہدہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ قبول (اقرار) کا لفظ (فریق ثانی کی طرف سے) استعمال کیا جائے ۔ لہٰذا (لفظاً اقرار کیے بغیر) اگر کارکن اپنا کام کرنے لگے یا مالک اپنا درخت کارکن کے سپرد کر دے تو یہ کافی نہیں ہے ۔ ہاں اگر کارکن گونگا ہے تو اس کا اشارۂ اقرار کہنے کے برابر ہے لیکن اشارہ واضح ہونا چاہیے جسے ہر ایک سمجھ سکے ۔ اگر وہ اشارہ ایسا ہو جسے محض ذہین شخص سمجھ سکے تو وہ صراحت نہیں بلکہ کنایہ متصور ہوگا ۔ اگر محض کنایہ سے کام لیا گیا ہو تو معاملہ اس سے لازم نہ ہوگا کیونکہ معاہدہ کا نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس خیال کو ترجیح دینے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو کہ اس کنایہ کا مقصد حقیقتاً معاہدہ کرنے کا ارادہ ہے ۔

معاہدۂ مساقاۃ کا دوسرا رکن فریقین کا وجود ہے کیونکہ مالک اور کارکن کے بغیر عہد مساقات نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک معاہدہ کا اہل ہو ۔ لہٰذا جنون زدہ اور بچے کا معاہدہ درست نہیں ہے جس کی تفصیل بیع کے بیان میں ہوچکی ہے ۔ ہاں (نابالغ کا) ولی یہ کر سکتا ہے کہ وہ کام کرنے میں کوتاہی نہ کرنے کی ذمہ داری اوٹ لے جیسا کہ ابھی بتایا گیا ۔

تیسرا رکن وہ شے ہے جس کے بارے میں عہد مساقات کیا جائے یعنی درخت خرما یا انگور کیونکہ اس کا علم نہ ہو تو عہد مساقات نہیں ہوسکتا ۔

یاد رہے کہ شافعیہ کا مسلک جو اس وقت معمول بہ ہے یہ ہے کہ معاملہ ؎

← مساقات صرف کھجور اور انگور کے درختوں کے لیے مخصوص ہے - اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے علاوہ دوسرے درخت از خود نشو و نما پاتے رہتے ہیں ، ان کے لیے کوئی محنت درکار نہیں ہوتی حالانکہ کہا جاتا ہے کہ ایسے بہت سے درخت ہیں جن کی پرورش اور دیکھ بھال کی ان سے زیادہ ضرورت ہے جیسے آم وغیرہ کے درخت - بہر حال شافعیہ کا قدیم مسلک یہی ہے کہ ہر قسم کے پھل دار درختوں کے بارے میں معاہدۂ مساقات درست ہے - بعض ائمۂ شافعیہ نے اسی مسلک کو پسند فرمایا ہے اور ان کے ہاں جس مسلک پر عمل ہے اس کی رو سے آیا اگر کوئی شخص اپنے باغ کے بارے میں جس کے اندر دوسری قسم کے درخت مثلاً بیری یا نارنگی وغیرہ کے بھی ہوں کسی کے ساتھ عقد مساقات کرے تو آیا درخت خرما کے لیے عہد مساقات کے ضمن میں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ ایسا کرنا ان شرایط متذکرہ کے تحت جو مساقات کے ضمن میں مزارعت کے صحیح ہونے کے لیے ہیں درست ہے لہٰذا اگر باغ میں ایسے درخت ہیں جن میں پھل نہیں لگتا جیسے چیڑ کا درخت تو درخت خرما کے ضمن میں ان کے لیے عہد مساقات درست نہیں ہے اور نہ جداگانہ طور پر ہی اس کے لیے یہ معاملہ درست ہے ، تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ شرایط مذکورہ کے ساتھ ضمناً معاملۂ مساقات درست ہے -

صحت مساقات کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ درخت خرما و انگور اور دوسرے اشجار جو معاملہ کے تحت آتے ہیں وہ متعین اور مشاہدہ میں آنے والے ہوں - لہٰذا مالک کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں ان باغوں میں سے جو تمھارے سامنے ہیں ، ایک باغ کی بابت جس کی تعیین نہیں کی گئی معاملۂ مساقات کرتا ہوں -

اس شرط پر معاملۂ مساقات درست نہیں ہے کہ پیداوار کے نصف یا تہائی حصہ پر معاہدہ کیا جائے لیکن شرط یہ ہو کہ کارکن پہلے کھجور کا ایک درخت لگائے کیونکہ پیڑ لگانا مساقات کے کاموں میں داخل نہیں ہے - اگر یہ کام کر بھی لیا گیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور اس محنت کا معاوضہ کارکن کا حق ہوگا -

اگر کسی کے ساتھ چھوٹے درخت کے بارے میں جو اتنا تناور نہیں ہوا کہ اس میں پھل لگے جسے ''ودی'' یا ''فسیل'' کہتے ہیں (یعنی بوٹا یا پنیری) عہد ←

ـ مساقات کیا اور یہ شرط ٹھہری کہ اس کو سینچنے اور اس کی پرورش کرنے کی ذمہ داری اس شخص کی ہو گی اور اس کا معاوضہ پھل کا ایک حصہ اس درخت کا ایک حصہ نہیں قرار پایا تو اس کی تین صورتیں ہوں گی :

پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین اس مدت کا اندازہ لگا لیں جس میں بالعموم یا یقینی طور پر یا بگمان غالب درخت خرما پھل دینے لگتا ہے تو معاملہ درست ہوگا ۔ اب اگر اس عرصہ میں درخت میں پھل نہ لگیں تو کارکن کسی اُجرت کا مستحق نہ ہوگا اور اس کی محنت اکارت جائے گی ۔ اگر اس کی مدت مثلاً پانچ سال مقرر کی گئی اور مدت کا آغاز دو ماہ بعد سے رکھا گیا اور درخت وقت مقررہ کے آنے سے پہلے ہی پھل لے آیا تو کارکن اُجرت کا حق دار نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مدت گزر جانے کے بعد پھل لایا (تب بھی نہ ہوگا) ۔ ہاں اگر میعاد گزر جانے سے کسی قدر پہلے درخت میں پھل آ گیا لیکن تیار اتنے عرصہ میں ہوا کہ مدت مقررہ ختم ہو گئی تو اس صورت میں کارکن پھل کے حصہ کا حق دار ہوگا اور مالک پر لازم ہوگا کہ درخت کے لیے جو باتیں ضروری ہیں ان کی تکمیل کرے ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی مدت مقرر کی جائے جس میں بالعموم بوئے ہوئے پودوں میں پھل نہیں آتا ۔ نہ اس کا یقین ہوتا ہے نہ گمان غالب نہ احتمال تو اس حال میں اس معاملہ کے فاسد ہونے کے بارے میں کوئی نزاع نہیں ہے ، ہاں کارکن اپنی محنت کے معاوضہ کا حق دار ہے ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مساقات میں ایک ایسی مدت قرار پائے جس میں ممکن ہے کہ درخت پھل دے دے اور یہ احتمال بھی ہو کہ پھل نہ لگے ، کیونکہ اس قسم کے درخت کی بابت معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ میں بار آور ہوتا ہے ، تو اس بارے میں اختلاف ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ درست ہوگا ، کیونکہ (بہرحال) پھل آترنے کی توقع تو ہوتی ہے ۔ جو اصحاب اس کو درست نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے کہ پھل نہ آیا ہو تب بھی کارکن اپنی محنت کے معاوضہ کا حق دار ہے ۔

عہد مساقات کا چوتھا رکن کام ہے ، کیونکہ کار مساقات بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا ۔ کارکن اس امر کا ذمہ دار ہے کہ تمام وہ کام جو پھل اور درخت کی ـ

← نشو و نما کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے ، انجام دے مثلاً پانی دینا ، حفاظت کرنا ، نقصان دہ گھاس کو کاٹنا ، نہروں کو صاف کرنا ، خشک ٹہنیوں کا چھانٹنا جو درخت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں اور درخت خرما میں گابھا لگانا وغیرہ تمام ایسے کام جو ہر سال کرنے پڑتے ہیں - یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کاموں کی تفصیل معاملہ کے وقت بتائی جائے بلکہ کارکن کو یہ سب کچھ بہرحال انجام دینا ہے یہاں تک کہ اس میں ایسے کام بھی شامل ہیں جنھیں بعض لوگ ضروری نہ نہ جانتے ہوں کیونکہ وہ لازمی ہوتے ہیں - ایسے کام جو ضروری امور کے علاوہ بھی معاملہ' مساقات میں شامل کیے جائیں ان کے لیے یہ شرط ہے کہ قول قرار کے وقت ان تمام باتوں کو بیان کر دیا جائے - ہاں اگر وہ ایسے کام ہوں جن کی بابت فریق کو معلوم ہے کہ انھیں انجام دینا ہے تو ان کی تفصیل بتائے بغیر بھی معاملہ درست ہے - اس بارے میں زیادہ تر اس طریقہ کی پیروی کی جائے گی جو اس علاقہ میں رائج ہے جہاں پر وہ درخت واقع ہیں - اگر ایسا کوئی عام رواج نہ ہو یا ہو لیکن فریقین معاملہ کو علم نہ ہو اور اس کی تفصیل (عقد کے وقت) بیان نہ کی جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا -

پھلوں کو توڑنے اور انھیں خشک کرنے کی ذمہ داری کے بارے میں اختلاف ہے؛ کہا جاتا ہے کہ یہ کارکن کی ذمہ داری ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مالک کے ذمہ ہے - اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ کارکن کے ذمہ ہے -

ایسے مستقل کام جو سال کے سال انجام نہیں دیے جاتے ان کی انجام دہی مالک باغ کے ذمہ ہے - مثلاً نہروں اور پنسالوں کی تیاری ، دیوار کی تعمیر اور چھت ڈالنا وغیرہ - ان میں سے کوئی کام اگر کارکن کے ذمہ ڈالا گیا تو عہد فاسد ہوجائے گا - اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ مساقات کے فرایض میں سے کوئی کام جو کارکن کے ذمہ ہے وہ مالک انجام دے تب بھی معاہدہ فاسد ہوجائے گا- لیکن اگر معاہدے سے باہر ایک فریق نے دوسرے فریق پر کسی ایسے کام کی شرط عاید کی جو اس کے لیے مخصوص نہیں تھا مثلاً یہ کہ وہ باڑھ کی دیوار بنا دے تو عقد فاسد نہ ہوگا اور اس کا نفاذ (عقد کے لیے) لازم نہ ہوگا -

کام کی انجام دہی کی تین شرطیں ہیں : ←

ایک شرط یہ ہے کہ اس (کی انجام دہی) کے لیے کوئی مدت مقرر ہو ، مثلاً ایک سال یا اس سے کم و بیش - اگر اس کے لیے غیر معین مدت رکھی جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا -

دوسری شرط یہ ہے کہ کام صرف کارندے کے ذمہ ڈالا جائے - اگر معاہدے میں کام کے اندر دوسرے کے شریک ہونے کی شرط لگائی گئی ، خواہ یہ شرط مالک کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے، معاملہ فاسد ہو جائے گا -

تیسری شرط یہ ہے کہ کام میں صرف کارکن کا ہاتھ ہو ، اگر کسی اور کی مداخلت کی شرط لگائی گئی تب بھی معاہدہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں کارکن خود مختاری کے ساتھ کام نہیں کر سکے گا - ہاں یہ شرط ہو سکتی ہے کہ مالک کا ملازم کارکن کی مدد کرے گا بشرطیکہ خادم شکل و صورت سے جانا پہچانا آدمی ہو اور وہ کارکن کی ماتحتی (نگرانی) میں کام کرے -

چوتھا رکن پھل ہے جس کی چند شرایط ہیں :

ایک یہ کہ پھل صرف مالک اور کارکن کے لیے مخصوص ہو، اگر پھلوں کے حق میں کسی تیسرے شخص کی شمولیت کی شرط رکھی گئی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا

دوسرے یہ کہ ہر ایک فریق کا حصہ مقرر ہو مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ - اگر معاہدہ میں یوں کہا کہ میں پھل کے ایک حصہ کے عوض تمھارے ساتھ معاہدۂ مساقات کرتا ہوں تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ حصہ کی تعیین نہیں کی گئی - ہاں اگر یوں کہا کہ میں تمھارے ساتھ اس شرط پر مساقات کرتا ہوں کہ پھل میں ہم دونوں شریک ہوں گے تو معاملہ دوست ہوگا اور فریقین نصفا نصف پھل کے حق دار ہوں گے -

تیسرے یہ کہ (معاہدہ کے وقت) پھل تیاری پر نہ آ گئے ہوں کیونکہ جب پھل تیاری پر آ جائیں تو معاہدۂ مساقات دوست نہیں ہے -

واضح ہو کہ حصہ کا برابر سرابر ہونا شرط نہیں ہے - جائز ہے کہ ایک کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہو - اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ (معاہدہ کے وقت) پھل آ گئے ہوں -

معاملۂ مساقات ایسی شرط لگانے سے فاسد ہو جائے گا کہ کارکن کہے کہ میں درخت میں سے بھی کچھ مثلاً کھجور کے گچھے کے ڈنٹھل وغیرہ یا کوئی ایسی چیز جو مالک کی ہوتی ہے لے لوں گا۔

یاد رہے کہ مساقات کا معاملہ لازم (واجب العمل) ہوتا ہے، لہذا فریقین میں سے کسی کو اس کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر کارکن کسی مجبوری یا کسی اور سبب سے کام نہ کر سکے تو مالک کو حق ہوگا کہ یہ معاملہ حاکم مجاز کے سامنے پیش کرے جو اسے لازم النفاذ بنانے کا حکم دے گا۔

اگر درخت خرما یا انگور دو اشخاص کی ملکیت ہوں تو ایک مالک کا دوسرے کے ساتھ اس شرط پر عہد مساقات کرنا جائز ہے کہ اس کو اس حصہ مقررہ کے علاوہ جس کا بحیثیت مالک وہ حق دار ہے اس سے ایک حصہ اور زیادہ لے گا۔ چنانچہ اگر وہ آدھے کا مالک ہے تو مساقات درست نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے آدھے حصہ سے بھی ایک حصہ ملنے کی شرط نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معاملۂ مساقات دو امور پر مشتمل ہے:

ایک تو یہ کہ مالک اپنی کھجور یا دوسرے ایسے درختوں والی زمین کو جس کے پھل کھائے جاتے ہیں پھل کے مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی کے معاوضہ کی شرط پر کسی شخص کو سپرد کردے۔

دوسرے یہ کہ (مالک زمین) اپنی سفید زمین اور درختوں کو جو ہنوز لگائے نہ گئے ہوں کسی شخص کے سپرد کر دے کہ وہ شخص اس زمین پر وہ درخت لگائے اور اس پر کام کرے۔ اس کے عوض اسے درخت یا اس کے پھلوں کا ایک مقررہ حصہ ملے گا۔ اس دوسرے مفہوم کی رو سے اس معاہدہ کو (مساقات کی بجائے) مناصبہ یا مغارسہ کہتے ہیں (یعنی درخت لگانے کا معاہدہ) کیونکہ اس معاہدہ میں مالک اپنی زمین درخت لگانے کے لیے دیتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ معاملۂ مساقات کے مفہوم میں عمومیت ہے کیونکہ یہ معاملہ فی الوقت لگے ہوئے درختوں کے لیے بھی ہوتا ہے اور بن لگے درختوں کے لیے بھی، لیکن 'مناصبہ' مخصوص ہے ایسے درختوں (کے معاملہ) کے لیے جو ہنوز لگائے نہیں گئے۔

→ عقد مساقات کے صحیح ہونے کی چند شرایط ہیں :

ایک یہ کہ وہ درخت ایسا ہو جس کا پھل کھایا جاتا ہے ، جیسا کہ بتایا گیا - لہٰذا کافور ، کہربا ، چیڑ ، بید اور سنط (غالباً پٹ سن) وغیرہ کے درخت جن میں سرے سے پھل ہی نہیں لگتا یا ان کا پھل کھانے کے کام میں نہیں آتا ، اس میں گلاب ، چمبیلی وغیرہ کے درخت شامل ہیں - ایسے دو درختوں میں مساقات کا معاہدہ درست نہیں ہے - تاہم بعض اصحاب کہتے ہیں کہ گلاب اور چمبیلی جیسے درخت جن کے شگوفوں کو کسی قدر کام میں لایا جاتا ہے ان کا معاملۂ مساقات درست ہے -

دوسرے یہ کہ وہ درخت شاخ دار ہو - لہٰذا زراعت میں معاملۂ مساقات درست نہیں ہے کیونکہ زرعی روئیدگی میں شاخ نہیں ہوتی - یہی حال سبزی ، کپاس ، تربوز ، ککڑی ، بینگن وغیرہ کا ہے کہ ان پر عقد مساقات درست نہیں ہے ، عقد مزارعت درست ہے -

تیسرے یہ کہ فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ نصف ، تہائی یا چوتھائی وغیرہ مقرر ہو یہاں تک کہ اگر مالک ہزاروان حصہ بھی طے کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ فریقین معاملہ کے حصے برابر ہوں - لیکن اگر کسی کا حصہ ایک خاص مقدار میں مقرر کیا گیا مثلاً دس پیمانے (وغیرہ) تو معاملہ درست نہ ہوگا - اسی طرح اگر معاوضہ مقررہ درہموں (یا سکوں) میں طے کیا گیا ، یا مقررہ حصہ کے علاوہ کسی کو مثلاً دو اشرفیاں مزید ملنے کی شرط قرار پائی تو یہ سب صحیح نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ پھل اتنا بھی نہ اُترے جو مقررہ نقدی کے برابر ہو -

چوتھے یہ کہ جس طرح درخت کے بارے میں معاہدہ ہوا ہے وہ مالک اور کارکن دونوں کے لیے جانا پہچانا ہو اور کوئی دوسرا درخت اس کی نظیر نہ ہو ، جیسا کہ معاملۂ بیع میں ہوتا ہے - لہٰذا اگر یوں کہا کہ میں ان دو باغوں میں سے کسی ایک کے لیے مساقات کرتا ہوں ، اور کسی ایک کا تعین نہیں کیا تو یہ درست نہ ہوگا - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی باغ کے لیے معاملۂ مساقات کیا اور اس باغ کی تفصیل اور خصوصیات اس طرح نہ بتائی گئیں کہ شبہ دور ہو جاتا - ←

پانچویں یہ کہ منجملہ درختان باغ کے کسی ایک درخت کا پھل کارکن کے لیے مخصوص کیے جانے کی شرط نہ ہو - پس اگر باغ میں نارنگی ، انجیر اور سیب کے درخت ہوں اور کارکن مثلاً انجیر کا درخت اپنے لیے مخصوص کر لے تو معاملہ صحیح نہ ہوگا - اسی طرح اگر اس سال کے پھلوں کے علاوہ جس میں کام کیا گیا کسی اور سال کے پھلوں کی شرط رکھی ، مثلاً معاہدۂ مساقات سنہ چار میں ہوا اور معاوضہ میں سنہ پانچ کے پھلوں کی شرط ٹھہری (تو درست نہیں) - اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ عہد مساقات کسی باغ کے بارے میں ہو اور ادائیگی معاوضہ کی شرط دوسرے باغ کے پھلوں سے ہو یا یہ کہ موجودہ سال کے پھل میں حصہ دار ہونے کے عوض اس سے اگلے سال کے لیے عہد مساقات کیا جائے - ان تمام صورتوں کا عہد مساقات صحیح نہیں ہے -

مساقات کا رکن ایجاب و قبول (یا قول و قرار) ہے - یہ ایجاب و قبول الفاظ مساقات ، معاملہ یا مفالحہ سے پورا ہوتا ہے بایں طور کہ (مالک کارکن سے کہے کہ) میں تمھارے ساتھ معاہدۂ مساقات یا معاملہ یا مفالحہ کرتا ہوں (یعنی پھل کے ایک حصہ کے عوض باغ میں خدمت کرنے یا محنت کرنے یا کھیتی باڑی کا معاہدہ کرتا ہوں) یا اسی طرح کے اور الفاظ جو مساقات کے معنے دیتے ہوں - مثلاً یوں کہنا کہ لو اس باغ پر کام کرو یا اس کی ذمہ داری سنبھال لو - غرض اس میں مقصد کلام پیش نظر ہونا چاہیے - یہ مدعا جن الفاظ میں بھی ادا کیا جائے درست ہے - رہا اقرار (یا قبول) سو قول یا فعل سے جس طرح بھی اس پیش کش کو قبول کرنا ظاہر ہو وہ اقرار ہے - چنانچہ اگر کارکن (مالک کی پیش کش پر) کام کرنا شروع کر دے تو گویا اس نے (معاہدہ کا) اقرار کیا یا اسے منظور کرلیا -

واضح ہو کہ مساقات کا معاملہ ہو یا مزارعت کا معاملہ اجارہ (کرایہ) کا لفظ استعمال کرنے سے بھی درست ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ (کسی درخت کو) پھل کے ایک متعین اور مقررہ حصہ کے عوض کرایہ پر لینا درست ہے - معاملۂ مساقات پھل کے ایک حصہ کے عوض ایسے پودوں کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے جو ہنوز پھل نہ لائے ہوں ، اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مساقات کا معاہدہ

← اتنے عرصہ کے لیے ہو جس میں بالعموم درخت تناور ہو کر پھل دینے لگتا ہے۔ اسی طرح اس شرط پر بھی مساقات ہو سکتی ہے کہ کارکن خود درخت لگائے اور اس کے ایک حصہ کے معاوضہ کی شرط پر اس کی نشو و نما کرے۔ اس کو ''مغارسہ'' (یعنی معاہدۂ شجرکاری) کہتے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اس میں صرف پھل کے ایک حصہ یا پھل اور درخت دونوں کے ایک ایک حصہ کی شرط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ درخت کی جڑیں (یا پنیری) جو لگائی گئی ہیں وہ بیج کی طرح مالک باغ کی ہوں۔ اگر کارکن جڑیں خرید کر وہاں لگالے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ اسے اکھاڑلے اور کارکن کو اس کا حرجانہ جو اس کے اکھاڑنے اور باقی رکھنے کے درمیان ہے ادا کر دے۔ جڑوں کی قیمت کا ذمہ دار کارکن ہوگا۔

یاد رہے کہ مساقات کا معاملہ لازم النفاذ نہیں ہوتا لہٰذا فریقین میں سے ہر ایک کو کسی وقت بھی اس کے منسوخ کر دینے کا اختیار ہے۔ اگر کارکن پھل لگنے کے بعد اس معاہدہ کو فسخ کر دے تو اس میں دونوں کا مشترکہ حق ہوگا جس طرح کہ معاہدہ کے وقت طے پایا تھا۔ ایسی صورت میں کارکن لگے ہوئے پھل کا اپنا حصہ لے لے گا اور کام بدستور کرتا رہے گا۔ اور معاملہ کے فسخ ہو جانے سے کارکن پر جو کام کرنے کی ذمہ داری ہے وہ اس سے بری نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر اس کی وفات ہو جائے تو اس کا وارث پھل کا مالک ہونے اور کام کے جاری رکھنے کی ذمہ داری میں اس کا قائم مقام ہوگا۔ اور اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنا حصہ اپنے قائم مقام کے ہاتھ فروخت کر دے جو اس کی بجائے کام کرے۔ اور یہ شرط درست ہوگی کہ اس کا قائم مقام اس کی بجائے کام انجام دے۔ اور اگر اس نے معاہدہ منسوخ کیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ کارکن کو اس کی محنت کا معاوضہ ادا کر دے۔

عہد مساقات میں مساقات کے لیے کسی مدت کا تعین شرط نہیں ہے، کیونکہ یہ معاہدہ لازم نہیں ہوتا جیسا کہ بتایا گیا۔ لہٰذا اگر مساقات کی مدت مقرر کی گئی لیکن اس عرصہ میں کوئی پھل نہ لگا تو کارکن کو کچھ نہ ملے گا۔

مضاربت

(یعنی نفع میں حصہ داری کی بنا پر کسی کو مال دینے کا بیان)

مضاربت کی تعریف

لغت کی رو سے مضاربت کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنا مال کسی کو بدیں شرط بغرض تجارت دے کہ نفع میں باہمی قرارداد کے مطابق دونوں شریک ہوں گے اور نقصان مال والا برداشت کرے گا۔

لفظ ''مضاربت' مادہ 'ضرب' سے نکلا ہے جس کے معنے 'سفر' کے ہیں کیونکہ کار تجارت میں بالعموم سفر کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''واذا ضربتم فی الارض''

(یعنی جب تم زمین پر سفر کرو) اس کو قراض اور مقارضہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرض سے مشتق ہے جس کے معنے جدا کرنے (یا کاٹ دینے) کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مالک اپنے مال کا ایک حصہ الگ کر دیتا ہے تاکہ نفع کے ایک حصہ کے عوض اس سے کاروبار کیا جائے۔ (جس طرح مالک اپنے مال سے کچھ نکال کر کسی کارکن کو دیتا ہے اسی طرح) کاروبار کرنے والا اپنی تجارتی جدوجہد سے جو نفع حاصل کرتا ہے اس میں سے ایک حصہ (مالک کے لیے) الگ کرکے اسے دیتا ہے۔ غرض باب مفاعلہ (جس میں اشتراک کا مفہوم ہوتا ہے) یہاں پر اپنی خاصیت کا حامل ہے۔

فقہا کے نزدیک 'مضاربت' دو فریق کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے دے گا کہ وہ نفع میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرایط کے ساتھ اس مال کو تجارت (یا کاروبار) میں لگائے۔

ظاہر ہے کہ یہ مفہوم اس لفظ کے لغوی معانی کے مطابق ہے۔ البتہ اس میں چند شرطیں رکھی جاتی ہیں جن کی بنا پر اس معاملہ کو شرعاً درست یا نادرست قرار دیا جاتا ہے۔

معاملۂ مضاربت کو مساقات اور مزارعت سے جو مناسبت (یا مشابہت) ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ یہ دونوں قسم کے معاہدے دو فریق کے درمیان ہوتے ہیں۔ ایک فریق کی زمین ہوتی ہے یا درخت ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی محنت ہوتی ہے اور پھل جو حاصل ہوتا ہے اس میں دونوں حصہ دار ہوتے ہیں۔ یہی صورت مضاربت کی ہے کہ دو فریقوں میں ایک معاہدہ ہوتا ہے۔ ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرا فریق تجارت (یا کاروبار) کرتا ہے۔ پھر اس کا جو ثمرہ (یا منافعہ) حاصل ہوتا ہے اس میں دونوں حصہ دار ہوتے ہیں۔ فقہا اس معاملہ کو ''قراض'' بھی کہتے ہیں۔ جو شخص اس میں سرمایہ لگاتا ہے اسے 'مقارض' بکسر را (سرمایہ لگانے والا) اور کاروبار کرنے والے کو مقارض بفتح را (جس کو مال دیا گیا ہو) کہتے ہیں۔ ''مضاربت'' کی اصطلاح استعمال ہو تو کام کرنے والے (یا تاجر) کو مضارب (بکسر را) کہتے ہیں (یعنی عہد مضاربت کے تحت کام کرنے والا)۔ مالک مال کے لیے کوئی لفظ (مادۂ ضرب سے) مشتق نہیں ہے۔

مضاربت کے ارکان، اس کی شرطیں اور مسائل

واضح ہو کہ مضاربت کے کچھ ارکان، شرایط اور مسائل ہیں جو مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مضاربت کا معاہدہ فریقین کے پیش نظر فریقین کا نفع میں باہم شریک ہونا ہے۔ اس میں مالک سرمایہ لگاتا ہے اور کارکن محنت لگاتا ہے کہ اس مال سے تجارت کرے اور اس کے فائدے میں اپنے ساتھی کے ساتھ حصہ دار ہو۔ لہٰذا اس معاہدہ کی غرض منافع میں باہمی حصہ داری ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ مضاربت نفع میں شریک ہونے کا نام ہے جب کہ ایک شخص کا مال اور دوسرے کی محنت ہو۔ لیکن مضارب (جس کو کاروبار کے لیے مال دیا جاتا ہے) کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے معاہدہ کی حیثیت مختلف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حنفیہ کہتے ہیں کہ مضاربت کی کئی حیثیتیں ہوتی ہیں:

ایک تو یہ کہ مضارب (کام کرنے والا) جب مال حاصل کرلے اور ہنوز ←

← کام شروع نہ کیا ہو تو وہ ایک امین (امانت دار) کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اور امانت دار کے لیے حکم یہ ہے کہ جو مال اس کی تحویل میں آیا ہے اس کی حفاظت واجب ہے اور مالک اگر اسے واپس لینا چاہے تو اسے واپس کر دے۔ اگر اس مال میں سے کچھ گم ہو جائے تو (کارکن) اس کی ادائیگی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جب مضارب کاروبار شروع کر دے تو وہ وکیل کی حیثیت میں ہو جائے گا اور وکیل کی بابت حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی بجائے اس کے سپرد کردہ امور انجام دے اور وکالت کے سلسلہ میں جو باقی ذمہ داریاں اس پر عاید ہوتی ہیں اس کے لیے اپنے مؤکل کی طرف رجوع کرے گا اور اس کے لیے حکم یہ ہے کہ کار مفوضہ کی انجام دہی پر اسے مجبور نہ کیا جائے گا سوائے ادائیگی امانت کے (کہ اس کے لیے مجبور کیا جائے گا)۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ یہ کپڑا جو میرے پاس بطور امانت کے ہے اسے مالک کو واپس کردو۔ پس اگر مؤکل موجود نہ ہو تو اس کے وکیل کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسے مالک کو واپس کر دے۔

یاد رہے کہ وکالت کا معاملہ لازم النفاذ نہیں ہو جاتا لہٰذا فریقین میں سے ہر ایک کو حق ہے کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اسے منسوخ کردے۔

تیسرے یہ کہ جب کاروبار سے نفع حاصل ہو جائے تو مضارب کی حیثیت مالی امور میں باہم شرکاء کی سی ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا ایک مقررہ حصہ اس نفع میں ہوگا جو اس سرمایہ سے کاروبار سے حاصل ہوا۔ غرض مضاربت مالی شراکت کی اقسام میں سے ایک خاص قسم کی شرکت ہے۔ مشترکہ کاروبار کی جو قسمیں آگے بتائی گئی ہیں ان میں سے نہیں ہے کیونکہ شرکت کے اس مفہوم میں جو آگے بتایا جائے گا یہ شرط ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک راس المال میں شریک ہو۔

چوتھے یہ کہ اگر معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے تو مضارب (کارکن) کی حیثیت ایک اجیر (کرایہ دار) کی سی ہوگی یعنی جو نفع حاصل ہو چکا ہے وہ تمام مال کے مالک کا ہوگا اور نقصان بھی وہی برداشت کرے گا اور کارکن کی محنت کا مناسب معاوضہ ادا کرے گا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کو ←

←کام کرنے کی مناسب اجرت ضرور دی جائے گی خواہ نفع ہوا ہو یا نقصان ہو ؟ صحیح یہ ہے کہ معاملۂ مضاربت فاسد ہو اور اس میں کچھ نفع نہ ہوا ہو تو کارکن کسی اجرت کا مستحق نہ ہوگا ، کیونکہ اگر معاملۂ فاسد میں اجرت دی گئی تو گویا ناقص معاملہ کو درست معاملہ سے زیادہ کامیاب سمجھا گیا ۔ کیونکہ درست معاملہ میں جب کہ نفع نہ ہو تو کارکن کا حق جاتا رہتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ فاسد معاملہ میں نفع نہ ہونے کے باوجود اجرت کا مستحق قرار دیا جائے ۔

پانچویں یہ کہ اگر مضارب (کارکن) شرایط معاملہ میں سے کسی شرط کے خلاف کرے تو اسے غاصب (ناجائز قابض) قرار دیا جائے گا ۔ غصب کرنا گناہ ہے اور غاصب پر واجب ہے کہ غصب کی ہوئی چیز کو واپس کر دے اور یہ کہ اس چیز کے تاوان کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے ۔

جاننا چاہیے کہ تیسری اور چوتھی صورت کو مضاربت کے مسائل میں شمار کرنے پر اعتراض کیا جاتا ہے کیونکہ کارکن کو اجیر (اجرت پر کام کرنے والا) اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب کہ معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے ۔ یہی صورت اسے غاصب قرار دیے جانے کی ہے اور یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ کارکن شرایط مضاربت کی مخالفت کرے اور جب اس کی شرایط سے اختلاف کیا جائے تو معاہدہ ختم ہو جاتا ہے اور (جب معاہدہ ہی ختم ہو جائے) تو غصب کو معاہدۂ مضاربت کے مسائل میں شامل کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے ؟ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دونوں امور مضاربت فاسدہ کے مسائل میں سے ہیں لیکن یہ جواب غصب کے مسئلہ پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ اجارۂ فاسد کے بارے میں حکم یہ ہے کہ کارکن کو اس کی محنت کا مناسب معاوضہ دیا جائے ، حالانکہ غصب کرنے والے کو معاوضہ نہیں دیا جاتا ۔ تاہم چونکہ یہاں صحیح معاملۂ مضاربت کے مسائل کا ذکر ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ان امور کا ذکر مسائل مضاربت کے ضمن میں بھول چوک پر مبنی ہے ۔

چھٹے یہ کہ اگر یہ شرط رکھی کہ نفع تمام کا تمام مضارب (کارکن) کا ہوگا تو وہ سرمایہ کارکن کے ذمہ قرض کی مانند ہوگا (اور اس کی حیثیت مقروض←

←کی سی ہوگی) پس اگر مال لے کر اس شرط کے مطابق کاروبار چلایا تو اس مال کا اور اس کے نقصان کا بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا ۔ اگر مال ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان بھی اسی پر ہوگا اور مالک کا مال اسے ادا کرنا واجب ہوگا ۔

ساتویں یہ کہ اگر یہ شرط ہوئی کہ تمام نفع سرمایہ دار کا ہوگا تو اس کا حکم عقد بضاعت (معاملۂ مال) کی مانند ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک اس کو بلا اجرت کسی مال کے خریدنے کے لیے وکیل بنا دے ۔ ایسی صورت میں وہ جو کچھ خریدے گا وہ سب مالک کا ہوگا اور اس کی باربرداری کا خرچ تمام مالک کو دینا ہوگا اور خریدنے والے کو کوئی معاوضہ نہ دیا جائے گا ۔

یہ تمام مسائل معاملۂ مضاربت کے متعلق ہیں ۔

مضاربت کا رکن (جزو لازم) ایجاب و قبول (باہمی قول و قرار) ہے ۔ اس کے لیے وہ الفاظ استعمال کیے جائیں گے جس سے یہ مقصد ادا ہو جائے ۔ مثلاً یہ کہنا کہ یہ مال تم کو دیتا ہوں اس سے بصورت مضاربہ یا مقارضہ یا معاملہ کاروبار کرو یا (یوں کہا کہ) یہ مال بطور مضاربت کاروبار کی غرض سے لو، اس میں اللہ تعالیٰ جو نفع دے گا ہم دونوں کا حصہ آدھا آدھا یا (ایک شخص کا) تہائی ہوگا ۔ اس پر کارکن کہے اچھا میں یہ مال لیتا ہوں ، یا اس تجویز پر راضی ہوں یا میں نے یہ بات منظور کرلی ۔

اگر یوں کہا کہ یہ مال نصف نفع کے معاوضہ پر لے لو اور اس نے اس پیش کش کو رد نہ کیا تو یہ مضاربت صحیح ہوگئی ۔

مضاربت کے صحیح ہونے کی شرایط حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ سرمایہ نقدی یعنی سونے چاندی کے سکوں کی شکل میں ہونا چاہیے ۔ اس پر تمام اہل مسالک متفق ہیں اور بقول مفتیٰ بہ رائج الوقت پیسوں میں یہ معاملہ درست ہے ۔ رائج الوقت پیسوں سے مراد وہ سکے ہیں جو سونے یا چاندی کے نہ ہوں جیسے ٹکسالی قروش یا تعریفہ (سکوں کے نام) جو نکل یا تانبے سے بنائے جاتے ہیں اور ان کا لین دین رائج ہو ۔ سونا چاندی اگر ڈھلے ہوئے سکوں کی شکل میں نہ ہوں تو مضاربت نہیں ہو سکتی ۔

ہاں سونے کی ڈلی اگر ڈھلے ہوئے سکے (نقدی) کی طرح رائج ہو تو اس کے←

←ذریعہ مضاربت کے جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درست ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح سامان تجارت کے ذریعہ بھی مضاربت جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے روئی یا کپڑا مثلاً سو اشرفی میں کسی کو دے دیا اور کہا کہ نفع میں سے نصف کی شرط پر بطور مضاربت اس کو فروخت کرو تو یہ مضاربت فاسدہ ہوگی۔ اگر اس کی فروخت میں خسارہ رہا تو کام کرنے والا اس خسارے کا ذمہ دار نہ ہوگا، یہاں تک کہ اگر مال والے سے یہ فیصلہ کر لیا کہ میں کل مال بغیر گھاٹے کے واپس کر دوں گا، تب بھی اس فیصلہ پر عمل نہ کیا جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ آیا اس صورت میں خسارہ ہو تو کارندہ اس کی محنت کے مناسب معاوضہ کا حق دار ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی اوپر بتایا گیا۔ اب اگر کارکن نے اس دام سے جو مال کی فروخت سے حاصل ہوا کاروبار کیا تو اب باہمی معاہدہ کی شرایط کے مطابق کام کرے گا کیونکہ اس صورت میں وہ معاملہ بطور مضاربت سمجھا جائے گا۔ پس کارکن پہلی صورت میں (خسارے کا) ذمہ دار نہیں ہوگا کیونکہ وہ بحیثیت وکیل کے اس مال کا امانت دار متصور ہوگا۔ ہاں اگر اس کے دام سے کاروبار کیا تو اس کے بعد اسے مضارب قرار دیا جائے گا اور بموجب شرط اس میں حصہ دار ہوگا۔

۲ - یہ کہ معاملہ کے وقت سرمایہ کا علم ہونا چاہیے تاکہ بعد میں فریقین کے مابین نزاع نہ پیدا ہو۔

۳ - یہ کہ سرمایہ کی مقدار متعین ہو اور مالک کے پاس موجود ہو، لہٰذا اس مال میں مضاربت درست نہیں ہے جو کارکن کے ذمہ مالک کا قرض (واجب الوصول) ہے۔ چنانچہ اگر یوں کہا کہ جو رقم مجھے تم سے لینی ہے، نصف منافع کے عوض اس سے کاروبار کرلو تو درست نہیں ہے۔ اب اگر قرض دار (مضارب) نے رقم قرض واجب الادا سے تجارت کی اور اس میں خسارہ ہوا یا فائدہ ہوا تو نقصان کا ذمہ دار وہ خود ہوگا اور فائدہ ہوا تب بھی اس کا حق ہے۔ اور قرض بدستور اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں مقروض کا قرض اتر جائے گا اور نفع مالک مال کا ہوگا اور نقصان بھی وہی برداشت کرے گا اور کارکن مناسب معاوضۂ کار کا حق دار ہوگا۔ →

→ اگر مضارب کے علاوہ کسی اور شخص کے ذمہ قرض واجب الوصول ہے اور مالک مال (قرض خواہ) نے یوں کہا کہ فلاں شخص پر ایک سو اشرفی میرا قرض ہے ، تم یہ رقم اس سے وصول کرکے بطور مضاربہ کاروبار کرو اور کارکن نے ایسا ہی کیا تو یہ مضاربت صحیح لیکن مکروہ ہے - اسی طرح اگر منجملہ سو اشرفی کے کچھ رقم سے کاروبار کیا تو اسی حیثیت میں درست ہوگا - لیکن اگر یوں کہا کہ میرا قرض جو فلاں شخص کے ذمہ ہے اس سے وصول کرلو اور پھر بطور مضاربت کاروبار میں لگاؤ یا یہ کہا کہ قرضہ وصول کرلو تب کاروبار کرو لیکن مضارب نے (پورا قرضہ وصول کرنے کی بجائے) کچھ ہی حصہ وصول کرکے کاروبار میں لگایا تو یہ صورت صحیح نہیں ہے کیونکہ ''پھر'' اور ''تب'' کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک قرض کی پوری رقم وصول نہ ہو جائے اس سے کام نہ کیا جائے -

اگر ایک شخص نے کسی کے پاس کچھ رقم امانت کے طور پر رکھی اور اس سے کہا کہ جو رقم تمھارے پاس امانت ہے اس کو بطور مضاربت کاروبار میں لگالو ، تو یہ درست ہے - اسی طرح اگر کسی کو کچھ رقم مال تجارت خریدنے کے لیے دی اور پھر یہ کہہ دیا کہ بطور مضاربت اس رقم سے کاروبار کرو تب بھی صحیح ہے -

۴ - یہ کہ سرمایہ کارکن (مضارب) کو سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ خود اس سے کاروبار کرے - اگر یہ شرط لگا دی کہ مالک مال بھی مضارب کے ساتھ مل کر کام کرے گا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا - (معاملۂ مضاربت میں) اس سے فرق نہیں پڑتا کہ سرمایہ لگانے والا وہی شخص ہو جس نے قول و قرار کیا ہے یا کوئی اور ہو - چنانچہ اگر مال کا مالک نابالغ ہے اور بات چیت اس کے ولی نے طے کی ہے ، لیکن یہ شرط رکھی ہے کہ وہ نابالغ لڑکا مضارب کے ساتھ کاروبار کرے گا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا اور جب معاملہ فاسد ہو جائے تو کارکن کو قصوروار کے مال میں سے محنت کا معاوضہ دیا جائے گا -

اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کو اس بارے میں وکیل بنایا کہ وہ اس کے مال سے کسی کے ساتھ مضاربت کا معاملہ طے کرے اور وکیل نے مضارب ←

← کے ساتھ یہ شرط بھی کر لی کہ وہ وکیل بھی مضارب کے ساتھ منافع کے ایک حصہ کے عوض کام کرے گا تو عقد فاسد ہوجائے گا کیونکہ وکیل اس معاملہ میں جس کے لیے اسے وکیل بنایا گیا ہے اپنے مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے - اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ کاروبار مضاربت میں مال والے کا کارندہ کے ساتھ شریک ہونے کی شرط سے معاملہ درست نہ ہوگا - لہٰذا اس کے وکیل کی شرکت سے بھی معاملہ درست نہ ہوگا -

۵ - یہ کہ منافع میں سے مضارب (کارکن) کا حصہ واضح طور پر بتا دیا جائے مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ - اگر (حصہ کی بجائے) کوئی خاص مقدار قرار پائی مثلاً یوں کہا کہ اتنے سرمایہ سے بطور مضاربت کام کرو تم کو نصف نفع کے علاوہ بیس اشرفی مزید ملے گی تو معاملہ درست نہ ہوگا - یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ یوں کہا جائے کہ تم کو آدھے منافع میں سے بیس یا دس اشرفی کم دیا جائے گا یا اس سے کم و بیش (مقدار بتائی گئی) تو معاملہ فاسد ہو جائے گا - لیکن اگر یہ شرط ہو کہ کارکن کو نصف مال کے نفع کا آدھا یا تہائی ملے گا، بغیر اس کے کہ آدھے یا تہائی مقدار کی تخصیص کی جائے کہ وہ اس قدر ہے تو معاملہ درست ہو گا -

۶ - یہ کہ جو حصہ کارکن کا مقرر کیا جائے وہ منافعہ میں سے ہو، سرمایہ میں سے نہ ہو، لہٰذا اگر کہا گیا کہ اتنی رقم سے بطور مضاربت کام کرو، اس کے عوض تمھیں اس رقم میں سے آدھا یا تہائی مل جائے گا، یا یہ کہا کہ اس مال میں سے بیس اشرفی تم لے لینا تو عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا - اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ یوں کہا کہ منافع میں سے ایک حصہ کے ساتھ ساتھ اس مال میں سے بھی آدھا تمھارا حق ہوگا تو عقد درست نہ ہوگا - نیز اگر کارکن کے لیے ایک ماہانہ اجرت نصف منافعہ سے زیادہ کی شرط رکھی تو یہ شرط باطل ہو گی لیکن معاہدہ درست ہوگا - اگر کارکن نے اس شرط کے باوجود کام کیا تو نفع میں جو حصہ اس کا قرار پایا ہے اس سے زیادہ کا حق دار نہ ہوگا -

اگر مضاربت کے لیے یہ شرط ٹھہری کہ کارکن کو رہنے کے لیے مکان دیا جائے گا یا کھیتی باڑی کے لیے اراضی ملے گی تو عقد فاسد ہو جائے گا - ←

مالکیہ کہتے ہیں کہ اصطلاح شرع میں مضاربہ یا اقراض ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے مال کا مالک کسی شخص کو سرمایہ سپرد کردیتا ہے تاکہ وہ اُس رقم سے جو خاص طور پر سونے چاندی کے رائج الوقت سکے ہوں کاروبار کرے - اس کے لیے ضروری ہے کہ مالک اُس قدر مال اُسے فوری طور پر دے دے جس سے کاروبار تجارت پیش نظر ہے -

اس تعریف میں سپرد کرنے کے لفظ سے مقصد مکمل طور پر سپرد کرنا ہے - اور یہ جو کہا کہ خصوصیت کے ساتھ نقدی سے کرے تو اس کہنے سے مال تجارت یا غلہ یا جانور کا (بطور سرمایہ) سپرد کرنا نکل گیا کیونکہ اُس صورت میں قراض (مضاربت) فاسد ہے - چنانچہ اگر مثلاً یوں کہا کہ یہ روئی جس کی قیمت ایک سو اشرفی ہے اسے لے لو اور اسے فروخت کرو ، اس کے عوض نفع میں سے آدھا یا تہائی یا اس سے کم و بیش ایک حصہ ملے گا اور اُس نے وہ کام کیا تو اُسے وہ حصہ جو مقرر کیا ہے وہ نہیں ملے گا کیونکہ اس طرح کا معاہدۂ مضاربت تو فاسد ہو گیا البتہ اُسے اول تو اُتنی اجرت لینے کا حق ہے جو اس طرح کی فروخت کا کام کرنے میں ہوا کرتی ہے ، دوسرے اُس منافع میں سے اُتنا حصہ ملے گا جتنا کہ اس قدر مال مضاربت سے کام کرنے کا حق ہوتا ہے - اس کو ''قراض مثل'' کہا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ وہ حصہ اتنا ہی ہوتا ہو جتنا کہ معاہدہ میں طے ہوا تھا یا کم و بیش ہو - 'قراض مثل' کے بارے میں عام رواج کو ملحوظ رکھا جائے گا - اگر اس کام میں فائدہ نہ ہوا ہو تو کارکن کا کوئی حق نہ ہوگا - اسی طرح اگر کسی کو یہ کہا کہ اس روئی کو لے کر فروخت کرو اور اس کی جو قیمت ملے اُس (رقم) سے بطور مضاربت کاروبار کرو، اس پر منافع میں سے تمھیں اس قدر حصہ ملے گا تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو اُوپر بتایا گیا - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ صورت مضاربت فاسدہ کی ہے درآنحالیکہ اُس کی فروخت میں دوڑ دھوپ کرنا پڑے اور وہ کام مشکل ہو - اگر اُس کی فروخت آسان ہو تو مضاربت صحیح ہوگی - تاہم قابل اعتماد بات یہی ہے کہ یہ عام طور پر ممنوع ہے - اگر صورت حال یہ ہو کہ سامان تجارت کسی اور شخص کے قبضہ میں ہے اور اُس نے مالک مال یا کارندہ کے علاوہ کسی اور شخص کو مامور کیا پھر مال کے مالک نے 'مضارِب' سے کہا کہ اُس مال کی قیمت جسے فروخت کے لیے فلاں شخص کو

م-۱ کہا گیا ہے تم لے لو اور اسے بطور مضاربت کاروبار میں لگاؤ ، اس کے نفع میں تمہارا
س قدر حصہ ہوگا تو یہ جائز ہے -

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ اس علاقہ کے لوگ جہاں معاہدۂ مضاربت ہوا ہے محض سامان تجارت سے کاروبار نہ چلاتے ہوں - لیکن اگر وہاں یہی رواج ہے اور نقدی سکے رائج نہیں ہیں تو سامان تجارت کو معاملۂ مضاربت کے لیے سرمایہ بنانا درست ہوگا -

(مضاربت کی تعریف میں) یہ جو کہا گیا ہے کہ 'ڈھلا ہوا' اس سے مراد حکومت کا سکہ ہے - اس قید سے سونے چاندی کی غیر مسکوک ڈلیوں کو 'سرمایۂ مضاربت کے طور پر' کارندے کے سپرد کرنا 'کہ اس مال سے تجارت کرے' خارج ہو گیا - اس کی دو صورتیں ہیں :

ایک صورت یہ ہے کہ معاملۂ مضاربت ایسے شہر میں ہو جہاں سکوں کا معاملہ ہوتا ہے ، غیر مسکوک سے قطعاً نہیں ہوتا - دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شہر ایسا ہو جہاں ڈھلے ہوئے سکوں سے بھی اور بن ڈھلی ڈلیوں سے بھی (دونوں طرح) لین دین ہوتا ہے - ان دونوں حالتوں میں سکوں کے علاوہ اور کسی شے کو سرمایۂ مضاربت بنانا منع ہے - تاہم اگر معاہدہ ہو گیا اور کارکن نے اس کے بموجب کاروبار کیا تو اب چاہیے کہ وہ اپنے کام کو جاری رکھے - اسے (مقررہ حصہ کی بجائے) صرف قراض المثل کا حق ہوگا (یعنی صرف اس قدر حصہ جو اس طرح کے کاروبار میں بالعموم ہوا کرتا ہے) درآنحالیکہ اس نے سونے چاندی کی ڈلیوں ہی کو نقدی (یا سرمایۂ مضاربت) بنایا ہو - لیکن اگر سونے چاندی کی ڈلیوں کو اس نے پہلے فروخت کیا اور پھر اس کی قیمت سے تجارت کی تو اسے ''قراض المثل'' کے علاوہ اتنی مقدار میں (چاندی سونے) کے فروخت کی جو اجرت ہوتی ہے (یعنی کمیشن) وہ بھی ملے گا بشرطیکہ اس کی اجرت کا رواج ہو - یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ قراض المثل کا مطلب ہے منافعہ میں سے اتنا ہی حصہ جتنا کہ بالعموم اس قدر مال کے معاملۂ مضاربت میں ہوتا ہے - اور اس صورت میں جس قدر حصہ جو معاملہ کے وقت مقرر ہوا تھا اس کو نظرانداز کر دیا جائے گا - اگر کاروبار میں کچھ فائدہ نہ ہوا تو کارکن کو کچھ نہ ملے گا -

← اگر عقد مضاربت ایسے شہر میں ہوا جہاں صرف سونے چاندی کی ڈلیوں سے لین دین ہوتا ہے اور لوگ ڈھلے ہوئے سکے سے نا واقف ہیں تو معاملۂ مضاربت (ڈلیوں ہی میں) درست ہوگا اور کارکن کو نفع میں سے وہی حصہ ملے گا جو معاہدے میں طے پایا تھا۔

یاد رہے کہ (مضاربت کے معاملہ میں) پیسے کا حکم وہی ہے جو سونے چاندی کے ٹکڑوں کا ہے۔ اسی طرح قرش (سکہ) ہے جو تانبے سے بنایا جاتا ہے یعنی اُسے مضاربت کے لیے سرمایہ بنانا درست نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا گیا اور اسی پر معاملۂ مضاربت ہوا تو وہ معاملہ فاسد ہوگا۔ کارکن کو چاہیے کہ اُسے واپس کر دے۔ اگر اس طرح اس کو کاروبار میں لگایا تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ابھی بتایا گیا کہ اگر مضارب نے ان قرشوں کو سونے چاندی کی نقدی سے فروخت کردیا اور اُس کی قیمت سے کاروبار کیا تو اُس کے فروخت کی اجرت (یا کمیشن) اور ''قراض مثل'' کا حق دار ہوگا (قراض مثل سے مراد نفع میں سے اس قدر حصہ ہے جو بالعموم اُس جیسی رقم کی مضاربت میں ہوتا ہے)۔

تعریف میں یہ قید جو لگائی گئی ہے کہ وہ سرمایہ جو کاروبار (مضاربت) میں لگانا ہے فوری طور پر کارکن کو دے دینا چاہیے، اس کے خلاف تمام صورتیں اس شرط کے لگانے سے نکل گئیں۔ اس شرط کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت (فوری ادائیگی کی) قرض ہے، مثلاً مالک مال نے کارکن کو قرض دے رکھا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ میرا قرضہ جو تمہارے ذمہ ہے اُس (رقم قرض) سے بطور مضاربت نفع میں سے ایک تہائی یا کسی اور حصہ پر کاروبار کرو۔ یہ مضاربت فاسد ہوگی۔ اگر کارکن نے قرض واجب الادا کی رقم سے کاروبار کیا تو اس سے جو نفع یا نقصان ہوگا وہ اُس کا ہوگا۔ قرضہ بدستور باقی رہے گا اور مقروض اُس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح اگر مالک مال نے کارکن کو اپنا وکیل بنایا کہ فلاں شخص کے ذمہ جو میرا قرض ہے تم اُسے وصول کرکے کاروبار چلاؤ، منافع میں سے اس قدر حصہ تمہارا ہوگا وغیرہ۔ یہ مضاربت بھی فاسد ہوگی۔ اگر کارکن نے اس شرط پر کام کیا تو وہ وصولی قرض کے معاوضے کا بشرط رواج اور قراض المثل کا حقدار ہوگا، یعنی منافع میں سے ←

←صرف اُس قدر حصہ لے گا جتنا کہ اس قدر مال کی مضاربت میں بالعموم ملتا ہے، خواہ وہ حصہ اُس کے مطابق ہو جو معاہدہ کے وقت طے ہوا تھا یا نہ ہو، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اگر یہ صورت ہو کہ مقروض قرض ادا کر دے اور مالک اُسے وصول کر لے اور پھر اُسی رقم سے اُس کے ساتھ معاملۂ مضاربت کر لیا تو درست ہے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ مقروض مال دینے کے لیے لایا لیکن مالک نے وصول نہیں کیا (اور مقروض کارکن نے اسے کاروبار میں لگا دیا) لیکن ایسی حالت میں یہ شرط ہے کہ مقروض دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کرے کہ وہ شخص ادائے قرض کی غرض سے رقم لے کر آیا تھا اور اب اس قرض سے بے باق ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس رقم کو مضاربت کے لیے سرمایہ بنایا جا سکتا ہے۔

دوسری صورت 'رہن' کی ہے کہ کارکن کے پاس ایک رقم سکوں کی شکل میں اس قرض کے بدلے جو اسے مالک سے لینا ہے رہن رکھی ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں اگر مال کا مالک رہن رکھنے والے سے کہے اس رقم مرہونہ کو بطور مضاربت کاروبار میں لگاؤ جو نفع ہو گا اس میں نصف کے شریک ہو گے تو یہ معاملہ اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ قرض جو اس (مالک) کے ذمہ ہے بے باق نہ ہو جائے۔ اس کی مثال وہ ہے جو اس زمانہ میں املاک والے کرایہ داروں کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان سے اس کرایہ کے بدلے جو ان پر قرض ہے امانت، ہدیہ یا رہن کے طور پر مال رکھ لیتے ہیں۔ اب یہ جائز نہیں ہے کہ جس نے بطور امانت مال رکھا ہے وہ امانت دار سے کہے کہ اس مال سے نصف منافع پر بطور مضاربت کاروبار کرو (تو درست نہ ہوگا)۔ ظاہر ہے کہ اگر شے مرہونہ سامان تجارت یا جانور ہے تب تو ایسا معاملہ ممنوع ہے ہی کیونکہ (ایسی چیزوں کو) مضاربت کے لیے سرمایہ بنانا درست نہیں ہے جیسا کہ بتایا گیا۔ اسی طرح کوئی مال مرہونہ امانت دار کے پاس ہے تب بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اس قرض کی بے باقی سے پہلے جس کے بدلے وہ مال رہن رکھا گیا ہے۔ رہن رکھنے والا امانت دار سے کہے کہ اس مال امانت سے منافع کے ایک حصہ پر بطور مضاربت کاروبار کرو۔

تیسری صورت (فوری ادائیگی کی) وہ مال ہے جو کارکن کے پاس امانت کے←

← طور پر ہو یعنی ایک شخص نے کسی کے پاس امانتاً اپنا مال رکھا ہو تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو کہے کہ نصف منافعہ کے عوض اس مال امانت سے (بطور مضاربت) کاروبار کرلو - ہاں اگر وہ شخص مال امانت واپس لا کر اس کے مالک کو دے دے تو اب یہ درست ہے کہ مالک وہ مال کارندے کو مضاربت کے لیے دے - یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ امانت دار مال لے کر آئے لیکن اس کے مالک کے حوالے نہ کیا گیا ہو - نیز مال امانت کی واپسی کے لیے گواہ کی حاجت نہیں ہے - اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ مال امانت امانت دار کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں ہو اور اس سے معاہدۂ مضاربت کیا جائے تو درست نہ ہوگا ، چنانچہ اگر کسی نے ایک شخص کے پاس نقد مال امانت رکھا اور امانت دار کو مال امانت (کے تحفظ میں) اندیشہ لاحق ہوا اور اس نے وہ مال مالک مال کی اجازت سے کسی اور کی تحویل میں رکھ دیا تو اس مال کو بھی مضاربت کے لیے سرمایہ بنانا درست نہیں ہے - لہٰذا اگر امانت دار مالک سے اجازت لے کر اس مال کو کاروبار میں لگالے تو اس کا نفع مالک کو ملے گا اور نقصان ہوا تو اسی کا ہوگا - کارندہ کو اس کی مناسب اُجرت کا حق ہے اور شے مرہونہ امانت کی حیثیت میں ہوگی - لیکن اگر مالک مال کی اجازت کے بغیر اس مال کو کاروبار میں لگایا تو نفع نقصان کارکن کے ذمہ ہوگا -

مضاربت کی تعریف بالا سے عقد مضاربت کے صحیح ہونے کی چند شرطیں نکلتی ہیں جن کی تعداد دس ہے : ایک مال کا فوری طور پر مضارب کے سپرد کیا جانا - اگر تاخیر کی شرط رکھی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا - دوسرے بوقت معاملہ سرمایہ کی حقیقت اور مقدار کا علم ہونا ، مثلاً یہ کہ سرمایہ سو مصری اشرفی ہوگا - لہٰذا غیر معینہ رقم پر مضاربت کا معاملہ درست نہیں ہے - تیسرے اصل سرمایہ کا ذمہ داری سے بری ہونا ہونا لہٰذا اگر مالک مال نے کارندہ پر یہ شرط عاید کر دی کہ مال کے تلف ہونے پر وہ لامحالہ تاوان کا ذمہ دار ہوگا تو معاہدۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا تاہم اگر اس شرط پر کارکن کاروبار چلا لے تو وہ اس کے نفع میں سے محض قراض مثل (یعنی عام طور پر جو حصہ ہوا کرتا ہے اس) کا حق دار ہوگا اور اگر وہ مال حفاظت میں کوتاہی نہ کرنے کے باوجود تلف ہو جائے تو اس کا تاوان لازم نہ ہوگا - چونکہ یہ پابندی غلط ہے لہٰذا اس پر عمل ←

نہ کیا جائے گا - ہاں اگر کارکن نے بخوشی خود اس مال کے تحفظ کی ذمہ داری اوڑھ لی ہے ، بغیر اس کے کہ مالک نے اس کا مطالبہ کیا ہو تو (ایسی صورت میں) کہا جاتا ہے کہ معاملہ مضاربت صحیح ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح نہ ہوگا - اگر مالک مال نے مضارب کو مال دے کر کہا کہ تم اس امر کی ضمانت دو کہ بدعنوانی سے یہ مال تلف نہ کروگے تو یہاں تک درست ہے - لیکن اگر اس امر کی ضمانت طلب کی کہ بدعنوانی سے یا کسی وجہ سے بھی مال تلف نہ ہوگا تو مضاربت فاسد ہوگی اور یہ شرط لازم نہ ہوگی -

چوتھے یہ کہ سرمایہ وہ ہو جس کے ساتھ اہل شہر کاروبار کرتے ہیں ، خواہ وہ سکے ہوں یا سکے نہ ہوں -

پانچویں یہ کہ نفع میں کارکن کا حصہ آدھا یا تہائی وغیرہ بیان کردیا جائے - اگر اس کو بالکل نہیں بتایا مثلاً یوں کہا کہ تم اس (مال کو) کاروبار میں لگاؤ اس سے جو نفع ہوگا اس میں سے ایک حصہ یا ایک جز تمہارا ہوگا وغیرہ ، اور کارکن نے اس مبہم شرط کے باوجود اسے کاروبار میں لگایا تو کارکن کو صرف قراض مثل (یا مناسب حصہ) مل جائے گا - ہاں اگر اس جیسے کاروبار میں کوئی عام دستور کے مطابق حصہ ہوتا ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا - چنانچہ اگر رواج کا تقاضا یہ ہے کہ کارکن کو نصف ملے تو نصف ملے گا - اگر کم یا زیادہ کا دستور ہے تو اتنا ہی ملے گا -

اگر یوں کہا کہ تم کام کرو نفع میں ہم دونوں شریک ہوں گے تو اس کو (حصہ کا) تعین سمجھا جائے گا کیونکہ اس کے معنے بالعموم نفع میں مساوی شرکت کے ہیں - اس صورت میں کارکن کو نصف منافع کا حق ہوگا -

چھٹے یہ کہ بجز اس حصہ کے جو کسی فریق کا حق ہے کوئی اور متعین شے کا حق دار ہونے کی شرط نہ ہو ، لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ کسی ایک فریق کو تہائی یا نصف حصہ مقررہ کے علاوہ مزید مثلاً پانچ یا دس اشرفیوں کا حق دار قرار دیا جائے - البتہ کارکن کو یہ حق ہے کہ کار تجارت کے سلسلہ میں بعض لازمی اخراجات ہوں یا بعض مسائل کے حل میں جو مصارف ہوں وہ (اپنے حصہ کے علاوہ) ضرورت کے مطابق لے سکے -

ساتویں یہ کہ نفع میں جو حصہ بھی ہو وہ شرکت کے اصول پر ہو مثلاً آدھا یا تہائی وغیرہ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ (کسی کے حصہ کی) خاص مقدار متعین کر دی جائے جیسے کارکن کو یہ کہا جائے کہ تم کو نفع میں سے بیس اشرفی ملے گی۔

یہ بھی درست نہیں کہ حصہ کی مقدار کسی نظیر معلومہ کی بنا پر طے ہو مثلاً یہ کہنا کہ تم بطور مضاربت کام کرو تمہیں نفع میں اتنا حصہ ملے گا جتنا فلاں شخص لیتا ہے۔

اس سوال کا کہ آیا کارکن یا مالک مال پورے کے پورے نفع کا حق دار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن یہ معاملہ مضاربت کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ یہ بتایا گیا ہے کہ مضاربت میں یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص مالک کے مال سے تجارت کرے جس کے نفع میں سے ایک حصہ اس کارکن کو ملے گا۔

آٹھویں یہ کہ کاروبار کے لیے کارکن ہی کو مخصوص کیا جائے لہٰذا یہ شرط صحیح نہ ہوگی کہ مالک مال یا کوئی اور، کارکن کے ساتھ مشترکہ طور پر کام کرے۔ بصورت دیگر یہ معاملہ فاسد ہوگا۔

نویں یہ کہ کارکن کے کام میں کوئی پابندی عاید نہ کی جائے۔ مثلاً یہ کہ موسم گرما کے سوا کسی اور موسم میں تجارت نہ کرنا، یا یہ کہ روئی یا گندم کی فصل آنے پر تجارت کرنا وغیرہ یا کسی وقت میں کاروبار کی پابندی وغیرہ۔ ایسا ہوا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اس میں کارکن مناسب اجرت کا حق دار ہوگا اور نفع یا نقصان مالک مال کا ہوگا۔

دسویں یہ کہ کاروبار کے لیے کوئی مدت مقرر نہ کی جائے۔ اگر مدت مقرر کی گئی، مثلاً یوں کہا کہ ایک سال تک کاروبار کرو یا یہ کہا کہ ایک ماہ کے بعد کاروبار کرنا تو مضاربت فاسد ہوگی اور کارکن قراض مثل کا حق دار ہوگا، اجر مثل کا نہیں (یعنی نفع میں سے وہ حصہ جو عام طور پر ایسے معاملوں میں ہوتا ہے نہ کہ وہ مزدوری جو عام طور پر اس کام کی ہوتی ہے اس کا حق ہے) کیونکہ مقدم الذکر کے مقابلہ میں یہ کم ہے۔ دراصل پہلی صورت میں

- کارکن کو بڑی جدوجہد سے کام لینا پڑتا ہے بخلاف دوسری صورت کے جس میں کام سامنے ہوتا ہے اور جتنے عرصہ تک کرنا ہے وہ بھی متعین ہے۔

معاملۂ مضاربت کی حیثیت یہ ہے کہ یہ عمل امر جائز ہے۔ اس کے ارکان (ضروری اجزا) یہ ہیں: سرمایہ، کاروبار، نفع، فریقین معاملہ اور قول و قرار کے الفاظ۔ اس سے تم کو معلوم ہوگیا کہ یہ (مضاربت) ایک معاہدۂ سپردگی ہے لہٰذا اس کے لیے لفظ (یا زبان سے کہنا) ضروری ہے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ اس مال سے مضاربت کا کاروبار کرو اس کا معاوضہ نفع میں سے اتنا حصہ ہوگا۔ اور کارکن کہے کہ مجھے منظور ہے۔ اور یہ اس لیے (ضروری) ہے کہ کسی کام کے سپرد کرنے کے لیے لفظ کا استعمال ضروری ہے، اس کے لیے محض لین دین کافی نہیں ہے کہ کسی شخص کو مال سپرد کر دیا جائے اور کام کرنے والا اس کو لے کر کاروبار میں لگا دے اور (زبان سے) کچھ نہ کہا گیا ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ایک عقد اجارہ (اُجرت پر کسی کو لگانا) ہے لہٰذا اس میں لفظ کے استعمال کرنے (یا زبان سے کہنے) کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لین دین کا ہو جانا کافی ہے جیسے خرید و فروخت کا معاملہ ایسے قرائن سے ہو جاتا ہے جو خرید و فروخت پر دال ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مضاربت یہ ہے کہ صاحب مال اپنے مال کی ایک خاص مقدار کسی کے حوالے اس شرط پر کر دے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے۔ اس کے نفع میں سے ایک مقررہ حصہ کا وہ شریک ہوگا۔ اس میں ضروری ہے کہ سرمایہ نقدی سکوں کی شکل میں ہو۔

اگر کسی کے پاس رقم امانت رکھی ہے اور مالک مال نے کہا کہ اس رقم امانت سے بطور مضاربت کاروبار کرو تو یہ بھی مال حوالہ کر دینے کے برابر ہے۔ پس حنابلہ کے نزدیک مال امانت کے ساتھ معاملہ کرنا درست ہے۔

واضح ہو کہ مختلف حالات میں مضاربت کی حیثیت مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ابتدا میں مضاربت ایک معاملۂ امانت ہے۔ پھر وہ وکالت کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ کارکن مالک کی اجازت سے اس کا مال کاروبار میں لگاتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ 'وکیل' ہوتا ہے اور مال اس کے پاس بطور امانت ہے۔ اب اگر کاروبار سے

ے۔ فائدہ ہوا تو مضاربت کا معاملہ مشارکت کا معاملہ ہو گیا کیونکہ فریقین نفع میں شریک ہیں۔ اگر معاملۂ مضاربت فاسد قرار پائے تو یہ معاملۂ اجارہ (آجرت پر کام کرنا) ہوگا کیونکہ اس حالت میں کارکن ''آجرت مثل'' کا حق دار ہوگا (یعنی اس قدر آجرت کا جو اس طرح کے کاموں میں بالعموم ہوتی ہے)۔ اگر کارگذار نے اس مقصد کے خلاف عمل کیا جس کے لیے مال اس کو سپرد کیا گیا تھا تو یہ غصب (ناجائز تصرف) متصور ہوگا۔ ایسی حالت میں کارکن پر لازم ہے کہ تمام مال اور حاصل شدہ نفع مالک مال کو واپس کر دے۔ محنت کے معاوضہ کا اسے کوئی حق نہیں ہے کیونکہ غاصب کے بارے میں یہی حکم ہے۔

معاملۂ مضاربت کا رکن ایجاب و قبول (باہمی قول و قرار) ہے۔ یہ (قول و قرار) ایسے الفاظ (یا بات چیت) سے ہو جاتا ہے جس کا مطلب مضاربت یا قراض یا عمل پر لگانا وغیرہ ہو کیونکہ بات چیت کا مقصد یہ ہے کہ مدعا پورا ہو جائے اور یہ ہر ایسی گفتگو سے ہو سکتا ہے جس سے وہ مفہوم نکلتا ہو۔ اس کے لیے محض لین دین کا عمل بھی کافی ہے۔ لہٰذا اگر کارکن نے مال لے لیا اور کاروبار شروع کر دیا تو معاملہ طے شدہ ہو گیا، خواہ (منہ سے) یہ نہ کہا ہو کہ 'مجھے منظور' ہے۔ غرض اس کے لیے خاص لفظ کا استعمال کرنا شرط نہیں ہے جیسا کہ وکیل بنانے میں شرط ہے۔

مضاربت کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ کارکن کا حصہ بیان کر دیا جائے کہ آدھا ہوگا یا تہائی وغیرہ کیونکہ اگر (بتا دینے کی) یہ شرط نہ ہوئی تو اسے کچھ بھی لینے کا حق نہ ہوگا۔ اگر حصہ کی وضاحت قطعاً نہ کی گئی اور صرف یہ کہا کہ اس مال کو لے کر بطور مضاربت کام کرو، منافعہ میں سے کارکن کا حصہ نہیں بتایا، یا غیر واضح طور پر بتایا کہ یہ مال لو اس کے نفع میں سے تمھارا ایک حصہ یا کچھ حصہ ملے گا، تو یہ معاملۂ مضاربت فاسد متصور ہوگا۔ اگر کارکن نے اسی حال میں کاروبار کیا تو اس میں جو فائدہ یا نقصان ہو وہ مالک مال کا ہوگا۔ کارکن کو محض 'آجرت مثل' (جو بالعموم ایسے کاموں میں ہوتی ہے) مل جائے گی۔

اگر مالک نے یہ شرط لگائی کہ نفع تمام کا تمام وہ خود لے گا تو یہ معاملہ بے

۔ مضاربت نہیں ہے بلکہ اسے ''ایضاع'' کہتے ہیں یعنی کسی کو بغیر اجرت کے کام پر لگانا ۔ ایسی صورت میں تمام نفع مالک مال کا ہے اور کارکن کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ ایسی صورت میں اس شخص کی حیثیت ایک رضا کار وکیل کی سی ہوگی ۔ اگر مالک مال نے یہ شرط لگا دی کہ کارکن اس کے مال کا ضامن (یعنی نقصان کا ذمہ دار) ہوگا تو اس شرط پر عمل نہ ہوگا، کیونکہ اس شرط کے معنے یہ ہیں کہ وہ مال امانت بلاضمانت ہے بشرطیکہ کارکن نے بدعنوانی یا زیادتی سے کام نہ لیا ہو؛ اگر ایسا کیا ہے تو حرجانہ کا ذمہ دار ہوگا ۔

اگر یہ شرط لگائی گئی کہ تمام نفع کارکن کا ہوگا تو اس سرمایہ کی حیثیت مال قرض کی ہوگی ۔ اس صورت میں مالک مال کو نہ نفع کا حق ہے اور نہ وہ خسارہ کا ذمہ دار ہے ۔ البتہ کارکن (بصورت خسارہ) تاوان کا ذمہ دار ہے یہاں تک کہ اگر مالک مکان نے کارکن کو یہ بھی کہہ دیا ہو کہ تم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی تو یہ شرط نافذ العمل نہ ہوگی اس واسطے کہ قرض کے معاہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ قرض دار مال قرض (کی واپسی) کا ذمہ دار ہو کہ اگر اس میں کچھ یا تمام کا تمام تلف ہو جائے تو اس کی تلافی قرض دار کے ذمہ ہے ۔

منجملہ شرایط مضاربت کے ایک یہ ہے کہ سرمایہ کا علم فریقین کو ہو لہٰذا اگر ایک تھیلی میں اشرفیاں ہوں جن کی تعداد نہ معلوم ہو نہ بتائی گئی ہو اور اس پر مضاربت کا معاہدہ کیا جائے تو درست نہ ہوگا کیونکہ اس میں ایسی غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ نفع کا تعین نہ ہو سکنے کے باعث موجب نزاع ہو جائے ۔

ایک شرط یہ ہے کہ (بوقت معاہدہ) سرمایہ موجود ہو، لہٰذا غیر حاضر مال یا ایسے مال پر جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو معاہدۂ مضاربت درست نہیں ہے ۔ ہاں اگر مالک مال (قرض خواہ) نے یوں کہا کہ وہ قرض جو مجھے فلاں شخص سے یا تم سے لینا ہے اسے لے کر بطور مضاربت کاروبار کرو تو یہ درست ہے ۔ اسی طرح اگر یوں کہا کہ میری امانت (کا مال) جو فلاں شخص کے یا تمھارے پاس ہے تم اسے لے کر بطور مضاربت کام کرو تو درست ہے کیونکہ ایسی حالت میں گویا کارکن کو قرض یا امانت کی رقم وصول کرنے کے لیے وکیل بنایا اور ۔۔

ہ معاہدۂ مضاربت کو اس کی وصول یابی پر اٹھا رکھا گیا ہے اور معاملۂ مضاربت میں ایسا کرنا درست ہے۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ سرمایہ سونے یا چاندی کے ڈھلے ہوئے حکومت کے جاری کردہ سکوں میں ہو۔ اگر سونا چاندی بن ڈھلی ڈلیاں ہوں یا پیسے یعنی سونے چاندی کے علاوہ اور کسی دھات مثلاً تانبے وغیرہ کے بنے ہوئے سکے ہوں تو ان پر معاہدۂ مضاربت درست نہیں ہے خواہ وہ سکے رائج ہوں یا رائج نہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ سامان تجارت کو سرمایۂ مضاربت بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی نے ایک شخص کو کہا کہ یہ کپڑے یا گندم یا بھیڑ بکری جس کی قیمت مثلاً سو اشرفی ہے اس کو مضاربت کے طور پر فروخت کرو، منافعہ میں ایک حصہ کی شرکت تمھاری ہوگی تو یہ صورت درست نہ ہوگی کیونکہ بعض اوقات اس مال تجارت کا نرخ آپ ہی بڑھ جاتا ہے اور محنت کیے بغیر ہی منافع حاصل ہوتا ہے، اس صورت میں کارکن کو بغیر کسی محنت کے نفع مل جائے گا اور صاحب مال پر زیادتی ہوگی (کہ بے سبب اس کو نفع میں سے دینا پڑے گا)۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اس کو فروخت کرو اس کی قیمت سے زیادہ جو نفع ملے گا اس میں سے آدھا تمھارا ہو گا کیونکہ اس مال کی قیمت اتنی بڑھ سکتی ہے کہ (موجودہ قیمت اور) اس کا منافع اس میں شامل ہو جائے جو کارکن نے حاصل کیا تو اس صورت میں کارکن کو کچھ نہ ملے گا (کیونکہ جتنے میں وہ مال بکا ہے اس کی موجودہ قیمت اتنی ہی ہے تو گویا منافع کچھ نہ ہوا) یہ تمام صورتیں موجب نزاع ہیں (اس لیے ممنوع ہیں)۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ روئی لے لو اور اسے فروخت کرو اور جو دام اس سے حاصل ہوں اس کو بطور مضاربت کاروبار میں لگاؤ کیونکہ اس صورت میں گویا مالک نے کارکن کو فروخت کرنے کے لیے وکیل بنایا اور جو رقم اس سے حاصل ہو اس سے بطور مضاربت کام کرنے کو کہا تو وہ روئی ایک امانت ہوئی اور مضاربت کے معاہدہ کو کسی امر پر موقوف رکھنا ہوا جو جائز ہے۔ لیکن یوں کہنا کہ میں تمھارے ساتھ اس سامان کی قیمت پر مضاربت کرتا ہوں، درست نہیں ہے کیونکہ فروخت سے پہلے اس کی قیمت نامعلوم ہے اور اس نامعلوم رقم کی بنا پر مضاربت کا معاملہ درست نہیں ہے۔

←

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ تمام منافع میں مشترک ہو، بایں طور کہ اُس کی مقدار آدھا یا تہائی حصہ وغیرہ قرار دی جائے۔ اگر کسی فریق کے لیے کوئی خاص مقدار مقرر کی گئی مثلاً دس یا پانچ اشرفی تو معاملہ فاسد ہوگا۔ اگر شرط یہ ہو کہ نفع فریقین میں مشترک ہو تو درست ہے اور اس کا مطلب نصفا نصف منافع ہوگا۔ اگر معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے تو تمام (حاصل شدہ) نفع مالک مال کا ہوگا اور خسارہ بھی وہی برداشت کرے گا، کارکن صرف اجرمثل کا حقدار ہوگا (یعنی وہ اجرت جو ایسے کاموں میں ہوا کرتی ہے) اس میں خواہ نفع ہو یا نقصان۔

حسب ذیل چند شرطیں ایسی ہیں جن سے معاملہ تو فاسد نہیں ہوتا لیکن وہ شرایط بے کار ہیں، اُن پر عمل نہ کیا جائے گا۔ مثلاً یہ کہ مالک کہے کہ خسارے میں میرا حصہ منافع کے حصہ کی بہ نسبت زیادہ ہوگا (یعنی نقصان ہوا تو زیادہ حصہ نقصان میں میرا ہوگا اور فائدہ ہوا تو دونوں کا حصہ برابر ہوگا۔ یا یہ شرط کہ مالک اس سامان کو جو کارکن خریدے گا خود ہی استعمال کرے گا یا یہ شرط کہ یہ شرکت ایک مقررہ مدت تک رہے گی کہ فریقین میں سے کسی کو اُس کے فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا یا کوئی ایسی شرط جو کارکن کو سرمایہ کو بکار لانے میں رکاوٹ کا موجب ہو مثلاً یہ کہ وہ خاص مال کے سوا اور کسی شے کی خرید و فروخت نہ کرے گا۔ یا فلاں شخص کے سوا اور کسی سے نہ خریدے گا۔ یہ تمام شرطیں فاسد ہیں؛ نہ تو مانی جائیں‌گی اور نہ اُن پر عمل ہوگا۔ تاہم معاہدۂ مضاربت بدستور باقی رہے گا، وہ فاسد نہ ہوگا۔

عہد مضاربت کے لیے کسی معینہ مدت کا تعین درست ہے مثلاً یوں کہنا کہ ان اشرفیوں سے بطور مضاربت ایک سال تک تجارت کرو، سال بھر کے بعد خرید و فروخت نہ کرنا درست ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مضاربت یا قراض کا معاہدہ یہ ہے کہ کوئی شخص خاص شرایط کے تحت کاروبار کرنے کے لیے اپنا مال کسی کے حوالے کر دے کہ وہ اُس مال سے تجارت کرے جس کے عوض اُسے نفع میں سے ایک حصہ ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مضاربت کی بنا چھ رکنوں پر قائم ہے۔ مال کا مالک،

ہے سرمایہ جو لگایا جائے ، کارکن جو اس سے تجارت کرے اور معاہدہ جس کے لیے قول و قرار کے الفاظ استعمال کیے جائیں ۔ اسے ایجاب و قبول (یا پیشکش اور منظوری) کہتے ہیں ۔ جب تک یہ امور نہ ہوں مضاربت نہیں ہو سکتی ۔ ان امور کی صراحت تمام (فقہا) نے مضاربت کی تعریف میں کر دی ہے بجز صیغہ (یعنی الفاظ ایجاب وقبول کے) کہ اس کا ذکر ضمناً لفظ عقد (یا معاہدہ) میں آ جاتا ہے کیونکہ معاہدہ میں الفاظ کا تبادلہ ضروری ہوتا ہے ۔ رکن اس کو کہتے ہیں جس کے بیان کرنے پر معاہدہ کا ہونا موقوف ہوتا ہے ۔ یہاں پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کام اور نفع معاہدہ کے بعد آتے ہیں تو یہ دونوں اس کا رکن کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ معاہدہ کا وجود رکن پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ (موجود ہونے کا) مقصد یہاں پر یہ ہے کہ معاہدہ ان کے ذکر کرنے پر موقوف ہے کہ اگر معاہدے میں اُن کا ذکر نہ ہو تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا ۔ اب ذکر کیا جانا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ اُن کا فی الواقع موجود ہونا معاہدہ کے بعد ہوا ہے ، معاملۂ بیع کے ارکان میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ رکن کی دو قسمیں ہیں : ایک رکن اصلی ، وہ امر جو کسی شے کی ماہیت میں داخل ہو ، یہ ایجاب و قبول ہے اور دوسرے غیر اصلی ، وہ امور جن پر کسی چیز کا پایا جانا موقوف ہو ۔ قسم اول کے لحاظ سے صرف ایجاب و قبول مضاربت کا رکن ہے اور قسم ثانی کی رو سے اس کے ارکان کی تعداد وہ ہے جس کا ذکر شافعیہ نے کیا ۔ تمام معاملات میں یہی امور پیش نظر رہتے ہیں ۔

مضاربت کے صحیح ہونے کی شرطوں کا تعلق ان ارکان میں سے ہر ایک کے ساتھ (جدا جدا) ہے ۔ چنانچہ کارکن اور مالک دونوں کی بابت مشترکہ طور پر یہ شرط ہے کہ فریقین تصرف کے اہل ہوں جیسا کہ تمام معاہدوں میں یہ شرط لازمی ہے ، لہذا اگر کوئی بچہ (نا بالغ) یا جنون زدہ کرے ، یا جبراً کرایا جائے یا کوئی بے تعلق شخص جو مال کا مالک نہ ہو یا کوئی اور ایسا ہی (نا اہل) شخص کرے تو درست نہ ہوگا۔ نابینا شخص کا معاہدۂ مضاربت کرنا درست ہے لیکن اُسے کسی کو وکیل بنانا ہوگا جس کی معرفت وہ معاملہ کیا جائے ۔ ان کے علاوہ صرف کارکن کے لیے یہ شرط ہے کہ کام مستقل طور پر وہی کرے اور صرف اُسی کو تصرف کا اختیار ہو ۔ پس اگر یہ شرط لگا دی گئی کہ کوئی اور ہے

شخص اُس کے کام میں شریک ہوگا تو معاہدہ فاسد ہوجائے گا ۔ مالک مال کا غلام (بردہ) اس سے مستثنیٰ ہے؛ اگر کارکن کے ساتھ اُس کے کام کرنے کی شرط لگائی جائے تو درست ہوگا لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں :

ایک یہ کہ وہ غلام کارکن کا جانا پہچانا شخص ہو ۔ دوسرے یہ کہ مال کا کسی قدر حصہ بھی اُس غلام کے قبضہ و تصرف میں نہ ہو ۔ تیسرے یہ کہ اس کے شریک کار ہونے سے کارکن کے کام میں رکاوٹ نہ ہوتی ہو ۔ مثلاً یہ شرط لگا دی جائے کہ کارکن اس کے بغیر کوئی کام نہ کرے گا ۔ اگر ان شرایط میں سے کسی شرط کو پورا نہ کیا گیا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا ۔ اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ کارکن مالک مال سے پوچھے بغیر مال کو خرچ نہ کر سکے گا یا فلاں شخص کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے گا ۔ یہ تمام شرایط کارکن کا ہاتھ باندھ دیتی ہیں اور اس طرح اُسے غفلت اور بے پروائی کرنے کا عذر ہاتھ لگ جائے گا ۔ اور چونکہ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ شخص مال کے امانت دار کی حیثیت میں ہوتا ہے ایسی پابندی خود مال کے لیے نقصان دہ اور نزاع کی راہ نکلنے کا سبب ہو جاتی ہے ۔

(معاملۂ مضاربت میں) کاروبار کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں :

اول یہ کہ کاروبار صرف تجارت یعنی خرید و فروخت کا ہو ، لہٰذا مضاربت کے معاملہ میں صنعت و حرفت کا کاروبار نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً یہ کہ کسی جولاہے کے ساتھ عہد مضاربت کیا جائے کہ وہ روئی خریدے ، اُس کا کپڑا بنے اور بنا ہوا کپڑا فروخت کرے ، یا کسی باورچی کے ساتھ عہد مضاربت کیا جائے کہ وہ گندم خریدے پھر اُسے پیسے اور پکائے اور روٹیاں (پکا کر) فروخت کرے ۔ ان صورتوں میں مضاربت درست نہیں ہے کیونکہ یہ محدود کام ہے اس کے لیے تو کسی کام کرنے والے کو اجرت پر لگا لینا ہی درست ہے ۔ اس کے لیے مضاربت کے معاہدہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ معاہدۂ مضاربت کا جواز ایک ضرورت کے پیش نظر ہے ، یہ اُس صورت میں ہونا چاہیے جب کہ اُجرت دے کر کام لینا ممکن نہ ہو ۔ یہ حالت اُس وقت پیش آتی ہے کہ ایک مال دار اس کاروبار تجارت سے جو کارکن انجام دے سکتا ہے واقف نہیں ہے اور وہ خود اس کام کو نہیں کر سکتا تو اُس کے

←لیے روا ہے کہ اس کام کو دوسرے کی معاونت سے انجام دے، بایں طور کہ جس کام کو وہ نہیں جانتا اور اُس کے منافعہ سے بے خبر ہے نفع میں شریک کر کے کسی سے کام لے۔ اب اگر کام کرنے والے کا کام اُس کے اپنے بس میں ہو تو پھر اُس کے لیے معاملۂ مضاربت صحیح نہیں ہے بلکہ چاہیے کہ وہ خاص کام کرانا ہے تو کسی شخص کو ایک مقررہ اجرت پر اس کام کے لیے لگائے۔

اگر کسی سے کار تجارت کا معاہدہ کیا گیا اور کارکن نے بطور خود گندم خریدی اور اُسے پیسا اور پکایا تو اس سے عقد فاسد نہ ہوگا لیکن اس کے اخراجات کارکن کے ذمہ ہوں گے اور مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں تاوان کا ذمہ دار ہوگا، کیونکہ معاہدۂ مضاربت میں کارکن کا فریضہ کاروبار تجارت اور اُس کے متعلقہ امور کی انجام دہی ہے۔ چنانچہ اگر ایسے مال کی تجارت ہے جس میں پیمایش (یا ناپ تول) کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً کپڑے کی تجارت ہے تو کارکن کو اس کا پھیلانا، لپیٹنا اور گز سے ناپنا وغیرہ جن جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب کارکن کے ذمہ ہے۔ اگر مال تجارت پیمانہ یا وزن کی چیز ہے مثلاً گندم یا شکر تو اس کا تولنا ماپنا جو تجارت میں ضروری ہوتا ہے وہ کارکن کے ذمہ ہے۔ روٹی پکانا یا کپڑا بننا امور تجارت میں داخل نہیں بلکہ یہ صنعت و حرفت کے کام ہیں لہٰذا یہ کارکن (تاجر) کے کام نہیں ہیں۔

کاروبار سے تعلق رکھنے والی دوسری شرط یہ ہے کہ کام کرنے والا اپنے کام میں آزاد ہو لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ مال لگانے والا اس پر کوئی پابندی عاید کرے۔

پابندی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ کارکن پر کسی خاص مال کے خریدنے کی شرط عاید کر دی جائے مثلاً یہ کہ ہندی کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ خریدنا۔ ایسی شرط سے معاہدہ فاسد ہو جائے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ خاص اشیاء کے خریدنے سے منع کر دیا جائے۔ یہ شرط قابل عمل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نادر الوجود اشیاء کی خریداری کی شرط ہو مثلاً موسم سرما کے پھل موسم گرما میں خریدنے کی شرط یا یہ کہ چھریرے بدن کے←

← چتکبرے گھوڑوں (ابلق) کے سوا اور کوئی جانور نہ لیا جائے ۔ تاہم یہ شرط ایسی جگہ لگائی جا سکتی ہے جہاں پر یہ بکثرت دستیاب ہوتے ہوں ۔ اس صورت میں یہ شرط درست ہوگی کیونکہ وہ نادرالوجود نہیں ہیں ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص سے سودا کرنے کی شرط لگا دی جائے کہ فلاں شخص سے مال خریدنا یا فلاں کے سوا اور کسی سے نہ خریدنا ۔ اس شرط سے عقد فاسد ہو جائے گا ۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص سے سودا نہ کرنا یا فلاں کے ہاتھ فروخت نہ کرنا ۔ اگر یہ شرط لگائی کہ فلاں مخصوص دکان یا ادارہ سے خریدنا تو عقد فاسد ہو جائے گا ۔ ہاں اگر کسی خاص بازار سے خریدنے کی شرط رکھی تو وہ درست ہے ۔

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ مالک مال تجارت کے مال یا مال کی کسی خاص قسم کا تعین کر دے مثلاً یوں کہے کہ ہندی (یا پاکستانی) گندم خریدنا تو یہ پابندی درست ہوگی بشرطیکہ وہ نایاب نہ ہو جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۔

تیسری شرط (مضاربت) یہ ہے کہ کاروبار کے لیے کوئی مدت مقرر نہ کی جائے ، لہٰذا اگر یہ کہا کہ میں اس مال پر صرف ایک سال کے لیے مقارضہ (مضاربہ) کرتا ہوں تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا خواہ مدت مقررہ کے بعد تصرف کی ممانعت صراحتاً کر دی ہو کہ میں نے ایک سال کے لیے عہد مضاربت کیا ہے اس کے بعد خرید و فروخت بند کر دینا ، یا اس کی کوئی صراحت نہ کی ہو صرف یہی کہہ کر خاموش رہا ہو کہ میں صرف سال بھر کے لیے تمہارے ساتھ معاملۂ مضاربت کرتا ہوں ، بہرحال عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ وقت مقرر کر دینا خاطر خواہ حصول نفع کے منافی ہے ۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ معاملۂ مضاربت کیا ہے کہ سال بھر کے بعد پھر کوئی خریداری نہ کرنا ۔ یہ صورت صحیح ہے کیونکہ اس میں مضاربت کی مدت مقرر نہیں کی گئی بلکہ سال گذرنے کے بعد صرف مال کی خریداری سے منع کیا گیا ہے ۔ اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے بشرطیکہ خرید شدہ مال کو فروخت کرنے سے نہ روکا گیا ہو اور ایسی مدت کا پابند نہ کیا ہو جس سے کاروبار میں رکاوٹ ہو اور وہ نفع سے محروم رہے ۔ تاہم اگر وسیع مدت مقرر کی جائے تو درست ہے جیسا کہ بتایا گیا ۔ اگر ←

← اتنی تنگ مدت رکھی گئی جس میں خاطر خواہ نفع حاصل کرنے کے لیے کوئی سودا نہ کیا جا سکے تو وہ بہرحال درست نہیں ہے -

منافعہ کے باب میں بھی چند امور کی شرط ہے :

اول یہ کہ منافعہ فریقین معاملہ کے لیے مخصوص ہو ، لہذا یہ درست نہ ہوگا کہ اس میں سے کسی اور کا بھی حصہ رکھا جائے - ہاں دونوں کے غلاموں (بردوں) کا کچھ حصہ رکھا جا سکتا ہے - لیکن فریقین میں سے جس کے لیے بھی کسی حصہ کی شرط ہوگی وہ حصہ اس کے آقا کے حصہ میں شامل کر دیا جائے گا -

دوسرے یہ کہ حصہ کا تعین منافعہ کے ایک جزو کی بنیاد پر ہوگا مثلاً (منافعہ کا) آدھا یا تہائی وغیرہ - پس اگر (صرف) یہ کہا کہ میں تمھارے ساتھ نفع میں سے ایک حصہ پر مضاربت کرتا ہوں (اور حصہ کی تعیین نہیں کی) تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا - ہاں اگر یوں کہا کہ میں تمھارے ساتھ مضاربت کرتا ہوں نفع ہم دونوں کا مشترک ہوگا تو درست ہے اور فریقین کا حصہ نصفا نصف متصور ہوگا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے لیکن پہلی بات ہی قابل اعتماد ہے - (معاہدۂ مضاربت میں) کارکن کے حصہ کی وضاحت ضروری ہے لہذا اگر یہ کہا کہ میں تمھارے ساتھ مضاربت کرتا ہوں ، آدھا نفع میرا ہوگا تو بقول صحیح یہ معاملہ فاسد ہوگا کیونکہ اس میں کارکن کا حصہ نہیں بتایا گیا - یہاں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کہنے والے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آدھا منافعہ تو میں لے ہی لوں گا باقی نصف کا جو چاہوں سو کروں اور اس طرح کارکن کو کچھ نہ ملے گا - لیکن اگر کارکن کا حصہ بتا دیا کہ تمھارے ساتھ مضاربت کرتا ہوں نصف نفع تمھارا ہوگا تو بقول معتمد درست ہے کیونکہ باقی نصف بلاشبہ مالک کا حق ہوگا - بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ مالک کے حصہ کا بیان کردینا بھی ضروری ہے - اگر یہ شرط ہو کہ نفع تمام کا تمام کارکن کا ہوگا تو کہا جاتا ہے کہ معاہدۂ مضاربت فاسد ہوجائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فاسد نہ ہوگا لیکن اس صورت میں کہ تمام نفع مالک کا قرار پائے اور معاملہ فاسد متصور ہو تو اس صورت میں نفع اور نقصان دونوں مالک کا ہوگا اور کارکن کو صرف اُجرت مثل (جو اس جیسے ←

← کاموں میں ہوا کرتی ہے) ملے گی جیسے کہ مضاربت فاسدہ کی تمام صورتوں میں ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ (مضاربت نہیں) بلکہ 'ایضاع کا معاملہ ہے (یعنی کسی کو بلا اجرت کام پر لگانا) یہ خیال زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس نے یہ کام رضاکارانہ انجام دیا ہے (لہٰذا اجرت کا مستحق نہیں ہے)۔

یہ شرط کہ فریقین میں سے کسی کو نفع میں سے ایک مقررہ مقدار مثلاً دس اشرفی ملے اور باقی میں باہم شریک ہوں گے درست نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس مقدار سے زیادہ نفع نہ ہو تو دوسرا شریک نفع سے بالکل محروم رہے گا۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ کسی ایک فریق سے خاص قسم کا نفع طے پائے۔

اب رہے الفاظ قول و قرار یعنی ایجاب و قبول وہ یوں ہوتا ہے کہ مالک مال کہے کہ میں تمھارے ساتھ مضاربت کرتا ہوں یا تمھیں کاروبار میں لگاتا ہوں وغیرہ، اور کارکن کہے کہ میں نے قبول کیا یا راضی ہوں۔ اگر ایجاب صیغۂ ماضی کے ساتھ ہو جیسے یوں کہنا کہ میں نے تمھارے ساتھ معاہدۂ مضاربت کیا یا تمھیں کاروبار پر لگایا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ قبولیت کے لیے لفظ استعمال کیے جائیں۔ لیکن صیغۂ امر استعمال کیا مثلاً مالک مال کہے کہ یہ ایک ہزار کی رقم لو اور تجارت میں لگاؤ، اس کا منافع ہم دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ قبولیت کے لیے الفاظ استعمال کیے جائیں جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر (بغیر کچھ کہے کام شروع کر دیا جائے تو (قبولیت کے لیے) کافی ہے۔ لہٰذا اگر وہ رقم لے کر کچھ کہے بغیر کاروبار میں لگا دیا تو معاملہ صحیح ہو گا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ رقم لو اور اس سے مال کی خرید و فروخت کرو، نفع میں ہم دونوں شریک ہوں گے۔

یاد رہے کہ قول و قرار کے بارے میں شرط یہ ہے کہ منافعہ میں جو حصے طے پائیں ان کا ذکر صراحتاً ہو۔ اگر اس کی وضاحت نہیں کی گئی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

مال مضاربت (سرمایہ) کے بارے میں بھی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ ←

ـ ڈھلے ہوئے نقود کی شکل میں ہو، یعنی حکومت کے رائج کیے ہوئے سونے چاندی کے سکے ہوں جن سے کاروبار ہوتا ہے۔ لہٰذا سونے چاندی کی ڈلیوں سے جو کان سے نکلی ہوں اور ان کی مٹی دور کر کے صاف ستھرا نہ کیا گیا ہو معاملۂ مضاربت درست نہیں ہے نیز سونا اور چاندی اگر سکے کی شکل میں نہیں ڈھالا گیا اور نہ کاروبار میں رائج ہے جیسے کنگن اور جھانجھ وغیرہ زیورات ہیں ان کو مضاربت کے لیے سرمایہ نہیں بنایا جا سکتا۔ لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے زیور کسی شخص کو اس لیے دے کہ وہ منافع میں سے ایک حصہ کے عوض اس زیور سے کاروبار کرے تو درست نہ ہوگا۔ اسی طرح سامان تجارت جیسے تانبا، روئی، لباس وغیرہ کے ذریعہ بھی مضاربت کا معاملہ صحیح نہیں ہے۔

تجارت کے سامان میں پیسے بھی شامل ہیں (پیسہ وہ سکہ ہے جو سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا بنا ہوا ہو) ان سکوں کو مضاربت کے لیے سرمایہ نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ تانبے پیتل کے بنے ہوتے ہیں جن کا شمار اموال تجارت میں ہوتا ہے۔ بعض احباب کہتے ہیں کہ پیسوں سے بھی نقدی (سونے چاندی) کی طرح کاروبار کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ نقود میں ہیں، اموال تجارت میں نہیں ہیں، لہٰذا ان کو معاملہ کے لیے راس المال قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ راس المال کی مقدار اور قسم معلوم ہو۔ مثلاً ایک سو مصری اشرفی یا ایک ہزار مصری ریال۔ یہ معلوم نہ ہو تو مضاربت درست نہیں ہے کیونکہ اس میں دھوکا ہو سکتا ہے اور نوبت نزاع تک پہنچ سکتی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال متعین ہو لہٰذا یوں کہنا درست نہیں ہے کہ یہ دو تھیلیاں برابر کی ہیں ان میں سے ایک پر تمہارے ساتھ معاملۂ مضاربت کرتا ہوں۔ لیکن معاملہ کے وقت دونوں میں سے ایک کا تعین نہیں کیا تھا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

اگر یوں کہا کہ ایک سو اشرفی جو میرے ذمہ واجب الادا ہیں ان پر تمہارے ساتھ معاملۂ قراض (مضاربت) کرنے کو تیار ہوں اور یہ آسے بتا دیا تو معاملہ درست ہوگا کیونکہ جو بات معاملہ کے موقع پر بتا دی جائے وہ خود معاملہ کا جزو بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی کا قرض کارکن کے ذمہ ہو یا فریقین ـ

معاملۂ مضاربت کا ثبوت
اور اس کی شرعی اہمیت کی حکمت

مضاربت کا ثبوت صرف اجماع سے ہوتا ہے۔ درحقیقت اس معاملہ کے جائز ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

دراصل یہ معاملہ عہد جاہلیت میں بھی جانا پہچانا تھا، اسلام نے اسے جاری رکھا کیونکہ اس میں مصلحت ہے۔ اسلام کے تمام امور تشریعی میں اس مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اسلام ہمیشہ سے ایک مصلحت پسند مذہب رہا ہے تاکہ مصلحت باقی رہے اور اس کے حاصل کرنے میں لگا رہے۔ لوگوں کو برائی سے بچائے اور اس کے قریب نہ پھٹکنے دے یہاں تک کہ عوام خوشگوار زندگی بسر کر سکیں اور افراد کے باہمی تعاون سے اجتماعی فوائد کی خوبیاں اور برکتیں حاصل ہوں۔ معاملۂ مضاربت میں بعض اوقات ایسی مصلحت ہوتی ہے جو عوام الناس کے لیے لازمی ہے۔ ایسی صورت میں معاملۂ مضاربت ایک عام اصول کے تحت آجاتا ہے کہ جس کام میں بہتری ہو اس کی ترغیب ضروری ہے اور اس کی حیثیت وہی ہوگی جو اس سے حاصل شدہ فائدہ کی ہے۔ مضاربت کے کام میں جس قدر عظیم فائدہ ہوگا اسی قدر شرعی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ اسی لیے بعض اصحاب نے اسے سنت قرار دیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ مضاربت سنت سے ثابت ہے۔ بلکہ اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حیثیت فعل مسنون کی سی ہے۔ یہ ایک اختیاری کام ہونے کی وجہ سے امر جائز ہے تاہم جو لوگ اسے سنت قرار دیتے ہیں اسے بدیں جہت حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں مال سے استفادہ اور غریب آدمی کا فائدہ متصور ہے، بلکہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو یہ عمل لازمی ہو جاتا ہے۔ اس سے بیروز گاری کو کم کیا جا سکتا ہے اور تجارت کی رفتار کو فروغ حاصل ہوتا ہے

← کے علاوہ کسی اور کے ذمہ ہو تو اس پر معاملۂ مضاربت درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی منفعت پر بھی مضاربت درست نہیں ہے، مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ مکان قبضہ میں لو اور اسے کرایہ پر چڑھاؤ اور جب مدت پوری ہو جائے تو اجرمثل، (یعنی معمولی کرایہ) سے جس قدر زیادہ ہوگا اس کا نصف تمہارا ہوگا۔

اور قوم میں اس کو پھیلایا جا سکتا ہے - چنانچہ اگر کسی کے پاس مال ہے لیکن وہ اس کو فروغ دینے اور اس سے مستفید ہونے سے عاجز ہے ، دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس مال نہیں ہے لیکن مال سے بہرہ اندوز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے ، اب کیا یہ (طریق عمل) سنت نہیں ہے کہ مالک مال اپنے مال سے بہرہ مند ہو اور بیروزگار محتاج آدمی اپنی محنت اور کوشش سے مستفید ہو اور ان کے علاوہ دوسرے افراد ملت کو بھی نقدی اور سامان تجارت کے پھیلاؤ سے فائدہ پہنچے -

غرض اس میں شک نہیں ہے کہ یہ کام بھی امور شرعیہ میں سے ہے جس پر عمل کیا جائے گا اور اس کی ترغیب ہوگی - لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ دیانت ، خوش معاملگی حق پسندی اور نیک نیتی کا سختی سے خیال رکھا جائے کیونکہ اسی پر مال دار شخص کے اطمینان اور مزدور کی نجات کا انحصار ہے - پس جس نے یہ کہا کہ یہ سنت ہے وہ اس مفروضہ کی بنا پر ہے کہ تمام مسلمان احکام شرع کے پابند ہیں اور صحیح مسلمان وہ ہے جو امانت دار ہو خیانت شعار نہ ہو ، راست باز ہو دروغ گو نہ ہو، نیک نیت ہو اور اپنے ساتھی کا بد خواہ نہ ہو - مال‌دار لوگ ایسے ہی اشخاص کے ساتھ بڑی خوشی سے کام کرنا پسند کرتے ہیں اور اپنے مال کے تحفظ اور اس سے بہرہ مند ہونے کا یقین رکھتے ہیں - اگر ایسی صورت نہ ہو تو مضاربت ممنوع ہے - اور یہ صحیح نہ ہوگا کہ انسان اپنا مال کسی خائن فضول خرچ اور بد معاملہ کے حوالے کر دے - مال کا تحفظ واجب اور اس کا ضایع کرنا ممنوع ہے -

حاصل کلام یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے پیش نظر یہ ہے کہ جس امر میں بھی بہتری ہو اس کی ترغیب کی جائے اور برائی کا جو موقع بھی ہو اس سے گریز کیا جائے - اس بارے میں مزید تفصیل کتاب الاخلاق (تالیف عبدالرحمان الجزیری) کے دوسرے حصہ میں مذکور ہے -

اسلامی عہد میں معاملہ قراض (یا مضاربت) کی سب سے پہلی مثال حضرت عمرؓ کے دو صاحب زادوں عبداللہؓ اور عبیداللہؓ کا واقعہ ہے - روایات میں جو کچھ آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ اور ان کے بھائی جیش عراق (عراقی فوج) کے ساتھ روانہ ہوئے - ان دنوں حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے گورنر تھے -

یہ دونوں ان کے پاس فرو کش ہوئے۔ انھوں نے دونوں کو خوش آمدید کہا اور عزت افزائی فرمائی اور وہاں پر انھوں نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ بن پڑے تو میں تم دونوں کے لیے کوئی ایسا کام نکالوں کہ جو تمھارے لیے سود مند ہو۔ پھر کہنے لگے کہ میرے پاس اللہ کا مال ہے میں اسے امیرالمؤمنین رض کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں تم اسے قرض کے طور پر لے لو اور عراق سے مال تجارت خرید کر لے جاؤ اور مدینہ میں اسے فروخت کرکے راس المال امیرالمؤمنین کے حوالے کر دو ؛ جو فائدہ ہو اس سے تم دونوں مستفید ہو۔ وہ دونوں اس پر راضی ہوگئے اور ایسا ہی کیا کہ اس رقم سے تجارت کی اور نفع ہوا۔ جب وہ مال امیرالمؤمنین کے حوالے کرنے لگے تو انھوں نے دریافت فرمایا کہ آیا ابوموسیٰ نے تمام لشکریوں کو مال دیا ہے یا خاص طور پر تم دونوں کو دیا ہے؟ انھوں بتایا کہ خصوصیت کے ساتھ ہم دونوں کو دیا تھا۔ امیرالمؤمنین نے فرمایا کہ یہ رعایت انھوں نے تمھارے ساتھ اس لیے کی ہے کہ تم امیرالمومنین کے فرزند ہو۔ غرض ان کو قصوروار ٹھہرایا اور حکم دیا کہ اصل مال اور اس کا منافعہ سب بیت المال میں جمع کرا دو اس پر عبداللہ رض تو خاموش رہے لیکن عبیداللہ رض نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین ایسا آپ کو نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہم اس مال کے ضامن تھے؛ اگر وہ تلف ہو جاتا تو ہمیں بھرنا پڑتا۔ یعنی یہ ایک ضمانتی قرضہ ہے اور قرض دینے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ قرض دار سے کوئی فائدہ حاصل کرے۔ حضرت عمر رض نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور وہی بات پھر دہرائی اور حکم دیا کہ مال مع نفع کے حوالہ کیا جائے۔ عبیداللہ رض نے پھر اس پر اعتراض کیا۔ اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین یہ تو قراض (مضاربت) کا معاملہ ہے۔ یعنی اس کے نفع میں سے نصف بیت المال میں داخل فرمایا جائے اور نصف ان کا حق ہے۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ اچھا اسے معاملہ قراض قرار دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

مالک مال اور کارکن میں سے ہر ایک کے اختیارات خصوصی کا بیان

فریقین میں سے ہر ایک کے لیے کچھ امور مخصوص ہیں جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ مختلف مسالک کی رو سے یہ خصوصی اختیارات تفصیل طلب

ہیں :[1]

۱ - شافعیہ کہتے ہیں کہ کارکن (یا مضارب) کے اختیارات خصوصی حسب ذیل ہیں :

۱- خرید و فروخت کا اختیار : کارکن کو چاہیے کہ وہ یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دے - لہٰذا یہ صحیح نہیں ہے کہ مال اتنے (گراں) دام میں خریدا جائے جس کے متعلق یہ خیال ہو کہ اس میں گھاٹا ہوگا - پس چاہیے کہ نفع بخش سودا کرنے کو ترجیح دی جائے کیونکہ مضاربت کا اصل مقصد ہی یہ ہے - اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ مال تجارت کو نقد کی بجائے آدھار فروخت کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مال مقروض کے پاس جا کر ضایع ہو جائے اور مالک مال کو نقصان اٹھانا پڑے - ایسی حالت میں معاملہ، خرید و فروخت منع ہے - اگر مالک مال نے نقد فروخت سے اسے منع کیا تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا - البتہ کارکن مالک کی اجازت سے آدھار فروخت کر سکتا ہے - اگر مالک نے اجازت دے دی تو اس شرط سے درست ہوگا کہ فروخت کا گواہ کر لے یا قرض لکھ کر دے - اگر ایسا نہ کیا تو فروخت شدہ مال کی ذمہ داری کارکن پر عاید ہوگی ، یعنی اگر مال تلف ہو جائے تو اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا - اسی طرح کارکن کو اختیار ہے کہ مالک کی اجازت سے کوئی مال آدھار بطریق سلم (یعنی پیشگی قیمت دے کر) خریدے - مثلاً بیس بوری گندم اس شرط پر خریدی کہ فلاں شہر میں حاصل کی جائے گی -

۲ - کارکن کو اختیار ہے کہ ایک مال کو دوسرے مال کے عوض خرید کرے (جس کو طریق تبادلہ کہتے ہیں) - مثلاً روئی کی بیس گانٹھیں خریدیں اور بنے ہوئے تیار کپڑے کے عوض فروخت کیا تو درست ہے کیونکہ یہ منافعہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور کارکن کا خاص کام یہی ہے کہ ہر وہ طریق کار اختیار کرے جس میں نفع ہو -

۳ - کارکن کو یہ حق ہے کہ خرید کردہ سامان میں عیب نکلے تو وہ اس کو واپس کر دے بشرطیکہ اس کے واپس کرنے میں بہتری ہو - مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مال کے عیب کو گوارا کر لے اور واپس نہ کرنے دے ،

← کیونکہ مال تجارت کے بارے میں کارکن کو سب کچھ کرنے کا حق ہے - ہاں اگر مال کا عیب اس کے نفع میں کمی کا موجب نہ ہو تو مالک مال اسے رکھ سکتا ہے - ایسی صورت میں 'بقول معتمد' کارکن کو واپسی مال کا اختیار نہ رہے گا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خریداری مال کے بارے میں کارکن ایک وکیل کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کو مطلقاً اختیار ہے کہ مال کا عیب معلوم ہونے پر اسے واپس کر دے - ایسا کرنا درست ہے اور کارکن کو اس مال کی واپسی کا حق ہوگا ؛ خواہ اس عیب کی موجودگی میں نفع ہو یا نہ ہو ، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ (مضارب اور وکیل) دونوں میں فرق ہے - مضاربت کی غرض حصول منفعت ہے لہٰذا اگر اس عیب سے نفع میں کمی نہ آئے تو کارکن کو واپسی کا حق نہیں ہے - بخلاف وکالت کے کہ وکیل کی ذمہ داری یہ ہے کہ بے عیب مال خرید کرے لہٰذا اسے مطلقاً واپسی کا اختیار ہے -

اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ امر مصلحت پر منحصر ہے - اگر مصلحت اس میں ہو کہ اس (عیب دار) مال کو واپس کر دیا جائے لیکن کارکن اسے رکھنا چاہتا ہے اور مالک واپسی کا ارادہ رکھتا ہے تو مالک مال کا ارادہ بہ روئے کار لایا جائے گا - اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ فی الواقع بہتری کس میں ہے ، یعنی اس مال کو رکھ لینا اور واپس کر دینا دونوں یکساں ہو تو کارکن کی بات پر عمل ہوگا کیونکہ کاروبار وہی کر رہا ہے -

کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ مالک مال سے سودا کرے بایں طور کہ کچھ مال تجارت مالک کے ہاتھ فروخت کر دے - اور یہ بھی حق نہیں ہے کہ سرمایہ سے زیادہ قیمت کا سامان خریدے - تاہم مالک مال کی اجازت سے ایسا کرسکتا ہے - اگر اجازت مالک کے بغیر (سرمایہ سے) زیادہ مال خرید لیا تو یہ خریداری اس کے اپنے حساب میں محسوب ہوگی ، مضاربت کے مال میں نہ ہوگی - یہ بھی حق نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر سامان تجارت لے کر سفر کرے - ایسا کیا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا - لیکن اگر اجازت دے دی تب بھی سمندری سفر کرنا درست نہیں ہے ، تاآنکہ اس کی بابت واضح طور پر نہ کہا ہو - یہ حکم خطرے سے بچنے کے لیے ہے -

→ یاد رہے کہ بقول صحیح کارکن کو سفر کے دوران سرمایۂ (مضاربت) میں سے سفر کے لیے خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ توشۂ سفر کے علاوہ دوسرے اخراجات سفر جو بالعموم سفر میں کرنے پڑتے ہیں، مثلاً کرایہ اور سفری لباس وغیرہ پر وہ درست ہیں، لیکن یہ اخراجات کاروبار کے منافعہ میں محسوب ہوں گے۔ اگر نفع حاصل نہ ہوا تو اسے گھاٹا تصور کیا جائے گا۔ یہ قول اگرچہ ضعیف ہے لیکن تجارتی کاروبار کے عام دستور کے مطابق ہے اور تاجر کی سہولت کا موجب ہے اگر معاملہ کے وقت سفر کے اخراجات کا شرایط میں ذکر کیا گیا تو درست ہے۔ اور ایسے امور کارکن کے ذمہ ہیں جو بالعموم تاجر کرتے ہیں مثلاً کپڑے کا تہ کرنا اور اس کا پھیلانا اور ہلکی اشیاء مشک اور سونے وغیرہ کا وزن کرنا۔ لیکن روئی اور اناج وغیرہ جیسی بھاری چیزوں کا تولنا جو کہ مضارب کا کام نہیں ہے، اس کے لیے دستور کے مطابق کسی کو اجرت پر لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی اجرت مضاربت کی رقم سے ادا کی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی اسے خود ہی انجام دے تو اس کی اجرت نہ ہوگی۔ ہاں اگر کسی کو اس کام پر لگایا گیا تو اس کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

مالک مال کے خصوصی اختیارات جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مالک مال کسی خاص شے کی خریداری سے کارکن کو منع کرسکتا ہے۔ اور اگر مالک نے کسی خاص مال کے خریدنے کی شرط لگا دی تھی اور کارکن (اس کی بجائے) مثلاً روئی خریدنا چاہے تو مالک اس سے روک سکتا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۲۔ مالک کارکن کو سفر سے منع کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۳۔ نقد قیمت لیے بغیر مال کی فروخت سے روک سکتا ہے۔

۴۔ کسی خاص شخص سے سودا کرنے کی بھی ممانعت کر سکتا ہے۔ البتہ کسی خاص شخص کے ساتھ معاملہ کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا۔

اگر معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے تو دیکھنا ہوگا اگر معاملہ اس لیے فاسد ہوا کہ مالک معاملہ کا اہل ہی نہ تھا تو اس صورت میں جو کام ہو چکا ہے وہ ←

→ بالکل نافذالعمل نہ ہوگا۔ اور اگر شرایط مضاربت مذکورۂ سابقہ میں سے کسی شرط کے فوت ہوجانے کے باعث معاملہ فاسد ہوا تو اس صورت میں کارکن نے جو کارروائی کی ہے وہ نافذ العمل متصور ہوگی کیونکہ مالک نے اسے تصرف کی اجازت دی تھی۔ اس میں کل نفع مالک کا ہوگا اور کارکن کو اُجرت مثل (مناسب اُجرت) کا ادا کرنا اس کے ذمہ ہوگا۔ ہاں اگر مالک نے یہ شرط رکھی تھی کہ کل نفع اس کا ہوگا اور کارکن نے اس کو تسلیم کر لیا تھا تو ایسی صورت میں کارکن کسی معاوضہ کا مستحق نہ ہوگا۔

اگر کارکن نے کوئی مال مضاربت کے سرمائے سے نہیں خریدا بلکہ مثلاً اپنے اُوپر قرض چڑھا کر اُدھار خریدا اور اپنے ہی لیے خریدنے کا ارادہ تھا تو اس کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا۔ مالک کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور نہ کارکن کسی اُجرت کا حق دار ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مالک مال کے اختیارات خصوصی یہ ہیں:

اول یہ کہ اسے حق ہے کہ معاملۂ مضاربت کے لیے خاص میعاد مقرر کردے اور اس کی یہ شرط درست ہے کہ کارکن صرف اس موسم میں کاروبار کرے گا جس میں پیاز یا روئی ہوتی ہے، یا یہ قید لگا دے کہ صرف موسم سرما یا موسم گرما میں تجارت کا کام کیا جائے، یا یہ کہ سال بھر سے زیادہ عرصہ تک کاروبار جاری نہ رہے گا وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ وہ تجارت کے لیے کوئی مقام متعین کر دے، لہٰذا اگر وہ یہ کہے کہ کاروبار صرف مصر یا اسکندریہ یا ایسے ہی کسی اور شہر میں کیا جائے۔

تیسرے یہ کہ کارکن کو کسی خاص قسم کی شے کی تجارت کا پابند کردے لہٰذا یہ شرط درست ہے کہ فلاں شخص کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ مال فروخت نہ کیا جائے یا فلاں کے سوا کسی اور سے نہ خریدا جائے۔ بہرحال کارکن کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ مالک نے جو شرط لگائی ہے اس کے خلاف کرے۔ اگر اس کے خلاف کیا تو اسے غاصب (ناجائز قبضہ کرنے والا) تصور کیا جائے گا۔ اور اس طرح اگر مضاربت کے سرمائے سے کارکن نے ←

← کوئی مال خریدا تو وہ خرچ اس کے اپنے حساب میں محسوب ہوگا اور اس ، مالک مال کو کوئی دخل نہ ہوگا لیکن اس کی ذمہ داری کارکن پر ہوگی او اس کام کے معاوضہ کا حق دار نہ ہوگا - ہاں اگر کسی شرط کے خلاف کیا اور اس کو درگزر کرنا ممکن ہو اور اس سے رجوع کر لیا تو معاملۂ مضاربت بدستور قائم رہے گا - مثلاً اگر کارکن نے (مال کی) خریداری اس شہر کے علاوہ جس کی شرط مالک نے لگا دی تھی کسی اور جگہ سے کی لیکن اسے واپس کر دیا اور پھر وہیں سے خرید لیا جہاں کی شرط تھی تو معاملۂ مضاربت بدستور برقرار رہے گا -

مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ کوئی ایسی شرط عاید کرے جو سود مند نہ ہو مثلاً یہ ممانعت کر دے کہ کوئی مال نقد دام لے کر فروخت نہ کیا جائے - ایسی شرط پر عمل نہ کیا جائے گا کیونکہ اس میں منافعہ کا زیان ہے جس میں کارکن کا بھی حصہ ہے - ہاں اگر مال کی فروخت آدھار (ادائیگی قیمت کی) ضمانت پر ہو اور نقد دام سے زیادہ دام ملیں تو مالک کو حق ہے کہ نقد فروخت سے منع کر دے کیونکہ اس میں فائدہ ہے - اگر کاروبار کے لیے کوئی ایسی شرط عاید کی جس میں معمولی سا فائدہ متصور ہو ، مثلاً یہ کہا جائے کہ مصر کے کسی بازار مثلاً روض الفرج میں یا مصر کے پرانے بازار میں کاروبار کیا جائے تو اس قسم کی پابندی پر عمل نہیں کیا جائے گا بجز اس صورت کے جب کہ کسی خاص جگہ کے سوا کسی اور جگہ کاروبار کرنے کی ممانعت کر دی ہو مثلاً یہ کہہ دیا ہو کہ محض فلاں بازار میں کاروبار کرنا کیونکہ مالک اپنے مال کا والی (نگران حالت) ہوتا ہے لہٰذا اس کے متعلق جس بات سے منع کرے اس کے بموجب عمل درآمد لازم ہے -

اگر مالک مال نے خاص وقت یا خاص جگہ کی شرط یا کوئی اور شرط جن کا اوپر ذکر ہوا عاید نہ کی اور اس کو آزاد (یا غیر مشروط) معاملۂ مضاربت قرار دیا تو اس صورت میں مضارب کے کام کی تین قسمیں ہوں گی :

پہلی قسم میں وہ باتیں ہیں جن کے مال مضاربت میں سے کرنے کا حق کارکن کو صرف معاہدے کے بعد ہی حاصل ہو جاتا ہے قبل اس کے کہ مالک مال کارکن کو کام سپرد کرے اور یہ کہے کہ اب تم اپنی سمجھ سے نہ کہ واضح ہدایت ←

← کی بنا پر مضاربت کے متعلقہ کام انجام دے سکتے ہو - اس میں چند امور شامل ہیں - مثلاً کارکن کو ہر شخص کے ساتھ خرید و فروخت کرنے کا حق ہوگا خواہ وہ شخص ایسا ہو جس کی گواہی اس کے حق میں قابل تسلیم نہ ہو مثلاً کارکن سے اس کی قرابت ہو یا اس کے ساتھ رشتۂ زوجیت ہو ، یا وہ شخص اس کا غلام ہو - غرض یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اولاد ، بیوی یا ماں باپ سے خرید و فروخت کرے - لیکن یہ درست نہ ہوگا کہ سودے میں کسی طرح کی علانیہ بدعنوانی کی جائے خواہ یہ معاملہ کسی قریبی رشتہ دار سے کیا ہو یا کسی اجنبی کے ساتھ - ایسا کرنا خلاف شرط ہوگا اگرچہ مالک مال نے کارکن کو یہ کہا ہو کہ جو جی چاہے وہ کر سکتے ہو -

یہ بتایا جا چکا ہے کہ جو شخص شرط کے خلاف عمل کرے اس کا کیا حکم ہے ؟ یعنی وہ معاملہ ایسا ہے جیسے غصب کیے ہوئے مال کو استعمال کیا جائے - رہا ایسا معاملہ جس میں کوئی معمولی سی خلاف ورزی ہو جو بالعموم ہو جاتی ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے ایسی (خلاف ورزیوں کی) صورت میں کہا جاتا ہے کہ اس میں مضائقہ نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ممنوع ہے -

کارکن کے اختیار خصوصی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خرید شدہ سامان تجارت کو مالک مال کے ہاتھ فروخت کرے - مالک کو اس حالت میں اختیار ہوگا کہ اس مال کے دام دے کر معاہدۂ مضاربت کو قائم رکھے یا دام نہ دے اور اسے اپنے سرمایہ میں محسوب کر لے اور مضاربت ختم کر دے - لیکن اگر مضاربت کی رقم سے مال تجارت کی خریداری مالک مال سے خریدا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا -

کارکن کو یہ بھی اختیار ہے کہ نقد فروخت کرے یا اتنے عرصے کے لیے آدھار فروخت کرے جو بالعموم ایسے سودوں میں ہوتا ہے - اگر لمبے عرصہ کے آدھار پر فروخت کیا تو کہا جاتا ہے کہ درست ہوگا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ درست نہ ہوگا -

یہ بھی کارکن کو اختیار ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ مال فروخت کیا اور خریدار کو اس میں کوئی عیب نکلا تو کارکن اس عیب کے مطابق اس کے دام میں سے اس قدر کم کر دے جو بالعموم مناسب خیال کیا جاتا ہے اگر قیمت ←

ے میں نامناسب حد تک کمی کر دی تو وہ رقم کارکن کے حساب میں محسوب ہوگی تاہم معاملۂ مضاربت فاسد نہ ہوگا۔

کارکن کو یہ بھی اختیار ہے کہ مضاربت کے سرمائے سے کوئی جانور کاروبار تجارت میں استعمال کرنے کے لیے خریدے لیکن اس مقصد کے لیے مالک کی اجازت کے بغیر کشتی خریدنے کا حق نہیں ہے۔

کارکن کو یہ حق ہے کہ کوئی زمین کرایہ پر لے اور مال مضاربت سے وہاں پر کاشت کرنے کے لیے بیج خریدے یا اس زمین میں شجرکاری کرے۔ ایسا کیا تو درست ہے اور منافعہ میں بموجب شرط فریقین کا حق ہوگا لیکن اگر درخت خرما یا کوئی اور پیڑ حاصل کیا تاکہ اس پر مضاربت کی رقم سے بطور مساقات (شجرکاری) کام کرے تو یہ درست نہیں ہے اور کارکن اس رقم کا جو اس نے خرچ کیا ذمہ دار ہوگا، یہاں تک کہ اگر مالک نے اسے کہا ہو تب بھی۔

کارکن کا ایک حق یہ ہے کہ مضاربت کا مال لے کر خشکی و تری کا سفر کرے لیکن بقول معتمد یہ اختیار نہیں ہے کہ ایسا خطرناک سفر اختیار کرے جس سے لوگ بالعموم ڈرتے ہوں۔

کارکن کو حق ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی اور کو خرید و فروخت کے لیے وکیل بنائے نیز یہ بھی کہ وہ تمام سرمایہ اس کے حوالے کر دے تاکہ وہ مال تجارت کی خرید کرے۔ اگر مضاربت کی تمام رقم خود صاحب مال کو بطور سرمایۂ تجارت کے سپرد کر دی ہو کہ اس سے لے کر خرید و فروخت میں لگائے گا تو درست ہوگا اور اس صورت میں وہ مالک مضارب کا ایک پیش کار متصور ہوگا۔ اس طرح کرنے سے مضاربت کا معاملہ برقرار رہے گا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مال نقدی کی شکل میں ہو یا سامان تجارت کی شکل میں۔ اگر مالک مال مضاربت کے اموال کو کارکن کی قیام گاہ سے اس کی اجازت کے بغیر اٹھا لائے اور وہ مال نقدی کی صورت میں ہے تو معاملۂ مضاربت ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر وہ سامان تجارت ہے تو معاملۂ مضاربت باطل نہ ہوگا۔ اگر وہ مال ایک ہزار کا تھا اور اسے دو ہزار میں فروخت کیا، پھر اس دو ہزار سے مالک نے مزید سامان خرید لیا جو اب چار ہزار کی مالیت کا ہو گیا تو یہ سب مالک مال کا حق ہے

← ہوگا اور کارکن اس میں سے پانچ سو کا حق دار ہوگا - یہ رقم اس منافعہ کا نصف ہے جو پہلی بار سامان کے فروخت کرنے سے حاصل ہوا - اگر مضارب (کارکن) نے مضاربت کی رقم مالک کے سپرد کر دی کہ وہ بطور مضاربت اس پر کام کرے تو یہ دوسرا معاملہ فاسد ہو جائے گا اور پہلا معاملہ مضاربت بدستور باقی رہے گا اور حاصل شدہ نفع میں مضاربت اول کی شرط کے مطابق فریقین کا مشترکہ حق ہوگا -

کارکن کو یہ بھی حق ہے کہ مضاربت کی رقم اپنے کسی میل جول والے کی سپردگی میں رکھے یا مال مضاربت کو رہن کر دے یا رہن رکھے -

یہ بھی اسے حق ہے کہ خرید شدہ مال کے دام کی ادائیگی کسی اور پر ڈال دی جائے تو وہ اس کو قبول کرلے (اسے حوالہ کہتے ہیں) ، خواہ وہ شخص خوش حال ہو یا تنگ دست ہو کیونکہ ایسی باتیں تجارت اور کاروبار تجارت کے لوازمات میں سے ہیں -

دوسری قسم یہ ہے کہ کارکن کو اشیاء مضاربت میں عمل دخل مالک کے سپرد کرنے پر ہوا ہو ، یعنی اس نے کہہ دیا ہو کہ تم اپنی سمجھ سے کام کرو - ان میں جو امور شامل ہیں - ان کے منجملہ یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ عقد مضاربت کر لے اور یہ کہ کسی اور کے ساتھ شریک کار ہو جائے نیز یہ کہ مضاربت کی رقم کو اپنے ذاتی مال کے ساتھ یا کسی اور شخص کے مال کے ساتھ ملا لے - لیکن اس حق پر عمل درآمد اسی صورت میں ہوگا جب کہ اس شہر کے لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہو کہ دوسرے لوگ مال مضاربت میں اپنا مال شامل کرکے مضاربت کرتے ہوں اور سرمایہ لگانے والے اس پر راضی ہوں - ایسی صورت میں اگرچہ مالک مال نے کارکن کو یہ نہ کہا ہو کہ تم اپنی مرضی سے کام کر سکتے ہو ، تب بھی مال شامل کرکے کام کیا جا سکتا ہے - لیکن اگر یہ کہا ہو تب تو ان سب باتوں پر عمل کرنا دوست ہے ہی -

تیسری قسم کے وہ امور ہیں جنھیں کرنے کا حق کارکن کو مالک کی واضح ہدایت سے ہوتا ہے - منجملہ ان امور کے جن کا حق کارکن کو (مالک کی) واضح ہدایت سے ہوتا ہے ''استدانت'' (قرض لینا) ہے - اس کا اختیار کارکن کو نہ محض عقد مضاربت ہونے سے ہوتا ہے اور نہ مالک کے یہ کہنے سے کہ تم اپنی مرضی ←

←سے جو چاہو کر سکتے ہو - استدانت (حصول قرض) کا مطلب یہ ہے کہ کارکن کوئی سامان تجارت مضاربت کی پوری رقم سے خرید لے، اس کے بعد کچھ اور مال قرض خریدے درآنحالیکہ مضاربت کی رقم میں سے کچھ باقی نہ رہا ہو جس سے وہ مال خریدا جاتا - اسی طرح یہ شکل بنی ہے کہ تمام سرمایہ سے کوئی مال تجارت خرید لیا پھر اس کی اصلاح کے لیے قرض لیا - مثلاً مضاربت کی رقم سے کپڑا خریدا پھر اس کی باندھ جوڑ اور باربرداری کے لیے کچھ اور قرض لینا پڑا تو یہ قرض کارکن نے اپنی خوشی سے کیا - ہاں مالک اجازت دے دے تو اور بات ہے -

ایسی باتوں میں (جن کا حق اجازت پر موقوف ہے) قرض دینا ہے کہ کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ مضاربت کی رقم کسی کو قرض دے بجز اس صورت کے جب کہ مالک نے اس کی اجازت دے دی ہو -

مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ امور اور شرایط جو مالک یا کارکن کی جانب سے ہوں ان کی تین قسمیں ہیں :

اول وہ امور جن سے معاہدۂ مضاربت فاسد ہو جاتا ہے اور کارکن قراض مثل (یعنی وہ حصہ جو بالعموم اس قسم کے معاملوں میں ہوتا ہے) کا حق دار ہوگا، بشرطیکہ کچھ نفع حاصل ہوا ہو، اگر کچھ نفع نہ ہوا ہو تو اسے کچھ نہ ملے گا -

دوم وہ امور جن سے معاہدۂ مضاربت فاسد ہو جاتا ہے اور کارکن کو اس میں قراض مثل مذکور کے علاوہ اجر مثل کا بھی حق دار ہے (جو اس قسم کے کاموں میں ہوتا ہے) بشرطیکہ اس نے (اپنے ذمہ کے) کاروبار تجارت کے علاوہ کوئی کام کیا ہو اور اس کا کچھ معاوضہ ہوتا ہو -

تیسرے وہ امور جن سے معاملۂ مضاربت فاسد ہو جاتا ہے لیکن کارکن بہرحال اجرت کا مستحق ہوتا ہے، خواہ فائدہ ہوا ہو یا نقصان -

اب جاننا چاہیے کہ مالک اور کارکن دونوں کے لیے کچھ پابندیاں ہیں جن سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے - اگر ان کے خلاف کیا گیا اور عقد مضاربت پہلی یا دوسری قسم کا تھا اور پابندی کے خلاف عمل کرنے کا پتہ بدوران کارکردگی چل←

گیا تو معاملہ فاسد نہ ہوگا اور کام بند نہ کیا جائے گا بلکہ کارکن کاروبار جاری رکھے گا اور قراض مثل کے علاوہ اس کام کا معاوضہ بھی اسے ملے گا جو آمور تجارت کے علاوہ اس نے انجام دیا ہو، بشرطیکہ کام پہلے کی طرح (لگن سے) انجام دیتا رہا ہو۔ اگر شرط مضاربت کی مخالفت تیسری قسم کی ہو اور بدوران کار اس کا پتہ چل گیا تو عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا اور کام بند کر دیا جائے گا اور جس قدر کام کارکن نے کر لیا ہے اس کے اجر مثل (مناسب معاوضہ) کا حق دار ہوگا۔ اس میں فائدہ ہو یا نقصان ہوا ہو۔

کارکن کے مخصوص اختیارات جن میں سے مالک کو کچھ کم کرنے حق نہیں ہے وہ حسب ذیل ہیں:

کارکن کو حق ہے کہ کاروبار تجارت جاری رکھے، کوئی مدت اس کے لیے مقرر نہ کی جائے گی۔ مثلاً یہ کہ مالک کہے ایک سال کام کرو یا یہ کہ تم کار مضاربت سال بھر تک کرنا اور سال اسی وقت سے شروع ہو جائے گا۔ لیکن ایک ماہ گزرنے سے پہلے کام شروع نہ کیا جائے۔ اگر ایسی شرط عاید کرنے پر بھی کام کیا تو قراض مثل کا حق دار ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کہ کام کرنے کا وقت متعین کیا مثلاً یہ کہا ہو کہ مثلاً موسم سرما کے سوا کسی اور موسم میں مال تجارت نہ خریدا جائے یا یہ کہ موسم سرما کے علاوہ کسی اور موسم میں فروخت نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے سے معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور کارکن اجر مثل کا مستحق ہوگا، جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے۔

کارکن کا یہ بھی حق ہے کہ ایسی قسم کی چیزیں خریدے جو ہمیشہ دستیاب ہوتی ہیں لہٰذا مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہ پابندی لگائے کہ صرف ایسی اشیاء خریدی جائیں جو کبھی دستیاب ہوتی ہوں اور کبھی نہ ہوتی ہوں۔ اگر ایسا کیا اور کارکن نے تجارت کا کام انجام دیا تو معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور بقول معتمد کارکن کو نفع میں سے قراض مثل کا حق ہوگا، خواہ وہی چیز خریدی گئی ہو جس کا مالک نے مطالبہ کیا یا ایسی چیز خریدی جس کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اگر ایسی شے خریدی جس کے خریدنے کی شرط تھی تو عقد فاسد نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایسی شے کی خریداری کی شرط ہو جو تھوڑی مقدار میں ملے لیکن ہمیشہ پائی جاتی ہو تو یہ شرط درست ہے۔

کارکن کا خاص حق یہ بھی ہے کہ سامان تجارت، مضاربت کی رقم سے نقد خریدے اور اسی طرح نقد دام سے فروخت کرے - مال کے مالک کو یہ پابندی عاید کرنے کا حق نہیں ہے کہ مال کی خرید و فروخت اُدھار ہو - اس شرط سے معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور کارکن نفع میں سے صرف قراض مثل (یعنی نفع سے مناسب حصہ) کا حق دار ہوگا - اگر نقصان ہوا تو اسے بھگتنا پڑے گا -

کارکن کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر مال کو اُدھار فروخت کرے جیسا کہ مالک مال کے حقوق خصوصی میں آگے بتایا جا رہا ہے -

کارکن کا خاص حق یہ بھی ہے کہ مضاربت کی رقم سے خریدے ہوئے مال تجارت کو وہی فروخت کرے - اگر کارکن کی اجازت کے بغیر مالک مال نے فروخت کیا تو اس فروخت کو روا نہ سمجھا جائے گا اور کارکن کو حق ہے کہ اسے واپس لے لے کیونکہ تجارتی امور پر عمل درآمد اس کے سپرد ہے اور وہی یہ جانتا ہے کہ کس موقع پر سامان کی فروخت فائدہ بخش ہوگی -

کارکن کا یہ بھی حق ہے کہ مضاربت کی رقم بلا ضمانت حاصل کرے - اگر مالک نے ضامن پیش کرنے کی شرط لگا دی جو مال کے تلف ہونے کی صورت میں پورے مال کے بھرنے کی ذمہ داری قبول کرے تو معاہدۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا اور کارکن کو اس کے نفع میں سے مناسب معاوضہ ادا کر دیا جائے گا - ہاں اگر مالک مال کا یہ مطالبہ ہو کہ مال کے تحفظ میں بے پروائی کرنے یا بے اعتدالی کے باعث مال کے ضایع نہ کرنے کی ضمانت دی جائے تو مضایقہ نہیں، جیسا کہ پہلے بتایا گیا -

کہا جاتا ہے کہ اگر کارکن نے بطور خود ہی مال مضاربت کی ضمانت دے دی تو درست ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ درست نہیں ہے -

یہ تمام حقوق کارکن کے لیے مخصوص ہیں، اگر ان کے خلاف عمل کیا گیا تو معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا اور کارکن قراض مثل کا حق دار ہوگا - اس پر کچھ زیادہ بھی کیا جا سکتا ہے - اگر فریقین مالک اور کارکن کے درمیان کام ختم ہو جانے کے بعد نفع کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے اور فرق زیادہ ہو مثلاً ایک تو کہے میرا حق دو تہائی ہے اور دوسرا کہے کہ تم کو صرف آٹھویں ←

← حصہ کا حق ہے تو ایسی حالت میں کارکن کو قراض مثل (یعنی جو حصہ ان حالات میں مناسب ہوتا ہے) دیا جائے گا تاکہ تنازعہ ختم ہو جائے اور معاملہ بدستور صحیح رہے گا۔ اگر اختلاف رائے میں معمولی سا فرق ہو کہ فریقین میں سے ہر ایک کی بات صحیح ہو سکتی ہو تو مضارب (کارکن) کی بات مانی جائے گی۔ اگر زیادتی کا مطالبہ صرف مالک کی طرف سے ہو تو اس کا کہنا مانا جائے گا۔ اسی طرح اگر صرف کارکن کا مطالبہ زیادہ ہو تو اس کی بات پر عمل کیا جائے گا۔ اگر کام انجام پانے سے پہلے ہی یہ اختلاف پیدا ہو جائے تو بہرحال مالک کا قول قابل تسلیم ہوگا کیونکہ کارکن اس کے بعد کام شروع نہ کرے گا اور معاہدہ باقی نہ رہے گا۔ ایسی صورت میں مالک کو حق ہے کہ جس قدر چاہے کارکن کا حصہ مقرر کرے۔

واضح ہو کہ ایسے مسائل جن میں قراض مثل اور اجر مثل (یعنی نفع میں سے مناسب حصہ اور کارکردگی کا مناسب معاوضہ) دونوں کا حق کارکن کو ہوتا ہے ان کا تعلق سرمایہ سے ہے۔ اس کا ذکر تعریف کے سلسلہ میں وضاحت سے اوپر کیا جا چکا ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔

کارکن کے وہ حقوق جن کے خلاف کرنے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اور بدوران کار اس کا علم ہو جانے سے عقد فسخ ہوجاتا ہے اور اس حالت میں کارکن کو اجر مثل کا حق ہوتا ہے خواہ کاروبار میں نفع ہوا ہو یا نقصان، ان کے متعلق چند امور ہیں:

ان کے منجملہ یہ ہے کہ صرف کارکن کو اختیار ہوگا کہ وہ کام کرے لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ مالک اس کے کام میں دخل اندازی کی شرط لگائے۔ اگر ایسی شرط لگائی اور کارکن نے کاروبار انجام دیا تو وہ اجر مثل (یعنی مناسب معاوضہ نہ کہ مقررہ حصہ) کا حق دار ہوگا۔ اگر یہ شرط بدوران کاروبار لگائی تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کارکن خود مالک مال پر یہ شرط عاید کرے کہ مالک بھی کارکن کے ساتھ کام کرے۔

اس باب میں یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ مالک مال یہ شرط لگائے کہ کارکن کے ساتھ اس کا خادم منافعہ میں سے ایک حصہ کے عوض کام کرے گا لیکن کارکن ←

← کے نگران کی حیثیت میں نہیں - یہ بھی شرط ہوگی کہ خادم کے حصہ میں آقا کا کوئی حق نہ ہوگا - یہ شرط نہ ہوئی تو عقد فاسد ہو جائے گا -

کارکن کا یہ بڑی حق ہے کہ وہ ایسے اُمور کی انجام دہی کا پابند نہ ہوگا جو دستور کے مطابق نہ ہو جیسے تجارت کے کپڑوں کا سینا یا خرید شدہ کھالوں کی دو زندگی وغیرہ - ایسی کوئی شرط رکھی گئی تو عقد فاسد ہوجائے گا اور کارکن 'اجر مثل' کا حق دار ہوگا - یہ شرط بھی اسی طرح کی ہے کہ کارکن مضاربت کی رقم سے کھیتی باڑی کرے کیونکہ زراعت کا کام تجارت سے مختلف ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ کارکن کو زراعت ہی پر مال صرف کرنے کا پابند کیا جائے تو درست ہے - بہرحال کارکن کے ذمہ (بسلسلۂ کاروبار) وہ معمولی ہلکا کام ہوتا ہے جس میں مشقت نہیں کرنی پڑتی جیسے کپڑا پھیلا کر خریدار کو دکھانا اور اس کا تہ کرنا - اگر کارکن نے اس کام کے لیے کسی کو مزدوری پر لگایا تو یہ اُجرت اسے اپنے مال سے دینی ہوگی -

کارکن کو یہ بھی حق ہے کہ مضاربت کے سرمایہ میں اپنی رقم نہ شامل کرے - اگر مالک نے ایسی کوئی شرط لگائی تو معاہدہ فاسد ہوگا اور کارکن اجر مثل کا حق دار ہوگا - لیکن اگر کارکن نے بغیر کسی شرط کے اپنا مال بھی رقم مضاربت میں شامل کر دیا تو جائز ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں : ایک تو یہ کہ وہ مال مثلی ہو مال قیم نہ ہو (یعنی رقوم میں سے ہو کوئی قیمتی شے نہ ہو) - اس کی تفصیل معاملۂ بیع کے بیان میں ہو چکی ہے - اور یہ کہ مال کے شامل کرنے میں کوئی غیر یقینی فائدہ پیش نظر ہو اور یہ کہ فریقین میں سے کسی کے کام شروع کرنے سے پہلے ہی یہ رقم شامل کی جائے -

کارکن کا ایک حق یہ ہے کہ وہ خرید و فروخت کا کام جس مقام پر چاہے انجام دے - اگر مالک یہ شرط لگا دے کہ فلاں شہر میں پہنچ کر ہی مال خریدا جائے کسی اور جگہ سے نہیں ، وہاں پہنچنے کے بعد ہر جگہ مال میں تصرف کا اختیار ہوگا تو اس سے معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور کارکن اجر مثل کا حق دار ہوگا - کارکن کو یہ حق ہے کہ وہ مالک مال کے مشورے کے بغیر مال میں تصرف کرے اگر اس پر پابندی لگا دی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا اور کارکن اجر مثل کا حق دار ہوگا - ←

اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ وہ جس شخص سے چاہے مال خریدے۔ اگر سالک نے یہ شرط لگا دی کہ کسی خاص شخص سے مال خریدے مثلاً یہ کہا کہ فلاں شخص کے سوا نہ کسی اور سے مال خریدنا اور نہ فروخت کرنا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور کارکن اجر مثل کا حق دار ہوگا۔

ایک حق یہ ہے کہ وہ جس وقت بھی چاہے خرید و فروخت کرے۔ اگر اس کے لیے وقت معین کر دیا کہ موسم گرما کے سوا مال نہ خریدنا یا موسم گرما کے سوا فروخت نہ کرنا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور کارکن اجر مثل کا حق دار ہوگا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ یہ شرط عاید کر دی کہ خاص مقام یا خاص بازار کے سوا اور کہیں تجارت نہ کی جائے (عقد فاسد اور کارکن اجر مثل کا مستحق ہوگا)۔

مالک مال کے مخصوص اختیارات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کارکن پر یہ شرط عاید کر دے کہ دریائی سفر نہ کرے اور نشیب مثلاً گڑھے وغیرہ میں اقامت نہ کرے اور رات کو سفر نہ کرے۔ اگر کارکن نے ان باتوں میں سے کسی کے خلاف کیا تو وہ مال کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کی تین شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ ان سے بچ کر گزرنا ممکن ہو۔ لیکن اگر ایسی جگہ ہو کہ وہاں نشیب ہی میں فروکش ہونا پڑے یا رات ہی کو اونٹ کے ساتھ سفر کرنا پڑے تو ایسی حالت میں مال کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مال ڈاکا پڑنے یا غرق ہونے کے علاوہ کسی اور وجہ سے تلف ہوا ہو، مثلاً کوئی آسمانی آفت آ پڑے (تو اس پر ذمہ داری نہ ہوگی)۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے مال تلف ہوا، مثلاً یہ کہ سمندر کے پانی کی نمی سے مال خراب ہوا یا اترتے چڑھتے گر کر تلف ہو گیا، یا رات کو نظر نہ آنے کے باعث کسی درخت سے ٹکر ہو جانے کے باعث ٹوٹ پھوٹ ہو جائے تو ایسی حالتوں میں کارکن پر مال کی ذمہ داری ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال اس وقت تلف ہوا ہو جس وقت شرط کے خلاف عمل ہو رہا ہو۔ پس اگر دریا سے (بخیریت) پار ہوجانے کے بعد یا نشیب سے اوپر آ جانے کے بعد یا رات کا سفر (بخیریت) گزر جانے پر جس میں سفر سے منع کیا گیا

ــ تھا مال تلف ہوا تو کارکن کی ذمہ داری نہ ہوگی ۔ اب اگر مالک اور کارکن کے درمیان یہ نزاع پیدا ہوا کہ مال کا نقصان ہدایت کے خلاف عمل کے دوران ہوا یا بعد میں ہوا تو اس بارے میں کارکن کی بات مانی جائے گی ۔

مالک مال کا ایک حق یہ ہے کہ وہ کسی خاص مال کی خریداری سے باز رہنے کی شرط اس خیال سے لگائے کہ اس میں نفع کم ہے یا خسارے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں کارکن کو لازم ہے کہ ان ہدایات کی پابندی کرے ۔ اگر اس کے خلاف کیا تو قطعی طور پر وہ ذمہ دار ہوگا یہاں تک کہ اگر مال لوٹ لیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے یا کوئی آسمانی آفت نازل ہوئی تب بھی ذمہ داری عاید ہوگی ۔

ایک حق یہ ہے کہ مال کا مالک کارکن کو کاروبار شروع کرنے سے پہلے مال لے کر سفر کرنے سے منع کر دے ۔ اگر کام شروع کرنے سے پہلے منع کرنے کے باوجود کارکن نے سفر کیا تو مال کی ذمہ داری اس پر عاید ہوگی ۔

مالک مال کا ایک حق یہ ہے کہ وہ مال تجارت (اپنے) سرمایہ کی رقم سے خریدے لیکن یہ خریداری اسی طرح ہو جیسے کسی اور سے بغیر کسی مروت کے خریدا ہو؛ اگر کم نرخ پر خریدا تو یہ درست نہ ہوگا ۔ اس میں کارکن کی حق تلفی ہے کیونکہ نفع میں اس کا حصہ ہے اور مالک کو اس کے حصہ میں کوئی حق نہیں ہے ۔

ایک حق یہ ہے کہ وہ کارکن کو مضاربت کے سرمایہ میں کسی اور کو شامل کرنے سے منع کر دے ۔ اگر مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کو اس نے شامل کر لیا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا اور مال تلف ہو جائے تو تاوان دینا ہوگا ۔

ایک حق یہ ہے کہ کارکن کو منع کر دے کہ مال ادھار نہ فروخت کیا جائے ۔

اگر کارکن نے بغیر اجازت ایسا کیا تو معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا اور کارکن مال کا ذمہ دار ہوگا ۔ اسی طرح مالک کو یہ بھی حق ہے کہ وہ کارکن کو منع کر دے کہ وہ اس مضاربت کے سرمائے سے کسی اور کے ساتھ ــ

مضاربت کا معاملہ نہ کرے ۔ مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور اسے محنت کا مناسب معاوضہ مل جائے گا ۔

ایک حق یہ ہے کہ مالک مال کارکن کو منع کر دے کہ وہ مضاربت کی رقم اس زمین پر زراعت میں نہ صرف کرے جہاں اس کا کوئی مفاد یا جاگیر نہیں ہے یا ایسی جگہ پر جہاں اس کا مفاد یا جاگیر نہیں ہے مساقات (یعنی معاہدۂ شجرکاری) سے منع کر دے ۔ اگر کارکن نے اس کے خلاف عمل کیا مثلاً بیج اور آلات زراعت خرید کر مضاربت کی رقم سے کوئی زمین کرایہ پر لی اور اس میں زراعت کی تو عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا اور اگر کھیتی لٹ گئی یا چوری ہو گئی تو کارکن کو اس کا تاوان دینا ہوگا ۔ اگر ایسی جگہ زراعت کی جہاں اس کی جاگیر ہے تو چوری یا ڈاکہ کی صورت میں اس پر ذمہ داری نہ ہوگی ۔

ایک حق یہ ہے کہ وہ کارکن کو منع کردے کہ کسی اور سے معاملۂ مضاربت کرکے مال نہ لے جس سے مالک کے مال سے کاروبار کرنے کی طرف سے بے پروا ہو جائے ۔ اس کے ساتھ ہی کارکن کو بھی جائز نہیں ہے کہ کاروبار مضاربت کے سلسلہ میں کوئی سودا ادھار خریدے حتیٰ کہ اگر مالک مال نے اجازت دے دی اور کارکن نے ایسا کیا تب بھی کارکن اس رقم کی ادائیگی کا خود ذمہ دار ہوگا جس کے عوض اس نے مال خریدا اور وہی اس کے نفع نقصان کا ذمہ‌دار ہوگا ۔ اور کارکن کا مالک مال سے مال تجارت خریدنا مکروہ ہے تاکہ سرمایہ کو سامان تجارت بنانے کا بہانہ ہاتھ نہ آئے ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مضارب کارکن کو حق ہے کہ وہ تجارت کی ہر قسم میں جن کا ذکر سابقاً بیع کے بیان میں ہو چکا ہے خرید و فروخت کرے ، چنانچہ مرابحہ اور مساومہ (یعنی مقررہ نفع پر یا بھاؤ تاؤ) وغیرہ کی تمام صورتوں میں تجارت کرنے کا اور قرض کا مطالبہ کرنے اور باہمی خصومات کا فیصلہ کرانے کا اسے حق ہے اور یہ کہ وہ اپنے ذمہ کے واجب الادا قرضہ کی ادائیگی کسی دوسرے پر ڈال دے جس کے پاس مضاربت کی رقم ہو اور یہ کہ اگر کوئی اور شخص اسی طرح اپنا قرض اس پر ڈال دے تو وہ اسے قبول کر لے اور ایسی شے کا کرایہ وصول کرنا جو مضاربت کی رقم سے لے کر کرایہ پر چڑھائی گئی ہے

کارکن کا کسی دوسرے سے معاملۂ مضاربت کرنے کا بیان

اگر محمد نے ایک رقم خالد کو دی کہ وہ بطور مضاربت اس میں کام کرے اور خالد نے وہ رقم کسی اور شخص کو اس شرط پر دے دی کہ وہ بطور مضاربت تجارت کرے؛ نفع میں سے ایک حصہ اسے ملے گا۔ اندریں باب مسالک

← ہو۔ اور یہ بھی حق ہے کہ خرید شدہ مال میں کوئی عیب معلوم ہو تو اسے واپس کر دے۔ اور یہ کہ مضارعت کا سرمایہ کسی کی سپردگی میں دے دے یا رہن رکھے یا رہن کرے اور پرامن شہر کو پرامن راستے سے سفر کرے۔ ہاں ایسے رخ میں سفر کیا جہاں سلامتی کو خطرہ ہے تو وہ مال کا ذمہ دار ہوگا۔ اور یہ بھی حق ہے کہ کسی مال کے کل دام یا بقایا دام کی ادائیگی کا اقرار کرے اور مال اُدھار فروخت کرے۔ اگر مال تلف بھی ہو جائے تو اس کا ذمہ دار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ مال کسی نا قابل اعتبار یا نا واقف کے ہاتھ فروخت نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں یہ اس کی بے اعتدالی ہو گی اور ضایع شدہ مال کا تاوان دینا ہوگا۔

کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ مضاربت کی رقم سے کوئی اور معاہدۂ مضاربت کرے اور نہ یہ حق ہے کہ اس میں کسی اور کو شریک کرے۔ اسی طرح یہ بھی حق نہیں ہے کہ مال مضاربت کے ساتھ اپنا یا کسی اور شخص کا مال شامل کرے۔ اسی طرح ایضاع کا حق بھی اسے نہیں ہے۔ ''ایضاع'' کا مطلب یہ ہے کہ مضاربت کی رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو رضاکارانہ طور پر تجارت کے لیے دیا جائے اور شرط یہ ہو کہ اس شخص کو نفع میں سے کچھ حصہ نہ ملے گا بلکہ نفع کارکن اور مالک مال کا ہوگا۔ یہ بھی حق نہیں ہے کہ مضاربت کی رقم کسی کو قرض دے۔

کارکن پر لازم ہے کہ (کاروبار کے سلسلہ میں) معمولی کام جو عام طور پر کاروباری لوگ انجام دیتے ہیں وہ انجام دے مثلاً کپڑے کو پھیلانا اور اس کا تہ کرنا، تھیلیوں کو بند کرنا اور آن پر مہر لگانا وغیرہ۔ نیز مضارب کو یہ حق نہیں ہے کہ مالک کو سرمایہ سپرد کرنے سے پہلے نفع میں سے کچھ لے۔ اگر دو قسم کے اموال تجارت خریدے، ایک میں فائدہ ہوا اور دوسرے میں نقصان ہوا تو اس نفع کو نقصان میں شامل کیا جائے گا۔

مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[1]

۱ - حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کارکن نے کسی اور شخص سے معاملۂ مضاربت کیا تو دیکھنا چاہیے کہ آیا اس نے یہ مالک مال کی اجازت سے کیا ہے یا نہیں ؟ اگر اس کی اجازت سے نہیں کیا تو معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا ، لیکن کارکن اس مال کا ذمہ دار نہ ہوگا بجز اس صورت کے جب کہ دوسرے مضارب نے اس سے کاروبار کیا ہو ۔ چنانچہ مثال مذکورہ میں اگر خالد نے وہ رقم دوسرے شخص کو دے دی کہ وہ شخص اس کو بطور مضاربت کاروبار میں لگائے اور وہ رقم کام میں لائی جانے سے پہلے تلف ہو گئی تو خالد اس کا ذمہ دار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مال جو دوسرے شخص کو دیا گیا اس کی حیثیت سپردگی میں دیے ہوئے مال کی ہے اور کارکن کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ مضاربت کی رقم کسی کی سپردگی میں دے دے ۔ (اور اس کے تلف ہونے کا ذمہ دار نہیں ہوتا) ۔ لیکن اگر اس مال کو دوسرے شخص نے کاروبار میں لگا لیا تو اب وہ شخص گویا سچے معنوں میں (محض مال کا تحویل دار نہیں بلکہ) مضارب ہو گیا ۔ اور کسی کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مالک مال کی اجازت کے بغیر اس رقم سے کوئی اور معاملۂ مضاربت کرے ۔

اگر خالد نے دوسرے شخص سے معاملۂ مضاربت فاسدہ کیا اور وہ مال دوسرے شخص کے پاس جس سے معاہدۂ مضاربت کیا گیا تلف ہو گیا تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا ، کیونکہ معاہدۂ مضاربت اگر فاسد ہو جائے تو کارکن کی حیثیت ایک اجیر (اجرت پر کام کرنے والے) کی سی ہو جاتی ہے ، لیکن مضارب مالک مال کے کاروبار کرنے کا مالک ہوتا ہے ۔ اس صورت میں خالد پر لازم ہوگا کہ دوسرے شخص کو اجرمثل دینا ہوگا (کیونکہ اس نے جو معاملہ کیا وہ فاسد تھا) اور خالد منافع میں سے اس حصہ کا حق دار ہوگا جس کی شرط مالک مال کے ساتھ ٹھہری تھی (کیونکہ وہ اس کا باقاعدہ مضارب ہے)۔ اگر دوسرے کارکن کے مال کو اس نے غصب کر لیا تو غصب کرنے والا ذمہ دار ہوگا ۔ اگر دوسرے مضارب نے مال تلف کیا یا اسے کسی کو دے دیا تو وہی اس مال کا ذمہ دار ہوگا ۔

اگر کسی کارکن نے مالک کی اجازت سے کسی اور شخص کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کیا ، مثلاً خالد نے محمد سے اجازت مانگی کہ مضاربت کا تمام سرمایہ یا اس کا کچھ حصہ ایک اور شخص کو منافع میں سے ایک حصہ کے معاہدے پر دے دے ، اور مالک نے اجازت دے دی تو درست ہے ۔ اب اگر محمد نے خالد کے ساتھ ان الفاظ میں معاہدہ کیا تھا کہ اس (کاروبار) میں جو نفع ہمیں اللہ تعالیٰ دے گا وہ ہم دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا ۔ ادھر خالد نے دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ جو نفع ہوگا اس میں سے ایک تہائی تم لینا تو جو کچھ نفع حاصل ہوگا اس میں سے نصف بموجب شرط مالک کا ہوگا اور دوسرے شخص کو ایک تہائی کا حق ہوگا جیسا کہ خالد نے اس سے شرط کی تھی اور خالد کو صرف چھٹا حصہ ملے گا ۔ لیکن اگر ضمیر مخاطب کے ساتھ بدیں الفاظ معاہدہ کیا ہو کہ ـــ ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جو نفع دے گا ـــ تو اس صورت میں دوسرا شخص جس سے خالد نے معاملہ کیا وہ (حسب شرط) ایک تہائی لے گا اور باقی نفع خالد اور محمد میں نصفا نصف تقسیم ہوگا ۔ اس طرح ان دونوں کو بھی نفع کا ایک ایک تہائی حصہ مل جائے گا ۔ یہی صورت اس طرح کہنے کی ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''جو فائدہ مجھے ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' یا یہ کہا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ''جو فائدہ تم کو ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' اور دوسرے شخص کو وہ مال (ایک تہائی کی شرط پر) بطور مضاربت دیا گیا تو دوسرا مضارب ایک تہائی لے گا جیسا کہ شرط ٹھہری تھی اور باقی (نفع) مضارب اول یعنی خالد اور مالک مال کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور اس طرح تینوں کو ایک تہائی ملے گا ۔

اگر محمد نے خالد سے یہ کہا تھا کہ ''۔ ۔ ۔ ۔ جو نفع اللہ ہم کو دے گا ہم دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا'' اور خالد نے اسی سرمایہ سے دوسرے کے ساتھ ، منافعہ کے نصف حصہ پر ، معاملۂ مضاربت کر لیا تو مالک نفع میں سے نصف لے گا اور دوسرا کارکن بھی نصف لے لے گا اور خالد کو مطلق کچھ نہ ملے گا ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کارکن نے مضاربت کا سرمایہ کسی دوسرے شخص کو دے دیا کہ وہ اس کو بطور مضاربت کاروبار میں لگائے تو دیکھنا ہوگا کہ

ـ یہ کام اس نے مالک کی اجازت کے بغیر کیا ہے یا اس کی اجازت سے کیا ہے ؟ اگر مالک کی اجازت سے کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی : ایک یہ کہ مضارب اول نے دوسرے کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ میں بھی تمھارے ساتھ کام میں اور نفع میں شریک رہوں گا تو ایسی صورت میں دو رائیں ہیں: ایک رائے کے مطابق تو وہ معاملہ فاسد ہو جائے گا ، اور اسی بات کو ترجیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ درست ہے لیکن (دونوں صورتوں میں) پہلا معاملہ بدستور باقی رہے گا۔ اب اگر دوسرے شخص نے تنہا ہی کاروبار کیا تو مضارب (کارکن) اول کو نفع میں سے کچھ نہ ملے گا بلکہ وہ مالک کا حق ہوگا لیکن دوسرے کارکن کو اجر مثل دینا ہوگا کیونکہ اسے کام کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن اگر دونوں (کارکن اول اور کارکن دوم) نے مل کر کام کیا ہے تو کارکن اول کو نفع میں سے اس کے کام کا اجرمثل (مناسب اُجرت) ملے گا اور باقی مالک کا ہوگا اور مضارب اول کو لازم ہوگا کہ مضارب ثانی کو مناسب اُجرت دے۔ ہاں اگر عامل ثانی کا ارادہ یہ رہا ہو کہ عامل اول کی مدد کرے تو اسے کچھ نہ ملے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مضارب اول نے دوسرے سے یہ طے کرلیا ہے کہ تم کو تنہا ہی کام کرنا ہوگا تو اس صورت میں یہ معاہدہ صحیح ہوگا اور مضارب اول برطرف متصور ہوگا لیکن معاہدۂ مضاربت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہوگی کہ سرمایہ (رقم مضاربت) ان تمام شرایط کے مطابق ہو جو صحت مضاربت کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً سرمایہ نقد کی صورت میں ہو مال تجارت نہ ہو وغیرہ جو پہلے بتائی گئیں۔

اگر کارکن کسی اور شخص سے معاہدۂ مضاربت مالک کی اجازت کے بغیر کرلے تو دوسرا معاہدہ فاسد ہو جائے گا اور دوسرے مضارب نے اس مضارب کے سرمایہ سے کچھ خریدا یا کوئی مال فروخت کیا ؛ یا ایسا ہی کوئی اور معاملہ کیا تو اس قسم کے تمام معاملات جو اس نے انجام دیے باطل ہوں گے کیونکہ وہ ایک فضولی (بے تعلق شخص) ہے جسے کوئی عمل دخل کا حق نہیں ہے۔ نیز اس شخص نے جو کچھ خرچ کیا اس کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ اس کی حیثیت غاصب ـ

←(ناجائز متصرف) کی سی ہے ۔ مضارب اول کا وہ مال جو اس نے دوسرے کو دیا ہے واپس لینا اور معاہدۂ سابقہ کے مطابق جو اس نے مالک کے ساتھ کیا تھا کاروبار کرنا درست ہے ، لیکن اگر کوئی مال (عامل ثانی) نے اور اس کے دام مضاربت کی رقم سے نہیں ادا کیے بلکہ اس رقم قرض سے ادا کیا جو اس کے ذمہ واجب الادا تھی اور یہ شرط عامل اول سے طے ہو گئی تھی (کہ جو رقم قرض کی واجب الوصول ہے اس سے مال خریدا جائے گا) تو وہ تمام نفع جو مضارب ثانی کے خرید کردہ مال سے حاصل ہوا وہ مضارب اول کا ہوگا ۔ اس میں سے نہ کارکن ثانی کو کچھ ملے گا (کیونکہ وہ کام سرمایۂ مضاربت سے ہوا ہی نہیں) اور نہ مالک مال کو ملے گا (کیونکہ اس کا مال کاروبار میں نہیں لگا) البتہ مضارب اول کو لازم ہے وہ کارکن کو اجر مثل (کام کی مناسب اجرت) دے ۔ اگر وہ مال کارکن ثانی نے اپنے لیے خریدا تھا (گو وہ رقم قرض واجب الادا سے خریدا گیا) وہی اس کا فائدہ حاصل کرے گا اور عامل اول کو کوئی حق نہیں ہے ۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مضارب کسی اور شخص سے مضاربت کا معاملہ کرے اور یہ اس نے مالک کی اجازت سے کیا ہے وہ درست ہے ۔ اگر اس کی اجازت سے نہیں ہوا تو فاسد ہے ۔ چنانچہ اگر محمد نے خالد کو ایک مال دیا تاکہ وہ اس سے نفع کے ایک حصہ کے معاوضہ پر کاروبار کرے اور خالد نے محمد کی اجازت کے بغیر وہ مال کسی اور شخص کو دیا کہ وہ اس سے بطور مضاربت کاروبار کرے تو مال کی ذمہ داری خالد پر ہوگی ۔ اگر وہ مال تلف ہوگیا یا اس میں گھاٹا آیا تو اسے پورا کرنا ہوگا ۔ اگر اس میں نفع ہوا ہو تب بھی خالد کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ وہ نفع کارکن ثانی اور مالک کے درمیان تقسیم ہوگا ۔ اگر خالد نے محمد سے یہ شرط کی تھی کہ اس کو منافع میں سے نصف ملے گا اور پھر خالد کی اجازت کے بغیر اس نے کسی اور سے دوتہائی نفع کی شرط پر معاہدہ کیا تو اس صورت میں جو نفع ہوگا وہ کارکن ثانی اور مالک مال کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوگا اور خالد کارکن ثانی کو نفع کا باقی حصہ دینے کا ذمہ دار ہوگا جو اس کا حصہ قرار پایا تھا لھذا اس پر لازم ہے کہ منافع کا نصف حصہ پورا اسے دے دے ؛ دو تہائی نہیں جس کی شرط تھی ۔

اگر خالد نے دوسرے شخص کے ساتھ اس رقم سے کم کا معاہدہ کیا تھا جو←

کاروبار مضاربت میں حاصل شدہ نفع کے تقسیم کرنے کا بیان

اگر مضاربت کے سرمایہ سے کچھ نفع حاصل ہوا تو اس نفع کے مضارب اور مالک مال کے درمیان تقسیم کرنے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں ۔[۱]

← اس کے ساتھ طے ہوئی تھی ، مثلاً اس شخص کے لیے ایک تہائی نفع کا حصہ رکھا اور خود اس کو نصف نفع ملنا قرار پایا تھا تو اس صورت میں خالد کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ تمام نفع کارکن اور مالک مال کا حق ہوگا ، لہٰذا دوسرا کارکن ایک تہائی لے گا جیسا کہ اس کے ساتھ شرط تھی اور دو تہائی مالک لے گا اور عامل اول یعنی خالد کو کچھ نہ ملے گا ۔ اگر کاروبار میں کچھ نفع نہ ہوا تو کارکن کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کارکن کو منافع کے سوا اور کسی شے میں سے کچھ نہیں ملتا ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کارکن کو یہ حق نہیں ہے کہ مالک مال کی اجازت کے بغیر سرمایۂ مضاربت پر کسی اور سے معاملۂ مضاربت کرے ۔ ایسا کیا تو معاملہ فاسد ہو جائے گا ۔ لیکن اگر مالک نے اجازت دے دی تو جائز ہے کہ کارکن اس مال سے دوسرے شخص کے ساتھ معاملۂ مضاربت کرے اس کا یہ تصرف اور دوسرے کارکن کا مال میں تصرف درست متصور ہوگا ۔

---

۱ ۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک مالک اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کو وصول نہ کرلے نفع کی تقسیم درست نہیں ہے ۔ اگر نفع اس سے پہلے تقسیم کیا گیا یہ تقسیم معرض التوا میں رہے گی ۔ اگر مالک اپنے سرمائے کو وصول کرلے تو یہ تقسیم درست ہو جائے گی ورنہ باطل ہوگی ۔ چنانچہ اگر کارکن نے سرمایہ کو کاروبار میں لگایا اور ایک سو کا فائدہ ہوا اور مالک کو پچاس دے دیے گئے اور کارکن نے بھی پچاس وصول کرلیے تو یہ تقسیم ہنوز ملتوی متصور ہوگی ۔ جب مالک لگا ہوا سرمایہ وصول کرلے گا تو یہ تقسیم درست ہو جائے گی ، ورنہ باطل ہو گی ۔ اور وہ جو پچاس اس نے وصول کر لیے ہیں وہ سرمایہ کا ایک حصہ متصور ہوگا اور کارکن نے جو پچاس لیے ہیں لازم ہے کہ وہ بھی مالک کو دے دے کیونکہ وہ ←

← سرمایہ کی رقم ہے۔ اگر کارکن اس رقم کو کام میں لایا یا اسے تلف کر دیا تو لازم ہوگا کہ وہ رقم واپس کرے یہاں تک کہ مالک مال کے سرمایہ کی رقم پوری ادا ہو جائے۔ اس کے بعد جو مال کارکن کے پاس باقی رہے وہ نفع ہے اور اس کو دونوں میں باہم تقسیم کیا جائے۔ اگر سرمایہ کی رقم کارکن کے پاس تلف ہوجائے یا کم ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے کیونکہ مضارب کی حیثیت ایک امانت دار کی سی ہوتی ہے اور امانت کا تاوان لازم نہیں ہوتا۔

اگر منافعہ تقسیم کر لیا گیا اور سرمایہ کارکن کے پاس رہ گیا تو معاملۂ مضاربت فاسد ہو جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا معاہدۂ مضاربت ازسرنو کیا جائے گا اور تب وہ نفع جو تقسیم ہوا وہ تقسیم نافذ العمل ہوگی اور اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

اگر کارکن رقم مضاربت سے انکار کرے اور بعد میں سو کا اقرار کرے تو سرمایہ کی ذمہ داری اس پر عاید ہوگی۔ اگر انکار کرنے کے بعد مال مضاربت سے سودا خریدا تو یہ اس کا ذاتی مال متصور ہوگا۔ اگر اس میں خسارہ ہوا تو وہ مالک کا خسارہ نہیں ہوگا۔ اگر اقرار کے بعد مال خریدا تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ اس نے اپنے لیے خریدا ہے اور بہتر یہ ہے کہ معاہدۂ مضاربت باقی رہے اور کارکن پر اس کی ذمہ داری عاید نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مضاربت کا سرمایہ وصول ہونے سے پہلے منافعہ کی تقسیم درست ہے لیکن اگر منافعہ تقسیم کر دیا گیا اور ہنوز تمام مال تجارت فروخت نہ ہوا تھا اور مال نقد (درہم و دینار یا سکوں) کی شکل میں منتقل نہیں ہوا تھا یعنی مال تجارت بکنے کے بعد نقدی نہ بنا تھا تو نفع پر قبضہ بحال تسلیم نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر نفع کی اس تقسیم کے بعد سرمایہ میں کمی رہ گئی تو اس کو نفع کی رقم سے پورا کیا جائے گا۔ لہٰذا جو حصہ کارندے نے لیا وہ واپس کیا جائے گا اور مالک نے جو کچھ لیا اس کو سرمایہ میں محسوب کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ آیا تمام سامان تجارت کے فروخت ہو جانے سے پہلے منافعہ کا علم ہونے کے ساتھ ہی مالک مال کو نفع کے اپنے حصہ کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے یا تقسیم کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں اور ←

ہے۔ زیادہ قوی خیال یہ ہے کہ مالک نفع کا علم ہوتے ہی اپنے حصہ کا مالک ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جب سامان تجارت تمام فروخت ہو جائے اور مال مضاربت نقدی کی شکل میں منتقل ہو جائے اور کاروبار میں خسارہ نہ ہوا ہو اور نہ خسارہ کو منافعہ کی رقم سے پورا کرنا ہو تو رقم سرمایہ واپس لی جائے گی۔ اگر مالک منافع کا علم ہونے سے پہلے بھی اپنی کچھ رقم واپس لینا چاہے تو مضایقہ نہیں ہے۔ جو مال باقی رہے گا اس کو (بقایا) رقم سرمایہ متصور ہوگا۔ اگر منافعہ کا علم ہونے کے بعد رقم واپس لی تو واپس شدہ رقم کو سرمایہ اور اس کے حصہ کے منافعہ میں محسوب کر لیا جائے گا۔ پس اگر سرمایہ مثلاً ایک سو کا تھا اور پچاس نفع ہوا جس میں مالک کا نصف حصہ ہے، اگر مالک نے مثلاً پچھتر واپس لے لیے تو اس کے منجملہ پچاس تو اصل سرمایہ میں اور پچیس نفع کے آدھے حصہ میں جس کا وہ حق دار ہے محسوب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ کاروبار میں گھاٹا ہو جائے یا کسی آسمانی آفت سے مال تلف ہو جائے، یا چور چرا کر لے جائے تو یہ تمام نقصان منافعہ سے پورا کیا جائے گا، یعنی تلف ہونے یا خسارے کے بعد جو مال بچ رہا ہے اس کو حاصل شدہ نفع سے پورا کیا جائے۔ اس کے بعد سرمایہ کو نکال کر کچھ بچ رہے تو پسماندہ رقم مالک اور مضارب (کارکن) کے درمیان طے شدہ شرایط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اگر اس سے پہلے کہ مالک نے اپنا سرمایہ وصول کر لیا ہو منافع کی تقسیم عمل میں آئی تب بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا جائے گا یعنی خسارہ کی صورت میں جو منافعہ لیا گیا ہے اسے واپس کرکے اصل سرمایہ کو پورا کیا جائے گا۔ اگر مالک نے سرمایہ میں نقصان ہونے یا کچھ ضایع ہونے کے بعد اس کو لے لیا اور پھر دوسری بار مضاربت کے طور پر واپس کر دیا تو اس صورت میں سابقہ گھاٹے کو اس سے پورا نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ نیا معاملۂ مضاربت ہے۔ اسی طرح اگر تمام مال ضایع ہوگیا اور کارکن کو مالک نے اور مال دیا اور اب کی بار نفع ہوا تو اس جدید حاصل شدہ نفع سے سابقاً تلف شدہ مال کو پورا نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ نیا معاملۂ مضاربت ہے۔

اگر مال کا کچھ حصہ تلف ہوگیا اور مالک مال نے یہ چاہا کہ اس سے جو ضعف (کاروبار کو) پہنچا ہے اس کو دور کرنے کے لیے کارکن کو اسی قدر رقم

—جو تلف ہوئی ہے اور دے دی جائے ، اگر یہ کمی کاروبار کرنے کے بعد ہوئی ہے تو کارکن کو لازم ہے اسے قبول کرے (اور کاروبار جاری رکھے) - اسی طرح اگر کل سرمایہ تلف ہوگیا اور مالک اس کی بجائے پھر مال عطا کرے تب بھی اسے قبول کر لینا چاہیے - لیکن مالک کو بہرحال اس خسارے کے سدباب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا -

حنابلہ کہتے ہیں کہ کارکن کا نفع میں کوئی حق نہیں ہوتا ، تاوقتیکہ پہلے سرمایہ اس کے مالک کو واپس نہ کر دیا جائے اور خسارے کو منافعہ کی رقم سے پورا نہ کر دیا جائے - لہٰذا اگر کوئی مال خریدا اور اس میں نفع ہوا پھر کچھ اور خریدا جس میں نقصان ہوا تو اس فائدہ کو اس خسارے میں شامل کردیا جائے گا ، لیکن سرمایہ میں کمی نہ آنے دی جائے گی - لیکن اگر مالک نے اپنا سرمایہ لے لیا اور دوبارہ کاروبار مضاربت کے لیے مضارب کو دے دیا اور اس بار فائدہ ہوا تو اس فائدہ سے سابقہ نقصان کو پورا نہ کیا جائے کیونکہ یہ ایک نیا معاہدہ ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ مضاربت کا یہ سرمایہ اس وقت لیا گیا ہے درآنحالیکہ تمام (سابقہ) مال تجارت فروخت ہو چکا ہو اور سرمایہ سونے چاندی کی نقود کی شکل میں منتقل ہو گیا ہو جسے فی زمانہ تصفیة التجارة (یا کاروبار کی تکمیل) کہا جاتا ہے - تصفیة التجارة کا مطلب فقہا کے نزدیک یہ ہے کہ مضاربت کا سرمایہ ''ناض'' کی صورت میں منتقل ہو چکا ہو - لغت میں لفظ ''ناض'' کے معنے سامان تجارت کے نقدی میں منتقل ہو جانے کے ہیں - پس اگر اس کے بعد باہمی حساب فہمی ہوئی اور نفع باہم تقسیم ہو چکا لیکن مالک مال نے اپنا (لگایا ہوا) سرمایہ واپس نہیں لیا بلکہ کارکن کے ساتھ یہ طے پایا کہ اس مال سے بطور مضاربت (پھر) کام کیا جائے (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور اس میں نفع حاصل ہوا تو اس نفع سے سابقہ خسارہ کو پورا نہ کیا جائے -